

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَنَحْمَدُكَ يَا إِلَهَ الْعَالَمِينَ وَنُثْنِي بِكَ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

لحات جاویدان
حیاتِ امام حسین
علیہ السلام

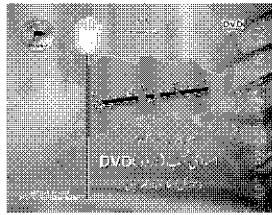


تالیف
حجتہ الاسلام و المسلمین حاج سید ہاشم رسولی محلاتی

منشورات قرآن و سنت

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶

۹۲-۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی



لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

Presented by www.ziaraat.com

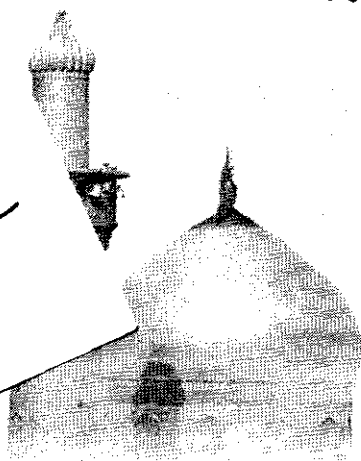
www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

تَرْكُهُ وَنَبَاتُ الْإِيمَانِ الْحَقِيقِيِّ وَتَعْلُفُ الْفُجُورِ وَتَعْلُفُ الْبَغْيِ وَتَعْلُفُ الْوَيْلِ وَتَعْلُفُ الْفِتَنِ

محلات جاویدان حیاتِ امام حسین علیہ السلام

ایک نیا
سیر نذر عباس



C1-8

تالیف

حجت الاسلام آواز مسلمین حاج سید ہاشم رسولی محلاتی

منشورات قرآن و سنت

لام پارک، اسلام آباد، پاکستان 54000-5291021

لام پارک، اسلام آباد، پاکستان 54000-5291022

لام پارک، اسلام آباد، پاکستان 54000-5291023

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔ لمحاتِ جاوید ان حیاتِ امام حسینؑ

مولف۔ حجتہ السلام والمسلمین حاج سید ہاشم رسولی محلاتی

مترجم۔ مولانا سید شہنشاہ حسین نقوی قتی

ناشر۔ منشورات قرآن و سنت

کمپوزر۔ سید محمد باقر شرف الدین موسوی

پرینٹرز۔ کلر گراف پرینٹرز اردو بازار لاہور

تعداد۔ ۱۰۰۰

سال اشاعت۔ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

ملنے کا پتہ۔ فرحان پلازہ گلی نمبر ۴ بلاک نمبر ۴ چیمبر وٹنی ۶۹۰۴۵۷۸-۶۹۰۴۵۷۹-۶۹۰۴۵۸۰-۶۹۰۴۵۸۱-۶۹۰۴۵۸۲

کلر گراف پرینٹرز رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ ۶۹۰۴۵-۶۹۰۴۶-۶۹۰۴۷

تعارف منشورات قرآن و سنت

ادارہ ہذا منشورات قرآن و سنت اسلامی عقائد، احکام، اخلاق، تاریخ، اجتماعیات اور اقتصادیات کو قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنے کے ہدف کے تحت وجود میں آیا ہے اس اہم بلند اور وسیع مقصد کے حصول کی راہ میں ادارہ اس سے قبل اپنی چند منشورات دارالافتاء القرآنیہ کے نام سے شائع کر چکا ہے بانیان کی نظر میں گذشتہ نام میں دو بنیادی غلاء ہونے کی بنا پر نیا نام یعنی منشورات قرآن و سنت کو منتخب کیا ہے۔

پہلا خلا

معاشرے میں جس گروہ نے بھی اسلام کے ایک مصدر کو اٹھایا ہے وہ ہمیشہ اسی میں محو اور گرم ہو گیا ہے۔ جس نے صرف سنت کو اٹھایا ہے وہ قرآن کا ذکر تک نہیں کرتا۔ اور جس نے قرآن کا نام اٹھایا اس نے حدیث و سنت کو مسترد کیا ہے جیسا کہ قرآنیوں کا کہنا ہے۔ جس کی بنا پر دونوں گروہ آج ایک جامع و جاوید ال نظام کیلئے الحادی قوانین اور کفر و شرک کے ساختہ و پر داختہ نظام کے سامنے شکول گدائی لئے کھڑے نظر آتے ہیں بلکہ حدیث میں غوطہ زن اور گم شدہ گروہ نے احادیث کی اسناد کی تحقیق و جستجو کو روکنے اور اس سمت کی طرف رخ کرنے والوں کو ہمیشہ کیلئے سربے زیر کرنے کی غرض سے چوب ارتداد اٹھایا ہوا ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا گروہ قرآن و سنت کا نام لینے میں کراہت و عار محسوس کرتا ہے اور ہر جگہ عزت کا رٹا لگا تا ہے۔ چنانچہ قرآن کی سند و حجت کا ذکر کرتے ہی فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ تفسیر عزت کے تحت اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کیونکہ قرآن کے کسی مطلب میں استقلال نہیں اور ہماری رسائی بھی اس تک نہیں ہے یہ لوگ بھی پہلے دونوں گروہوں کی مانند آئین و دستور زندگی میں لنگڑے ہیں۔ جبکہ قرآن نے مختلف آیات میں واضح الفاظ میں سنت کی پیروی و اتباع کرنے کا حکم دیا ہے (واما تاکم الرسول فخذوه واما نکم عنہ فانکھوا) اور تمہیں جو کچھ رسول عطا فرمائیں لے لو۔ اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ (فاذا تبست الامور علیکم کقطع اللیل المظلم فعلمکم بالقرآن) جب نئے رات کی تاریکی کی مانند تم پر جھوم لے آئیں تو تم قرآن کی پناہ لے لو۔

(میزان الحکمہ ج ۸ ص ۶۴)

امام کا عراق کی جانب سفر کرنے پر مخالفین کے دو گروہ پیش کئے اور اس سفر میں ان مقامات کا ذکر کیا جہاں امام حسینؑ نے قیام فرمایا پھر کربلا کے واقعات اور اہل بیت و اصحاب کی شہادتوں کے بعد امام حسینؑ کی شہادت کا بیان ہے اور آخر میں امام حسینؑ کے فضائل و اخلاق پر علیحدہ سے بحث تحقیق پیش کی ہے اس طرح اس کتاب کے تمام موضوعات کو سترہ ابواب میں تقسیم کیا ہے اس کتاب کے تعارف میں اگر اتنا کہہ دیا جائے کہ یہ امام حسینؑ کے موضوع پر درس خارج کی حیثیت رکھتی ہے تو اس لئے بہتر ہوگا کہ اس میں امام حسینؑ سے متعلق بہت سے اختلافی موضوعات پر موجود اقوال و نظریات کو پیش کرنے کے بعد ان پر تائید یا تنقید پیش کی ہے کہ جس طرح درس خارج میں مجتہد اعظم اپنے شاگردوں کے سامنے تقریر کرتا ہے چنانچہ ممکن ہے کچھ پڑھنے والوں کے نزدیک کوئی موضوع مناسب نہ ہو لیکن اگر وسعت ذہنی کے ساتھ اس کے فوائد کی جانب توجہ دی جائے تو شاید یہ مشکل بھی حل ہو جائے کیوں کہ جیسا کہ میں نے درس خارج سے تشبیہ دی ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب محقق و مدقق افراد کیلئے زیادہ مفید ہے اس میں بہت سے شہادت جو دشمن کی جانب سے اس موضوع پر پیش کئے جاسکتے ہیں حل شدہ موجود ہیں بہر حال انتہائی مفید اور جامع کتاب ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے اگرچہ یہ ترجمہ میرا پہلا کام نہیں لیکن پھر بھی ضخامت کی وجہ سے اگر کہیں ادبی کوتاہی محسوس ہو تو معاف فرمائیں گے۔ بارگاہ پروردگار میں امام حسینؑ کو وسیلہ قرار دے کر دعا کرتا ہوں کہ ہمیں امام حسینؑ اور آپ کے مقدس قیام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ بصیرت عطا فرما اور اس کوشش کو فلاح و سعادت کا سبب قرار دے آمین۔ اور خصوصی دعا کرتا ہوں مولانا باقر شرف الدین موسوی کیلئے کہ جنھوں نے اس خدمت کا موقع فراہم کیا۔

سید شہنشاہ حسین نقوی

مؤلف کے مختصر حالات زندگی

حجۃ الاسلام والمسلمین استاد مولانا سید ہاشم رسول محلاتی سن ۱۳۳۸ھ ق میں ماہ رمضان کی شب ۲۸ کو شہر محلات میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر میں حاصل کی، بعد میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ جو خود بھی محلات کے بزرگ علمائے کرام میں سے تھے قم المقدسہ تشریف لے آئے اور باقریہ اسکول (قم) میں تعلیم کو جاری رکھا جو کہ مرحوم برقی کے زیر انتظام مصروف تعلیم و تربیت تھا۔ پھر والد کی حوصلہ افزائی پر دینی علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ اس زمانہ میں حکومت شاہ کی جانب سے علماء پر اتنی سختی تھی کہ جس کے نتیجہ میں دینی مدارس میں طالب علموں کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی۔ البتہ جب استاد محلاتی تعلیم حاصل کرنے مدرسہ میں آئے تو ایران سے شاہ کا فرار ہونا محسوس کیا جا رہا تھا۔ لیکن ملک کے سیاسی حالات نا مساعد ہونے کی وجہ سے مدرس اور ہم کلاس کا تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے پڑھائی میں ساتھ دیئے کیلئے مرحوم آیت اللہ سید مصطفیٰ خمینیؒ جو کہ اپنے والد گرامی (حضرت امام خمینیؒ) کی تشویق اور حوصلہ افزائی سے پڑھنے آئے تھے، جیسے دوست کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اسی طرح استاد ہاشم رسول محلاتی کے ساتھیوں میں حضرت آیت اللہ شیخ محمد فاضل لنکرانیؒ کا نام لیا جاسکتا ہے جن کا شمار آج ہوزہ علمیہ قم کے جید علمائے عظام اور مراجع تقلید میں کیا جاتا ہے۔

استاد محلاتی نے شرح لعدہ، معالم الاصول، معانی البیان، بدیع، مطول، قوانین اور کفایۃ الاصول کیلئے حضرت آیت اللہ شہید صدوقیؒ، حجۃ الاسلام والمسلمین شیخ اسد اللہ نور الہی اصفہانی، آیت اللہ شہید مطہریؒ، آیت اللہ شیخ عبد الجواد اصفہانی، آیت اللہ مجاہدی تبریزی اور آیت اللہ سید محمد باقری طباطبائی جیسے بزرگ اساتید کے آگے تلمذ کیا۔ آپ نے اصول و فقہ کا درس خارج حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینیؒ سے پڑھا اور جب تک امام خمینیؒ کو ترکی جلاوطن نہ کر دیا گیا ان ہی کے درس میں شرکت کرتے رہے۔ البتہ جلاوطنی کے بعد استاد نے مجبور ہو کر ۱۳۴۳ھ ش (مطابق ۱۳۸۶ھ ق) میں تہران ہجرت فرمائی اور وہاں نوعیہ رشدہ مسجد

امام صادقؑ میں نماز جماعت، بیان احکام اور محکمہ کے جوانوں کی تربیت جیسے امور سنبھالے۔ مگر افسوس چند ماہ بعد ہی والد گرامی کی رحلت کے سبب یہ بہترین مصروفیت چھوڑنا پڑی۔ اس کے علاوہ آپ نے بارہا مقامات مقدسہ عراق کی زیارت کا شرف پایا اور وہاں بھی مختصر مدت ہی سہی، لیکن مرحوم آیت اللہ محسن الحکیم طباطبائیؒ، آیت اللہ شاہرودیؒ اور دیگر اساتید سے درس خارج وغیرہ میں استفادہ کیا۔

استاد کو شروع ہی سے حدیث، تفسیر اور تاریخ سے بہت لگاؤ تھا، لہذا جوں ہی صرف ون ہو، فقہ و اصول وغیرہ سے فراغت پاتے مذکورہ موضوعات پر توجہ دیتے اور مورد پسند عناوین پر مشتمل کتابیں جمع کرتے تھے آپ مالی مشکلات اور باقاعدہ ان موضوعات پر لکھی گئی کتابوں کی کمی جیسے مسائل سے دوچار ہونے کے باوجود بنییدگی فکری و ذہنی صلاحیت اور فن تصحیح و اشاعت کے ماہر اساتید کی مدد سے کامیاب ہوتے چلے گئے۔

جب آقائے طباطبائی کے پرنٹنگ پریس کا قلم میں افتتاح ہوا تو استاد اور آپ کے چند دوستوں منجملہ مرحوم حجۃ الاسلام آقائے میرزا محمد حسین دانش آشتیانی اور حجۃ الاسلام آقائے شیخ علی سہرابی ثینی دام توفیقہ کو دعوت دی گئی کہ وہ ایک ادارہ قائم کریں جس کے توسط سے مختلف کتابیں چھاپی جاسکیں چنانچہ پیشکش قبول کرتے ہوئے یہ طے پایا کہ مناقب شہر ابن آشوب تصحیح اور حاشیوں اور لغات کی توضیح کے بعد چھاپی جائے، لہذا حاشیہ اور تصحیح کا کام حجۃ الاسلام و المسلمین استاد رسول جملاتی اور مرحوم آقائے دانش آشتیانی کے سپرد کیا گیا۔ اس طرح استاد کی تصحیح کا یہ پہلا کام چار جلدوں پر مشتمل منظر عام پر آیا، جبکہ اس کے بعد استاد کی ہمت سے ہی ”دار السلام“ حاجی نوری اور مرحوم اردبیلی کی ”کشف الغمہ“ چھاپی گئی۔

آپ کے قلمی آثار اور استاد کی تالیفات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا حصہ: مختلف کتابوں کے حاشیوں کی تصحیح اور اضافہ و تعلیق

۱. تفسیر مجمع البیان، تالیف: علامہ طبرسی، اشاعت علمیہ اسلامیہ ۱۰ جلد

۲. تفسیر نور الثقلین، تالیف: شیخ عبد علی ہویزی، اشاعت علمیہ قم، ۵ ج

۳. دار السلام، حاجی نوری، اشاعت علمیہ قم، ۴ ج

۴. تفسیر عیاشی، اشاعت علمیہ قم، ۲ ج

۵. مناقب شہر ابن آشوب، اشاعت علمیہ قم، ۴ ج

۶. کشف الغمہ، مرحوم علی بن عیسیٰ اردبیلی، ۳ ج

۷. مرآة العقول، مرحوم علامہ مجلسیؒ، اشاعت حیدری تہران، ۱۰ ج

۸. اثبات الہدایۃ، شیخ حر عاملیؒ، اشاعت علمیہ قم، ۷ ج

۹. ایقاظ الہجۃ فی اثبات الرجوع، تالیف: شیخ حر عاملیؒ، اشاعت علمیہ قم، ۱ ج

۱۰. مقتضب الاثر فی النفس علی الائمه الاثنی عشر، اشاعت علمیہ قم، ۱ ج
۱۱. نفقات الثلاثہ، مرحوم آیت اللہ شیخ اسماعیل محلاتی، اشاعت علمیہ قم، ۱ ج
- دوسرا حصہ: تراجم
۱. ترجمہ: روضۃ کافی، مرحوم کلینی، اشاعت علمیہ اسلامیہ، حیدری تہران، ۲ ج
۲. ترجمہ: ارشاد مفید، اشاعت علمیہ اسلامی، حیدری تہران، ۲ ج
۳. ترجمہ: تفسیر مجمع البیان، اشاعت کتابفروشی فراہانی، ۱ ج
۴. ترجمہ: سورہ مبارکہ انعام، اشاعت کتابفروشی فراہانی، ۱ ج
۵. ترجمہ: صحیفہ علویہ، اشاعت کتابفروشی نظیفی تہران، ۲ ج
۶. ترجمہ: الانصاف فی النص علی الائمه اثنی عشر من الاشراف، اشاعت علمیہ قم، ۱ ج
۷. مقاتل الطالبین، اشاعت کتابفروشی صدوق تہران، ۱ ج
۸. سیرۃ ابن ہشام، اشاعت کتابفروشی اسلامیہ تہران، ۲ ج
- تیسرا حصہ: تألیفات
۱. کیفر گناہ، اشاعت دفتر نشر فرهنگ اسلامی تہران، ۱ ج
۲. مبارزہ با گناہ، اشاعت علمیہ اسلامیہ تہران، ۱ ج
۳. تاریخ انبیاء، اشاعت دفتر نشر فرهنگ اسلامی تہران، ۲ ج
۴. تاریخ زندگانی رسول خدا، تہران، ۳ ج
۵. تاریخ زندگانی حضرت فاطمہؑ و دختران آنحضرتؑ، اشاعت علمیہ اسلامیہ تہران، ۱ ج
۶. تاریخ تحلیلی اسلام، اشاعت وزارت ارشاد اسلامی، ۳ ج (مجلہ پاسدار اسلام کے چند مقالے)
۷. تاریخ زندگانی امیر المؤمنین علیؑ، اشاعت علمیہ اسلامیہ تہران، ۲ ج
۸. تاریخ زندگانی امام حسنؑ، اشاعت دفتر نشر فرهنگ اسلامی، ۱ ج
۹. جنبہ های اخلاقی و سیرۃ عملی حضرت امام رضاؑ، اشاعت دانشگاه مشهد، ۱ ج
۱۰. شرح تألیفات شیخ طوسیؒ و شرح آنها، اشاعت دانشگاه مشهد، ۱ ج
۱۱. زندگانی امام حسینؑ، اشاعت دفتر نشر فرهنگ اسلامی تہران، ۳ ج

ولادت

ہم ابو عبد اللہ الحسین علیہ السلام کی ولادت سے متعلق بہت سی روایات حضرت امام حسن کی زندگی پر مشتمل کتاب میں تحریر کر چکے ہیں، لہذا اب اس موضوع پر نقل ہونے والی دوسری روایات پیش خدمت ہیں۔

تاریخ ولادت

شیعہ، اہل سنت، اہل حدیث اور دیگر تاریخ نگاروں نے منجملہ علامہ مجلسیؒ، شیخ مفیدؒ، علی بن عیسیٰ ربلیؒ ابو الفرج ابن شہر آشوبؒ، ابن اثیر جزریؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کے نزدیک مشہور ہے حضرت امام حسینؑ کی ولادت ہجرت کے چوتھے سال مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جبکہ بعض دوسرے مورخین (مروجہ کلیں) اور اہل سنت کے عالم دین (افتدای وغیرہ) حضرت کی ولادت باسعادت تیسرے سال ہجرت میں مانتے ہیں۔ ۲ مہینہ اور دن کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی ولادت پانچویں شعبان کو ہے عموم اہل حدیث اور اوپر ذکر شدہ افراد نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ لیکن تین شعبان المعظم، ربیع الاول کے آخری ایام اور تیرہ ماہ رمضان المبارک بھی نقل ہوئی ہے۔ جن میں ربیع الاول اور رمضان المبارک کا نظریہ مشہور نہیں، لیکن پانچویں شعبان المعظم کا خیال اہل تاریخ کے نزدیک تین شعبان المعظم کی بنسبت کمزور ہے جیسا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

”الشہر فی ولادته صلوات اللہ علیہ اللہ ولد ثلاث فلول من شعبان ...“ ۵

اس طرح مشہور ترین قول تین شعبان المعظم کے بارے میں ہے جس کی بہترین دلیل مصباح میں شیخ صدوقؒ کی روایت اور وہ توقیع (تحریر) ہے جو امام حسن عسکریؑ کے وکیل ابو القاسم ابن علاء ہمدان کیلئے امام کی جانب سے لکھی گئی تھی، البتہ مشہور ترین قول تنہا اس روایت سے ثابت نہیں ہو سکتا، کیونکہ علامہ مجلسیؒ فن حدیث میں ہم سے کہیں زیادہ ماہر و حاذق تھے اس لئے اس مقام پر ان کا قول مقبول اور مورد اطمینان ہے۔ واللہ اعلم۔

ام الفضلؑ نے خواب دیکھا!

ابن حجر وغیرہ روایت کرتے ہیں:

”رسول اللہؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کی زوجہ ام الفضلؑ نے (جنگا اسم مبارک لبا بہ تھا) ایک ایسا خواب دیکھا جس نے انہیں مضطرب و پریشان کر دیا، چنانچہ تعبیر خواب کیلئے رسول اللہؐ کی خدمت میں تشریف لائیں اور فرمایا: ایست ان عضواً من اعضائک فی بیٹی: ”میں نے خواب دیکھا کہ آپؐ کے اعضائے بدن کا ایک عضو میرے گھر میں ہے۔“

چنانچہ رسول اللہؐ نے خواب کی تعبیریوں بیان فرمائی:

نیلہ فاطمہ غلاماً توضعینہ بلبن فتم: فاطمہؑ کے یہاں بیٹا ہوگا اور تم اسے اپنے بیٹے قسم کے ساتھ دو

دھ پلاؤ گی۔“ ۱

کچھ ہی روز بعد امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے اور ام الفضلؑ (لبا بہ) انہیں اپنے گھر لے گئیں۔ بے

قصہ ولادت اور انتخاب اسم

رسول اللہؐ کی سبط اکبر امام حسنؑ کے قصہ ولادت میں جو روایات شیخ صدوقؒ سے نقل ہوئی ہیں ان میں آیا ہے:

”جب امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے تو نو مولود کو حضورؐ کی خدمت میں لے جایا گیا، تاکہ حضرتؐ بچے کا نام منتخب کریں۔ مگر حضرتؐ نے فرمایا:

”میں نام رکھنے میں خداوند عزوجل پر سبقت نہیں لے سکتا۔“

چنانچہ اسی اثناء میں حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی:

”علیؑ کی نسبت وحییت تمہارے ساتھ ایسی ہے جیسے ہارون کو موسیٰؑ سے تھی، لہذا اپنے اس فرزند کا

نام فرزند ہارون کے نام پر رکھو۔“

حضرتؐ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا: ہارون کے فرزند کا نام کیا تھا؟ عرض کی: اس کا نام شیمیر تھا،

حضرتؐ نے فرمایا میری زبان عربی ہے، جبرئیلؑ نے فرمایا: پھر اس کا نام ”حسین“ رکھیں اور اس طرح

حضرتؐ نے مولود کا نام حسینؑ انتخاب فرمایا۔“ ۲

ولادت کے بعد

ولادت امام حسینؑ سے متعلق امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

”جب امام حسینؑ دنیا میں تشریف لائے تو رسول اللہؐ نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں

۱۔ فقہ (قاف پر پیش اور تاہم پر زیر) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور لبا بہ کے فرزند کا نام ہے۔

میں اقامت کہی، آپؑ نے ساتویں روز فرمایا کہ اس کے سر کے بال تراشے جائیں اور ان کے ہم وزن چاندی بطور صدقہ دی جائے، بھیڑ کا حقیقہ کیا اور پھر اسے دایہ تک پہنچا دیا جائے۔“ ۹ ایک اور روایت میں اسماء بنت عمیسؓ ۱۰ سے نقل ہوا ہے:

”حضرتؑ نے ولادت کے ساتویں روز خاکی رنگ بھیڑوں کا حقیقہ کیا اور مستحقین کو ان کی دورانیں اور چند دینار عطا کئے اور اس کے علاوہ سر کے بال تراش کر ہم وزن چاندی بطور صدقہ دی پھر آخر میں نو مولود کے سر پر خلوق ۱۱ کا عطر ملا۔“ ۱۲

لسان پیغمبرؐ سے ذکر شہادت

اہل سنت کی روایات میں روایت فوق کی مانند اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے آپؐ فرماتی ہیں:

”میں بعد از ولادت بچے کو رسول اللہؐ کی خدمت میں لے گئی، آپؐ نے اسے گود میں لے کر گریہ کرنا شروع کیا۔“

میں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں آخر رونے کا کیا سبب ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا:

ان ابني هذا سقته الفتنة الباغية من امتي لا ان لهم الله شفاعةي ”اے اسماء! میرے اس فرزند کو میری ہی امت کا سنگر ٹوٹ کر قتل کر دے گا خدا انہیں میری شفاعت سے محروم رکھے۔“

اسماءؓ فرماتی ہیں پھر حضرتؑ نے فرمایا:

يا اسماء لا تخبري فانها قربته عهد لولدة ”اے اسماء اس بات کو فاطمہؑ تک نہ پہنچانا، کیونکہ اس موقع پر ان کیلئے یہ خبر غم مناسب نہیں۔“ ۱۳

موکلف لکھتے ہیں:

اس طرح کی اور روایات شیعہ کتب میں تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہیں جس طرح شیخ صدوقؒ اپنی امالی میں سلسلہ سند کے ساتھ ام اسماءؓ سے حسینؑ کی داستان ولادت نقل کرتے ہوئے امام حسینؑ کے بارے میں کہتے ہیں:

”میں جب حسینؑ کو آغوش پیغمبرؐ میں دے چکی تو میں نے دیکھا آپؐ گریہ فرما رہے ہیں اور گودی میں موجود حسینؑ سے فرمایا: انہ سیکون لک حدیث اللہم العن قاتله لا تعلمی بذلک فاطمہ ”اے میرے لال تیری قسمت میں دکھ ہے، اے خدا اس کے قاتل پر تیری لعنت ہو اور دیکھو (اسماءؓ) یہ خبر فاطمہؑ کو مت دینا۔“

اسما و روایت کرتی ہیں، ولادت کے ساتویں روز رسول اللہ کی فرمائش پر میں نومولود کو لے کر آئی حضورؐ نے بچے کا عقیقہ کیا، سر کے بال اتار کر ہم وزن چاندی صدقہ دی اور گود میں لٹا کر فرمایا:

یا ابا عبد اللہ عزیز علیؑ ”اے ابا عبد اللہ! مجھ پر سخت دشوار ہے۔

یہ فرما کر آپؐ بہت روئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ نے روز ولادت بھی گریہ فرمایا اور آج بھی، آخر گریہ کا سبب کیا ہے؟ تب حضورؐ نے فرمایا:

ابکی علی ابی ہذا تقتله فئۃ کافرة من بنی امیہ لعنہم اللہ لانالہم اللہ شفاعتی یوم القیامۃ یقتلہ رجل یشلم والدین ویکفر باللہ العظیم ”میں اپنے اس فرزند پر رو رہا ہوں جسے بنی امیہ کے ظالموں اور کافروں کا گروہ قتل کر دے گا، خدا ان پر لعنت کرے اور قیامت میں میری شفاعت سے انہیں محروم رکھے اس کا قاتل وہ شخص ہے جو دین کی حرمت پا مال کر دے گا اور خداوند متعال کا منکر ہوگا۔“

پھر فرمایا:

اللہم انی استلک فیہما ما سئلک ابراہیم فی زریۃ، اللہم احبہما واحب من یحبہما والعن من یبغضہما ملاء السماء والارض ”اے خدا! میں اپنے ان دونوں بیٹوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کے بارے میں کیا تھا، اے بار الہا! ان دونوں کو عزیز و دوست رکھ اور جو بھی ان دونوں کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور تو ان کے دشمنوں سے زمین و آسمان کے برابر دشمنی رکھ۔“ ۱۳

فرشتے کی شفاء یابی

ولادت امام حسینؑ کی مناسبت سے شیعہ اور سنی روایات میں اختصار و تفصیل اور منتوں کے اختلاف کے باوجود فرشتوں کا رسول اللہؐ کی خدمت میں تہنیت اور مبارک باد پیش کرنے کیلئے زمین پر اترا نیا بیان ہوا ہے، چنانچہ ان روایات میں سے مختصری ایک روایت اس طرح نقل ہوئی ہے۔

شیخ صدوقؒ سند کے ہمراہ اپنی کتاب ”امالی“ میں امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں:

”جب امام حسینؑ نے گیتی پر قدم رکھا تو خداوند عز و جل نے جبریل امینؑ کو حکم دیا کہ ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ رسول اللہؐ کی خدمت میں مبارک بادی کیلئے جائیں، لہذا جبریل امینؑ حکم الہی پر عمل کرتے ہوئے ہزار فرشتوں کے ہمراہ زمین پر نازل ہوئے، لیکن جب ان کا گذر ایک جزیرے سے ہوا جہاں ”فطرس“ نامی فرشتہ جو عرش الہی کے حاملوں میں سے تھا اور اپنی ذمہ داریوں

میں کوتاہی کی وجہ سے سزا کے طور پر بال و پر شکستہ اس جزیرہ میں گرا ہوا تھا جو سات سو سال وہاں عبادت میں مصروف تھا۔

فرشتہ، جبرئیل امینؑ کو دیکھ کر پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟

حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا:

خدا نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک نعمت عطا کی ہے اور ہم انہیں تہنیت و تبریک کہنے کیلئے جا رہے ہیں۔

فطرس نے کہا: مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو شاید حضرت محمدؐ میرے حق میں دعا کریں۔

چنانچہ جبرئیل امینؑ فطرس فرشتے کو اپنے ساتھ حضورؐ کی محفل میں لے آئے اور خدا کی جانب سے امام حسینؑ کی ولادت پر مبارک باد پیش کر کے فطرس کا تمام قصہ سنایا تو آپؑ نے فطرس سے فرمایا: اپنا جسم حسینؑ سے مس کرو، تاکہ اس کے بعد شفا یافتہ زندگی گزار سکو۔

لہذا فطرس نے جوں اپنا بدن اس بابرکت اور محبوب الہی بچے سے مس کیا تو فوراً کھوئے ہوئے بال و پر لوٹنے لگے، چنانچہ رسول اسلامؐ سے یہ کہتا ہوا اپنے دست رفتہ مقام کی جانب چلا۔ ۱۵

”اے رسول خداؐ آپ کی امت اس بچے کو مار دے گی، لیکن میں آج کا احسان اس طرح اتاروں گا کہ جو بھی زائر اس کی زیارت کرے گا میں اس کی زیارت امام حسینؑ تک پہنچا دوں گا اور جو اس پر سلام بھیجے گا میں وہ سلام حسینؑ تک پہنچا دوں گا اور اسی طرح جس نے بھی حسینؑ پر درود پڑھا وہ درود میں لے کر جاؤں گا اور یہ کہہ کر فطرس آسمانوں کی جانب پرواز کر گیا۔“

مؤلف کہتے ہیں:

”البتہ اس مضمون کی احادیث مناقب شہر ابن آشوب، خرائج راوندی، الزیارات اور سرائر وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں۔ ۱۶ جبکہ بعض روایات میں اس سے کہیں زیادہ تفصیل بیان ہوئی ہے اور فرشتے کا نام بھی ”صلصائل“ ذکر ہوا ہے۔ ۱۷ اور شیخ صدوقؒ کی کتاب اکمال الدین اور اہل سنت کی کئی دوسری کتابوں میں شفا یافتہ فرشتے کا نام دروائیل بیان ہوا ہے۔ ۱۸ واللہ اعلم۔“

حواشی و حوالہ جات

۱۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۱۹۸، ۱۹۹، ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۲۳۲، مقاتل الطالبین (مترجم) ص ۷۶، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸، الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۱، حیاۃ الامام الحسن ج ۱ ص ۲۸، تہذیب المعجزہ ج ۲ ص ۳۳۵]

۲۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۰۰، استعیاب، حاشیہ الاصابہ ج ۱ ص ۷۷]

۳۔ [بحار الانوار، جلد ۳۳، ص ۱۹۸، ۲۰۰ اور دوسرے مصادر جو پہلی نمبر میں ذکر ہوا]

۴۔ [ربیع الاول اور ماہ رمضان کا قول مرحوم شیخ نے تہذیب اور شہیدؒ نے دروس میں نقل کیا ہے مگر علامہ مجلسیؒ نے ان دونوں اقوال کو اختیار کرتے وقت شیخ و شہید کا محل رجوع ذکر نہیں کیا چنانچہ بہتر یہی ہے کہ بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۰۰ پر رجوع کیا جائے]

۵۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۰۱]

۶۔ [الاصابہ ج ۳ ص ۶۱، مستدرک الصحيحین ج ۳ ص ۱۲۷، شیعہ ہوالوں میں علامہ مجلسیؒ نے اس روایت کو کچھ اختلاف کے ساتھ شیخ جعفر بن نما سے مشیر الاحزان اور اپنی مہد و نامی کتاب میں بھی نقل کیا ہے و بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۳۲، ج ۳۳ ص ۲۳۶ اور کشف الغمہ میں بطور مرفوع اس روایت کو امام فضل سے نقل کیا ہے اور امامی صدوق و مناقب ابن شہر آشوب میں اسی طرح کی ایک روایت امام فضل سے نقل ہوئی ہے (بحار ج ۳۳ ص ۲۳۲، ۲۳۱)]

۷۔ [”یا محمد العلی الاعلیٰ یقرنک السلام ویقول لک علیٰ منک کھارون من موسیٰ فستم ابنک هذا باسم ابن ہارون“ حار الانوار ج ۳۳ ص ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱]

۸۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۵۷، ملخصات احقاق الحق ج ۱ ص ۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱]

۹۔ [یہ روایت جو اسماء سے نقل ہوئی ہے وہ اہل سنت کی روایات کے مطابق بنت عمیس ہی ہیں جو آئندہ صفحات پر بیان ہوگا کہ یہ حضرت علیؑ اور فاطمہؑ کی شادی کی بھی راوی ہیں۔ جبکہ یہ اسماء حضرت جعفر طیار کی زوجہ تھیں جو بعثت کے ساتویں سال (پانچ سال قبل از ہجرت) تک اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ میں تھیں اور فتح خیبر کے بعد مدینہ لوٹ کر آئی ہیں (یعنی جناب فاطمہؑ کا عقد اور امام حسینؑ کی ولادت انکی غیر موجودگی میں ہوئی) خیال ہے کہ یہ اسماء جنگی رفت و آمد ہزاروں کے گھر میں تھی کوئی اور خاتون ہیں کہ جنہیں راویوں نے غلطی سے بنت عمیس لکھ دیا اور اس طرح دیگر اہل قلم بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے (البتہ ہم یہ تذکرہ زندگی حضرت فاطمہؑ و دختران آن حضرت میں تنقیص کے ساتھ دے چکے ہیں۔ البتہ قارئین محترم ہاں رجوع کر سکتے ہیں) (زندگانی حضرت فاطمہؑ و دختران حضرت ص ۴۷، ۴۸)]

۱۰۔ [خلق سرخی مائل ایک قسم کا عطر ہے جو عرفان اور کئی دوسرے عطروں سے مل کر بنتا ہے]

۱۱۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۳۹]

۱۲۔ [ملخصات احقاق الحق ج ۱ ص ۲۱۳ منقول از تاریخ الخمیس و منابع المودۃ اور دیگر کتب]

۱۳۔ [بحار الانوار ج ۳۳ ص ۲۵۰، ۲۵۱، بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضورؐ نے نومولود کی ولادت سے قبل وحی کے ذریعے بچے کی تقدیر اور شہادت کا حال بیان فرما دیا تھا۔ اسی طرح بعض روایات میں ملتا ہے کہ ولادت سے قبل جب

فاطمہؑ بچے کے حالات سے آگاہ ہوئیں تو اپنے بابا رسول اکرمؐ سے فرمایا: "لیس لی حاجة فیہا یا ابة"۔ بابا مجھے یہ بچہ نہیں چاہئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ سورۃ احقاف آیہ ۱۵ یعنی "ووصینا الانسان بوالدیه احساناً حملتہ امہ کسر ھاو حملہ وفصالہ ثلاثون شهرا" امام حسینؑ اور جناب فاطمہؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ماں نے بچے کے ساتھ حمل وضع حمل کیا اور یہی خبر شہادت تھی کہ ایام حمل وضع حمل میں فاطمہؑ نے سنی اور بچے سے دن گزارے۔ چنانچہ دو مولود بنی دنیا میں ایسے ہیں جن کے ایام حمل چھ ماہ اور جو بیس ماہ شیر خواری کے بنتے ہیں (ایک حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے امام حسینؑ) لہذا امام حسینؑ کیلئے حمل شیر خواری کے تین مہینے ہیں جسکا ذکر آیت میں ہوا ہے۔ اس موضوع پر مزید معلومات اور روایات کی حیثیت و اعتبار جاننے کیلئے بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۵۴ پر رجوع فرمائیں۔]

۱۵۔ [اما ان امتک ستقتلہ ولہ علی مکافاة الا یزورہ زاتر الا ابلفغہ عنہ ولا یسلم علیہ مسلم الا ابلفغہ سلالہ ولا یعلی علیہ مسلم الا ابلفغہ صلواتہ ثم ارفع"۔ بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۲، ۲۵۱، ج ۲ ص ۱۸۲]

۱۶۔ [بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۲، ۲۵۱، ج ۲ ص ۱۸۲]

۱۷۔ [مثلاً روایت شیخ کتاب الغنیۃ میں (بحار الانوار) ج ۳ ص ۲۵۸، ۲۵۹]

۱۸۔ [بحار الانوار ج ۳ ص ۲۳۸، ملحقات الحقیق ج ۱ ص ۲۸۴، ۲۹۶]

ایام نونہالی میں ماں، باپ اور نانا کا سایہ

ایام نونہالی میں ماں، باپ اور نانا کا سایہ

یہ دور امام حسینؑ کی زندگی کا بہترین اور یادگار دور کہا جاتا ہے، کیونکہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے دونوں سے انتہائی پیار و محبت کا اظہار فرمایا جس کی وجہ سے اس زمانے میں پوری امت بلکہ دوسرے بھی ان کا احترام کرتے تھے، جو روایات امام حسنؑ سے متعلق ہیں وہ حضرت کی زندگانی پر مشتمل کتاب کے دوسرے حصہ میں تحریر کی گئی ہیں اور ان روایات میں سے جو امام حسینؑ سے حضرت کی محبت و لگاؤ کے متعلق وارد ہوئی ہیں ذیل کے روایات ہیں:

۱۔ حسین منی وانا من حسینؑ

اہل سنت کے ساتھ سے زیادہ علمائے کرام نے سند اور متن کے مختصر سے اختلاف کے ساتھ رسول اللہؐ سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ۱

بخاری نے کتاب ”الادب المفرد“ میں یعلیٰ بن مروہ سے جو بزرگان اہل سنت میں سے ہیں روایت نقل کی ہے:

”ایک روز ہم رسول خداؐ کے ہمراہ کسی کے ہاں کھانے پر مدعو تھے کہ اچانک راستے میں ”حسینؑ“ نظر آئے حسینؑ کو دیکھ کر حضرتؐ باہیں پھیلے ہوئے بچے کی جانب تیزی سے بڑھے، لیکن حسین بن علیؑ نانا سے کھیلنے اور انہیں ہنسانے کی غرض سے ادھر ادھر دوڑنے لگے، آخر جب آپؐ نے حسینؑ کو پایا تو ایک ہاتھ ٹھڈی پر رکھا اور دوسرا حسینؑ کے سر پر رکھا اور اپنا رخسار حسینؑ کے رخسار سے ملا کر فرمایا:

حسین منی وانا من حسین احب الله من احب حسينا، الحسين سبط من الاسباط ”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، اے خدا! جو حسینؑ سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر،

حسینؑ میرے کنبے کا ایک فرد ہے۔“ ۱

مؤلف کہتے ہیں :

”کتاب ”النبایہ“ میں ابن اثیر جزری نے اس حدیث کو سبط کے مادہ اور اصل میں نقل کرتے ہوئے سبط من الاسباط کے معنی کا رخیر کرنے میں امتوں میں میری امت بیان کئے ہیں۔

مجمع البحرین میں مرحوم طریخی نے ایک اور معنی کا احتمال دیتے ہوئے فرمایا ہے: ممکن ہے، اس حدیث میں لفظ سبط سے مراد ”قبیلہ ہو“ یعنی میری اولاد حسینؑ سے چلے گی، کیونکہ سبط کے ایک معنی درخت کے ہیں جس کے ایک تنے سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں۔“

۲۔ امام حسینؑ کی محبت پر ایک بہترین حدیث

اہل سنت کے کچھ علما مثلاً علامہ گنجی نے کفایۃ الطالب میں، حاکم نیشاپوری نے معرفت الحدیث میں، محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں اور میری نے حیاۃ العیون میں یہ روایت مختلف اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے:

”رسول خداؐ اپنے فرزند حسینؑ کو ہاتھوں پر اٹھا کر اپنے سینے اور پیروں پر بیٹھاتے اور فرماتے تھے: حذقہ حذقہ ترق عین بقہ، اللھم انی احبہ فاحبہ و احب من یحبہ“ اے چھوٹے پیروں والے آؤ اے پش آ نکھوں والے آ، اے اللہ! میں اسے چاہتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ اور اس کے چاہنے والوں کو بھی دوست رکھ۔“

مؤلف کہتے ہیں:

”ابن اثیر جزری اپنی کتاب نبایہ میں اس حدیث کو ”حزق“ کے مادہ و اصل میں نقل کرتے ہیں: رسول اللہؐ حسنؑ و حسینؑ کو اپنے ہاتھوں پر اچھالتے ہوئے مندرجہ بالا جملے ارشاد فرماتے تھے، اور حسینؑ اپنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے رسول اللہؐ کے سینہ مبارک تک آ جاتے۔

ابن اثیر مزید کہتے ہیں:

”حزق“ ایسے ضعیف و ناتوان شخص کو کہا جاتا ہے جو کمزوری اور ضعف کے سبب چھوٹے چھوٹے اور نزدیک نزدیک قدم رکھ کر چلتا ہے۔ خیال ہے! یہ چھوٹے قدم والے آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا پیٹ کچھ نکلا ہوا ہو۔ یاد رہے رسول اللہؐ یہ جملہ بچوں سے مذاح، پیار اور کھیل کی غرض سے کہا کرتے تھے اور عین بقہ چھوٹی آنکھوں کی جانب کنایہ و اشارہ ہے۔ (ابن اثیر اتمام کلام)

اسی طرح بعض دوسرے ادیبوں سے نقل ہوا ہے (چمکر آنکھ) اس فرزند کے چھوٹے ہونے سے استعارہ ہے اس لئے کہ کوئی چیز بھی پش کی آنکھوں سے زیادہ چمونا نہیں ہوتی ہے۔“

حاج فرہاد مرزا کی کتاب ”مقام“ میں لکھا ہے:

”رسول اللہؐ نے اس حدیث کے ذریعے کربلا کی خونچکاں اور پرورد داستان کی خبر دی ہے، کیونکہ دانشوروں کے تحقیقات کے مطابق، چھپر کی آنکھ کی بناوٹ چھوٹے ہونے کے باوجود ایک جالیدار شیشے کی طرح ہے اور چھمران جالیوں کے پیچھے سے دیکھتا ہے... گویا رسول اللہؐ اس پاک و مطہر بدن کو دیکھ رہے تھے جو واردہ جراحات کی وجہ سے صاف و شفاف، جالی دار اور سورخ سورخ جسم کی صورت اختیار کر چکا تھا اور ان کو اس طرح تشبیہ فرما رہے تھے۔“

۳۔ حضرت یوسفؑ سے امام حسینؑ کی شباهت

اہل سنت کے معروف عالم علامہ سنجی شافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں ربیعہ سعدی سے مستند روایت نقل کرتے ہیں:

”جب لوگ اصحاب رسولؐ کی فضیلت اور ایک دوسرے پر برتری میں اختلاف مہ کرنے لگے تو میں اپنے مرکب پر سوار ہو کر حذیفہؓ یمانیؓ سے مدینہ ملنے گیا حذیفہؓ نے مجھ سے فرمایا: کہاں کے رہنے والے ہو؟

میں نے جواب دیا کوفہ کا باشندہ ہوں۔

حذیفہؓ نے فرمایا: اہل کوفہ خوش نصیب ہیں۔

میں نے کہا: اہل کوفہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اصحاب رسولؐ میں کون زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اور میں آپؐ سے اس بارے میں سوال کرنے آیا ہوں۔

حذیفہؓ نے کہا: تم درست آئے ہو، میں وہی کہوں گا جو میں نے دیکھا اور سنا ہے۔

پھر حذیفہؓ نے اپنی بات کو یوں آگے بڑھایا: ایک دن رسول خداؐ ہمارے پاس آئیں، چنانچہ گویا جس طرح تمہیں دیکھ رہا ہوں ان کو دیکھتا ہوں کہ حسینؑ بن علیؑ ان کے شانہ پر سوار تھے۔ اور گویا وہ منظر اب بھی میری نگاہوں میں ہے جب حضرتؑ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حسینؑ کے پیروں کو اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا اور فرماتے جارہے تھے: ۵

”اے لوگو! مجھے معلوم ہے تم میرے بعد بزرگوں کے بارے میں اختلاف کرو گے، تو جان لو کہ ایہ حسین بن علیؑ جس کے نانا محمدؐ سید الانبیاءؑ اور نانی خدیجہ بنت خویلد دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے پہلے خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائی، یہ حسین بن علیؑ جو ماں باپ کے ہوالے سے سب میں اونچا ہے باپ علی بن ابیطالبؑ جو رسول خداؐ کا بھائی، دزیر اور چچا زاد ہے اور وہ ایمان لانے میں دنیا کے تمام مردوں پر سبقت رکھتا ہے اور ماں فاطمہؑ بنت محمدؐ جو عالمین کی عورتوں کی سیدہ ہے۔ یہ حسین

بن علیؑ ہے جو چچا اور پھوپھی کی جانب سے بے مثال ہے۔ ان کے چچا جعفر بن ابوطالبؑ ہے جنت میں اپنے دو پروں کی وجہ سے مشہور ہے وہ جہاں چاہے پرواز کر سکتا ہے اور پھوپھی ام ہانی بنت ابوطالبؑ ہے یہ حسین بن علیؑ ہے جو ماموں اور خالہ کے ہوالہ سے لگانہ روزگار ہے، ان کا ماموں قاسم بن محمد ہے اور خالہ زینب بنت محمد ہے۔

پھر حسینؑ کو زمین پر اتارا جو ڈگر گاتے ہوئے چلنے لگے۔

پھر رسول خداؐ نے فرمایا:

اے لوگو! یہ حسین بن علیؑ ہے جس کے جد و جدہ، ماں باپ، چچا اور پھوپھی، ماموں اور خالہ خود اور بھائی سب کے سب بہشت میں ہیں، سچ ہے کہ جو مقام حسین بن علیؑ کو دیا گیا وہ یوسف بن یعقوبؑ کے علاوہ کسی پیغمبر کی اولاد کو نصیب نہیں ہوا۔ ۶

تین وضاحتیں

اول

علامہ نجفی شافعی حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

”اس حدیث کی سند ایسی ہے کہ مختلف شہروں کے روحانی پیشوا، علماء مجملہ محمد بن جریر طبری اپنی کتاب میں اور امام اہل حدیث عراقی لوگوں کے محدث و مورخ ابن ثابت خطیب اپنی کتاب تاریخ میں اور اسی طرح محدث اہل شام راویوں کے شیخ و بزرگ ابن عساکر و شقی نے اس حدیث کو اپنی تاریخ کے ایک سو پینتیسویں جزء میں مناقب حسین بن علیؑ کے باب میں ذکر کیا ہے۔“

دوم

اس حدیث کے راوی جن کا نام ربیعہ بن سعدی نقل ہوا۔ وہ درحقیقت ربیعہ بن ناجز ازوی ہیں جو رجال اور ترجمہ کی کتابوں میں ربیعہ اسدی کوئی کے نام سے معروف ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسدی کو سعدی لکھ دیا گیا ہو۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے اصحاب و اعوان میں شامل تھی اور حضرت کی رکاب میں لڑتے رہے اور انہوں نے یہ روایت علیؑ ہی سے نقل کی ہے۔ یہ بات بھی قرآن سے واضح ہوتی ہے کہ ربیعہ اسدی کا مدینہ جا کر حذیفہ بن یمان سے ملاقات کرنا تاکہ اختلاف کا حل تلاش کر سکیں۔ خلفاء ثلاثہ میں سے عثمانؓ کے زمانے میں تھا کیونکہ اس زمانے میں لوگ اصحاب رسول اللہؐ کی برتری اور فضیلت میں اختلاف نظر رکھتے تھے، لیکن اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد خاندان پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کی تفصیل کے قائل تھے حذیفہ بن یمان بھی بزرگ اصحاب اور علیؑ کے خاص چاہنے والوں میں سے تھے جو اپنے

آخری ایام، خلافت عثمانؓ کے دور، میں کوفہ آگئے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔
البتہ علیؓ کی خلافت کے تقریباً چالیس روز درک کئے جب تک امیر المؤمنینؓ مدینہ میں ہی تھے، لیکن اس
سے پہلے کہ علیؓ کوفہ تشریف لائیں رحلت فرما گئے تھے، چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ نقل حدیث کے
ذریعے حضرت علیؓ اور دیگر افراد خاندان من جملہ امام حسینؓ کی فضیلت بیان کرنا چاہتے تھے۔

سوم

امام حسینؓ کے بارے میں اس طرح کی احادیث اہل سنت کی دوسری کتابوں میں اختلاف
اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، لہذا تحقیقی جائزہ کیلئے ملحقات احقاق الحق: ج ۱ ص ۲۷۲، ۲۸۳ اور
ہماری کتاب ”زندگانی امام حسینؓ“ کے حصہ دوم میں مفصل اہل سنت کی کتابوں سے نقل شدہ اسی
مضمون کی احادیث دیکھی جاسکتی ہیں۔

۴۔ حضرت جابرؓ سے ایک روایت

اہل سنت کے دس سے زیادہ بزرگ علماء نے مختلف السند روایت حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے نقل کی ہے:
”میں نے پیغمبر اسلامؐ سے حسین بن علیؓ کے بارے میں سنا:

من احب ان ينظر الى سيد شباب اهل الجنة فلينظر الى الحسين بن علي
”جو سردار جوانان اہل جنت کو دیکھنا چاہے وہ حسین بن علیؓ کو دیکھ لے۔“

مؤلف کہتے ہیں:

ہم نے کتاب زندگانی امام حسنؓ میں معروف حدیث ان الحسنؓ والحسينؓ سيد شباب اهل الجنة کو
اہل سنت کی کتب سے بطور تفصیل نقل کی ہے وہاں رجوع فرمائیں (ج ۱ ص ۹۶)۔

۵۔ ابو ہریرہؓ سے ایک روایت

بعض سنی علماء مثلاً حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں، مناوی نے الکواکب الدریہ میں اور خوارزمی نے
مقتل الحسینؓ میں اور اسی طرح دوسرے علمائے اہل سنت نے بھی مختلف اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ
سے روایت نقل کی ہے:

”حسینؓ کا بچپن تھا ایک روز وہ رسول اللہؐ کی آغوش میں آ بیٹھے، آپؐ نے اپنا دہان مبارک کھول
دیا تو حسینؓ نے بھی اپنا دہان کھول کر سر کار دو جہاں کے منہ پر رکھ دیا، اس کیفیت کے بعد حضرتؐ
نے فرمایا: اللهم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ“ اے خدا! میں اسے چاہتا ہوں تو بھی اسے
دوست رکھ اور اس کے چاہنے والوں کو بھی دوست رکھ۔“

▲

مؤلف کہتے ہیں:

”امام حسن علیہ السلام کے بارے میں بھی اسی طرح کی روایت آپ کی زندگانی پر مشتمل کتاب حصہ دوم میں نقل کی گئی ہے۔

۶۔ رسول اللہؐ اپنی زبان اور انگشت مبارک

چوسنے کیلئے وہاں امام حسینؑ میں رکھ دیتے تھے

شیعہ اور بعض اہل سنت کی کتابوں میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ مختلف مواقع پر ”حسینؑ“ کی بھوک اور پیاس مٹانے کیلئے کبھی اپنی زبان اور کبھی انگشت مبارک امام کے وہاں پاک میں رکھتے اور امام حسینؑ چوس کر اپنا اشتہاء مٹاتے تھے، چنانچہ اس مضمون کی ایک روایت جواز طریق اہل سنت ہم تک پہنچی ہے کچھ اس طرح ہے:

اخطب خوارزم جابر بن عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں:

كنا مع النبي مع الحسين بن علي فطش فطلب له النبي ماء أفلم يجدناه فاعطاه لسانه فمصه حتى روي

”ہم ایک موقع پر رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے، آپ کے ساتھ حسینؑ بھی تھے، میانِ راہ حسینؑ کو

پیاس لگی تو حضورؐ نے پانی طلب کیا، لیکن وہاں آب میسر نہ ہوسکا، لیکن تب رسول اللہؐ نے اپنی لسان

نِ مبارک حسینؑ کے وہاں میں رکھ دی اور حسینؑ اسے چوستے رہے یہاں تک کہ خوب سیراب ہو

گئے۔“ ۹

اہل سنت سے ایک اور روایت مناقب شہر بن آشوب میں اس طرح نقل ہوئی ہے:

”جب امام حسینؑ متولد ہوئے تو فاطمہ زہراؑ کیلئے بیماری کے سبب انہیں دودھ پلانا مشکل تھا

چنانچہ حسینؑ کیلئے دائمی تلاش کی گئی لیکن کوئی مناسب خاتون نہ ملنے کے بعد رسول اللہؐ نے دستور دیا

ہر روز بھوک کے وقت حسینؑ کو میرے پاس لایا جائے۔ آپ اپنا اگھوٹھانچے کے منہ میں رکھ دیتے

اور نو مولود اسے چوستا، کیونکہ خداوند متعال نے امام حسینؑ کا رزق رسول اللہؐ کے اِہام (اگوٹھے) میں

رکھا تھا۔“

جبکہ ایک روایت میں یہ وارد ہوا ہے جس طرح کبوتر اپنے منہ سے بچے کے منہ میں غذا منتقل کرتا ہے، اسی

طرح حضورؐ بھی اپنے منہ سے حسینؑ کے منہ میں غذا منتقل کرتے تھے، تغذیہ کا یہ سلسلہ چالیس شب و روز

جاری رہا یہاں تک کہ حسینؑ کا گوشت و پوست محکم ہونے لگا۔ ۱۰

لیکن یہ بات کہ امام حسینؑ نے کسی خاتون کا شیر نہیں پیا حتیٰ اپنی مادرِ گرامی جناب فاطمہؑ کا بھی دودھ نہیں پیا،

بلکہ ہمیشہ رسول اللہؐ کی انگشت مبارک سے دودھ پیتے تھے۔ ۱۱ سید ہاشم معروف حسنیؒ نے ان روایات کے

سند و دلالت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس سے قطع نظر کے بعض ایسی روایات سے منافی بھی ہیں جن میں

صراحت سے آیا ہے حضرتؑ نے اپنی مادرِ نامداریام الفضل یا ام ہانی سے دودھ پیا ہے، چنانچہ اس مضمون کی چند روایات باب اول میں بیان ہو چکی ہیں ۱۳ اور ام الفضل کی ایک روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے: فولدت حسیناً فأغطتہ فأرضعته حتی تحرك ۱۴

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ام الفضل کہتی ہیں:

”رسول خداؐ اُس وقت داخل ہوئے جب میں حسین بن علیؑ کو اپنے بیٹے قُثم کے دودھ سے دودھ پلارہی تھی پھر رسول خداؐ نے چاہا حسینؑ کو اپنے گود میں لے لیں، میں نے حسینؑ، حضرت کو دیا، اتنی دیر میں طفلؑ نے حضرتؑ کے دامن پر پیشاب کیا، میں نے اپنے ہاتھوں کو بچے کی طرف اٹھایا۔ اسی دوران رسول اللہؐ نے فرمایا: میرے بیٹے کو ناراض نہ کرنا اور اُسے پیشاب کرنے سے نہ روکو، پھر آپؐ نے پاک کیا۔“ ۱۵

ایک اور روایت میں جسے ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں نقل کیا ہے، اس طرح آیا ہے ام الفضل کہتی ہے:

رسول خداؐ نے فرمایا:

اے ام الفضل! جو حرکت تم نے میرے بیٹے سے کیا، اُس نے میرے دل کو ٹھیس لگائی۔ ۱۶

البتہ اب جو روایت نقل کر رہے ہیں وہ شاید گزشتہ تمام روایات کے بارے میں باصلاح اہل فن وجہ جمع اور فیصلہ کن ثابت ہو سکے جسے شہر بن آشوب نے ”برہ بنت امیر خزاعی“ نامی ایک خاتون سے نقل کی ہے:

”جن ایام میں حضرت فاطمہؑ کے بطن مبارک میں امام حسنؑ تھے، ایک دفعہ حضورؐ کا مدینہ سے دور کسی شہر کا سفر پیش آیا تو آپؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا: مجھے جبریل امینؑ نے تمہارے یہاں متولد ہونے والی بچے کی خوشخبری سنائی ہے اگر یہ بچہ میری غیر موجودگی میں متولد ہو تو اسے دودھ نہ پلانا، یہاں تک کہ میں واپس لوٹ آؤں، برہ بنت امیہ کہتی ہیں:

”میں ولادتِ امام حسنؑ کے تین روز بعد زہراؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی! اس بچے نے اب تک دودھ نہیں پیا، لایئے میں اسے دودھ پلا دوں، آپؐ نے منع فرمایا، لیکن مہرِ مادری نے مجبور کیا کہ دودھ پلا دیا جائے، اور جب حضورؐ سفر سے واپس تشریف آور ہوئے تو آپؐ نے پوچھا:

فاطمہؑ بیٹی کیا کیا؟ آپؐ نے فرمایا: باباؑ مجھے متانے رہنے نہ دیا، لہذا بچے کو دودھ پلا دیا ہی تو آپؐ نے فرمایا: ہاں شاید خدا کا یہی ارادہ تھا۔“ ۱۷

بالکل اسی طرح جب امام حسینؑ بطنِ مادر میں تھے تو پیغمبرِ اسلامؐ نے ایک سفر پر روانہ ہونے سے قبل زہراؑ سے فرمایا:

”جبریل نے مجھے مژدہ دیا ہے تم بہت جلد ایک بابرکت بچے کی ماں بنو گی مگر دیکھو اسے ہرگز دودھ نہ دینا یہاں تک کہ میں لوٹ آؤں۔“

فاطمہؑ نے فرمایا: بابا! ایسا ہی ہوگا۔

چنانچہ امام حسینؑ کی ولادت کے موقع پر پیغمبر اسلامؐ مدینے میں تشریف فرما نہیں تھے مگر آتے ہی فرمایا: بیٹی فاطمہ! تم نے دودھ کے بارے میں کیا کیا؟

فاطمہؑ نے فرمایا: میں نے اپنے بچے کو دودھ نہیں پلایا۔ یہ سن کر حضور مقبولؐ نے امام حسینؑ اسے اتنی بے تابی سے چوسنا شروع کیا کہ حضرتؐ کو کہنا پڑا میری جان ذرا آرام سے! میری جان ذرا آرام سے! پھر فرمایا:

”خدا نے وہی کیا جو اس کا ارادہ تھا کہ یہ (امامت) تجھے اور تیری نسل میں رہے۔“

اس مقام پر سید طباطبائی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے:

ذَاقُوا عَنِ الْمَاءِ طَعْمًا نَافِعًا مَرَّاحَةً
يُعْطِيهِ إِيَّاهَا مَهْ أَنَا وَأَوْنَةُ
مِنْ جَدِّهِ الْمُضْطَفَّى السَّاقِي أَصَابِعِهِ
لِسَانَهُ فَاسْتَوَتْ مِنْهُ طَبَائِعُهُ
وَطَابَ مِنْ بَعْدِ طَيْبِ الْأَصْلِ فَارْعَهُ
عَرَسَ سَفَاهَ رَسُولِ اللَّهِ مِنْ يَدِهِ

”رسول اللہؐ کی انگشت سے نکلنے والا دودھ حسینؑ کی بھوک مٹاتا تھا، کبھی زبان سے اور کبھی انگوٹھے سے وہ دودھ نہیں، بلکہ صفات رسول اللہؐ منتقل ہو رہے تھے، رسول اللہؐ کا لگایا ہوا پودا جسے خود آپؐ نے پانی دیا وہ اپنی شاخوں (امت) کے ساتھ پھل پھول رہا ہے۔“

۷۔ امام حسینؑ کی نسبت پیغمبر اسلامؐ کا اظہار محبت

اہل سنت کے مشہور عالم دین ترمذی نے اپنی صحیح ترمذی میں ابن عباسؓ سے یوں روایت کی ہے:

”پیغمبر اسلامؐ نے امام حسینؑ کو اپنے شانوں پر بٹھا رکھا تھا کہ راستے میں امام حسینؑ سے ایک شخص نے کہا: نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكْبَتٌ يَا غَلَامُ! ”اے بچے کیا خوب سواری ہے؟ تو فوراً رسول اللہؐ نے فرمایا:

وَنِعْمَ الزَّائِبُ هُوَ يَكُونُ كَمَا خُوبٌ سَوَارٍ ۝ ۱۸

مکاشفۃ القلوب میں جناب ابو حامد غزالی اور کئی دوسرے علماء نے بھی عبد اللہ بن شداد سے نقل کیا ہے:

”ایک دفعہ جب رسول اللہؐ نماز جماعت کی اقتداء و امامت فرما رہے تھے، اسی اثناء میں امام حسینؑ تشریف لائے اور سجدے کی حالت موجود پیغمبرؐ کی گردن پر بیٹھ گئے، حضرتؐ نے سجدے کو اتنا طول دیا کہ لوگ گمان کرنے لگے کہ شاید کوئی بات ہو گئی ہے، چنانچہ جب امام حسینؑ اترے تو نماز تمام ہونے پر عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ! آپؐ نے اتنا طولانی سجدہ لیا کہ ہم سوچ رہے تھے کہ شاید کوئی بات ہوگئی ہے، تو حضورؐ نے فرمایا: میرا بیٹا سوار تھا اور مجھے پسند نہیں تھا کہ اسے خود اتار دوں، چنانچہ میں نے اسے اس کے مزاج پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے۔“ ۱۹

المعجم الکبیر میں طبرانی اسی طرح کئی اور علماء نے بھی یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے: ”رسول اللہ حضرت عائشہؓ کی گھر سے تشریف لا رہے تھے کہ آپؐ کا گزر فاطمہؓ کے گھر سے ہوا، جہاں سے امام حسینؑ کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ آپؐ فوراً گھر میں تشریف لائے اور فاطمہؓ سے فرمایا:

أَلَمْ نَعْلَمْ أَنْ بُكَائِهِ يُؤْذِنِي ”کیا تمہیں نہیں معلوم اس کا رونا مجھے اذیت پہنچاتا ہے؟“ ۲۰
 وَخَارَ الْعَقْلُ فِي جَنَابِ مَحَبِّ الدِّينِ طَبْرِيّ نے یعلیٰ بن مرہ سے نقل کیا ہے:
 إِنَّ النَّبِيَّ أَخَذَ الْحُسَيْنَ وَقَعَ رَأْسَهُ وَوَضَعَ فَاهُ عَلَى فِيهِ فَقَبَّلَهُ ”بے تحقیق رسول اللہؐ نے حسینؑ کو اپنی گود میں اس طرح لٹایا ہوا تھا، بچے کا سر حضورؐ کے ہاتھ پر تھا اور آپؐ اپنے لب حسینؑ کے لبوں پر رکھ کر پیا کر رہے تھے۔“ ۲۱

مودۃ القریٰ میں ابن شہاب ہمدانی نے خود امام حسینؑ سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا:
 يَا بُنَيَّ إِنَّكَ لَكَبِيدِي، طَوْبُيْ لِمَنْ أَحْبَبَكَ وَأَحَبَّ ذُرِّيَّتَكَ، فَالْوَيْلُ لِقَاتِلِكَ ”اے حسین! تو میرا جگر ہے، چنانچہ وہ خوش قسمت ہے جو تجھ سے اور تیری اولاد سے محبت کرے اور وائے ہو تجھے مارنے والے پر“ ۲۲

ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول المهمة میں سند کے ساتھ ام سلمہؓ سے روایت کی ہے:
 ”جبرئیل امینؑ رسول اللہؐ کی خدمت میں تشریف فرما تھے اور اس وقت حسینؑ میرے پاس تھے کہ اچانک حسینؑ حضورؐ کے نزدیک چلے گئے تو آپؐ نے انہیں اپنے زانو پر ٹھالیا یہ دیکھ کر جبرئیلؑ نے فرمایا: أَوْ تَحِبُّهُ يَا مُحَمَّدُ! اے محمدؐ کیا آپؐ اس بچے کو چاہتے ہیں؟
 حضرتؐ نے فرمایا: بالکل ایسا ہی ہے یہ مجھے بہت عزیز ہے۔
 جبرئیلؑ نے مزید فرمایا:

أَمَّا إِنْ أَمْسَكَ سَقَطَتْهُ، وَإِنْ شِئْتَ أَوْفَيْتُكَ تَرْبَةَ الْأَرْضِ الَّتِي يُقْتَلُ فِيهَا ”لیکن آپؐ کی امت اسے مار دے گی اور اگر آپؐ چاہیں تو میں وہ زمین دکھاؤں جہاں یہ بچہ مارا جائے گا۔“
 پھر جبرئیلؑ نے اپنے پر کھول کر حضرتؐ کو سر زمین کر بلا دکھائی۔“ ۲۳
 معجم الکبیر میں طبرانی نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے:

”حضورؑ نے مجھ سے فرمایا:

اے ام سلمہ! میرے حجرے کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور کسی کو اندر آنے نہ دینا۔
ام سلمہؓ کہتی ہے:

چنانچہ میں وہاں بیٹھی تھی کہ اچانک حسینؑ آئے اور میری طرف بڑھتے بڑھتے وہ حجرے میں رسول اللہؐ تک جا پہنچے، میں نے عرض کی! یا رسول اللہؐ میں آپؐ پر قربان معذرت چاہتی ہوں کہ دستور پر اطاعت نہ کر سکی میں حسینؑ کو روک لیتی، لیکن وہ دیکھتے ہی دیکھتے آپؐ تک پہنچ گئے۔
حضرتؑ نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔

پھر کچھ مدت بعد مجھے محسوس ہوا کہ کافی دیر سے حسینؑ حضرتؑ کے پاس ہیں، چنانچہ جا کر دیکھا کہ حسینؑ حضرتؑ سینے پر سرور ہے ہیں اور حضرتؑ کے دست مبارک میں کوئی چیز ہی جسے دیکھ دیکھ کر آپؐ گریہ فرما رہے ہیں۔ میں نے گریہ کا سبب پوچھا تو آپؐ فرمایا:

نَعَمْ أَنَا لِي جَبْرِئِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي يَقْتُلُونَهُ ، وَأَنَا لِي بِالتَّوْبَةِ الَّتِي يَقْتُلُ عَلَيْهَا ، فَهِيَ الَّتِي أَقْلَبُ بِحُفَى جَبْرِئِيلُ خَبْرَ دِيْنِ آتَيْتُهُ كَيْ مِيرِي أَمْتِ حُسَيْنٍ كَوَا رَدْعِي لَئِي أَوْرَا نَهَوْنَ لِي يَه خَاكُ مَجْهِي دِيْ هِي
کہ حسینؑ اس خاک پر مارا جائے گا۔“ ۲۳

ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تہذیب میں اعمش سے اور وہ ام سلمہؓ سے یوں روایت کرتے ہیں:
”رسول اللہؐ میرے گھر تشریف فرما تھے اور حسنؑ و حسینؑ آپؐ کے سامنے کھیل رہے تھے کہ اسی ہنگام جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور فرمایا:

إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ هَذَا مِنْ بَعْدِكَ ، وَأَوْفَا بِيَدِهِ الْحُسَيْنِ ”آپؐ کے بعد آپؐ کی امت اس فرزند کو قتل کر دے گی۔“ ۲۴

حضرتؑ نے جب یہ خبر سنی تو امام حسینؑ کو سینے سے لگا کر بہت گریہ کیا۔
ام سلمہؓ مزید نقل کرتی ہیں:

آپؐ نے ایک مٹھی خاک کر بلا مجھے دیتے ہوئے اسے سوکھا اور فرمایا:

وَبِيعْ كُوبَ وَبِلَاءَ هَآئِ! اَللّٰهُ وَبِلَاءَ سَ۔

ام سلمہؓ فرماتی ہیں اس وقت حضرتؑ نے مجھ سے فرمایا:

يَا أُمَّ سَلَمَةَ إِذَا تَحَوَّلَتْ هَذِهِ التُّرْبَةُ دُمًا فَأَعْلَمِي أَنَّ ابْنِي قَدْ قُتِلَ ”اے ام سلمہ! جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو جان لینا کہ میرا حسینؑ مارا گیا۔“

راوی کہتا ہے، ام سلمہؓ نے اس خاک کو شیشے کی ایک طرف میں رکھ دیا تھا، لیکن ہر روز اسے دیکھ کر فرماتی

تھیں اے خاک، وہ کیسا دن ہوگا جب تو خون میں تبدیل ہو جائے گی۔“ ۲۶

مقتل خوارزمی میں ایک ایسی روایت ہے جس سے قاتل امام حسین کی پستی و ذلالت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کو وصیت کرتے ہوئے کہا:

”مجھے ابن عباسؓ نے حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہؐ کی رحلت کے وقت میں آپؐ کے بستر کے نزدیک تھا اور اس حالت آخر میں بھی پیغمبرؐ نے حسینؑ کو اپنے سینے سی لگایا ہوا تھا اور فرما رہے تھے:

هَذَا مِنْ أَطْغَابِ أُرُومَتِي وَأَنْبَرِ عَثَرَتِي وَخِيَارِ ذُرِّيَّتِي، لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيمَنْ لَمْ يَحْفَظْهُ مِنْ بَعْدِي

”یہ میری نسل کے اطمین و طاہرین و طہرین اور میرے خاندان کے نیک و صالح فرزندوں میں سے ہے خدا اس کی زندگی کو برباد کرے جو میری وجہ سے بھی اس کی حرمت کا لحاظ نہ رکھے۔“

اس کے بعد کچھ دیر نیند کی سی کیفیت رہی اور دوبارہ فرمایا:

يَا حُسَيْنُ إِنَّ لِي وَلِقَاتِيكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَقَامًا بَيْنَ يَدَيِ رَبِّي وَخُصُومَةٍ، وَقَدْ طَابَتْ نَفْسِي إِذْ جَعَلَنِي اللَّهُ خَصْمًا لِمَنْ فَاتَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ”اے حسین! روز قیامت میں تیرے قاتل کے سامنے خصمانہ انداز میں کھڑا ہوں گا اور میں خوشحال ہوں کہ قیامت میں خدا تجھے تیرے قاتل کا دشمن قرار دے۔“

اس کے بعد معاویہ نے یزید سے کہا:

اب وہ حدیث جو خود میں نے رسول اللہؐ سے سنی ہے تیرے گوشگذا کر رہا ہوں، آپؐ نے فرمایا:

أَتَانِي يَوْمًا حَبِيبِي جَبْرِئِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ أَتَكَ تَقْتُلُ ابْنَكَ حُسَيْنًا وَقَاتِلُهُ لَعِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ، وَ لَقَدْ لَعَنَ النَّبِيُّ قَاتِلَ حُسَيْنٍ مَرَارًا ”ایک روز میرے دوست و حبیب جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا: آپؐ کی یہ امت آپؐ کے فرزند حسینؑ کو مار دے گی لہذا اس کا قاتل ملعون امت ہے۔“ ۲۷

مولف کہتے ہیں:

”خیال ہے، ابن عباسؓ کی روایت کے بعد معاویہ کی روایت بنو امیہ کے ہمدردوں نے اپنی جانب سے اضافہ کی ہے، تا کہ اس جرم و خیانت کا بوجھ امیر شام سے اتار کر یزید کے کاندھوں پر ڈال دیا جائے۔“

۸۔ امام حسینؑ اور ان کے محب جنتی ہیں

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی امالی میں جناب حذیفہؓ ایمان سے مستند روایت نقل کرتے ہیں:

”میں نے خود دیکھا حضرت رسول اللہؐ حسین بن علیؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے یوں فرما رہے تھے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَعْرِفُوهُ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ لَفِي الْجَنَّةِ وَمُحِبِّهِ فِي الْجَنَّةِ

”وَمِنْ جَنَّتِي مُجَلِّبُهُ فِي الْجَنَّةِ“ اے لوگو! اسے پہچان لو یہ حسین بن علیؑ ہے، مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے بے شک یہ جنت میں ہے اور اس کا چاہنے والا بھی جنت میں ہے اور اس کے محبوبوں کے محبت بھی جنت میں ہیں۔“ ۲۸

۹۔ ایک قابل توجہ حدیث

جناب ابن شہر آشوب نے اپنی مناقب میں ابن حماد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے: ”پیغمبر حسن و حسینؑ کو شانوں پر بٹھانے کیلئے زمین پر بیٹھ گئے اور انہیں اس طرح بٹھایا کہ دونوں کا ایک پیر حضرتؑ کے سینے پر اور دوسرا (کمر) پشت پر تھا پھر فرمایا: نِعَمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا“ تم دونوں کا کیا خوب (مرکب) اونٹ ہے۔“ ۲۹

مفصل حدیث اس طرح سے ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ بَرَكَ لِحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَجَمَلَهُمَا وَخَالَفَ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا وَأَرْجُلَيْهِمَا وَقَالَ نِعَمَ الْجَمَلُ جَمَلُكُمَا

مرحوم علامہ مجلسیؒ جملے و مخالف بین ایدیہما و ارجلہما کا تجزیہ تین معنی میں کرتے ہیں:

۱۔ اس طرح بٹھایا ہوگا کہ دونوں کا رخ ایک دوسرے کا مقابل تھا۔

۲۔ دونوں کی پشت ایک دوسرے کے مقابل تھی۔

۳۔ ایک کی پشت اور دوسرے کا چہرہ حضرتؑ کی جانب تھی۔

ممکن ہے چوتھا معنی اس طرح ہوا کہ ایک فرزند کو دائیں کا ندھے پر سامنے کی جانب اور دوسرے بیٹے کو بائیں کا ندھے پر پشت کی سمت بٹھا رکھا تھا۔ بہر حال رسول اللہؐ کے اس قول و فعل سے ایک مشترکہ امر سمجھ میں آتا ہے وہ پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کس درجہ ان دونوں بچوں کو عزیز رکھتے تھے اور ان سے پیار و محبت کا انتہائی اظہار فرماتے تھے۔

۱۰۔ یہ بھی ایک اور دلچسپ روایت

ابن شہر آشوب نے حسن بصری اور ام سلمہؓ سے روایت کی ہے:

”ایک روز جبرئیل امینؑ رسول اللہؐ کی خدمت میں مشرف تھے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ حضرت کے قریب تشریف لائے، لیکن جبرئیل امینؑ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے انہیں ”دحیہ کلی“ سے تشبیہ دینے لگا اس وقت جبرئیلؑ نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا گویا کوئی شے ہاتھ میں لے رہے ہیں

۳۰ دحیہ بن خلیفہ بکلی رسول خداؐ کے اصحاب میں سے تھے جو خوبصورتی میں ضرب المثل تھے اور اب تراجم جیسے ابن اثیر اسد الغابہ اور ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں: کبھی جبرئیل دحیہ بن خلیفہ بکلی کی صورت میں رسول خداؐ کے سامنے حاضر ہوتے

کہ اچانک سیب انار اور یہ ظاہر ہوئے اور انہیں دونوں کو بطور ہدیہ پیش کیا، دونوں بچے پھلوں کو لے کر رسول اللہ کی خدمت میں آئے۔

آپؐ نے تینوں پھلوں کو سونگھ کر فرمایا: انہیں اپنے بابا اور مادر گرامی کے پاس لے جاؤ۔

بچے نانائے کے دستور پر عمل کرتے ہوئے انہیں حضرت فاطمہؑ اور امام علیؑ کی خدمت میں لے گئے، لیکن حضرتؑ کے انتظار میں انہیں استعمال نہ کیا گیا، جب حضرتؑ تشریف لائے تو سب نے مل کر انہیں تناول کیا، لیکن تعجب یہ تھا کہ انہیں جتنا کھایا جاتا وہ کم نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ کی رحلت تک وہ کئی بار استعمال پر ختم نہ ہوئے، چنانچہ امام حسینؑ فرماتے ہیں:

وہ اپنی اصلی حالت میں باقی تھے مگر جب ہماری مادر گرامی کی شہادت ہوئی تو ان میں سے انار مفقود ہو گیا پھر سیب اور بہ موجود تھے اور اسی طرح جب ہمارے بابا کی شہادت ہوئی تو کیا دیکھا کہ بہ بھی مفقود ہے اور بالآخر ایک وقت اس خاندان پر ایسا آیا کہ کربلا میں دشمن نے میرا محاصرہ کر کے پانی بند کر دیا، چنانچہ مجھے جب بھی پیاس لگتی اس سیب کو سونگھ لیتا تو میری تشنگی خاموش ہو جاتی تھی لیکن وقت ایسا بھی آیا کہ شدت پیاس نے مجھے مار ڈالا تب اس سیب کو کھاتے ہوئے گویا اپنی موت کو دیکھ رہا تھا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

”یہ واقعہ بابا نے مجھے اپنی شہادت سے ایک ساعت قبل سنایا اور جب میرے بابا شہید ہوئے تو اس نشیب (تل گاہ) سے اس سیب کی خوشبو آرہی تھی، میں نے بہت تلاش کیا، لیکن مجھے سیب نظر نہ آیا اور جب قبر مبارک کی زیارت کی تو وہی خوشبو قبر سے آرہی تھی، چنانچہ ہمارے مخصوص شیعہ جب بھی میرے بابا امام حسینؑ کی زیارت کا شرف ہو تو وقت سحر اس سیب کی خوشبو سونگھیں گے۔“

۳۱

تھے رسول خداؐ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جبریل دیکھلی کی صورت میں میرے پاس آیا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ [ان بزرگ علمائے اہل سنت کے نام اور ان کی کتابوں سے مزید آگاہی کیلئے ملکیات احقاق الحق ج ۱ ص ۲۶۵، ۲۷۹ پر رجوع فرمائیں]

۲۔ [الادب المفروض ۱۰۰ طبع قاہرہ، مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۷۲، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۶، صحیح ترمذی ج ۳ ص ۱۹۵، فائق زنجشیری ج ۲ ص ۸ اور دیگر کتاب]

۳۔ [ملکیات احقاق الحق، ج ۱ ص ۲۹۳ کہ جس میں مذکورہ کتابوں اور کچھ دیگر کتابوں سے نقل ہوا ہے، نہایت ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲۳]

۴۔ [روایت کے اختتام پر مؤلف نے توضیح دی ہے کہ شواہد و قرائن سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ اختلاف نظر خلفائے ثلاثہ کے زمانہ سے مربوط ہے]

۵۔ [”أَيُّهَا النَّاسُ لَا غَرْفَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنَ الْخِيَارِ بَعْدِي، هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ خَيْرُ النَّاسِ جَدًّا وَجَدَّةً حُذُوهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ سَيِّدُ النَّبِيِّينَ، وَجَدَّتُهُ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَلِيدٍ سَابِقَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ إِلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ خَيْرُ النَّاسِ أَبًا وَخَيْرُ النَّاسِ أُمًّا، أَبُو عَلِيٍّ بْنُ أَبِيطَالِبٍ أَخُو رَسُولِ اللَّهِ وَوَزِيرُهُ وَابْنُ عَمِّهِ وَسَابِقُ رِجَالِ الْعَالَمِينَ إِلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأُمُّهُ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ خَيْرُ النَّاسِ عَمًّا وَخَيْرُ النَّاسِ عَمَّةً، عَمُّهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِيطَالِبٍ الْمُزَنِيُّ بِالْجَنَاحَيْنِ يَطِيرُ بِهِمَا فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ يَشَاءُ، وَعَمَّتُهُ أُمُّ هَانِي بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ، هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ خَيْرُ النَّاسِ خَلًّا وَخَالَةً خَالَةُ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ، وَخَالَتُهُ زَيْنَبُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ. ثُمَّ وَضَعَهُ عَنْ غَائِقِهِ فَنَرَجَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَحَبَا. ثُمَّ قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ هَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ جَدُّهُ وَجَدَّتُهُ فِي الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُ وَأُمُّهُ فِي الْجَنَّةِ وَعَمُّهُ وَعَمَّتُهُ فِي الْجَنَّةِ، وَخَالُهُ وَخَالَتُهُ فِي الْجَنَّةِ، وَهُوَ وَأَخُوهُ فِي الْجَنَّةِ، إِنَّهُ لَمْ يُوْتِ أَحَدٌ مِنْ ذُرِّيَةِ النَّبِيِّينَ مَا أُوتِيَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ مَا خَلَا يَوْسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ“. كفاية الطالب، ص ۲۷۲]

۶۔ [معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ بھی امام حسینؑ کی مانند عالمی المنصب ہونے کے سبب اور ایسے ہی (جدوجہد، ماموں، خالہ، ماں باپ...) رشتوں کی وجہ سے زیادہ محترم تھے۔]

۷۔ [ملکیات احقاق الحق، ج ۱ ص ۳۵۹، ۳۶۱]

۸۔ مستدرک حاکم، ج ۱ ص ۱۷۸، مقتل الحسين خوارزمی ص ۱۳۹، اسعاف الراغبین در حلیہ نو الالبصار ص ۲۰۶، و دیگر کتب جو ملکیات احقاق الحق ج ۱ ص ۲۹۶-۲۹۷ میں مذکور ہے]

۹۔ [مقول از مقتل الحسين، اخطب خوارزم، ص ۱۵۲]

۱۰۔ [مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۵۰]

۱۱۔ [جیسے روایت ۱۲، ج ۴ ص ۴۳، بخاری، ۱۹۸، اور روایت ۲۰، از ج ۴ ص ۴۳، بخاری ص ۲۳۵]

۱۲۔ [الائمة الاثني عشر، ج ۲ ص ۱۰]

۱۳ [فصل اول، ص ۳]

۱۴ [طبقات، ابن سعد، ج ۸، ص ۲۷۸]

۱۵ [”دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَ أَنَا أَرْضِعُ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ بَلَكُن ابْنِ كَانَ لِي يُقَالُ لَهُ قُتَمٌ، فَتَنَاوَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ وَنَا وَلَهُ آيَاهُ فَإِذَا عَلَيْهِ فَأَهْوَيْتُ بِيَدِي إِلَيْهِ، فَقَالَ: لَا تَرْمِي ابْنِي، وَرَشَّهُ بِالْمَاءِ.....“ مقتل الحسين، ص ۱۴۴]

۱۶ [”يَا أُمُّ الْقُضَلِ لَقَدْ أَوْجَعَ قَلْبِي مَا قَعَلْتُ بِهِ“ تذكرة الخواص، ص ۳۳۳]

۱۷ [”لَمَّا حَمَلْتُ فَاطِمَةَ بِالْحُسَيْنِ خَرَجَ النَّبِيُّ فِي بَعْضِ وَجُوهِهِ فَقَالَ لَهَا: إِنَّكَ سَتَلِدِينَ غُلَامًا قَدْ هَنَانِي بِهِ جَبْرِئِيلُ، فَلَا تُرْضِعِيهِ حَتَّى أَصِيرَ إِلَيْكَ، قَالَتْ: فَذَخَلْتُ عَلَى فَاطِمَةَ حِينَ وَلَدَتْ الْحُسَيْنَ وَلَهُ ثَلَاثُ مَا أَرْضَعْتُهُ فَقُلْتُ لَهَا: أَغْطِيهِ حَتَّى أَرْضِعَهُ، فَقَالَتْ: كَلَّا نَمْ أَذْرِكُهَا رَقَّةَ الْأُمَّهَاتِ فَارْضَعْتُهُ فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ قَالَ لَهَا: مَاذَا صَنَعْتَ؟ قَالَتْ: أَذْرَكُنِي عَلَيْهِ رَقَّةَ الْأُمَّهَاتِ فَارْضَعْتُهُ فَقَالَ: أَبَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا مَا أَرَادَ.

فَلَمَّا حَمَلْتُ بِالْحُسَيْنِ قَالَ لَهَا: يَا فَاطِمَةُ إِنَّكَ سَتَلِدِينَ غُلَامًا قَدْ هَنَانِي بِهِ جَبْرِئِيلُ فَلَا تُرْضِعِيهِ حَتَّى أَجِيءَ إِلَيْكَ وَلَوْ أَقْسَمْتُ شَهْرًا، قَالَتْ: أَفْعَلُ ذَلِكَ، وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ فِي بَعْضِ وَجُوهِهِ، فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا أَرْضَعْتُهُ حَتَّى جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ فَقَالَ لَهَا: مَاذَا صَنَعْتَ؟ قَالَتْ: مَا أَرْضَعْتُهُ، فَأَخَذَهُ فَجَعَلَ لِسَانَهُ فِي فَمِهِ فَجَعَلَ الْحُسَيْنُ يُمْصُ حَتَّى قَالَ النَّبِيُّ: أَيُّهَا حُسَيْنُ أَيُّهَا حُسَيْنُ ثُمَّ قَالَ: أَبَى اللَّهُ إِلَّا مَا يُرِيدُ، هِيَ فِيكَ وَفِي وَلَدِكَ يَعْنِي الْإِمَامَةَ.“ مناقب ابن شهر آشوب، ج ۳، ص ۲۵۴]

۱۸ [صحیح ترمذی، ج ۱۳، ص ۱۹۸]

۱۹ [”يَبْنَما رَسُولُ اللَّهِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ إِذَا جَاءَهُ الْحُسَيْنُ فَرَكِبَ عَقْبَهُ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاطَّلَ السُّجُودَ بِالنَّاسِ حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ حَدَّثَ أَمْرٌ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالُوا قَدْ أَطَّلَتْ السُّجُودَ يَا رَسُولَ اللَّهِ حَتَّى ظَنُّنَا أَنَّهُ قَدْ حَدَّثَ أَمْرٌ؟ فَقَالَ: إِنَّ ابْنِي قَدْ ارْتَحَلَنِي، فَكِرِهْتُ أَنْ أَعْجَلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ“ ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۰۶]

۲۰ اور ۲۱ [ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۱۳، ۳۱۶]

۲۲ [ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۱۶]

۲۳ [فصول المهمة، ص ۱۵۴، مختصر اختلاف کے ساتھ ام سلمہؓ سے اس طرح کی بہت سی روایات علماء اہل سنت نے اپنی کتابوں میں تحریر کی ہیں۔ (ملحقات احقاق، ج ۱۱، ص ۳۳۹، ۳۶۲)]

۲۴ [ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۳۹]

۲۵ [کفایت الطالب میں حافظ گنجی نے اس روایت کو نقل کیا ہے لیکن اس میں: ”وَنَلُوهُ كَقَامِنِ التُّرَابِ“ (یعنی جبرئیل نے اس جگہ سے ایک مٹھی خاک رسول اللہ گودیا) کا جملہ بھی موجود ہے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ جملہ بھلا دیا گیا ہے]

۲۶ [تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۲۷]

۲۷ [ملکعات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۶۶]

۲۸ [معارف الانوار، ج ۲۳، ص ۲۶۲]

۲۹ [مناقب، ج ۳، ص ۳۸۷]

۳۰ [مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۹۱، ۳۹۲]

رحلتِ رسول اللہؐ سے شہادتِ امیر المؤمنینؑ تک

زندگانی امام حسن علیہ السلام میں بھی ذکر ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کیلئے سب سے زیادہ شیریں ایام وہ مختصر شب و روز تھے جس میں آپ کے نانا رسول اللہؐ کی مہر و محبت کا سایہ سر پر تھا، لیکن افسوس رحلتِ رسول اللہؐ اس خاندان کیلئے تسلی و تشفی کے بجائے مصیبت و مظلومیت کا آغاز بن کر سامنے آئی، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر روز ایک نئی مصیبت لے کر طلوع ہوتا تھا یہاں تک کہ ظلم و تعدی کے ایام کر بلا کی سرزمین پر منتہی ہوئے۔ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت یوں تو تمام مسلمانوں کیلئے ناگوار حادثہ تھی، لیکن ان کے خاندانِ مطہرِ خاص طور پر امام حسینؑ کیلئے یہ واقعہ ناقابلِ برداشت تھا۔ اسی حادثہ سے منافقوں کو جرأت ہوئی کہ خاندانِ رسالتؐ کو مختلف راستوں سے، ظلم و تعدی، غلط بیانی و فریب دہی کے ذریعے، امت کی رہبری سے دور رکھیں اور اس طرح اپنا دیرینہ مقصد پانگیں۔ بہر حال پیغمبرؐ کے اس پاک طینت اور عظیم المرتبت فرزند کی روح مسلسل مصائب و آلام کی وجہ سے متاثر ہوتی رہی اور حضرت حسینؑ بن علیؑ اس غیر معمولی استعداد اور فہم و ذکا کے باوجود روز بروز ان رنج و آلام سے روحانی طور پر محروم ہوتے چلے گئے۔

وقتِ رحلتِ حسینؑ کی سفارش

شیخ صدوقؒ اپنی امالی میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے مستند حدیث نقل کرتے ہیں:

”میں نے رسول اللہؐ کی رحلت سے تین روز قبل آپؐ کو حضرت علیؑ سے گفتگو کرتے سنا:

سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا السَّرِّ نَجَاتَيْنِ، اَوْ صِيكَ بِرِيحَانَتَيْنِ مِنَ الدُّنْيَا، فَقَدْ قَلِيلٌ يَنْهَدُ رُحْمَاكَ وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلَيْكَ ” درود و سلام ہو تم پر اے میرے دورِ بھانوں (خشبہ اور پھول) کے والد گرامی! میں تمہیں اپنے ان دنیاوی دو پھلوں کی سفارش کرتا ہوں (اے علیؑ!) بہت جلد تمہاری زندگی کے دو ستون منہدم ہو جائیں گے اور میرا اللہ ہی تمہارا محافظ ہے۔“

اس حدیث کا ادا مہ یوں ہے :

فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ عَلِيٌّ: هَذَا اَحَدُ رُحْمَتِي الَّذِي قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَلَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ قَالَ

عَلَيْهِ هَذَا الثَّانِي الَّذِي قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ

”جب رسول اللہ نے رحلت فرمائی تو مولائے کائنات نے فرمایا:

”یہ میری زندگی کے ان دوستوں میں سے ایک تھا جو ٹوٹ گیا اور جب فاطمہؑ کی شہادت ہوئی

تو فرمایا: یہ وہ دوسرا ستون تھا جس کی جدائی کی خبر پیغمبرؐ نے مجھے سنائی تھی۔“

ہم نے زندگانی امام حسنؑ باب سوم میں اس روایت کو اہل سنت کی کتابوں سے بروایت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نقل کیا ہے۔ اسی طرح زندگانی امام حسنؑ کے باب سوم میں رسول اللہ کی وہ روایات بھی جس میں دونوں شہزادوں سے آپؐ نے اظہار محبت فرمایا ہے، ابن عباسؓ سے نقل کی ہیں، جس میں امام حسینؑ کا بستر رسول اللہ کے نزدیک جانا اور حضرتؑ کا انہیں اپنے سینے سے لگا کر خن فرمانا بیان ہوا ہے۔

اس کے علاوہ مقتل الحسینؑ خوارزمی سے روایت نقل ہوئی ہے:

”رحلت رسول اللہ ﷺ کے وقت حسینؑ حضرتؑ کے نزدیک تشریف لائے اور حسینؑ نے

خود کو حضرتؑ کے سینے سے لگایا اور رونے لگے۔ حضرت علیؑ نے چاہا کہ بچوں کو جدا کر دیں، لیکن

رسول اللہؐ نے فرمایا:

دَفَعْنِيَا يَمْتَعَانِ مِنِّي وَاتَمَعْتُ مِنْهُمَا فَسْتَصِيهُمَا بَعْدِي اثَرَةً... ”اے علی! انہیں چھوڑ دوتا کہ یہ مجھ

سے اور میں ان سے سکون پاسکوں اس لئے کہ یہ میرے بعد انوار حالات میں مبتلا ہوں گے۔“

پھر آپؐ نے عیادت کیلئے آنے والے اصحاب سے فرمایا:

قَدْ خَلَفْتُ فِيكُمْ كِتَابَ اللَّهِ وَعَتَرَتِي أَهْلَ بَيْتِي، فَلَمْضِيعُ لِكِتَابِ اللَّهِ كَالْمَضِيعِ لِسُنَّتِي، وَالْمَضِيعُ

لِسُنَّتِي كَالْمَضِيعِ لِعَتَرَتِي، إِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْخَوْضَ

”بے شک میں تمہارے درمیان اپنی دو یادگار چیزیں کتاب خدا اور میری عترت کو چھوڑے جا رہا

ہوں لہذا جس نے بھی کتاب خدا کو چھوڑا اس نے گویا میری سنت کو ترک کیا اور جو بھی میری سنت کو

اکارت کرے وہ میری عترت کو چھوڑنے والا ہے بے شک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں

ہوں گے یہاں تک کہ ہوض کوثر پر مجھ سے آئیں۔“

فراقِ مادر

پیغمبرؐ کی رحلت نے امام حسینؑ کی لطیف روح کو بہت متاثر کیا اور ابھی زندگی کی آٹھویں بہار ہی دیکھی

تھی کہ رسول اللہؐ کے سبطِ اصغر پر دوسری مصیبت آپ کی ستم دیدہ زخمی اور غمزہ مادر گرامی کی مظلومانہ

شہادت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

امام حسینؑ نے اپنی مادر گرامی کو فراقِ پدر میں ہمیشہ گریہ کنال پایا اور گریہ اس وقت دوچند ہو جاتا تھا جب

بی بی دونوں کو بغیر رسول خدا کے تنہا دیکھتی تھیں:

”بی بی نے رحلت پدری کا اتنا صدمہ لیا کہ ہمیشہ سر پر نئی باندھے رہتی تھیں اور روز بروز لاغر و ضعیف ہوتی جا رہی تھیں۔ آنسو بھری آنکھوں، شکستہ دل اور لمحہ لمحہ رونما ہونے والی بے حالی کی کیفیت کبھی اپنے فرزندوں امام حسن و امام حسین سے فرماتیں: کہاں ہیں وہ جو تمہیں اپنا بیٹا کہتے تھے، کہاں ہیں تمہیں عزت دینے والے جو تمہیں اپنے شانوں پر بٹھاتے تھے اور جو تم دونوں کو اس قدر چاہتے تھے کہ انہیں تمہارا پیدل چلنا گوارا نہ تھا میری آنکھیں انہیں دیکھنے کو ترس گئی ہیں کہ بابا آئیں اور تمہیں دروازہ کھول کر آواز دیں اور ہمیشہ کی طرح شانوں پر سوار کریں۔“

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سیدہ، جناب حسینؑ کا ہاتھ تھام کر دن میں کسی بھی وقت بقیع میں تشریف لے جاتیں اور ایک گوشے میں بیٹھ کر گریہ فرماتی تھیں اور جب رات ہو جاتی تو علیؑ انہیں گھر لے جاتے۔

ماں کا جنازہ

کشف الغمہ میں علی بن عیسیٰ اربلی نے زہراءؑ کی داستان شہادت آسماءؑ بن عمیس کی زبانی یوں رقم کی ہے:

”جب زہراؑ کی (شہادت) روح پرواز ہونے لگی تو میں نے چاہا حضرت پر چار ڈال دوں کہ اچانک امام حسنؑ و امام حسینؑ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا: اسماء ہماری ماں اس وقت آرام نہیں فرماتی ہیں۔

اسماء نے عرض کی: آپ کی مادر گرامی آرام نہیں فرما رہی ہیں، بلکہ آپ سے جدا ہو چکی ہیں۔ یہ سن کر امام حسنؑ نے خود کو ماں کے جنازے پر گر دیا اور چہرہ مہمطہ کے بو سے دیتے ہوئے فرمایا:

يَا اُمَّاهُ كَلِّمْنِي قَبْلَ اَنْ تَفَارِقَ رُوْحِي بَلَنِي!

”اے میری ماں! جان دینے سے پہلے مجھ سے بات کریں۔“

ادھر امام حسینؑ ماں کے پیروں کو بو سے دے رہے تھے اور فرما رہے تھے:

يَا اُمَّاهُ اَنَا الْبَيْتُ الْخُسَيْنِ، كَلِّمْنِي قَبْلَ اَنْ يَنْصَدَعَ قَلْبِي فَاَمُوتُ! ”ماں میں آپ کا حسین ہوں مجھ سے کلام کریں اس سے پہلے میرا کلیجہ پھٹ جائے اور میں مر جاؤں۔“

اسماءؑ فرماتی ہیں:

میں نے یہ منظر دیکھ کر دونوں سے عرض کی:

”اے فرزند ان رسول! جانیں اور اپنے بابا علیؑ مرتضیٰ کو خیر غم سنائیں، دونوں بچے غمزدہ حالت میں سوئے مسجد روانہ ہوئے۔ اصحاب نے رونے کا سبب پوچھا تو بچوں نے ماں کی جدائی کا

مرثیہ پڑھا امیر المومنینؑ بے تابانہ بیت غم کی جانب روانہ ہوئے اور کچھ دیر بعد تجھیز و تکفین کے انتظام کئے۔“ ۶

ایک اور روایت کے مطابق علامہ مجلسیؒ نے امام حسینؑ کا جسدِ مادر سے وداع ہونا یوں تحریر فرمایا ہے:

”جب علیؑ نے غسل میت سے فراغت پائی اور جنازہ تیار ہو گیا تو حضرتؑ نے اپنے بچوں اور زہرائیؑ کو معروف کنیز فضلہؑ کو آواز دی آخری رخصت کو آجائیں فرمایا:

يَا زَيْنَبُ اَيْنَا سَكْنَتُكَ يَا فَضْلَةُ اَيَا حَسَنُ! اَيَا حُسَيْنُ! اَهْلُمُوْا تَزُوْدُوْا مِنْ اَمْكُمُ فَهَذَا الْفِرَاقُ وَالْفَقْدُ الْجَنَّةُ“ (اے زینب! اے سکینہ! اے فضلہ! اے حسن! اے حسین! آؤ اپنی ماں سے آخری بار ملاقات کر لو کیونکہ پھر یہ دیدار بہشت میں ہوگا۔“

اس وقت امام حسنؑ اور امام حسینؑ آہ و فغاں کے ساتھ یہ نوحہ پڑھ رہے تھے:

”آہ و فغوس ہمارے دل کی آگ مانا اور مادرِ گرامی کی مصیبت میں کبھی خاموش نہیں ہو گئے۔“

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

اِنِّىْ اَشْهَدُ اللّٰهَ اَنْهَا قَدْ حُتَّ وَانْتِ وَمَلَّتْ يَدْنِيْهَا وَصَمَّتْهُمَا اِلَى صَدْرِهَا مَلْبًا، وَاِذَا بِهَا تَفٍّ مِنَ السَّمَاءِ يُنَادِى: يَا اَبَا الْحَسَنِ اَرْفَعُهَا عَنْهَا فَلَقَدْ اَبْكِيَا وَاللّٰهُ مَلَايَكَةَ السَّمَاوَاتِ“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اس گریہ و زاری کے شور میں فاطمہؑ نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے اور بہت دیر دونوں بچوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھا تب اچانک ہاتھ غیبی کی صدا آئی:

اے ابوالحسن! ان دونوں کو سینہ زہرائیؑ سے اٹھا لو، خدا کی قسم اس منظر کو دیکھ کر آسمان پر فرشتے گریہ کننا ہیں۔

میں نے فوراً بچوں کو ان کی ماں سے جدا کر کے بند کفن باندھ دیئے۔“ ۷

آخری رسومات

روایات میں ہے امام حسنؑ و امام حسینؑ نماز جنازہ اور جسم اطہر کی تدفین میں بھی موجود تھے، چنانچہ کتاب خصال میں شیخ صدوقؒ نے امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے:

”جنازہ میں فقط چھ افراد: ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ، مقدادؓ، عمارؓ حذیفہؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ شامل تھے۔“ ۹

ایک حدیث ابنِ شہر آشوبؒ نے تاریخ طبریؒ سے یوں نقل کی ہے:

”حضرت فاطمہؑ کو تاریکی شب میں دفن کیا گیا اور بی بی کے جنازے میں جناب عباسؑ علیؑ، مقدادؓ اور زبیرؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔“

مرحوم ابن شہر آشوب مزید یوں فرماتے ہیں:

✽ ایک روایت کے مطابق حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، جناب عقیلؑ، جناب سلمانؑ، جناب ابوذرؑ جناب مقدادؑ، جناب عمارؑ اور جناب بریرہؑ نماز جنازہ میں شریک تھے۔

✽ ایک دوسری روایت میں ان اسماء گرامی کے علاوہ ابن عباسؓ اور آپ کے فرزند فضل کا نام بھی آیا ہے۔

✽ اور اسی طرح ایک اور روایت میں جناب حذیفہؓ اور جناب عبداللہ بن مسعودؓ کا نام بھی ملتا ہے۔

ماں کی شہادت کے بعد

امام حسینؑ کیلئے ناقابل برداشت مصیبت مادر گرامی کی وہ جان گھلانے والی مظلومانہ شہادت تھی جس نے فاطمہؑ کے تمام بچوں کی لطیف روح پر غیر معمولی اثر چھوڑا۔ اگرچہ فاطمہؑ کے بعد امیر المومنینؑ کے بیت الشرف میں چند اور مخدرات بھی قدم فرماہوئیں، لیکن بچوں کی نسبت صدیقہ کبریٰ کی جگہ کون پر کر سکتا تھا۔ ہاں بچوں پر ماں کا فراق اور باپ کا حق ضائع ہونا اور امیر المومنینؑ کا گوشہ نشینی میں تلخ زندگی بسر کرنا جسے خود علیؑ ان جملوں میں فرماتے ہیں:

فَصَبْرٌ وَ فِي الْغَيْنِ قَذَى وَ فِي الْخَلْقِ شَجَى ”میں نے ایسی کیفیت میں صبر کیا گویا آنکھ میں خار اور حلق میں ہڈی پھنسی ہو۔“

لہذا نانا کی رحلت اور ماں کی شہادت کے ساتھ والد کی غربت و تنہائی کا عالم اولاد و زہراءؑ کیلئے غم افزائی کا سبب تھا، کیونکہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ یہ غیر معمولی ہوش و زکات اور خدا واد صلاحیتوں والے والد گرامی پر ڈھائے جانے والی جانوسز مصیبتوں سے غافل رہے ہوں۔ خاص طور پر حکومت و وقت کی جانب سے امیر المومنینؑ پر عائد کی جانے والی مصیبتوں اور بندشوں سے خوب واقف تھے۔ مثلاً خمس اور دوسرے مالی حقوق ایک ایسی حدیث کے ذریعہ ضائع کئے جا رہے تھے جس کے تنہا سامع ابو بکرؓ تھے رسول اللہؐ نے فرمایا:

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُؤْثِرُ مَا نَرَى كُفَاهَ صَدَقَةٍ ۝

البتہ فدک کا غصب کیا جانا ہی اہل بیت رسولؑ یعنی امیر المومنینؑ اور آپؑ کی آلؑ و اولاد کیلئے مالی اور اقتصادی تنگی کا بڑا سبب تھا، کچھ مدت بعد عمرؓ کے دور میں تو کئی دوسری مشکلات سامنے آنے لگیں، چنانچہ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے، دوسرے دور خلافت میں کسی بھی اصحاب رسول اللہؐ کا بغیر اجازت کے مدینہ سے خارج ہونا ممنوع تھا، اس میں امیر المومنینؑ بھی شامل تھے یعنی علیؑ ممنوع الخروج تھے۔ خود اس سیاست نے خاندان عصمت و طہارتؑ کو جہنی لحاظ سے تنگ حالی میں مبتلا کر رکھا تھا معلوم نہیں عمرؓ نے کس سیاست

کی بناء پر اس حکم کو دیا ہوا تھا چنانچہ مشہور اسکالر ڈاکٹر طحطا حسین جیسے حضرات خلیفہ وقت کی اس سیاست کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اصحاب رسول دوسرے شہروں میں جا کر فتنہ انگیزی نہ کریں، کیونکہ جب عمرؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ نے یزید ابن ابی سفیان اور سعید بن عاص جیسوں کو تو حکومتی منصوبوں پر فائز کیا ہے مگر علیؓ بن ابی طالبؓ، عباسؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ کو بالکل اہمیت نہیں دی؟

تو انہوں نے جواب دیا:

جہاں تک علیؓ بن ابی طالبؓ کی بات ہے تو ان کی شان و منزلت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ انہیں حکومت میں کوئی منصب دیا جائے، کیونکہ وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہیں اور رہا دوسری شخصیات کا ذکر تو مجھے ان سے مختلف شہروں میں فتنہ و فساد کا ڈر لگا رہتا ہے۔“

یہاں ابن ابی الحدید معتزلی کا حاشیہ ذکر کرنا مناسب رکھتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”جو مختلف شہروں میں ان حضرات سے فتنہ و فساد کا خوف کھاتا ہوا ہے اس وقت اس فتنے کا خیال کیوں نہ آیا جب انہی حضرات کو چھ نفری شوریٰ میں شامل کیا، تاکہ یہ زمام حکومت جسے

چاہیں دے دیں۔“ ۱۳

لہذا ان سختیوں، خلاف قانون ظالمانہ بے جا بندشوں کے ذریعے چاہا گیا کہ امیر المومنینؑ خانہ نشین ہو کر سیاست و معاشرتی مسائل سے لاتعلق ہو جائیں بلکہ ایک مؤلف کا بیان ہے، یہ سیاست علیؑ کو بھلا دینے کا ذریعہ تھی۔ ۱۴

البتہ حکومت کی جانب سے امیر المومنینؑ کو اس وقت اہمیت دی جاتی تھی، جب مجبوراً احکام فقہی، قضاوت اور مختلف مسائل میں اسلام کی حقیقی موقف معلوم کرنا ہوتا تھا، کیونکہ رسول اللہ علیؑ بن ابی طالبؓ کے علاوہ کوئی اور ایسی شخصیت نہ تھی جو دین خدا کا محافظ اور نگہبان ہو، شاید اسی وجہ سے دوسرے اصحاب کی طرح امیر المومنینؑ کو جلاوطن کرنا نہایت مشکل امر تھا۔

میرے بابا کے منبر سے اتر آ!

ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ میں روایت نقل کرتے ہیں:

”ایک روز عمرؓ منبر پر بیٹھے خطاب کر رہے تھے کہ اتنے میں حسین بن علیؑ وہاں تشریف لائے تو نزدیک آ کر فرمایا:

اِنْزِلْ عَنْ مَنبَرِ اُمِّي وَ اَذْهَبْ اِلٰی مَنبَرِ اَبِيكَ ”میرے بابا کے منبر سے اترو اور اپنے بابا کے منبر پر جاؤ!“

امام حسینؑ کے اس جملے نے عمرؓ کو جھوڑ کر رکھ دیا، لیکن انہوں نے جواب میں کہا:

لَمْ يَكُنْ لَأَبِي مَيْمُونٍ "اے حسین! میرے بابا کا تو کوئی منبر نہیں؟"

امام حسینؑ فرماتے ہیں:

اس وقت حضرت عمرؓ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بٹھالیا اور جب منبر سے اترے تو گھر لے جا کر کہا:

مَنْ عَلَّمَكَ؟ یہ تمہیں کس نے سکھا کر بھیجا تھا؟ ۱۵

میں نے جواب دیا: مجھے کسی نے نہیں سکھایا۔

یہ سن کر عمرؓ بولے: اے حسین! ہمارے گھر آتے رہا کرو!

امام حسینؑ فرماتے ہیں:

ایک روز میں ان کے گھر گیا تو معلوم ہوا معاویہ کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں اور ان کا بیٹا عبداللہ بن عمرؓ درخانہ پر منتظر تھا، لیکن چند لمحے بعد جب وہ جانے لگا تو میں بھی لوٹ گیا، کچھ روز بعد جب عمرؓ نے مجھے دیکھا تو کہا:

اے حسین! آپ آئے نہیں؟ جواب دیا کہ آیا تھا، لیکن تمہارے بیٹے کی طرح میں بھی لوٹ آیا اس لئے کہ تم معاویہ کے ساتھ بات کر رہے تھے اس پر عمرؓ نے کہا:

فَاتِمَا أَتَيْتَ مَا تَرَى فِي دُورِ سِنَا اللّٰهُ ثُمَّ أَنْتُمْ ۱۶ تم عمر کے بیٹے سے زیادہ لائق ہو، کیونکہ یہ مقام و عظمت ہمارے لئے جو دیکھ رہے ہو وہ پہلے ہمیں ملا ہے پھر تمہیں۔ ۱۷

عثمانؓ کا دور حکومت

بلاخرہ دوسرا دور خلافت جس میں اہل بیتؑ طہارت کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا گزر گیا، چنانچہ جس کی جانب امیر المومنینؑ خطبہ شقیہ میں اشارہ فرماتے ہیں:

فَصَبَّرْتُ عَلَى طَوْلِ الْمُدَّةِ وَشِدَّةِ الْمَحْنَةِ حَتَّى إِذَا مَضَى لِسَبِيلِهِ

امیر المومنینؑ کے گھرانے کو بھی ان تمام مسائل کا شدت سے سامنا کرنا پڑا، لیکن ان حضرات نے اپنے بعد خلافت کا مسئلہ اور پیچیدہ بنا دیا، کیونکہ اب تک خاندان بنو امیہ جو دشمنی اہل بیتؑ پر شفق تھے، ان میں کھل کر دشمنی کرنے کی جرأت نہ تھی، بلکہ پس پردہ اور محتاط سیاست کے مالک تھے، لیکن تیسرے دور حکومت میں نہ فقط مرکزی حکومت پر ان کا تسلط تھا، بلکہ مختلف صوبوں پر تعینات ہونے والے گورنر بھی اس خاندان سے واسطہ تھے اور اس طرح آہستہ آہستہ رسول اللہؐ کے مخلص خیر خواہ اور سچے سپاہی تمام کلیدی منصبوں سے محروم کر دیئے گئے، اسی وجہ سے اصحاب کی ایک بڑی تعداد گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہی تھی، لیکن جب حضرت عمار یاسرؓ، ابوذر غفاریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اصحاب کبار اپنے دینی فریضے پر عمل کرتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو انجام دیتے تو انہیں ضرب و شتم، اہانت و بے حرمتی کا منہ

دیکھنا پڑتا تھا اور اگر زیادہ بولتے تو سزا کے طور پر جلا وطنی اور اسیری کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں، چنانچہ محقق حضرات کیلئے ہم نے زندگانی امیر المومنینؑ میں یہ واقعات تفصیل کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔ ۱۸ تاریخ اسلام کے اس حادثہ کا ذکر خود امیر المومنینؑ نے نبی البلاغہ خطبہ سوم میں اس انداز میں کیا ہے:

فَبِاللّٰهِ وَلِلشُّوْرَى، مَتَى اغْتَرَضَ الرِّبُّ فِیْ مَعَ الْاَوَّلِ مِنْهُمْ حَتّٰی صِرْتُ اِلٰی هٰذِهِ النُّظَاوِرِ اَلْكُنْیَ اَسْفَقْتُ اِذَا سَقُوْا، وَطُرْتُ اِذَا طَارُوْا اَفْصَغَا وَجُلُّ لِبْصَغِهِ وَمَا لَ الْاٰخِرُ لِبْصَغِهِ مَعَ هٰی وَ هٰی، اِلٰی اَنْ قَامَ ثَالِثُ الْقَوْمِ نَافِحًا حِضْنِیْهِ بَيْنَ نَبِیْهِ وَ مُعْتَلِفِهِ، وَقَامَ مَعَهُ بَنُوْا اَبِیْهِ یُخَضِّمُوْنَ مَالَ اللّٰهِ خِضْمَةً الْاَوَّلِ بِنَسَةِ الرِّبْعِ

”اے خدا! میں تجھ سے اس وجود میں آنے والی شوری کے بارے میں مدد مانگتا ہوں۔ آخر یہ کیسے لوگ ہیں جو میرے اور ان دونوں کے بارے میں شک و تردید کا شکار ہوئے اور مجھے ان دونوں کے برابر جاننے لگے اور اب بات یہاں تک آ پہنچی کہ ان (اہل شوری) لوگوں کا مجھے ہم ردیف شمار کیا جا رہا ہے، لیکن میں نے پھر بھی صبر و شکیبائی سے کام لیتے ہوئے ہر نشیب و فراز میں انکا ساتھ دیا۔ کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس طولانی مدت میں کس طرح صبر و تحمل سے کام لیا ہے۔ ان میں سے ایک نے حسد و کینے کی خاطر پھر ایک بار میرے حق سے روگردانی کی (سعد بن ابی وقاص) جبکہ اس دوسرے (عبدالرحمن بن عوف) نے عثمانؓ سے دامادی کی نسبت برقرار رکھنے کیلئے حق سے ہاتھ دھویا اور اسی طرح دوسرے نامناسب کاموں کے سبب اس نے ایسا کام انجام دیا، یہاں تک کہ اس گروہ کا تیسرا فروکش ہوا، حلا نکہ اپنے دونوں حصوں تہہ و بالا کو پر کر لیا اور اس طرح خاندان والے عزیز و اقارب سب جمع ہو گئے اور مال خدا کو مزہ لے لے کر یوں کھا رہے تھے جیسے اونٹ موسم بہار کی گھاس کھاتا ہے۔“

فتح ایران، افریقا اور دیگر واقعات میں

حسینؑ کی شرکت پر اہل تاریخ میں سے چند ایک کا اظہار خیال

تاریخ طبری اور کتاب العبر ۱۹ وغیرہ میں وارد ہوا ہے امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہما السلام کے زمانے میں ان جنگوں میں شریک تھے، جس میں عقبہ بن نافع، عبداللہ بن سرح، عثمانؓ کے برادر رضاعی، سالار جنگ تھے اور جنگ کا اختتام بعض افریقی علاقوں کی فتح پر ہوا۔ اسی طرح امام حسینؑ ایران سے ہونے والے معرکوں میں خاص طور پر فتح طبرستان میں شرکت فرمائی اور نمایاں کارکردگی رہی۔ چنانچہ معروف اس کا لرسید ہاشم معروف حسنی لکھتے ہیں:

”فتوحات میں شرکت فقط انہی دو کتابوں میں ملتی ہے، جس کی بنا پر ان کی صحت پر تردد پیدا نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ان جنگوں پر مشتمل بہت سے تاریخی حقائق پہلے ہی مہمل و پوشیدہ ہیں اور انہیں نقل نہیں کیا گیا۔“

سید ہاشم مزید فرماتے ہیں:

”مذکورہ مطلب صحیح ہے، لیکن بعض مواقع پر عدم نقل خود عدم وقوع پر قرینہ ہوا کرتا ہے، لہذا کچھ اور شواہد سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرات حسینؑ ان معرکوں میں شریک نہ تھے خاص طور پر جب علیؑ مسئلہ خلافت و زعامت مسلمین میں مظلومانہ رویے کا شکار ہوئے ہوں! چنانچہ آپؑ نے خود خطبہ شقشقیہ میں اس تعدی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے: اویٰ تُراہی نہیٰ اور جس کی میراث تاراج ہو چکی ہو۔“

اس خاندان عصمت کے نزدیک غاصبین کا حکومت کرنا مذموم و ممنوع تھا تو کیسے حکمرانوں کی امر و نہی، عزل و تقرر اور جنگ و صلح پر مہر جواز ثبت کی جاسکتی تھی چنانچہ اس مثالی قانون کے تحت انتظامی حکومت اور فوجی امور میں شریک کار نہ ہونا ہی قریب فہم ہے البتہ بقائے اسلام، اتحاد مسلمین اور الہی آئین کی سربلندی کی خاطر عوامی جلسوں، اجتماعات اور دیگر رسومات میں خلاف طبع ہی سہی شرکت فرمایا کرتے تھے۔

الحاصل مورخین کا ابہام کے ساتھ جنگوں میں شرکت کو نقل کرنا خود عدم شرکت پر بہترین دلیل ہو سکتی ہے کیونکہ ایک دو غیر معتبر حدیثوں کا نقل ہو جانا اتنے اہم مسئلے کو ثابت نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم ان روایات کے علاوہ ایک اور نے بے جا و غیر معتبر روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ بعض کا کہنا ہے:

”امام حسینؑ جنگ اقصیٰ میں بھی شریک تھے جو معاویہ کے حکم سے اسکے فاسق فرزند یزید بن معاویہ کی سپہ سالاری میں لڑی گئی تھی۔“ ۲۰

جبکہ خود مؤلف نے اس روایت کو غیر معتبر جاننے ہوئے قبول نہیں کیا ہے۔ انہی بے اعتبار اور غیر مستند روایات میں یہ بھی حکایت کیا گیا ہے:

”جب مدینے اور دوسرے علاقوں کے انقلابیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر چڑھائی کی اور نتیجتاً عثمانؓ مارے گئے تو امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے ان کے گھر کا دفاع کیا۔“

کیونکہ روایات اہل سنت کی چند کتابوں کے علاوہ کہیں اور ذکر نہیں ہوئی ہیں، لہذا خیال ہے یہ روایات سیا ست دانوں کی طرف سے اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کیلئے سیاسی آلہ کار لوگوں نے جعل و ساخت کی ہوں، چنانچہ سبط اکبر امام حسنؓ کے بارے میں ایسی روایات کے مجہول ہونے پر شرح و تفصیل دی گئی ۲۱ مزید تصدیق کیلئے قارئین رجوع کر سکتے ہیں، البتہ آئندہ صفحات پر چند روایات بیان کی جائیں گی۔

حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی کا غم انگیز واقعہ

حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے بزرگ صحابی کی شام و ربذہ کی جانب جلاوطنی پر مشتمل داستان کا تھوڑا (حصہ) زندگانی امام حسنؑ جلد اول میں تحریر ہو چکی ہے، انھیں یہ مصائب تعلیمات اسلام، قوانین قرآن اور سنت پیغمبرؐ کے دفاع اور حق پرستی کے جرم میں کھل کر ناپڑی۔ ۲۲ بیان ہو چکا کہ حضرت عثمانؓ کے دستور کے مطابق جب حضرت ابوذرؓ کو شہر سے نکالا جانے لگا تو مدینے کے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ انہیں رخصت کرنے جاتا گویا اس اسلامی پیرو کے ساتھ ایک ایسے مجرم سا سلوک رکھا گیا، جسے حکومت اسلامی اور نظام الہی میں تخریب کاری کے جرم میں شہر بدر کیا جا رہا ہو۔

لیکن امیر المؤمنینؑ نے اس پروپگنڈے اور خیانت پر مبنی تصور کو مٹانے کیلئے اس عظیم المرتبت صحابی رسولؐ کی قدر دانی اور عزت و احترام کرتے ہوئے شہر بدری کے وقت انہیں دونوں امام حسنؑ، امام حسینؑ جناب عقلؓ و بہتیموں داماد عبداللہ بن جعفرؓ اور عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ جا کر حکومت کی پروا کئے بغیر رخصت کیا اور نہ فقط رخصت کیا بلکہ علیؑ کے ہمراہ آنے والے ہر ایک فرد نے ابوذر غفاریؓ سے حاکم کے ظالمانہ رویے پر تنقید کی جو کہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ ۲۳

چنانچہ رخصت کے وقت امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا:

يَا غَمَّاهُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَادِرٌ أَنْ يُغَيِّرَ مَا تَبَيَّنَ ، وَاللَّهُ كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ، وَقَدْ مَنَعَكَ الْقَوْمُ دُنْيَاهُمْ دِينَكَ ، فَمَا أَغْنَاكَ عَمَّا مَنَعُوكَ وَأَخَوَجَهُمْ إِلَى مَا مَنَعْتَهُمْ فَاسْتَلِ اللَّهَ الصَّبْرَ وَالنَّصْرَ وَاسْتَعِذْ بِهِ مِنَ الْجَشَعِ وَالْجَزَعِ فَإِنَّ الصَّبْرَ مِنَ الدِّينِ وَالْكُورَ ، وَإِنَّ الْجَشَعَ لَا يَقْدَمُ رِزْقًا وَالْجَزَعَ لَا يُؤَخِّرُ أَجَلًا

”اے پچا جان! بے شک خداوند متعال اس بات پر قادر ہے کہ موجودہ صورتحال جسے آپؑ دیکھ رہے ہیں بدل ڈالے، کیوں کہ خدا کیلئے ہر دن ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے اسی خدا نے آپؑ کو ان لوگوں کی دنیا سے روک رکھا اور آپؑ بھی ان سے اپنے دین کی حفاظت کرتے رہے، لہذا کیا خوب ہے جسے وہ آپؑ سے روک رہے ہیں آپؑ ہی اس شے سے بے نیاز ہیں اور وہ محتاج ہیں اس چیز کے جس کی آپؑ کو پروا ہے، پچا جان! خدا سے صبر و شکیبائی اور کامیابی کی دعا کریں اور حرص و بے قراری سے اس کی پناہ مانگیں اس لیے کہ صبر و استقامت دینداری اور انسان کی عظمت کا لازمہ ہے جبکہ حرص سے رزق نہیں بڑھتا اور نہ ہی بے تابی سے موت ملتی ہے۔“

ابوذرؓ جو کہ ضعیف العمر صحابی رسولؐ تھے، امام حسینؑ اور دیگر آنے والے افراد کے جملات سن کر رونے لگے اور فرمایا:

وَجَمَّكُمْ اللَّهُ يَا أَهْلَ بَيْتِ الرَّحْمَةِ ، إِذَا رَأَيْتُكُمْ ذَكَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ مَالِي بِالْمَدِينَةِ سَكَنٌ وَلَا

شَحْنٌ غَيْرُكُمْ، إِنِّي تَقَلَّتْ عَلَيَّ غُثَمَانِ بِالْحِجَازِ كَمَا تَقَلَّتْ عَلَيَّ مُعَاوِيَةُ بِالشَّامِ، وَكَرِهَ أَنْ أَجَاوِرَ أَخَاهُ وَأَبْنَ خَالِهِ بِالْمُضَرِّينَ فَأَقْبَضَ النَّاسَ عَلَيْهِمَا، فَسَيَّرَنِي إِلَى بَلَدٍ لَيْسَ لِي بِهِ نَاصِرٌ وَلَا دَافِعٌ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ مَا أُرِيدُ إِلَّا اللَّهُ صَاحِبًا، وَمَا أَخْشَى مَعَ اللَّهِ وَخَشَةَ

”اے خاندانِ رحمت! خدا آپ لوگوں پر رحمت نازل کرے میں جب آپ لوگوں کی زیارت کرتا ہوں تو مجھے رسول اللہ کی یاد ستاتی ہے، میرا مدینے میں آپ لوگوں کے علاوہ اور کون ہے میں جس طرح شام میں معاویہ کیلئے بھاری تھا اسی طرح حجاز کی سرزمین پر عثمان کیلئے مزاحم رہا، اسی لئے وہ مجھے اپنے بھائی اور ماموں زاد بھائی کے شہروں میں نہیں بھیج رہا کہ کہیں وہاں بھی لوگوں کو ان کے خلاف تیار نہ کر دوں ۲۲ بلکہ مجھے ایسی سرزمین کی جانب شہر بدر کر رہے ہیں جہاں خدا کے علاوہ نہ کوئی آشنا ہے اور نہ ہی کوئی یار و مددگار، لہذا نہ تو خدا کے علاوہ کسی سے مدد کا طالب ہوں اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی سے خوف زدہ ہوں۔“

اس گفتگو کے بعد علی اور آپ کے ساتھی اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور خلیفہ وقت کے کارندے ابوذرؓ کو ربذہ کی جانب لے گئے۔ خلیفہ نے یہ باجراسن کر علی کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ آپ نے ہمارے حکم کو نظر انداز کیا اور مروان کو برا بھلا بھی کہا۔ حضرت نے بھی اس کا جواب دیا۔ اور جب عثمانؓ اس پر معترض ہو کر بولے جس طرح مروان کو تم نے گالی دی ہے وہ بھی تمہیں گالی دینا چاہے۔ تو علیؓ یہ سن کر غضبناک ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے، ایسا نہیں ہوگا۔ اٹھ کھڑے ہوئے، کچھ اور کلام کا تبادلہ ہوا! بالاخر بعض مہاجر و انصار کی مداخلت پر مصالحہ پر منتج ہوا۔ البتہ اس واقعہ کو ابن ابی الحدید وغیرہ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ۲۵

قتل عثمانؓ کی داستان

بعض تاریخ نگاروں سے ہٹ کر جو حقیقی بات زندگی امام حسنؓ میں پیش کی گئی ہے وہ یہ تھی کہ امام حسنؓ اور امام حسینؓ، امیر المؤمنینؓ کے حکم پر عثمانؓ کے گھر پہرا دے رہے تھے، یہاں تک کہ حملہ آوروں کی زد میں آ کر امام حسنؓ زخمی ہوئے۔ بالکل بے بنیاد اور حقیقت سے عاری نظریہ ہے، کیونکہ عثمانؓ کی جانب سے قانون شکنیاں اور خلاف ورزیاں اتنی زیادہ تھیں کہ کسی بھی الہی فرد خاص طور پر امیر المؤمنینؓ اور آپؐ کے معصوم فرزندوں کیلئے ان کا دفاع اور حمایت کرنے کا کوئی مناسب مقام نہیں تھا، کیونکہ بات اس حد تک خراب ہو چکی تھی کہ دنیا کے فریب خوردہ لاو بالی شخصیات مثلاً طلحہؓ، زبیرؓ اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ بھی ان کی حمایت کرنے کیلئے تیار نہیں تھے، بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ انہی شخصیات نے تو لوگوں کو قتلِ خلیفہ پر آمادہ کیا

۲۲ دو شہروں سے مروان بصرہ اور مصر ہے، کیونکہ بصرہ میں ماموں زاد عبداللہ بن عامر تھا اور مصر میں حاکم کا بھائی عبداللہ بن ابی سرح تھا۔

تھا، چنانچہ زندگانی امام حسنؑ میں ان تمام شواہد کو ذکر کیا ہے جو اس بات پر دلیل ہو سکتے ہیں۔ ۲۶۔
لہذا ہمارے نزدیک مسلم ہے ایسی تمام روایات اور خبریں شاید بے آبرو خاندان بنی اُمیہ کو مسلمانوں کے درمیان اہمیت دینے اور ان کے کاموں کو مشروعیت دینے کیلئے جعل و ساخت کی گئی ہیں یا دوسرے مقام صد پوشیدہ ہیں۔ واللہ اعلم

والد کی حکومت کے دوران

خلفاء ثلاثہ کے ادوار میں جو کچھ ہوا وہ قتل عثمانؓ پر تمام ہوا۔ اس کا اور امیر المؤمنینؑ کی پچیس سالہ گوشہ نشینی کا بھی زمانہ گزر گیا بلآخر مسلمان اس نتیجے پر پہنچے کہ اب سوائے علی بن ابی طالبؑ کے کوئی اور مسلمانوں کی راہبری اور لوگوں کی راہ حق و عدالت کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتا۔

لیکن افسوس مسلمانوں کو یہ خیال بہت دیر سے آیا جبکہ بے راہ روی، نادرست عادتیں، آسائش طلبیاں نفس پرستی ریاست طلبی اور ذخیرہ اندوزی جیسی بیماریاں لوگوں میں سرایت کر چکی تھیں یعنی یہ امراض شوق شہادت، ایثار اور فداکاری و ترک دنیا وغیرہ جیسی صفات حسنہ کی جگہ لے چکی تھیں، لہذا علیؑ کی بھی ان تمام کج رویوں اور خرافات کو مٹا کر حق و حقیقت پر عمل کروانا دشوار تھا کیوں کہ اب پانی سر سے گزر چکا تھا، چنانچہ اس بات کا اظہار خطبہ شقشقیہ میں امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے۔ حضرتؑ کی حق طلبانہ سیاست لوگوں کو خضم نہ ہو سکی اور خونین مخالفتیں شروع ہونے لگیں آپؑ کی ذات کیلئے ہر روز ایک نئے انداز کی مشکل پیش آ رہی تھی یہاں تک کہ ناکشیں، قاسطین اور مارقین کا مقابلہ کرنا پڑا اور آخر الامر مارقین میں سے ایک شقی کے ہاتھوں شب انیسویں ماہ مبارک رمضان کی سحر کے وقت محراب عبادت میں شہادت کو پہنچے اور کج رویوں اور انحرافات سے جنگ کرتے ہوئے اپنی جان دیدی۔

امیر المؤمنینؑ سے لوگوں کی بیعت کا دن

احتجاج طبری میں روایت ہے، جب لوگوں نے علی بن ابی طالبؑ کی بیعت کر لی تو آپؑ امام حسنؑ و امام حسینؑ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور امام حسنؑ سے فرمایا:

”یہا حسن! اٹھو اور حاضرین سے خطاب کرو، تاکہ میرے بعد قریش تمہیں فراموش نہ کریں۔“

چنانچہ امام حسنؑ برسر منبر گئے اور حمد و ثنائے پروردگار کے بعد فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ سَمِعْتُ جَدِّي رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا وَ هَلْ تَدْخُلُ الْمَدِينَةَ اِلَّا مِنْ بَابِهَا

”میں نے اپنے جد رسول اللہؐ سے سنا ہے آپؐ فرما رہے تھے:

”میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ کیا کوئی شخص شہر میں بغیر دروازے کے داخل ہو سکتا ہے؟“

حضرت علیؑ کھڑے ہوئے اور امام حسنؑ کو سینے سے لگا کر پیا کر کیا، پھر امام حسینؑ سے فرمایا:

”بیٹا حسین تم بھی اٹھو اور خطاب کرو، تاکہ میرے بعد قریش یا دوسرے نہ نکال دیں اور دیکھو تمہارا خطاب تمہارے بھائی کے خطاب کا پیرا ہونا چاہیے۔“

چنانچہ امام حسینؑ نمبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنائے پروردگار اور محمد و آل محمد پر درود و سلام کے بعد فرمایا: مَعَاذِ النَّاسِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ عَلِيًّا هُوَ مَدِينَةُ هُدًى، فَمَنْ دَخَلَهَا نَجَّى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ ”میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک علی بن ابی طالبؑ ہدایت کا شہر ہیں لہذا جو اس شہر میں داخل ہو گیا وہ ہدایت یافتہ اور اسی طرح جو اس شہر سے دور ہوا وہ ہلاک ہوا۔“

حضرت امیر المؤمنینؑ اپنے مقام سے اٹھے اور امام حسینؑ کو پیار کیا اور پھر خود نے یوں خطاب فرمایا: مَعَاذِ النَّاسِ اشْهَدُوا أَنَّهُمَا فَرَّخَا رَسُولَ اللَّهِ وَوَدَّعْتُهُ الْيَاسْتَوْذَعُهُمَا، وَأَنَا أَسْتَوْذَعُكُمَا، مَعَاذِ النَّاسِ وَرَسُولَ اللَّهِ سَأَتِلُكُمْ عَنْهُمَا ”اے لوگو! گواہ رہنا کہ رسول خدا کے یہ دو بچے تمہارے درمیان ان کی امانت ہیں اور میں بھی انہیں تمہارے درمیان امانت کے طور پر چھوڑ دوں گا، یاد رہے کہ رسول اللہؐ تم سے اپنی امانت کے بارے میں ضرور سوال کریں گے۔“

رکاب پدر میں ناکشین، قاسطین اور مارقین سے جنگ

امام حسینؑ، امیر المؤمنینؑ کے دیگر فرزندان کی مانند اپنے بابا کی رکاب میں بے وفاؤں و بیعت شکنوں (ناکشین) شتمگروں (قاسطین) اور تارکین دین (مارقین) سے ہونے والی جنگوں میں ہر جگہ باپ کی رکاب میں رہے اور امام حسینؑ جہاں جیسی ضرورت محسوس فرماتے اور بابا مانع بھی نہ ہوتے تو خود ان دشمنان خدا و مسلمین سے نبرد آزمائی کیلئے تشریف لے جاتے، اسی طرح آپ کے خطابات میں سے ایک خطاب جو آپؑ نے جنگ صفین روانہ ہونے سے قبل فرمایا، وہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے، چنانچہ اہل کوفہ سے فرمایا:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ أَنْتُمْ الْأَحِبَّةُ الْكُفَاءُ وَالشَّعَارُؤُونَ الْبَذَارُ، جَلُّوا فِي أَطْفَاءِ مَا وَتَرَبَّيْتُكُمْ وَتَسَهَّلْ مَا تَوَعَّرَ عَلَيْكُمْ، أَلَا إِنَّ الْحَرْبَ شَرُّهَا وَرَبِيعٌ وَطَعْمُهَا فَطِيعٌ، فَمَنْ أَخَذَهَا أَهْبَتْهَا وَاسْتَعَدَّ لَهَا عُذَّتْهَا وَلَمْ يَأْتِمْ كَلِمَتُهَا قَبْلَ حُلُولِهَا فَذَلِكَ صَانِعُهَا، وَمَنْ عَاجَلَهَا قَبْلَ أَنْ فَرَضَتْهَا وَاسْتَيْصَارَ سَعْيِهَا فِيهَا فَذَلِكَ قَمْنٌ أَنْ لَا يَنْفَعُ قَوْمَهُ، وَأَنْ يُهْلِكَ نَفْسُهُ، نَسْتَلِ اللَّهَ بِقُوَّتِهِ أَنْ يَذَّعَمَكُم بِالْفَيْتَةِ

”اے اہل کوفہ! تم عظیم دوست اور ظاہری لباس نہیں۔ بلکہ اصل لباس کی مانند ہو، یہ آگ جو تمہارے درمیان لگائی گئی ہے اسے خاموش کرنے اور اپنے راستے میں موجود شیعوں کو مٹانے کی بھرپور کوشش کرو۔ جان لو کہ جنگ بڑے اثرات رکاوٹوں اور تلخ مسائل کی صورت میں سامنے آتا

ہے اور جو بھی جنگی ساز و سامان آمادہ کرے اور زخموں سے پہلے ان کے دردوں کا احساس نہ کرے وہی جنگ و فساد کا بانی ہوتا ہے، البتہ جو جنگ شروع ہونے سے پہلے عقل و فہم اور سمجھ داری سے کام لیے بغیر جنگی امور میں جلد بازی سے کام لے وہ اپنے لوگوں کو کبھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اس لیے اس کا مرجانا بہتر ہے اور ہم خداوند متعال سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی قوت سے آپ تمام لوگوں کو واپس لوٹ جانے میں مدد فرمائے۔“ ۲۸

جنگ صفین و نہروان میں

جنگ جمل کی طرح صفین میں بھی امام حسینؑ اپنے پدر گرامی کی رکاب میں دشمنان اسلام سے جنگ کی، اگرچہ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے، حضرت علیؑ نے اس خوف سے کہ کہیں رسول اللہؐ کی نسل منقطع نہ ہو جائے حسینؑ کو میدان جنگ میں جانے خاص طور پر دو بدو لڑنے سے منع فرمایا، چنانچہ یہ مطلب نہج البلاغہ میں بھی آیا ہے:

اَمْلِكُوا عَنِّي هَذَا الْغَلَامَ فَإِنِّي أَنَفُسُ بَهَائِنِ . يَعْنِي الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ . لِيَلَّا يَنْقَطِعَ بِهِمَا نَسْلُ رَسُولِ اللَّهِ
”اس جوان (امام حسن) کو روک لو کیونکہ مجھے ان دونوں کے جانے سے ڈر ہے کہ کہیں رسول اللہؐ کی نسل منقطع نہ ہو جائے۔“ ۲۹

اس طرح بعض روایات میں یہ بھی ملتا ہے کہ امیر المؤمنینؑ اپنے فرزند محمد حنفیہ کو ان دنوں کا سپر بنا کے رکھا، لہذا محمد حنفیہ سے لوگوں نے کہا کہ دیکھو! علیؑ تمہیں تو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں، لیکن حسن و حسینؑ کو اذن جہاں نہیں دیتے تو محمد حنفیہ نے ہی جواب دیا تھا:

أَنَّهُمَا عَيْنَاهُ وَأَنَا يَمِينُهُ فَهُوَ يَنْقُذُ عَنْ عَيْنِهِ بِيَمِينِهِ ”بے شک یہ علیؑ کی دوا نکھیں ہیں اور میں ان کا دست راست ہوں لہذا امیرؑ بابا اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“ ۳۰

اس جواب سے والد و بھائیوں کی نسبت ادب و احترام کا بہترین اندازہ ہو سکتا ہے۔
زندگانی امام علیؑ میں ایک اور نقطہ ہم نے بیان کیا ہے، عباس بن بکار نے حضرت ابن عباسؓ سے مستند روایت نقل کی ہے:

امیر المؤمنینؑ نے جنگ میں ایک روز اپنے فرزند محمد حنفیہ کو بلا کر فرمایا: ”دشمن کے مہینے پر حملہ کرو!“ حکم پا کر محمد حنفیہ اپنے دست کے ہمراہ حملہ آور ہوئے اور انہیں شکست دے کر زخمی حالت میں لوٹ آئے اور بابا جان کو دیکھ کر فرمایا:

الْعُطَشُ اِبَابَا مَجَّحَ يَاسَ لَگَی ہِے اِمَامَ نَے کَچھ پانی اِپنے فرزند کو پلایا اور باقی ان کی زرہ اور بدن پر ڈال دیا۔
راوی کہتا ہے:

میں نے خود زرہ کی حلقوں سے خون کے قطروں کو گرتے ہوئے دیکھا، کچھ دیر فرصت دینے کے بعد پھر حکم دیا: اے محمد! دشمن کے میسرے پر حملہ کرو۔

محمد بن حنفیہ بھی پہلے کی طرح اپنے گروہ کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور جب میدان سے دشمن کے قدم اکھاڑ دیئے تو زخموں سے چور چور اپنے بابا کی خدمت میں پانی پانی کہتے ہوئے لوٹ آئے۔ امیر المؤمنین اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور پہلے کی طرح اپنے فرزند کو پیار کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کا فرمایا اور پھر فرمایا: بیٹا! اب قلب لشکر پر حملہ کرو!، چنانچہ محمد حنفیہ نے قلب لشکر پر حملہ کیا، لیکن بہت زیادہ زخمی ہونے کے سبب لوٹ تو آئے مگر بابا کو دیکھ کر رونے لگے۔ علی نے اٹھ کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

فِذَاكَ أَبُوكَ لَقَدْ سَرَّ رَئِي وَاللَّهِ يَا بُنَيَّ فَمَا يَكِيكَ أَفَرَحَ أَمْ جَوَّعٌ ”میں تم پر قربان جاؤں، خدا کی قسم تم نے اپنے بابا کو بہت خوش کیا، مگر بتاؤ یہ گریہ کس لئے ہے؟ یہ خوشی کے آنسو ہیں یا بے تابانی کے؟

محمد حنفیہ نے جواب دیا:

کیسے نہ روؤں، آپ نے تین بار بغیر مہلت دیئے مجھے موت کے منہ تک پہنچایا مگر میں زندہ بچ آیا جبکہ میرے دونوں بھائیوں کو اذن جہا نہیں دیتے۔
امام نے محمد کے سر کا بوسہ لیا اور فرمایا:

يَا بُنَيَّ أَنْتَ ابْنِي وَهَذَا ابْنُ رَسُولِ اللَّهِ أَفَلَا أَصُونُهُمَا؟ عزیزم تم میرے فرزند ہو اور یہ دونوں رسول اللہ کے فرزند ہیں کیا مجھے ان کی حفاظت نہیں کرنا چاہیے۔

یہ سن کر محمد نے جواب دیا:

بَلَى يَا أَبَتِ جَعَلَنِي اللَّهُ فِذَاكَ وَفِدَاهُمَا ”کیوں نہیں بابا جان! خدا مجھے آپ پر اور ان دونوں پر قربان کرے۔“ اس

روایات و احادیث سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ امام حسینؑ جنگ صفین کی طرح مسئلہ حکمیت، جنگ نہروان اور دوسرے تمام مسائل میں سائے کی طرح امیر المؤمنین کے ہمراہ موجود رہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس تلخی اور سختی سے والد گرامی کے حق میں ہونے والی تمام بے وفائیاں اور لوگوں کی جانب سے ہونے والی مستیاں مشاہدہ فرماتے رہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت نے تاریخ اسلام کے اس تلخ اور المناک حادثے کو کس طرح برداشت کیا ہوگا کہ جب عالم انسانیت کی مثالی شخصیت امیر المؤمنینؑ کو اموی اور خارجی سازش کے تحت ضربت لگائی گئی اور وہ تاریخی عظیم المرتبت شخصیت محراب عبادت میں غلطان بہ خون ہو کر جام شہادت پی گیا۔

جس طرح امیر المؤمنینؑ نے رسول اللہؐ کے سبط اکبر امام حسنؑ کی تربیت پر خاص توجہ مبذول رکھی اور ان کی پرورش روح میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں رکھا، یہاں تک کہ اپنے بعد کے دستور العمل کو وصیت کی صورت میں بیان کر ڈالا کہ جس کا کچھ حصہ ”زندگانی امام حسنؑ“ میں ذکر کیا گیا ہے، بالکل اسی طرح سبط اصغر امام حسینؑ پر بھی حضرتؑ نے اپنی توجہ خاص عنایت فرمائی یعنی امیر المؤمنینؑ نے اپنے دلہند اور عزیز فرزند کو قدم قدم پر تعمیری مفید اور رہنما مشورے، نصیحتیں اور تذکرات دینے سے دریغ نہیں فرمایا جس میں سے کچھ پیش خدمت ہیں۔

امام حسینؑ سے امیر المؤمنینؑ کی وصیت

حضرت علیؑ نے اپنی دلچسپ، سبق آموز اور زندگی کیلئے مفید وصیتیں کی جو تمام اولاد مثلاً، امام حسینؑ سے فرمائیں وہ اصول کافی اور دیگر احادیث کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ من جملہ وہ معروف وصیت جو ان جملات سے شروع ہوتی ہے:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ : هَذَا مَا أَوْصَى بِهِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ... یہاں تک کہ فرمایا: ثُمَّ أَنَّى
أَصِيكَ يَا حَسَنُ وَجَمِيعَ أَهْلِ بَيْتِي وَوَلَدِي وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي بِقَوَى اللَّهِ ... یہ وصیت ترجمے کے
ساتھ کتاب زندگانی حضرت علیؑ میں ذکر کر چکے ہیں۔ (ج ۲ ص ۳۲۲، ۳۲۳)

اس کے علاوہ ایک اور وصیت جو ابن شیخ کی امالی اور ورام بن ابی فراس کی تنبیہ الخواطر (جو کہ مجموعہ ورام کے نام سے معروف ہے) میں سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے، جب امیر المؤمنین علیؑ کا بظاہر احتضار تھا تو آپؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ، محمد حنفیہ اور دوسرے تمام چھوٹے فرزندوں کو طلب کیا اور ان سے جو وصیت فرمائی اس کے آخری جملات یہ ہیں:

يَا بَنِي عَاشِرُوا النَّاسَ عَشْرَةَ إِنْ غَنِمْتُمْ حَتَّى إِلَيْكُمْ وَإِنْ فُقِدْتُمْ بَكَوْا عَلَيْكُمْ ، يَا بَنِي إِنْ الْقُلُوبُ جُنُودٌ
مُجَنَّدَةٌ تَلَا حَظَّ بِالْمَوَدَّةِ وَتَسَاجَى بِهَا ، وَكَذَلِكَ هِيَ فِي الْبَغْضِ فَإِذَا أَحْبَبْتُمُ الرَّجُلَ مِنْ غَيْرِ خَيْرٍ
سَبَقَ مِنْهُ إِلَيْكُمْ فَارْجُوهُ ، وَإِذَا أَبْغَضْتُمُ الرَّجُلَ مِنْ غَيْرِ سَوَاءٍ سَبَقَ مِنْهُ إِلَيْكُمْ فَاخْذَرُوهُ

”اے میرے بچو! لوگوں کے درمیان اس طرح رہو کہ جب تم ان کی نگاہوں سے اوچھل ہو تو وہ تمہاری فکر میں رہیں اور اگر مر جاؤ تو ان کی آنکھیں تم پر گریہ کنان ہوں، اے میرے بچو! بے شک، دل صف بستہ لشکروں کی طرح ہیں جو کہ محبت و دوستی سے جڑے ہوئے ہیں، البتہ دشمنی اور عداوت میں بھی اسی طرح ہیں، لہذا اس صفت سے پرہیز کرو کہ کسی شخص سے بغیر ثبوت کے موصول ہوئے اعتماد، محبت اور دوستی کرنے لگے اور اسی طرح برائی کے ثابت ہوئے بغیر اس سے دشمنی اور عداوت کرنے لگو۔“ ۳۲

البتہ اس وصیت کا آخری حصہ اِنَّ القلوب جنود مجتہدہ... دقیق نکات کا حامل ہے جو کہ بعض دوسری روایات میں بھی آیا ہے جس کی شرح و تفصیل ضروری تھا، لیکن موضوع سے نکل جانے کا ذرا مانع ہے، جبکہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر بیان کی جا چکی۔ ۳۳

نہج البلاغہ میں بھی جو وصیت نقل ہوئی ہے وہ مختصر سے فرق کے ساتھ اصول کافی والی ہی وصیت ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں امام حسنؑ و امام حسینؑ سے وصیت فرمائی ہے، جبکہ اصول کافی وغیرہ میں تمام اولاد سے خطاب ہے، اس مقام پر نہج البلاغہ میں سید رضی علیہ الرحمہ کی منتخب وصیت ملاحظہ ہو:

جب علیؑ، ابن ملجم کی ضربت سے زخمی ہوئے تو آپؑ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ سے وصیت فرمائی:

وَمِنْ وَصِيَّةٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لَمَّا ضَرَبَهُ ابْنُ مُلْجَمٍ لَعْنَهُ اللَّهُ: أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَأَنْ لَا تَبْغِيَا الدُّنْيَا وَأَنْ يَغْتَنِمَا، وَلَا تَأْسِفَا عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا زُورِي عَنْكُمَا، وَ قُولَا بِالْحَقِّ، وَاعْمَلَا لِلْآخِرِ، وَكُونَا لِظَالِمٍ خَصْماً، وَلِلْمَظْلُومِ عَوْناً. أَوْصِيكُمْ وَجَمِيعَ وَلَدِي وَأَهْلِي وَمَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي بِتَقْوَى اللَّهِ، وَنَظْمِ أَمْرِكُمْ، وَصَلَاحِ ذَاتِ بَيْنِكُمْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ جَدَّكُمْ يَقُولُ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنْ عَامَةِ الصَّلَاةِ وَالصَّيَامِ، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي الْإِيْتَامِ، فَلَا تُغَيِّرُوا أَقْوَاهُمْ، وَلَا يُضَيِعُوا بِحَضْرَتِكُمْ، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي جِيرَانِكُمْ، فَإِنَّهُمْ وَصِيَّةٌ بَيْنَكُمْ، مَا زَالَ يُوصِي بِهِمْ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُورِثُهُمْ، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ لَا يَسْفِكُمْ بِالْعَمَلِ بِهِ غَيْرُكُمْ، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي الصَّلَاةِ فَاتَّهَابُوا عَمُودَ دِينِكُمْ، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي بَيْتِ رَبِّكُمْ، لَا تَخْلُوهُ مَا يَقِيمُ، فَإِنَّهُ إِنْ تَرَكْتُمْ لَمْ تَنْظُرُوا، وَاللَّهُ اللَّهُ فِي الْجِهَادِ بِأَمْرِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسَّيِّئَاتِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَعَلَيْكُمْ بِالْوَأَصْلِ وَالْبَادِلِ وَأَيَّامِكُمْ وَالتَّادِيَةِ وَالنَّاطِقِ، لَا تَتْرَكُوا الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوقِلِي عَلَيْكُمْ أَشْرَارَكُمْ ثُمَّ تَدْعُونَ فَلَا يَسْتَجَابُ لَكُمْ، ثُمَّ قَالَ: يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا الْفَيْئَكُمْ تَخْضُونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ خَوْضاً تَقُولُونَ: قُتِلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، قُتِلَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَا لَا يَقْتُلُنِي إِلَّا قَاتِلِي. انظُرُوا إِذَا أَسَأْتُ مِنْ ضَرِيئِهِ هَذِهِ فَاضْرِبُوهُ ضَرْبَةً بَضْرِيَّةً، وَلَا يُمَثَّلْ بِالرَّجُلِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: يَاكُمْ وَالْمَثَلَةَ وَلَوْ بِالْكَلْبِ الْعَقُورِ“

”تم دونوں کو تقویٰ الہی کی نصیحت کرتا ہوں اور کبھی حصول دنیا کی تلاش مت کرنا اگر وہ تمہاری تلاش میں لگی ہو اور دنیاوی کسی شے کے چھین لئے جانے پر افسوس نہ کرنا بیشع حق بات کہو اور دنیا کا کام اجر و آخرت کیلئے کیا کرو ظالم کے دشمن اور مظلوم کے یار و مددگار رہنا۔

تم دونوں تمام اولاد، خاندان اور ہر اس خط کے پانے والے کو وصیت کرتا ہوں، تقویٰ الہی اور اپنے امور میں نظم و ضبط کے ساتھ اپنے درمیان اصلاح کو برقرار رکھو اس لئے کہ تمہارے جد بزرگوار رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا ہے لوگوں کے درمیان اصلاح رکھنا تمام نمازوں اور روزوں

سے افضل ہے، خدا کیلئے یتیموں کا خیال رکھنا، کبھی ان کے دہان پر نوبت نہ لگانا اور کبھی تمہارے ہوتے ہوئے وہ تباہ و برباد نہ ہو جائیں۔

✽ خدارا، خدارا! پڑوسیوں کا خیال رکھنا کیونکہ رسول اللہؐ ان کی سفارش اس طرح فرماتے تھے ہمیں گمان ہونے لگتا کہ شاید پڑوسیوں کو وارثوں میں شمار فرمائیں گے۔

✽ خدارا خدارا! توجہ رکھو! نماز کو ہرگز فراموش مت کرنا کیوں کہ یہ ستون دین ہے۔

✽ خدارا خدارا! پروردگار کے گھر کو یاد رکھنا، اسے کبھی خالی نہ چھوڑنا اور اگر تم نے اسے خالی چھوڑ دیا تو خدا تمہیں نہیں بخشے گا۔

✽ خدارا خدارا! مال و جان اور زبان سے راہ خدا میں جہاد کرتے رہے اور ہمیشہ یاد رکھو جو درخش اور باہمی روابط برقرار رکھنا یعنی ترک تعلقات سے پرہیز رکھنا۔

✽ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو کبھی نہ بھلانا اور نہ تمہارے درمیان موجود بدکردار لوگ تم پر حاکم بن جائیں گے پھر دعا بھی کرو گے تو قبول نہ ہوگی۔

پھر حضرتؑ نے فرمایا:

اے بنی عبدالمطلب! میں تمہارے ہاتھوں کو مسلمانوں کے خون میں اس بہانے سے رنگین نہ دیکھوں کہ امیر المؤمنینؑ کو مارا گیا ہے۔ میرے قاتل کے سوا کسی اور کو میرے بدلے میں نہ مارا جائے اور یاد رکھو اگر یہی ضربت دنیا سے رخصت کا سبب بنے تو بدلے میں ایک ضربت مارنا، اور اس کے بدن مردہ کی بے حرمتی نہ کرنا اس لیے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ پامالی بدن سے پرہیز کرو اگرچہ وہ خطرناک کتے کا ہی کیوں نہ ہو۔ (نج البلاغہ باب رسائل شمارہ ۴۷)

جامع اور درس آموز وصیت

علیؑ کی وصیتوں میں سے جو فقط امام حسینؑ کیلئے نقل ہوئی ہے، اسے علی بن شعبہؓ نے تحف العقول میں تفصیلاً تحریر کیا ہے، البتہ کتاب اعجاز اور ایجاز ابی منصور شعاعی میں جو وصیت وارد ہوئی ہے وہ اسی کا خلاصہ ہے۔ لیکن ہم یہاں پر وہی تحف العقول والی کامل وصیت منتخب ترجمے کے ساتھ نقل کر رہے ہیں: ۳۵

✽ اے میرے بیٹے! میں فقر و بے نیازی میں تقویٰ پروردگار کی وصیت کرتا ہوں اور خوشحالی میں حق بات کی اور فقر و غنا کے وقت اعتدال کی، دوست و دشمن سے عدالت کی، سعی و کوشش کے وقت نشاط کی سختی اور آسائش میں راضی برضائے الہی رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔

✽ اے میرے عزیز فرزند! جس شر کا نتیجہ جنت ہو وہ شر نہیں اور جس خیر کا نتیجہ جہنم و عذاب الہی ہو اسے خیر مت سمجھنا، جنت کے مقابلے میں کوئی بھی نعمت غیر اہم اور بے قدر ہے اور اسی

طرح دوزخ اور عذاب الہی کے مقابل ہر آزمائش اور فکر میں خیر اور راحت ہے۔

✽ اے میرے بیٹے! جو اپنے عیبوں کو دیکھتا ہو اسے دوسروں کے عیب دیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی اور جو تقویٰ اور پرہیزگاری کا لباس اتار دے کسی بھی شے سے خود کو نہیں ڈھانپ سکتا اور جو تقدیر پر راضی ہو وہ ہاتھ سے گئی چیزوں پر غم زدہ نہیں ہوتا، جو دوسروں پر ظلم و تعدی کی تلوار اٹھائے وہ اسی تلوار کا لقمہ بنتا ہے جو اپنے بھائی کیلئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، جو دوسروں کی پردہ داری کرتا ہے خود اسی کے شرم ناک اور رسوا کنندہ اعمال ظاہر ہوتے ہیں، جو اپنی خطاؤں کو بھول جائے وہ دوسروں کی غلطیوں کو اہمیت دیتا ہے جو بغیر تیاری کے مشکلات کا مقابلہ کریگا جان لو وہ ہلاک ہو جائے گا، جو بغیر سوچے سمجھے موجوں سے ٹکرائے گا اس کا مقدر غرق ہو جانا ہے، جو خود بینی اور اپنے رائے پر اکتفا کرے وہ شخص گمراہ ہو جائے گا جو حفظ اپنی عقل کے ذریعے بے نیاز ہونا چاہے اس کے قدم لڑکھڑائیں گے، جو لوگوں پر بڑائی اور تکبر کریگا وہ ذلیل و خوار ہو جائے گا جو علماء اور دانشمندوں سے ہم نشینی رکھے گا اس کے احترام و وقار میں اضافہ ہوگا جو پست و کمینہ لوگوں سے میل جول رکھے گا وہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو جائے گا، جو لوگوں کو بے وقوف اور احمق سمجھے گا لوگ اسے گالیاں دیں گے، جو بُرے مقامات پر رفت و آمد کریگا وہ مورد تہمت قرار پائیگا جس نے شوفی کی وہ ہلکا شمار کیا جائے گا اور جو جس کام میں زیادہ مصروف رہے گا وہ اسی سے کام میں معروف ہو جائیگا، جو زیادہ بولتا ہوگا اس کی گفتگو میں لغزش اور خطا بھی زیادہ ہوگی اور جس کی لغزشیں زیادہ ہو جائیں اس کی شرم و حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی شرم و حیا جاتی رہے وہ پرہیزگاری و پارسائی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور یاد رکھو! ایسے لوگوں کے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور جس کے دل مردہ ہو جائیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

✽ اے میرے فرزند! جو دوسروں کے عیبوں کو دیکھ کر بھی انہیں اپنا تا ہے وہ خود احمق ہے، جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہوگا وہ اپنی زندگی میں قلت اموال پر بھی قانع نظر آئے گا، جو یہ جان لے کہ اس کی باتیں بھی اعمال کا حصہ ہیں وہ مفید گفتگو سے ہٹ کر بولنا چھوڑ دے گا۔

✽ اے میرے فرزند! مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو سزا سے ڈرتا ہو، لیکن گناہ چھوڑنے پر تیار نہ ہو اور کسی طرح تعجب اس پر ہے جو جزائے پردہ گار کا امیدوار تو ہو لیکن نہ تو نیک اعمال انجام دیتا ہو اور نہ ہی توبہ کرتا ہو۔

✽ اے میرے فرزند! سوچ بیچارہ نورانیت اور بینش عطا کرتا ہے، مگر غافل و بے خبر لوگوں کا نصیب

تاریک اور جاہل و نادان لوگوں کا مقدر گرہمی ہوتا ہے، سعادت مند وہی ہوگا جو دوسرے لوگوں کے حالات سے نصیحت لے، ادب باز ماندگان کیلئے بیشترین میراث ہے، خوش اخلاقی انسان کا بہترین ساتھی اور رفیق ہے، قطع رحم سے زندگی گھٹا دیتی ہے، الہی احکام کی نافرمانی کے ساتھ دولت اور بے احتیاجی نہیں ہوتی۔

✽ اے میرے فرزند! مشکلات سے چھٹکارا دس طریقوں سے ممکن ہے خواہ موٹی میں اور باقی رہا ایک وہ کم عقولوں، نادانوں اور احمقوں سے ترک صحبت میں پوشیدہ ہے۔ اے میرے فرزند! جو جہنم میں خدا کی نافرمانیوں کو اپنا زیور بنائے خدا ذلت و خواری اس کے شامل حال کر دیتا ہے اور جو شخص علم و دانش کی جستجو کرتا ہے دانشمند ہو جاتا ہے۔

✽ اے میرے فرزند! علم و دانش ایسے جسم کی مانند ہے جس کا سر لوگوں کی خاطر تواضع کرنا ہے، اس کی بیماری بدمزاجی اور کج خلقی میں ہے، ایمان کے خزانوں میں سے ایک، مصیبت دنا گوار حالات میں بردباری اور صبر تحمل ہے، فقر و ناداری کا زیور عفت و پاکدامنی ہے، تو انگری اور ثروت مندی کا زیور خدا کے حضور شکر گزاری ہے، زیادہ رفت و آمد آزدگی خاطر اور افسردگی لاتا ہے، مختلف کاموں میں علم اور اس کے اختیار سے پہلے اطمینان خاطر کا ہونا دور اندیشی اور احتیاط کے خلاف ہے، انسان کا خود پسند اور خود مین ہونا عقل کی بے بسی پر دلیل ہے۔

✽ اے میرے فرزند! عجب ان نگاہوں پر کہ جن کی وجہ سے بعد میں افسوس ہوتا ہے اور عجب ان باتوں پر جن کی وجہ سے نعمتیں ہاتھ سے چھین جاتی ہیں۔

✽ میرے بیٹے! اسلام سے بڑھ کر کوئی عزت و شرف اور تقویٰ و پرہیزگاری سے بڑھ کر کوئی بزرگواری نہیں ہو سکتی اور زبردور سے بڑھ کر کوئی قلعہ نہیں: خدا کے حضور قبولیت کیلئے ”توبہ“ سے زیادہ کامیاب اور موافق شفیق اور وسیلہ نہیں ہے، صحت و تندرستی سے زیادہ نفیس کوئی لباس نہیں جو بھی اپنی رسیدہ روزی پر قناعت و اکتفا کرے اے جلدی راحت نصیب ہوگی اور اس نے اپنے لئے سکون دل مہیا کر لیا۔

✽ اے میرے بیٹے! لالچ و حرص رنج و آلام کی کنجی ہے نختیوں کی سواری ہے، اور یہ انسان کو پستی میں لیجا کر گناہوں میں گھسیٹی ہے اور یہی حرص تمام برائیوں کا مرکز ہے دیکھو! ادب و اخلاق سیکھنے کیلئے یہ کافی ہے اس سے اجتناب کرو جو دوسروں میں بُری لگتی ہے۔ ۳۶

✽ تمہارا برادر دینی تم پر وہی حق رکھتا جو تم اس پر رکھتے ہو، جس شخص نے خود کو سخت و مشکل کام میں اس کے انجام اور نتائج کو جانے بوجھے بغیر ڈال دیا اس نے خود کو ناگوار حادثات کے سامنے

کھڑا کر دیا۔ کوئی عمل کرنے سے پہلے تدبیر تم کو پیشانی سے محفوظ رکھتی ہے، جو کاموں میں دوسروں کے مشوروں کو اہمیت دے وہ مقامات لغزش و خطا کو بہتر جانتا ہے۔ صبر نادراری کی ڈھال ہے بخلا و رنجوی پیرا، ہن ہے مسکینی اور نادراری کا۔ جسے حرص و لالچ علامت ہے فقر و محتاجی کی، خوش اخلاق افراد اور مہذب فقیر بہتر ہیں بد مزاج و ولتمند نخی سے، ہر شے کیلئے روزی پہنچتی ہے اور خوراک مخصوص ہے فرزند آدم کی مخصوص روزی موت ہے۔

✽ اے میرے فرزند! کسی گناہگار کو رحمت الہی سے ناامید نہ کرنا کیونکہ کتنے ہی لوگ گناہ کو عادت بنا لیتے ہیں، لیکن ان کی زندگی کا خاتمہ نیکی پر ہوتا ہے اور کتنے ہی لوگ نیک اچھے اور عامل خیر نظر آئے ہیں، لیکن وقتاً آخر گناہ میں مبتلا ہو کر راہی دوزخ ہوتے ہیں، دوزخ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

✽ اے عزیز فرزند! بعض اوقات معصیت کار نجات یافتہ ہو جاتا ہے، لیکن بہتیرے عمل خیر والے بد بختی اور ہلاکت کے کنوئیں میں جا گرتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کا دستور صدق و سیدھی راہ کو قرار دے اس پر مشکلات زندگی آسان ہو جاتی ہیں، انسانی نفس کی بالیدگی اور نجات نفس کی مخالفت کرنے میں ہے، ساعتیں عمر کو گھٹاتی ہیں، واے ہوان شتمگروں کے حال پر کہ جنکا فیصلہ کرنے والا سب حکمرانوں کا حاکم اور چھپا کر کام کرنے والوں کے راز کا جاننے والا ہے۔

✽ اے میرے فرزند! روز جزا کیلئے بدتر ز اور راہندگان خدا پر سنگسری، ظلم اور زبردستی کرنا ہے اور ہر (ظلم) ایسا گھونٹ ہے جو حلق میں خراش کر دیتا ہے اور ایسا نوالہ ہے جو گلو گیر ہو جاتا ہے، جب تک پہلی نعمت نہ چھن جائے کوئی دوسری نعمت نصیب نہیں ہوتی، جان لو آسائش سے سختی، نعمت و خوشحالی سے دشواری زندگی سے موت اور تندرستی سے بیماری کس قدر نزدیک ہے۔ ۳۸۔ چنانچہ خوش اقبال ہے وہ انسان جس کا علم و عمل، جس کی پسند و ناپسند، جس کا ترک کرنا، جس کا بولنا اور خاموش رہنا اسی طرح جس کی گفتار و کردار بھی خدا کیلئے خالص ہے اور خوش نصیب ہے وہ عالم جو با عمل ہو نیز کوشش کرتا ہو اور موت سے ڈرتا ہو اور اس صورت کیلئے ہر حال میں آمادہ اور تیار ہو اگر ان سے پوچھا جائے تو ان کا جواب خیر خواہی اور نصیحت ہوتا ہے اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تو وہ خاموشی اختیار کرتے ہیں، ان کا بولنا بھی درست ہوتا ہے ان کی اور خاموشی بھی اس لئے کہ بات کرنے سے عاجز ہیں ان کا جواب ہوتی ہیں واے ہوان کی حالت پر جو محرومیت و ذلت و خواری اور نافرمانی میں مبتلا ہوں، لہذا اسی چیز کو اپناتے ہیں جس کے بارے میں دوسروں کو پسند نہیں کرتے جو خود انجام دیتے ہیں مگر اسی کی بات پر دوسروں کو

عیب جوئی کرتے ہیں۔

✽ اے میرے بیٹے! یہ جان لو کہ درحقیقت جس کا انداز گفتگو نرم ہے وہ لوگوں کی نگاہ میں عزیز ہے۔ خداوند متعال تجھے ترقی، فلاح اور کامیابی کی توفیق عنایت کرے اور تمہیں اپنے فرمانبرداروں میں قرار دے درحقیقت وہ بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے۔

پدر بزرگوار کے آخری مراسم

جیسا کہ ”زندگانی امیر المؤمنین“ میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا، چالیسویں سال ہجری میں امیر المؤمنین کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور امام حسینؑ نے بڑے بھائی امام حسن مجتبیٰ کی مدد سے اپنے بابا کے جنازے کی کوفہ میں تدفین فرمائی۔ البتہ مدتوں حضرت کی قبر مطہر سوائے اہل بیتؑ اور ان کے خاص افراد مخفی رہی اور آخر الامر خلیفہ عباسی ہارون الرشید کے زمانے میں ایک واقعہ کے نتیجے میں قبر مطہر آشکار ہوا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ زندگانی امام حسنؑ کے باب دوم میں تفصیل جو روایات تحریر کی گئی ہیں ان میں سے ایک حدیث میں امام حسنؑ امام حسینؑ کو ریحان یعنی خوشبو اور پھولوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۶۲

۳۔ زندگانی امام حسنؑ، تیسرا فصل

۴۔ حیاۃ الامام الحسینؑ، باقر شریف، ج ۱، ص ۲۲۰

۵۔ ”مَا زِلْتَ بَعْدَ آيِهَا مُغْصَبَةُ الرَّأْسِ نَاحِلَةَ الْجِسْمِ، مُنْهَذَةُ الرُّمَحِ بِأَكْبَادِ الْعَيْنِ، مُخْرِقَةُ الْقَلْبِ، يُغْشَى عَلَيْهَا سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ، وَتَقُولُ لَوْلَئِيهَا: إِنَّ أَبَوَكُمَا الَّذِي كَانَ يُكْرِمُكُمَا وَيَحْمِلُكُمَا مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ؟ أَيْنَ أَبَوَكُمَا الَّذِي كَانَ أَشَدَّ النَّاسِ شَفَقَةً عَلَيْكُمَا فَلَا يَدْعُكُمَا تَمْشِيَانِ عَلَى الْأَرْضِ؟ وَلَا أَرَاهُ يَفْتَحُ هَذَا الْبَابَ أَبَدًا، وَلَا يَحْمِلُكُمَا عَلَى عَاتِقِهِ كَمَا لَمْ يَزَلْ يَفْعَلُ بِكُمَا“۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۳۶۲

۶۔ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۱۲۶

۷۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جناب ام کلثوم کا ایک نام سکینہ بھی تھا، لیکن ہمارے پاس موجود کتابوں میں یہ بات نہیں ملتی۔ ادھر علامہ مجلسی نے بھی اس حدیث کو خاص معتبراً خذ سے نقل نہیں کیا ہے، چنانچہ بحار الانوار ج ۴۳ ص ۷۹ پر رجوع فرمائیں

۸۔ شمس طہرانی نے اس منظر کو یوں نظم کیا ہے۔ جب جسم جناب زہراؑ کو مولائے کائنات نے غسل دے کر گویا پھول کو کفن میں پہنان کیا تو اسی الانشاء میں آپؑ کے نور چشم تشریف لائے اور گریہ وزاری کرتے ہوئے ماں کی جانب رورانا ہوئے، اے ماں! اپنے قیموں کو ایک بار پھر محبت سے گود میں لے لیں، یہ کیا ہوا جو ہمیں اپنے دل سے نکال دیا اور ہم سے آنکھیں بند کر لیں، اور پھر خود ماں کے جنازے پر گرا دیا گو نور علی محسوس ہونے لگا، تب ان ماہ یاروں کی محبت میں روہ پلٹنے لگی، اور ہاتھ پھیلا کر دونوں کو آغوش میں لے لیا اور ایسا گریہ ہوا کہ بے ہوش ہونے لگے تب اچانک آسمان سے ندا آئی کہ اے خدا کے فرشتوں کے والی، ان دو بلبلوں کو شاخوں سے اڑا دو کیونکہ ان کے شور سے یہاں شور ہو رہا ہے۔

۹۔ خصال صدوق، ص ۳۶۰، چاپ تہران

۱۰۔ مناقب، ج ۳، ص ۳۶۳

۱۱۔ اور ۱۲۔ لفتیۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۷

۱۳۔ شرح نخب البلاغۃ ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۲۹۰

۱۴۔ حیاۃ الامام الحسینؑ علیہ السلام، ج ۱، ص ۲۹۷

۱۵۔ گویا عمر یہ سوچ رہے تھے کہ بچے کو کسی نے سکھا کر روانہ کیا ہے اور شاید علیؑ سے بدگمانی کرتے ہوئے تصدیق چاہتے تھے۔

۱۶۔ الاصابہ ج ۱ ص ۲۳۲ والبتہ یہ واقعہ احتجاج طبری میں کچھ مختلف انداز میں ذکر ہوا ہے لیکن کتاب ابن عساکر میں

الفاظ کی یہی نشست و برخاست ہے بنا براین ان کتابوں کے علاوہ ”ادب الحسین“ ص ۶۶، ۶۷ ”ملاحظہ کریں“
 محل روایات اور تاریخ کے گوشہ کنار میں (عرب پرستی کا) نظریہ دکھائی دیتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی رسول
 اللہؐ کی تمام زحمات کا صلہ یہ جانا ہے کہ قوم عرب کو عظمت ملی ہے اور خاندان رسولؐ کو بھی عظمت عرب ہونے میں ہے۔
 ۱۸ [ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۹] اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی ملک بدری کا حال زندگانی امام حسنؑ کے باب چھارم میں
 ملاحظہ فرمائیں

۱۹ [تاریخ طبری، ج ۵ ص ۵۸۵ کتاب العمر ابن خلدون ج ۲ ص ۱۳۵۱۸]

۲۰ [سیرۃ الامم الاثنی عشر، ہاشم معروف، ج ۲ ص ۲۵]

۲۱ [زندگانی امام حسنؑ ج ۱ ص ۱۳۷-۱۳۹]

۲۲ اور ۲۳ [زندگانی امام حسنؑ ج ۱ ص ۱۲۳]

۲۵ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۲ ص ۳۷۵-۳۷۶ حیاۃ الامام الحسن باقر شریف، ج ۱ ص ۲۸۵]

۲۶ [زندگانی امام حسن علیہ السلام ج ۱ ص ۱۳۳-۱۳۷]

۲۷ [احتجاج طبری]

۲۸ [شرح فتح البلاء، ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۲۸۴]

۲۹ اور ۳۰ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۱۱۸]

۳۱ [بحار الانوار، ج ۲۵ ص ۳۳۸]

۳۲ [امالی، ابن ابی شیبہ، ج ۲ ص ۲۷۷ تنبیہ الخواطر، ج ۲ ص ۷۵]

۳۳ [مبارزہ باگناہ، تالیف مؤلف ص: ۳۲۵، فارسی زبان شاعر کہتا ہے:

ذره ذره کاندر این ارض و سمساست
 ناریان مر ناریان را جاذبند
 جنس خود را همچو کاه و کھرباست
 نوریان مر نوریان را طالبند
 گرم گرمی را کشید و سرد
 در جهان هر چیز چیزی جذب کرد
 ۳۴ [سیرۃ الامم الاثنی عشر، ہاشم معروف حسنی، ج ۲ ص ۲۰]

۳۵ [تحفۃ العقول، ص ۸۸، ۹۱] یا بنی اوصیک بتقوی اللہ فی الغنی والفقر و کلمۃ الحق فی الرضی
 والغضب والقصد فی العنی والفقر. یا بعدل علی الصدیق والعدو. وبالعمل فی النشاط والکسل.
 والرضی عن اللہ فی الشدة والرخاء. ائی بنی ما شر بعده الجنة بشر، ولا خیر بعده النار بخیر.
 وکل نعیم دون الجنة محذور. وکل بلاء دون النار عافیة واعلم ای بنی انه ابصر عیب نفسه شغل
 عن عیب غیر ومن تعری من لباس التقوی لم یستر بشی من اللباس. ومن رضی بقسم اللہ لم
 یحزن علی ما فاته. ومن سل سيف البغی قتل به. ومن حفر بئراً لأخیه وقع فیها. ومن هتک
 حجاب غیره انکشف عورات بیته ومن نسی خطیئته استعظم خطیئہ غیره. ومن کابد الامور
 عطب. ومن اقتحم الغمرات غرق. ومن اعجب برأیه ضل. ومن استغنی بعقله زل. ومن تکبر علی

الناس ذل . ومن خالط العلماء وقّر . ومن خالط الأثدال حقر . ومن سفه على الناس شتم . ومن دخل
مداخل السوء اتهم . ومن مزح استخف به . ومن أكثر من شيء عرف به . ومن أكثر كلامه أكثر
خطأؤه ، ومن أكثر خطأؤه قلّ حياؤه ، ومن قلّ حياؤه قلّ ورعه ، ومن قلّ ورعه مات قلبه ، ومن مات
قلبه دخل النار .

أى بنى من نظر فى عيوب الناس ورضى لنفسه بها فذاك الأحمق بعينه . ومن تفكر اعتبر ، ومن
اعتبر اغتزل ، ومن اعتزل سلم . ومن ترك الشهوات كان خرا . ومن ترك الحسد كانت له
المحبة عند الناس .

أى بنى عز المؤمن غناه عن الناس . والقناعة مال لا ينفد . ومن أكثر ذكر الموت رضى من الدنيا
بالبسير ومن علم أن كلامه من عمله قلّ كلامه ألا فيما يفقه . أى بنى العجب ممن يخاف العقاب
فلم يكف ، ورجا الثواب فلم يتب ويعمل . أى بنى الفكرة تورث نورا . والغفلة ظلمة . والجهاد لـ
ضلالة ، والسعيد من وعظ بغيره . ولأدب خير ميراث . وحسن الخلق خير قرين . ليس مع قطعة
الرّحم نماء ، ولا مع الفجور غنى . أى بنى العافية عشرة أجزاء تسعة منها فى الصّمت ألا يذكر الله
وواحد فى ترك مجالسة السفهاء . أى بنى من تزيا بمعاصى الله فى المجالس أورثه الله ذلا . ومن
طلب العلم علم . أى بنى راس العلم الرفق ، وآفته الخرق ، ومن كنوز الايمان اصبر على المصائب .
والعفاف زينة الفقير والشكر زينة الغنى . كثرة الزيارة تورث الملالة والطمأنينة قبل الخبرة ضد
الحزم وأعجاب المرء بنفسه يدل على ضعف عقله . أى بنى گم نظرة جلبت حسرة . وكم من
كلمة سلبت نعمة . أى بنى لا شرف أعلى من الاسلام . ولا كرم أعز من التقوى . ولا معقل أحرز
من الورع . ولا شفيع أنجح من التوبة . ولا لباس أجمل من العافية . ولا مال أذهب بالفاقة من الرضى
بالقوت . ومن أقصر على بلغة الكفاف تعجل الراحة وتبوء خفض الدعة .

أى بنى الحرص مفتاح التعب ومطية النصب وداع الى التّخلف فى الذّنوب والشره جامع لمساوى
العيوب وكفاك تأديبا لنفسك ماكرهته من غيرك . لأخيك عليك مثل أنذى لك عليه .
ومن توارط فى الأمور بغير نظر فى العواقب فقد تعرّض لنواب . التدبير قبل العمل يؤمنك الندم .
من استقبل وجوه الآراء عرف مواقع الخطاء . الصبر جنة من لفاقة . البخل جلباب المسكنة .
الحرص علامة الفقر . وصول معدم خير من جاف مكث . لكل شيء قوت ، وابن آدم قوت الموت
. أى بنى لا تؤيس مذنباً ، فكم من عاكف على ذنبه ختم له بخير ، وكم من مقبل على عمله مفسد فى
آخر عمره صائر الى النار ، نعوذ بالله منها .

أى بنى كم من عاص نجا . وكم من عامل هوى . من تحرّى الصدق خفّت عليه المؤن . فى خلاف
النفس رشدتها . الساعات تنتقص الأعمار . وبلى للباغين من أحكم الحاكمين وعالم ضمير المضميرين .
يابنى بسئس الزاد الى المعاد العدوان على العباد . فى كل جرعة شرقي ، وفى كل اكلة غصص . لن

تَنَال نِعْمَةَ الْاِبْتِرَاقِ اُخْرٰی . مَا اقْرَب الرَّاحَةَ مِنَ النَّصَبِ وَالْبُؤْسَ مِنَ النَّعِيمِ وَالْمَوْتَ مِنَ الْحَيَاةِ وَالسَّقَمَ مِنَ الصَّحَّةِ . فَطَوْبِي لِمَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ عَمَلَهُ وَعَلِمَهُ وَحُبَّهُ وَبَغْضَهُ وَاَخَذَهُ وَتَرَكَهٗ وَكَلَامَهُ وَصَمْتَهُ وَفَعَلَهُ وَقَوْلَهُ . وَبَخَّ بَخَّ لِعَالَمٍ عَمَلٍ فَجَدَّ وَخَافَ الْبَيَاتِ فَاَعَدَّ وَاسْتَعَدَّ ، اِنْ سَلَّ نَصَحَ وَاِنْ تَرَكَ صَمَتَ كَلَامِهِ صَوَابٌ وَسُكُوتُهُ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ جَوَابٌ . وَالْوَيْلُ لِمَنْ بَلَى بِحَرَمَانٍ وَخَذَلَانٍ وَعَصِيَانٍ فَاسْتَحْسَنَ لِنَفْسِهِ مَا يَكْرَهُهُ مِنْ غَيْرِهِ وَاُزْرِيَ عَلَى النَّاسِ بِمَثَلٍ مَا يَأْتِي وَاَعْلَمَ اَيُّ بُنَى اَنَّهُ مِنْ لَانَتْ كَلِمَتُهُ وَجَبَتْ مَحَبَّتُهُ . وَفَقَّكَ اللّٰہُ لِرُشْدِكَ وَجَعَلَكَ مِنْ اَهْلِ طَاعَتِهِ بِقُدْرَتِهِ اَنَّهُ جَوَادُ كَرِيمٍ۔“

۳۶ [حضرت اقدان حکیم کے حکمت آمیز کلمات میں آیا ہے کہ: ادب کس سے سیکھا؟ فرمایا: بے ادبوں سے!]

۳۷ [کیوں کہ بخیل انسان جتنی بھی دولت رکھتی ہو پھر بھی فقیر ہے۔]

۳۸ [یعنی انسان کسی حال میں بھی، نہ تو خوش اور نہ ہی دل تنگ اور مایوس ہو جائے، اس لیے کہ ان (خوشی و غمی) کا کوئی اعتبار نہیں کتنی جلد تغیر و تبدل کا شکار ہو جائیں۔]

شہادتِ پدر کے بعد

زندگانی امام حسن علیہ السلام میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ امام علی کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن شام میں معاویہ بن ابی سفیان نے خلافت کا دعویٰ کر کے امام حسن سے جنگ کی تیاری شروع کی، چنانچہ امام حسن نے بھی لشکرِ حرب اپنے پیچازاد عبید اللہ بن عباس کی سپہ سالاری میں بسوئے شام روانہ کیا تاکہ خود امامؑ نے لشکر کو لے کر ان سے ملحق ہو سکیں، لیکن امیر شام نے عبید اللہ بن عباس کو پانچ لاکھ نقد درہم دیئے اور باقی پانچ لاکھ درہم حکومت شام سے تعاون کرنے کے بعد دینے کی پیش کش کی اور وہ دنیا کی رنگینی پر اس طرح فریفتہ ہوئے کہ لشکر حق کا ساتھ بھی چھوڑا اور بغیر کسی کوسالار بنائے آٹھ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ فوجی شام سے جا ملے۔ البتہ تہا عبید اللہ نے دین کو دنیا پر فروخت نہیں کیا بلکہ بہت سے مشہور ایسے ہی فوجی سربراہوں نے جو علیؑ کے زمانے کی جنگوں سے خستہ بھی تھے اور ضعیف الایمان بھی تھے امیر شام کی داد و دہش پر توجہ دی تاکہ ناجائز اور بے حساب مال و دولت سے استفادہ کر سکیں لہذا امام حسنؑ کی اکثر فوج دنیا طلب اور منافقوں پر مشتمل تھی، چنانچہ تقاضائے زمانہ اور معاویہ کی فریب کاری کی صورت میں ناچار اس سے کیا۔

صلح امام حسنؑ پر امام حسینؑ کا موقف

بعض مورخین نے چند روایات کا سہارا لے کر جو تحقیق کے بعد غیر معتبر ثابت ہوئیں یہ کہنا ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی کا معاویہ سے صلح کے سخت مخالف حتیٰ آپؑ نے کئی مقامات پر اس کا اظہار بھی فرمایا ان جملہ روایات میں سے ابن اثیر، اسد الغابہ میں اور دوسرے نقل کرتے ہیں کہ مخالفین صلح میں خود ایک شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی تھی جنہیں اس سے کراہت تھی چنانچہ حسینؑ نے بھائی سے فرمایا:

أنت تدرك الله ان تصدق اخذوا معاوية وتكذب اخذوا عبيك؟ ”خدا کی قسم کیا آپؑ نے معاویہ کو سچا نہیں بنادیا اور اپنے بابا کو جھٹلا نہیں دیا ہے۔“

اس پر امام حسنؑ نے جواب دیا: اسکت انا اعلم بهذا الامر منك ”خاموش رہو میں اس مسئلے

میں تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔“ ۱۔

مختصر تبدیلی کے ساتھ اس گفتگو کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یوں نقل کیا ہے:

جب امام حسینؑ نے بھائی کو اپنے ارادے (صلح) میں پختہ پایا تو مخالفت چھوڑ کر امام حسنؑ سے فرمایا:

انت اكبر ولد علي وأنت خليفتي وأمرنا لأمرك متبع فافعل ما بدالك ”آپ علیؑ کے بڑے

فرزند اور ہمارے خلیفہ ہیں، لہذا جو چاہیں اسی پر عمل کریں آپ ہمیں تابع اور فرمانبردار پائیں گے۔“ ۲۔

بہر حال جو بھی امام حسنؑ و امام حسینؑ کی منزلت سے آشنائی رکھتا ہوگا اور اگر اسے ان کے مقام و مرتبت و

عصمت و امامت سے آگاہی ہے تو یقیناً اس کیلئے مندرجہ بالا روایات کی ساخت و ساز اور جعل میں کوئی شبہ

باقی نہیں رہے گا، جیسا کہ بیان ہو چکا یہ دونوں ہستیاں آریہ تطہیر کے اعلیٰ مصداق ہونے کی وجہ سے مقام

عصمت کے مالک ہیں اور من جانب اللہ رہبر و امام ہونے کی وجہ سے مفترض الطاعہ، سب پر ان کی اطاعت

واجب ہے، لہذا یہ جو بھی انجام دیتے ہیں وہ خدا کی طرف سے عائد ذمہ داری کے مطابق ہوتی ہے بنا براین

اس نظریہ کو دوسروں سے زیادہ یہ خود جانتے ہیں، لہذا پھر اس طرح کی روایات اور مباحث کیلئے کوئی گنجائش

باقی نہیں رہتی جبکہ ان کے مقابل ہمارے مدعی کو ثابت کرنے کیلئے معتبر ترین اور علم حدیث کے قواعد پر

پورا اترنے والی بہت سی روایات موجود ہیں، چنانچہ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مشہور روایت (جو ہم نے تشریح بیان کے ساتھ زندگانی امام حسنؑ میں نقل کی ہے) یہ ہے کہ آنحضرتؐ جو کام انجام

دیتے تھے وہ خدا کا حکم ہوتا تھا۔ ۳۔

۲۔ جس میں امام حسینؑ کا امام حسنؑ کی نسبت غیر معمولی احترام اور ان کی تعظیم کرنا بیان ہوا ہے جو امام

م باقرؑ سے بھی نقل ہوا ہے: ما تكلم الحسين بين يدي الحسن اعظما له ۴۔

امام حسینؑ احترام کی خاطر بھائی کے حضور کلام نہیں فرماتے تھے۔

۳۔ جس کی تفصیل متن کے ساتھ بعد میں بیان ہوگی۔ اس میں آیا ہے:

جب معاویہ ابن ابی سفیان نے حصول بیعت کیلئے امام حسنؑ اور امیر المؤمنینؑ کے چند

اصحاب کو بلایا تو جوں ہی حضرت قیس بن سعد سے سوال ہوا تو انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے امام

حسینؑ کو دیکھا تو امام نے فرمایا: یا قیس انہ امامی، یعنی الحسنؑ ۵۔ اے قیس امام حسنؑ ہمارے

امام و رہبر ہیں۔

۴۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ امام حسنؑ کی شہادت انچاس یا پچاس ہجری قمری میں واقع ہوئی، جبکہ

معاویہ ۶۰ ہجری میں اس دنیا سے رخصت ہوا اور اسی سال واقعہ کربلا کا آغاز ہوا یعنی تقریباً دس

سال کا عرصہ یا کچھ زیادہ امام حسینؑ امت کے مطاع و رہبر تھے، لہذا آپؑ ہی کی اطاعت سب پر فرض تھی لیکن بھائی کے دستخط شدہ صلح کا احترام محفوظ رکھنے کیلئے ہر عمل سے جو صلح امام حسنؑ سے مخالفت کا پہلو رکھتا ہو گریز کیا یہاں تک جب بہت سے شیعوں نے قیام اور معاویہ سے جنگ کی رائے دی تو آپؑ نے صبر و تقیہ کا حکم صادر فرمایا اور انہیں لکھ بھیجا کہ جو ہم معاویہ سے طے کر چکے ہیں اس پر پابند رہیں گے، اور جان لو کہ میں معاویہ کی موت کے بعد لائحہ عمل پیش کروں گا۔

(آئندہ صفحات پر تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے)

چنانچہ زندگانی امام حسنؑ میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا کہ ایک طرفہ حالات و شرائط اور عوام کو معاویہ کا فریب دینا، دوسری جانب لوگوں کا جنگ اور اتحاق حق سے خشکی اور عوام کا فرزند رسول کے خون کو معمولی جاننا وغیرہ اسی طرح کے وہ دلائل ہیں جن سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ اگر امام حسینؑ بھی اپنے برادر امام حسنؑ کی جگہ یعنی شہادت امیر المؤمنین کے بعد منصب امامت پر فائز ہوتے تو وہی کرتے جو امام حسنؑ نے صلح کے ذریعے کیا۔

اسی طرح اگر امام حسنؑ شہادت امام حسینؑ کے بعد امامت پر فائز ہوتے اور معاویہ کے بعد یزید کا زمانہ پاتے تو قیام و شہادت کے علاوہ کسی اور راہ کو نہ اپناتے۔

شیعہ بزرگ عالم دین مرحوم شرف الدینؒ کے بقول:

”یہ دو بھائی ایک رسالت کے دو چہرے تھے یعنی ہر ایک کی ذمہ داری اپنے زمانے کے حالات و شرائط کے مطابق تھی جو اہمیت کے لحاظ سے بھی اور فداکاری و جان نثاری کے حوالے سے بھی معادل اور ہم وزن تھی۔ امام حسنؑ کو جان کی پروا نہ تھی اور راہ خدا میں حسینؑ سے بڑھ کر کوئی صابر اور درگزر کرنے والا نہ تھا، ایک نے اپنی جان کو خاموشی کے جہاد میں صرف کیا، تاکہ گرم جنگ کیلئے فرصت اور موقع فراہم ہو سکے یعنی اگر یوں لکھا جائے تو مناسب ہوگا کہ شہادت کر بلا حسینؑ ہونے سے پہلے حسنی تھی۔“

صاحبان نظر اور اہل عقل کا کہنا ہے:

”امام حسنؑ کا روز سابط (مقام صلح) امام حسینؑ کے روز عاشورا سے کہیں زیادہ فداکاری کے مفہوم کو اوج عطا کرتا ہے، اس لئے کہ امام حسنؑ نے مظلومانہ انداز میں ایک زبردست بہادر کا کردار ادا کیا۔ شہادت عاشورا اس اعتبار سے حسنی تھی کہ امام حسنؑ نے ہی اس کی بنیاد رکھی اور حسینی بے مثال کار نامے کے وسائل فراہم کئے۔

امام حسنؑ کی مکمل کامیابی حکیمانہ صبر و شکیبائی کے ذریعے حقیقت کو آشکار کرنے میں تھی، لہذا جس

کے آشکار ہونے کے بعد ہی امام حسینؑ کو اس پر شکوہ نصرت و کامیابی کا سہرا نصیب ہوا اور اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ یہ دو پاک گوہر ایک ہی داستان کے بنانے والے تھے، چنانچہ حکیمانہ صبر و تحمل کا کردار امام حسنؑ نے ادا کیا اور جنگ، رجز، شور و روانہ قیام کا نقش امام حسینؑ نے باندھا تا کہ یہ دو کردار اپنی کامل تک نیک کے ذریعے ایک ہی ہدف و مقصد تک رسائی پا سکیں۔“

شیعہ مشہور بزرگ عالم معروف کا شاف الغطاء علیہ الرحمہ کے کہنے مطابق:

معاویہ بن ابی سفیان کے مظالم و جرائم جو اس نے اپنے ایام حکومت میں انجام دیئے مثلاً جلیل القدر صحابی رسول اللہؐ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اسی طرح دوسرے بزرگ صحابی رسول عمرو بن حنف خزاعی کو قتل کروایا خود جعدہ بنت اشعث کے ذریعے امام حسنؑ کو شہید کروایا اور یہاں تک کہ لوگوں سے یزید کی جو کفرت و فجور میں مشہور تھا بیعت لینے کے وقت کیا کچھ مظالم روا نہیں رکھے گئے؟!

چنانچہ ایسے بہت سے واقعات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”دیکھو کہ امام حسنؑ کی صلح نے معاویہ کی کیسی مٹی پلید کی؟ اور کس طرح اس کی تمام کوششوں پر پانی پھیر ڈالا اور شوم افکار کی تمام تر ستون لرزان کر دکھائے حتیٰ کہ حق آشکار اور باطل ملیا میٹ ہوا۔“

چنانچہ واضح سی بات ہے کہ ان حالات میں امام حسنؑ کیلئے صلح ایک نہایت ضروری عمل تھا، اسی طرح یزید کے مقابل جنگ و قیام امام حسینؑ کیلئے ایک اہم فریضہ تھا البتہ یہ دو بظاہر مختلف اقدام اس وقت کے سیاسی حالات کے تقاضے کی وجہ سے معرض وجود میں آئے۔ بنا براین اگر صلح امام حسنؑ کہ جس نے امیر شام کو رسوا کیا اور شہادت امام حسینؑ جس نے یزید کی ننگ و عار اور شرم گین زندگی کا دفتر بند اور سفیانی حکومت کا مقدر تاریک کر دیا نہ ہوتی یعنی اگر رسول اللہؐ کے دو سبط حسینؑ اپنی محنت پیش نہ فرماتے تو نہ فقط بہت سی مشقتیں ضائع ہوتیں، بلکہ خود آئین اسلام بھی ابوسفیان کے آئین میں جو فسق و فجور، جھوٹ و دغا، شراب و میخانہ، بدکار عورتوں، بندر، چیتوں سے کھیلنے اور نیک و صالح لوگوں کو نابود کرنے پر مشتمل ہو جاتا! ۷

معاویہ سے صلح امام حسینؑ کا موقف

اس ایک نکتے کی جانب توجہ ضروری ہے بعض روایات میں امام حسینؑ کا صلح نامہ سے خوش نہ ہونا، لیکن بعد میں امام حسنؑ سے گفت و شنید اور علت و اسباب صلح کو دریافت کرنے کے بعد رضایت کا اظہار فرمانا وارد ہوا ہے، من جملہ ایک مرسل وغالی السند روایت جسے ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے:

”یعنی امام حسینؑ گریاں حالت میں اپنے برادر کے پاس گئے مگر خنداں صورت میں واپس لوٹے تو نزدیکیوں نے اس کیفیت پر سوال کیا۔ تو اس پر امام حسینؑ نے فرمایا:

مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ میں انہیں سکھانے جا رہا تھا اور ان سے کہا کہ کس بات نے آپ کو خلافت چھوڑنے پر ابھارا ہے جواب دیا کہ اس بات نے جس نے ہمارے بابا کو ابھارا تھا۔“ بے مگر یہ روایت مرسل اور خالی السند ہونے کے علاوہ اسی عبارت پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کا بقیہ حصہ روایت میں شک و شبہ اور دیگر روایات سے مخالفت کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ باقی ماندہ روایت یوں ہے:

”قال: فطلب معاوية البيعة من الحسين فقال الحسن يا معاوية لا تكروه فانه لا يبايع ابداً او يقتل! ولن يقتل حتى يقتل اهل بيته، ولن يقتل اهل بيته حتى يقتل اهل الشام“

معاویہ نے امام حسینؑ سے بیعت کی درخواست کی تو امام حسنؑ نے معاویہ سے فرمایا:

اے معاویہ! اس فعل پر اسے مجبور مت کرو کیوں کہ وہ (حسین) ہرگز بیعت نہیں کریگا یہاں تک کہ مار دیا جائے اور وہ نہیں مارا جائے گا یہاں تک کہ اس کا پورا خاندان مار دیا جائے اور اس کا خاندان نہیں مارا جائے گا یہاں تک کہ اہل شام کو مار دیا جائے!“

جیسا کہ کہا گیا ہے (مندرجہ ذیل) آگے آنے والی روایت بھی مرسل و خالی السند ہونے کے علاوہ دوسری بہت سی روایات سے مخالفت رکھتی ہے مثلاً یہ حدیث رجال کشی میں اس کی سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے جسے غلام محمد بن راشد نے فضیل سے روایت کی ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنا ہے:

معاویہ نے امام حسنؑ کو خط لکھا:

آپؑ حسینؑ اور اصحاب علیؑ میرے پاس (شام) ضرور آئیں۔

چنانچہ حضرت اپنے ساتھیوں من جملہ قیس بن سعد عبادہ کے ہمراہ معاویہ کے پاس پہنچے۔

معاویہ نے امام حسنؑ سے کہا: انھیں میری بیعت کریں۔ امام نے اٹھ کر بیعت کی۔

پھر وہ امام حسینؑ سے بولا: تم بھی میری بیعت کرو۔ امام نے بیعت کی۔

اور پھر قیس سے کہا کہ بیعت کرے اس پر قیس نے امام حسینؑ کی جانب دیکھا تا کہ اسے کوئی

دستور دیں تو امام حسینؑ نے فرمایا: اے قیس! میرا امام وہ (امام حسنؑ کی جانب اشارہ) ہے۔“ ۵

اسی طرح یہ اس حدیث کی بھی مخالف ہے جو ”اخبار الطوال“ نامی کتاب سے نقل ہوئی ہے جس آیا ہے جو نبی معاویہ سے صلح کی مصروفیت تمام ہوئی تو عدی بن ہاشم عبیدہ بن عمر کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی:

”تم نے عزت کے بدلے خواری خرید لی، زیادہ دے کر تھوڑا قبول کر لیا، آج میری بات مان لیں

پھر چاہیں تو کبھی میری بات نہ ماننے گا آئیے امام حسنؑ اور انکی صلح کو چھوڑ کر کوفہ اور دوسرے

علاقے کی شیعہ لوگوں کو جمع کریں اور مجھے میرے دوست کے ساتھ اپنا فرمانروا بنائیں تاکہ ہم

اچانک ننگی تلواروں کے ساتھ پسر ہند (معاویہ) پر حملہ کر سکیں۔
امام حسین نے ان کے جواب میں فرمایا:

اَنَا قَدْ بَايَعْنَا وَعَاهَدْنَا وَلَا سَبِيلَ لِنَقْضِ بَيْعَتِنَا ”ہم نے بیعت اور عہد و پیمان باندھا ہے اور
ہمارے پاس بیعت توڑنے کا کوئی راستہ نہیں۔“ ۹
اسی طرح یہ روایت شیخ مفید کے سخن سے بھی مخالفت رکھتی ہے؟ جسے انہوں نے اپنی کتاب ارشاد میں
اصحاب سیرہ سے نقل کیا ہے:
جوں ہی امام حسن کی شہادت واقع ہوئی تو عراق کے شیعہوں میں تحریک پیدا ہوا تو انہوں نے امام حسین کو
لکھا:

”معاویہ سے منصب خلافت واپس لیں تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں، لیکن امام نے اس نظریہ
سے خودداری کرتے ہوئے انہیں یاد دہانی کروائی کہ ہمارے اور معاویہ کے درمیان عہد و پیمان
ہے جس کا توڑنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک مدت وعدہ پورا نہیں ہو جائے اور اس بارے
میں ہم معاویہ کی وفات کے بعد سوچیں گے۔“ ۱۰
اور اسی طرح وہ (پہلی) روایت مندرجہ بالا خط اور اس کے جواب سے بھی مخالفت رکھتی ہے جو حضرت
امام حسین سے نقل ہوا ہے۔

جعده بن ہبیرہ کا امام حسین کے نام خط
جعده بن ہبیرہ، امیر المؤمنین کے بھانجے اور ”ام الحسین“ نامی آپ کی ایک دختر کے شوہر اور اس
طرح امام حسین کے پھوپھی زاد بھائی اور بہنوئی تھے جو کوفہ میں سکونت پذیر تھے، جنگ جمل کے موقع
پر امیر المؤمنین جب کوفہ پہنچے تو پہلے انہی کے گھر تشریف فرما ہوئے تھے۔ ۱۱
بہر حال امام حسین سے نسبی رشتہ داری اور حبی قرابت داری کے علاوہ یہ اس خاندان عصمت و طہارت
کے شیعوں اور معروف دستداروں میں شمار کئے جاتے تھے اور جوں ہی حکومت معاویہ سے امام حسین کی
مخالفت کا علم ہوا تو جعدہ نے امام حسین کے نام ایک خط اس مضمون پر مشتمل لکھا:
”یعنی ابابعدتیت و سلام کے بعد عرض ہے کہ! بلاشبہ جو لوگ آپ کے شیعوں میں یہاں (کوفہ میں)

۱۱ یہ وہی ہیں جن کیلئے حضرت ام کلثوم نے ماہ رمضان کی شب اکیس کو بابا کی خبر شہادت سن کر فرمایا: بابا جان آج جعدہ کو
مہجد جانے کا دستور صادر فرمادیں۔ امام نے بظاہر فوراً قبول کیا مگر فوراً ہی فرمایا: ”موت سے فرار نہیں“ اور خود حسب دستور
مہجد تشریف لے گئے اور جب حضرت زہراؑ ہو گئے تو جعدہ جو کہ پہلی صف میں تھے امامت کیلئے آگے بڑھا اور انہی کی
امامت میں کوفہ والوں نے اپنی نماز کو تمام کیا۔

ہیں وہ سب اپنی نگاہوں کو آپ کی جانب لگائے ہوئے ہیں اور یہ لوگ مقام و منزلت میں کسی کو آپ کے برابر نہیں جانتے یہ لوگ آپ کے بھائی حسن کا نظریہ معاویہ سے جنگ کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں اور آپ کو بھی دوستوں کے ساتھ نرم اور دشمنوں کے مقابل تند اور دستور الہی کیلئے سخت جانتے ہیں لہذا اگر آپ صدر و صدائے حق لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور قیام فرمانا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس (کوئی) تشریف لے آئیں کیوں کہ ہم نے آپ کی راہ میں مرنے پر خود کو آمادہ کر لیا ہے۔

امام حسین نے جواب میں لکھا:

”جہاں تک میرے بھائی امام حسن کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ انہیں کامیابی کے ساتھ اپنی راہ میں ثابت قدم رکھے اور ربی میری بات، تو سن لو کہ فی الحال میں مصلحانہ قیام کا ارادہ نہیں رکھتا، چنانچہ آپ لوگوں پر خدا اپنی خاص رحمت نازل کرے زمین سے لگے رہیں اور اپنے گھروں کو گھات بنار بیٹھ جائیں اور جب تک معاویہ زندہ ہے لوگوں کی بدگمانی سے بچے رہیں لہذا جوں ہی خدا امیر شام کو موت سے ہمتا کر لے بشرطائیکہ میں قید حیات میں ہوں تب آپ کیلئے اپنی رائے کو ضرور لکھوں گا۔“ ۱۲

اس طرح یہ بات نتیجہ کے طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی امام حسن کی پیروی کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے لہذا معاویہ کے ساتھ صلح کو قبول بھی کیا اور اس پر پابند رہے اسی لیے جب تک معاویہ زندہ رہا بھائی کے کئے ہوئے معاہدے کا احترام کیا (جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے)۔ البتہ یہاں دو نکتوں کی جانب توجہ مبذول کروانا ضروری ہے۔

دونکات کے ذریعے اختلاف روایات کا حل

اول: جیسا کہ بعض نے وضاحت کی ہے، ان روایات میں ”بیعت و معاہدہ“ کا لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ حکومت معاویہ کے سامنے صلح و سکوت مراد ہے یعنی پھر اس کا مطلب یہ ہوگا۔ روایات کی تعبیرات اور عبارتوں میں اقوال علماء تسامح و تغافل کا شکار رہے ہیں جبکہ اصطلاحی لحاظ سے بیعت کے معنی کسی کو اولی الامر جاننا اسی طرح حاکم اور اس کی حکومت کی پیروی حمایت، دفاع اور طرفداری کا عہد و پیمان باندھنا ہے جو کہ اس مقام پر بالکل درست و صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو امام حسن اور نہ ہی امام حسین بلکہ کسی بھی زمانے کے ظالم و جابر شخص کی کسی بھی امام نے نہ تو بیعت کی اور نہ ہی کوئی عہد و پیمان باندھا چنانچہ ہم نے زندگانی امیر المؤمنین اور زندگانی امام حسن میں بیان کیا ہے ان دونوں مقدس ہستیوں نے خلافت کو زمانے کے تقاضے اور مصلحت

اسلام کی خاطر چھوڑ دیا، مگر موقع پاتے ہی فعلاً و قولاً حکومتوں سے اپنی مخالفت اور عدم رضایت کا اظہار فرماتے تھے مثلاً خطبہ شقیہ وغیرہ میں امیر المؤمنین اور امام حسنؑ کے خطبات میں اس کے نمونے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح زندگانی امام حسینؑ میں آئندہ صفحات پر بیان ہوں گے کہ امام حسینؑ کو بھی جوں ہی موقع فراہم ہوتا تو آپ حکومتِ شام سے مخالفت کا اظہار فرماتے، اس پر اعتراض کرتے اور حکومت کی کارستانوں کو عوام کے گوش گزار فرماتے تھے حتیٰ اگر چاہتے تو معاویہ کی جانب جانے والے بیت المال کے اموال کو ضبط کروا کر استعمال کر لیتے تھے۔

چنانچہ اس مطلب پر شاہد آئندہ صفحات میں روایت ملاحظہ فرمائیں گے، لہذا شاید ہی کوئی ان روایات اور مناقب شہر ابن آشوب والی روایات، دونوں کو صحیح مانے اور دونوں (متضاد) کیلئے معنی و مفہوم کا قائل ہونا عقل سے دور دکھائی دیتا ہے۔

دوم: یقیناً اس میں کوئی شک نہیں کہ امام حسینؑ معاویہ سے صلح کرنے پر دل سے راضی نہ تھے کیوں کہ خود امام حسنؑ بھی دل سے راضی نہ تھے بلکہ کوئی بھی متدین اور مومن اس پر دل سے راضی نہ تھا چنانچہ جیسا کہ بیان ہو چکا کہ امامؑ وقت حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک طرف تو جب اپنے ہی ساتھیوں کی سستی، کابلی، نفاق اور لوگوں کا دو چہرہ مشاہدہ کیا اور دوسری جانب امیر شام اور اس کے ساتھیوں کی شینطت لوگوں کو دھوکہ اور غلط بیانیوں کے علاوہ دوسرے اسباب کو ملاحظہ فرمایا تو آپؑ اس نتیجے پر پہنچے کہ معاویہ کی حقیقت آشکار کرنے کیلئے اور خاص طور پر اسلام و مسلمین کی حفاظت کی خاطر سوائے صلح اور ترک خلافت کے کوئی اور راستہ سامنے نہیں رہا ہے، لہذا اس کام میں کمال اکراہ کے باوجود ناچار ہو کر صلح نامہ پر دستخط فرمایا بالکل اپنے پدر بزرگوار امیر المؤمنینؑ کی مانند گوشہ نشینی اور پیچھے ہٹنے پر تیار ہوئے۔

چنانچہ خطبہ شقیہ میں فرماتے ہیں: فصبرت وفي العين قذى وفي الحلق شجى أرى لو انى نهيا ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: فجزى قريشاً عنى الجوازي فانهم ظلموني حقى واغتصبوني سلطان ابن امي ۳۱ یاد دہری اور گفتار جسے ہم نے حضرت کی زندگانی پر مشتمل کتاب میں نقل کیا ہے۔ ۳۲
حتیٰ خود امام حسنؑ صلح کرنے اور اعتراضات کا ہدف قرار پانے کے بعد فرماتے ہیں:

”میں نے یہ امر (صلح) اس لیے قبول کیا ہے کہ میرا کوئی یار و مددگار نہ تھا اور نہ میں اپنے رات و دن ایک کر کے اسے ختم کر دیتا اور میرے اور اسکے درمیان فیصلہ کرنے والا خدا ہوتا۔“ ۳۵

بنابراین یہ بات قابل قبول ہے کہ امام حسینؑ اپنے برادر امام حسنؑ کی طرح دل سے صلح پر راضی نہ تھے، مگر مصلحتِ اسلام کی خاطر کڑوا گھونٹ پینا قبول کیا، لہذا اس مضمون کی جو روایات ہم تک پہنچی ہیں انہیں اس

معنی پر حمل کیا جائے من جملہ ”انساب الاشراف“ میں ایک روایت وارد ہوئی ہے:

”جب معاویہ سے صلح کا اجراء گزر چکا تو کوفہ کے چند بزرگ جو کہ اہل بیت کے شیعوں میں سے تھے مثلاً جندب بن عبد اللہ، مسیب بن نجبه سلیمان بن صرد خزاعی وغیرہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے امام اس وقت کوفہ کے دارالامارہ میں نوکروں، غلاموں کو سامان اٹھانے کا دستور دے رہے تھے، جب ان حضرات نے سلام کے بعد گزشتہ واقعہ سے ناخوشی کا اظہار کیا تو یوں گویا ہوئے:

میں بھی اس واقعہ (صلح) سے خوش نہیں ہوں، لیکن میرے بھائی نے جب یہی ارادہ کیا تو دل سے ناگوار ہونے کے باوجود اطاعت کرنا ضروری تھا اور حضرت امام حسینؑ نے ان آیت سے استشہاد کیا کہ خداوند متعال فرماتا ہے:

﴿فَقَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ ”یعنی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور خدا اسی میں خیر کثیر قرار دے۔“ ۱۶

اسی طرح ایک اور مقام پر خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور یہ ممکن ہے جسے تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور جسے تم دوست رکھتے ہو وہ برا ہو خدا سب کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔“ ۱۷

یہ سن کر جندب بن عبد اللہ نے عرض کی:

”خدا کی قسم ہمیں تو یہ پریشانی ہے کہ کہیں آپ (اہل بیت) مورد ظلم و ستم قرار نہ پائیں ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے کیونکہ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ یہ لوگ مستقبل قریب میں ہم سے دوستی کیلئے ہاتھ بڑھائیں گے لیکن ڈراس بات کا ہے کہ خدا نخواستہ ہم ظالموں اور مجرموں کی مدد و نصرت کریں کیونکہ ہم آپ کے شیعہ اور ان کے دشمن ہیں۔“ ۱۸

صلح کے بعد، اور مدینہ واپسی

جیسا کہ زندگی امام حسنؑ میں ذکر ہو چکا، بعد از صلح، رسول خداؐ کے سبط اکبر امام حسنؑ اپنے خاندان کے ہمراہ اپنے اصلی جائے پیدائش مدینہ طیبہ لوٹ آئے اور امام حسینؑ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے اور جیسا کہ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں امام حسینؑ نے معاویہ کے خلاف قیام کرنے اور صلح کا معاہدہ توڑنے کے خواہاں لوگوں کو یہی جواب دیا:

”ہم نے معاویہ سے عہد کیا اور اس پر پابند بھی ہیں لہذا جب تک وہ زندہ ہے ہم کوئی اقدام نہیں

کریں گے۔“

شہادت امام حسنؑ کا غم انگیز ماجرا

امام حسنؑ کے بعد اپنے خاندان مع ابا عبد اللہ الحسینؑ کے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور وہاں ذاتی امور کے علاوہ عبادت اور لوگوں کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ اس توقف کے دوران بھی معاویہ اور اس کے درباریوں سے شام اور مدینہ میں ٹکراؤ ہوتے رہے۔ خط و پیغامات کے ذریعے رد و بدل ہوتی رہی جو کہ تفصیل سے ذکر ہو چکی ہے۔

بالآخر امام حسنؑ کے دس سالہ توقف کے بعد معاویہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اپنے شیطانی ارادے یعنی اپنے فاسق بیٹے یزید کی ولی عہدی کو کیونکر عمل میں لائے جو کہ صلح نامہ کی شرائط کے اور قوانین اسلام کے بھی خلاف تھا، لیکن اس عظیم جرم کی انجام دہی کیلئے امیر شام کے نزدیک سب سے اہم رکاوٹ رسول اللہؐ کے سبط اکبر امام حسنؑ تھے۔ کا وجود تھا، لہذا وہ یزید کو ولی عہد بنانے میں اتنا پختہ ارادہ رکھتا تھا کہ اس راہ میں ہر بڑے جرم و خطا کیلئے تیار تھا، بنا برائیں اس نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ امام حسنؑ کو جس طرح ممکن ہو قتل کروادے۔

چنانچہ اس گھناوئے جرم کیلئے جعدہ بنت اشعث بن قیس (زویہ امام حسنؑ) سب سے بہتر انتخاب تھی۔ معاویہ نے اس کو ایک خط لکھا اور اس کے ساتھ سو ہزار (ایک لاکھ) درہم روانہ کروایا اور وعدہ دیا کہ اگر حسن بن علیؑ کو مسموم کر دیا تو اپنے بیٹے یزید سے تمہارا عقد کروں گا۔ بالآخر یہ ہولناک جرم انجام پایا رسول اللہؐ کا معصوم فرزند اس مجرم عورت کے ہاتھوں مسموم ہو کر شہید ہوئے۔

شہادت کے وقت جو صیبتیں آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی حسینؑ سے ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی: جنازے کو غسل و کفن دینے کے بعد میرے جد رسول اللہؐ کے مرقد کی جانب لے جانا، تاکہ ان سے تجدید دیدار کروں لیکن شاید لوگ یہ گمان کریں کہ تم رسول اکرمؐ کے پہلو میں مجھے دفنانا چاہتے ہو لہذا اگر حج ہو کر تمہارے مقابل آجائیں تو تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری خاطر ایک قطرہ بھی خون مت بہنے دینا۔

جب امام حسینؑ نے وصیت پر عمل کرنا چاہا تو عائشہؓ کے ہمراہ کئی لوگ آگے آئے، امام حسینؑ اور ان کے درمیان گفتگو ہوئی، عائشہؓ نے کہا:

لا تدخلوا بیٹی من لا أحبہ، ان دفن الحسن فی بیٹی لتجزّ هذه وأومات الی ناصیئہا ”میرے گھر میں اسے مت داخل کرو جسے میں پسند نہیں کرتی اگر حسنؑ میرے گھر میں دفن کیا گیا تو میرے سر کے اگلے بال کٹ جائیں گے (اعتراض کا محاورہ)۔“

ہم نے زندگانی امام حسن کی جلد ۲ میں عائشہؓ کی بات تجزیے کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے ضمن میں جو سوالات ابھرتے ہیں انہیں ذکر کیا ہے مثلاً:

پہلا سوال: اس شخصیت سے کیوں عائشہؓ کو الفت و محبت نہیں کہ جس کی محبت پر رسول اللہؐ کی بہت سی روایات ملتی ہیں؟ یعنی حضرتؑ نے امام حسنؑ کی محبت لوگوں پر فرض قرار دی، لیکن عائشہؓ ان سے نفرت کرتی تھیں؟

دوسرا سوال: رسول اللہؐ کا گھر کیوں کر عائشہؓ سے مربوط تھا! جب کہ عائشہؓ خود رسول اللہؐ سے روایت کرتی ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:

نحن معاشر الانبياء لا نورث ذهبا ولا فضة ولا داراً ولا عقاراً؟ ”ہم (خدا کے پیغمبر) کوئی شے سونا چاندی، گھر اور زمین ارث کے طور پر نہیں چھوڑتے۔“

تیسرا سوال: اگر یہ حدیث دوسری کسی حدیث کے ذریعے تخصیص پا چکی ہے تو کیسے رسول اللہؐ کی زوجہ کے باپ کے یعنی سُسر (خسر) کیلئے دفن ہونا جائز تھا، لیکن فرزند رسول اللہؐ کیلئے جائز نہیں؟ البتہ اس مقام پر اور بہت سے سوالات ہیں۔

مثلاً احتجاج طبرسیؒ کی روایت میں آیا ہے جب عائشہؓ نے کہا:

نَحْنُ ابْنُكُمْ عَنْ بَيْتِي اَوْ لَا يَهْتَكُ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ حِجَابِي ”اپنے جوانوں کو میرے گھر سے دور لے جاؤ اور رسول اللہؐ کی ہتک حرمت مت کرو۔“

یہ سن کر امام حسینؑ نے جواب دیا۔ (جواب متن اور ترجمہ کے ساتھ پہلے بیان ہو چکا) ۱۹

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ [اسد الغابہ، ج ۳ ص ۲۰، کمال ابن اثیر ج ۳ ص ۴۰۵]
- ۲۔ [تاریخ ابن عساکر، ج ۳ ص ۲۱]
- ۳۔ [کتاب زندگانی امام حسنؑ، ج ۲ ص ۲۶]
- ۴۔ [حیۃ الامام حسنؑ، ج ۲ ص ۲۵۲، منقول از مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۴۳]
- ۵۔ [بحار الانوار ج ۴۴ ص ۶۱]

۱۔ (پوری طرح یہ دو مقالے زندگانی امام حسنؑ ج ۲ میں موجود ہیں۔ مولف کہتے ہیں: اس حصے کو تحریر کرتے وقت عجیب اتفاق یہ ہوا ہے کہ اقوام متحدہ کی جانب سے عراق و ایران جنگ بند کرنے کی قرارداد پر اسلامی جمہوریہ ایران نے دستخط کر دیئے ہیں یہ قرارداد ۵۹۸ کے عدو سے معروف ہے، آٹھ سال ایران عراق جنگ کے بعد جو شرق و غرب کے اتحاد و اسلام دشمن طاقتوں کے بے حساب مدد سے ایران کے خلاف لڑی گئی لہذا جس کے بے تحاشہ نقصانات بھی سامنے آئے، حکومت اسلامی اور انقلاب اسلامی کے رہبر کبیر (امام خمینیؑ) اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی مملکت اور اسلام کے بنیادوں کو محفوظ رکھنے کی غرض اگر چہ سخت و دشوار ہے لیکن جنگ بندی کو قبول کر لیں اور یہ اقدام جبکہ تلخ و دشوار تھا لیکن واضح طور پر مختلف بیانون اخباروں اور اشتہاروں کے ذریعے ملکی اور غیر ملکی اسکالروں، سیاست دانوں اور دانشمندوں نے اسلامی جمہوریہ ایران کے اس حکیمانہ اور شجاعانہ اقدام کی سراپا تعریف کی جبکہ ذی ربط اور مقامات بالا کے تمام افراد اقرار کر رہے ہیں کہ جنگ کے زمانے میں استعماری طاقتوں نے ایران کے خلاف اپنی تمام کوششوں کے باوجود دنیا کے آگے ظاہر کیا کہ ایران جنگ طلب اور خون ریزی کو پسند کرتا ہے جبکہ عراق صلح طلب اور امنیت کا خواہاں ہے مگر پس پردہ وسیع پیمانے پر عراق کو تکمیل، بم، زہریلی گیسوں اور دوسرے بہت سے پیچیدہ انداز کے کشیدہ آلات و اوزار سے بھی لیس کرتے رہے تا کہ ایران کیلئے جنگ بندی کی قرارداد پر دستخط کے علاوہ کوئی اور راہ باقی نہ رہ پائے اگرچہ بہت سے انقلابی، شہادت طلب اور فداکار جوانوں کیلئے جو صحیح حالات و مشکلات سے واقفیت بھی نہیں رکھتے اس صلح نامہ کو قبول کرنا بہت دشوار ہے حتیٰ کہ ہم جیسے لوگوں کیلئے بھی جو مسائل کو نزدیک سے مشاہدہ کرتے رہے ان کیلئے صلح امام حسنؑ جو کہ معاویہ کی جانب سے وسیع پیمانے پر پروپیگنڈے اور قدرت کے استعمال کے بعد سامنے آئی مجسم ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔ والحمد للہ علی کل حال

۲۔ [”و دخل الحسين عليه السلام علي أخيه باكيًا ثم خرج ضاحكًا! فقال له موالیه: ما هذا؟ قال: اتعجب من دخولي علي امام أريد ان أعلمه فقلت: ماذا دعاك الي تسليم الخلافة؟ فقال: الذي دعا أباك فيما تقدم“ مناقب ج ۴ ص ۳۳]

۳۔ [”ان معاوية كتب الي الحسن بن علي صلوات الله عليهما ان أقدم أنت و الحسين وأصحاب علي، فخرج معهم قيس بن سعد بن عبادۃ الانصارى فقدموا الشام، فأذن لهم معاوية وأعد لهم الخطباء فقال: يا حسن قم فبايع، فقام وبايع، ثم قال للحسين: قم فبايع، فقام فبايع ثم قال: يا قيس

قم فایع، فالغت الی الحسنین ینظر ما یأمره، فقال: یا قیس انه امامی. یعنی الحسن "بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۱۱ نقل از رجال کشی۔"

۹. [یا ابا عبد اللہ شریتم الذل بالعز، قبلتم القلیل وترکتکم الکثیر اطعننا الیوم وأنصنا الذهر، دع الحسن وما رأی من الصلح، واجمع الیک شیعتک من اهل الکوفة وغیرها وولئی وصاحبی هذه المقلمة فلا یشرع ابن هند الا ونحن نقارعه بالسیوف] "حیة الامام حسین ج ۳، ص ۱۱۶، الاخبار الطوال وینوری ص ۲۰۳ سے منقول ہے البتہ انساب الاشراف ج ۳، ص ۱۵۱، یہ گفتار حجر بن عدی سے منسوب کی گئی ہے انہوں نے مختصر فرق کے ساتھ یہ گفتار امام حسین سے کی تو امام نے یہی جواب دیا۔]

۱۰. [لما مات الحسن تحوكت الشيعة بالعراق وكتبوا الى الحسين في خلع معاوية والبيعة له، فامتنع عليهم وذكر ان بينه وبين معاوية عهداً وعقداً لا يجوز نقضه حتى تمضي المدة فاذا مات معاوية نظر في ذلك] "ارشاد مفید (مترجم) ج ۲، ص ۲۹، انساب الاشراف ج ۳، ص ۱۵۲ میں ان شیعوں کے نام بھی لکھے ہیں مثلاً: بنو جندہ وغیرہ۔]

۱۱. [اما بعد فان من قبلنا من شيعتك متطوعة انفسهم اليك، لا يعدلون بك احداً، وقد كانوا عرفو رأي الحسن اخيك في الحرب، وعرفوك باللين لاؤليائك والغلظة على اغدائك والسنّة في أمر الله فان كنت تحب ان تطلب هذا الامر فاقدم علينا فقد وطنا انفسنا على الموت معك]

"اما اخي فاني أرجو ان يكون الله قد وفقه وسدده واما اننا فليس رأيي اليوم ذاك فالصقوا: رحمكم الله. بالأرض واكنموا في البيوت واحترسوا من الظنة مادام معاوية حيًا فان يحدث الله به حدثاً وأنا حتى كتبت اليكم برأيي والسلام" "حیة الامام حسین ج ۲، ص ۲۲۹، ۲۳۰ نقل از اخبار الطوال ص ۲۳۰، انساب الاشراف، ج ۱، حصہ اول]

۱۲. [نسخ البلاغة (۲ ص ۳۶)]

۱۳. [زندگانی امیر المؤمنین، ج ۱، ص ۲۳۱، ۲۵۴]

۱۴. [والله ما سلمت الامر اليه الا اتى لم أجد انصاراً ولو وجدت انصاراً لقاتلته ليلی ونهاری حتى يحكم الله بيني وبينه... "احتجاج بطبرسی، ص ۱۳۹]

۱۵. [سورة نساء، آية ۱۹]

۱۶. [سورة بقره، آية ۲۱۹]

۱۷. [والله ما بنا الا ان نضاموا فما نحن؟ فانا نعلم ان القوم سيطلبون مودتنا بكل ما قدروا عليه ولكن حاش لله ان نوازر الظالمين ونظاهر المجرمين ونحن لكم شيعة ولهم عدو] "انساب الاشراف، ج ۳، ص ۱۳۹]

۱۸. ["قديماً هتكت انت و ابوك حجاب رسول الله و ادخلت بيته من لا يحب رسول الله قربه، وان الله يستنلك عن ذلك يا عايشة، ان اخي أعلم امرني ان أقربه من أبيه رسول الله ليحدث به

عهداً ، واغلمي ان اخي اعلم الناس بالله ورسوله ، واغلم بتاويل كتابه من ان يهتك على رسول الله
ستره ، لأن الله تبارك وتعالى يقول : " لا تدخلوا بيوت النبي ألا ان يؤذن لكم " وقد أدخلت أنت
بيت رسول الله الرجال بغير اذنه وقد قال الله عز وجل : " يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم
فوق صوت النبي " ولعمري لقد ضربت أنت لابيک وفاروقه عند أذن رسول الله المعاول ، وقد
قال الله عز وجل : " ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن الله قلوبهم
للتقوى " ولعمري لقد ادخل ابوك وفاروقه على رسول الله بقربهما منه الأذى ، وما رعيّا من حقّه
ما امرهما به على لسان رسول الله ان الله حرّم على المؤمنين أمواتاً ما حرّم منهم احياء ، وبالله يا
عائشة لو كان هذا الذي كرهته من دفن الحسن عند ابيه جائزاً فيما بيننا وبين الله لعلمت انه سيدفن
وان رغم معطسك ! " احتجاج طبري ، ادب الحسين ، نقل از احقاق الحق ، ج ۱۱]

بھائی کی شہادت کے بعد

شہادتِ امام حسن علیہ السلام کے بعد اسلامی رہبری کی سنگین ذمہ داری امام حسینؑ کے دوش پر آئی اس طرح امام حسینؑ کی امامت اور اس کی دشواریوں کا دور شروع ہوا۔ معاویہ بن ابی سفیان اپنی ننگ و عار اور نفاق و کفر سے پُر حکومت کے دس سال گزار چکا ہے اور اس مدت میں جھوٹ، فریب، ظلم و تجاوز کے ذریعے وہ جتنا کر سکتا تھا اسے اموی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کیا لہذا اپنے مقاصد کو توسیع بخشنے کیلئے بیت المال کو بے حساب خرچ کرنے کے علاوہ اس کے جتنے مخالف تھے انہیں درہم و دینار کی جھنکار اور مقام و منصب کی گرمی سے فریب دے چکا تھا۔ ہاں فقط ایک یہی خاندان اور اس کے شیعہ تھے جنہوں نے دیانت اور تقویٰ کا ثبوت دیتے ہوئے اسلامی اقدار کی مکمل حفاظت کی اور معاویہ کی دھمکیوں، پُرکشش پیشکشوں اور ہر طرح کی لالچ کو ٹھکرا کر پُر وقار استقامت کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ بلاشبہ یہی وہ شخصیات تھیں کہ جن کی رہنمائی فرزند رسول حضرت امام حسینؑ فرما رہے تھے۔

اس کی علت بھی عیاں تھی بہر حال معاویہ کا انداز سیاست ایسا ہی تھا، اس نے رعب، وحشت اور گھٹن کی فضا کو حاکم بنا دیا تھا، لہذا لوگوں میں حق بیانی مفقود اور جرأت اظہار مرچکا تھا اور شجاعت و بہادری نامی صفت ناپید ہو چکی تھی، لیکن امام حسینؑ اور آپؐ کے مختصر اصحاب نے اطمینان قلب کے ساتھ حق گوئی اور حق پرستی کو اپنا شیوہ اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے رد عمل یعنی شہادت کیلئے بھی خود کو آمادہ کر رکھا تھا۔ لہذا امیر شام کا حقیقی چہرہ اور اس کے اسلام و مسلمین کے ساتھ وہ نامناسب سلوک و رویہ کو آشکار کرنے اور اپنی مندرجہ بالا بات پر دلیل پیش کرنے کی خاطر اس کے چند کارناموں کی فہرست آپؐ کی نگاہوں سے گزارنا ہیں، اگرچہ پچھلی کتابوں زندگانی امیر المؤمنینؑ اور زندگانی امام حسنؑ میں بعض واقعات تحریر کئے جا چکے ہیں، بنا برائیں کوشش یہی ہوگی کہ مطالب کی تکرار نہ ہونے پائے۔

کتاب اہل سنت میں معاویہ کا کردار تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ خلافت بلکہ حکومت معاویہ بھی اس کے صحیح معیار پر پوری نہیں اترتی اور جیسا کہ ہم نے زندگانی امیر المؤمنینؑ میں ذکر کیا یہ حکومت عوام سے فریب، جھوٹ، دھوکہ دہی اور ظلم و تجاوز پر استوار تھی چون کہ یہ وہ بات ہے جسے صراحت کے ساتھ خود معاویہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

”خدا کی قسم میں نے تم سے جنگ نہیں کی کہ تم نماز پڑھو یا روزہ رکھو یا حج بجالاؤ اور نہ ہی زکات دلو انہ کیلئے بلکہ اس قوت آزمائی کا واحد سبب تم لوگوں پر حکومت کرنا تھا سو وہ خدا نے مجھے دے دی اور یاد رکھو مجھے تمہاری عدم رضایت کی کوئی پروا نہیں۔“ ۱۷

اس کے بعد انتہائی بے پروائی سے کہا:

”اور جان لو کہ میری جانب سے حسن بن علی کو جو بھی عہد و پیمان دیا گیا تھا وہ میرے زیر پا ہے اور میں اس کی کسی شرط پر بھی وفا دار نہیں رہوں گا۔

ابن ابی الحدید اس گفتگو کے بعد ابی اسحاق سمیعی سے معاویہ کے بارے میں نقل کرتا ہے:

وكان والله غداراً ”خدا کی قسم بے وفائی اور عہد شکنی معاویہ کی عادت تھی۔“

اسی طرح عبدالرحمن بن شریک نخعی کو فی سے بھی نقل کرتا ہے:

هذا والله هو التهتك ”خدا کی قسم معاویہ کا یہ فعل حرمت شکنی ہے۔“

مندرجہ بالا یہ اقوال ابن حجر جیسے لوگوں کیلئے لمحہ فکریہ اور جواب کی حیثیت رکھتے ہیں جو آج بھی معاویہ کے دفاع میں کتابیں لکھتے ہیں، اس پر لعن و طعن کو جائز قرار نہیں دیتے حتیٰ اسے عادل اور صحیح العمل مسلمان کا درجہ دے کر اس کی حمایت کا پتھر سینوں پر مارت ہیں اور محبت کا دم بھرتے ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ کیا یہی ایک مسلمان کا شیوہ ہے کہ بے شرمی کے ذریعے پردہ داری بھی کرے اور پیمان شکنی پر ذمہ داری کے ساتھ فخر و مباهات بھی کرتا ہو ا دکھائی دے۔ جو صراحت کے ساتھ اسلامی قوانین کو پاؤں تلے روندے اُسے کیونکر عادل جانیں اور پھر اسے رسول اللہ کے عادل اصحاب میں شمار کر کے اس کا دفاع کریں؟ جو کام معاویہ اور ابن حجر جیسے لوگ کر گئے ہیں اس کا فیصلہ آئندہ عہد کی تاریخ اور مسلمان کریں گے نہ اُن

۱۷ یہ بھی معاویہ کے جیلوں اور مکاریوں میں سے بلکہ تاریخ کی نا انصافیوں میں سے ہے کہ اپنے غلط کئے ہوئے کام کو خدا سے منسوب کر کے اسے خدا کا فیصلہ شمار کیا جائے گویا ان افراد نے قرآن کی تلاوت نہیں کی جہاں خدا پیغمبر کی تصدیق کر رہا ہے: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دنگار بنانے والا بھی نہیں۔“ (کہف ۵۸)

کے طرفدار اور نہ ان کے وظیفہ خور۔

حدیث کا مابقی

تمام اہل تاریخ نے لکھا ہے، معاویہ بیان شکنی کے مذکورہ بالا اظہار کے بعد اس انداز میں کہ خالد بن عفرط اس کے آگے اور حسیب بن حمار کا ندھے پر پرچم اٹھائے چل رہا تھا کوفہ آیا، پھر منبر کوفہ پر بیٹھ کر امام حسن و امام حسین کی موجودگی میں حضرت علی کی نسبت بدزبانی کی اور پھر امام حسن کا موضوع چھیڑ کر حضرت "کونا مناسبت الفاظ سے یاد کیا۔ جس پر امام حسین اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، تاکہ جواب دیں، لیکن امام حسن نے فوراً بھائی کا ہاتھ تھام کر انہیں بٹھا دیا اور خود اٹھ کر فرمایا:

ایہذا الذاکر علیاً انا الحسن و ابی علی، وانت معاویہ و ابوبک صخر، انھی فاطمة و امک ہنڈ و جدی رسول اللہ و جدک حزب، و جدتی خدیجہ، جد تک قبیلہ، فلعن اللہ انھمنا ذکر او الاثمنا حسبا، و شرنا قدیماً و حدیثاً و اقدمنا کفراً و نفاقاً... فقال طوائف من اهل المسجد آمین

"اے علی بن ابی طالب کی نسبت بدزبانی کرنے والے! میں حسن ہوں اور میرا باپ علی ہے، تو معاویہ اور تیرا باپ صخر ہے، میری ماں فاطمہ اور تیری ماں ہند ہے، میرے جد رسول اللہ اور تیرا جد حرب ہے میری جدہ خدیجہ اور تیری جدہ فتیلہ ہے، اب آؤ خدا سے اس پر لعنت کرو انہیں جو زیادہ گمنام اور حسب میں زیادہ پلید ہے اور خدا کی اس پر لعنت ہو جو ماضی و حال میں بدتر اور کفر و نفاق میں قدیم تر ہے۔

❁ امام کی اس نفرین پر مسجد میں موجود لوگوں نے آمین کہا۔

❁ ابوالفرج لکھتے ہیں: راوی حدیث (یحییٰ بن یحییٰ) نے کہا: میں بھی آمین کہتا ہوں۔

❁ حدیث کا دوسرا راوی جس نے برائے ابوالفرج نقل کیا یعنی ابوعبیدہ نے کہا ہے، جس نے میرے لئے حدیث نقل کی یعنی فضل بن حسن بصری نے کہا: میں نے بھی آمین کہا۔

❁ آخر میں ابی الحدید بھی جنہوں نے ابوالفرج سے یہ حدیث نقل کی ہے کہتے ہیں: میں بھی کہتا ہوں: آمین!

معاویہ کے دیگر جرائم بطور اختصار ۳

شراب نوشی

ہمد بن ضبل اپنی کتاب مسند میں عبد اللہ بن بریدہ سے مستند روایت نقل کرتے ہیں:

۳ عصر حاضر کے ایک معروف مؤلف نے جرائم و گناہان میں یزید اور اس کے باپ کا مقایسہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"معاویہ کے جرائم یزید سے کئی گنا تھے اگر حکومت کے حصول سے قبل کے جرائم جن کا ارتکاب معاویہ حصول

حکومت کیلئے کیا اور ان کی جو اپنی سلطنت کے دور میں کیا، ملا دیں تو درحقیقت مہبوت کن اور حریت انگیز ہیں۔ معاویہ کے نزدیک حصول حکومت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل، جاہ طلبی اور زندگی کی لذتوں کے علاوہ کوئی اور ہدف نہ تھا۔ لہذا اپنے حیوانی ہدف تک رسائی کیلئے کسی قسم کے جرم و گناہ عار نہ کیا کیوں کہ وہ علیؑ اور خاندان علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ ان کی نسبت کسی بھی طرح کے ظلم و زیادتی سے دریغ نہیں کرتا تھا۔“

مذکورہ بالا تاریخ نویس نے حصول سلطنت کے بعد معاویہ بن ابی سفیان کے نام شروع انجام دیئے ہوئے کاموں کو تاریخی حوالوں سے ذکر کرتے ہیں: دین کی جن خلاف ورزیوں کو معاویہ کھلے بندوں، بے حجابانہ انجام دیتا تھا، ہم ان کی مختصر فہرست بعنوان مثال پیش کر رہے ہیں:

- ۱۔ شراب نوشی۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۱۷۹)
- ۲۔ ریشی لباس پہننا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۱۶)
- ۳۔ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۱۶)
- ۴۔ گانا۔ موسیقی سننا۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۱۶۱)
- ۵۔ قصاوت برخلاف اسلام۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۱۹۶)
- ۶۔ چور کی حد کو یعنی حدود الہی کو ترک کرنا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۱۳)
- ۷۔ ولد الزنا کو مقام و اہمیت دینا۔ (شرح ابن ابی الحدید، ج ۱۶، ص ۱۸۷)
- ۸۔ علیؑ سے جنگ کرنا جس میں چھتر ہزار اور شاید اس سے بھی زیادہ افراد قتل ہوئے۔ (مروج الذهب، ج ۲، ص ۳)
- ۹۔ شیعیاں علیؑ کے قتل و عارت گری کیلئے فوج کا بھیجنا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۱۶، ۱۷، ۱۸)
- ۱۰۔ قتل مالک اشترؒ۔ (مروج الذهب، ج ۲، ص ۴۱۹)
- ۱۱۔ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی دینا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۵۲)
- ۱۲۔ عمرو بن حنظلہؓ کو پھانسی دینا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۴۱)
- ۱۳۔ مصر پر حملہ اور حضرت علیؑ کے نمائندے محمد بن ابی بکر کا قتل۔ (مروج الذهب، ج ۲، ص ۴۰۹)
- ۱۴۔ شیعیاں علیؑ کا قتل عام۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۸)
- ۱۵۔ حضرت علیؑ کی مذمت میں حدیث گڑھنا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۸)
- ۱۶۔ عثمان بن عفان کی مدح میں حدیث جعل کرنا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۸)
- ۱۷۔ نماز جمعہ کے خطبات میں حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنا۔ (لقد یر، ج ۱، ص ۲۵)
- ۱۸۔ امام حسنؑ کا قتل۔ (مروج الذهب، ج ۲، ص ۴۲)
- ۱۹۔ زبردستی بزد کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا۔ (کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۱۵ تا ۵۱۷)
- ۲۰۔ بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھائی۔ (مروج الذهب، ج ۳، ص ۳۲)
- ۲۱۔ معاویہ امام حسنؑ کے قتل کے علاوہ ان تمام مندرجہ بالا کاموں کو نہایت جرأت کے ساتھ بے دریغ انجام دیتا تھا۔ (البدیع بعض واقعات آئندہ صفحات پر تفصیل سے نقل کریں گے)

”عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں: کہ میں اپنے بابا کے ہمراہ معاویہ کے پاس گیا اس نے ہمیں عزت دی فرش پر بٹھایا اور ہمارے لئے کھانا منگوایا چنانچہ جب ہم نے کھانا کھالیا تو شراب منگوائی گئی اس نے شراب پیتے ہوئے بابا کی جانب بڑھایا تو میرے والد نے کہا: جب سے رسول اللہ نے حرام قرار دی ہے میں نے اسے منہ سے نہیں لگایا۔“

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں، لیکن ہم اسی ایک روایت پر اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ مزید معلومات کیلئے لغت برج ۱۰ ص ۱۸۰ پر موجود روایات ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

معاویہ کی سود خواری

امام مالک اور نسائی وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں عطاء بن یسار سے روایت نقل کرتے ہیں:

”معاویہ نے سونے یا چاندی کا ایک ظرف اس کے وزن سے زیادہ قیمت میں فروخت کیا تو ابوورداء (صحابی رسول اللہ) نے اس سے کہا، میں نے خود رسول خدا سے سنا ہے کہ اس طرح کے معاملات میں دونوں جنسوں کا بغیر کم و زیادہ کے برابر ہونا ضروری ہے۔ اس پر معاویہ نے جواب دیا میری نگاہ میں یہ معاملہ صحیح ہے!

ابوورداء نے کہا:

”کوئی ہے جو مجھے معاویہ کے پاس موجود عذر سمجھائے، میں رسول خدا کی بات کر رہا ہوں اور وہ اپنی رائے سن رہا ہے؟ لہذا جس سرزمین پر تو سکونت پذیر ہے میں وہاں نہیں رہ سکتا۔“

چنانچہ ابوورداء شام سے ہجرت کر کے عمرین خطاب کے پاس شکایت لے کر آئے تو انہوں نے معاویہ کو خط کے ذریعے ایسے معاملات سے منع کیا۔

حکم رسول کے خلاف اپنے باپ کے زنا زادہ کو خود سے نسبت دینا

ابوسفیان کے ساتھ اس کے بیٹے معاویہ کے ذریعے زیاد بن عبید (زیاد بن ابیہ یا زیاد بن سمیہ) کا بعنوان فرزند ملحق ہونا تاریخ کا شرم انگیز، رسوا کن اور قبیح ترین حادثہ ہے۔ یوں معاویہ کے ریکارڈ میں ایک اور نامناسب حرکت کا اضافہ ہوا جو شریعت محمدی کی مخالفت کا واضح ثبوت بھی ہے۔

زیاد، عبید نامی شخص کے گھر میں پیدا ہوا جو حارث بن کلدہ ثقفی طائف میں زمانہ جاہلیت کے معروف طبیب کا غلام تھا اور زید کی ماں سمیہ فارس کے حکمرانوں میں سے کسی حاکم کی کنیز تھی، چنانچہ جب وہ حکمران بیمار ہوا تو حارث بن کلدہ سے معالجہ کروایا اور شفا پانے پر یہ کنیز طبیب کو بطور ہدیہ دے دی۔

پھر کچھ مدت بعد حارث نے سمیہ کو اپنے غلام عبید کے ساتھ بیاہ دیا، ادھر جب ابوسفیان طائف کے سفر پر گیا تو اس نے سمیہ کے ساتھ فعل حرام (زنا) کا ارتکاب کیا بنا برائیں خود ابوسفیان کے بقول ”زیاد کا نطفہ

اس زنا سے قرار پایا ہے، اور اس طرح زیادہ عہد کے گھر پیدا ہوا۔ (تفسیر کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔) جب معاویہ مطلق العنان حاکم بن گیا تو اسی زیادہ کو فارس کا گورنر منتخب کیا اور کچھ ہی مدت بعد جب معاویہ کو زیادہ کی بے باکی، بے حیائی، مکاری اور بے راہ روی کی تعریف سننے کو ملی تو اپنی حکومت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کیلئے یہ سیاست اپنائی کہ اسے اپنے ہی خاندان کا فرد ظاہر کرے۔ لہذا اس سے قبل معاویہ جب بھی اسے خط لکھتا تو زیادہ بن عبید لکھتا تھا، لیکن اب جو خط لکھا تو اس میں زیادہ بن ابوسفیان لکھ کر مخاطب کیا اور اسے شام آنے کی دعوت دی اور یہ خط بھی اپنے اور زیادہ جیسے چال باز اور مکار شخص مغیرہ بن شعبہ کے ذریعے روانہ کیا۔

تاریخ نگاروں مثلاً یعقوبی نے اپنی تاریخ (ج ۲ ص ۱۵۸-۱۵۹) میں مسعودی نے مروج الذهب (ج ۲ ص ۵۶) میں ابن عساکر نے اپنی تاریخ (ج ۵ ص ۴۰۹) میں، ابن ابی الحدید نے (ج ۴ ص ۷۰) میں اور ابن اثیر نے کامل (ج ۳ ص ۱۹۲) میں اور اسی طرح بہت سے دیگر صاحبان قلم نے اس داستان کو مختصر و بدیل کے ساتھ یوں لکھا ہے:

”امیر المؤمنین علی کی شہادت کے بعد معاویہ نے زیادہ بن عبید کی قدرت اور شخصیت سے ڈرتے ہوئے اسے مختلف خطوط لکھے اور بالآخر ایک خط میں اسے برادر اور فرزند ابوسفیان کہہ کر مخاطب کیا اور حامل نامہ مغیرہ بن شعبہ نے بھی زیادہ بن عبید معاویہ تک پہنچانے میں اپنی زبان کا فن استعمال کیا۔ بہر حال زیادہ بن عبید کو شام لے آئے اور اس کی آمد پر مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تاکہ زیادہ بن عبید کو خاندان ابوسفیان کا فرد ظاہر کیا جائے، چنانچہ جب مجمع اکٹھا ہو گیا تو معاویہ منبر پر جا بیٹھا اور نیچے زینے پر زیادہ کو بٹھا کر حاضرین سے خطاب کیا اور اس میں کہا کہ جو لوگ گواہی کیلئے تیار ہیں کہ زیادہ میرا بھائی یعنی ابوسفیان کا بیٹا ہے وہ اپنے مقام پر کھڑے ہو جائیں! اس پر چند افراد نے کھڑے ہو کر گواہی دی۔

من جملہ ابومریم سلوی شراب فروش نے تفصیل بیان کرتے ہوئے گواہی دی:

ہاں! زمانہ جاہلیت تھا اور میں طائف میں شراب فروشی کرتا تھا کہ ایک روز ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا: ”اے ابومریم میرے لیے فاحشہ اور زانیہ عورت لے کر آؤ۔“

میں نے کہا:

میں تو حارث بن کلدہ کی کنیز (نہیہ) کے علاوہ جو کہ اس کے غلام عبید کی زوجیت میں ہے کسی فاحشہ کا سر اغ نہیں رکھتا۔

ابوسفیان نے کہا:

کوئی بات نہیں اسی کو لے آؤ اگرچہ وہ گندی ہے۔ یہ سن کر زیاد بن عبید اٹھ کھڑا ہوا اور غصے کی حالت میں بولا: اے ابومریم زبان کو لگا م دے، ہم نے گواہی مانگی تھی نہ گالم گلوچ!

ابومریم نے کہا:

اسی میں بہتری ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، تاکہ جو میں نے دیکھا ہے اسی کی گواہی دوں چنانچہ میں اس عورت کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تو ابوسفیان کی شخصیت و بزرگی سے آگاہ ہے، اس نے نزدیکی کیلئے عورت مانگی ہے کیا تو چلنے کو تیار ہے؟

سمیہ نے کہا:

ہاں تیار ہوں مگر کچھ دیر صبر کر اس لیے کہ عبید ابھی بھیڑ چرانے (جگل) گیا ہے وہ واپس آ جائے تو رات کا کھانا دوں گی اور جب وہ سو جائے گا پھر تیرے ساتھ چلوں گی۔

ابومریم کہتا ہے:

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے دیکھا وہ عورت غرور سے چلتی ہوئی آرہی ہے۔ میں اسے ابوسفیان کے پاس لے گیا وہ صبح تک ابوسفیان کے ساتھ رہی اور صبح ہونے پر جب ابوسفیان باہر آیا تو میں نے پوچھا: کیسی تھی؟ تو

ابوسفیان بولا: اگر بغل کی بدبو نہ ہوتی تو اچھی عورت تھی۔

ایک دوسرے مقام پر ابومریم سے یہ واقعہ اس طرح نقل ہوا ہے:

میں جوں ہی اس عورت کو ابوسفیان کے پاس لایا تو وہ (ابوسفیان) اس کی آستین پکڑ کر اندر لے گیا اور میں گھبرا کر اسی بندر وازے کی چوکھٹ پر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ ابوسفیان ماتھے کا پسینہ خشک کرتا ہوا باہر آیا تو میں نے پوچھا، کیسی تھی؟ تو اس نے جواب دیا:

”اے ابومریم! اگر منہ کی بدبو اور پستان گرے نہ ہوتے تو میں نے آج تک ایسی عورت نہ دیکھی تھی!“

بعض اہل تاریخ نے اس شرم انگیز داستان کا اختتام اس طرح کیا ہے:

جب ابومریم اپنی بات پوری کر چکا تو زیاد اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور لوگوں کو خاموش کرواتے ہوئے کہا:

ایہا الناس ان معاویۃ والشہود قد قالوا ما سمعتم ولست ادری حق هذا من باطلہ و هو الشہود اعلم بما قالوا وانما عبید اب مبرور ”اے لوگو! معاویہ اور اس کے گواہ جو کہہ چکے وہ تم نے سن لیا، مجھے معلوم نہیں کیا حق ہے اور کیا باطل کیونکہ معاویہ اور اس کے گواہ (مجھ سے) بہتر جانتے ہیں لیکن مجھے اتنا ضرور کہنا ہے کہ عبید ایک اچھا باپ تھا۔

اس داستان کے اختتام پر کہا جائے کہ زہے بے شرمی و بے حیائی! بہر صورت معاویہ نے انتہائی بے شرمی اور بے حیائی کے ساتھ پیغمبرؐ کے صریح و واضح دستور کی مخالفت بھرے مجمع میں انجام دی۔ آپؐ نے فرمایا:

”فرزند اسی کا شمار کیا جائے جس کی عقد میں وہ عورت ہو اور زانی کی سزا پتھر ہے۔“ ۱
حسن بصری سے نقل ہوا ہے، معاویہ میں چار ایسی صفات تھیں جن میں سے ایک کی وجہ سے بھی اسے فاسق و فاجر کہا جاسکتا ہے، چنانچہ ان چار میں سے ایک زیاد سے نسی رشتہ جوڑنا ہے جو رسول اللہؐ کے قول:
الولد للفراش وللعاهر الحجر عے کی کھلی مخالفت ہے۔
ابو یحییٰ کہتے ہیں:

”رسول اللہؐ کے احکام میں سے پہلا حکم جو پامال ہوا وہ یہی جو زیاد کے بارے میں انجام دیا گیا۔“ ۲
عاویہ کے اس عمل پر عرب کے بہت سے مشہور شاعروں نے (علامت آمیز) کلام کہا ہے من جملہ عبد الرحمن بن حکم وغیرہ سے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

الا ببلغ معاویہ بن صخر
انفضب ان یقال أبوک عفت
فأشہد ان رحمک من زیاد
واشہد انها حملت زیاداً
قد ضاقت بما تاتی الیدان
وتروضی ان یقال: أبوک زان
کرحم الفیل من ولد الآنان
وصخر من سیمۃ غیر دان

”کوئی معاویہ سے کہہ لے کہ تیرے اس عمل سے ہمارے ہاتھ بندھ گئے ہیں، کہ کیا تو اپنے باپ کی تعریف سن کر ناراض ہوتا ہے اور اس کی برائی (زنا کاری) پر خوش ہوتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں تیرا اور زیاد کا رحم (ماں) گویا ایسے کہ جیسے ہاتھی کسی اور جانور کے ساتھ ایک شکم سے متولد ہوا ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان اگر سمیہ سے نزدیک نہیں ہوا تو پھر یہ (زیاد) کسی کا نطفہ ہے۔“

دوسرے ایک اور شاعر کا کلام ہے:

زیاد لست أذری من ابوه
ولکن الحمار ابو زیاد

”میں نہیں جانتا کہ زیاد کا باپ کون ہے مگر جانتا ہوں کہ گدھا زیاد کا باپ ہے۔“

اہل سنت کے ایک معروف اس کا لرسک تواری کی تحریر جسے وہ اپنی کتاب محاضرة الاولاد میں لکھتے ہیں:

”احکام رسول اللہؐ میں سے جو پہلا حکم بباگ و دہل پایمال ہوا وہ معاویہ کا زیاد کے بارے میں یہ دعویٰ تھا کہ زیاد میرا بھائی ہے، جبکہ خود ابوسفیان نے ان الفاظ میں زیاد سے بے زاری کا اظہار کیا کہ یہ میرا بیٹا نہیں اور نہ ہی خاندانِ اُمیہ سے اس کا کوئی تعلق ہے، لیکن جب معاویہ حکمران ہوا تو اسے اپنے قرابت داروں میں سے قرار دے کر فارس کا گورنر بنایا اور زیاد نے ہر طرح کا طغیان

سرکشی اور ظلم و زیادتی بد اخلاقی اور بے ادبی خاندان پیغمبر کے ساتھ روا رکھا۔“ ۹

حدود الہی کا تعطل

ماوردی اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ ایک چور کو معاویہ کے پاس لایا گیا تو اس نے چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا چور کی ماں نے کہا:

یا امیر المؤمنین اجعلہافی ذنوبک الئی تنوب منها؟ فحلتی سبیلہا ”اے معاویہ اس گناہ کو بھی

اپنے ان گناہوں جزاء قرار دے جن سے توبہ کریگا اور معاویہ نے اسے رہا کر دیا۔ ۱۰

اب ذرا معاویہ کے طرفداروں سے پوچھا جائے کہ آیا احکام الہی عمل کرنے کیلئے ہم تک پہنچے ہیں یا ایک عورت کی فرمائش پر ترک کرنے کیلئے؟ جبکہ قرآن میں حکم پروردگار ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ”لیکن یہ حدود الہی

ہیں جن سے تجاوز نہ کرنا اور جو حدود الہی سے تجاوز کرے گا وہ ظالمین میں شمار ہوگا۔“ (بقرہ ۲۲۹)

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد الہی ہے:

وَمَنْ يَغْضُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَإِنَّهُ لَفِي ظُلْمٍ مُّظْمٍ، وَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ”اور جو خدا اور رسول کی نافرمانی کرے گا

اور اس کے حدود سے تجاوز کر جائے گا خدا اسے جہنم میں ہمیشہ کیلئے داخل کر دے گا۔“ (نساء ۱۲)

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے گناہوں کی توبہ یوں ہی قبول کی جائے گی جس میں تمام مسلمانوں کا حق پامال ہوا ہو وہ کسی شخص ثالث کی توبہ سے معاف کر دیا جائے گا؟ البتہ اساسی اعتراض تو یہ ہے کہ آیا حدود الہی کا چھوڑنا کسی کے اپنے اختیار میں ہے؟ جبکہ مذکورہ آیات میں کوئی استثناء بھی نظر نہیں آتا!۔

یہ آیات قتل نفس کی آیات کی طرح ہے کہ جس میں ارشاد الہی ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا ”اور جو بھی کسی مؤمن کو قصد قتل کرے گا اس کی

جزاء جہنم ہے۔“ (نساء ۹۳)

تیسری بات یہ کہ فرض کریں یہ سب مسائل معاویہ کے نزدیک حل شدہ تھے لیکن اسے یہ اطمینان کہاں سے حاصل ہوا کہ موت اسے توبہ کرنے کی مہلت دے گی اور وہ اس دنیا سے جانے سے قبل ان تمام گناہوں کی توبہ بھی کرے گا؟ دوسری روایت سے ایسے ہی اعتراضات سامنے آتے ہیں جنہیں آپ قارئین بہتر جانتے ہیں۔

بروز بدھ نماز جمعہ کا انعقاد

مروج الذہب میں مسعودی لکھتے ہیں:

”جنگ صفین کے بعد کوفے کا رہنے والا ایک شخص اونٹ پر سوار دمشق میں داخل ہوا تو اچانک

شام کا رہنے والا ایک شخص اس سوار سے اُلٹنے لگا کہ یہ (ناقد) اونٹ امیر ہے جسے تو نے جنگ صفین میں چھینا تھا اس پر کوئی سوار نے صراحتاً انکار کیا۔ بالآخر یہ جھگڑا حاکم شام تک پہنچا، حاکم نے شامی سے گواہ طلب کئے تو شامی نے اپنے دعوے کی پیروی میں پچاس گواہ پیش کر دیئے ان سب نے کہا کہ یہ ناقد شامی کا ہے، چنانچہ معاویہ نے بھی شامی کے دعوے اور گواہان کے بیان کے مطابق فیصلہ شامی کی موافقت میں کیا اور کوئی پر لازم حکم دیا کہ اونٹ شامی کو دیدے۔ کوئی سوار نے کہا:

اے خدا! تو ہی اصلاح کرے کیونکہ یہ جمل (اونٹ) ہے (ناقد) اونٹ نہیں!

لیکن معاویہ نے حکم دیدیا اس پر عمل کیا جائے!... مگر جوں ہی لوگ متفرق ہوئے تو امیر شام نے کوئی اونٹ سوار کو بلایا اور اونٹ کی قیمت دریافت کر کے اس کی دو گنی قیمت دیکر اسے راضی کیا اور کہا:

أَنْبَلُغَ عَلَيَّ أَنْيَ أَقْبَلُهُ بِمِائَةِ أَلْفٍ مَا فِيهِمْ مِنْ يَفْرِقُ بَيْنَ النَّاقَةِ وَالْجَمَلِ "علیٰ" سے جا کر کہنا میں ایک لاکھ ایسے فوجیوں کو تم سے جنگ کیلئے لارہا ہوں جن میں ایک بھی ایسا نہیں جو ناقد و جمل میں تمیز رکھتا ہو۔" ۱۲

مسعودی اس داستان کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"معاویہ کی بے چون و چرا اطاعت اور اس کی اندھی تقلید کا حال یہ ہو چکا تھا کہ جنگ صفین کیلئے نکلنے وقت معاویہ نے انہی لوگوں کو نماز جمعہ بدھ کے دن پڑھا دی۔" ۱۳

مؤلف لکھتے ہیں:

"اگر ہم امیر شام کے جرائم کا یہاں ذکر کرنے لگیں تو ایک جدا کتاب مرتب ہو جائے البتہ ان چند نامشروع اقدامات کا ذکر اس جرم عظیم کیلئے مقدمہ ایک ہے کہ جس کی وجہ سے امام حسینؑ کا عظیم خونی قیام رونما ہوا یعنی یزید جیسے فاجر و فاسق کی ولی عہدی۔ بنا برائیں چند اور کارناموں کو بعنوان فہرست ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی تفصیل الغدیر ج ۱۰ میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ زندگانی امام حسنؑ میں کچھ نقل کیا تھا وہ یہ تھے:

۱۔ سفر میں نماز قصر کے بجائے پوری نماز پڑھنا۔ ۱۴

۲۔ عید الفطر اور عید النضیٰ میں اذان کہنا۔ ۱۵

۱۱۔ عربی زبان میں "ناقد" شتر مادہ کو کہتے ہیں اور جمل شتر نو کو کہتے ہیں۔

۱۲۔ اگر خیال یہ ہے کہ وہ ناقد و جمل کے درمیان تمیز نہ رکھتے ہوں تو ایسا بھی نہیں تھا بلکہ "الناس علیٰ دین ملوکہم" کا قاعدہ رائج تھا جب انہوں نے بارہا جھوٹ و غلط بیانی کو حاکم کی طرف سے دیکھا ہو تو پھر کیوں اپنے ہم وطن کے حق میں جھوٹ کو برا جانیں، لہذا جھوٹی گواہی دے رہے تھے کہ یہ ناقد فلان کا ہے۔

- ۳۔ ایک وقت میں سگی دو بہنوں سے عقد معاویہ کے فتویٰ میں جائز قرار دیا۔ ۱۶
- ۴۔ حجر بن عدی، رشید ہجری اور عمرو بن حق خزاعی کے علاوہ بہت سے بزرگ اصحاب رسول کو قتل کروایا جس پر بزرگان دین نے اعتراض بھی کیا۔ ۱۷
- ۵۔ رسول اللہ اور خلفاء اربعہ کی سنت کے خلاف عیدین کا خطبہ نماز عیدین پر مقدم کر دیا۔ ۱۸
- ۶۔ حجاز، عراق اور مصر کے بہت سے لوگوں پر اقتصادی پابندیاں عائد کیں جبکہ شام اور اس کے اطراف کے باشندے لشکر شکر اور وظیفہ خوار پر بے حساب داد و دہش کی بارش رہی۔ ۱۹
- ۷۔ اپنی خرچیوں اور سالانہ تخمینے کے بہانے سے جس کی ملکیت چاہی ضبط کر لی۔ ۲۰
- ۸۔ ریشم اور دیبا کا لباس پہننا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال اور اسلام کے قانون کے خلاف عمل کرتے ہوئے سونے چاندی اور جواہرات سے مریض چیزیں زیب تن کرنا۔ ۲۱
- ۹۔ ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ جیسے زر خرید لوگوں کے ذریعے اپنی، ابوسفیان اور خاندان بنی امیہ کی مدح و تعریف میں اور علی و اہل بیت کی مذمت میں احادیث گڑھوانا۔ اہل تحقیق کیلئے زندگانی امیر المؤمنین اور زندگانی امام حسنؑ میں ان خود ساختہ احادیث کی مثالیں موجود ہیں۔ ۲۲
- ۱۰۔ پیغمبر کی لسان مبارک سے امیر المؤمنین کیلئے لاتعداد فضائل و مناقب نقل ہونے کے باوجود محفل و مجالس اور منبروں سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کرنے کا حکم۔ ۲۳
- ۱۱۔ شیعیان علیؑ کو ڈرانا، دھمکانا اور ان کے اموال کو زبردستی ضبط کروانا، ان کے رہائشی اور کاروباری مقامات کو شیعہ ہونے کے جرم میں تباہ و برباد کرنا اور عبداللہ بن ہاشم مر قتل، عذی بن حاتم طائی، صعصعہ بن صوحان، عبداللہ بن خلیفہ طائی جیسے شیعوں کے بارے میں حکم صادر کیا کہ سرکاری اور غیر سرکاری ادارے اور عدالتیں انکی گواہی قبول نہ کریں، بیت المال کے دفتر سے ان کے نام مٹانے کا حکم اور تمام حکومتی اداروں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو نوکریاں، مشاغل اور کام نہ دیا جائے، تا کہ یہ گروہ ہر لحاظ سے شکستہ اور عقب ماندہ ہو جائے۔ ۲۴

یزید کی ولی عہدی

بالآخر معاویہ کے اس عظیم جرم کا ذکر ہے، جس کی خاطر دوسرے بہت سے جرائم کا مرتکب ہوا، کیونکہ اسلام و مسلمین پر جتنے بھی مصائب و آلام گزرے یہ جرائم ان سب کا سرچشمہ تھے۔ بلاشبہ امام حسینؑ اور آپ کے انصار اسی جرم کے خلاف اپنی جانوں سے کھیل گئے اور شہادت کو پہنچے، لہذا جرم و فساد کا یہ جڑوہ جو معاویہ کے وسیلہ سے مسلمان پر مسلط ہوا اس کو بہتر انداز میں پہچاننے اور قیام امام حسینؑ کی گہرائی تک

رسائی کیلئے یزید بن معاویہ کی زندگی کے رنگ و ڈھنگ کا جاننا ضروری ہیں۔

یزید ۲۵ یا ۲۶ ہجری قمری میں پیدا ہوا، اس کی ماں ”میسون بنت جبدر کلبی“ تھی، بحار الانوار میں کتاب الزام الناصب میں آیا ہے جبدر کلبی کا ایک غلام تھا جو ہمستری کرتا تھا، چنانچہ یزید کا نطفہ اسی سے ٹہرا جس کی جانب نسابہ کلبی نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

فَإِنْ يَكُنِ الزَّمَانُ أَثَمِي عَلَيْنَا بِقَتْلِ الْفَرَكِ وَالْمَوْتِ الْوَحَى
فَقَدْ قُتِلَ الدَّعَى وَعَبْدُ كَلْب بِأَرْضِ الطُّفِّ أَوْلَادِ النَّبَى

”اگر آج ہم پر بُرا وقت آیا ہے تو کیا مصیبت ہے؟ کیوں کہ کل ابن زیاد اور یزید نے کرب و بلا میں اولاد نبی کے ساتھ اس سے زیادہ ظلم کیا تھا۔“

تیسرے مصرعے میں ذہبی سے مراد ابن زیاد اور عبد کلب سے مراد یزید ہے۔ ۲۵

بہر صورت یزید پیدا ہونے کے بعد ماموں، نانا اور نانھیالی رشتہ داروں میں شام کے دیہات بنی کلاب میں جوان ہوا کیونکہ وہ لوگ مسیحیت چھوڑ کر تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے، اسی لئے ان کے درمیان شراب نوشی اور سگ بازی عام تھی، لہذا یزید بھی بچپن ہی سے ان کا عادی تھا اور بقول علاؤ الدین یزید کی تربیت خالص مسیحی تربیت تھی۔ ۲۶ اس کی شکل و صورت اور جسمانی کیفیت یہ تھی گھنے بال، چہرے پر چچک کے داغ اور پھیکا پن تھا جبکہ اخلاق و کردار میں اپنے دادا اور باپ کی طرح دوغلا اور ہنک کرنے والا، غدار تھا۔ میر سید علی ہندی کہتے ہیں:

”اگرچہ یزید سیاست بازی اور شیطنت میں باپ کا ہم پلہ نہ تھا، لیکن سنگ دلی اور غداری میں معاویہ کے مانند تھا، اسی طرح اس کی طبیعت میں شفقت و عدالت بھی ناپید تھی وہ لوگوں کا خون بہتا دیکھ کر لذت پاتا اور دوسروں کے قتل اور اذیت پر مسرور ہوتا تھا، اس کے ہم نشین کتے اور بندرتھے جو اس کی درندہ صفتی پر بہترین گواہ تھے۔“

یزید وہی ہے جس کیلئے امام حسین نے ولید بن عتبہ کے طلب بیعت پر فرمایا:

أَنْ يَزِيدَ بَنُ مَعَاوِيَةَ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبٌ لِلْخَمْرِ، وَقَاتِلٌ لِلنَّفْسِ الْمَحْرَمَةِ مَغْلِقٌ بِالْفُسْقِ وَالْفَجْوَرِ، وَفَسَلٍ لَا يُسَاعِدُ مِثْلَهُ ”بلاشبہ یزید بن معاویہ فاسق، شراب خور اور نفس محترمہ کا قاتل ہے اور علی الاطلاق گناہ و نافرمانی خدا کو انجام دیتا ہے۔ مجھ جیسا کبھی بھی اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔“ ۲۷

شکار کا عاشق

یزید کی ایک بہت ہی واضح صفت حیوانات کا شکار تھا کہ جس میں وہ اپنا اکثر وقت صرف کرتا تھا، بنا برائے تاریخ فخری میں آیا ہے:

”یزید اپنے شکاری کتوں کو سونے کے ہار، ہاتھ میں کڑے اور پازیب حتی انہیں زربفت پہناتا تھا اور ہر ایک کتے کیلئے خاص غلام معین تھا۔“ ۱۸

کتاب ہذا کے مؤلف اس بارے میں ایک داستان نقل کرتے ہیں:

”عبید اللہ بن زیاد نے کوفے کے ایک شہری پر چار لاکھ دینار کا جرمانہ عائد کیا اور اس رقم کو وصول کر کے بیت المال میں جمع کروایا، ادھر وہ شخص کوفے سے دمشق گیا، تاکہ یزید سے عبید اللہ بن زیاد کی شکایت کرے، جب دمشق پہنچا تو یزید کا سراغ لیا، چنانچہ معلوم ہوا کہ شکار گاہ گئے ہوئے ہیں، یہ شخص یزید کی غیر موجودگی میں دمشق میں رہنا مصلحت سے خالی جان کر شہر سے باہر خیمہ لگا کر انتظار کرنے لگا، چنانچہ ایک روز سونے چاندی اور جواہرات سے مزین قیمتی لباس پہنے ہوئے پیاس سے بے حال ایک کتا خیمے میں گھس آیا یہ شخص سمجھ گیا ہو، نا ہو یہ یزید بن معاویہ کا کتا ہے لہذا اسے پانی اور غذا دے کر اسے پیار کرنے لگا، اسی اثنا میں ایک خوبصورت جوان بہترین گھوڑے پر بادشاہوں کی شان و بان سے مزین گردوغبار میں اٹا ہوا وہاں آن پہنچا، اس شخص نے کھڑے ہو کر سلام کیا، سوار نے پوچھا کیا تو نے یہاں سے کوئی کتا گزرتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس پر اس مرد کو فی نے کہا جی حضور آپ کا کتا میرے خیمے میں ہے، پانی پی کر آرام کر رہا ہے، یہ سن کر یزید گھوڑے سے اتر اور خیمے میں آ کر آرام سے بیٹھے ہوئے کتے کی رسی ہاتھ میں تھام کر جانے لگا، موقع غنیمت جان کر اس شخص نے اپنی مشکل بیان کر دی شکایت سن کر عبید اللہ بن زیاد کے نام تحریر لکھی کہ اس کا مال بھی لوٹا دو اور اسے قیمتی خلعت بھی عطا کرو۔ اور اپنے کتے کو لے کر چلتا بنا اور یہ کوئی بھی دمشق کے بجائے کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

یزید کو بندروں سے بہت پیار و محبت

مورخین نے لکھا ہے، یزید کو بندروں سے بہت لگاؤ تھا حتیٰ اس کا ایک خاص بندر تھا جس کی یزید نے ”ابو قیس“ کنیت رکھی تھی۔ لکھا ہے، وہ جب بھی شراب پیتا تھا تو اپنا چھوٹا (باقی ماندہ) جام اس کے منہ میں لگا دیتا تھا اور کہتا تھا: یہ بندر بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے ہے مگر گناہوں کی وجہ سے مسخ ہو کر بندر ہو گیا ہے، یہاں تک کہ بعض گھوڑے دور کے مواقع پر اسے ایک سرکش گدے پر بٹھا کر مقابلہ میں شرکت کرواتا تھا ایک بار جب ابو قیس مقابلے میں جیت گیا تو یزید نے خوشی کے عالم میں یہ اشعار کہے:

فلیس علیہا ان سقطت ضمان

وخیل امیر المؤمنین اتان

تمسک ابا قیس بفضل زمامہا

فقد سبقت خیل الجماعۃ کلہا

”ابو قیس لجام اچھی طرح تھامنا کیونکہ اگر گھوڑے نے گرا دیا تو اسے کچھ نہیں کہا جاسکتا، ابو قیس تیرا گھوڑا

سب پر سبقت لے رہا ہے کیونکہ میرا (یرکا) گھوڑا ہوا کی طرح چلتا ہے۔“
پھر ایک مرتبہ مقابلہ میں شرکت کیلئے ابوقیس کو سواری پر بٹھایا مگر وہ ہوا کے جھونکوں سے سنبھل نہ سکا اور
زمین پر گر اور مر گیا تو یزید پر اتنا غم طاری ہوا کہ اسے کفن دے کر دفن کروایا اور کئی روز تک سوگ منایا اور اہل
شام کو حکم دیا گیا کہ ابوقیس کی تعزیت پیش کرنے حاکم کے پاس آئیں۔
حدیہ ہے کہ اس بندر کے غم میں مندرجہ ذیل مرثیہ کے اشعار کہے:

کم کرام وقوم ذو ومحافظة
شیخ العشیرة أمضاها واخملها
جاءوا لنا ليعزوا فی ابی قیس
علی الرؤوس وفی الأعناق والرئس
فیہ جمال وفیہ لخیة التیس
لا یبعد الله قبرا أنت ساکنه

”کتے ہی بزرگ اور قوم کے لوگ (اے ابوقیس!) تیری تعزیت کیلئے میرے پاس آئے ہیں ابوقیس تو کتنا
جلیل، حسین تھا اور تو بھی تو اس قوم کا بزرگ تھا، اے ابوقیس! خدا نے اس قبر کا خیال کیا ہے جس میں تو
سورہا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک صاحب ریش اپنی ریش کا خیال کرتا ہے۔“
اور یزید کی ان حرکتوں سے رسوائی اس مقام تک پہنچی کہ ایک شاعر نے اس کے بارے میں کہا:

زید صدیق الفرد مل جوارنا
فتیاً لمن انسی علينا خلیفة
فحق الى الارض القروذ یزید
صحابته الاذنون منه قروذ

۲۹

”یزید انسانوں کی آبادی سے نکل کر بندروں کی آبادی میں جا بسا: لعنت ہو ہم لوگوں پر کہ جن پر یزید
خلافت کر رہا ہے کہ جس کی دوستی پست ترین بندروں سے ہے۔“

یزید ہمیشہ شراب میں مست رہتا تھا

یہ بات بھی تاریخی اعتبار سے مسلم ہے کہ یزید کے صفات میں ایک صفت اس کا دائم الخمر ہونا تھا، بلکہ
یہاں تک لکھا گیا ہے کہ اس کی موت کا اصلی سبب حد سے زیادہ شراب نوشی تھا۔ ۳۰ اور لکھتے ہیں، کبھی کسی
نے یزید کو عادی حالت میں نہیں دیکھا، بلکہ ہمیشہ شراب میں مست پایا گیا۔ ہم زندگانی امام حسنؑ میں بھی
اہل سنت کی مشہور و معروف کتابوں سے اس کی جانب اشارہ کر چکے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک روایت
یہ ہے کہ سید امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن حنظلہ شام سے مدینہ واپس لوٹ کر آئے تو بنی
امیہ کے خلاف قیام امام حسینؑ سے متعلق یزید کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

”خدا کی قسم اگر ہمیں آسمان سے بطور عذاب پتھر برسے گا ذر نہ ہوتا تو ہم کبھی یزید کے خلاف قیام
نہ کرتے کیونکہ وہ ماں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ نکاح کو حلال جانتا ہے، شراب پیتا ہے، تارک
الصلاة ہے، خدا کی قسم اگر کوئی ایک بھی میرا ساتھ نہ دے تب بھی اسے امتحان الہی سمجھتے ہوئے تنہا
اس سے جنگ کروں گا۔ ۳۱

اُس کے ساتھیوں میں سے عبداللہ نے بھی کہا:

”ہم اس کے ہاں سے آرہے ہیں جو بے دین، شراب خمر، سگ باز، ظہور نواز ہے۔“

منذر بن زبیر یزید کے بارے میں کہتے ہیں:

”خدا کی قسم وہ شراب خوار ہے اور شراب کے نشے میں اتنا مست ہو جاتا ہے کہ نماز تک چھوڑ دیتا

ہے“ ۳۲

ابو عمر بن حفص یزید کے بارے میں کہتا ہے:

”خدا کی قسم میں نے یزید کو شراب کی وجہ سے نماز چھوڑتے ہوئے دیکھا۔“ ۳۳

اور یہ شعر تو خود یزید سے نقل ہوا ہے:

دع المساجد للعباد يسكنها واجلس على دكة الخمر واسقينا

”مسجد نمازیوں کیلئے چھوڑ دو ہماری مسجد تو شراب خانہ ہے جہاں پینے پلانے کا تذکرہ ہوتا ہے۔“

جب اس کے باپ معاویہ نے روم فتح کرنے کیلئے یزید کو روانہ کیا تو یہ غدقذو نہ میں (دیر مران نامی) ایک شہر میں اپنے لشکر کے ہمراہ قیام پذیر ہوا اور (ام کلثوم نامی) ایک عورت کے ساتھ عیاشی میں کئی روز تک مصروف رہا جبکہ وہاں کی آب و ہوا نا مساعد ہونے کی وجہ سے لشکر والے پھوڑے، پھنسیوں اور بخار کے مرض میں مبتلا پڑے تھے اور بہت سے لوگ تو امراض کی وجہ سے خزاں کے پتوں کی طرح گر کر مر بھی چکے تھے، مگر جب بھی یزید سے جلد از جلد وہاں سے چلنے کا اور یہ مقام چھوڑ دینے کہا جاتا تا کہ لوگ ہلاکت سے بچ جائیں تو یہ اشعار جواب کے طور پر پڑھتا:

ما ان ابالي بما لاقت جموعهم بالغدقذونة من حمى ومن موم

اذا اتكأت على الانماط في غرف

بذير مران عندى ام كلثوم

”مجھے اس سے کیا کہ لوگ پھوڑے پھنسیوں اور بخار میں مر رہے ہیں مجھے تو دیر مران میں آرام و نیکی

اور بہترین بستر مل گئے ہیں اور پھر مزہ تو یہ کہ ام کلثوم بھی میرے پاس ہے۔“

یزید کفر آمیز اشعار اس کے ہیں جو شراب کی تعریف میں کہتا ہے:

شميسة كرم برجها فقر دنها ومشرقها الساقى ومغربها فمى

اذا انزلت من دنها فى زجاجة

فان حرمتم يوماً على دين احمد فخذها على دين المسيح بن مريم

”میرا سورج آگور سے بنتا ہے کہ جس کا بُرج پینا نہ شراب کی تہ میں ہے، جو مشرق یعنی دست ساقی سے

طلوع ہو کر مغرب یعنی میرے دہان میں غروب ہوتا ہے، یہ جوں ہی صراحی سے جام میں ڈھلتا ہے تو اس

کی صدا غلغل اور تہ وبالا ہونے سے جو خواب بنتے ہیں وہ بالکل ان حاجیوں کا شور لگتا ہے جو کعبہ

اور چاہ زمزم کے درمیان راز و نیاز کر رہے ہوتے ہیں، اور اگر شراب دین محمد میں حرام ہے تو کیا ہوا میں اسے دین مسیح کے مطابق پی رہا ہوں۔“ ۳۳

یزید کے بارے میں مسعودی مروج الذهب میں یوں رقم طراز ہیں:

”یزید عیاشی کا ایسا پتلا تھا کہ وہ شکاری جانوروں، کتوں، مخصوص بندروں، شکاری درندوں (چیتوں) اور ان کے ساتھ شراب کی محفلوں کا شوقین تھا، ایک مرتبہ کا ذکر ہے وہ بزم شراب میں بیٹھا تھا اور پسرزیا داس کی بغل میں بیٹھا تھا (یہ واقعہ شہادت امام حسین کے بعد کا ہے) تو یزید ساقی کو دیکھ کر بولا: ایک جام شراب دے تاکہ میری جان کو قرار آئے اور ایسا ہی ایک جام پسرزیا کو دے، کیونکہ یہ میرا رازدہ ہے اس نے میری حکومت کو مضبوط بنایا ہے اور جان لو یہ میرا حاصل حیات ہے، پھر حکم دیا کہ گانے والیاں گلوکاری شروع کریں۔ یزید کافشق و فجو راس کے نزدیکوں، دوستوں اور گورنروں میں بھی سرایت کر گیا تھا، بلکہ ان پر غالب آ کر ان کی طبیعتوں کا بھی حصہ بن گیا تھا، چنانچہ اسی کے دور حکومت میں مدینہ اور مکہ جیسے مقدس شہروں میں بھی گیت گانے عام ہوئے اور لاؤ بالی کو رواج ملا یہاں تک کہ لوگ اعلانیہ طور پر شراب نوشی کرتے تھے۔“ ۳۵

ابو قیس کی داستان جو ہم پہلے ذکر کر چکے اور ایک عرب شاعر یزید کی مذمت میں اشعار نقل کر کے مزید مسعودی کہتے ہیں:

”جب لوگ یزید اور اس کے عمال کے ظلم و ستم تلے دبنے لگے اور اس کے ظلم و تجاوز روز بروز بڑھنے لگا اور جب اس کا فسق و نواسہ رسول کی قتل سے سب پر آشکار ہوا اور شراب خواری عام ہوئی اور اسی طرح فرعون، بلکہ اس سے بھی بدتر انداز حکومت خاص و عام پر ظاہر ہونے لگا تو مدینہ کے لوگوں نے اس کے تعین کردہ گورنر کو شہر سے نکال باہر کیا۔“ ۳۶

ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

”یعنی یزید کا نام شراب خوار پڑ گیا تھا اور اسے شرابی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔“ ۳۷

ابوالفرج اغانی میں لکھتے ہیں:

”یزید کے حاشیہ نشینوں میں انھل نامی ایک عیسائی شاعر تھا جو ہمیشہ اسکے ساتھ رہتا تھا وہ اور یزید مل کر شراب پیتے، غناء و موسیقی سنتے حتیٰ یزید سفر میں بھی اسے اپنے ہمراہ رکھتا تھا چنانچہ یزید کی ہلاکت کے بعد جب عبدالملک بن مروان حاکم ہوا تو اس (انھل) شاعر کو دربار میں بلایا اور اعزازی طور پر اسے اپنا مقرب قرار دیا حتیٰ وہ ان لوگوں میں سے ہوا جو بغیر اجازت کے دربار میں آسکتے تھے وہ خزنی (ریشی) جب پہنچتا تھا اور سونے کی زنجیر گلے میں ڈالے رہتا تھا، لکھا ہے کہ اس

کی داڑھی سے شراب کے قطرات ٹپکتے رہتے تھے۔“ ۳۸
کفر کا اظہار یزید کی اپنی زبانی
مروج الذہب میں مسعودی لکھتے ہیں:

”جب عبد اللہ بن زبیر نے مکے میں یزید کے خلاف قیام کیا، یزید نے سرکوبی کیلئے لشکر روانہ کیا اور عبد اللہ کے نام خط میں یہ دو بیت لکھ کر بھیجے:

ادع الہک فی السماء فانتی
ادعو علیک رجال عک واشعرا ۳۹
”تو آسمانوں سے اپنے خدا کو پکار اور میں تجھ سے جنگ کیلئے عک و اشعر (قبیلوں) کے لوگوں کو بلاؤں گا۔“
اور ابن زبیر نے شہادت امام حسین کے بعد یزید کی عقائد و خیالات کی عکاسی ان اشعار میں کی ہے:

لینت اشیاء یبذر شہدوا
لاهلوا واستہلوا فرحاً
قد قتلنا القوم من اشیاء ہم
لعبت ہاشم بالملک فلا
جزع الخرج من وقع الاسل
ثم قالوا یا یزید لا تشل
وعدناہ بیدر فاعتدل
خبر جاء ولا وخی نزل
من بنی احمد ما کان فعل ۴۰

”کاش آج بدر کے بزرگ ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے قوم خرج پر کیسے تلواریں چلائی ہیں تو وہ ضرور مجھ سے خوش ہو کر آفرین کہتے کیونکہ میں نے ان کے بزرگ کو قتل کر کے بزرگان بدر کا بدلہ لیا ہے، بنی ہاشم حکومت کے طالب تھے ورنہ نہ تو کوئی وحی آتی تھی اور نہ ہی کوئی خبر، میں اپنے بزرگوں کا نہیں اگر محمد کی اولاد سے انتقام نہ لے لوں۔“

تین سالہ خلافت میں تین بے مثال ہولناک حادثات

مورخوں نے عموماً لکھا ہے، یزید کی حکومت تین سال چھ ماہ سے زیادہ نہ چل سکی، لیکن یزید کی عدم سیاست اسلام کے مقدس دستورات سے سرکشی اور بے حیائی نے اس مختصر مدت میں تین ایسے ہولناک اور بے مثال جرم انجام دیئے جس نے نہ فقط بنی امیہ کی تاریخ کو بے نقاب کر ڈالا، بلکہ درحقیقت تاریخ اسلام کو داغ دار کر دیا (جس کی تفصیل تو آئندہ صفحات پر بیان ہوگی) یہاں سرسری طور پر ذکر کرتے ہیں:

پہلا سال: امام حسین اور آپ کے اصحاب کی شہادت اور اولاد و خاندان رسول اللہ کا زنگ و روم کے کفار کی طرح اسیر بنا کر گلی گلی قریہ قریہ گھمانا، حتیٰ ان کے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو کربلا، کوفہ اور شام وغیرہ میں شہید کرنا جسے نقل کرتے ہوئے قلم شرمسار ہے۔

دوسرا سال: مدینہ منورہ کے لوگوں سے جنگ کرنے کیلئے لشکر جرار روانہ کرنا جو تین دن وہاں رہا اور اس کیلئے تاریخ کا عظیم ترین جرم مباح قرار دیا گیا جو قبر مطہر پیغمبر کے گرد لشکر شام نے انجام دیا

اور مسجد نبوی میں خون کی ندی بہائی، کنواری لڑکیوں کی عزت محفوظ نہ رہی اور کوئی گھریانی نہ رہا، وغیرہ وغیرہ۔ اس کی تفصیل بعد میں پڑھیں گے۔

سال سوم: مکہ مکرمہ کے گھروں کو ویران کیا گیا، حرم الہی اور بیت اللہ میں ہزاروں انسانوں کا قتل عام کیا گیا خانہ کعبہ پر آتش باری کر کے تخریق سے ایک حصہ تباہ کر دیا اس قسم کے ہولناک جرائم میں یزید کے اہلکار مشغول رہے، یہاں تک کہ خدا نے مزید مہلت نہ دی شام کی فوج جو ابھی تک اپنے ہولناک جرائم میں مشغول تھی خبر مرگ یزید سن کر مجبوراً رات ہی شام ہوئی ورنہ اگر وہ زندہ رہتا تو خدا جانے اور کہاں تک یہ عمل جاری اور کیا کچھ نہ کر گزرتا۔

یزید کی بے دینی اور حرمت شکنیوں کے اسباب کیا تھے؟

تاریخ نویسوں نے یزید کے ان تمام کارناموں، حرمت شکنیوں حتیٰ مسلمانوں کے عمومی افکار کا احترام جس کی ظاہری حفاظت اور رعایت کی سیاست کم و بیش اس کا باپ معاویہ اور دوسرے لحاظ کرتے رہے یزید نے قطعی نہ کی۔ اس کیلئے مختلف علل و اسباب تحریر کئے گئے ہیں خاص طور پر اس کی نشوونما اور تربیت شام کے مسیحیوں کے درمیان ہونا ہی خود اسلامی تعلیمات سے دوری کا اہم سبب تھا کیونکہ تاریخ کا بیان ہے:

”معاویہ نے یزید کی ماں میسون بنت بجدل کو ان ایام میں طلاق دی تھی جب وہ یزید سے حاملہ تھی، لہذا میسون کو اس کے آبائی قبیلے ”کلب“ میں جو مسیحیوں کے علاقے میں بادیہ نشین تھا واپس لوٹا دیا گیا اور یہ قبیلہ عیسائیوں کے ساتھ کثرت معاشرت کی وجہ سے انہی کی عادات و رسومات سے مانوس تھا اور آئین نصرانیت ان کے ذہنوں پر (اسلام سے) زیادہ غالب تھا۔ بظاہر ایسے ماحول میں جب یزید کی نشوونما ہو اور حد یہ ہے کہ حصول علم کیلئے عیسائی معلم کے سپرد کیا گیا، پھر آداب مسیحیت کے ساتھ عرب کا تند و تیز خلق و خواہ امتزاج پا گیا چنانچہ لاوالبی پن، خیانت اسکی طبیعت کا جزء اور شراب نوشی، بندروں، کتوں اور وحشی جانوروں سے پیار اور ہنگ حرمت یزید کے وجود کا حصہ قرار پا گیا اور ایسے میں حکومت و قدرت نے اسے بہت کچھ کرنے کا موقع فراہم کیا۔“

البتہ نصرانیت اور اس کے تعلیمات پر باقی رہنے کا سبب اھطل نامی وہ دائم الخمر شاعر تھا جو یزید کے دربار میں مختار گھل ہونے کے علاوہ سائے کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

لیکن ”سیرۃ الامہ الاثنی عشر“ کے مؤلف کا نظریہ ہے:

مسیحیوں کی گود میں پروان چڑھنا ان تمام بے رحمیوں، ہنگ آمیزیوں اور مقدسات اسلام کی توہین کا واحد سبب نہیں ہو سکتا یعنی فقط ماحول ایک انسان کو اس حد تک درندہ صفت، شہوت ران اور سخت دل بنا دے کہ وہ اپنی چند سالہ زندگی میں ایسے اعمال انجام دے جو نہ تو کوئی عیسائی اور نہ

ہی کوئی صحرائین (غیر تعلیم یافتہ و جاہل) عرب بدوانجام دیتا ہے کیونکہ صحرائین عرب اگرچہ بیابانوں میں تہذیب و تمدن سے دور ہوتے ہیں پھر بھی وہ ایسے اخلاق حسنہ اور پسندیدہ رسومات مثلاً وعدہ کی وفا خوش اخلاقی پر ویسوں کا لحاظ، جو دو کرم، شجاعت و حمایت، عزت و آبرو، ناموس کی حفاظت جیسے اچھے صفات وغیرہ

کے مالک ہوتے ہیں کہ جن کی اسلام نے بھی تائید کی ہے، جبکہ یزید بن معاویہ کو ان اخلاق حمیدہ و کریمہ صفات کی بوتل نصیب نہ ہوئی، چنانچہ اس کی تاریخ زندگی ان صفات سے عاری نظر آتی ہے، کیونکہ یزید کی شرمناک زندگی کے نمونے مثلاً بہنوں، پھوپھیوں اور محارم کے ساتھ عقد نہ تو بادیہ نشین عربوں کے ہاں جہاں یزید کی نشوونما ہوئی اور نہ ہی پڑوس میں رہنے والے عیسائیوں کے یہاں ملتے ہیں۔

مؤلف کے خیال میں ان تمام درندہ صفات کا ہونا، اس کی دیوسرتی اور بے حیائی کا سرچشمہ خاندان امیہ کی طینت و سرشت ہے بلاشبہ یزید کے آباء و اجداد کی اسلام دشمنی، کفر، شرک اور بنی ہاشم سے نفرت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بالفاظ دیگر وہ اپنے دادا، باپ اور اس شجرہ خبیثہ کا وارث تھا۔ کیا یہی ابوسفیان اور معاویہ نہ تھے جو رسول اللہ کی وفات سے دو سال قبل تک اسلام کی نابودی کیلئے اپنی تمام سعی و کوشش بروئے کار رہے تھے؟ اور اسلام کے مقابل جنگ خندق میں وہ لشکر جمع کرنا، اس پر بے تحاشا اخراجات برداشت کرنا کس کا کام تھا؟ مگر جب ایک طرف اپنی تمام کوششوں کو بے ثمر ہوتے دیکھا اور دوسری جانب جزیرۃ العرب میں اسلام کی سرفرازی اور حجاز کے تمام اقتصادی مراکز میں اپنے قدم اکھڑتے دیکھے تو مجبور ہو کر ظاہری طور پر اسلام قبول کرنا پڑا لیکن درپردہ خیالات شوم میں اسلام کے خلاف نقشہ کشی اور بنی ہاشم کی نابودی کیلئے دستور العمل مرتب کیا جانے لگا۔ (جن کی بہت سی مثالیں گذشتہ صفحات پر تحریر ہو چکی ہیں) اس طرح شجرہ خبیثہ کی وراثت اور تہذیب و تمدن سے دور صحرائی زندگی جو جاہلیت و حماقت پر مبنی تھی، مسیحیت و نصرانیت کے آداب کے ساتھ امتزاج پا کر یزید کے مفسد و ظالم وجود کی صورت میں سامنے آئی جس نے تین سال اور چند ماہ کے دور حکومت میں بے سابقہ جرائم کا ارتکاب کیا۔“

ان گناہوں کا بڑا ذمہ دار معاویہ تھا

بہر حال پلٹ کر یہی کہا جائے گا کہ ان تمام گناہوں اور جرائم کا بوجھ امیر شام کی گردن پر ہے، کیونکہ نہ تو وہ سیم وزر دھونس دھمکی اور مکر و فریب کے ذریعے اسے مسلمانوں پر ولی عہد بنا کر مسلط کرتا اور نہ ہی یہ تمام واقعات پیش آتے، جبکہ امام حسین اور دیگر اسلامی شخصیات اس کام کے سخت مخالف تھے، لہذا معاویہ کو

پہلے ہی دن اس شیطانی اور ضد اسلام خیال (ولی عہدی) کے خطرات سے آگاہ کر دیا تھا، لیکن ایک طرف امیر شام کی یزید سے محبت اور درباریوں کی حمایت اور دوسری جانب مکرو فریب، رشوت و داد و دہش، تصنع اور جعلی دستاویز نے مل کر تاریخ اسلام کے ایک بڑے حادثے کو جنم دیا۔

کیونکہ امیر شام کا یہ سانحہ آفرید اقدام بنی امیہ کی غاصب و ظالم حکومت کے خلاف امام حسینؑ کے مسلحانہ قیام کا سبب بنا۔ البتہ اس واقعہ کو آغاز تا انجام بغور پڑھنے کیلئے مستقل باب پیش کریں گے۔

سبیل سکینہؑ
 جدت باللیف آباد، یونٹ نمبر ۸-۵۱

حواشی و حوالہ جات

۱۔ [" واللہ انی ما قاتلتکم لتصلوا ولا تصوموا ولا لتحجوا ولا لتزکوا، انکم لتفعلون ذلك وانما قاتلتکم لاسامر علیکم وقد اعطانی اللہ ذلک وانتم له کارهون "۔ " ألا وان کل شیء اعطیت الحسن بن علی تحت قدمی ہاتین لا افی بہ " شرح ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۱۶۶]

۲۔ [" دخلت أنا وأبی علی معاویة فأجلسنا علی الفراش، ثم أتینا بالطعام فأکلنا ثم أتینا بالشراب فشرب معاویة، ثم ناول أبی ثم قال: ما شربته منذ حرّمه رسول اللہ... " مستدرک احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۳۷]

۵۔ [" ان معاویة باع سقاية من ذهب أو ورقٍ بأكثر من وزنها، فقال له أبو الدرداء: سمعت رسول اللہ عن مثل هذا ألا مثلاً بمثل؟ فقال معاویة: ما أرى به بأساً! فقال له أبو الدرداء: من يعذرني من معاویة؟ أنا اخبره عن رسول اللہ وهو يخبرني عن رايه؟ لا! اسألك بأرض أنت بها، ثم قدم أبو الدرداء علی عمر بن الخطاب فذكر له ذاك فكتب عمر الى معاویة ان لا تبع ذلك ألا مثلاً بمثل وزناً بوزن " موطا مالک، ج ۲، ص ۵۹، سنن نسائی، ج ۷، ص ۲۷۹، سنن بیہقی، ج ۵، ص ۲۸۰ اور ایسی ہی ایک اور روایت عبادہ بن صامت وغیرہ سے کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل ہوئی ہے، لغدیر، ج ۱۰، ص ۸۲ یا ۶۸۳]

۶۔ [" ألو للفراس وللعاہر الحجر، ألا ومن ادعی الی غیر اہیہ، أو تولى غیر موالیہ رغبة عنهم فعليه لعنة اللہ والملائكة والناس اجمعين ولا يقبل منه صرف ولا عدل " صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۹۹، فرائض صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۷۱، رضاع صحیح ترمذی ج ۱، ص ۱۵۰، سنن نسائی ج ۲، ص ۱۱۰، سنن ابی داود، ج ۱، ص ۳۱۰، سنن بیہقی ج ۷، ص ۴۰۲]

۷۔ [تاریخ ابن عساکر، ج ۵، ص ۳۸۱ و تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۵۷، کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۰۹]

۸۔ [تاریخ ابن عساکر ج ۵، ص ۴۱۲]

۹۔ [نقل از محاضرة الاوائل، ص ۱۳۶]

۱۰۔ [تاریخ ابن کثیر، ج ۸، ص ۱۳۶، محاضرة السکوتی، ص ۶۳، اوداکام اسطانیہ، ص ۲۱۹]

۱۱۔ [مروج الذهب، ج ۲، ص ۷۲]

۱۲۔ [لغدیر، ج ۱۰، ص ۱۹۰]

۱۳۔ [لغدیر، ج ۱۰، ص ۱۹۱]

۱۴۔ [لغدیر، ج ۱۰، ص ۱۹۹]

۱۵۔ [اگر ان بزرگان دین کے حالات شہادت تفصیل کے ساتھ مطلوب ہوں تو ہماری کتاب زندگانی امام حسن کی طرف رجوع کریں۔]

۱۸۔ [لغدیر، ج ۱۰، ص ۲۱۱]

۱۹۔ [حیاة الامام الحسین، ج ۲، ص ۱۳۳، ۱۳۸]

۲۰۔ [ایضاً]

٢١ [الغد يرحل ص ٢١٥ وحياة الإمام حسين ج ٢ ص ١٢٢]

٢٢ [زندگانی امام حسن، ج ٢ ص ١٨٢، ١٨٣ - حياة الإمام حسين، باقر شريف، ج ٢ ص ١٥٨، ١٥٩]

٢٣ [زندگانی امام حسن، باب هفتم مؤلفه]

٢٤ [زندگانی امام حسن، باب هفتم]

٢٥ [بحار الانوار، ج ٢٣ ص ٣٠٩]

٢٦ [حياة الإمام الحسين ج ٢ ص ١٨٠]

٢٧ [سيرة الأئمة الاثني عشر، باشم معروف، ص ٢١، حياة الإمام الحسين، ج ٢ ص ٢٥٥]

٢٨ [ترجمه تاريخ فخرى ص ٤٢]

٢٩ [حياة الإمام حسين، ج ٢ ص ٨٢ نقل از جواب الطالب واسباب الاشراف]

٣٠ [حياة الإمام حسين ج ٢ ص ١٨٢]

٣١ ["والله ما خرجنا على يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء انه رجل ينكح الامهات والبنات والاخوات، ويشرب الخمر ويدع الصلاة، والله لو لم يكن معي أحد من الناس لا بليت لله فيه بلاء حسناً" - "قدغنا من عند رجل ليس له دين يشرب الخمر ويعزف بالطناير ويلعب بالكلاب" تاريخ ابن عساکر، ج ٤ ص ١٨٢]

٣٢ ["... والله انه ليشرب الخمر، والله انه ليشكر حتى يدع الصلاة. " البداية والنهاية، ج ٨ ص ٢١٦، كمال، ابن اثير، ج ٢ ص ٢٤٥]

٣٣ ["والله رأيت يزيد بن معاوية يترك الصلاة منكراً..." البداية والنهاية، ج ٨ ص ٢١٦، كمال، ابن اثير، ج ٢ ص ٢٤٥]

٣٤ [تمتة المنتهى، ص ٢٢٣]

٣٥ [مروج الذهب ج ٢ ص ٩٢ - "وكان يزيد صاحب طرب وجوارح وکلاب وقرود وفهود ومنادمة على الشراب وجلس ذات يوم على شرايه وعن يمينه ابن زياد وذلك بعد قتل الحسين فأقبل على ساقيه فقال :

اسقى شربة تروى مشاشي ثم صل فاسق مثلها ابن زياد

صاحب السر والأمانة عندي ولتسبب مغنمي وجهادي

"ثم امر الممغنين فغنوا، وغلب على أصحاب يزيد وعماله ما كان يفعل من الفسوق وفي ايامه ظهر الغناء بمكة والمدينة واستغملت الملاحى وأظهر الناس شرب الشراب..."

٣٦ [ولمّا شمل الناس جور يزيد وعمهم ظلمه وما ظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول الله وأنصاره وما ظهر من شرب الخمر وسيره سيرة فرعون بل كان فرعون أعذل منه في رعيته وأنصف لخاصته وعامته، أخرج أهل المدينة عامله..."

٣٧ ["وكان يسمى يزيد السكران الخمير" مروج الذهب ج ٢ ص ٩٥]

٣٨ [اغاني، ج ٤ ص ١٤٠]

٣٩ [مروج الذهب ج ٢ ص ٩٥]

٤٠ [سيرة الائمة الاشئ عشر باشم معروف حنفى، ص ٣٢-٣٥]

یزید کی ولی عہدی

معاویہ کو مشورہ دینے والا پہلا شخص
مورخین نے لکھا ہے:

امیر شام کی جانب سے مغیرہ بن شعبہؓ کو فہ میں گورنر تھا، بیشتر مورخین نے لکھا ہے، سب سے پہلا شخص یہی تھا جس نے معاویہ کے ذہن میں یزید کی ولیعہدی کی شیطانی فکر ڈالی اور یہ بھی اس وجہ سے تھا کہ معاویہ اسے معزول کر کے اپنے چچازاد سعید بن عاص کو والی کو فہ مقرر کرنا چاہتا تھا، لہذا مغیرہ (جو عرب کے معروف چالاک سیاست بازوں میں سے تھا) نے یہ چاہا کہ کسی طرح معزولی کے ارادے سے معاویہ کو باز رکھے چنانچہ اسی منصوبے کے تحت مغیرہ شام گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے خود یزید کو ولی عہدی کا خواب دکھلائے اور پھر اس کا ارادہ تھا یزید کے ہمراہ جا کر معاویہ کو اس کی رائے دے۔ وہ مطمئن تھا کہ وہ معزولی سے باز رکھ کر اپنا مقصد پالے گا پس شام پہنچتے ہی اپنے ساتھیوں سے کہا:

”اگر آج میں مقام امارت و ریاست حاصل نہ کر سکا تو گویا میں نے کچھ نہ کیا۔“

پھر یزید سے ملاقات کی اور بولا:

اے یزید! اصحاب پیغمبر تو مر چکے اور قریش کے بزرگ بھی اس دنیا سے رخت سفر باندھ چکے، فقط ان کی اولاد ہیں جن میں تم سب سے برتر و مدبر اور سیاست و سنت اور دانائی میں لائق تر ہو، لیکن

۱۔ مغیرہ بن شعبہؓ ثقفی، صدر اسلام کا ایک منافق اور چالاک سیاست باز آدمی ہے، چنانچہ امیر المؤمنینؓ سے منقول ایک روایت کے مطابق: ”وہ کبھی اسلام کے آگے تسلیم نہ ہوا۔“ اسی طرح دوسری روایت میں عمار یا سرؓ سے فرمایا: ”خدا کی قسم مغیرہ وہ شخص ہے جو ہمیشہ حق کو باطل کے ذریعے پہنان کرتا ہے، وہ دین پر اس وقت عمل کرتا ہے جب اسے اپنی دنیا سے ہم آہنگ پاتا ہے اسلام میں بہت سے فتنے اور فساد جنہوں اس نے تاریخ اسلام کا رخ سیدھی، بچی راہ سے موڑ کر انحراف پر لگا دیا اسی کی شیطنت اور خباثت کی وجہ سے تھے، ہر شر و فتنے کا سرچشمہ یہی ہوتا تھا۔“ کتب تراجم میں مزید شرح و تفصیل موجود ہے۔ (قاموس الرجال: ج ۹ ص ۸۴)

معلوم نہیں کیوں امیر المؤمنین لوگوں سے تنہا رہی خلافت کیلئے بیعت نہیں لیتے؟

یزید بولا: کیا یہ کام ممکن ہے؟

مغیرہ نے جواب دیا: کیوں نہیں!

اس مکالمہ کے بعد یزید فوراً معاویہ کے پاس گیا اور مغیرہ بن شعبہ کی فکر سے معاویہ کو آگاہ کیا۔

جس پر معاویہ نے مغیرہ کو بلایا اور کہا: اے مغیرہ یزید کیا کہہ رہا ہے؟

مغیرہ نے کہا: اے امیر! عثمان کے بعد رونما ہونے والا اختلاف اور خون ریزی یاد ہوں گے؟ لہذا

اس سے پہلے کہ آپ کسی حادثے کا شکار ہوں یزید کی بیعت حاصل کریں کیوں کہ یزید آپ کا

جانشین اور عوام کا اچھا رہبر ہو سکتا ہے اور اس طرح کسی بھی خون ریزی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے!

معاویہ نے (کچھ سوچ کر) کہا: اس کام میں کون میری مدد کرے گا؟

مغیرہ نے جواب دیا: اہل کوفہ کی بیعت میرا ذمہ، بصرہ کے لوگوں سے زیادہ بیعت لے گا اور اگر ان

دونوں صوبوں نے بیعت کر لی تو پھر کسی میں جرات نہیں کہ مخالفت کر سکے اور اگر مخالفت ہوئی بھی

تو بے سود رہے گی۔

معاویہ نے مسکراتے ہوئے خوشی کے انداز میں کہا: اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے تم اپنے منصب پر

واپس جاؤ مگر اس موضوع پر اپنے نزدیکوں سے بحث و گفتگو کرو تا کہ اس کے مطابق اقدام

کریں۔

مغیرہ معاویہ کے دربار سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے درمیان پہنچا تو انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟

تو مغیرہ نے کہا: ”میں نے معاویہ کا قدم ایسی رکاب میں رکھا ہے جس کا فاصلہ امت محمد سے بہت

زیادہ ہے اور (آج) ایسا شگاف ڈال کر آیا ہوں جو کبھی پر نہیں ہوگا۔“ ۲

پھر مغیرہ جیسے ہی کوفہ پہنچا اور وہاں اپنے اعتماد کے افراد سے یزید کی ولی عہدی پر مفصل داستان سرائی کی

چنانچہ وہ لوگ فوراً تسلیم ہوئے اور اپنی اپنی بیعت کا اعلان کیا، اس کے بعد مغیرہ نے اپنے فرزند موسیٰ بن

مغیرہ کے ہمراہ دس یا اس سے زیادہ افراد کو تیس ہزار درہم دے کر شام روانہ کیا۔

وہ لوگ شام پہنچ کر معاویہ سے ملے اور اسے یزید کی ولی عہدی اور خلافت اور اس کی بیعت لینے کیلئے

حوصلہ افزائی کی اور اس کام پر رغبت دلائی تو معاویہ نے انہیں کہا:

ابھی جاؤ اور اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا اور آئندہ کیلئے تیار رہنا۔

پھر موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا: تیرے باپ نے کتنے درہم دے کر انکا دین خریدا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا: تیس ہزار۔

اس پر معاویہ نے کہا: بلاشبہ انکا دین و ایمان خود ان کے نزدیک کتنا بے قدر و قیمت ہو گیا ہے۔ سچ ایک دوسری روایت نقل ہوئی ہے:

مغیرہ نے اپنے بیٹے عروہ کے ہمراہ چالیس خاص افراد کو معاویہ سے ملاقات کیلئے روانہ کیا، وہ جب معاویہ سے ملے تو امیر شام سے گفتگو کی۔ اے امیر! مغیرہ نے ہمیں آپ کے پاس امت محمدؐ کے ایک اہم مسئلے پر غور کیلئے روانہ کیا ہے، اے امیر! آپ کی عمر زیادہ ہو چکی ہے، لہذا ہمیں آپ کے بعد لوگوں میں انتشار کا ڈر ہے، آپ ہمارے لیے کوئی قطب بنا جائیں، تاکہ ہم اس سے متوسل رہیں!۔

معاویہ نے کہا: آپ لوگوں کی نظر میں کون ہے؟ انہوں نے کہا: ہم امیر کے فرزند یزید کو بہتر جانتے ہوئے انتخاب کرتے ہیں۔

معاویہ نے پوچھا: کیا سچ کہہ رہے ہو؟ وہ ایک زبان ہو کر بولے! ہاں۔

امیر معاویہ نے کہا: کیا یہ تم سب کی متفقہ رائے ہے؟

کہنے لگے: ہماری اور ان تمام لوگوں کی یہی رائے ہے جو کوفے میں ہمارے پیرو ہیں۔

معاویہ نے یہ سن کر عروہ بن مغیرہ سے پوچھا: تیرے باپ نے انکا دین و ایمان کتنے میں خریدا ہے؟ عروہ نے کہا چار لاکھ درینار میں۔

اس پر معاویہ نے کہا: بلاشبہ بہت ہی کم قیمت میں ان کا دین خریدا ہے۔ پھر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

ہم آپ لوگوں کی تجویز پر ضرور غور کریں گے، البتہ اور جلد بازی کی جگہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا بہتر ہے۔

اس قصہ کے اختتام پر یہ ذکر کرنا برا نہیں کہ مغیرہ بن شعبہ اس بارگناہ اور تاریخ کے سیاہ ترین سانحہ کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا، چنانچہ اہل تاریخ نے لکھا ہے، مغیرہ امام حسن کی شہادت کے چند مہینے بعد پچاس ہجری میں دنیا سے رخت سفر باندھ گیا اور حاکم بصرہ زیاد بن ابیہ نے کوفہ پر بھی امارت حاصل کر لی (حس کی تفصیل مناسب مقام پر بیان ہوگی)، البتہ یہ انجام بہت سے مغیرہ جیسے مغز فروش سیاست دانوں کا ہوا ہے، جنہوں نے معاویہ جیسے حکمرانوں کے ساتھ بیٹھ کر تاریخ اسلام میں شرمناک اور واہیات اقدامات کیے ہیں، لہذا تاریخ میں عمرو بن عاص، زیاد بن ابیہ اور مغیرہ جیسے لوگوں کی داستانیں موجود ہیں۔ (عمرو بن عاص کے حالات زندگی ہم نے زندگانی امیر المؤمنین ۲۷ میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں ۵ اور زیاد بن ابیہ کے حالات آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔)

حکمرانوں کیلئے درس عبرت

تاریخ کی یہ داستان درحقیقت تمام حکمرانوں کیلئے عبرت انگیز درس ہے، لہذا آج بھی حکمرانوں کو چاہیے مغیرہ بن شعبہ جیسے خود غرض، مجرم، کھلے لاوابالی اور تقویٰ سے عاری لوگوں کو اہم عہدہ پر تعینات نہ کریں اور نہ ہی ایسے لوگوں کو اپنا مشیر اور وزیر قرار دیں جو ذاتی مقام و منصب کے تحفظ کی خاطر تمام مسلمانوں، بلکہ اپنے اولیاءِ نعمت کی بھی مصلحت کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی نگاہوں میں فقط شہوت پرستی اور حب ریاست ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہے خدا مقرر آن اور پیغمبروں کی سنت کو نصیحت کے طور پر جو ان سے نقل ہوئی ہے:

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ”اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا بھی نہیں۔“

(کہف: ۵۱)

اور ان کے اقوال وارشادات کو کہ جن میں فاسق، بے ایمان اور منافق لوگوں سے مشورہ کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، ہرگز فراموش نہ کریں، چنانچہ معاویہ جس کی فطرت اور عادت میں کفر و نفاق تھا اس نے اسلامی دستورات پر توجہ نہ دیتے ہوئے عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور زیادہ بن ابیہ اور ان جیسے دیگر منافق، فاسق اور جرائم پیشہ افراد کو اپنی حکومت کے اہم امور کا نظم و نسق دنیا میں اپنی یہ رسوائی اور آخرت میں عذاب الہی کا سامان مہیا کیا، بلکہ پورے خاندان امیہ لعنت اور تقریریں کا مستحق قرار پایا۔ (آئندہ صفحات پر ہم اس بات پر بھی توجہ دیں گے کہ معاویہ نے یزید کی دلی عہدی کیلئے فاسق لوگوں سے جو مشورے کئے۔)

زیادہ بن ابیہ سے معاویہ کا اس معاملہ میں رائے طلب کرنا

کامل التواریخ میں ابن اثیر تحریر کرتے ہیں:

”مغیرہ بن شعبہ کی رائے کے بعد معاویہ کا یزید کی بیعت کے بارے میں ارادہ مزید مستحکم ہو گیا چنانچہ امیر شام نے اس بارے میں زیادہ بن ابیہ (بصرہ کا گورنر) کو خط لکھ کر اس کی رائے طلب کی جیسے ہی معاویہ کا پیغمبر زیادہ کے پاس پہنچا، اپنے خاص مشیر عبید بن کعب نمیری کو بلا دیا اور اس موضوع پر تفصیل سے رائے طلب کی معاویہ کے موصول شدہ خط کا تذکرہ کیا، مگر کیونکہ یزید کے لاوابالی اور اس کے برے اعمال سے آگاہ تھا، لہذا نمیری سے کہا:

تو معاویہ کے پاس جا اور انھیں سمجھا کر کسی طرح اس کو اس ارادے سے باز رکھ اور اس کو کہا خود معاویہ کو بھی اس قدم کے اٹھانے میں لوگوں کی نفیرین کا وہم اور خوف ہے، کیونکہ یزید لاوابالی آدمی ہونے کے علاوہ شکار سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔ لہذا تو معاویہ سے جا کر یزید کے کردار پر گفتگو کر تاکہ وہ اس کام میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔

عبید نے کہا: کیا اس کے علاوہ امیر شام کو سمجھانے کا کوئی اور راستہ ہے؟
زیاد نے کہا: اور کون سا راستہ ہو سکتا ہے؟

نمیری نے کہا: میرے خیال میں معاویہ کی بات رد کرنے اور ان کے فرزند کی برائی کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ میں خود یزید سے مل کر اسے آگاہ کروں کہ امیر شام نے زیاد بن ابیہ سے مشورہ مانگا ہے اور میں یزید سے خواہش ظاہر کروں کہ وہ اپنے لااوبالی حرکات سے باز رہے، تاکہ رائے عامہ اس بارے میں بہتر ہو۔ اس طرح معاویہ کی مخالفت بھی نہ ہو اور جو تم چاہتے ہو وہ بھی پورا ہو جائے۔
زیاد نے کہا: اچھی رائے ہے۔ تم جاؤ، چنانچہ اگر کامیاب ہو گئے تو مقصد حل ہو جائے گا ورنہ ہمنے خیر خواہی کر دی۔

اس طرح نمیری نے شام پہنچ کر یزید سے ملاقات کی اور اپنا مدعا بیان کیا پھر معاویہ سے مل کر اس کام میں جلد بازی نہ کرنے کی سفارش کی کہ جسے امیر شام نے قبول کیا۔ “مے

کیوں معاویہ نے اس ہولناک جنایت اور فساد کی جڑ کو مسلمانوں پر تھمیل کیا؟

معاویہ کے اس جرم میں اور مسلمانوں پر مسلط کرنے کا واحد محرک اپنے فرزند یزید سے شدید محبت تھی ورنہ خود بارہا یزید میں مسلمانوں پر حکومت کی لیاقت و صلاحیت کے فقدان کا اقرار کر چکا تھا، چنانچہ معاویہ کی گفتگو اور کلمات کے مابین تاریخ میں یوں ثبت ہوا ہے:

لَوْلَا هُوَ اَيُّ فِي يَزِيدَ لَأَبْصُرْتُ رُشْدِي “اگر میری یزید سے شدید محبت نہ ہوتی تو میں نے اپنی رشد و

صلاح اور بھلائی دیکھ لیا تھا۔“ ۸

اسی طرح ایک اور مقام پر یزید کو مخاطب کر کے کہا:

مَا لِقَيْتُ اللَّهَ بُشًى، أَعْظَمَ فِي نَفْسِي مِنْ اسْتِخْلَافِي يَأْكُ “خدا کو ملاقات کرتے وقت میرے

پاس تجھے اپنا جانشین بنانے سے سنگین اور بڑا جرم نہیں۔“ ۹

اور جب سعید بن عثمان نے اعتراض کیا:

عَلَامَ جَعَلْتُ وَلَدَكَ يَزِيدَ وَلِيَّ عَهْدِكَ؟ فَوَاللَّهِ لَا بِي خَيْرٍ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّي خَيْرٌ مِنْ أُمِّهِ وَأَنَا خَيْرٌ مِنْهُ؟ “کس معیار پر اپنے فرزند یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا خدا کی قسم میرا باپ اس کے باپ سے، میری ماں اس کی ماں سے اور خود میں اس سے بہتر ہوں؟“

تو معاویہ نے جواب میں کہا:

فَوَاللَّهِ مَا يَسُرُّنِي أَنْ لِي يَزِيدٌ مِمَّا لَكَ الْفَوَاطِي دَهْبًا مِثْلَكَ “قسم بخدا! اگر مجھے تیری مثل سونے سے

بھری خندق بھی مجھے مل جائے تب بھی میرے نزدیک یزید سے زیادہ عزیز کوئی نہیں۔“ ۱۰

ایک اور نقل میں ہے کہ اس سے کہا:

وَاللّٰهُ لَوْ مُلِئَتْ لِيِ الْقَوَاطِیُّ رَجُلًا مِّثْلَكَ لَكَانَ يَزِيدُ اخْبَ اِنِّیْ مِنْكُمْ كُنْكُمْ ”قسم بخدا اگر غوطہ شام بھی تم جیسے لوگوں سے بھر جائے تب بھی یزید میرے نزدیک تم سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہے۔“ ۱۱
اور اسی محبت کی وجہ سے کبھی معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اس کی شہوت رانی، لااوبالی پن اور جگہ جگہ تنگ حرمت سے نہیں روکا، بلکہ اگر کبھی کچھ کہا بھی تو یہ کہتا تھا، کرنا چاہتے ہو تو اعلانہ نہیں بلکہ پس پردہ انجام دینا، چنانچہ اپنے اشعار میں یزید سے یہ کہا:

اَنْصَبْ نَهَارًا فِي طَلَابِ الْعُلَى
وَاَكْثَلَتْ بِاِ الْغَمَصِ عَيْنُ الرَّقِیْبِ
فَاَنْصَابُ اللَّیْلِ نَهَارُ الْاَرْیَبِ
قَدْ بَاشَرَ اللَّیْلِ بِاَمْرِ عَجِیْبِ

۱۲

اس شیطانی ہدف تک پہنچنے کیلئے معاویہ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی
روایات میں ہے دین کے بزرگوں نے بتایا ہے:

حب الشی یعمی و یصم ”کسی چیز سے زیادہ محبت انسان کو اندھا رہا کر دیتا ہے۔“

چنانچہ معاویہ بھی اپنے فاسق، فاجر، لااوبالی اور بدکردار بیٹے سے محبت میں اتنا اندھا ہو چکا تھا کہ اسکے نزدیک بیٹے کو مسلمانوں پر بعنوان خلیفہ اپنا ولی عہد بنانا اہم تھا چاہے اس راہ میں کسی بھی طریقہ کو اپنانا پڑے، لہذا اپنی طبیعت کے مطابق تمام تر مافی، جانی اور افرادی وسائل استعمال کئے، جو مندرجہ ذیل ہیں:
خطیبوں اور شاعروں کو خریدنا

یہ بات تو واضح ہے کہ زمانہ جاہلیت میں، عرب شاعروں کا لوگوں کی نگاہ میں خاص مقام تھا، چنانچہ تاریخ کا بیان ہے، سالہا سال جلنے والی بعض جنگوں کا سبب کسی معروف شاعر کا کہا ہوا قصیدہ ہوتا تھا یا اسکے برعکس صلح و صفائی اور امن و آشتی کا سبب بھی کلام شاعر ہوتا تھا، کبھی تو قوم و قبائل کی آبروریزی کا موجب بنتا یا کبھی منظوم کلام کی وجہ سے خاندان و عشیرہ کی عزت افزائی ہوا کرتی تھی۔ بہر حال یہ واقعات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

مگر اسلام کے ظہور کے بعد اور قرآن مجید نے اس جاہلانہ طرز فکر سے مقابلہ کرنا شروع کیا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ یا آیت ﴿الشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ اور اس طرح کی دوسری آیت سے شاعروں کے کاہل ارماندہ پڑنے لگا، پس رفتہ رفتہ عربی قصائد اور عرب شاعروں کے اشعار نے اپنا رنگ کھونا شروع کیا جن کی وجہ سے کل تک کے سیاستدان اور فریب کار شخصیات

اپنا مقصد پورا کرتے تھے۔

لیکن انفسوس قیادت و رہبری میں انحراف کے سبب جب معاویہ جیسے بے تقویٰ اور بے دین افراد کا اسلامی منصوبوں پر تقرر ہونے لگا تو عرب کا یہ غلط طریقہ دوسرے بہت سے کچروں کی طرح رسول اللہ کی زحماتوں پر پانی پھیرنے کیلئے دوبارہ زندہ ہونے لگا یعنی ایک بار پھر اجرت پر کام کرنے والے بے ضمیر اور قلم فروش شاعروں نے خدا سے غافل حکمرانوں کی سیاست چکانے کا بیڑا اٹھایا اور ایسے حکمرانوں کی یہ ضرورت بھی تھی لہذا ان دین فروش اور مزدور شاعروں میں سے ایک نام ”عجاج“ کا ہے جس نے چند درہم و دینار یا کچھ لباس اور گھوڑوں کی خاطر یہ اشعار یزید کیلئے کہے:

إِذَا زُلْزِلَ الْأَقْدَامُ لَمْ تَزَلْ
عَنْ دِينَ مُوسَى وَالرُّسُولِ الْمُرْسَلِ
وَكُنْتُ سَيْفَ اللَّهِ لَمْ يَغْلُ
يَفْرَعُ أَحْيَانًا وَحَيْنًا يَخْتَلِي

اس نے ان اشعار میں کمال بے شرمی سے یزید جیسے تنگین و جود کو براہ اسلام کے مجاہدوں، خدا کیلئے تلوار چلانے والوں اور حضرت موسیٰ و رسول کریم جیسے پیغمبروں کی صف میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور ضمیر فروش شاعر ”مسکین داری“ ہے جسے معاویہ نے حکم دیا، یزید کی بیعت کیلئے لوگوں کو ترغیب دلاتے رہو لہذا جب ولی عہد کی مخالفت کرنے والوں من جملہ سعید بن عاص، مروان بن حکم اور عبد اللہ بن عامر وغیرہ کو معاویہ کے پاس بلایا گیا تو یہی شاعر معاویہ کی مدح میں گویا ہوا:

أَنْ أَدْعَ مِسْكِنًا فَإِنَّ أَبْنَى مَغْشَرٍ
مِنْ النَّاسِ أَحْمَى مِنْهُمْ وَأَذْوَدُ
أَلَا لَيْتَ شِعْرِي مَا يَقُولُ أَبْنَى عَامِرٍ
وَمَرَوَانُ أَمْ مَاذَا يَقُولُ سَعِيدُ
بَنَى خُلَفَاءَ اللَّهِ مَهْلًا قَانِمًا
يُؤَيِّبُهُا الرَّحْمَانُ حَيْثُ يُرِيدُ
إِذَا الْمُنِيرُ الْغُرَبَى خَلَاهُ رُبُّهُ
فَإِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَزِيدُ
عَلَى الطَّائِرِ الْمَمْنُونِ وَالْجَدِّ صَاعِدُ
لِكُلِّ أَنَاثٍ طَائِرٌ وَجُلُودُ
فَلَا ذِلَّتْ أَعْلَى النَّاسِ كَعْبَا
وَلَا زَالَ يَتُّ الْمُلْكِ فَوْقَكَ عَالِيَا
قُدُّوا مِنْ حَرْبٍ كَالْحَوْبَى وَتَحْتَهَا
وَلَمْ تَزَلْ وَفُودُ تُسَامِيهَا الْيَكُ وَفُودُ
تُشِيدُ أَطْنَابَ لَهُ وَعُمُودُ
ثَاقِفٌ كَأَمثالِ الرِّئَالِ رُكُودُ

۱۳

اس طرح ایک شاعر ”احوص“ ہے جس نے یزید کی خدمت اپنی شاعری کے ذریعے انجام دی وہ ملاحظہ ہوں:

مِلْكُكَ تَدِينُ لَهُ الْمُلُوكُ مَبَارِكُ
كَادَتْ لَهَيْتِهِ الْجِبَالُ تَزُولُ
يُجِبِي لَهُ بَلْعٌ دَجَلَةٌ كُلُّهَا
وَلَهُ الْفِرَاتُ وَمَنْسَقَى وَالْبَلُ

۱۴

خوف و ہراس و دہشت اور مخالفین کا قتل

معاویہ بھی دنیا کے دیگر سیاست باز حاکموں کی طرح اپنی شاہانہ پرواز میں کسی رکاوٹ کو پہلے وعدہ وعید اور لالچ حتیٰ خوف و ہراس سے دور کرتا ورنہ نامعلوم افراد کے ہاتھوں اسے ختم کروا دیا کرتا تھا، اس طرح قاتل بھی محفوظ رہتا اور رکاوٹ بھی ہٹ ہو جاتی، چنانچہ امام حسن مجتبیٰ کی داستان شہادت بھی ہے کہ جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں زہر دلو کر تاریخ کا وہ ہولناک حادثہ رونما کروایا جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔ سعد بن ابی وقاص بھی انہی افراد میں سے تھا جنہیں یزید کی ولی عہدی پر اعتراض تھا اس لئے جب امیر شام یزید کی بیعت لینے لگا تو پہلے اسے مسموم کروایا۔ ۱۵۔ ان مخالفین میں عبدالرحمن بن خالد بن ولید بھی تھا جو شامیوں کے نزدیک نہایت محترم تھا۔ لکھا ہے، جب شامیوں سے یزید کی خلافت پر رائے مانگی گئی تو اہل شام نے عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو اپنا نمائندہ بنا کر معاویہ کے پاس بھیجا، جب عبدالرحمن کے ذریعے شام کے لوگوں کا ارادہ معلوم ہوا تو عبدالرحمن کے قتل کا ارادہ کیا، تاکہ یزید کی ولی عہدی مخالفت سے دوچار نہ ہو جائے۔

اس بارے میں ابن عبدالبر اپنی کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں:

”امیر شام مناسب موقع کے انتظار میں تھا کہ اچانک عبدالرحمن مریض ہو گیا۔ تو امیر شام نے اپنے با اعتماد یہودی طبیب کو بلا کر معالجہ کیلئے روانہ کیا، تاکہ علاج کے بہانے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، چنانچہ یہودی طبیب نے ایسا زہر دیا جس سے وہ سخت اسہال کا شکار ہوا اور نقاہت کے سبب اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔“

ابن عبدالبر مزید لکھتے ہیں:

”یہی بات سبب بنی کہ عبدالرحمن کے بھائی مہاجر بن خالد نے اس یہودی طبیب سے بھائی کا بدلہ لینے کا قصد کیا، چنانچہ ایک روز یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شام آیا اور رات کی تاریکی میں جب یہودی طبیب قصر شام سے باہر آ رہا تھا تو اس پر حملہ کیا جس پر طبیب کے ساتھی فرار ہو گئے مگر طبیب کو اسی مقام پر مار دیا گیا۔“ ۱۶۔

اسی طرح مدینہ کی ایک اور معروف شخصیت عبدالرحمن بن ابی بکر تھے، جسے اسی جرم میں جان سے ہاتھ دھونا پڑی چنانچہ جب معاویہ بیعت یزید کی مہم پر مدینہ آیا تو ابن ابی بکر کو راضی کرنے کیلئے ایک لاکھ درہم روانہ کیے مگر انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں اپنا دین ان پیسوں میں نہیں بیچ سکتا۔ پھر چند روز بعد لوگوں نے سنا کہ ابن ابی بکر جو مدینہ سے مکہ تشریف لے جا رہے تھے راستے میں کسی بیماری کے سبب انتقال کر گئے۔ بہر حال تاریخ کے گوشہ و کنار اور ان قرآن سے معلوم ہوتا ہے ان کا سبب مرگ

بھی سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن خالد والا ہی تھا۔
مخالفین کی جلا وطنی، خوف و رعب اور طاقت کا استعمال

ڈرانا، دھمکانا اور بے جا رعب و ہشت قدیمی سیاستدانوں، تاریخ کے حکام جو راوی کہنے ظالموں کا وطیرہ رہا ہے جس کی مثالیں زندگانی امیر المؤمنین اور زندگانی امام حسن نامی کتابوں میں پیش کی جا چکی، وہاں عرض کیا گیا کہ مختلف خاندانوں کے ساتھ حب اہل بیت کے جرم میں وہی سیاست استعمال کی گئی جس کی بنیادیں قتل و غارتگری، خوف و ہشت کا ماحول، اغواء و دھونس دھمکی پر استوار تھیں۔

البتہ معاویہ بن ابی سفیان نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تاریخ کے عظیم انسان حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں، عبدالرحمن بن حسان، صفی بن فہیل، قبیصہ بن ربیعہ، شریک بن حداد وغیرہ اور اس طرح رشید جہری عمرو بن حمق خزاعی، جویریہ بن مسہر، عبداللہ بن مسیحی، محمد بن ابی حذیفہ، عبداللہ بن ہاشم مرقال عبداللہ بن خلیفہ طائی اور عدی بن حاتم جیسے سینکڑوں شریف انفس اور پرہیزگار لوگوں کو امیر المؤمنین علی کی طرفداری کے جرم میں شہید یا قیدی کسی دور و دراز جگہ جلا وطن کر دیا جہاں کی آب و ہوا خراب تھی۔ حدیہ کہ معاویہ نے بے دفاع خواتین پر بھی رحم نہ کیا۔ بہت سی بافضلیت اور فصیح خواتین مثلاً ام الخیر باریقہ، سودہ بنت عمارہ ہمدانی، زرقاء بنت عدی بن غالب، ام البراء بنت صفوان، بکارہ ہلالیہ اور دارمیہ جونیہ وغیرہ کو ڈرایا اور دھمکی دی گئی جو تاریخ میں ثبت ہیں۔۔۔ (تفصیل زندگانی امام حسن میں ملاحظہ فرمائیں۔)

کیا بسر بن ارطاہ وہ جنایت کار نہ تھا جس نے ماجرائے حکمیت کے بعد معاویہ کے حکم پر سرزمین یمن اور دیگر علاقوں میں تیس ہزار انسانوں کے منہ انگارے ڈال کر جلایا اور تلوار سے قتل کر دیا۔ ۱۸
کیا وہ سمرہ بن جندب نہ تھا جس نے زیاد بن ابیہ کی طرف سے عارضی حکومت میں فقط بصرہ میں چھ ماہ سے کم مدت میں آٹھ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ ۱۹

کیا تاریخ کا بے مثال خونخوار زیاد بن ابیہ نہ تھا جسے ابوسفیان سے سرزد ہونے والے اس شرمناک اور رسوا کن واقعہ کے باوجود اپنا بھائی اور ابوسفیان کا بیٹا کہہ کر بصرہ اور کوفہ کے لوگوں پر اس طرح مسلط کیا کہ وہ پورے بارہ سال عراق کے دونوں شہروں کا مطلق العنان حاکم تھا، اپنے زمانہ حکومت میں لوگوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، آنکھیں نکلوا لیں اور بے گناہ لوگوں کو مرداؤالا۔ فقط مسجد کوفہ کے آگے اسی ہاتھ کاٹے گئے۔ ۲۰

چنانچہ ابن اثیر اس کے بارے میں رقم طراز ہیں:

وَكُنَّ زِيَادًا وَآوَلُ مَنْ شَدَّ دَامَرَ السُّلْطَانُ وَأَسْخَدَ الْمَلِكُ لِمُعَاوِيَةَ وَجَرَّدَ سَيْفَهُ وَأَخَذَ الظُّلْمَةَ وَعَاقَبَ عَلَى الشُّبْهَةِ "معاویہ کی حکومت اور سلطنت کو مستحکم بنانے والا پہلا شخص زیاد تھا جس نے اپنی لنگی تلوار

معاویہ کے دشمنوں کے سامنے کردی ذرا سی تہمت لگا کر گرفتار کرتا اور شبہہ پراذیتیں دیتا تھا۔“ ۲۱

چنانچہ اہل تاریخ نے لکھا ہے:

جس روز اسے موت آئی اس نے ستر شیعیاں علیٰ اپنے منبر کے پائے کے پاس کھڑے کئے ہوئے تھے تاکہ انھیں اذیت دے، یا علیٰ سے برائت کا طالب تھا، اور ان پر لعنت بھیجیں ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے ابھی وہ بالائے منبر بیٹھا ڈرا، دھمکا ہی رہا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ میں اتنا شدید درد اٹھا کہ بے حال ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسے گھر لے جایا گیا مگر اسی کے سبب موت واقع ہو گئی۔“ ۲۲

بہر حال معاویہ اور اس کے ظلم برسانے والے عمال کی جانب سے ظالمانہ قتل و غارت اس حد کو پہنچ گئے تھے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

وَقِيلَتْ شَيْعَتُكَ بِلَدَّةٍ، وَفُطِغَتِ الْاَيْدِي وَالْاَرْجُلُ عَلَى الطَّنَّةِ وَكَانَ مِنْ بُذُكُوْ. بِعَيْنَاوِ الْاِنْقِطَاعِ
إِلَيْنَا سَجْنٌ أَوْ نُهْبٌ مَّا لَّهُ أَوْ هُدْمَتٌ دَارُهُ ”ہمارے شیعوں کو ہر شہر میں قتل کیا گیا، شک پران کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، جو بھی ہمارا محب ہوا اور ہمارے ساتھ رفت و آمد رکھتا اسے یا اسیر بنالیا جاتا یا پھر اس کی عزت و آبرو، مال و جان اور گھر کو ویران کر دیا جاتا ہے۔“ ۲۳

اسی طرح امام حسینؑ نے معاویہ کو جو خطوط لکھے ان میں سے ایک خط میں آیا ہے... انشاء اللہ آئندہ صفحات پر خط کا مکمل متن و ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ ۲۴

یزید کیلئے بیعت لینے میں معاویہ نے ہر ویلے کو استعمال کیا، جب لالچ و دولت سے کام نہ بننا تو اسی کی راہ کو اختیار کرتا۔ اس بیعت کے ماجرا کو بخوبی واضح کرنے کیلئے لازم ہے کہ تفصیل سے واقعات نقل کئے جائیں۔

مختلف شہروں میں نامہ رسانی اور مفصل سمینار کا انعقاد

ابن اثیر جزی کتاب کامل میں اور طبری اپنی تاریخ میں چھپن ہجری کے بعد کے واقعات لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

جب زیاد بن ابیہ مر گیا ۲۵، معاویہ نے بیعت یزید لینے کا مصمم ارادہ کیا۔ ۲۶ اس نے اس مہم کا آغاز مختلف مقامات پر خط لکھ کر کیا، چنانچہ ایک خط مدینہ میں تعینات صوبیدار مروان بن حکم کو لکھا کہ وہ لوگوں سے بیعت یزید کا مطالبہ کرے، چنانچہ مروان نے ایک بڑے مجمع میں تقریر کے ذریعے اس پیغام کو عوام تک پہنچایا جس پر مدینہ کی فقط چار شخصیات کے علاوہ سب نے رضایت یا سکوت کا اظہار کیا۔ وہ شخصیات حضرت اباعبداللہ امام حسینؑ، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر اور عبد

اللہ بن زبیر تھے۔

مروان نے جیسا دیکھا ویسا ہی خط معاویہ کیلئے لکھا اور اُدھر معاویہ نے مختلف شہروں میں موجود کارندوں کو بھی خطوط لکھے کہ وہ یزید کی تعریف و توصیف کے بعد سوال بیعت کریں اور جب سب راضی ہو جائیں تو وفود کی صورت میں انھیں شام روانہ کریں لہذا کچھ ہی روز بعد وفود کی صورت میں لوگ شام روانہ ہونے لگے، لکھا ہے عراق کا قافلہ اخف بن قیس کی سالاری میں اور مدینہ سے بھی ایک وفد محمد بن عمرو بن حزم کی سالاری میں وارد شام ہوا۔

بعد ازاں جب وفود آپہنچے تو معاویہ نے اپنے ایک نزدیک ساتھی ضحاک بن قیس فہری سے کہا: جب میں ان آنے والوں کے جلسہ سے خطاب کر چکوں تو سب سے پہلے تم کو اٹھنا اور لوگوں کو مرکز خلافت یعنی یزید کی بیعت پر آمادہ کرنا ہے اور مجھے بھی ان لوگوں کے سامنے اس کام پر ترغیب دینا ہے۔

بہر حال جب یہ سازش کامیاب ہو گئی تو معاویہ نے خلافت، کے مسئلہ اس کی اسلام میں اہمیت اور یزید کے فضائل علم و دانش اور اسکے سیاستدان ہونے پر تفصیل سے خطاب کیا اور آخر میں ان لوگوں سے بیعت یزید کا کی پیش کش کی۔ پھر ضحاک نے طے شدہ پروگرام کے تحت یزید کے فضائل پیش کئے اور معاویہ سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کرے۔ بعد ازاں معاویہ کے امور کا سرکردہ عمرو بن سعید اشرق آیا اور بالکل وہی ضحاک والے جملات دہرائے۔ پھر یزید بن مقفع جو امیر شام کا خاص نمک خوار تھا اٹھا اور ضحاک بن قیس و عمرو بن سعید کی طرح خطاب کرتے ہوئے کہا:

یہ (معاویہ کی جانب اشارہ) اگر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو ہمارے لئے یہ (یزید کی طرف اشارہ کیا) امیر المؤمنین ہے اور جو اس بات کو قبول نہیں کرے گا تو پھر یہ (تلوار کی جانب اشارہ) ہے۔ ۲۷

ابن اثیر مزید لکھتے ہیں:

معاویہ نے بیعت یزید کیلئے ہر ممکن تدبیر اور چال کو استعمال کیا، ہر دوست و دشمن کی رضایت کو حاصل کر کے اپنا حامی بنالیا لہذا جب شام و عراق کی جانب سے مطمئن ہو گیا تو ایک ہزار سواروں کے ہمراہ عازم حجاز ہوا، چنانچہ مدینہ سے نزدیک ایک علاقہ میں حضرت امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر، اور عبدالرحمن بن ابی بکر سے ملاقات ہوئی تو وہاں معاویہ نے ان سے ترش روئی برتی اور اس کا انداز گفتگو سخت و تند رہا ان کی طرف توجہ نہ دی اور اسکے بعد جب مدینہ کے عوام سے خطاب کیا کہ جس میں یزید کی تعریف کی اور اس کی خلافت و بیعت کو لازمی قرار دیا اور خطاب کے درمیان

دھونس اور دھمکی کے تمام ہتھیار استعمال کئے، مخالفت کرنے والوں کیلئے سخت لہجہ استعمال کیا اور کہا:

مَنْ أَحَقُّ مِنْهُ بِالْخِلَافَةِ فِي فَضْلِهِ وَعَقْلِهِ وَمَوْضِعِهِ؟ وَمَا أَطْنُ قَوْمًا بِمَنْتَهَيْنَ حَتَّى تُصَيِّبَهُمْ بَوَائِقُ تَجُغُّ أَصُولُهُمْ وَقَدْ أَنْذَرْتُ إِنْ أُعِنْتُ النُّذُرُ "تم میں سے کون ہے جو عقل، فضل اور حیثیت کے اعتبار سے اس (یزید) سے زیادہ خلافت کا حق دار ہے۔ میرے خیال میں خلافت یزید کے مخالفین اس وقت تک دست بردار نہیں ہوں گے جب تک انھیں اس کا خمیازہ بھگتنا نہ پڑے اور خمیازہ بھی ایسا جو ان کی بنیادوں کو نابود کر دے اور بس مجھے اسکے علاوہ کچھ نہیں کہنا۔

اور ایک شعر پڑھ کر اپنا خطاب ختم کر دیا اور سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں گیا وہ پہلے ہی سن چکی تھیں کہ معاویہ نے حسین بن علیؓ کی قتل کی دھمکی دی ہے اور حسینؓ اور اصحاب حسینؓ کیلئے کہا ہے: لَا قَاتِلَهُمْ إِنْ لَمْ يُعَاوِءُوا اگر حسینؓ وغیرہ نے بیعت نہ کی تو انھیں قتل کر دوں گے۔ عائشہؓ نصیحت کرتے ہوئے کہا: سنا ہے تم نے قتل کی دھمکی دی ہے؟

معاویہ نے جواب دیا:

آپ ہی بتائیں کہ جو بیعت انجام پا چکی یہ لوگ مخالفت کر رہے ہیں تو میں کیونکر انجام بیعت کو توڑ دوں۔

عائشہؓ نے کہا: ان سے نرمی کرو، مجھے امید ہے مستقبل میں حمایت کریں گے۔

اس کے بعد ابن اشیر لکھتے ہیں:

معاویہ اس واقعہ کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیر اور دوسرے افراد بھی مکہ روانہ ہوئے، تمام راستہ میں اور مکہ پہنچ کر بھی مدینہ کے برخلاف امیر شام نے غیر معمولی احترام اور عزت کا سلوک روا رکھا۔ یہاں تک کہ ایک روز انھیں بلایا اور یزید کی ولی عہدی کا مدعا پیش کیا اور چاہا کہ اپنی صریحی اور قطعی رائے سے آگاہ کریں، لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ معاویہ کی ایک دوبار تکرار پر عبداللہ بن زبیر نے کلام کیا:

ہم کہتے ہیں کہ تم ان تین کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کرو۔ یا رسول اللہؐ کی طرح خلافت کو آزاد چھوڑ دو، تاکہ یہ کام لوگ انجام دیں یا پھر ابو بکرؓ کی طرح کسی غیر خاندان کی فرو کو خلیفہ بناؤ ورنہ پھر عمرؓ کی مانند جانشینی کو شوریٰ پر چھوڑ دو۔

معاویہ نے پوچھا: کیا ان تین راہوں کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں؟ عبداللہ بن زبیر نے کہا: نہیں۔

معاویہ نے کہا: ٹھیک ہے، میں اب تک تو درگزر سے کام لے رہا تھا، لیکن بعد ازیں میں تلوار کی زبان میں تم سے بات کروں گا۔

اس کے بعد حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کے سر پر دو دوشمشیر زن برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو جائیں پھر بولا:

قسم بخدا میں جو کہہ رہا ہوں اگر اسے نہ مانا اور میری بات رد کی تو کچھ کہنے سے پہلے یہ تلواریں سروں پر گر جائیں گی اور حکم دیا انھیں باہر لاؤ اور مسجد لے چلو اور وہاں منبر پر جا کر تقریریں کیا: یہ لوگ مسلمانوں کے بزرگ اور برگزیدہ ہستی ہیں جن کی رائے اور مشورہ کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پاتا، لہذا انھوں نے یزید کی دلی عہدی قبول کرتے ہوئے بیعت کر لی ہے اب آپ حضرات بھی خدا کے نام پر یزید کی بیعت کریں۔

جب یہ دیکھا تو لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی، لیکن جب اس خود ساختہ جلسہ سے معاویہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہوا تو دوسرے لوگوں نے امام حسینؑ کی خدمت میں آکر کہا، آپ تو فرما رہے تھے کہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے پھر یہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا: ہم نے بیعت نہیں کی۔

لوگوں نے پوچھا: پھر یہ سارا ماجرا کیا تھا؟ آپ نے کہا: ہمیں مار دیا جاتا۔

اس واقعہ کے بعد اُدھر جب مدینے کے لوگوں نے بھی یزید کی بیعت کر لی تو معاویہ (اپنا مقصد پا کر) شام روانہ ہو گیا۔ ۲۸

یہ تھا کامل ابن اثیر میں نقل ہونے والا وہ بیعت یزید کا ماجرا کہ جس کا ترجمہ آپ نے حاشیوں کو ہٹا کر ملاحظہ فرمایا، البتہ ہم نے بغیر کسی اعتراض اور بحث کے اصل عبارت نقل کر دی ہے۔

ایک نکتہ پر توجہ

قارئین محترم کی اطلاع کیلئے فقط ایک لطیف پہلو پر توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اس روایت کا آخری حصہ صحیح ہے کہ امام حسینؑ نے مجلس میں معاویہ کے جہاں دوں کی تلواروں کے خوف سے سکوت اختیار کیا اور معاویہ کی افواہوں اور جھوٹ کے مقابل کسی بات کا اظہار نہ کیا اور لب بستہ رہے، تو امام کے اس عمل کو مارے جانے کے خوف پر محمول نہ کیا جائے اس لئے کہ حضرتؑ نے بعد کے سالوں میں ثابت کیا کہ اس راہ میں نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ساتھیوں اور فرزندوں کی جانیں قربان کر دیں گے، لیکن بنی امیہ اور یزید کی ننگ و عار زلت و پستی کی حکومت کے حوالے اپنا حق نہیں کریں گے، بلکہ امام نے اس موقع کو مناسب نہ جانا

کہ اعلانیہ اظہار مخالفت کرتے اور اس کام کیلئے ابھی زمین تیار نہ تھی۔ اگر اس روز امام اس راہ میں شہید ہو گئے ہوتے تو آپ کا خون ضائع جاتا اور اس روز وہ نتیجہ حاصل نہ کر سکے ہوتے جو آپ بعد میں زمین ہموار کر کے، اپنے کام کیلئے حالات سازگار بنا کر بنی امیہ کے چہرے کو ہر طرح سے بے نقاب کرنے کے بعد اپنے قیام اور شہادت سے حاصل کیا۔

اس وقت امام حسین نے اسلام کی مصلحت اس میں دیکھا کہ سکوت کریں اپنی جان آئندہ کیلئے محفوظ رکھیں تا کہ عظیم تر انقلاب، زیادہ موثر شہادت پیش بہا مراتب حاصل ہوں، جب پس منظر فراہم ہو گیا، لوگ معاویہ اور بنو امیہ کے ظلم اور فریب کے ہاتھوں سے بخوبی واقف اور آگاہ ہو گئے تو پھوڑا، پھنسی، پیپ اور مسلمانوں کے خون سے بھرے اس جسم کو نشتر لگانے میدان نینو میں لشکر کفر اور ستم کے مقابل آ کر اپنی جان، اپنے جوانوں اور ساتھیوں کی جان اپنے محترم دین اسلام پر نذر کرتے ہیں اور روز قیامت تک کیلئے اس دلیرانہ اور خونین قیام سے اسلام اور مسلمین کو فائدہ پہنچایا اور راہ خدا میں اور اسلام کیلئے ہر قیام کیلئے نمونہ اور مثال بنا دیا۔

اس پس منظر کو اس واقعہ کے چار سال کے طولانی عرصہ (۵۶ھ سے ۶۰ھ جب معاویہ مر گیا) تک کیلئے اٹھارہ کھاجس کی وضاحت آئندہ ابواب میں آئے گی۔

سبیل سکینہ

معاویہ کے بیعت یزید لینے کے بعد کیا ہوا

جیسا کہ بیان ہو چکا، بیعت یزید کے ماجرا کے بعد امام حسین نے نظام معاویہ اور یزیدی اعلانیہ مخالفت کا آغاز کیا اور حکومت امیر شام کے خلاف مسلح قیام کا ماحول تیار کرنے لگے، لہذا خصوصی یا عمومی مجالس و مجالس میں موقع پاتے ہی بنی امیہ کے مظالم کو لوگوں کے گوش گزار فرماتے تھے چنانچہ آہستہ آہستہ امام حسین کا بیت الشرف مرکز بن گیا ان محروموں، مظلوموں اور ستم زدہ لوگوں کا جن کے ناک میں دم آچکے تھے اور ان کی حکومت سے راضی نہ تھے۔ خاص طور پر عراق کے شیعوں کیلئے جو معاویہ کے گورنروں کی جانب سے انتہائی مظالم قتل کر چکے تھے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر معاویہ کے جاسوسوں نے امیر شام کو لکھ کر تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ممکنہ قیام کا خوف ظاہر کیا لیکن معاویہ ایک عجیب تذبذب میں گرفتار تھا اور نہیں جانتا تھا کہ حضرت سے ٹکر کس نوعیت کا لے، مگر ایک روز مروان بن حکم سے اس موضوع پر غور و خوض کیلئے خصوصی نشست رکھی اور امام حسین کے ساتھ کیا سلوک کرے، مشورہ کیا جس میں مروان نے کہا:

أَرَأَيْتَ أَنْ تُخْرِجَهُ مَعَكَ فِي الشَّامِ وَتَقْطَعَهُ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَتَقْطَعَهُمْ عَنْهُ "میرا مشورہ یہ ہے کہ کسی

طرح اس (حسین) کو اپنے پاس شام لے آؤ تاکہ اہل عراق کو ان سے اور ان کو اہل عراق سے جدا کر دو۔

حیدر آباد لطیف آباد، پرنٹ نمبر C1-۸

اس پر معاویہ نے کہا:

أَزِدْتُ وَاللَّهِ أَنْ تَسْتَرْيَحَ مِنْهُ وَتَتَلَيَّنِّي بِهِ ، فَإِنْ صَبَرْتُ عَلَيْهِ صَبَرْتُ عَلَى مَا كُفِّرُهُ وَإِنْ أَسَأْتُ عَلَيْهِ قَطَعْتُ رَحِمَهُ ” قسم بخدا مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو اپنی جان چھڑا کر مجھے مشکلات میں گرفتار کروانا چاہتا ہے، کیونکہ اگر میں ان کا مدارات کروں تو گویا اپنی پریشانی پر صبر کروں اور اگر ان سے بدی کروں تو قطع رحم انجام دوں گا۔“

ایک اور دوسری جگہ پر نقل ہوا ہے، جب مروان مدینہ کا گورنر تھا۔ ۲۹ مروان نے معاویہ کو خط لکھا:

”مجھے بتایا گیا ہے کہ عراق اور حجاز کے معزز حضرات، حسین بن علیؑ کے گھر رفت و آمد کر رہے ہیں جس پر یہ خیال ظاہر کیا جاسکتا ہے حسینؑ قیام کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن میری تحقیق بتاتی ہے کہ فی الحال ایسا نہیں کریں گے، مستقبل میں ان پر ایسا کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا، لہذا جتنا جلدی ممکن ہو خط کے ذریعے مجھے اپنے خیالات سے آگاہ کریں۔“

چنانچہ معاویہ نے جواب لکھا:

”تمہارا خط ملا کہ جس کے مضمون سے مجھے آگاہی ہوئی (اے مروان) حسین ابن علیؑ سے بچے رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی بات پر ان سے الجھ پڑو، دیکھو جب تک وہ کچھ نہ کہیں تم کسی قسم کا تعرض نہ کرنا کیونکہ جب تک وہ خاموش ہیں ہمیں خواہ مخواہ کشمکش کی ضرورت نہیں اس لئے کہ جب تک وہ بیعت کی پابندی میری حکومت میں کرتے ہیں اور کوئی تنازعہ نہیں کرتے میں ان سے تعرض نہیں کروں گا، لہذا جب تک کوئی چیز سب پر ظاہر نہ ہو جائے تم جو کچھ دیکھو چھپا کر رکھو۔“ ۳۰

انساب الاشراف میں نقل ہوا ہے مروان نے معاویہ کے نام ایک اور ذیل کے مضمون کا نام لکھا:

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ خُفِرَ اخْتِلَافُ النَّاسِ إِلَيَّ حُسَيْنٍ ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَدْرِي لَكُمْ مِنْهُ يَوْمًا غَصِيبًا ”یاودھانی کروانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حسین بن علیؑ کے پاس لوگوں کی رفت و آمد زیادہ ہو چکی ہے۔ قسم بخدا مجھے نظر آ رہا ہے کہ حسینؑ کے ہاتھوں آپ کا مستقبل خراب ہے۔“

معاویہ نے جواب لکھا:

۲۹ ابن اثیر اپنی کتاب کامل میں نقل کرتے ہیں کہ معاویہ نے ۴۹ ہجری میں مروان کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر کے سعید بن عاص کو وہاں منصوب کیا پھر ۵۴ ہجری میں سعید کو معزول کر کے دوبارہ مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا پھر ۵۷ ہجری میں اسے معزول کر کے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ کا والی بنایا اور یہی مرگ معاویہ تک یعنی ۶۰ ہجری تک مدینہ کا گورنر رہا۔

اَسْرَكَ حُسَيْنًا مَا تَرَى تَكُفُّ، وَلَمْ يَظْهَرْ لَكُمْ غَدَاوَتُهُ، وَيُذِصَفِّحَتُهُ، وَكُفُّوا عَنْهُ كُفُّوا النَّزْرَى "جب حسین تمہیں کچھ نہ کہیں اور تم سے اظہار دشمنی نہ کریں یعنی جب تک اپنا حقیقی موقف آشکار نہ کریں تم بھی انھیں اپنے حال پر چھوڑ دو البتہ ان کی تاک میں زمین کی رطوبت کی طرح بیٹھے رہو۔" ۳۱

امام حسینؑ کے نام معاویہ کا خط

اگرچہ معاویہ نے یہ سیاست اپنائی تھی کہ جہاں تک ہو سکے امام حسینؑ سے نرمی برتے، مگر اس جیسا دنیا پرست انسان ہمیشہ ایک وضع سیاست پر قائم نہیں رہ سکتا، لہذا منافقوں کی جانب سے پے در پے خطوط اور پیغاموں سے بچنا تھا۔ بالآخر امام کو اس مضمون کا خط تحریر کیا۔

"میں نے آپ کے بارے میں بہت سی باتیں سنی ہیں جو اگر صحیح ہیں تو مجھے آپ سے اس رویہ کی امید نہ تھی اور اگر جھوٹ ہیں تو یقیناً آپ کا ان باتوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے اس طرح آپ کا مقام بھی محفوظ رہے گا اور عہد و پیمان الہی پر بھی پابند رہیں گے، بنا برائیں اب کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس کے بدلے میں مجھے قطع رحم کرنا پڑے اور آپ کے خلاف بُرے اقدام لوں، کیونکہ اگر آپ میرا انکار کریں گے تو میں بھی وہی کروں گا اور اگر میری نسبت فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیا تو میں بھی تم۔ فریب کاری اور دھوکہ بازی کروں گا۔ پس اے حسین! مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے سے ڈرو۔

البتہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں: میں نے سنا ہے کہ آپ کو عراق کے چند لوگوں نے میرے خلاف دعوت قیام دی ہے، جبکہ آپ کے بابا اور بھائی کے ساتھ عراقیوں نے جو کچھ کیا اس کا آپ کو تجربہ ہے۔" ۳۲

امام حسینؑ کا دندان شکن جواب

پس امام حسینؑ نے معاویہ کو جواب لکھا: ۳۳

أَمَّا بَعْدُ: فَقَدْ بَلَغَنِي كِتَابُكَ تَذَكُّرِيهِ أَنَّهُ انْتَهَتْ إِلَيْكَ عَنِّي أُمُورٌ أَنْتَ عَنْهَا رَاغِبٌ وَأَنَا بَعِيرٌ هَاعِنْدَكَ جَدِيرٌ، وَأَنَّ الْحَسَنَاتِ لَا تَعْدَى لَهَا وَلَا يُسَاءُ ذَالِهَا إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى. أَمَّا مَا ذَكَرْتَ أَنَّهُ رَفَى إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّهُ أَسْمَأُ قَدَاهُ إِلَيْكَ الْمَلَافُونَ الْمَشَاءَ وَنَ بِالنَّمِيمَةِ، الْمَقْرُفُونَ بَيْنَ الْجَمْعِ، وَكَذَبَ الْغَاوُونَ، مَا أَرَدْتُ لَكَ حَرْبًا بِإِلَّا تَكُ الْقَسَاسِطِينَ حَرْبَ الظُّلْمَةِ. أَلَسْتُ الْقَاتِلَ خُجْرَيْنَ عَدِيٍّ أَخَا كِنَسَلٍ وَأَصْحَابَهُ الْمُضَلِّينَ الْعَابِدِينَ الَّذِينَ كَانُوا يَنْكُرُونَ الظُّلْمَ، وَيَسْتَعِظُمُونَ الْبِدْعَ، وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَا يَخَافُونَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً قَالِمٍ؟ قَتَلْتَهُمْ ظُلْمًا وَغَدْرًا، إِنَّا مَبْعُودٌ مَا أُعْطِيَهِمُ الْأَيْمَانُ الْمُعْطَلَّةُ الْمَوَاتِيْقِ الْمُؤَكَّدَةِ، جُرْأَةً عَلَى اللَّهِ وَاسْتِخْفَافًا بِعَهْدِهِ؟ أَوَلَسْتُ قَاتِلَ عُمَيْرِ بْنِ

الْحَقِيقُ الْخَزَاعِي صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ (ص) الْعَبْدُ الصَّالِحُ الَّذِي أَبْلَغَهُ الْعِبَادَةُ، فَحَلَّ جَسْمَهُ
وَاصْفَرَّ لَوْنُهُ؟ فَقَتَلَتْهُ بَعْدَ مَا آمَنَتْهُ وَأَغْطَيْتَهُ مَا لَوْ فَهَمَّتُهُ الْعِصْمَ لَنَزَلَتْ مِنْ رُؤُوسِ الْجِبَالِ؟ - أَوَلَسْتَ
بِمُدْعَى زِبَادِ بْنِ سُمَيَّةَ الْمَوْلُودِ عَلَى فِرَاشِ عَبِيدٍ تَقِيْفٍ، فَرَعَمْتَ أَنَّهُ ابْنُ أَبِيكَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ
اللَّهِ (ص): «الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ» فَتَرَكْتَ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ (ص) تَعْمُدُ وَتَبْعُ هَوَاكَ
بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ؟ ثُمَّ سَلَطْتَهُ عَلَى أَهْلِ الْإِسْلَامِ يَقْتُلُهُمْ وَيَقْعُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَيَسْمُلُ
أَعْيُنَهُمْ، وَيُصَلِّبُهُمْ عَلَى جُدُوعِ الْبَيْتِ، كَأَنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ الْأَمَّةَ وَلَيْسَ أَمْنُكَ؟ - أَوَلَسْتَ قَاتِلُ
الْحَضْرَمِيِّ الَّذِي كَتَبَ فِيهِ إِلَيْكَ زِيَادٌ أَنَّهُ عَلَى دِينِ عَلِيِّ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ، فَكَتَبْتَ إِلَيْهِ أَنْ أَقْتُلَ كُلَّ
مَنْ كَانَ عَلَى دِينِ عَلِيٍّ؟ فَقَتَلْتَهُمْ، وَمَثَلْتَهُمْ بِأَمْرِكَ؟ وَدِينَ عَلِيٍّ هُوَ دِينُ ابْنِ عَمِّهِ (ص) الَّذِي
أَخْلَسَكَ مَجْلِسَكَ الَّذِي أَنْتَ فِيهِ، وَلَوْ لَا ذَلِكَ لَكَانَ شَرَفُكَ وَشَرَفُ آبَائِكَ تَجَسَّمُ الرِّ
حْلَتَيْنِ رَحْلَةَ الشَّتَاءِ وَالصَّيْفِ! - وَقُلْتَ فِيمَا قُلْتَ: أَنْظِرْ لِنَفْسِكَ وَدِينِكَ وَلَا مَمَّةَ مُحَمَّدٍ (ص) وَاتَّقِ
شَقَّ عَصَاهُ لَا أَغْظَمُ لِنَفْسِي وَلِدِينِي وَلَا مَمَّةَ (ص) أَفْضَلَ مِنْ أَنْ أَجَاهِرَكَ، فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّهُ قُرْبَةٌ إِلَى
اللَّهِ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ فَاتَى اسْتَغْفِرَ اللَّهُ لِدِينِي، وَأَسْأَلُهُ تَوْفِيقَهُ لَا زَادَ إِامْرِي - وَقُلْتَ فِيمَا قُلْتَ: أَنِّي إِنْ
أَنْكَرْتُكَ تَنْكِرُنِي، وَإِنْ أَكْذَبْتُكَ تَكْذِبُنِي فَكَيْدُنِي مَا بَدَا لَكَ. فَاتَى أَرْجُو أَنْ لَا يَضُرَّنِي كَيْدُكَ وَأَنْ
لَا يَكُونَ عَلَيَّ أَحَدٌ أَضَرُّ مِنْهُ عَلَيَّ نَفْسِكَ، لِأَنَّكَ قَدْ رَكِبْتَ جَهْلَكَ وَتَخَرَّضْتَ عَلَى نَقْضِ
عَهْدِكَ وَلَعْنَى مَا وَفَّقْتَ بِشَرِّطٍ، وَلَقَدْ نَقَضْتَ عَهْدَكَ يَقْتُلُ هَؤُلَاءِ الْفُرَّادِيْنَ قَتَلْتَهُمْ بَعْدَ الصُّلْحِ
وَالْإِيمَانِ وَالْمُحَدِّدِ الْمَوَاقِفِ، فَقَتَلْتَهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُونُوا أَقَاتِلُوا أَوْ قَتَلُوا، وَلَمْ تَفْعَلْ ذَلِكَ بِهِمْ
الْإِلْدَارُ بِهِمْ فَضْلًا وَتَعْظِيمَهُمْ حَقَّقًا مَخَافَةَ أَمْرِ لَعْلَكَ إِنْ لَمْ تَقْتُلْتَهُمْ مَتَّى تَلْقَى أَنْ تَفْعَلُوا، أَوْ مَاتُوا أَقْبَلَ
أَنْ يَلْمُوكُوا - فَأَبَشِرْ بِأَمْعَاوِيَةَ بِالْقِصَاصِ، وَاسْتَيْقِنَ بِالْحِسَابِ، وَاعْلَمْ أَنَّ لِلَّهِ تَعَالَى كِتَابًا لَا يَغَادِرُ
صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا. وَلَيْسَ اللَّهُ بِأَبْلَاغَكَ بِالظُّنَّةِ وَقَتْلِكَ أَوْلِيَاءَهُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَنَفْيِكَ
أَيَّاهُمْ مِنْ دُورِهِمْ إِلَى دَارِ الْغُيُوبَةِ وَأَخَذِكَ النَّاسَ بِنِعَةِ ابْنِكَ الْغُلَامِ الْحَدِيثِ شَرِبَ
الشَّرَابَ، وَيَلْعَبُ بِالْكِلاِبِ مَا أَرَاكَ الْأَقْدَحِيْرَتِ نَفْسَكَ، وَبَثَرْتَ دِينَكَ، وَغَشَّشْتَ
رَعِيَّتَكَ وَسَمِعْتَ مَقَالَ السَّفِيهِ الْجَاهِلِ، وَأَخَفْتَ الْوَرَعَ النَّفْيَ!

”مجھے تمہارا خط جس میں تم نے میری طرف سے خبریں ملنے کا تذکرہ کیا ہے، موصول ہوا۔ تم نے
لکھا جو باتیں پہنچی ہیں ان کا کذب ہونا بہتر ہے اور میرا جو تمہارے نزدیک اس سے دور ہے تو
سنو! مجھے نیک کاموں میں خدا کے سوا کسی بھی ہادی کی ضرورت نہیں لہذا آپ ہدایت کی زحمت نہ
فرمائیں۔

میرے بارے میں کچھ اطلاعات پہنچائی گئی ہیں مجھے یقین ہے یہ کام چاہلوس افراد کا ہے جو چغل
خوری کر کے اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان گمراہ لوگوں نے جھوٹ کہا ہے میں تم سے جنگ

واختلاف کا قصد نہیں رکھتا، البتہ تم سے جنگ نہ کرنے کی صورت میں خداوند متعال سے سخت خائف ہوں، اس طرح تم اور تمہارے ظالم دوست جو کہ حزب ستمگار ہیں دونوں کی نسبت عذر خواہی سے بھی ڈرتا ہوں۔

❁ کیا تو حجر بن عدی کندی اور ان کے عابد و نماز گزار دوستوں کا قاتل نہیں ہے جنہوں نے ظلم کا انکار کیا، بدعتوں کو آشکار کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بخوبی انجام دینے کے علاوہ راہ خدا میں ملامتوں سے بے خوف تھے اور تو ہی نے انہیں ظلم و ستم اور دشمنی میں مارے، اس کے باوجود وہ تمام جھوٹی قسمیں اور وہ تاکید کے ساتھ عہد و پیمان باندھے۔

❁ کیا یہ سب خدا کے حضور وعدے کو سبک اور معمولی شمار کرنے کے علاوہ بارگاہ ایزدی میں جرأت کا اظہار نہیں ہے؟ کیا تو عمرو بن محرز کا قاتل نہیں جو صحابی پیغمبر اسلام اور خدا کا صالح بندہ تھا جس کا بدن عبادت کی وجہ سے لاغر اور رنگ زرد ہو چکا تھا اس صحابی رسول کو تو نے ایسے وعدے دو عید اور امان نامے دیئے تھے کہ اگر پہاڑی ہرنوں کو دیتا تو وہ بھی پہاڑ چھوڑ کر نیچے آجاتے۔

❁ کیا تو وہی نہیں جس نے زیاد بن سمیہ کو جو قبیلہ ثقیف میں عبید کے بستر پر متولد ہوا اپنے باپ ابوسفیان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا، جبکہ خود پیغمبر اسلام نے فرمایا: پیدا ہونے والا بچہ صاحب بستر کا شمار کیا جائے اور بدکار کی سزا پتھر ہے۔

❁ مگر تو نے عہد اسنت رسول کو ترک کیا اور من جانب اللہ ہدایت چھوڑ کر اپنے نفس کی پیروی کرتے ہوئے زیاد بن سمیہ کو مسلمانوں پر مسلط کیا، تا کہ قتل کرے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے، ان کی آنکھیں کھوپڑی سے نکالے اور ان کے جنازوں کو کھجور کے درخت پر لٹکا کر سولی دے۔ گویا تو اس امت سے نہیں اور یہ امت بھی تجھ سے نہیں۔

❁ اس کے علاوہ کیا تو اس مرد حضری کا قاتل نہیں جس کے متعلق زیاد نے تجھے خبر دی کہ وہ علی ابن ابی طالب کے آئین کا پیرو ہے، اس پر تو نے جواب دیا جو بھی آئین و دستورات علی پر قائم ہے اسے مار دو زیاد نے بھی اسے قتل کیا اور حکم کے مطابق اسکے ہاتھ، پیر اور ناک و کان کاٹے۔

❁ (اے محایہ!) علی ابن ابی طالب کا آئین و دستور تو وہی (ان کے چچا زاد بھائی) پیغمبر کا آئین ہے جس کی بدولت آج تو وہاں ہے جس جگہ تو بیٹھا ہے اگر یہ حالات نہ ہوتے تو تیری اور تیرے آباء و اجداد کی شرافت تمام تلاش، رنج و کوشش سردیوں اور گرمیوں میں کوچ کرنا اور انتہائی مشقتیں برداشت کرنا تھا۔ ۳۳

تم نے لکھا کہ اپنی نگرانی اپنے آئین کی نگرانی اور امت محمدیہ کا خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد اور اختلاف سے پرہیز کروں۔ سچ تو یہ ہے کہ میرے نزدیک اس امت کیلئے تیری حکومت سے بڑا کوئی فتنہ وجود نہیں رکھتا اور اس طرح اپنے دین و آئین اور امت رسول کی خاطر تیرے مقابل قیام کے علاوہ کوئی اور صورت بہتر نظر نہیں آتی چنانچہ اگر اس کام کو کر گزرا تو قرب الہی کا بہترین وسیلہ ہوگا ورنہ مجھے اپنے گناہ پر استغفار کرنا پڑے گا لہذا اس مہم کیلئے پروردگار عالم سے ہدایت و ارشاد کا طالب ہوں۔

تم نے لکھا تھا کہ اگر میں نے چالاکی سے کام لیا تو تم بھی میری نسبت مکر و فریب کا استعمال کرو گے، تو بس سنو! جیسا بھی انداز مکر و فریب نظر میں آئے تم میرے لیے انجام دو، مجھے امید ہے تمہاری کوئی حرکت میرے لیے نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ اس کا نقصان خود تمہارے اوپر پڑے گا کیونکہ تم جہل و نادانی کے مرکب پر سوار ہو اور اپنے پیمان شکنی کے حریص ہو۔

مجھے اپنی جان کی قسم تم نے جو بھی شرائط باندھے کسی ایک کی بھی پابندی نہیں کی، تم نے ان افراد کے قتل سے اپنے عہد کو توڑ ڈالا، تم نے صلح کے بعد سارے وعدے، قسم اور عہد و پیمان توڑے۔ ان لوگوں کو جبکہ انھوں نے نہ کسی سے جنگ کی اور نہ کسی کو قتل کیا تم نے بلا وجہ مار ڈالا۔ یہ کام فقط اس دلیل کے تحت کیا کہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حق کو عظیم جانتے تھے۔ تم اس چیز سے ڈر کر انھیں قتل کروا رہے تھے۔ شاید وہ اس سے پہلے ہی مر جاتے یا نہیں۔ ہو سکتا تھا تم پہلے مر جاتے۔

پس اے معاویہ!

تجھے قصاص مبارک ہو اور روز جزاء کے حساب پر یقین رکھو، جان لے! خدا کے نزدیک ایسی کتاب ہے جس میں اعمال کی ہر چھوٹی بڑی شے کو محفوظ کیا جاتا ہے لہذا خداوند متعال تجھے کبھی فراموش نہیں کرے گا کیونکہ تو نے لوگوں کو شک کی بنا پر گرفتار کیا اور اولیاء خدا پر تہمت لگا کر قتل کیا انھیں دور دراز بیابانوں میں جلا وطن کر دیا اور اپنے نوجوان، شراب خوار اور سگ بازی بیٹے کی لوگوں سے بیعت لے رہے ہو۔

اے معاویہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خود کو زیان اور خسران میں مبتلا اور اپنے دین کو نابود کر رہے ہو، تم نے اپنی حکومت کی زیر دست رعیت کو فریب و دھوکے میں رکھا اور حق و بے عقل لوگوں کی باتوں

خدا نے نبوی اصحاب نفل کی داستان میں یہاں قریش کو دی گئی نعمت کا ذکر کیا جو سب ہی کہہ سانی تجارتی قافلے تلاش معاش اور مناسب درآمد کیلئے گرمیوں میں شام اور سردیوں میں یمن کی جانب بھیجے جائیں۔

پرکان دھرتے ہو مگر پارسا اور صاحبان کردار کو خوف زدہ رکھا۔

امام نے اس خط کے ذریعے اپنے موقف کا اعلان کر دیا

امام حسینؑ اس تاریخی اور اہم خط کے ذریعے نہ فقط اس زمانہ کے لوگوں کیلئے بلکہ طول تاریخ کے تمام لوگوں کیلئے مندرجہ ذیل اہم امور کو واضح کر دیا:

۱۔ اب تک اموی سربراہ معاویہ کی جانب سے زیر تسلط خلافت کے گوش کنار میں یہ پروپیگنڈا کیا ہوا تھا کہ حسین بن علیؑ حکومت معاویہ اور اس کے تمام کاموں سے راضی ہیں کیونکہ وہ ان کے بھائی حسن کی صلح کی رو سے جو کچھ کر گزرے اس سے مخالفت نہیں رکھتے۔

لیکن امام حسینؑ نے اپنی اس تحریر کے ذریعے معاویہ اور اس کے رفقاء کی قطعی اور صریح مخالفت کا اعلان کر دیا ان کے تمام کاموں کوئی سوال لائے اور جرائم و تجاوزات پر سے پردہ اٹھایا اور کیونکہ امام نے خط لکھنے کے وقت تک نہ تو اپنی مخالفت کا اظہار کیا تھا اور نہ ہی معاویہ اور اس شرکاء کا رسے اعلان جنگ جس کیلئے خدا کے حضور استغفار اور اس سے خائف ہونے کو یوں بیان فرمایا:

وَإِنِّي لَأَخْشَى اللَّهَ فِي تَرْكِ ذَالِكَ مِنْكَ وَمِنَ الْإِعْذَارِ فِيمَا إِلَيْكَ

۲۔ امام نے اس خط کے ذریعے معاویہ کے کریہہ اور کفر آمیز چہرے سے پردہ اٹھایا، کیونکہ خط میں کئی مقامات پر اسے قاتل، ستمگار اور عہد شکن متعارف کیا ہے جو اپنے مخالفوں کو وعدوں، قسموں اور یقین دہانی کے بعد قتل کر دیتا ہے۔ اس طرح ایک جگہ یہ بھی ذکر فرمایا، معاویہ نے اعلانیہ اسلامی قوانین اور فرامین پیغمبرؐ جیسے: اَلْوَلَدُ لِلْغَيْرِ اِثْنِ وَ لِلْغَايِرِ الْخَبْرُ کی مخالفت کی ہے، تاکہ اس زمانے اور آئندہ کے لوگوں کے گوش گزار ہو جائے جو ابن حجر اور اس جیسے بیہودہ اور غلط گوئی کرنے والے لوگوں کیلئے بہترین جواب بھی ہو سکتا ہے، جن کی کوشش یہ رہی کہ معاویہ کو صحابی رسول اللہؐ اور اصول اسلام کا پابند بنا کر پیش کریں۔ بالآخر امام حسینؑ اسے رسول اللہؐ کی جگہ پر تنگی زن ہونے کی فریب کاری ایک طرف اور دوسری طرف حضور کے دین پر پابند نہ ہونے کے جرم میں لوگوں کے قتل کا ان الفاظ میں ذمہ دار قرار دیا: تَحْتَكَ لَسْتُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَيْسَ مِنْكَ گویا تو اس امت سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ لوگ تجھ سے ہے۔

۳۔ امام حسینؑ کو ڈرانے، دھمکانے اور رعب میں لینے کی سیاست نے راستہ کھول دیا اور حضرت کو خود معاویہ اور اس کے کارگزاروں کے بارے میں اعلانیہ مخالفت پر لے آیا اور اس کی حرکتوں کو برملا کیا اور اسے اس کی حکومت کے بارے میں اپنے موقف سے آگاہ کیا۔ حتیٰ یہ بھی فرمایا کہ مخالفت کا نتیجہ جنگ کی صورت میں ظاہر ہوگا:

وَأَنِّي لَا أَعْلَمُ فِتْنَةً أَعْظَمَ عَلَىٰ هَذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ وَلَا يَكُ عَلَيْهَا وَلَا أَعْظَمَ لِنَفْسِي وَلِدُنْيِي وَلَا أُمَّةٍ مُّحَمَّدٍ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ أَجَاهِرَكَ، فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّهُ فَرْتَةٌ إِلَى اللَّهِ“ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: فَكِدْنِي مَبْدَأَ لِكَ الْبَيْتِ أَظْهَرَ مَخَالَفَتِ بَرْنِي فَقَطَّ يَبِي خَطِّ نَبِي، بلکہ اس موضوع پر خصوصی خطاب، تقاریر اور عوامی سطح پر انشاء گری، اموال حکومت کو ضبط و استعمال کرنا اور معاویہ کو جنگ کی دعوت دینا (کہ جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے) اور وہ موارد ہیں جو امام حسینؑ اور معاویہ کی نسبت تاریخ میں موجود ہیں۔

امام اموال حکومت ضبط کر کے معاویہ کو عطا لکھا

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں خود لکھتے ہیں:

”ایک کاروان یمن سے معاویہ کیلئے مال لے جا رہا تھا، اس کا گزر مدینہ سے ہوا جو ابی امام حسینؑ نے حکم دیا:

اس مال کو ضبط کر لیا جائے اور محتاج و نیاز مند شیعہ اور کچھ حصہ اپنے خاندان میں تقسیم کر دیا جائے۔ بعد ازاں اس مضمون کا خط بنام معاویہ مرقوم فرمایا:

مِنْ السُّحْسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ غَيْرَ أَمْرٍ بَيْنَ الْيَمَنِ تَحْمِيلُ مَالٍ وَخُلْدٌ وَغَيْرُ أَطْيَبٍ إِلَيْكَ لِتَوْعُظَهَا خَزَائِنَ دِمَشْقٍ وَتَعْلُ بِهَا بَعْدَ النَّهْلِ بَنِي أَبِيكَ، وَأَنِّي احْتَجْتُ إِلَيْهَا فَأَخَذْتُهَا وَالسَّلَام

”یہ خط حسین بن علیؑ کی جانب سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔

اما بعد! یمن سے لباس، عطر، غنیمت اور دیگر اموال سے لدا ہوا ایک کاروان ہماری طرف سے گزر کر تمہاری طرف دمشق کے خزانے میں جمع کرنے کیلئے روانہ تھا، تا کہ تمہارے باپ کی اولاد اور تمہارے رفقاء یکے بعد دیگرے مستقبل میں اس سے عیاشی کر سکیں بہر کیف مجھے اس کی ضرورت تھی لہذا میں نے اسے رکھ لیا ہے۔ والسلام“ ۳۵

معاویہ بن ابی سفیان کے جواب سے قبل خود اس نامے میں موجود نکات کی جانب توجہ ضروری ہے۔ ۱۔ جیسا کہ گذشتہ خط میں ذکر کیا گیا تھا کہ امام حسینؑ معاویہ کی حکومت کو باقاعدگی کا مقام نہیں دیتے تھے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کا ذمہ دار تسلیم کرتے تھے، لہذا برخلاف دوسروں کے جنھوں نے خطابات اور ناموں میں اسے امیر المومنین کے لقب سے خطاب کیا، آپ نے اس عنوان سے ذکرنا درست اور ناحق جانا۔

۲۔ امام اس خط کے ذریعے معاویہ کی بدینتی اور بے تقویٰ ہونے کو خود اس پر بلکہ تمام انسانوں پر اس

طرح آشکار فرما رہے ہیں: بیت المال کو مسلمانوں، مجاہدوں اور دیگر واقعی حقداروں کے بجائے اسے دشق کے خزانوں میں اسی لیے جمع کر رہا ہے، تاکہ تیرے بھائی اور رشتے دار عیش کریں، جبکہ ان اموال کے اصل حقدار محتاج و نیاز مند خاص طور پر مدینہ کے ضرورت مند جو رسول اللہ کے حقیقی پیروکار ہیں۔

۳۔ امام حسین نے اس عمل سے خلافت معاویہ کو لوگوں کے آگے غیر شرعی اور عاصیانہ قرار دیا۔ اس طرح ثابت کر دیا کہ اسے خراج، زکات اور دیگر واجبات اخذ و خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ یہ سب حاکم شرعی کی ذمہ داری ہے اور وہ خود حضرت ہیں جنہیں اموال بیت المال کو اسلامی دستورات کے مطابق خرچ کرنے کا حق ہے، چنانچہ خط کے جواب میں معاویہ نے شاید خود کو امیر المومنین اور حاکم شرعی ثابت کرنے کی سعی و تلاش تو کی مگر وہ غافل تھا کہ اس کا کردار امام کے فعل و گفتار کو بے اثر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح امیر شام تاریخ کے ہونے والے اس فیصلے سے بھی بے خبر تھا کہ جہان انسانیت حسین بن علی کے اقوال و اعمال کو صحیح و غلط کی جانچ کیلئے معیار کے طور پر قرار دے گا جبکہ گفتار و کردار معاویہ کو جھوٹ فریب، زبردستی، ظلم و تجاوز جیسے عناوین کے ذریعے یاد کیا جائے گا۔

بہر حال معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت امام حسین کے نام خط کا جواب تحریر کیا:

جواب کا مختصر ترجمہ یہ ہے:

”امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان کی جانب سے حسین بن علی کے نام (حسین!) تمہارا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا، یمن سے شام جانے والا کاروان جو ہمارے لیے مال و اسباب لا رہا تھا مدینہ سے گزرنے لگا تو تم نے اسے ضرورت کی وجہ سے ضبط کر لیا ہے، جبکہ اس مال و دولت کا مجھ تک پہنچ کر میرے ہی ہاتھوں سے خرچ ہونا شکستہ تر تھا، کیونکہ اس مال کو والی ہی اخذ و خرچ کر سکتا ہے، البتہ اگر میرے پاس آ پہنچتا تو میں بھی تمہارے حق کی ادائیگی میں بخل سے ہرگز کام نہ لیتا مگر میرا خیال ہے کہ تمہارے سر میں شور و انقلاب کی گرمی بھری ہوئی ہے۔ خیر اچھا ہی ہوا یہ واقعہ میرے ہی زمانے میں وقوع پذیر ہوا کیونکہ میں تو تمہاری قدر جانتے ہوئے درگزر کر رہا ہوں پر ذرا بات کا ہے کہ تمہارا واسطہ کسی ایسے فرد سے نہ پڑ جائے جو اونٹنی کا دودھ دھونے کے برابر بھی مہلت نہ دے۔“ ۳۶

منیٰ میں عظیم اجتماع سے خطاب
سلیم بن قیس کی کتاب میں نقل ہوا ہے:

معاویہ کی موت سے ایک سال قبل جب امام حسینؑ، عبداللہ بن عباسؑ اور عبداللہ بن جعفر حج پر گئے تو آپ نے منیٰ میں موجود صلاح میں معروف اصحاب و تابعین کو ایک خیمے میں اجتماع کی دعوت دی چنانچہ جب آپ کا دستور ملا تو سات سو تابعین سے زیادہ اور تقریباً دو سو اصحاب رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے۔ امام حسینؑ ان کے درمیان کھڑے ہوئے، مجمع سے حمد و ثنائے پروردگار کے بعد یہ خطاب فرمایا:

اَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ هَذِهِ الطَّاعِيَةُ قَدْ فَعَلَ بِنَاوِشِيْعِنَا مَا قَدَّرَ أَنْتُمْ وَغَلِمْتُمْ وَشَهِدْتُمْ، وَأَتَى أُرَيْدَانُ أَسْأَلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَإِنْ صَدَقْتُ فَصَلِّ قَوْلِي، وَإِنْ كَذِبْتُ فَكَلِّبُونِي، اَسْمِعُوا مَقَالَتِي وَاسْتَمُوا لِي، ثُمَّ ارْجِعُوا إِلَى أَنْصَارِكُمْ وَقَبَائِلِكُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ وَوَقَفْتُمْ بِهِ فَأَذْغُوهُمْ إِلَى مَا تَعْلَمُونَ فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَنْدَرَسَ هَذَا الْحَقُّ يَنْهَبُ، وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَوَكْرَهُ الْكَافِرُونَ. قَالَ الرَّاوِيُّ فَمَا تَرَكَ الْحُسَيْنُ شَيْئاً مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِمُ الْإِتْلَاءَ وَفَسَّرَهُ، وَلَا شَيْئاً مِمَّا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ فِي أَبِيهِ وَآخِيهِ وَأُمِّهِ وَفِي نَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ الْأَرْوَاحِ، وَفِي كُلِّ ذَلِكَ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ: اللَّهُمَّ نَعِ قَدَسْمِغْنَا وَشَهِدْنَا وَمِمَّا نَشَدُّهُمْ (ع) أَنْ قَالَ: أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَتْ آخِرُ رَسُولِ اللَّهِ حِينَ آخَى بَيْنَ أَصْحَابِهِ، فَأَخَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ نَفْسِهِ، وَقَالَ أَنْتَ أَخِي وَأَنَا أَخُوكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ، قَالَ: أُنْشِدْكُمْ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ اشْتَرَى مَوْضِعَ مَسْجِدِهِ وَمَنَازِلِهِ فَأَبْنَاهُ ثُمَّ ابْنَى فِيهِ عَشْرَ مَنَازِلَ تَسْعُهُ لَمْ يَجْعَلْ عَاشِرَ هَافِي وَسَطِهَا لِأَبِي، ثُمَّ سَدَّ كُلَّ بَابٍ شَارِعَ إِلَى الْمَسْجِدِ غَيْرَ بَابِهِ، فَتَكَلَّمُ فِي ذَلِكَ مِنْ تَكَلَّمَ، فَقَالَ: مَا نَأْسَدُذْتُ أَبْوَابَكُمْ وَفَتَحْتُ بَابَهُ، وَلَكِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِسَدِّ أَبْوَابِكُمْ وَفَتْحِ بَابِهِ، ثُمَّ نَهَى النَّاسَ أَنْ يَأْتُوا فِي الْمَسْجِدِ غَيْرَهُ وَمَنْزِلَهُ فِي مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ قَوْلَ لِرَسُولِ اللَّهِ وَلَهُ فِيهِ أَوْلَا؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. "أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَرَصَ عَلَى كُرْئِهِ فَقَدْ جَرَّ عَيْنِيهِ يَدْعُهَا فِي مَنْزِلِهِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَبَى عَلَيْهِ، ثُمَّ حَبَّ فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ مَسْجِدًا طَاهِرًا لَا يَسْجُكُهُ غَيْرِي، وَغَيْرُ أَخِي وَبَنِيهِ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ: أَنْتَ مِنِّي تَسْمُرُ لِي هَارُونَ مِنْ مُوسَى، وَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ حِينَ دَعَا النُّصَارَى مِنْ أَهْلِ نَجْرَانَ إِلَى الشُّبَاهِلَةِ لَمْ يَأْتِ إِلَيْهِ، وَبِصَاحِبَتِهِ وَابْنَتَيْهِ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ دَفَعَ إِلَيْهِ الْوَلَاءَ يَوْمَ خَيْبَرٍ، ثُمَّ قَالَ: لَا دَفْعَةَ إِلَيَّ رَجُلٍ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كَرَارًا غَيْرَ فَرَارٍ فَيَفْتَحُهَا اللَّهُ عَلَيَّ يَدِي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ بَعَثَ بِأَبِيهِ وَقَالَ لَا تَبْلُغْ عَنِّي إِلَّا مَا أَوْزَجَلُ مِنِّي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَنْزِلْ بِهِ شِدَّةٌ قَطُّ إِلَّا قَدَّةً لَهَا: نَفَقَةٌ بِهِ، وَأَنَّهُ لَمْ يَدْعُهُ بِاسْمِهِ قَطُّ، إِلَّا يَقُولُ يَا أَخِي! قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أُنْشِدْكُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَضَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ جَعْفَرٍ وَزَيْدٍ فَقَالَ: يَا عَلِيُّ أَنْتَ مِنِّي

سے متابعین اسے کہا جاتا ہے جس نے خود رسول اللہ کو درک نہیں کیا ہو، بلکہ اصحاب پیغمبر کے ہمراہ رہے ہوں، جبکہ صحابی اسے کہتے ہیں جس نے حضور مقبول کو درک کیا اور ان کی زیارت کی ہو۔

وَأَسْأَلُكَ وَأَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ مَوْءٍمٍ بَعْدِي؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أَسْأَلُكَ أَنْتَ عَلَّمْتُمْ أَنْتَ كَانَتْ لَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ كُلَّ يَوْمٍ حُلْوَةٌ، وَكُلَّ لَيْلَةٍ دَخْلَةٌ، إِذَا سَأَلَ أَغْطَاهُ، وَإِذَا سَأَلَ أَبَدَاهُ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. أَسْأَلُكَ بِاللهِ أَنْتَ عَلَّمْتُمْ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ فَضَّلَهُ عَلَى جَعْفَرٍ وَحَمَزٍ وَحِينَ قَالَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ: رَوْحُكَ خَيْرٌ أَهْلِي بَنِي، أَقْدَمَهُمْ سَلَامًا وَأَعْظَمَهُمْ عِلْمًا؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. فَلَمْ يَدْعُ ع) شَيْئًا أَنْزَلَهُ اللَّهُ فِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ خَاصُّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ لِسَانِ بَيْتِهِ الْأَنَاسِلُ لَهُمْ فَيَتَمُولُ الصَّخَابَةِ: اللَّهُمَّ نَعَمْ قَدْ سَمِعْنَاهُ، وَيَقُولُ اتَّابِعْ: اللَّهُمَّ نَعَمْ، قَدْ حَدَّثَنِي مَنْ أَتَى بِهِ فَلَانٌ وَفَلَانٌ. ثُمَّ نَاسَلَهُمْ أَنَّهُمْ قَدْ سَمِعُوهُ (رَسُولُ اللَّهِ) يَقُولُ: مَنْ رَعِمَ أَنَّهُ يُجَنِّبُنِي وَيَبْغِضُ عَلِيًّا، فَقَدْ كَذَبَ؟ لَيْسَ يُجَنِّبُنِي وَيَبْغِضُ عَلِيًّا، فَقَالَ لَهُ قَاتِلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، بَوَكَيفَ ذَلِكَ؟ قَالَ: لِأَنَّهُ مَنَى وَأَنَامَهُ مَنَى أَحَبُّهُ فَقَدْ أَحْبَبْنِي وَمَنْ أَحْبَبْنِي فَقَدْ أَحَبَّ اللَّهَ، وَمَنْ أَبْغَضَهُ فَقَدْ أَبْغَضَنِي وَمَنْ أَبْغَضَنِي فَقَدْ أَبْغَضَ اللَّهَ؟ قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ. قَدْ سَمِعْنَاهُ وَتَفَرَّقُوا عَلَى ذَلِكَ

”حمد وثنائے الہی کے بعد!

تحقیق اس سرکش انسان نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ کیا کیا آپ حضرات بخوبی واقف ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھنے پر گواہ بھی ہیں، اب میں آپ حضرات سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر سچ کہوں تو ضرور تصدیق فرمائیں اور اگر غلط گوئی ہو تو اس کی ضرورت تکذیب کریں، البتہ میری باتوں کو غور سے سماعت فرما کر اسے مخفی اور پوشیدہ رکھیں اور جب اپنے لوگوں میں واپس جائیں تو جن پر آپ کا اعتماد ہوا انہیں حقیقت سے آشنا کریں، کیونکہ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں حق کو پرانا گردان کر ختم نہ کر دیا جائے البتہ خدا اپنے نور کا محافظ ہے اگرچہ کافروں کو یہ بات گراں ہی کیوں نہ گزرے۔

پھر امام نے وہ تمام آیات جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہیں تلاوت اور تفسیر بیان فرمائی اور اس طرح پیغمبر کی وہ روایات جو آپ کے والد حضرت علی اور والدہ فاطمہ زہرا اور خود آپ کے بارے میں تھیں بیان فرمائیں۔

ہر ایک پر تمام حاضرین اور اصحاب نے تصدیق کی اور کہا: قسم بخدا ہم نے یہ سب کچھ سنا ہے اور گواہ رہے۔ میں تم سے قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا علی بن ابی طالب وہی نہیں جنہیں رسول اللہ نے عقد اخوت کے موقع پر جب تمام اصحاب کو ایک دوسرے کا بھائی بنا رہے تھے تو انہیں اپنا بھائی فرمایا، اس وقت حضورؐ نے فرمایا: ”اے علی! دنیا و آخرت میں تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی ہوں۔“

سب یک زبان ہو کر بولے! قسم بخدا سچ ہے۔

قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، رسول اللہؐ نے اپنی مسجد اور ساتھ دس گھروں کیلئے زمین مول لے کر مکانات تعمیر کروائے جن میں سے نواپنے لئے اور ایک میرے والد کیلئے مختص فرمایا۔

اس کے بعد مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو مسدود کروایا مگر ان کا دروازہ کھلا رہنے دیا، چنانچہ یہ واقعہ سبب بنا کہ بہت سے لوگوں نے زبان اعتراض کھولی۔ بس اس وقت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہارے دروازوں کو بند اور اس کے دروازے کو کھلا رہنے کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ یہ خدا ہے جس نے تمہارے دروازوں کو بند اور اس کے دروازے کو کھلا رہنے کا دستور صادر فرمایا ہے اور فرمایا ان کے علاوہ آج کے بعد کوئی مسجد میں سونے کا حق نہیں رکھتا، اے لوگو! ان کا گھر رسول اللہؐ کے گھر میں تھا، چنانچہ ان کی اور رسول اللہؐ کی اولاد اس مقدس مقام پر متولد ہوئی؟

سب ایک زبان ہو کر گویا ہوئے، قسم بخدا تصدیق کرتے ہیں۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا عمر بن خطابؓ نے دو آنکھوں کے برابر اپنی ایک چھوٹی سی کھڑکی مسجد کی طرف کھلوانے کی تمام تر کوشش نہ کی؟ مگر رسول اللہؐ نے اجازت نہ دیتے ہوئے خطبہ ارشاد فرمایا: بلا شبہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ مسجد کو پاکیزہ قائم رکھو، لہذا میرے علاوہ فقط میرے بھائی اور اس کی اولاد مسجد میں رہ سکتی ہے؟

سب ایک زبان ہو کر بولے، قسم بخدا ہم تصدیق کرتے ہیں۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو پیغمبر اسلامؐ نے انھیں غدیر خم کے روز منصوب فرمایا اور بلند آوازوں کی ولایت کا اعلان فرمایا حتیٰ حاضرین کو حکم دیا کہ غائبین تک اس اعلان کی اطلاع پہنچادیں۔

سب نے خدا کی قسم کھا کر تصدیق کی۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، رسول اللہؐ نے غزوہ تبوک میں فرمایا: تمہارا مقام میری نسبت ویسا ہی ہے جیسے ہارون کا موسیٰ سے ہے، تم میرے بعد ہر مومن پر ولی اور فرمانروا ہو؟

سب نے تصدیق کا اظہار کیا۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، پیغمبر اسلامؐ نے جب نجران کے نصاریٰ کو مہبلہ کی دعوت دی تو اپنے ہمراہ انھیں، انکی زوجہ اور دو فرزندوں کے علاوہ کسی اور کو نہ لائے؟

سب نے تصدیق کا اظہار کیا۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، حضرتؑ نے روز خیبر پر چم جنگ ان کے ہاتھوں میں یہ کہہ کر دیا، یہ علم اس مرد کو دوں گا جسے خدا اور اس کا رسولؐ دوست رکھتے ہوں گے اور وہ بھی خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا، وہ ایسا حملہ آور ہے جس کے فرار کا تصور نہیں، چنانچہ خداوند متعال نے انہی کے ہاتھوں کا میا بی نصیب فرمائی؟

سب گویا ہوئے ہم تصدیق کرتے ہیں۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، رسول اللہؐ نے انھیں سورۃ برأت کی تبلیغ کیلئے یہ فرما کر روانہ کیا اس کو بجز میرے یا وہ مرد جو مجھ سے ہو کوئی ابلاغ نہیں کرے؟
سب نے تصدیق کا اظہار کیا۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو حضورؐ پر جو بھی سختی اور دشواری وارد ہوئی تو آپؐ اسے دفع کرنے کیلئے انتہائی وثوق و اعتماد کے ساتھ علی بن ابی طالب کو روانہ فرماتے اور آپؐ نے کبھی انھیں بھائی کے علاوہ نام لے کر نہیں پکارا اور فرماتے تھے میرے بھائی کو لے آؤ؟
سب نے تصدیق کی، ہاں!

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اکرمؐ نے ان کے اور جعفر وزید کے درمیان قضاوت کی تو ان سے فرمایا، اے علی! تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور میرے بعد ہر مومن کے دلی اور فرمانروا ہو؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا جی ہاں۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ علی ابن طالب کو ایک اہم امتیاز حاصل تھا وہ ہر روز رسول خداؐ سے خصوصی ملاقات کرتے اور ہر شب حضرتؐ کے خاص دیدار کو تشریف لے جاتے وہ حضرتؐ سے جو شے مانگتے فوراً انھیں مل جاتی تھیں اگر انھیں چپ لگ جاتی تو حضرت ان سے آغاز سخن فرماتے؟

سب نے جواب دیا، ہم تصدیق کرتے ہیں۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو رسول اللہؐ نے علی بن ابی طالبؓ کو حضرت جعفرؓ، حمزہؓ پر فاطمہ زہراءؓ سے ازدواج کے وقت یہ فرما کر برتری عطا کی، اے فاطمہ! میں اپنے خاندان کے بہترین انسان سے تمہارا عقد کر رہا ہوں جو اسلام کے اعتبار سے سب پر مقدم حلم و بردباری میں دوسروں سے افضل اور علم و دانائی میں تمام لوگوں سے زیادہ دانشمند ہے؟

سب نے تصدیق کی، ہاں!

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: میں آل آدم میں زیادہ اہمیت کا حامل ہوں میرا بھائی علیؓ آقا و سردار عرب ہے، فاطمہؓ زنان بہشت کی سردار ہیں اور حسنؓ و حسینؓ اہل بہشت کے سید و سردار ہیں؟

جواب دیا ہاں!

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو رسول اللہؐ نے علی بن ابی طالبؑ کو بعد از رحلت اپنے غسل پر مامور فرمایا اور ان سے فرمایا: علی میرے غسل میں جبرئیل تمہاری مدد کریں گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا جی ہاں سچ ہے۔

✽ قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو، رسول اللہؐ نے ظاہری زندگی کے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا: میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور میری عترت اہل بیت پس ان سے تمسک رکھنا تا کہ ہر گز گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔ سب نے جواب دیا: خدا کی قسم ہاں!۔

الغرض حضرت امام حسینؑ نے اس محفل میں جو قرآنی آیات اور روایات پیغمبرؐ، حضرت علیؑ اور آل علیؑ کی فضیلت میں ارشاد فرمائی تھیں کسی کو فرو گزار نہ کیا اور ہر ایک پر انھیں قسم دے دے کر شہادت طلب کی جس پر تمام اصحاب نے گواہی دی، جبکہ تابعین حضرات نے فرمایا: جی ہاں اعتماد و وثوق کے قابل فلاں فلاں صاحبان نے ہم سے یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔

✽ تب امام حسینؑ نے قسم دے کر پوچھا کیا تم نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا: جو یہ گمان کرے کہ میرا دوست دار ہے مگر علیؑ سے نفرت کرے وہ جھوٹا ہے، کیونکہ ایک ہی وقت مجھ سے محبت اور علیؑ سے نفرت ناممکن ہے، چنانچہ محفل رسولؐ میں موجود ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہؐ یہ کیونکر ممکن ہے؟ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں جو بھی اس سے پیار کرے بلاشبہ مجھ سے پیار کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرے گویا خدا سے محبت کرتا ہے، اسی طرح جو اس سے دشمنی اور بغض رکھتا ہو یقیناً وہ مجھ سے دشمنی اور نفرت کرتا ہے اور یہ واضح سی بات ہے جو مجھے مبغوض رکھے وہ خدا کا دشمن ہے۔

سب نے کہا قسم بخدا ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کو بھی سنا ہے۔
خطاب ختم ہونے پر تمام اصحاب و تابعین منتشر ہو گئے۔

امام حسینؑ سے نقل ہونے والے گزشتہ خط اور اس خطاب سے جو معاویہ کی موت سے ایک سال قبل واقع ہوا صاف ظاہر ہوتا ہے، جس طرح امام نے بار بار اپنے اصحاب اور یاران سے تذکرہ کر چکے تھے اس وقت مسلمانہ قیام کو مصلحت نہیں سمجھتے تھے اور معتقد تھے جب تک معاویہ زندہ، اگر آپ قیام کریں چاہے مارے جائیں یا زندہ رہیں معاویہ کے فریب کارانہ، جھوٹے، مسموم اور خلاف واقع تبلیغات کے بم باری میں امام کی تحریک بیہودہ، بے ثمر اور مطلوبہ نتیجہ نہیں بخشنے گا۔

مگر ان تمام کے باوجود امام اس دور میں بھی مناسب موقع پاتے ہی بہت سے سر بستہ رازوں کو افشاء اور

عوام کو حقیقت حال سے آشنا اور بے دریغ اپنی ذمہ داری پر عمل کرتے ہوئے انھیں متوقع خطرات سے ہوشیار فرماتے رہے۔

مرگ معاویہ

طبری اور دوسروں نے ۶۰ ہجری کے حوادث میں لکھا ہے، اس سال ماہ رجب میں معاویہ کی موت واقع ہوئی اس نے انیس سال اور چند ماہ خلافت کی تھی کہ پچھتر (۷۵) سال یا زیادہ عمر میں موت آگئی۔ تاریخ کا بیان ہے وہ آخر ایام میں اپنے کیے ہوئے اعمال جن میں خاص طور پر حجر بن عدی کے قتل پر جو اس کے حکم سے ہوا تھا بظاہر پریشان حال تھا، لہذا اس نے ان جملوں کو کئی بار دہرایا:

وَيْلِي مِنْكَ يَا خُجْرَانُ لِي مَعَ ابْنِ عَدِي لِيَوْمًا طَوِيلًا "اے حجر! تیرے قتل کی وجہ سے مجھ

پر وائے ہو بلاشبہ پسر عدی کے مقابل (عدل الہی میں) طویلانی دن گزارنا پڑے گا۔" ۳۹ اور ابن اثیر کی کامل التواریخ کے مطابق، معاویہ نے وصیت کی:

"مرنے کے بعد میرے ذاتی اموال میں سے آدھا مال بیت المال کے خزانے میں جمع کروادیا جائے تاکہ باقی ماندہ دولت پاک ہو جائے۔" ۴۰

اسی طرح ایک اور مقام پر نقل ہوا ہے، معاویہ نے ہنگام مرگ وصیت کی:

"میں نے رسول اللہ کا عطا کردہ پیرا بن اور آپ کے تراشے ہوئے ناخن جنھیں میں نے جمع کیا تھا نہایت حفاظت کے ساتھ رکھے ہیں، لہذا پس از مرگ اس پر اہن کو مجھے پہنایا جائے اور ناخن پس کر چشم و دھان پر بکھیر دیا جائے شاید خدا اسی کی برکت سے مجھ پر رحم کرے۔" ۴۱

مؤلف لکھتے ہیں:

اس سے قطع نظر کہ یہ نقل اور روایات معتبر سند نہیں رکھتیں۔ اگر بفرض محال یہ بات صحیح بھی ہو تب بھی ایک سوال سامنے آتا ہے، کیا رسول خداؐ نے جو پیرا بن معاویہ کو دیا یا حضرت کے ناخن معاویہ کو قتل و غارتگری اور بے تحاشہ جرائم کے مقابل عذاب الہی سے نجات کا سبب بن سکتے ہیں؟!

یہ بات تو تاریخ، روایات اور واقعات میں کہنہ ہو چکی ہے، ایسی ندامت، پریشان حالی اور پشیمانی تاریخ اسلام کے بہت سے شتمگروں، ظالموں اور بے رحم انسانوں کو ہنگام مرگ لاحق ہوتی ہیں جس کا ایک نمونہ معاویہ کے ہم نشین شتمگر عمرو بن عاص کی اختتام زندگی میں نظر آتا ہے جو زندگانی امیر المومنین کی جلد دوم میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، لہذا قرآن مجید میں موجود اقوال الہی اور اہل سنت کے بہت سے بزرگ علماء کے اقوال ایسی پشیمانی کو بے شمار کرتے ہیں البتہ ہم نے اثبات کی ہے کہ ہنگام مرگ ایسی توبہ گویاں بے سود ہوا کرتی ہیں۔ ۴۲

مرتے وقت یزید کو معاویہ کی وصیت ابن اثیر اور طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، جب معاویہ کی موت نزدیک آئی تو اپنے بیٹے یزید کو بلا کر کہا:

”اے میرے بیٹے میں نے تمام سخت امور اور نشیب و فراز تیرے لیے ہموار کر دیئے ہیں اور بہت سے کام سنوار دیئے اسی طرح دشمنوں کو تیرے لیے رام اور عرب گروہ کو تیرے لیے خاضع بنا دیا ہے، جبکہ کوئی کسی کیلئے ایسا نہیں کرتا اب اہل حجاز کو خاص اہمیت دینا تیرا کام ہے جو تیرے لیے اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، لہذا اگر ان میں سے کوئی ملاقات کو آئے تو ان کا اکرام ضرور کرنا اور اگر کوئی غائب و پنہان ہو تو اس کی احوال پر سی کرنا۔

اہل عراق کا خاص خیال رکھنا اگر وہ تم سے ہر روز حاکم کی معزولی چاہیں تو یقیناً اس کام کو کرنا کیونکہ فرمانروا کو عزل کرنا تجھ پر لاکھوں تلواروں کے کھینچنے سے زیادہ آسان ہے، اہل شام کے بارے میں بھی خاص توجہ دینا یہ تیرا حفاظتی سرمایہ اور ذخیرہ بنے رہیں، تاکہ اگر اپنے دشمن کے ارادے خراب دیکھو تو ان سے مدد لینا، البتہ انھیں جنگ تمام ہونے کے بعد فوراً شام روانہ کر دینا کیونکہ اگر دوسرے شہر میں رہ گئے تو ان کا اخلاق تبدیل ہو جائیگا۔

مجھے امر خلافت میں نزاع کا کسی سے خوف نہیں، بجز چار حضرات: حسین بن علی، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے، لیکن عبد اللہ بن عمر ایسا عبادت گزار انسان ہے جسے عبادت نے آرام طلب بنادیا ہے، لہذا سب کی بیعت کا سن کر وہ بھی بیعت کر لے گا اور حسین بن علی ایک خوددار انسان ہے جسے اہل عراق نہیں چھوڑیں گے اور قیام پر ضرور ابھاریں گے اگر اس نے قیام کیا اور تو اس پر غالب آ گیا تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ صلہ رحمی اور عظیم حق اور پیغمبر اسلام سے زیادہ نزدیک رشتہ داری میں ہیں اور ان کی جانب سے (لوگوں پر) حق رکھتا ہے، جبکہ عبد الرحمن بن ابی بکر وہی کرے گا جو اسکے دوست کریں گے، اسے عورتوں اور لہو و لعب کے علاوہ کسی سے سروکار نہیں رہا عبد اللہ بن زبیر تو وہ شیر کی طرح تو حملہ کرے گا اور لومڑی کی مانند تجھے فریب دے گا، لہذا اگر اس نے ایسا کیا اور تو غالب آ گیا تو اسکے ایک ایک ساتھی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا، اس کے لوگوں کا جتنا خون بہا سکو بہا دینا۔ ۳۳

یہ تھا وہ وصیت نامہ کا متن جسے تاریخ نویسوں نے نقل کیا ہے، جبکہ بہت سے اہل نظر اور تحقیق اس کے جعلی اور خود ساختہ ہونے پر خود متن سے شواہد پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے، وصیت نامہ بنانے والوں کا ہدف معاویہ کے حلم اور اس کی بردباری، اہل حجاز اور خاندان رسول اللہ کے ساتھ احسان و نیکی کرنے کی

مثال پیش کرنا تھی، تاکہ یزید کے جرائم کا بوجھ معاویہ اور اس کے بے شرم خاندان کے کاندھوں سے اٹھایا جاسکے، اسی طرح کی اور بہت سی خود ساختہ روایات مختلف کتابوں میں نقل ہوئی ہیں جن کا یہاں نقل کرنا ضروری نہیں۔ ۳۴

وصیت نامے کے جعلی ہونے پر مندرجہ ذیل چند امور شواہد کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ اس وصیت نامے میں محمد بن ابی بکر کا نام آیا ہے، جبکہ تاریخ گواہ ہے کہ انھیں کئی سال پہلے خود معاویہ کی سازش کا شکار بنا کر اس جہان سے رخصت کر دیئے گئے تھے۔

۲۔ طبری، ابن اثیر اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ یزید مرگ معاویہ کے وقت شام میں موجود نہ تھا، بلکہ ہواریں نامی سرزمین پر زندگی گزار رہا تھا جہاں اسے بیماری یا موت کی خبر سنائی گئی تھی، تاکہ وہ جلد از جلد شام لوٹ آئے جبکہ وصیت نامے کی ابتداء میں آیا ہے کہ معاویہ نے یزید کو اپنی بالین پر بلا کر مذکورہ وصیت کی، لہذا شاید اسی وجہ سے ابن اثیر نے وصیت نامے کے بعد لکھا ہے، بعض کہتے ہیں معاویہ نے وصیت نامہ دو افراد ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کے سپرد کیا، تاکہ وہ یزید تک پہنچا دیں۔

۳۔ اہل جاز کے ساتھ نیکی اور احسان کی سفارش دوسری اور روایات سے تردید کرتی ہے جنھیں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ معاویہ نے یزید سے کہا: آخر الامر اہل مدینہ تیری مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں گے، لہذا اگر ایسا ہو تو انھیں کچلنے کیلئے مسلم بن عقبہ کو جو ہمارا بابت اعتماد آدمی ہے روانہ کر دینا۔ ۳۵

اہل مطالعہ خوب جانتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ وہ جلا واد اور خونخوار آدمی ہے جس نے یزید بن معاویہ کے حکم پر شہادت امام حسینؑ کے بعد اہل مدینہ کو واقعہ ”حزہ“ میں سرکوب کرنے کیلئے مرقہ پیغمبرؐ کے نزدیک مدینہ جیسے مقدس شہر کے لوگوں پر وہ مظالم روا رکھے جسے نقل کرنے سے قلم شرمسار ہے۔

۴۔ اسی طرح اہل عراق کے بارے میں سفارش کا وہ جملہ جس میں کہا گیا: اگر وہ کسی گورنر کو معزول کرانا چاہیں تو اسے فوراً عزل کر دیں، دیگر نقل ہونے والی روایات سے تناسب نہیں رکھتا، کیونکہ خود معاویہ نے یزید سے عبید اللہ بن زیاد کو عراق کا گورنر منسوب کرنے کی تاکید کی ۳۶ جو ظلم و تجاوز اور خونخواری میں اموی سلطنت کا خاص فرد تھا جس نے شہادت امام حسینؑ اور واقعہ کربلا میں حضرت اور آپؐ کے خاندان عصمت کے ساتھ عجیب انداز ظلم روا رکھا جس کی وجہ سے آج تاریخ اسلام کا چہرہ سیاہ نظر آتا ہے اسی شخص نے پوری دنیا، تمام ملل و اقوام اور دوست و دشمنوں کے درمیان یزید کو منفور اور ملعون شمار کروایا۔

۵۔ بہر حال یہ وصیت نامہ خود کردار معاویہ کے بھی منافی ہے، وہ یزید سے حسین بن علیؑ کیلئے وصیت

کرے کہ اگر حسینؑ نے قیام کیا اور تم کامیاب ہو گئے تو درگزر اور نیکی سے کام لینا، کیونکہ اس کا رحم اور خاندان اونچا ہے، لیکن خود نے امام حسنؑ کے ساتھ جو بالکل امام حسینؑ والی تمام خصوصیات کے مالک تھے ایسا نہ کیا، جبکہ امام حسنؑ تو صلح کر کے خلافت سے ہاتھ اٹھا کر مدینہ میں عبادت، تبلیغ اور ذاتی امور میں مصروف رہے، پھر بھی انھیں جعدہ بنت اشعث کے ذریعے مسموم کروا دیا وہ بھی تو رسول اللہؐ سے نزدیکی رشتہ رکھتے تھے۔ اسی طرح خود امام حسینؑ کے ساتھ کون سے لحاظ و ادب کا خیال رکھا؟ چنانچہ جب یزید کی بیعت کیلئے مدینہ گیا تو آپؑ سے انتہائی بے ادبی سے گفتگو کی حتیٰ حضرتؑ کو بیٹھنے کو بھی نہ کہا اور دو جلا دکھڑے کر دیئے کہ اگر میری مخالفت کریں تو سر قلم کر دیا جائے۔

کیا یہی معاویہ نہ تھا جس نے رشید، جبری اور حجر بن عدی کو ان کے ساتھیوں کے ہمراہ فوج طریقے سے شہید کروایا؟

بہر حال مجموعی طور پر نقل شدہ اس وصیت نامے میں جھوٹے اور خود ساختہ ہونے کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ یقیناً سلطنت بنی امیہ کے دروغ پردازوں نے اس کے ذریعے معاویہ کے کاندھوں کو اہل بیتؑ پر کیے ہوئے مظالم کے جرم سے سبک کر کے اس کے بیٹے یزید کے دوش پر ڈالنے کی کوشش کی ہے یعنی یزید نے مقدسات اسلام کی توہین معاویہ کی اجازت سے نہیں بلکہ اس کے دستورات کے خلاف انجام دی ہے گویا معاویہ کا یزید کے شرم انگیز کارناموں سے کوئی واسطہ نہیں۔

حاشیہ و حوالہ جات

۲ [تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۵] پر یوں نقل ہوا ہے کہ مغیرہ نے معاویہ سے اس طرح کہا: ”یا امیر المؤمنین کبرت سنی و ضعف قوتی و عجزت عن العمل و قد بلغت من الدنيا حاجتی واللہ ما آسى علی شیء منها الا علی شیء واحد قدرت به قضاء حقک ووددتُ انہ لا یفوتنی اجلی وان اللہ احسن علی معونتی، قال، وما هو؟ قال: کنت دعوت اشراف الکوفہ الی البیعة لیزید بن امیر المؤمنین بولاية العهد بعد امیر المؤمنین فاجابوا الی ذلک ووجدتهم سراعاً نحوہ، فکرتُ ان احدث امرأ دون رأی امیر المؤمنین فقلمت لاشافهہ بذلك واستغفیه من العمل؟“ اور یہی بات سبب بنی کہ معاویہ نے کوفہ کی امارت اسی کے پاس باقی رہنے دی بلکہ تم دے کر کہا: ”فنشدد تک باللہ الا رجعت فتممت هذا“ پس جب یہ معاویہ کے پاس سے واپس آیا تو اپنے غلام سے کہا: ”فوللہ وضعت رجل معاویہ فی غرز لا یخرجہ الا سفک الکماء!“ وضعت رجل معاویہ فی غرز بعيد الغایة علی امة محمد وفتقت علیہم فتقلاً لا یرتق ابدانہم

۳ [کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰۳]

۴ [کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰۳]

۵ [زندگانی امیر المؤمنان ج ۲ ص ۲۷۷ مؤلفہ]

۶ [تاریخ یعقوبی میں اس طرح آیا ہے کہ جب معاویہ کا خطر زیادہ بن گیا تو اس نے اپنے خاص مشیر سے کہا: ”معاویة وقل له: یا امیر المؤمنین انکناک و رد عمل یگذا فما یقول الناس اذا دعوا ناهم الی بیعة یزید و هو یلعب بالکلاب والقرو و یدلیس المضع و یدلین الشراب و یمس علی الدفوف، و یحضر بهم الحسین بن علی و عبد اللہ بن عباس و عبد اللہ بن الزبیر و عبد اللہ بن عمر و لیکن قامرہ یتحلق باخلاق هؤلاء حولاً و حولین فعمسانا ان نموة علی الناس“

اور جب معاویہ نے یہ جواب پایا تو پیش میں آ کر بولا۔ ”ویلی علی ابن عیینہ القذ بلغنی ان الحادی حد الله ان الامیر یغدی زیاد، والله لا ردنه الی امه سمية والی ابیه عبید!“ [تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۶۰] عربوں میں معروف ضرب المثل ہے کہ (ویل لمن کفره نمرود ہوائے ہواں پر جس کی نمرود تکفیر کرے) بہر حال یہ بڑا تباہیست ہو چکا تھا کہ زیاد بن ابیہ جو خود حال زادہ نہیں تھا اور فساد ظلم و عصیان کا مجسمہ تھا وہ بھی بڑی کی ولی عہدی کو معاویہ کے حق میں بہتر نہ جانتے ہوئے اسے شفی رائے دے رہا تھا]

۷ [کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۵۰۵]

۸ [مناقب و مثالب قاضی نعمان مصری ص ۶۸، اس مقام پر معاویہ اور اس کے طرفداروں کیلئے ان آیات کی تلاوت مناسب ہوگی: افرأیت من اتخذ الهه هواه واصله الله عله الله علی علم (جاشہ: ۲۳)، ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه (کہف: ۲۸) ”ومن اصل ممن اتبع هواه بغير هدى من الله،“ (قصص: ۵۰) اور اسی طرح دیگر آیات]

۹ [حیۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۱۹۷]

۱۰ [اوفیات الاعیان، ج ۵، ص ۳۸۹]

۱۱ [البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۸۰]

۱۲ ”معاویہ اپنے فرزند کو دور رخ اور نفاق کا درس دے رہا ہے۔ اے یزید! اپنا دن تو علم و معارف کے حصول میں گزار دے لیکن رات تمہاری اپنی ہے اور جب وہ زیادہ گہری ہو جائے تو جو دل چاہے انجام دینا کیونکہ کتنے ہی فاسق ہیں جنہیں تم سمجھتے ہو کہ وہ رات عبادت میں گزارتے ہیں جبکہ بہت ہی عجیب کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔“ البدایہ

والنہایہ، ج ۸، ص ۹۲۲

۱۳ ”یعنی اگرچہ میرا نام مسکین ہے لیکن میں قوم کے ایک بزرگ کا فرزند ہوں۔ اے ابن عمر، مروان اور سعید کیا یہی نہیں کہ خدا جہاں چاہے اپنی خلافت کو رکھ دیتا ہے، خدا نے جس منبر کو خالی رکھا تھا اس پر یزید کو خدا نے ہی بٹھایا ہے، ہر انسان ہر قوم کیلئے خوشی کا پرندہ ہوتا ہے اور بنی امیہ کا مسرت آور پرندہ یزید ہے، اے یزید! تو ایسی حیثیت کا مالک ہوا ہے کہ لوگ مبارک باد کیلئے آ رہے ہیں تیرے باپ معاویہ کی سخاوت کا کیا کہنا کہ ابھی تک دیگوں کے نیچے آگ روشن ہے۔“ چنانچہ اس نشست کے بعد معاویہ اور یزید کے ہاتھوں علیحدہ علیحدہ اس دروغ گوئی پر انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

افغانی ابوالفرج، ج ۲، ص ۲۱۲

۱۴ ”آپ ایسے حاکم ہیں کہ ایک دوسرے آپ کی اطاعت کریں، آپ بیعت سے پہاڑ ہٹ جاتے ہیں۔ آپ کی سلطنت کی شان یہ ہے کہ ایک کو نفارت دوسرا نیل اور تیسرا بلخ و دجلہ سے جڑا ہوا ہے ان سب کی آمدنی آپ کو مبارک ہو۔“ حیۃ الامام الحسین بن علی، ج ۲، ص ۱۹۸

۱۵ [ترجمہ مقالہ الطائین (ابوالفرج) مترجم مولف، ج ۹، ص ۷۰]

۱۶ [استیعاب در حاشیہ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۰۰]

۱۷ [استیعاب در حاشیہ الاصابہ، ج ۲، ص ۳۹۳، حیۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۲۱۶]

۱۸ [شرح تلخ البلاغ، ج ۲، ص ۶]

۱۹ [تاریخ طبری، ج ۶، ص ۳۳، قاموس الرجال، ج ۵، ص ۸۰، ابن اثیر اپنی کتاب کامل (ج ۳، ص ۴۶۲) میں ابی سوار عدی سے روایت کی ہے کہ: سمرۃ بن جندب نے ایک روز میں ہماری قوم کے ۴۷ قادیان قرآن (اور حفاظ قرآن) کو قتل کیا]

۲۰ اور ۲۱ [کامل التواتر، ج ۳، ص ۴۶۲، ۴۵۰]

۲۲ [تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۷۱]

۲۳ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵]

۲۴ [رجال کشی، ج ۳، ص ۳۲]

”إِغْلَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ كَتَابًا لِلْغَادِرِ صَغِيرَ قَوْلٍ لَا كِبِيرَةَ إِلَّا أَصْحَابَهَا، وَلَيْسَ اللَّهُ تَعَالَى بِنَائِي أَخَذَكَ بِالظُّنَّةِ وَقَتْلَكَ أَوْلِيَاءَهُ عَلَى النَّهْمِ وَنَفَيْكَ لَهُمْ عَنْ دُورِهِمْ إِلَى دَارِ الْغُرْبَةِ، أَوَلَيْسَتْ قَاتِلُ

خُجِرُوا كَذِبًا وَمُضَيَّنَّ الْعَابِدِينَ الَّذِينَ كَانُوا يُكْرَهُونَ الظُّلْمَ وَيَسْتَعْظُمُونَ الْبِدْعَ، وَلَا يَخَافُونَ فِي اللَّهِ تَعَالَى لَوْمَةً لَانِهِمْ؟ أَوَلَيْسَتْ قَاتِلَ عَمْرُو بْنِ الْحَجَّاقِ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ (ص) الْعَبْدُ الصَّالِحُ الَّذِي أَبْلَتْهُ الْعِبَادَةُ فَتَحَلَّ جَسْمُهُ وَأَصْفَرَّ لَوْنُهُ بَعْدَ مَا آمَنَتْهُ وَأَعْطَيْتُهُ مِنْ غُهِوِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مَالُو أَعْطَيْتُهُ طَانِرَ النَّزْلِ إِلَيْكَ مِنْ رَأْسِ جَبَلٍ، جُرْأَةً مِنْكَ عَلَى رَبِّكَ وَأَسْتِخْفَافًا بِذَلِكَ الْعَهْدِ؟ أَوْ سَتِ الْمُدْعَى (ابْنُ سُمَيَّةَ) الْمَوْلُو دَعَا عَلَى فِرَاشِ عَبِيدٍ تَقْيِيفَ فَرَعَمَتْ اللَّهُ مِنْ أَبِيكَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ص) أَلَوْلَئِكَ لَفِرَاشُ وَلِعَايِرُ الْحَجَرِ؟ فَتَرَكْتُ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ (ص) تَعَمُّدًا، وَأَتَعْتُ هَوَاكَ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، ثُمَّ سَلَّطْتُهُ عَلَى الْعُرَاقِ نِيقُطَ أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ وَيَسْمُلُ أَعْيُنَهُمْ وَيَطْلُبُهُمْ عَلَى جُلُوعِ النَّحْلِ؟ كَأَنَّكَ لَسْتَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلَيْسُوا بِمَنْكَ أَوَلَيْسَتْ الْكَاتِبُ لِيَزِيدَ أَنْ يَقْتُلَ كُلَّ مَنْ كَانَ عَلَى دِينِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ (ع) فَقَتَلْتَهُمْ وَمَثَلَ بِهِمْ بِأَمْرِكَ؟ وَدَيْنُ عَلِيٍّ (ع) هُوَ دَيْنُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الَّذِي بِهِ ضَرَبَ أَبَاكَ وَضَرَبَكَ، وَبِهِ جَلَسْتَ مَجْلِسَكَ الَّذِي جَلَسْتَ ۳

۲۵ [ابن اثیر وغیرہ نے مرگ زیاد بن ابیہ کو ۵۳ھ میں لکھا ہے]

۲۶ [ہم نے یہاں سے ابن اثیر کی روایت کو خلاصہ کے ساتھ نقل کیا ہے]

۲۷ [کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۰۶، ۵۰۸]

۲۸ [کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۵۰۸، ۵۱۱]

۲۹ [ادب الحسین، ص ۸۸]

۳۰ [حیۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۲۲۳]

۳۱ [حیۃ الامام الحسین، ج ۲، ص ۲۲۳، کتاب خدا میں دونوں خطوں کے متن حوالوں کے ساتھ نقل ہوئے ہیں جبکہ ان میں سے ایک نامہ علامہ ابی نعیم الدنجلبی نے لغت، ج ۱، ص ۱۰، ۳۰۰ میں نقل کیا ہے۔]

۳۲ [الامۃ والسیاسة، ج ۱، ص ۲۸۴، رجال کشی، ص ۳۲، الدرجات الرفیعة، ص ۳۳۳، ادب الحسین، ص ۸۹، لغت، ج ۱، ص ۱۶۱]

۳۳ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ط قدیم، ص ۳۲۷]

۳۴ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۳۲۷، ط قدیم]

”مِنْ عَبْدِ اللَّهِ مُعَاوِيَةَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَا بَعْدُ فَإِنَّ كِتَابَكَ وَرَدَّ عَلَيَّ فَذَكَرْتُ أَنَّ عِمْرَانُ بْنُ عَمْرٍاءَ يَكُ مِنَ الْيَمَنِ تَحْمِلُ مَالًا وَخِلَالَو غَنِيرًا وَطِيًّا إِلَى لَأَوْدَعَهَا خَزَائِنَ دِمَشْقَ وَأَحْلَى بِهَا بَعْدَ النَّهْلِ بَنِي أَبِي وَأَنْكَ اخْتَبَجْتَ إِلَيْهَا فَأَخَذَتْهَا، وَلَمْ تَكُنْ جَدِيرًا بِأَخْذِهَا بِأَخْذِهَا أَنْ تَسْبِيَهَا إِلَيَّ لِأَنَّ أَوَّلِيَّ أَحَقُّ بِالْمَأْثَمِ عَلَيْهِ الْمَخْرُجُ مِنْهُ، وَإِيْمَانُ اللَّهِ لَوْ تَرَكْتَ ذَلِكَ حَتَّى صَارَ إِلَيَّ لَمْ أَبْخَسْكَ حَقَّكَ مِنْهُ وَلَكِنِّي قَدْ ظَنَنْتُ بَيْنَ أَحَقِّ أَنْ فِي رَأْسِكَ نَزْوُ وَفَوْقُودِي أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ فِي زَمَانِي، فَأَعْرِفُ لَكَ قَلْبَكَ وَأَتَجَاوَزُ عَنْ ذَلِكَ وَلَكِنِّي وَاللَّهِ أَنِّي أَخَوْفُ أَنْ تُبْغِي بَعْمَنَ لَا يُنْظَرُكَ فَوَاكَ فَوَاكَ نَاقَةً“

البتہ آخر میں مضمون خط کو منظوم انداز میں روانہ کیا۔

يَا حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ لَيْسَ مَا جِئْتَ بِالسَّائِعِ يَوْمَافِي الْعَمَلِ
أَخَذَكَ الْمَالُ وَلَمْ تُؤْمَرْ بِهِ إِنَّ هَذَا مِنْ حُسَيْنٍ لَعَجَل
قَدْ أَجْرَنَاهَا وَلَمْ نَغْضَبْ لَهَا وَاحْتَمَلْنَا مِنْ حُسَيْنٍ مَا فَعَلَ
يَا حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ ذَا الْأَمَلِ لَكَ بَعْدِي وَثَبَّةٌ لَا تُحْتَمَلُ
وَبُودَى أَنْتَى شَاهِدُهَا فَالِيكَ مِنْهَا بِالْخَلْقِ الْآجِلِ
أَنْتَى أَزْهَبُ أَنْ تَصْلِيَ بِمَنْ عِنْدَهُ قَدْ سَبَقَ الشَّيْفُ الْعَدْلُ

۲۸ خطبہ منی کتاب کے متن میں آگیا ہے۔

۲۹ [الفتنۃ الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۳۵]

۳۰ [کامل التواریخ، ج ۴، ص ۸۰]

۳۱ [إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ كَسَانِي قَمِيصًا وَقَلَّمَ أَظْفَارَهُ يَوْمًا فَأَخَذَتْ قَلَامَةً فَجَعَلَتْهَا فِي قَارُورَةٍ فَأَلْبَسُونِي ذَلِكَ الْقَمِيصَ وَاسْحَقُوا تِلْكَ الْقَلَامَةَ وَذَرَوْهَا فِي عَيْنِي وَقَمِي فَقَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَرْحَمَنِي بِرَكِيهَا]

۳۲ [تاریخ زندگانی امیر المومنین، ج ۲، ص ۲۷۷]

۳۳ [کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۶۰، تاریخ طبری، ج ۶، ص ۱۷۹]

۳۴ [من جملہ مقتل خوارزمی میں نقل ہونے والی روایت ہے جس میں معاویہ نے یزید سے کہا: "فقد حدثني ابن عباس فقال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وآله عند وفاته وهو يجوذ بنفسه وقد ضم احسين الى صدره وهو يقول: هذان اطالب ارومتي، وبأبرار عترتي وخيار ذريتي، لأبأرك الله فيمن لم يحفظه من بعدي قال ابن عباس: ثم اتبعني على رسول الله ثم افاق فقال: يا حسين إن ولقاتيك يوم القيامة مقامين يدي ربي وخصمو فقد طاب نفسى اذ جعلنى الله خصمًا لمن قاتلك يوم القيامة: يابنى فهذا حديث ابن عباس وأنا اخذتك عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فأتاني يومًا حبيبي جبرئيل فقال: يا محمدان امتك تقتل ابنك حسينا وقاتله لعين هذه الأمة، ولقد لعن النبي صلى الله عليه وآله قاتل حسين مرارًا، فانظر يابنى، ثم انظر ان تتعرض له بأذى فانه مزاج ماء رسول الله وحقه والله يابنى عظيم، وقد رأيتى كيف كنت احتمله في حياتي وأضع له رقبتي، وهو يجهننى بالكلام القبيح الذى يوجع قيسى فلا يجبه ولا يقدر له على حيلة لأنه بقيه أهل الله بأرضه في يومه هذا وقد اغتر من انذر، ثم أقبل معاوية على الضحّاك بن قيس الفهري ومسلم بن عقبة المرقى وهما من أعظم قواده وهما اللذان كانا يأخذان البيعة ليزيد فقال لهما: اشهدا على مقاتلي هذه فوالله لو فعل بى الحسين وفعل لا احتملته، ولم يكن الله تعالى يسألنى عن دمه أفهمت عني يابنى ما وصيتك به؟ قال: قد فهمت يا أمير المؤمنين۔"

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان روایات پر کذب و دروغ کے بہت سے شواہد موجود ہیں کیونکہ امام حسین کے ساتھ خود معاویہ کا سلوک، ان کے ساتھ راہ مدینہ میں ابانت و بے ادبی سے پیش آنا اور حصول بیعت میں جلاؤں کا استعمال جن کی

تفصیل گزر چکی ہے ان روایات وصیت سے میل نہیں کھاتیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے سرکاری تنخواہ خوروں کے ہاتھوں ان روایات کو جعل کیا گیا ہے تاکہ جرائم کا بوجھ ہلکا کیا جاسکے۔

۳۵ [حیۃ الامام الحسن، ج ۲، ص ۲۳۷]

۳۶ [حیۃ الامام الحسن، ج ۲، ص ۲۳۸]

یزید کی تنگین حکومت کے دوران سے قیام امام حسینؑ تک

امام حسینؑ کی سیرت گذشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی، حضرت نے کس انداز امامت سے معاویہ کی حکومت میں پیش آنے والے حادثات اور واقعات کا مقابلہ کیا۔ بات یہاں تک پہنچی کہ معاویہ اپنی تمام تر کوششوں کے علاوہ حیلہ و مکاریوں سے بھی امام حسینؑ سے یزید کی ولی عہدی کیلئے بیعت نہ لے سکا تو اسے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کب حسینؑ قیام کی صورت میں اپنی مخالفت کا اظہار کرتے ہیں۔

ادھر امام بھی امیر شام کے شرم انگیز اعمال کے سختی سے مخالف تھے، لہذا خطوط اور خطبوں کے ذریعے اس کی بے دادگری، ظلم و ستم اور مخالف اسلام کردار کو مسلمانوں کے سامنے آشکار فرماتے رہے، البتہ مسلمانہ قیام کو ابھی اسلامی مصلحت نہیں سمجھتے تھے اور یہی آپنے دوستوں، محبوں اور شیعوں کو بھی نصیحت فرمائی، جبکہ مسلمانوں کی طرف سے مسلسل خطوط اور ملاقاتوں میں قیام کی درخواست کی جا رہی تھی۔

امام نے یہی فرمایا، معاویہ کی زندگی میں میرے نزدیک یہ کام مصلحت سے خالی دکھائی دیتا ہے، لہذا آپ حضرات موقع کے انتظار میں اپنے گھروں میں رہیں، اس طرح معاویہ کی موت کے بعد کوئی اقدام کریں گے البتہ تفصیلی طور پر اس مضمون پر مشتمل امام کے خطوط اور ان کے جوابات گذشتہ حصوں میں ذکر کر چکے ہیں، چنانچہ جوں ہی امیر شام نے سفر آخرت کا آغاز کیا تو امام نے عوام کو اپنے ارادوں سے آگاہ کرنا شروع کیا، اس طرف یزید اور اموی سلطنت کے کارندوں پر بھی روشن تھا کہ حسین بن علیؑ یزید کے آگے تسلیم نہیں ہوں گے، بلکہ حکومت کے خلاف قیام بھی کریں گے۔ ادھر یزید اپنی حکومت سنبھال کر حسین بن علیؑ اور چند دیگر شخصیات نے بیعت نہ کی تھی بجز اس فکر کے جو کسی اور فکر میں مبتلا نہ تھا، وہ چاہتا تھا کسی طرح ان حضرات کے ساتھ بھی بیعت کا مسئلہ حل ہو جائے۔

حاکم مدینہ ولید کے نام یزید کا خط

جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہو چکا ہے کہ معاویہ نے مروان بن حکم کو معزول کر کے اپنے بیٹے، ولید بن عقبہ

بن ابی سفیان کو مدینہ کا گورنر بنا چکا تھا۔ مرگ معاویہ کے بعد اور یزید کی آغاز حکمرانی میں ولید بن عتبہ مدینہ کا گورنر تھا۔ یزید نے اپنے مختصر خط میں اسے معاویہ کی خبر مرگ کے بعد لکھا:

”اَمَّا بَعْدُ فَخُذْ حُسَيْنًا وَعَبْدَ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنَ الزُّبَيْرِ بِالْبَيْعَةِ اخَذَ الْيَسَّ فِيهِ رُحْصَةً حَتَّى يَأْتِ بِغُورِ السَّلَامِ
”اس خط کے پاتے ہی حسین، عبد اللہ بن عمر اور ابن زبیر سے میری بیعت حاصل کرنا اور یاد رہے کہ اس حکم میں کسی قسم کی رخصت نہیں والسلام۔“ ۱۔
یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے:

إِذَا تَأْتَاكَ كِتَابِي هَذَا فَأَخْضِرِ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَخُذْهُمَا بِالْبَيْعَةِ فَإِنْ
اَتَمَّنَا فَأَضْرِبْ أَعْنَاقَهُمَا وَأَبْعَثْ إِلَى بَرٍّ وَسَهْمَاوُ خُذِ النَّاسَ بِالْبَيْعَةِ فَمَنْ امْتَنَعَ فَأَنْفُلْ فِيهِ الْحُكْمَ وَفِي
الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَالسَّلَامُ

”جوں ہی میرا خط وصول ہو حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلا کر ان سے میری لو اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کی گردن مار دو اور ان کے سر میرے پاس بھیج دو۔ اسی طرح دوسرے لوگوں سے بھی بیعت لینا ضروری ہے بس جو بھی منع کرے اسے ساتھ حسین بن علی اور عبد اللہ والا قانون جاری کیا جائے۔“ ۲۔

البتہ نقل شدہ اس خط میں عبد اللہ بن عمر کا نام تک بھی نہ آیا اور قتل حسین کا دستور بھی بیعت سے امتناع کی صورت میں آیا ہے۔

بہر صورت مؤرخین نے لکھا ہے:

”یزید نے اس خط کو معاویہ کے قریبی آدمی رزق نامی کو دیا جس نے انتہائی سرعت سے جا کر یہ خط ولید کے ہوالے کیا۔ ولید مرگ معاویہ کی خبر پر سخت متاثر ہوا مگر حسین بن علی اور ابن زبیر سے بیعت لینے کے دستور کو پڑھ کر گہری سوچ میں ڈوبنا چلا گیا اور بلا آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس مسئلہ (بیعت خواہی) میں مروان بن حکم سے ضرور مشورہ کیا جائے۔“

ولید کا مروان سے مشورہ

مروان بن حکم بنی امیہ کے سن رسیدہ محترم بزرگوں میں سے تھا جس سے اہم امور میں مشورہ کیا جاتا تھا، یہ معاویہ کے بعد خود کو دوسروں سے حتیٰ یزید سے بھی زیادہ خلافت کا حق دار تصور کرتا تھا، لہذا اس ماجرا کے چند سال بعد ایسا ہی ہوا، یمنیٹھ ہجری قمری میں شامیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ یہ اور اس کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک خلیفہ ہوئے اور یکے بعد دیگرے خلیفہ بنتے رہے، یہاں تک کہ خلفاء بنی مروان کے نام سے مشہور ہوئے۔ مروان چند سال پہلے معاویہ کے حکم پر مدینہ کا فرمانروا رہا پھر اسی کے حکم سے معزول

ہوا اور ولید اس کی جگہ تخت نشین ہوا، جس پر وہ معاویہ سے ناراض اور گلہ رکھتا تھا۔ بہر کیف ولید نے اسے مشورہ کرنے کیلئے بلایا اور یزید کے دستور سے آگاہ کیا تا کہ ان کے نزدیک کسی مناسب راہ کا انتخاب ہو سکے۔ مروان نے رائے دی:

”معاویہ کی خبر مرگ عام ہونے سے پہلے حسین ابن علی اور ابن زبیر کو اپنے پاس بلاؤ اور اسی نشست میں بیعت حاصل کر لو ورنہ خبر مرگ عام ہونے کے بعد یہ دونوں کسی صورت یزید کی بیعت نہ کریں گے، اس طرح تمہارا کام اور بڑھ جائے گا۔ البتہ مجھے یقین ہے کہ حسین بن علی کسی صورت بیعت کر کے یزید کی اطاعت کے پابند ہونے والے نہیں، قسم بخدا اگر میں تیری جگہ ہوتا تو حسین بن علی سے انکار دیکھ کر گردن مار دیتا، بعد میں جو ہوتا دیکھا جاتا!“

ولید یہ سن کر پریشان ہو گیا اور کہا: کاش! ولید پیدا ہی نہ ہوتا کہ ایسا دن دیکھنا پڑتا۔ مروان نے ولید کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا: میری بات پر ناراحت مت ہونا اس لیے کہ خاندان بو تراب ایک مدت سے ہمارے دشمن چلے آ رہے ہیں اور بعد میں بھی رہیں گے انہوں نے عثمان کو مار کر معاویہ سے جنگ کی۔

ولید نے بات کاٹتے ہوئے کہا: فرزند فاطمہ کے بارے میں جو خاندان نبوت کی نشانی ہے اچھے الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔

بالآخر اس نتیجے پر ٹھہرے کہ اسی وقت اگر چہ نیمہ شب گزر چکی ہے، حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلا کر ان سے بیعت کا سوال کریں۔

امام حسین مجلس ولید میں

ولید نے نصف رات گزر جانے کے باوجود عبداللہ بن عمرو بن عثمان نامی ایک نوجوان کو ان دونوں

سب بعض تاریخ نگاروں کا خیال ہے مروان بن حکم کی یہ سخت رائے جو بیعت نہ کرنے پر قتل پونہ تھی چند جہتوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ الف: جب سے اسے معاویہ نے عزل کر کے ولید کو والی مدینہ قرار دیا، مروان انتہائی سکڑی کے عالم میں زندگی گزار رہا تھا، لہذا اس رائے کے ذریعے حکمرانی کرنے میں ولید کی ناتوانی اور ضعف کی مثال بنا کر مرکز بھیجتا تا کہ دوبارہ اس کو حکومت مدینہ نصیب ہو۔

ب: معاویہ نے مروان کی شخصیت، اسکے ماضی اور بنی امیہ میں محترم ہونے کے باوجود اسے فراموش کر کے یزید جیسے جوان اور بدنام زمانہ بیٹے کو ولی عہد بنایا لہذا مروان اس بغض کی بھڑاس اس طرح نکالنا چاہتا تھا، یزید خون حسین سے اپنے ہاتھ رنگین کرے تا کہ یہ جرم زوال حکومت کا سبب بن سکے ورنہ بیٹے بنی مروان کو حکمرانی نصیب ہو سکے۔

ج: امام حسین اور فرزند ان پیغمبر سے اس کی ذاتی عداوت اور دشمنی تھی جس کی بارز مثال داستان امام حسن میں آشکار کی گئی ہے۔

شخصیات کی جانب روانہ کیا تاکہ انھیں دربار میں آنے کا پیغام سنا سکے۔ ولید کا نمائندہ ان دونوں کی تلاش میں نکلا ان حضرات سے مسجد نبوی میں ملاقات کی اور ولید کا پیغام ان تک پہنچایا جس پر جواب ملا کہ تم جاؤ ہم آتے ہیں۔ جوں ہی وہاں سے ولید کا پیغام رساں روانہ ہوا، ابن زبیر نے امام حسین سے سوال کیا، وہ کوئی ایسی اہم بات ہے جو اس وقت کرنا چاہتا ہے؟ امام نے جواب دیا:

”میرا گمان ہے کہ ان کا سردار معاویہ مر گیا ہے یہ لوگ خبر مرگ کو عام کرنے سے پہلے ہم سے بیعت لینا چاہتے ہیں۔“

عبداللہ بن زبیر نے کہا: میرا بھی یہی خیال ہے، اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟
امام نے فرمایا:

”میں ابھی اپنے جوانوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ ولید کے پاس جاؤں گا مگر انھیں دروازے کے باہر چھوڑ جاؤں گا۔“

اس پر ابن زبیر نے کہا: میں آپ کے وہاں جانے سے خوف زدہ ہوں۔

امام نے فرمایا: ”میں جب تک اپنے دفاع پر مطمئن نہ ہو جاؤں اسکے پاس ہرگز نہ جاؤں گا۔“

امام اپنے بیت الشرف تشریف لے گئے، غسل کیا، نماز و دعا پڑھی، پھر خاندان کے جوانوں کو جن کی تعداد تیس لکھی گئی ہے مسلح ہو کر ساتھ چلنے کا دستور دیا، انھوں نے حکم پر عمل کرتے ہوئے حضرت کی ہمراہی فرمائی مگر جوں ہی حضرت در ولید پر پہنچے امام نے فرمایا:

”یہیں ٹھہر جاؤ، لیکن اگر میں تمہیں پکاروں یا میری آواز بلند ہوتے ہوئے سنو تو سب کے سب گھر میں داخل ہونا ورنہ بیٹھے رہنا یہاں تک کہ میں لوٹ آؤں۔“

یہ فرما کر امام بیت ولید میں داخل ہوئے مگر وہاں موجود مروان کو دیکھ کر ان دونوں کے سابقہ اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا:

الصلوة خیر من القطیعة والصلح خیر من الفساد وقدان لکما ان تجمعا اصلح الله ذاتینکما

”میل ملاپ جدائی سے اور صلح و آتش فساد و تباہی سے بہتر ہے، بلاشبہ وہ وقت بھی آپہنچا ہے جس میں تمہارا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے خدا تمہارے درمیان دوستی قائم رکھے۔“

امام یہ فرما کر بیٹھ گئے۔ تب ولید نے مرگ معاویہ کی خبر سنائی اور بیعت کا سوال کیا۔ امام کی زبان پر حسب معمول کلمہ استرجاع جاری ہوا اور جواب بیعت دیتے ہوئے فرمایا:

”اے ولید! جہاں تک بیعت کا سوال ہے مجھ جیسا کبھی چھپ کر تنہائی میں بیعت نہیں کرتا اور پنہان بیعت قابل قبول بھی نہیں لہذا جب بھی مجمع عام میں آ کر ان لوگوں سے سوال بیعت

کیا تو مجھ سے بھی سوال کرنا تا کہ وہاں لاکھ عمل طے ہو۔“

کیونکہ ولید کے نزدیک امام سے الجھنا پر خطر تھا اس لیے بولا: ٹھیک ہے آپ تشریف لے جائیں۔
لیکن مروان ولید سے مخاطب ہوا:

”اگر یہ بیعت کئے بغیر یہاں سے چلے گئے تو پھر کبھی تیرے ہاتھ نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تمہارے اور ان کے درمیان بڑے پیمانے پر کشت و کشتار کی صورت میں ظاہر ہوگا، لہذا انھیں ابھی گرفتار کر لو یا تو ابھی بیعت کریں ورنہ گردن مار دو!“

یہ سنتے ہی امام اپنے مقام سے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”اے پسر زرقا (نبی آنکھوں والی عورت) تو مجھے مارے گا یا وہ؟ خدا کی قسم تم جھوٹ بولنے والے اور پستی کو پسند کرنے والے لوگ ہو۔“

یہ فرما کر وہاں سے باہر تشریف لائے اور بیت الشرف کی جانب روانہ ہوئے۔

مروان یہ دیکھ کر ولید سے بولا:

تم نے میری بات نہیں مانی، قسم بخدا وہ ان میں سے نہیں جو تیرے رعب میں آئے۔

ولید بولا:

بیعت نہ کرنے کی صورت میں حسینؑ کے قتل کا پوری دنیا اور وہ تمام اشیاء کہ جن پر خورشید نور افشانی کرتا ہے مجھے مل جائے تب بھی یہ سودا مجھے منظور نہیں، قسم بخدا میرا گمان ہے کہ روز قیامت خدا کے حضور قاتل حسینؑ سے زیادہ کسی کا میزان عمل سبک نہیں ہوگا۔

مروان کی رائے پر اگرچہ عمل نہ ہوا تھا مگر تب بھی وہ ولید سے مخاطب ہوا: تم نے اچھا کام کیا ہے۔ ۵

مروان بن حکم کو بہتر پہچانیں

فی الحال جاری داستان کا پیچھا کرنے کے بجائے اس مقصد سے کہ مروان کی بہتر شناخت ہو اور زرقاء کے معنی جاننے کیلئے اہل سنت کے معروف عالم دین سبط ابن جوزی کی نقل کردہ روایت کا ترجمہ کرتے ہیں جس میں امام حسینؑ کی جہاں فضیلت بیان ہوئی ہیں وہاں مروان کی جانب سے امام حسینؑ کی ہتک حرمت اور آل رسول کے ساتھ اس کی عداوت کے اسباب بھی روشن ہوں گے، پھر دوبارہ اپنے اصل موضوع کی جانب لوٹ آئیں گے۔

قاموس الرجال (ج ۸، ص ۴۶۶) میں علامہ شوشتری نے سبط ابن جوزی کی تذکرۃ الخواص کی وہ روایت جسے محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے تحریر کی ہے:

”جب مروان بن حکم مدینہ کا والی تھا، اس نے امام حسنؑ کی جانب ایک قاصد روانہ کیا جسے کہا حسن

بن علیؑ کے پاس جا کر کہنا مروان نے کہا ہے کہ تمہارا باپ لوگوں میں اختلاف ڈالنے والا عثمانؓ کا قاتل اور علماء و زباید یعنی خوارج کو نابود کرنے والا تھا پھر بھی تم اپنے آپ سے بڑھ کر کسی کو نہیں مانتے؟

وہ شخص امام حسنؑ کے پاس آ کر کہتا ہے:

میں اس کی جانب سے پیغام لایا ہوں جس کی سطوت خوفناک اور شمشیر ترسناک ہے، البتہ اگر پیغام نہیں سنا چاہتے تو ہر گز بیان نہیں کروں گا اور اپنی جان سے تمہاری نگہبانی کروں گا۔ امام حسنؑ نے فرمایا: نہیں پیغام ضرور پہنچاؤ میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ اس شخص نے پیغام پہنچایا۔ امام نے جواب دیا، مروان سے جا کر کہو:

اگر یہ بات سچ کہی ہے تو خدا تمہارے اجر میں اضافہ کرے اور اگر جھوٹ بولا ہے تو خدا سخت ترین عذاب میں تمہیں مبتلا کرے گا۔

قاصد امام حسنؑ سے جواب سن کر باہر نکلا ہی تھا کہ امام حسینؑ نے اسے دیکھ کر پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ جواب دیا۔ آپ کے بھائی کے پاس سے، امام حسینؑ نے فرمایا: تمہیں ان سے کیا کام تھا؟ اس شخص نے کہا: مروان کا قاصد ہو کر آیا تھا، امام نے فرمایا: پیغام کیا تھا؟ وہ پیغام بتانے میں تامل کرنے لگا۔ تو امام نے فرمایا: اگر نہ بتایا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ امام حسنؑ اس تکرار کو سن کر گھر سے باہر تشریف لائے اور اپنے بھائی امام حسینؑ سے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ امام حسینؑ نے فرمایا: بھائی جان قسم بخدا پیغام سنے بغیر نہ چھوڑوں گا، چنانچہ اس نے امام حسینؑ کو مروان کا پیغام سنایا تو حضرت نے فرمایا: پس میرا پیغام بھی اسے سناؤ:

يَقُولُ لَكَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَالْبُنُّ فَاطِمَةُ يَا بَنِي الزُّرْقَاءِ وَاللَّعْنَةُ إِلَى نَفْسِهَا يَسُوقُ ذِي الْمَجَازِ صَاحِبَةَ الرِّايَةِ يَسُوقُ غُحْكَاطَ، وَيَا بَنِي طَرِيدٍ رَسُوْلُ اللهِ وَلَعْنَتُهُ، اعْرِفْ مَنْ أَنْتَ وَمَنْ أَبُوكَ وَمَنْ أُمُّكَ ”حسین ابن علیؑ پر فاطمہؑ تمہارے لئے کہہ رہا ہے۔ اے پسر زرقاء، اے اس عورت کے بیٹے! جو ذی مجاز بازار میں مردوں کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتی اور بازار عکاظ میں پرچم (زنا) اٹھائے رہتی تھی۔ اے تو اس کا بیٹا ہے جس پر حضرت رسول اللہؐ نے لعنت بھی کی اور اسے رائدہ درگاہ

ذی مجاز اور عکاظ زمانہ جاہلیت میں عربوں کے معروف بازار تھے یعنی ہر سال ان دو مقامات پر بازار لگائے جاتے تھے اور اس وقت کے لوگ یمن دین کیلئے انہی بازاروں میں جاتے تھے (جہاں بہت زیادہ افراد جمع ہو جاتے تھے) اس موقع پر جن عورتوں کے ہاتھ میں جھنڈے ہوتے وہ بدکار عورتیں ہوتی تھیں اور یہی خواتین اپنے دروازوں پر جھنڈے لگاتیں تاکہ بدکار لوگ زنا کے ارادے سے وہاں آ سکیں۔ امام کے ان کلمات کی مزید توضیح ذیل کے حدیث میں اہل سنت کے دانشوروں کی زبانی ملاحظہ فرمائیں گے۔

بھی کیا تو پہلے خود کو پہچان کہہ تو کون ہے اور پھر جان لے کہ تیرے ماں باپ کون تھے؟“
قاصد نے مروان سے آ کر دونوں بھائیوں کے پیغامِ نقل کئے۔ مروان نے اسے کہا:
دوبارہ لوٹ کر جا اور حسن سے کہنا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو رسول خدا کا فرزند ہے اور حسین سے کہنا
کہ تو علی بن ابی طالب کا بیٹا ہے۔

قاصد نے آ کر مروان کی بات دہرائی۔ اس پر امام حسینؑ نے فرمایا:
”تجھے ذلت و خواری نصیب ہو اور کہنا یہ دونوں افتخار مجھے بھی حاصل ہیں۔“
ابن جوزی کہتے ہیں:

اصمعی (امام کے کلام کی توضیح و تفسیر میں) کہتا ہے، لیکن حضرت کا یہ کلام ”اے اس عورت کا فرزند جو مردوں
کو اپنی جانب (بدکاری کیلئے) مدعو کرتی ہے۔“ اس لیے تھا کہ بقول ابن اسحاق مادر مروان ”امیہ“ نامی وہ
بدکار عورت تھی جس نے اس عمل کیلئے ایک جھنڈا بنا رکھا تھا جس طرح قافلے اپنے پرچوں سے
شناخت میں آتے ہیں اسی طرح یہ عورت بھی اُس جھنڈے سے پہچانی جاتی تھی، البتہ اس کی معرفت
”ام حنبل زرقاء“ تھی، لہذا مروان ان افراد میں سے تھا جس کا باپ نامعلوم شخص تھا چنانچہ عمر کو عاص
سے منسوب کر دیا تھا اسی طرح مروان کو بھی حکم بن ابی العاص سے منسوب کر دیا تھا۔ اسی طرح
حضرت کا یہ جملہ ”اے دربار رسالت سے دھتکارے ہوئے کے فرزند“ حکم بن ابی العاص بن امیہ
بن عبدالمطلب کی طرف اشارہ ہے جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو کر مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف
جاسوسی کیلئے سکونت پذیر ہوا۔ یہی کافروں اور قرب و جوار کے عربوں سے رسول اللہؐ کی مخبری
کرتا تھا لہذا اصمعی نے اس کے بارے میں یہ تک کہہ دیا کہ حکم بن ابی العاص مسلمان نہ ہوا تھا وہ اسی
کام (جاسوسی) کیلئے بظاہر مسلمان ہوا تھا اور اس کے اسلام میں واقعیت نہ تھی لہذا رسول اللہؐ نے اس
پر لعن و نفرین کرتے ہوئے طائف جلا وطن کیا مگر جوں ہی پیغمبر اسلامؐ کی رحلت ہوئی تو عثمانؓ ابو بکرؓ
کے پاس آئے، تا کہ اس سے حکم بن ابی العاص کی سفارش کریں کیونکہ عثمانؓ حکم بن ابی العاص کا بھتیجا
تھا۔ اس طرح وہ شہر واپس لوٹ آئے گا لیکن ابو بکرؓ نے یہ کہہ کر جواب دے دیا کہ جو کام رسول اللہؐ
نے انجام دیا ہے میں اس کی ہرگز مخالفت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جب حضرت ابو بکرؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو عثمانؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے مگر انھوں نے
بھی یہی جواب دیا۔

يَا عُمَانُ اَمَّا سَتَحْيِي مِنَ الشَّيْءِ وَمِنْ اَيِّ بَكْرٍ تَرُدُّ عَلٰوَاللّٰهِ وَعَلَوْ ذَسُوْلِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ، وَاللّٰهُ لَا كَانَ
هٰذَا اَبَدًا ”اے عثمان! کیا تمہیں پیغمبرؐ اور ابو بکرؓ سے شرم نہیں آتی جو دشمن خدا اور رسولؐ کو مدینہ رسولؐ

میں واپس لوٹنا چاہتے ہو؟ خدا گواہ ہے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔

مگر جوں ہی عمر دنیا سے رخصت ہوئے اور عثمانؓ کو مسلمانوں کے امور کی باگ دوڑ نصیب ہوئی تو سب سے پہلا ام یہی کیا کہ حکم بن ابی العاص کو مدینہ واپس لے آئے پھر اسے اپنے دربار میں خاص حیثیت سے نواز اور مال و ثروت دے کر اسے معاشرے کی شخصیت بنا ڈالا۔ جبکہ مسلمانوں پر یہ کام گراں گزرا اور پلا اعتراض جو حکومت عثمانؓ پر کیا گیا وہ یہی تھی اور کہا: اے عثمان! دشمن خدا و رسول گولا کر ان سے مخالفت پر اتر آئے ہو؟ عثمانؓ نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے واپس لوٹاؤں گا چنانچہ اس بات پر بہت سے اصحاب نے عثمانؓ کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کی، پھر کچھ مدت بعد جب حکم بن ابی العاص کا انتقال ہوا تو حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھ کر تشیع جنازہ میں شرکت کی تو یہ بات بھی مسلمانوں پر گراں گزری اور ان سے کہا: اسکے واپس لے آئے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اس جیسے منافق کی جسے پیغمبر اسلامؐ نے جلاوطن کر کے ملعون قرار دیا تم نے نماز جنازہ بھی پڑھی؟

حضرت عثمانؓ نے حکم بن ابی العاص کے مرنے کے بعد اسکے بیٹے مروان کو غنائم، افریقہ کا خمس جو پانچ لاکھ دینار تھا بخش دیا یہ خبر سن کر عائشہؓ نے عثمانؓ کو پیغام بھیجا کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہ تھا کہ اس منافق کو مدینہ میں واپس لے آؤ؟ مسلمانوں کا مال اسے دے دو، اس کی نماز پڑھو اور تشیع جنازہ میں بھی شرکت کرو؟ یہی وہ مقام تھا جہاں سے عائشہؓ اور عثمانؓ کی مخالفت کا آغاز کیا جاتا ہے حتیٰ مخالفت عثمانؓ میں عائشہؓ نے یہ تک کہا:

أَقْتُلُوهُ عَنَّا فَقَدْ كَفَرَ” اس نعرے کو مار ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو چکا ہے۔

بقیہ داستان

جیسا کہ کہا گیا ہے، مروان نے ظاہری طور پر ولید کی تائید کی مگر باطن میں اسکے کلام اور نظریے سے موافق نہ تھا، چنانچہ کامل التوا رنج میں اس کی گفتگو اور امام حسینؓ کا جواب جو ولید و مروان کو آپؐ نے دیا، نقل ہوا ہے۔

البتہ چند دوسری روایات میں آیا ہے جب حضرت ولید کے گھر سے باہر تشریف لے جانے لگے تو ان کے ابہام کو دور کرنے کیلئے رُکے اور یہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْأَمِيرُ إِنَّا أَقْبَلُ بَيْتَ النَّبِيِّ وَمَعْلِدَ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفَ الْمَلَائِكَةِ وَمَحَلَّ الرَّحْمَةِ، بِإِفْتَحِ اللَّهُ وَبِنَاخَتِهِ وَبِزَيْلِ جُلِّ فَاسِيقٍ شَارِبٍ الْخَمْرِ قَاتِلِ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَةِ مُعَلِّنِ بِالْمُسْقِ وَمِثْلَى لَا يَبِيعُ مِنْهُ، وَكُنْ

یے عثمانؓ کو مصر کے رئیس دراز نعل نامی احمق آدمی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

نَضِیْحٌ وَتَضْبِیْحُونَ وَنَظَرٌ وَتَنْظُرُونَ اِنَّا حَقٌّ بِالْخِلَافَةِ وَالْبَيْعَةِ

”اے امیر! ہم خاندانِ پیغمبرِ معدنِ رسالتِ الہی فرشتوں کی آماجگاہ اور رحمتِ الہی کا محلِ نزول ہیں خدا ہم سے (کاموں کو) شروع کرتا ہے اور ہم پر ختم کرتا ہے، جبکہ یزید فاسق، شراب خور اور نفسِ محترکہ کا قتل کرنے والا انسان ہے، جان لو جو حکم کھلا فسق کا مرتکب ہو تو مجھ جیسا بھی اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے مجھے موقع دوتا کہ تمہاری اور ہماری صبحِ نمودار ہونے پر جائزہ لیں کہ ہم میں سے کون خلافت و بیعت کا زیادہ حق دار ہے۔“ ۸

امام کا جواب قیام کی تحریک کو بھی واضح و روشن کرتا ہے

حضرتؑ کے مذکورہ جواب کو وقت اور توجہ سے دیکھنے پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ امام کے قیام کا سبب جس پر مقالات، مضامین اور بہت سی کتابیں تحریر کی گئی ہیں، کیا تھا، اس طرح ہم کو بھی طولانی گفتگو سے بے نیاز کرتے ہیں، البتہ اپنے مقام پر بیان ہو چکا، حضرتؑ نے مختلف جگہوں پر اس تحریک کو جو ایک مسلمان کی شرعی اور دینی ذمہ داری ہے مختلف تعبیروں اور اندازِ گفتگو کے ذریعے اپنے دوستوں کے درمیان بیان فرمایا۔ ساتھ ہی ہوا وہوس ریاستِ طلبی اور ہر طرح کی مادی اسباب جو ایسے قیاموں میں قابلِ تصور ہیں نفی فرمادی۔ آپؑ نے یہ مطلب اپنے برادر حضرت محمد حنفیہ کے نام تحریر کردہ وصیت نامے میں ذکر فرمایا:

اِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشْرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا ظَالِمًا وَلَا مُفْسِدًا وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةٍ جَدِّیْ

اُریدہ ان امریبا المعروف وَاَنْہِیْ عَنِ الْمُنْكَرِ ۹

بنابر اس حضرتؑ نے پہلے ہی خود اپنے خونچکاں قیام کا بہترین سبب بیان فرمادیا تھا اور جیسا کہ گذشتہ حصے میں ذکر ہوا، خود یزید کا فسق و فجور، لادِ باہلی، بے دینی اور کفر کسی بھی بے غرض اور منصف مزاج آدمی کیلئے ثابت کرنا خاص دشوار نہیں، کیونکہ اس نے اپنی چند سالہ حکومت میں جن مظالم و جرائم کو روا رکھا وہ خود اس مطلب پر دلیل ہے۔ لہذا ایسے ماحول میں امام حسین جیسی دیندار اور (ہوا ہوس سے) پاک شخصیت کسی صورت اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتی تھی، بلکہ چند قدم آگے ایسے افرادِ خونین تحریک کو برپا کرتے ہیں! اور بہتر ہے یزید نے امام حسینؑ کے مقابل جس بے دینی اور کفر کا مظاہرہ کیا اس کی گواہی اہل سنت کے علماء اور مؤرخین کے بیانات بخوبی پیش کریں، چنانچہ چند سطریں عین موضوع سے ہٹ کر ملاحظہ فرمائیں۔

یزید کے فسق و کفر پر علماء اہل سنت کا بیان

علامہ آلوسی (متوفی ۱۲۷۰) جو اپنے زمانے میں اہل بغداد کے مفتی اور عراق میں مرجعِ اہل سنت تھے اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت شریفہ:

﴿فَقِيلَ عَسِيتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تَقْطَعُوْا رِجَالَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾

”تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحب اقتدار بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو اور قرابت داروں سے قطع تعلق کر لو، یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے۔“ (محمد ۲۶)

امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں:

ان کے فرزند عبد اللہ نے جب یزید پر لعنت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا:

كَيْفَ لَا يَلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ ”اُس پر کیسے لعنت نہ ہو جس پر خود خدا نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہو؟“

عبد اللہ نے پوچھا میں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے، لیکن یزید پر لعنت نہیں دیکھی! یہ سن کر امام حنبل نے آیہ مذکورہ تلاوت فرمائی اور کہا:

وَأَيُّ فَسَادٍ قَطِيعَةٍ أَشْلَمُ مِمَّا فَعَلَهُ يَزِيدُ؟ ”جو یزید نے کیا اس سے بدتر کون سا فساد اور قطع رحم وجود رکھتا ہے؟“

علامہ آلوسی اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

وَعَلَىٰ هَذَا الْقَوْلِ لَمْ تَوَقَّفْ فِي لَعْنِ يَزِيدَ لَكثْرَةِ أَوْصَالِهِ الْخَبِيَّةِ وَازْدِكَابِهِ الْكِبَارِيِّ فِي جَمِيعِ آيَاتِهِ اَللّٰهُ

شروع کی عبارت کا ترجمہ قارئین پر چھوڑتے ہوئے علامہ آلوسی کی شخصی نظریے کے عنوان سے خلاصہ پیش کر رہا ہوں آپ فرماتے ہیں:

”میرے گمان پر یہ بات غالب ہے کہ اس خبیث آدمی (یزید) نے رسالت رسول کی تصدیق نہیں کی تھی اسکے علاوہ خدا کے اہل حرم اور رسول خدا کے حرم و معترت کی نسبت جو برے اعمال انجام دیئے وہ اس کی بے ایمانی پر ثبوت ہیں، جبکہ اس نے مصحف (قرآن) کا ورقہ نجاست میں بھی ڈال کر انتہائی خباثت کا ثبوت دیا، مجھے گمان نہیں کہ مسلمانوں سے یہ کام پوشیدہ رہے ہوں اگرچہ اس وقت کے مسلمان خوف و ہراس کا شکار تھے اور صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رکھتے تھے اور اگر فرض کیا جائے کہ وہ خبیث مسلمان تھا تو وہ ایسا مسلمان تھا جس نے اتنے گناہان کبیرہ انجام دیئے کہ جن کا مکمل بیان اور احاطہ کرنا مشکل امر ہے، لہذا میں جس عقیدہ کا حامل ہوں اسے بیان کر رہا ہوں کہ اس پر لعنت جائز ہے کیونکہ ایسے کئی اور فاسق کا تصور وجود نہیں رکھتی اور ظاہر یہی ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی تھی کیونکہ احتمال توبہ اصل ایمان سے زیادہ ضعیف تر ہے۔“

اسکے ساتھ ابن زیاد اور عمر ابن سعد کے علاوہ دوسرا بڑا گروہ کو بھی ملحق ہو گا اسی طرح اسکے یار و اصحاب اور اس کی پیروی کرنے والوں اور اسکے اعمال پر راضی رہنے والوں پر تاقیامت خدا کی لعنت ہو۔“

اہل سنت کے ایک مورخ اور معروف دانشور ابن عساکر (متوفی ۱۰۸۹) اپنی مشہور تاریخ شذرات الذہب

میں لعن یزید کے موضوع پر اختلاف اور بعض علماء کے نظریات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

وَعَلَى الْجَمَلَةِ فَمَا لِقُلٍّ عَنْ قَتْلَةِ الْحُسَيْنِ وَالْمُتَحَامِلِينَ عَلَيْهِ يَذَلُّ عَلَى الزُّنْدَقَةِ وَالْإِحْلَالِ الْإِيمَانِ مِنْ قُلُوبِهِمْ وَتَهَاوُنِهِمْ بِمَنْصَبِ النَّبُوءَةِ وَمَا عَظُمَ ذَلِكَ فَسَبْحَانَ مَنْ حَفِظَ الشَّرِيعَةَ حِينَئِذٍ وَشَيْدَارُكَانَهَا حَتَّى انْقَضَتْ ذُرُئُهُمْ وَعَلَى فِعْلِ الْأُمُوتِينَ وَإِمْرَانِهِمْ بِإِلِ الْبَيْتِ حُمِلَ قَوْلُهُ (ص) هَلَاكَ أَمْتِي عَلَى أَيْدِي أَغْيَالٍ مِمَّنْ قَرِيشَ

پھر ابو ہریرہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ بسر بن ارطاة نے معاویہ کے دور حکومت میں کیا کیا مظالم ڈھائے۔

وَقَالَ التَّفْتَازَانِيُّ فِي شَرْحِ الْعُقَاظِدِ النَّسْفِيَةِ اتَّفَقُوا عَلَى جَوَازِ اللَّعْنِ عَلَى مَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنَ أَوْ أَمْرَهُ أَوْ أَجَازَهُ أَوْ رَضِيَ بِهِ قَالَ: وَالْحَقُّ أَنَّ رِضَايَ يَذُبُّ قَتْلَ الْحُسَيْنِ وَاسْتِبْشَارُهُ بِذَلِكَ وَاهْتِنَا أَهْلُ بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ (ص) مِمَّا تَوَاتَرَ مَعْنَاهُ وَإِنْ كَانَ تَفْصِيلُهُ أَحَادِثًا قَالَ: فَتُحْضَرُ لَانْتَوَقَفَ فِي شَأْنِهِ بَلْ فِي كُفْرِهِ وَإِيمَانِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَعَلَى أَنْصَارِهِ وَأَعْوَانِهِ، وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ عَسَاكَرٍ نُسِبَ إِلَى يَزِيدٍ قَصِيدَةٌ قَالَتْ:

لَيْتَ أَشْيَاخِي يَبْدُرُ شَهْدَاؤُهُ
جَزَعُ الْخُزْرَجِ مِنْ وَقْعِ الْأَسَلِ
لَعِبَتْ هَاشِمٌ بِالْمُلْكِ فَلَا
مَلِكٌ جَاءَ وَلَا وَخِيَ نَزْلُ

فَإِنْ صَحَّ عَنْهُ كَافِرٌ بِلَا رَيْبٍ (انتہی)

آخر میں یافعی سے نقل کرتے ہیں:

انھوں نے کہا:

وَأَمَّا حَكْمُ مَنْ قَتَلَ الْحُسَيْنَ أَوْ أَمْرَ بَقِيَّتِهِ مِمَّنْ اسْتَحْلَ ذَلِكَ فَهُوَ كَافِرٌ وَإِنْ لَمْ يَسْتَحْلِ ففَاسِقٌ فَاجِرٌ وَاللَّهُ أَعْلَمُ ۝۱۲

تفتازانی اپنی کتاب شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں:

”حسین کو قتل کرنے والے، حکم یا اجازت دینے والے کسی قتل حسین پر راضی رہنے والے پر لعنت کرنا علماء اسلام کے نزدیک متفق علیہ امر ہے۔“

مزید کہتے ہیں:

یہ بات حق ہے کہ قتل حسین پر یزید کی رضایت اور خوشحالی اور خاندان رسالت کی اہانت ایسی روایات سے ثابت ہے جو تو اتر معنوی رکھتی ہیں اگرچہ تفصیلی اعتبار سے وہ روایات واحد ہوں۔

پھر بحث جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

ہم لعن یزید پر کسی قسم کا توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے کفر اور بے ایمان ہونے پر تردید کا بھی گز نہیں خدا اس پر اور اسکے اعوان و ناصران پر لعنت کرے۔ ابن عساکر نے اس یزید کا جو قصیدہ

نقل کیا ہے: ”لیت اشیاعی...“ اگر صحیح ہے تو وہ بے شک کافر ہے۔“
یافعی بھی کہتے ہیں:

”کسی کا حکم کہ حسینؑ کو قتل کر دیا دستور قتل دینے والے نے اگر یہ فعل حلال جان کر انجام دیا ہے تو کافر ہے ورنہ وہ شخص فاسق و فاجر ہے۔“

اہل سنت کے ایک اور معروف دانشمند علامہ جاحظ اپنی کتاب وسائل میں کہتے ہیں:

الْمُسْكِرَاتُ الَّتِي افْتَقَرُوا بِهَا إِلَى قَتْلِ الْحَسَنِ وَمَلِهَ بَنَاتُ رَسُولِ اللَّهِ (ص) سَبَايَا وَفِرْعَاءُ ثَنَائِيَا الْحُسَيْنِ بِالْعُودِ، وَاحْفَافُهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ وَهَذِهِ الْكَعْبَةُ تَدُلُّ عَلَى الْقَسْوَةِ وَالْعُلْظَةِ وَالنُّصَبِ وَسُوءِ الرَّأْيِ وَالْعَقْلِ وَالْبَغْضَاءِ وَالنِّفَاقِ وَالْخُرُوجِ عَنِ الْإِيمَانِ، فَالْفَاسِقُ مُلْعُونٌ وَمَنْ نَهَى عَنْ شَتْمِ الْمُلْعُونِ فَلْمُلْعُونِ...“ ۱۳

یعنی ”یزید جن بُرے ناشائستہ کاموں کا مرتکب ہوا، قتل حسینؑ، دختران رسول اللہؐ کی اسارت، حسینؑ کے مبارک لبوں پر چھڑی لگانا، اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنا، خانہ کعبہ کو ویران کرنا وغیرہ سب دلائل کرتے ہیں اس کی سنگدلی، قساوت، دشمنی اور عداوت، کینہ و نفاق اور بے ایمان ہونے پر جو اس میں تھی، لہذا وہ (یزید) فاسق ملعون ہے اور جو ملعون کو دشنام دینے سے روکے وہ بھی ملعون ہے۔“

یہ تھے چند اہل سنت کے علماء کا یزید کے فسق و کفر اور لعن کے بارے میں نظریہ۔ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں، البتہ اس سے بھی اگر زیادہ معلومات درکار ہوں وہ عبدالرزاق مقرر کی مقتل الحسین ۴۱ نامی کتاب سے رجوع کر سکتا ہے، جبکہ ہم لوگ گزشتہ حصے میں اقوال مروج الذہب وغیرہ سے نقل کر چکے ہیں۔

ہم ان اعتراضات کے ذریعے قیام کر بلا کے اسباب کی جانب بہتر توجہ دے سکتے ہیں، کیونکہ امام حسینؑ اس فساد و کفر و نفاق اور فسق و فجور کے منبع و ماخذ کو یقیناً بہتر جانتے تھے، آپ دور بین نگاہوں دیکھ لیا تھا کہ اس گھناؤنے وجود سے اسلام کو کتنا بڑا خطرہ لاحق تھا لہذا امام تمام خطرات کو مول لینے پر تیار تھے یعنی حضرتؑ نے اپنی جان کے علاوہ اولاد و انصار اور عزیز و اقارب کی جانوں کو قربان کر دیا، اپنے بعد نہتے بچوں اور بیبیوں کی اسیری برداشت کی لیکن ایسے بے دین کافر کے ہاتھ پر بیعت کرنا گوارا نہ کیا۔

آئیے دوبارہ اسی داستان کی جانب رخ کرتے ہیں جسے چند صفحات قبل چھوڑ آیا تھا۔

دوسرے روز امام کی مروان بن حکم سے گفتگو

فتوح ابن اعثم کو فی میں نقل ہوا ہے، امام اور ولید کی ملاقات کے بعد دوسرے روز مدینہ کے ایک کوچے میں امام حسینؑ سے مروان کا سامنا ہوا تو وہ امام کو دیکھ کر بولا:

میں تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں کہ اگر قبول کرو تو اس میں آپ کی خیر و صلاح ہے۔

امام نے فرمایا: تیری خیر خواہی کیا ہے؟

مروان نے جواب دیا:

میں تمہاری دنیا و آخرت کی خیر امیر المومنین یزید کی بیعت کرنے میں دیکھ رہا ہوں۔

امام نے تند لہجہ میں جواب دیا اور فرمایا:

عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ اذْ قَدْ بَلَّيْتَ الْاِثْمَةَ بِرَاعٍ مِثْلَ يَزِيدَ اَوْ يَحْكُ بِأَمْرٍ اَوْ اَنْتُمْ نُنِي بِيَعَةٍ
يَزِيدُ هُوَ زَجَلٌ فَاسِقٌ لَقَدْ قُلْتَ شَطَطًا مِّنَ الْقَوْلِ لَا اَلُوْمَكَ عَلَى قَوْلِكَ لِأَنَّكَ الْعَيْنُ الَّتِي
لَعَنَكَ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنْتَ فِي صُلْبِ ابْنِ الْحَكَمِ بْنِ أَبِي الْعَاصِ

”اسلام کا فاتحہ پڑھنا چاہیے! جب امت اسلام یزید جیسے کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے۔ اے مروان تجھ پر وائے ہو! مجھے یزید جیسے فاسق کی بیعت کا دستور دے رہا ہے، بے شک تو نے ایسی بات کر ڈالی کہ جس کی میں سرزنش نہیں کروں گا تو وہی ہے جس پر رسول اکرمؐ نے اس وقت لعنت کی تھی جبکہ تو ابھی صلب پدر حکم بن ابی العاص میں تھا۔“

پھر امام نے مزید فرمایا:

إِلَيْكَ عَنِّي يَا عَدُوَّ اللَّهِ فَإِنَّا أَهْلُ بَقِيَّتِ رَسُولِ اللَّهِ وَالْحَقُّ فِينَا بِالْحَقِّ تَقْنِطُ السُّنُوْا قَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ
اللَّهِ (ص) يَقُولُ: الْخِلَافَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلَى آلِ أَبِي سَفْيَانَ وَعَلَى الطُّلَقَاءِ وَأَبْنَاءِ الطُّلَقَاءِ وَقَالَ: إِذَا رَأَيْتُمْ
مَعَاوِيَةَ عَلَى مَنَبَرٍ فَأَبْقُوا بَاطِلَهُ، فَوَاللَّهِ لَقَدْ رَأَاهُ أَهْلُ الْمَدِينَةِ عَلَى مَنَبَرٍ جَدَى فَلَمْ يَفْعَلُوا مَا أَمَرُوا بِهِ

”اے دشمن خدا مجھ سے دور ہو، ہم خاندان پیغمبر ہیں حق ہمارے درمیان ہے اور ہماری زبانیں حق بات کہنے والی ہیں، میں نے خود رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: خاندان ابوسفیان، اسکے آزاد کردہ لوگوں اور ان کے بیٹوں پر خلافت حرام ہے۔ اسی طرح فرمایا: جب بھی معاویہ میرے منبر پر دیکھو تو اس کا شکم پھاڑ ڈالو، خدا کی قسم اہل مدینہ نے اُسے میرے جد کے منبر پر دیکھا مگر حضرت کے

دستور پر عمل نہ کیا۔“ ۱۵

یہ تھی وہ گفتگو جو ابن اعثم کی کتاب سے نقل کی گئی ہے مگر کیونکہ ابن اعثم افسانہ نگار تھا اور پھر یہ جملات کسی اور کتاب میں بھی نہیں ملتے، لہذا بعید ہے امام حسینؑ جیسی شخصیت سے ادب و نزاکت سے دور گفتگو نہ کی جائے۔ واللہ اعلم۔

شب دوم امام حسینؑ کا مدینہ سے خروج

شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”پس امام حسینؑ اس رات یعنی شب ستائیس رجب سنہ ساٹھ ہجری اپنے بیت الشرف رہے، ادھر

ولید بن عتبہ، عبداللہ بن زبیر سے حصول بیعت میں سرگرم تھا، مگر ابن زبیر نے بھی بیعت سے گریز کیا اور اسی رات مدینہ کو مکہ مکرمہ کے ارادے سے ترک کر دیا، لہذا جوں ہی صبح نمودار ہوئی ولید نے بنی امیہ کے ایک آدمی کی سرکردگی میں اسی سوار گرفتاری کیلئے روانہ کیے مگر (ابن زبیر غیر معروف راستے سے نکلے تھے) وہ لوگ ناکام لوٹ آئے، پھر ولید نے بروز ہفتہ بوقت عصر چند لوگوں کو امام کے پاس بھیجا تا کہ امام ولید کے پاس آ کر بیعت کریں۔ امام نے فرمایا:

”کل صبح تک توقف کرو تا کہ ہم اور تم اس بارے میں خوب سوچ لیں۔“

اس پر انھوں نے بھی کسی قسم کا اصرار نہیں کیا پس شب ۲۸ رجب المرجب اتوار کی شب امام نے بھائی، بہنوں اور بیشتر افراد خاندان کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی راہ لی، سوائے محمد بن حنفیہ جب مدینہ سے باہر جانیکا مصمم ارادہ جان گئے تو انھوں نے امام سے عرض کی:

”اے میرے عزیز بھائی تم میرے نزدیک محبوب ترین انسان بھی ہو اور دشوار ترین انسان بھی (یعنی تمہاری مصیبت پر مجھے سب سے زیادہ شاق ہوگا) تم جانتے ہو میں تمہارے علاوہ کسی کو نصیحت نہیں کرتا، کیونکہ تم خیر خواہی اور نصیحت سننے میں زیادہ سزاوار ہو، میں یہ کہتا ہوں کہ یزید ابن معاویہ کی بیعت کرنے اور ایسے شہروں سے جہاں تک ہو سکے دوری اختیار کریں اس کے بعد لوگوں تک اپنے نمائندے بھیج کر انھیں اپنی جانب دعوت دیں، چنانچہ اگر لوگوں نے تمہارے آگے تسلیم ہو کر بیعت کی تو اس نعمت پر شکر خدا، جالاؤ اور اگر تمہارے علاوہ کسی اور کی بیعت میں آئے تو خدا اس ویلے سے تمہارے عقل، دین کو کم نہیں کرے گا اور لوگوں کے درمیان سے تمہاری شفقت اور برتری نہیں دور کرے گا (یعنی اگر تمہاری دعوت کو قبول کیا تب بھی تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا) لیکن مجھے فکر اور خوف ہے تم ان شہروں میں سے کسی شہر میں جاؤ اور وہاں کے لوگ دو حصوں میں بٹ جائیں ایک تو تمہارا ساتھ دے مگر دوسرا مخالفت پر اتر آئے اس طرح ان کے درمیان میں جنگ ہو جائے چنانچہ ایسے بلوے میں سب سے پہلے نیزوں کا شکار تمہاری ذات ہوگی اور اس وقت اس امت میں پدر و مادر کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہم شخصیت ضائع ہو جائے گی اور اس کا خاندان خوار و سرگردان ہو کر رہ جائے گا۔“

محمد حنفیہ سے امام حسینؑ نے فرمایا:

اے بھائی آخر کہاں جاؤں؟

عرض کی: مکہ چلے جائیں اور وہاں اگر سیاسی فضاء آسودہ خاطر رہے اور مناسب و اطمینان بخش مسکن میسر ہو تو وہی جگہ بہتر ہے اور اگر وہ جگہ رہنے کے قابل نہ رہے تو شہروں کو خیر باد کہہ کر

پہاڑوں کے دروں کو یا بادیہ نشینی کو اختیار کرنا تاکہ وہاں بیٹھ کر دیکھ سکو کہ لوگوں کو انجام کار کدھر کھینچتا ہے، البتہ تمہاری فکر ورائے جو کچھ بروئے کار لائے گی وہی سب سے مناسب بھی ہوگا اور بہتر بھی۔

امام حسین نے فرمایا:

”اے بھائی بے شک آپ میری نسبت خیر خواہ اور دلسوز ہیں اُمید ہے کہ آپ کا مشورہ محکم اور کامیابی سے نزدیک ہوگا۔“

شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت کی طرح طبری اور ابن اثیر بھی نقل کرتے ہیں مگر اس میں حضرت کا قبر پیغمبر پر جانا اور وہاں خواب میں رسول اللہ سے گفتگو کا ذکر نہیں ہوا، کیونکہ اوپر کی روایت کے بعد ارشاد مفید اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے، امام حسین نے مکہ کی جانب حرکت کی اور راستے میں سورہ قصص کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔)

شبِ خروج جو خواب امام نے دیکھا اور اس کی صحت و سقم بعض روایات میں ملتا ہے کہ اسی شب (جس میں ولید سے ملاقات ہوئی) اپنے جد رسول اللہ کی زیارت کیلئے قبر پر تشریف لائے وہاں قبر مبارک سے ایک نور سا طبع ہوا۔ امام نے عرض کی:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَاطِمَةِ فَرَحْتُكَ وَابْنُ فَرَحِكَ وَسَبْطُكَ الَّذِي خَلَقْتَنِي فِي أُمْتِكَ فَأَتَشَهُدُ عَلَيْهِمْ يَأْتِي اللَّهُ إِنَّهُمْ خَذَلُونِي وَلَمْ يَحْفَظُونِي وَهَذَا شِكْوَايَ إِلَيْكَ حَتَّى الْفَاقِ

”یا رسول اللہ! آپ پر درود و سلام ہوں، میں فرزند فاطمہ آپ کا چھوٹا بیٹا اور آپ کی چھوٹی اولاد کا فرزند ہوں آپ کا نواسہ جسے آپ اپنی امت میں چھوڑ گئے تھے بس آپ گواہ رہیے اس امت نے میری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے اور انھوں نے میرا خیال نہیں رکھا، میں آپ کے دیدار کو یہ شکوہ لے کر میں آیا ہوں۔“ ۱۶

اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ دوسری رات مدینہ کو ترک کرنے سے قبل اپنے جد رسول اللہ، مادر گرامی فاطمہ اور بھائی حسن کی قبروں سے وداع ہونے کیلئے تشریف لائے چنانچہ پہلے ماں پھر بھائی سے رخصت لی اور اسکے بعد قبر جد پر آ کر فرمایا:

اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا قَبْرُ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ وَأَنَا مِنْ بَنَاتِ نَبِيِّكَ وَقَدْ خَضَرْتَنِي مِنَ الْأَمْرِ مَا قَدْ عَلِمْتَ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَأَكْرَهُ الْمُنْكَرَ اسْتَغْفِرُكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِيهِ إِلَّا اخْتَرْتُ لِي مَا هُوَ لَكَ رِضًى وَلِرَسُولِكَ رِضًى

”بارا بھائی! یہ تیرے پیغمبر حضرت محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے رسول کا نواسہ ہوں تو بہتر جانتا ہے

میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، اے خدا میں اچھائیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرتا ہوں، اے خدا تو ذل الجلال والا کرام ہے میں تجھ سے اس قبر اور صاحب قبر کے واسطے سوال کرتا ہوں جو تیری اور تیرے رسول کی رضا ہو وہی میرے لیے انتخاب فرما۔“

امام نے اس مناجات کے بعد گریہ کیا اور اپنا سر قبر نبی پر رکھ کر اسی حالت میں صبح کے نزدیک تک رہے اور آخر آپ پر غوغائی طاری ہو گئی چنانچہ عالم رویا میں رسول اللہ کو چند فرشتوں کے ہمراہ جنھوں نے آپ کے گرد حلقہ بنایا ہوا تھا آتے ہوئے دیکھا۔

رسول اللہ نے امام حسین کو آغوش میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

جیسی یا حسین کانتی آراک عن قریب مؤملاً بدمک مذبو حاً بأرض کربلا میں عصابة من ائمتی وانت مع ذالک عطشان لا تسقی وطمآن لا تروى وھم بعد ذالک یرجون شفاعتی لا انا لھم اللہ شفا عتی یوم القیامة، جیسی یا حسین، ان اباک واماک واماک فیدمغلی وھم مشفقون الیک ”اے میرے پیارے حسین! گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ غریب اپنے خون میں آتشہ سر زمین کر بلا پر میری امت کے ہاتھوں تمہارا سر کاٹ دیا جائے گا جبکہ میرے لال تو آتشہ کام ہوگا مگر کوئی تجھے سیراب نہیں کرے گا (تعجب ہے) وہ پھر میری شفاعت کی آس لگائے ہوں گے حالانکہ وہ روز قیامت میری شفاعت سے محروم رہیں گے۔ اے میرے لال حسین! یقین جانو تمہارے والد، مادر گرامی اور برادر حسن میرے پاس آئے تھے وہ سب تمہارے دیدار کے مشتاق ہیں۔“

روایت کے بعد اس طرح ہے، امام نے گریہ کیا اور حضرت سے خواہش ظاہر کی کہ اپنے ہمراہ لے چلیں امام نے گریہ کنال حالت میں فرمایا:

یا جذاۃ لا حاجة لی فی الرجوع الی الدنیا فخذنی الیک و ادخلنی معک الی منزلک ”نانا مجھے دنیا میں دوبارہ جانے کی کوئی خواہش نہیں، مجھے اپنے ساتھ لے چلے۔“

لیکن رسول اللہ نے یہ درخواست قبول نہ کرتے ہوئے فرمایا:

لا ینذک من الرجوع الی الدنیا حتی ترزق الشہادة وما کتب اللہ لک فیہا من الثواب العظیم فانک واماک وعمک واعم ابیک تحشرون یوم القیامة فی زمرة واحدة حتی تدخلو الجنة

”نہیں میرے لال تمہیں جانا پڑے گا تا کہ شہادت جیسے رتبے سے سرفراز ہو کر خدا کے معین کردہ

ثواب عظیم کے مالک بنو، بے شک تم، تمہارے والد، انکے چچا اور تمہارے چچا سب روز قیامت

ایک صف میں محصور ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں بھی ساتھ جائیں گے۔“ بحال

اسکے بعد امام حسینؑ خواب سے بیدار ہوئے اور اپنا خواب اہل خاندان سے بیان فرمایا اس پر آپ کا پورا خاندان گریہ و زاری کرتا رہا۔ البتہ اس ماجرا پر کوئی معتبر سند موجود نہیں۔ ہاں اہالی صدوق میں اس روایت کو حسن بن عثمان تستری نامی شخص کی کتاب سے نقل کیا ہے جو خود غلط بیانی میں مشہور ہے۔ اسی طرح علامہ امینیؒ نے بھی اس روایت کو اہل سنت کی کتابوں سے نقل کیا ہے ۱۸ باب ۱ میں شیعہ اور سنی معتبر کتابوں میں اسکا تذکرہ نہیں ملتا لہذا مذکورہ روایت خالی از اعتبار قرار پائے گی اور اس کی دلالت بھی قابل اعتراض ہے۔ واللہ اعلم۔

امام حسینؑ کا وصیت نامہ

مقتل خوارزمی اور فوج ابن اشعث میں آیا ہے، امام حسینؑ جب مدینہ سے نکلنے لگے تو مندرجہ ذیل وصیت نامہ لکھ کر اپنے بھائی محمد حنفیہ کے سپرد کیا:

هَذَا مَا وَصَّى بِهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى أَخِيهِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَقَنِيَّةِ، إِنَّ الْحُسَيْنَ يَشْهَدَانِ لَأَلِهِ الْإِلَهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَإِنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ جَاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ إِنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ يَتَعَبُ مَنْ فِي الْقُبُورِ. وَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ أَشْرًا وَلَا بَطْرًا وَلَا مُفْسِدًا وَلَا ظَالِمًا، إِنَّمَا أَخْرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدَّتْ، أُرِيدَانِ أَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيًا عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرُ سِيرَةِ جَدِّي وَابِي عَلِيِّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ فَمَنْ قَبِلَنِي بِقَبُولِ الْحَقِّ فَاللَّهُ أَوْلَى بِالْحَقِّ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هَذَا أَصْبِرْ حَتَّى يَقْضِيَ اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ۔

”یہ حسین بن علیؑ کا محمد حنفیہ کے نام وصیت نامہ ہے، حسین گواہی دیتا ہے کہ معبود فقط خدا ہے جو وحدہ لا شریک ہے اور بے شک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں جو اس کی طرف سے حق کے ساتھ بھیجے گئے، بلاشبہ جنت و جہنم حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ خدا امر نے والوں کو قبر سے اٹھائے گا، یقیناً میں یوں ہی نہیں نکل پڑا ہوں اور نہ ہی ہوا ہوں کے زور پر قیام کر رہا ہوں اور نہ مجھے فساد کرنا منظور ہے اور نہ ہی ظلم و ستم کا ارادہ رکھتا ہوں بلکہ میں تو امت جد کی اصلاح جوئی کی خاطر نکلا ہوں، میں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں، اپنے جد و بابا علیؑ کی سیرت پر حرکت کر رہا ہوں پس جو بھی حق کی وجہ سے مجھے قبول کرے گا قسم بخدا حق بجانب ہے اور جو مجھے رو کرے گا تو میں اپنے اور اس قوم کے درمیان ہونے والے فیصلے تک صبر کروں گا۔ بلاشبہ وہ خیر الحاکمین ہے۔“

سوئے مکہ امام کی روانگی

شیخ مفید علیہ الرحمہ کے علاوہ بعض دیگر مؤلفین نے لکھا ہے، جس رات امام نے مکہ کیلئے سفر کا آغاز کیا وہ

شب یک شنبہ اٹھائیس رجب المرجب ۶۰ تھی۔ آپؐ وہ آیت جو حضرت موسیٰ کے مصر سے کوچ کے بارے میں نازل ہوئی تلاوت فرما رہے تھے:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”(موسیٰ) اس شہر (مصر) سے خوف کی حالت میں راہ کی تلاش میں یہ کہتے ہوئے نکلے: پروردگار مجھے شتمگروں سے نجات عطا کر۔“
(قصص ۲۱۸)

امام نے سفر کیلئے جو راستہ انتخاب فرمایا عظیم اور عمومی شاہراہ تھی جبکہ بہت سے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ عبداللہ بن زبیر کی طرح غیر معروف راستہ اختیار کریں تاکہ حکومت کے مامور لوگ گرفتار نہ کر سکیں۔ لیکن حضرت نے یہی جواب دیا:

قسم بخدا میں ایسا نہیں کروں گا تاکہ خدا وہی کرے جو ہماری قسمت میں لکھا ہے۔

امام بروز جمعہ تین شعبان المعظم ۶۰ ھ وارو مکہ ہوئے اور ہنگامِ ورود مذکورہ آیت کا باقی حصہ تلاوت فرمایا: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلَقَّاهُ مَدْيَنُ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ”اور جب شہر مدین میں داخل ہوئے تو کہا، امید ہے میرا پروردگار راہِ راست کی رہبری کرے گا۔“

تاریخ ابن عساکر کے مطابق آپؐ عباس بن عبدالمطلب کے گھر تشریف فرما ہوئے، لہذا اہل مکہ اور دیگر ساکنان شہر جو دوسرے علاقوں سے عمرہ و زیارت کیلئے آئے ہوئے تھے ان کے قیام گاہ پر امام کو دیکھنے آئے اور وہاں رفت و آمد کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی طرح مختلف شہروں کی بزرگ اور عام شخصیات جو وہاں قیام پذیر تھیں حضرت کے پاس آئے، پسر زبیر نے خود کو مکہ میں کعبہ کے نزدیک نماز و طواف میں مشغول رکھا ہوا تھا، وہ بھی لوگوں کے ساتھ کبھی روزانہ اور کبھی دو روز بعد امام حسینؑ سے ملاقات کیلئے آتا رہا مگر حضرت کی کمہ میں موجودگی سب سے زیادہ انہی پر گراں گزر رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک حسین بن علیؑ مکہ میں ہیں اہل حجاز ان کی (ابن زبیر کی) بیعت نہیں کریں گے اس لیے کہ لوگوں کے نزدیک حسین بن علیؑ کی پیروی اور ان کا مقام زیادہ اونچا ہے۔

یہاں سے آئندہ باب میں قیام امام حسینؑ کے علل و اسباب کے موضوع پر بحث و گفتگو کریں گے جس کو جداگانہ باب کی ضرورت ہے اور اسکے بعد خدائے تعالیٰ کی مدد سے کربلا کا غم انگیز واقعہ تاریخی حوالوں سے تشریح کریں گے۔

حاشیہ و حوالہ جات

۱۔ [ابن اثیر کی کامل التواریخ کی عبارت ہے جب یزید خلافت پر پہنچا: "وَلَمْ يَكُنْ لِيَزِيدَ هِمَّةُ النَّفَرِ الَّذِينَ أَبَوْا عَلَى مُعَاوِيَةَ بَيْعَهُ..... ج ۲، ص ۱۴۰]

۲۔ [کامل التواریخ، ج ۲، ص ۱۴۰]

۳۔ [تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۱۵]

۴۔ [کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۶۰، ۱۴۰]

۵۔ [حیاء الامام الحسین، ج ۲، ص ۲۵۵، ۲۵۶، ابوالحسنین و حساستہ، ص ۱۰۲، سیرۃ الامراء اثنی عشر ہاشم معروف، ج ۲، ص ۵۵،]

۶۔ [مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۸۸]

۱۰۔ [عجیب اتفاق ہے کہ جس وقت یہ سطور اور صفحات لکھ رہا ہوں، ہم یزید ثانی چنگیز زمانہ صدام ملعون کے مظالم سے دوچار ہیں جن کی کہ شہر تہران قہم جیسے مذہبی شہر اور بارڈر کے کرڈ نشین شہروں پر جہاں نسبتے انسانوں کے مکانات ہیں کیمیکل بموں کے ذریعے حملہ کیا گیا اور یہ کتاب طولانی مار کے بموں تلے تہران کے قریے ہمارا ان میں لکھی گئی ہے ہم تو چشم دید گواہ ہیں کہ ایک درندہ حیوان اور دیوانہ انسان خود خواہی اور اپنے منصب کی خاطر ہزاروں مرد و عورت اور معصوم بچوں کو خاک و خون میں غلطان کرنے پر تیار ہے اور جن کیمیکل بموں کا استعمال کیا جا رہا ہے ان کا اثر یہ ہے کہ ایک دقتے میں سب کو بے جان اجسام میں تبدیل کر دیتے ہیں یہ فقط اس لئے ہے کہ عراق جیسے چھوٹے ملک پر حکومت باقی رہے۔]

۱۱۔ [وَعَلَىٰ هَذَا الْقَوْلِ لَانْتَوَقَفُ فِي لَعْنِ يَزِيدَ لِكَثْرَةِ أَوْصَافِهِ الْخَبِيثَةِ وَارْتِكَابِهِ الْكَبَائِرِ فِي جَمِيعِ أَيَّامِ تَكْلِيفِهِ وَيَكْفِي مَا فَعَلَهُ أَيَّامَ اسْتِيلَاةِهِ بِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ فَقَدْ رَوَى الطَّبْرَانِيُّ بِسَنَدٍ حَسَنٍ "اللَّهُمَّ مَنْ ظَلَمَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ وَآخِافَهُمْ فَاحْفَظْهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ" وَالطَّائِفَةُ الْكُبْرَى مَا فَعَلَهُ بِأَهْلِ الْبَيْتِ وَرِضَاةَ بَقْتُلِ الْحُسَيْنِ عَلَى جَدِّهِ وَقَعْلِهِ الصَّلَافُ السَّلَامُ وَاسْتِشْشَارُهُ بِذَلِكَ وَاهَانَتُهُ لِأَهْلِ بَيْتِهِ مِمَّا تَوَاتَرَ مَعْنَاهُ وَإِنْ كَانَتْ تَفَاصِيلُهُ أَحَادًا، وَفِي الْحَدِيثِ "سَتَلْعَنَهُمْ. وَفِي رَوَايَةٍ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُجَابِ الدَّعْوَةِ: الْمَحْرُوفُ لِكِتَابِ اللَّهِ. وَفِي رَوَايَةٍ الزَّائِدِيُّ كِتَابِ اللَّهِ الْمَكْدُوبُ بِقَدْرِ اللَّهِ وَالْمُسْتَلْطُ بِالْجَبْرُوتِ لِيُعَزَّزَ مِنْ أَذَلِّ اللَّهِ وَيُذَلَّ مَنْ أَعَزَّ اللَّهُ الْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِزَّتِي وَالنَّارُكَ لَيْسَتِي وَقَدْ جَزَمَ بِكَفَرِهِ وَصَرَّحَ بَلْغِيهِ جَمَاعَةٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْهُمْ الْحَافِظُ نَاصِرُ السَّنَةِ ابْنُ الْجَوْزِيِّ وَسَبَقَهُ الْقَاضِي أَبُو يَعْقَى، وَقَالَ الْعَلَمَةُ الْفَتَاوَانِيُّ: لَانْتَوَقَفُ فِي شَأْنِهِ بَلْ فِي إِيْمَانِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى أَنْصَارِهِ وَأَعْوَانِهِ، وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِلَعْنَةِ الْجَلَّالِ السَّبُوطِيُّ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ وَفِي تَارِيخِ ابْنِ الْوَرْدِيِّ، وَكِتَابِ الْوَفَائِي بِالْوَقَايَاتِ أَنَا لَسْبِي لِمَا وَرَدَ مِنَ الْعِرَاقِ عَلَى يَرِيدِ خُرُوجِ فَلَقِي الْأَطْفَالَ وَالنِّسَاءَ مِنْ ذُرِّيَةِ عَلِيٍّ، وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا الرُّؤُوسُ عَلَى أَطْرَافِ الرَّمَاحِ وَقَدْ أَشْرَفُوا عَلَى ثِيَابِ جَبْرُونَ فَلَمَّا زَاوَاهُمْ نَعَبَ غَرَابٌ فَانْشَأَ يَقُولُ:

لَمَّا بَدَتْ تِلْكَ الْحُمُولُ وَأَشْرَفْتُ تِلْكَ الرُّؤُوسُ عَلَى شَفَا جَبْرُونَ

نَعَبَ الْغُرَابُ قُلْتُ قُلْ أَوْ لَا تَقُلْ فَقَدْ افْتَضَيْتُ مِنَ الرَّسُولِ دُونِي

يعنى أنه قُتِلَ بِمَنْ قَتَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ كَجَدِّهِ عُتْبَةَ وَخَالِهِ وَلَدُ عُنْتَبَةَ وَغَيْرِهِمَا وَهَذَا كَقَوْلِهِمْ فَادْأَصَحَّ عَنْهُ فَقَدْ كَفَّرَ بِهِ وَمِثْلُهُ تَمَثَّلَهُ بِقَوْلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الرَّبْعَرِيِّ قَبْلَ السَّلَامِهِ ☆ لَيْتَ أَشْيَاخِي ☆ الْآيَاتِ،

وأقصى الغزالي عفا الله عنه بحرمة لعنه وتعقب السفاريني من الحنابلة نقل البرزنجي والهيجمي السابق عن أحمد رحمه الله تعالى فقال: المحفوظ عن الإمام أحمد خلاف ما نقلنا، ففي القروع مانعه: ومن أصحابنا من أخرج الحجاج عن الإسلام فيتوجه عيه يزيد ونحوه ونص أحمد خلاف ذلك وعليه الأصحاب، ولا يجوز التخصيص باللعنة خلافاً لأبي الحسين، وابن الجوزي، وغيرهما، وقال شيخ الإسلام: يعنى. والله تعالى أعلم. ابن تيمية طاهر كلام أحمد الكراهة، قلت: والمختار ما ذهب إليه ابن الجوزي وأبو حسين القاضي، ومن وافقهما انتهى كلام السفاريني. وأبو بكر بن العربي المالكي عليه وسلم وله من الجهلة موافقون على ذلك (كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا) قال ابن الجوزي عليه الرحمة في كتابه السر المصون: من الاعتقادات العامة التي غلبت على جماعة متسبين إلى السنة أن يقولوا: إن يزيد كان على الصواب وإن الحسين رضى الله تعالى عنه أخطأ في الخروج عليه، ولو نظر وفي السير لعلموا كيف عقدت له البيعة والزعم الناس بها ولقد فعل في ذلك كل قبيح، ثم لو قدر ناصحة عقد البيعة فقد بدلت منه بواد كلها وجب فسخ العقد، ولا يميل إلى ذلك الا كل جاهل عامى المذهب يظن أنه يغبط بذلك الرافضة. وهذا يعلم من جميع ما ذكره اختلاف الناس في أمره فمنهم من يقول: هو مسلم عاص بمصادر منه مع العترة الطاهرة لكن لا يجوز لعنه، ومنهم من يقول: هو كذلك ويجوز لعنه مع الكراهة أو بدونها ومنهم من يقول: هو كافر ملعون، ومنهم من يقول: إنه لم يعص بذلك ولا يجوز لعنه، وقاتل هذا ينبغي أن ينظم في سلسلة أنصار يزيد

وأنا أقول: الذى يغلب على ظنى أن الخبيث لم يكن مصدقاً برسالة النبى صلى الله تعالى عليه وسلم وأن مجموع ما فعل مع أهل حرم الله تعالى وأهل حرم نبيه عليه الصلاة والسلام وعترته الطيبين الطاهرين فى الحيلة وبعد الممات، ومصادر منه من المخازى ليس بأضعف دلالة على عدم تصديقه من القاء ورقة من المصحف الشريف فى قبره، ولا أظن أن أمره كان خافياً على أجلة المسلمين إذا كان كذلك كانوا مغلوبين مقهورين لم يسعهم الا الصبر ليقضى الله أمره أكافعوا، ولو سلم أن الخبيث كان مسلماً فهو مسلم جمع من الكبار ما لا يحيط به نطاق البيان، وأنا أذهب إلى جواز لعن مثله على التعيين ولو لم يتصور أن يكون له مثل من القاسقين، والظاهر أنه لم يتب، واحتمال توبته أضعف من إيمانه، ويلحق به ابن زياد. وابن سعد. وجماعة فلعة الله عز وجل عليهم أجمعين، وعلى أنصارهم وأعوانهم وشيعتهم ومن مال إليهم إلى يوم الدين سادمت عين على أبى عبد الله الحسين، ويعجبني قول شاعر العصر ذو الفضل الجلى عبد الباقي الفستدى العمرى الموصل وقد سنل عن لعن

یزید اللعین: یزید علی لعنی عریض جناہ فاغذوبہ طول المدی العاللعنا (تفسیر روح البانی،

ج ۶، ص ۷۳، ۷۴)

۴۲ [شذرات الذهب، ج ۱، ص ۶۸، ۶۹]

۴۳ [رسائل جاحظ، ص ۳۹۸، رسالہ شمارہ ۱۱، بنی امیہ کے بارے میں]

۴۴ [مقتل الحسین، مقرر ص ۳۰، ۳۵]

۴۵ [نقل از کتاب الفتوح ابن اعثم، ج ۵، ص ۲۲]

۴۶ [امالی صدوق مجلس ۳۰، مقتل عوالم، ص ۵۴]

۴۷ [نقل از مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۸۵، و مقتل عوالم، ص ۵۴]

۴۸ [الغدیر، ج ۵، ص ۲۲۴]

آٹھواں باب

امام حسینؑ کے مقدس قیام کے علل و اسباب پر بحث و گفتگو اور اس سے مربوط روایات پر تحقیق

یہ موضوع محل بحث و تحقیق ہے کہ وہ کون سے علل و اسباب تھے جو امام حسینؑ کے اس مقدس و خوشگیاں قیام کا موجب بنے اور وہ کیا علل تھے جنہوں نے اس ہمیشہ زندہ رہنے والی تحریک کو تاریخ اسلام، بلکہ تاریخ بشریت میں ایک منفرد حیثیت کا مالک بنایا؟ اس سوال کے جواب میں بہت سی گفتگو، متعدد کتابیں اور مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں جو کبھی تو حالات کی تبدیلی اور کبھی اعتراضات اور اختلاف عقائد کا سبب بنے حتیٰ اس بحث کا نتیجہ تکفیر اور تہمتوں کی صورت میں سامنے آیا۔ البتہ ایسے مواقع سے سیاستدانوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور ایک دور تو ایسا بھی آیا کہ اس موضوع کو نشستوں اور بیٹھکوں کا عنوان قرار دیا جانے لگا، لہذا مذہبی معاشروں اور محافل دینی میں اختلافات اور تفریحی کیفیت ایجاد ہونے لگی۔

جیسا کہ سبط اکبر امام حسنؑ کے حالات زندگی اور صلح کی داستان میں مختلف نظریات بیان کیے جاتے ہیں اسی طرح بہتر ہی ہوگا کہ ہم علل و اسباب کی جستجو خود انہی کے کلام مبارک کی روشنی میں کریں، لہذا ہمیں خود امام حسینؑ اور دیگر ائمہ معصومینؑ ہی سے دریافت کرنا ہوگا، کیونکہ یہ موضوع روایات معصومینؑ سے نقل ہوئے ہیں کہ آخر اس قیام کو بلا کے کون سے اسباب تھے؟ البتہ یہ کام اتنا بھی سہل و آسان نہیں جتنا تصور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ روایات کی صحت سند اور یہ جاننے میں دقت پیش آتی ہے کہ آیا یہ کلام معصوم سے صادر بھی ہوا ہے یا نہیں؟ بلاشبہ اگر روایات کی درستگی ثابت ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی مدرک و منبع اور ماخذ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال سخن کوتاہ کرتے ہوئے ان روایات کا جرح و تعدیل کے ذریعے جائزہ لیں جو اس موضوع پر نقل ہوئی ہیں، چنانچہ اس موضوع پر پہلی روایت وہی ہیں جنہیں علامۃ المسلمین نے صلح امام حسنؑ کے باب میں موضوع بحث قرار دیا ہے۔ جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ ائمہ معصومینؑ اور اہل بیتؑ جو بھی کرتی ہیں وہ دستور کی صورت میں از طرف پروردگار معین ہوتا ہے، کیونکہ یہ کامل ترین اور اسکے حضور فرما میر دار

ترین انسان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر مشکل و دشواری کو سر کرتے ہوئے اس حکم الہی کو انجام دیتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل روایت طالب توجہ ہے۔

اصول کافی میں شیخ کلینیؒ باب ”اِنَّ الْاَئِمَّةَ لَمْ يَفْعَلُوْا شَيْئًا اِلَّا بِعَهْدٍ مِنَ اللّٰهِ وَامْرٍ مِنْهُ لَا يَتَّبِعُا وَزَوْنَهُ“ میں ہمراہ سند معاذ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا: بے شک آسمان سے حضرت محمد مصطفیٰؐ پر مہر شدہ وصیت کے علاوہ کوئی مکتوب وصیت نازل نہیں ہوئی، جبرئیل نے عرض کی: اے محمدؐ یہ ہے آپ کی وصیت آپ کی امت کیلئے جو کہ آپ کے خاندان کے پاس رہے گا۔ حضرت نے فرمایا: اے جبرئیل میرا کونسا خاندان؟ عرض کی! آپ کی ذریت میں خدا کے برگزیدہ آپ کے افراد خاندان ہیں جو اس قابل ہیں کہ علم نبوت ارث میں لے سکیں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے ارث چھوڑا تھا یہ میراث علیؑ اور آپ کی ذریت کو جو علی بن ابی طالبؑ کے صلیبی فرزندوں پر مشتمل ہوگی پہنچے گی۔ تحقیق وصیت پر کئی مہریں لگی تھیں، چنانچہ پہلی مہر حضرت علی بن ابی طالبؑ نے کھولی اور جو بھی اس میں تھا علیؑ نے اس پر عمل کیا، پھر حسنؑ نے دوسری مہر کو کھولا اور اس کے دستور پر عمل کیا اور جب حسن مجتبیٰؑ دنیا سے چلے گئے تو تیسری مہر حسینؑ بن علیؑ کے ہاتھوں کھلی، چنانچہ اس میں دستور قیام قتل کرنے اور قتل ہونے کا حکم لکھا تھا اسکے علاوہ لکھا تھا۔ اے حسین! کچھ افراد کو شہادت کیلئے اپنے ہمراہ لے جاؤ، کیونکہ تمہارے پاس انھیں دینے کو شہادت کے علاوہ کوئی اور شے نہیں لہذا امام حسینؑ نے ایسا ہی کیا اور دنیا سے جب رخصت ہونے لگے تو اس وصیت کو علی بن الحسینؑ کے سپرد کر دیا، پس انھوں نے چوتھی مہر کو کھولا تو لکھا تھا سکوت اختیار کریں۔

مقام ہذا پر، اس روایت کی طرح اور بھی روایات امام صادقؑ سے نقل ہوئی ہیں۔ بعض روایات میں تو یہ منطقی استدلال بھی ہوا ہے کہ اگر لوگ آئمہؑ کی صلح یا جنگ کے اسباب کو نہ جانتے ہوں تو انھیں چاہیے کہ بخوانہ قضاوت سے پرہیز کریں اور انھیں حضرت موسیٰؑ کی داستان سے درس لینا چاہیے کہ جب حضرت خضرؑ نے ایسے کام انجام دیئے جو حضرت موسیٰؑ کیلئے غیر متوقعانہ اور ناقابل قبول تھے مثلاً شستی میں سوراخ کرنا، بچے کو قتل کرنا تو چونکہ ان کاموں کی علت و حکمت سے آشنا نہ تھے، لہذا اعتراض تو کیا مگر جوں ہی حضرت خضرؑ نے علت و اسباب بیان کئے تو حضرت موسیٰؑ قانع ہوتے ہوئے نظر آئے، اگر اس مضمون پر دیگر روایات مطلوب ہوں تو شیخ صدوق کی علل الشرائع اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار کی جانب رجوع فرمائیں۔ ۲

اور اب وہ روایت جو خاص طور پر صلح امام حسنؑ اور قیام امام حسینؑ کے بارے میں نقل ہوئی ہے وہ قارئین کے پیش خدمت ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی کتاب علل الشرائع میں سند کے ہمراہ ابی سعید عقیصا سے

نقل کرتے ہیں، (ابی سعید) امام حسن کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے فرزند پیغمبر! آپ تو جانتے تھے کہ آپ حق پر ہیں پھر کیوں معاویہ جیسے گمراہ انسان سے صلح کی؟ امام نے جواب دیا:

”اے ابوسعید! کیا میں خدا کی خلق پر اس کی حجت اور اپنے بابا کے بعد ان کا امام اور بہر نہیں ہوں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں آپ نے سچ کہا۔

حضرت نے فرمایا: کیا میں وہی نہیں کہ میرے اور بھائی حسین کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا:

”حسن و حسین دونوں امام ہیں چاہے وہ قیام کریں یا قعود؟“

میں نے عرض کی جی ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا:

تو اب جبکہ میں امام ور بہر ہوں تو قیام کروں یا نہ کروں؟ اے ابوسعید! معاویہ کے ساتھ مصالحو کا سبب وہی تھا جس کی بنیاد پر رسول اللہ نے بھی بنی ضمرہ اور بنی اشجع اور مکہ والوں سے حدیبیہ سے پلٹتے وقت مصالحو کیا البتہ فرق اتنا ہے وہ تنزیل (ظاہر آیات صریح) کے منکر و کافر تھے، جبکہ معاویہ اور اسکے اصحاب تاویل کے منکر و کافر ہیں۔ اے ابوسعید! جب میں خدائے عزوجل کی جانب سے امام ور بہر ہوں تو کسی کو حق نہیں کہ میرے کیئے ہوئے کاموں صلح یا جنگ پر اعتراض کرے اگرچہ لوگوں پر میرے اقدام کے اسرار واضح نہ ہوں۔ کیا حضرت خضر کا واقعہ فراموش کر دیا کہ جب انھوں نے کشتی میں سوراخ کیا، بچے کو قتل کیا، دیواری مرمت کی تو حضرت موسیٰ نے ان کے کاموں پر اعتراض کیا مگر جوں ہی ان کے اسباب آشکار ہوئے راضی ہو گئے۔ میرا عمل بھی بالکل اسی طرح کا ہے کیونکہ تم حضرات اس راز کو نہیں جانتے اس لیے اعتراض کر رہے ہو، جبکہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو شیعوں میں سے کوئی ایک فرد بھی روئے زمین پر باقی نہ رہتا (اے ابوسعید) یہ لوگ سب کو مار ڈالتے۔“

ایک اور روایت میں یہی علت صلح بیان ہوئی ہے جسے جناب طبری نے اپنی کتاب احتجاج میں امام حسن سے نقل کیا ہے۔

شرعی ذمہ داری، حکم الہی اور احساس جواب دہی

یزید جیسے انسان کے بارے میں گذشتہ حصے میں جو کچھ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اس کی بنا پر کسی بھی دیندار مسلمان کے پاس امام حسین کی انتخاب کردہ راہ کے علاوہ کوئی راستہ وجود نہیں رکھتا کیونکہ حکومت یزید شرعی طور پر کسی بھی معیار و پیمانے پر پوری نہیں اترتی تھی اور نہ ہی قانون اور معاشرتی اصولوں کے مطابق

تھی خود یزید (جیسا کہ آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں) کسی بھی چھوٹے مقام و منصب کی لیاقت نہیں رکھتا تھا چہ جائیکہ حکومت اسلامی کی ذمہ داری اس کے ہاتھوں سونپ دی جائے، لہذا امام حسینؑ کیلئے ایسی حکومت اور ایسے حکمران کی بیعت کرنا کسی لحاظ سے بھی صحیح نہ تھا اور نہ ہی کسی توجیہ و علت تراشی کا حامل ہوتا اور یہ تو وہ بات ہے جس پر دلیل خود امام حسینؑ اور آپ کے جد اور پدر بزرگوار کی باتوں میں، بلکہ آیات میں وضاحت دیکھی جاسکتی ہے، کیا قرآن مجید میں خداوند متعال ارشاد نہیں فرماتا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾

”جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری پھیل جائے ان کیلئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔“ (نور ۱۹) ۵۔

کیا امام حسینؑ کا معاویہ کے فرزند یزید کی بیعت کرنا جو کہ فاسق اور تباہ کار تھا، محترم دایماندار لوگوں کے درمیان فحشاء و منکر کی اشاعت اور اس کا چرچا کرنے میں مدد و نصرت کا مصداق نہ ہوتا۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ”گناہ اور دشمنی میں کسی کی معاونت مت کرو“ (مائدہ ۲)

چنانچہ کسی پر یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ حکومت یزید کی بیعت اور وہ بھی حسینؑ بن علیؑ جیسے فرد کے ذریعے گناہوں میں بہت بڑی مدد و معاونت ہے۔ مگر اس امت کا دوسری امتوں پر برتری کا سبب امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں ہے کہ جس کی جانب قرآن میں ارشاد الہی ہوا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَارْمُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

”تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کیلئے منظر عام پر لایا گیا ہے کہ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔“ (آل عمران ۱۱۰)

کیا امیر المومنین علیؑ نے اپنی اس معروف وصیت میں اپنے فرزندوں تمام شیعیان عالم خاص طور پر حسینؑ کو مخاطب فرما کر یہ نہیں فرمایا؟

وَتُكُونُ لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَلِلْمَظْلُومِ عَوْنًا ”ظالم کے دشمن اور مظلوم تم زدہ کے یار و مددگار بنے رہنا۔“ ۶۔

اسی طرح خطبہ ششقیہ میں جب خلافت کی ذمہ داری قبول فرما رہے تھے تو اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَا تَلْخُصُّوهُ الْخَاصِرُ وَاقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ وَمَا أَخَذَ اللَّهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَنْ لَا يَقْضُوا عَلَى كَهْطِ

ظَالِمٍ وَلَا تَسْغِبَ مَظْلُومٌ لَاتَقِيَتْ خَلْفَهَا عَلَى غَارِبِهَا ”اس خدا کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور جاندار

پیدا کیے اگر بیعت کرنے والے موجود نہ ہوتے اور مددگاروں کے وجود سے مجھ پر جحمت تمام نہ

ہوتی اور وہ عہد و پیمان نہ ہوتا جو خدا نے علماء سے لیا ہے کہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی بھوک کے

سامنے ہتھیار نہ ڈالیں تو میں حکومت کی مہاراسکی کوہان پر ڈال کر اسے آزاد کر دیتا۔“ بے
لہذا امام حسینؑ کے خطبات میں جا بجا اسی ہدف، مقصد اور شرعی ذمہ داری کی ادائیگی اور حکم الہی پر عمل کو
آپؑ کے مقدس قیام کا سبب بطور صریح ذکر ہوا ہے۔ حضرتؑ نے بصرہ کے عمائدین کو خط لکھ کر اپنے قیام
اور دعوت الہی کا سبب یہ بیان فرمایا:

وَأَنادُوعُوكُمْ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ فَإِنَّ السُّنَّةَ قَدَامِيَّتٌ وَالْإِدْعَاةَ قَدَامِيَّةٌ

”میں تم لوگوں کو کتاب الہی اور سنت پیغمبرؐ کی جانب دعوت دیتا ہوں درحقیقت آج سنت مرچکی

ہے اور بدعت زندہ ہو رہی ہے۔“ ۵

اسی طرح جب معروف شاعر فرزدق سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ قیام حضرتؑ کی علت دریافت کرتا ہے تو
امامؑ نے جواب میں فرمایا:

إِنَّ نَزَلَ الْقَضَاءُ بِمَانِحِبٍ وَتَرْضَى فَحَمْدُ اللَّهِ عَلَى نِعْمَاتِهِ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلَى إِذَاءِ الشُّكْرِ وَإِنْ
حَالَ الْقَضَاءُ دُونَ الرَّجَاءِ فَلَمْ يُعْلَمَنَّ كَانَ الْحَقُّ يَنْتُهُ وَالنُّفُوسُ سَوِيَرَتَهُ ”اگر قضاء و قدر ہماری پسند و
رغبت کے مطابق ہو تو اسکی نعتوں پر شکر گزار رہتے ہیں کیونکہ سپاس گزاری میں وہ ہمارا مددگار ہے
اور اگر قضاء الہی ہماری امیدوں میں حائل ہوگئی تو جس کی نیت حق اور تقویٰ اس کا پیشہ ہے تو اس
نے دور کی راہ کو اختیار نہیں کیا ہے۔“ ۹

اسی طرح جب حضرت مسلم بن عقیل کو سوائے کوفہ بھیجا تو اس شہر کے لوگوں کو ایک خط لکھا جس میں یزید کی
نالائقی اور اپنی حقانیت کا بیان تھا تو اس میں تحریر تھا:

فَلَعُمْرُ مَا لِإِمَامٍ إِلَّا الْقَائِلُ بِالْكِتَابِ وَالْقَائِمُ بِالْقِسْطِ وَالِدَائِنُ بَدِينِ الْحَقِّ الْخَاسِ نَفْسَهُ عَلَى ذَاتِ اللَّهِ
وَالسَّلَامُ ”مجھے اپنی جان کی قسم یقیناً امام اور رہبر وہ ذات ہو سکتی ہے جو کتاب خدا پر عمل کرے
اور عدل و انصاف کو قائم کرے اور دین حق پر متدین ہوتے ہوئے راہ خدا میں اپنی جان گروی رکھے

وے۔“ ۱۰

یا اس وقت جب والی مدینہ ولید بن عتبہ حضرتؑ سے یزید کی بیعت طلب کر رہا تھا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْأَمِيرُ إِنَّا أَهْلُ بَيْتِ النَّبِيِّ وَمَعْدَنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَاحِكَةِ وَبِنَاتِخِ اللَّهِ وَبِنَاخَتِهِ اللَّهُ
وَيَزِيدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ قَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَةِ، مُغْنٍ بِالْفِسْقِ يَوْمَظِلُّ لِيَايُعُ مِثْلَهُ ۖ

یا جس وقت کوفہ کی راہ میں خُربن یزید ریاحی نے امامؑ کا راستہ روکا تو آپؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ قَالَ: مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحِلًّا لِحَرَامِ اللَّهِ، نَايِكًا
عَهْدَهُ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ يَفْعَلُ فِي عِبَادِ اللَّهِ بِالْأَثَمِ وَالْعَدْوَانِ فَلَمْ يَغْيِرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ، كَانَ

حَقَّاعَقْلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ مَدْخَلَهُ الْاَوْرَانِ هُوَ لَا يَفْقَهُ مُوَاطَاعَةَ الشَّيْطَانِ ، وَتَوَلَّوْا عَنْ طَاعَةِ الرَّحْمَنِ ، وَ
اَظْهَرُوا الْفَسَادَ ، وَغَطَّلُوا الْخُدُودَ ، وَاسْتَاثَرُوا بِالْفَنَاءِ ، وَاخْلَعُوا حُرَامَ اللّٰهِ وَخَرَّمُوا حِلَّالَهُ ، وَانَى اَحَقَّ
بِهَذَا الامر لِقَرَابَتِي مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

”اے لوگو! بے شک رسول خداؐ نے فرمایا: اگر کوئی ظالم حکمران کو اس حال میں دیکھے کہ وہ حرام خدا کو حلال جان کر عہد و پیمان خدا کو توڑ رہا ہے، سنت پیغمبرؐ کی مخالفت اور بندگان خدا کے درمیان از روئے دشمنی رفتار رکھے ہوئے ہے تب بھی قول و عمل میں اس کی مخالفت نہ کرے تو خدا کا حق حاصل ہے کہ اسے اس ظالم (حاکم) کا ہم نشین بنادے۔

سنوے لوگو! یہ (بنی امیہ) لوگ خداوند رحمن کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی پیروی پر اتر آئے ہیں انھوں نے فساد کو آشکارا اور حدود الہی کو معطل کر دیا ہے، مسلمانوں کا حق آپس میں تقسیم کر لیا، حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کر دیا ہے بے شک میں رسول اللہؐ سے قربت داری کی وجہ سے ذمہ داری اور حکومت کا زیادہ حق دار ہوں۔“ ۱۲

اور جناب محمد حنفیہ کے نام تحریر کردہ اپنے وصیت نامہ میں ارشاد فرمایا:

انّی لم اخرج انشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً، وانما خرجت لطلب اصلاح فی امتہ جدی ،
اورید ان امری بالمعروف وانہی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی وابی علی بن ابی طالب فمن قبلنی
بقبول الحق فالله اولی بالحق ومن رد علی هذا اصیر [اس کا ترجمہ گذشتہ باب میں گزر چکا ہے۔]

اسی طرح حربن یزید ریاحی سے تکرار ہونے کے بعد جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آیا ہے:
اَیُّهَا النَّاسُ فَانْكُم اِنْ تَقُوْا لِلّٰهِ وَتَعْرِفُوْا الْحَقَّ لَا هِلَیْ تَكُنْ اَرْضِیْ لِلّٰهِ عَنْكُمْ ، وَنَحْنُ اَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ
وَاولی بولایۃ هذا الامر علیکم من هؤلاء المذّعن مالمیس لہم والسائرین فیکم بالجور والعدوان
”اے لوگو! بلاشبہ اگر تم نے تقویٰ الہی کو اختیار کیا اور حق اس کے صاحب کیلئے جانا تو زیادہ سے
زیادہ رضایت اور خوشنودی الہی شامل حال رہے گی، ہم خاندان محمدؐ ہیں لہذا لوگوں پر فرمانروائی اور
تمہاری سرپرستی کیلئے مدعیان خلافت (جو ان کا حق بھی نہیں ہے) سے کہیں زیادہ سزاوار ہیں (جبکہ) وہ
تمہارے درمیان ظلم و دشمنی کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔“ ۱۳

نتیجہ بحث

ان تمام ذکر شدہ مطالب کا نتیجہ اس حقیقت کی صورت میں سامنے آتا ہے کہ قیام امام حسینؑ اس زمانے کے حالات اور حکومت اسلامی کی وضع و کیفیت کے آگے ایک الہی ذمہ داری اور شرعی فریضہ تھا، لہذا اس مہم و ضروری فریضہ کی ادائیگی امام حسینؑ کی ذات سے مختص نہ تھی، بلکہ ہر مسلمان جواب دہ تھا، لیکن حضرت کے شانے اس بارے میں زیادہ سنگین تھے۔ بنابر اس خیال ہے کہ اس مقدس قیام پر بحث و گفتگو کے بجائے

اس سوال کے جواب اور اس پر توجہ دی جائے کہ آخر کیوں دوسروں نے امام حسینؑ کی مانند قیام اور اس نامشروع و ناجائز اور تکلیف حکومت سے مخالفت کا اظہار نہ کیا؟

اس وقت کے افراد میں سادہ لوح، بے ضرر اور فریب خوردہ افراد کے علاوہ اور بھی بہت سے متدین، دانشور اور معاشرے کے سیاسی حالات سے آگاہ افراد بھی تھے جو نہ تو بنی امیہ کے فریب دہندہ نظام حکومت سے دھوکہ کھائے ہوئے تھے اور نہ ہی کسی دھونس اور رعب میں آنے والے تھے، بلکہ وہ تو معاشرتی مسائل کا خوب اچھی طرح تجزیہ کرنا جانتے تھے یعنی آخر کیا سبب تھا کہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، محمد حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر وغیرہ جیسے افراد نے کیوں قیام نہیں کیا؟

کو تاہن یہ کہ ہمیں قیام امام حسینؑ کے بجائے ان حضرات کے عدم قیام پر دلائل تلاش کرنا چاہیے حتیٰ امامؑ کا ساتھ نہ دینے کا کیا سبب تھا؟ ورنہ ان حالات و کیفیات میں (از روئے قرآن) مسلمان پر حکومت کے خلاف قیام اور اس کی مخالفت ضروری امر تھا۔

ایک اور اہم سوال کا جواب

بتابراین اب اس سوال کی گنجائش جسے کچھ افراد نے عنوان بحث کے طور پر بیان کیا ہے باقی نہیں رہی کہ: کیا امام حسینؑ جانتے تھے کہ انھیں مار دیا جائے گا یا نہیں جانتے تھے؟ اور اگر جانتے تھے تو خود کو اور اپنے اصحاب کو ہلاکت میں ڈالتے ہوئے قربان گاہ میں کیوں لے گئے کیا خداوند نے نہیں فرمایا:

﴿وَلَا تَقُولُوا بَإِيدِيكُمُ الْيَهُودُ﴾

غیر مربوط بحثوں کی طرح اس بحث کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی کہ کیا امام حسینؑ کا قیام حکومت کیلئے تھا اور اگر ایسا ہی تھا تو کیا اس اقدام کیلئے ماحول سازگار تھا؟ بلکہ اس موضوع کے تمام سو، حا، شور و غل، جنگ و جدال قلم فرسائیاں، ایک دوسرے کی تکفیر کرنا بے ثمر و بے اثر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ یہ سب محنت اور تنگ و دو فقط وقت ضائع کرنا ہے اور نہ پہلے شبہ سے خالی تھی اور نہ ہوگی، کیونکہ جب یہ طے پا چکا ہے کہ امام کا قیام ایک الہی اور دینی ذمہ داری تھی تو حضرت کا اور آپؐ کے اصحاب کا مارا جانا، مخدرات فرزندوں اور دیگر ساتھیوں کا اسارت قبول کرنا، مال و اسباب اور خیموں کا تاراج اور لوٹ کی نظر ہونا وغیرہ جیسے احتمالات اس شرعی ذمہ داری اور مقدس تحریک سے نہیں روک سکتے تھے اور نہ امام ان اثرات سے متاثر ہو کر باز رہ سکتے تھے، چنانچہ نہ تو حادثہ کربلا سے پہلے اور نہ ہی اسکے بعد یہ اثرات جہاد جیسی مقدس عبادت اور اسلام کا دفاع جیسی عظیم ذمہ داری سے روک سکتے ہیں۔

کیا راہ خدا میں جہاد اور نوامیس اسلام کا دفاع اور اسلامی مملکت کے حدود کی حفاظت شہادت طلبی اور مال و جان و اولاد کو قربان کیے بغیر مقدور ہے؟ کیا دشمنان اسلام سے جنگ ہمیشہ اُن کی شکست

کی صورت میں تمام ہوتی تھی؟

کیونکہ ہر دفاع اور ہر قیام میں قتل ہو جانے اور ساتھیوں کا اسیر ہو جانا اس کے ساتھ ہے، چنانچہ کیا یہ احتمال حتیٰ ایسا یقین ہو سکتا ہے کہ ایسی عظیم ذمہ داری اور مسئولیت کے سامنے کوئی عذر ٹھہرتا۔ کیا وہ کثیر التعداد آیات اور روایات جو راہ خدا میں جہاد کرنے کا حکم دیتی ہے (تخصیص کی حامل) کسی خاص موقع و منا سبت کیلئے نازل ہوئی ہیں؟ تاکہ ہم بحث کریں کہ امام حسینؑ کا قیام ان کے مصداق میں سے تھا یا نہیں؟ کیا جنگ تبوک نہ تھی کہ جس میں مسلمان انہی احتمالات خوف و ہراس کے سبب بہانہ جوی کر کے لگے تاکہ جہاد سے کوئی راہ فرار نکل سکے تو یہ آیت نازل ہوئیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ أَنْ تَقُوتُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْنَا إِلَى الْأَرْضِ أَرَضْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ إِنَّا تَنفَرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبَدِلُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ راہ خدا میں جہاد کیلئے نکلو تو تم زمین سے چپک کر رہ گئے کیا تم آخرت کے بدلے زندگانی دنیا سے راضی ہو گئے ہو تو یاد رکھو کہ آخرت میں اس متاع زندگانی دنیا کی حقیقت بہت قلیل ہے اگر تم راہ خدا میں نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا۔“ (توبہ ۳۹، ۴۰)

کیا احد الحسینین سے مراد جو انہی آیات کے بعد کی آیات میں آیا ہے راہ خدا میں شہادت یا کامیابی نہیں ہے...؟ کیا قرآن نے صراحت کے ساتھ اس طرح ان لوگوں کی پر زور مذمت کی جو جنگ احزاب کے میدان سے فرار ہو کر اپنے شہر کی جانب لوٹ رہے تھے:

﴿لَقَدْ كَانُوا عَاهِدَ اللَّهِ مِنْ قَبْلِ لَا يُؤْتُونَ الْاَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۚ قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ قُرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوْ الْقَتْلِ وَاِذَا لَمْ تُنْعَمُوا اِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور ان لوگوں نے اللہ سے یقین عہد کیا تھا کہ ہر گز پیٹ نہیں پھرائیں گے اور اللہ کے عہد کے بارے میں بہر حال سوال کیا جائے گا، آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم قتل یا موت کے خوف سے بھاگنا ہی چاہو تو فرار کام آنے والا نہیں اور دنیا میں تھوڑی ہی آرام کر سکو گے۔“ (احزاب ۱۶، ۱۷)

کیا جنگ احد اور وہاں سے بھاگنے والوں کیلئے نہیں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا الْاِخْوَانُ اِنْتَهُم اِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ اَوْ كَانُوا غَارَ اَوْ لُؤْ كَانُوا عِندَنَا مَا تَدْرُوْنَ اَوْ قَاتِلُوا اِلَيْهِمْ جَعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُخَيِّئُ وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ وَلَئِنْ قُلْنَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَوْ مِتُّمْ لَمَغْفِرَةً مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ وَلَئِنْ

مَتَمُّ أَوْ قُتِلْتُمْ لَأَلِيَّ اللَّهُ تَخْشَرُونَ ﴿۱۵۷﴾

”اے ایمان والو! خبردار کرو کہ جو جیسے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے ساتھیوں کے سفر یا جنگ میں مرنے پر یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے خدا تمہاری علیحدگی ہی کو ان کیلئے باعث مسرت قرار دینا چاہتا ہے کہ موت و حیات اسی کے اختیار میں ہے اور وہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے اگر تم راہ خدا میں مر گئے یا قتل ہو گئے تو خدا کی طرف سے مغفرت اور رحمت ان چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے جنھیں یہ جمع کر رہے ہیں اور تم اپنی موت سے مرو یا قتل ہو جاؤ سب اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیے جاؤ گے۔“ (آل عمران ۱۵۷)

اسی طرح ایک اور مقام پر انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جو راہ خدا میں جہاد سے اس لیے گریز کرتے ہیں کہ کہیں جان و مال سے ہاتھ نہ دھونا پڑے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَعِزُّواؤُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَفَتْهُمُ اتِّجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ”پیغمبر آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ دادا، اولاد، برادران، ازدواج، عشیرہ و قبیلہ اور وہ اموال جنھیں تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے خسارے کی طرف سے فکر مند رہتے ہو اور وہ مکانات جنھیں پسند کرتے ہوئے تمہارے نگاہ میں اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو وقت کا انتظار کرو یہاں تک کہ امر الہی آ جائے اور اللہ قاسق قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔“ (توبہ ۲۴)

بہر حال اور بہت سی آیات و روایات جنھیں مزید بیان کرنا طول دینے کے مترادف ہے اسی باب میں وارد ہوئی ہیں۔

کیا امام کا ہدف حکومت تشکیل دینا تھا

بعض اہل قلم نے انتہائی محنت و مشقت، قلم فرسائی اور مقدمہ بندیوں کے بعد یہ نتیجہ دیا کہ امام حسینؑ کا مقدس، خونین اور زندہ جاوید قیام تشکیل حکومت کیلئے تھا ان کے بقول اس موضوع پر سات سال تک تحقیق و مطالعہ کرتے رہے، چنانچہ تمام سنی اور شیعہ کتب میں موجود روایات و احادیث کی چھان بین کا حاصل اور ان کی عقدہ کشائی یہ ہوئی کہ امام جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا جو جت الہی بھی ہے فقط یہی ہدف تھا! چنانچہ بے جا نہیں کہ ایسے لکھنے والوں سے بہتر آشنائی کیلئے اس موضوع پر لکھی گئی ایک صاحب کی کتب میں جو تحریر کیا گیا ہے وہ نقل کر دیا جائے۔ وہ آغاز کتاب میں فرار بن پیش کرتے ہیں:

میں سالہا سال سے سن رہا تھا کہ امام حسینؑ نے قیام اس لیے فرمایا تاکہ حضرت اپنا خون بہائیں

اور افراد خاندان اسیر ہو جائیں لہذا یہ سن کر کانپنے لگتا تھا اور انتہائی ناراحت ہو کر خود سے کہتا تھا کہ امام کا مقدس خون تو ان کی رگوں میں جوشاں رہنا چاہیے تاکہ انسانیت کو حرارت و حرکت نصیب ہو، ہم پر نور افشانی کرے اور اسلام و مسلمین کا پشت پناہ ثابت ہو سکے۔ آخر امام کیوں چاہتے تھے کہ یہ حرارت خون پاک بیاباں کی خاک پر بہہ جائے اور انسانیت ایسے عظیم رہبر سے محروم ہو جائے کیوں امام نے گوارا کیا کہ بانوان عصمت جو اسلامی عفت کا کامل نمونہ تھیں خونخوار دشمنوں کے ہاتھوں اسیر بنائی جائیں اور انھیں حریص وادبش اور پست آنکھوں کیلئے کوچہ بازار سے گزرا جائے۔

یہ استفہام اور تعجب کی حالت انقلاب زمانہ کے ساتھ میرے لیے ایک روحی عقدہ جان کاہ اور درد ناک مشکل کی صورت اختیار کر گئی لہذا مختلف مناسبتوں پر کئی سال تک مسلسل سید الشہداء کے مقدس قیام کے بارے میں مطالعات و تحقیق کرتا رہا در نتیجہ اس روحانی مشکل کی عقدہ کشائی ہوئی تو مجھے سکون نصیب ہوا۔ آپ حضرات وقار مین سوچ رہے ہوں گے کہ آخر یہ مشکل کیسے حل ہوئی؟ کیا معلوم ہو سکا کہ قیام امام کی واقعیت وہ نہ تھی جواب تک ہمارے لئے اس طرح بیان کی جاتی رہی کہ ہمارے ذہنوں پر نقش بستہ ہو چکی تھی یعنی امام نے اس لیے قیام فرمایا کہ خود مار دیئے جائیں اور افراد خاندان اسیر بنالیں، کیونکہ یہ عقیدہ و خیال تاریخی اعتبار سے قطعی السنہ نہیں ہے، چنانچہ اس طرح مشکل بھی حل ہو گئی اور ایک راز کی جانب بھی متوجہ ہو، لہذا آپ اس کتاب کو ضرور پڑھیں، تاکہ حقیقت آشکار ہو جائے۔

بعد ازاں مذکورہ کتاب نو لیس لکھتا ہے:

قیام امام حسین کے بارے میں لکھنے والے دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں جو یا تو افراط کا شکار ہوئے ہیں یا تفریط کا یعنی بالکل ایک دوسرے کے ضد و نقیض نظر آتے ہیں۔

ایک گروہ جو حسین بن علی کی عصمت و امامت کا قائل نہیں، قیام امام کو ایک ابتدائی شورش، آشوب گری اور بغیر سوچے سمجھے حکومت وقت کے خلاف بد انجام انقلاب جانتے ہیں، لہذا یہ حضرات امام کی جانب خطا کی نسبت دیتے ہیں، ان لوگوں کی منطق و سوچ یہ ہے کہ حسین بن علی کے نہ مالی اور نہ افرادی قوت تھی، بلکہ آپ سیاسی تکنیکی، ڈپلومیسی اور اجتماعی اعتبار سے کوئی خاص طرح و نقشہ نہ رکھتے ہوئے یزید کی قوی حکومت سے بچہ آزمائی فرما رہے تھے۔ اس طرح جب عمومی نظم و نسق ٹوٹنے لگا تو حکومت نے اجتماعی نظام کی خاطر مجبور ہو کر آپ کو سرکوب کیا تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار رہ سکے، چنانچہ (بقول اٹکے) اس وحشتناک کربلائی حادثے کی

ذمہ داری حسین بن علی کی شخصیت پر آتی ہے۔

جبکہ جو گروہ آپ کی امامت و عصمت کا قائل ہے، امام حسین کے قیام کو عقل و خرد کی پہنچ سے بالاتر جانتے ہیں۔ یہ گروہ ایسے نقشے کے مطابق سمجھتا ہے جو دستور نبی کے مطابق انجام دیا گیا ہے یعنی امام حسین نے علم امامت کی پیروی کرتے ہوئے ایک درپردہ فرماں الہی کے تکمیل کی خاطر بے سابقہ اور عدیم المثال ایک ایسا قیام فرمایا جس کی رنگین داستان تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ لہذا کسی کو سید الشہداء کے اس اقدام پر چوں و چرا کا حق حاصل نہیں، اس گروہ کے مطابق بہتر یہ ہے کہ ہم اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں اور نہ ہی کسی تحقیق و مطالعہ کی ضرورت ہے بلکہ ایسے واقعات کا فیصلہ ذات امام پر ہی چھوڑ دیا جائے۔

اس منطق کا واضح نتیجہ یہ سامنے آیا کہ قیام امام حسین ایک غیر معمولی اور خارق العادہ عمل تھا اور کسی بھی انسان کیلئے قابل استفادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ قیام پیروی اور اتباع کے دائرے سے خارج ہے، کیونکہ اس عقیدے کے مطابق امام نے ایک درپردہ فرمان خداوندی پر عمل کیا جسے حضرت کے علاوہ کوئی اور نہیں جان سکتا پس قیام امام حسین کا ہدف و مقصد انہی کی ذات سمجھ سکتی ہے یعنی خداوند متعال کی جانب سے امام حسین کو حکم تھا کہ اپنی جان دے کر ثواب عظیم حاصل کریں اس لئے کسی کو بھی اس عنوان پر گفتگو کا حق حاصل نہیں ہے۔

اہل قلم ان دونوں نظریات کی مخالفت اس انداز میں کرتا ہے کہ ہمارے گمان کے مطابق ان متضاد نظریات کے حامل افراد میں سے کسی نے جب قیام امام کو تمام مراحل میں ابتدائی اقدام تصور کیا تو لازمی طور پر یہی گمان کرے گا، کیونکہ حضرت کسی بھی قیام کے مراحل میں افرادی قوت کے مرحلہ سے ہمکنار نہ تھے، چنانچہ ان کے مطابق ایسے حالات میں تحریک چلانا عقل و خرد سے دور ہے، البتہ یہ حضرات امام حسین کی عصمت و طہارت کے قائل نہیں ہیں لہذا انھوں نے اس قیام میں امام کو غلطی کی نسبت دی مگر جو لوگ حضرت کی عصمت کا تو اقرار کرتے ہیں، کیونکہ امام کے قیام کو عقلی پیمانے پر نہ اتار سکے تو عاجز ہو کر کہنا پڑا کہ امام کا عمل ان ہی سے مختص تھا جو کہ نبی دستور کے مطابق انجام پایا، بنا برائیں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے بارے میں گفتگو کرے یا اس کی پیروی کرے۔

بہر کیف دونوں نظریات میں مشترک بات یہ ہے کہ سید الشہداء کا قیام لوگوں کیلئے رہنمائی اور ہدایت کا کام انجام نہیں دے سکتا۔ بالآخر پہلے نظریے کے مطابق، کیونکہ عمل امام (العیاذ باللہ) خطا پر تھا اس لئے قابل اطاعت نہیں اور دوسرے نظریے کے مطابق کیونکہ حضرت کا عمل اختصاصی عمل تھا، لہذا لوگوں کو حق پیروی حاصل نہیں۔ مگر دونوں نظریات کے مقابل ایک اور نظریہ پایا جاتا ہے جس میں اس اقدام کو نبی

دستور بھی تسلیم کیا گیا ہے اور قابل پیروی بھی جانا گیا کیونکہ غیبی دستور جو بھی ہو حضرت نے اس پر عمل کیا اور قاعدہ کے طور پر عمل امام لوگوں کیلئے رہنما اور ہادی ہوا کرتا ہے لہذا اسے نمونہ عمل قرار دینا چاہیے، کیونکہ عمل امام کو انہی سے مختص کرنے کیلئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔

ہم نے اب تک جتنا بھی مطالعہ کیا ہے اس کے مطابق امام کا اقدام بالکل عقل و خرد اور دنیا میں رائج عدالتی و معاشرتی قوانین کے مطابق حتیٰ کہ ایک خردمندانہ بلکہ ضروری اور ایک ناقابل اجتناب اقدام تھا اور نہ فقط یہ بلکہ اس تاریخی جنبش کے اصول بھی ریاضی کے قواعد کے مانند ہمیشہ زندہ اور قابل عمل ہیں، بنا برائیں قیام امام کی تاریخ تحقیق و تفحص (دقیقی تلاش) کیلئے بہترین موضوع ہے تاکہ اس قیام سے درس حاصل کیا جاسکے۔ ہمارے خیال میں پہلا نظریہ جو بعض علماء اہل سنت نے قیام امام کے بارے میں حضرت کو خطا کی نسبت دے کر قائم کیا ہے وہ فرزند پیغمبر پر عظیم ظلم ہے اور تاریخی واقعات کا انکار ہے۔ یہ لوگ یا تو تحریک امام حسین کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے خطا کا شکار ہوئے ہیں یا پھر کسی غرض و مقصد کی خاطر لوگوں کے افکار و خیالات کو مخرف کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح بعض شیعہ مؤلفین کا امام کے مقدس قیام کے بارے میں یہ خیال کہ وہ پیروی کرنے کے دائرے سے خارج ہے ایک قسم کا انجماد ہے جو فکر انسانی کو تحقیق و تفحص سے بھی روک دیتا ہے اور اس مرد ملکوتی کی آزادی بخش تحریک کی اہمیت کو زائل کر دیتا ہے۔

سرانجام مذکورہ مؤلف اپنا مدعا بیان کرنے کیلئے قلم طراز ہیں اور تم صحیح اور وہ غلط جیسے انداز پر قلم طراز ہوا جبکہ یہ طریقہ کہنہ ہو چکا ہے اور آج علم و دانش کا دور ہے، لوگ سمجھنا چاہتے ہیں کہ آخر فرزند پیغمبر کے قیام کے علل و اسباب کیا تھے، تاکہ ان سے استفادہ کیا جائے۔ بنا برائیں ہم نے عقل و فہم اور فطری اور اصولی اعتبار کے مطابق تحقیق انجام دی، تاکہ زندہ و قیمتی مکتب امام حسین دوسروں کی رہبری بھی کرے اور آزادی و حریت کے طالب کنندہ انسان بھی اس مفید تحریک سے درس حاصل کر سکیں۔

الحاصل یہ کہ وہ پھر اپنے کیے ہوئے تجویزوں کی اساس پر معتقد ہے کہ کامیابی کے عوامل کے ساتھ تشکیل حکومت ہی حضرت کی شخصیت کو محفوظ رکھ سکتی تھی لہذا امام نے اپنی اولین ذمہ داری قیام ہی کو جانا۔ کامیابی کے جن عوامل کو اس مؤلف نے شمار کیا وہ یہ ہیں۔

- ۱۔ حکومت وقت کی ناتوانی
- ۲۔ لوگوں کی عدم رضایت
- ۳۔ عام افکار و خیالات
- ۴۔ رہبری کی صلاحیت
- ۵۔ رضا کار لشکر

انہیں اس انداز میں تحریر کیا ہے کہ اگر یہ عوامل نہ ہوتے تو حضرت کی کوئی ذمہ داری نہ تھی یعنی حضرت کا قیام عمل میں نہ آتا۔

نظرے کا تحلیل و تجزیہ

ہمارے خیال میں اس نظرے پر سب سے بڑا اعتراض تو یہی ہے کہ ایسے الہی قیام اور امام کے اس ملکوتی ہدف پر مادی اور حکومتی رنگ چڑھا کر شہادت کی پُر برکت راہ کو اور مقصد و ہدف پر جانثاری کے جلوے کو مومنین پر بند کرنے کی سعی کی ہے جو بالکل خود امام حسینؑ کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ چند صفحات قبل جو خطاب، نامے اور پیغامات نقل کیے گئے ہیں ان کے مطابق امام حسینؑ پوری دنیا کو یہ ثابت کر کے سمجھانا چاہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی خاص طور پر الہی رہنما کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ جوں ہی اسلامی مقدمات اور حکام الہی کو ناپاؤدی اور احتمالی خطرے سے دوچار دیکھے کہ زمام امور مسلمین ایسے فرد کے ہاتھوں میں ہے جو نہ فقط اسلامی اصول کا پابند نظر نہیں آتا بلکہ انھیں ختم کرنے پر تیار ہو ہے اور ظلم و تجاؤز کی حد یہ ہو گئی کہ شریف ترین ایام میں محترم ترین مقامات پر مقدس ترین مسلمانوں کی جانیں غیر محفوظ ہیں حتیٰ وہ لوگ مقدس مقام پر بھی حضرتؑ کی جان لینے کا قصد رکھتے ہوں (چنانچہ جب حضرتؑ سے سوال ہوا کہ ایام حج کے حساس موقع پر ساری دنیا توجہ کیلئے آرہی ہے مگر آپؑ کد سے خارج کیوں ہو گئے تھے؟ تو آپؑ نے یہی فرمایا: میرے ہاں سے آنے کا سبب یہ تھا کہ بنی امیہ مجھے حرم خدا میں قتل کرنا چاہتے تھے لہذا معلوم ہوتا ہے کہ امام حرمت کعبہ کی پاسداری کرتے ہوئے مکہ سے باہر تشریف لے آئے تھے جس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے) جب گناہ و فسق و فجور اس حد تک عام ہو چکے ہوں کہ مسلمانوں کا خلیفہ جو حفاظت اسلام اور اسکے قوانین کا حفاظت کرنے والا ہے وہی علنی طور پر آشکارا انداز میں مے خواری دوسروں کی عورتوں سے معاشرت، ایسے محارم سے زنا کرے، لیکن جب خدا پسند لوگوں نے ایسے ظالم و غاصب حکمران کی بیعت نہ کی تو ان کے قتل کا حکم جاری کر دیا ۱۴ھ (اسی طرح دوسروں شرم آور حرکتیں جو گذشتہ صفحات پر گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ صفحات پر بیان ہوں گی)۔

جی ہاں امام چاہتے تھے اس بات کو اس دن کی دنیا کے کانوں تک اور تمام مسلمانوں تک پہنچائیں اور اس مکتبہ کو دنیا کے سامنے کھل دیں کہ ایسے میں ایک الہی رہبر بلکہ ایک واقعی و سچے مسلمان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس طرح کی حکومت سے مخالفت اور ظلم و بے انصافی، فسق و گناہ اور اس کی خلاف ورزیوں کے مقابل علناً قیام اور اظہار مخالفت کرے ”دوبلغ بالغ“ اگرچہ اس راہ میں قتل ہونا پڑے اور اپنا سر اس مقدس برف کی تکمیل کیلئے کھانا اور شہید ہو جانا ہی مقدر ہو۔

البتہ اگر اس ہدف کے ساتھ جنگی کامیابی اور حکومت اسلامی کی تشکیل بھی ہمراہ ہو جائے یعنی اگر جنگی ساز سامان کی کثرت کی وجہ سے دشمن کو شکست نصیب ہو تو بہتر اور عوام کیلئے زیادہ خوشحال کنندہ ہے۔ حکومت اسلامی کی سیاسی کامیابی دنیا میں بھی موثر واقع ہوتی ہے، لیکن اگر امام وقت یہ تشخیص دے کہ اس قیام میں بے جانے کا احتمال بلکہ یقین ہو اور وہ یہ جانتا ہو کہ فوج و لشکر کے ذریعے بھی ظاہری کامیابی نہیں ملے گی

اور اس طرح حکومت اسلامی کی تشکیل بھی حاصل نہ ہو سکے گی مگر اسلام کو انحراف اور ایسے لاحق خطرات سے جو دین کی اساس کو تباہ و برباد کر دے نجات ملنا حتمی اور قطعی ہو تو قیام اور تحریک کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوا کرتا، چنانچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی ضروری ہے کہ جس پر امام حسین کے پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ نے یوں فرمایا:

وَمَا اخَذَ اللَّهُ مِنْ الْعُلَمَاءِ أَنْ لَا يَقَارُوا عَلَى كُفَّةٍ ظَالِمٍ وَلَا سَعْبٍ مَظْلُومٍ

اور آپ کے جد بزرگوار پیغمبر اسلامؐ نے یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ رَأَى سُلْطَانًا جَائِرًا مُسْتَحْلًا لِحُرْمِ اللَّهِ تَاكُفًا عَنْهُ مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ، يُعْمَلُ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ

بِالْإِثْمِ وَالْعُذْرَانِ فَلَمْ يَغْيِرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ أَنْ يَدْخُلَهُ مَذْخَلُهُ

”جو بھی کسی حاکم کو اس حال میں دیکھے کہ وہ حلال خدا کو حرام کر رہا ہے، خدا کے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہے، رسول کی سنت کو پامال کر رہا ہے، بندگان خدا کے ساتھ گناہ اور تجاوز گری کا استعمال عام ہے، مگر بھیجی اسکے خلاف کوئی عمل یا زبانی اقدام نہ کرے تو خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے اسی ظالم حکمران کے ساتھ محشور کرے۔“ ۱۵

کیا امام حسین جیسی شخصیت بھی اس لیے کہ کہیں انھیں قتل نہ کر دیا جائے اپنی ذمہ داری سے گریز کر سکتی ہے؟ کیا امام حسینؑ نے حرمین یزید ریاحی کے لشکر سے اس زمانے کے حالات بیان کرتے ہوئے حکومت یزید سے متعلق نہیں فرمایا:

أَلَا تَرَوْنَ إِلَى الْحَقِّ لَا يُعْمَلُ بِهِ وَالْإِطَاعِ لَا تَنْتَهِى عَنْهُ؟ لِيَرْعَبَ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ رَبِّهِ حَقًّا فَأَنِّي لَا

أَرَى الْمَوْتَ إِلَّا سَعَادَةً، وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ إِلَّا بَرَمًا

”کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے منع نہیں کیا جا رہا ہے شک ایسے حالات میں ہر با ایمان شخصیت کو لقاء پروردگار کی مشتاق ہوتی ہے، لہذا میں مرجانے میں سعادت اور خوش بختی دیکھ رہا ہوں کیونکہ ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک ذلت ہے۔“ ۱۶

کیا امام حسینؑ کا ہدف آپ کے ان پر معنی (خود معصوم کی زبان سے جاری ہونے والا پر اطمینان کلام صداقت پر گواہ ہے) الفاظ سے روشن نہیں ہو جاتا؟

کیونکہ کثیر تعداد میں شواہد ابرار اور احادیث و روایات، تاریخی تجزیے اور مؤلفین کے نظریات کے مطابق ہماری نظریہ ہے کہ امام کا شہید ہو جانا اور آپ کے قتل نے نہ فقط اس مقدس قیام کو نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ یہی شہادت اور خونین قیام تھا جس نے ہدف امام کو معراج عطا کی اور یہی لوگوں کو بیدار کرنے میں موثر ثابت ہوا، لوگ اسکے بعد متوجہ ہوئے کہ کس حکومت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور کوئی ظالم حکمران

ان پر مسلط ہے جو اپنی طمع، شہوت، جاہ طلبی اور مقام و منصب کی حفاظت میں کسی بھی حرکت سے دریغ نہیں کرتا زمین پر موجود بہترین انسانوں کو سفاک انداز میں قتل کر دیتا ہے، اولاد پیغمبر کو اسیر و قیدی بناتا ہے اور اس طرح کے ہزاروں جرائم انجام دینے میں کسی قسم کا باک نہیں رکھتا، چنانچہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ شہادت امام کی عطا کردہ اس بیداری نے اس حکومت اور ایسی بہت سی غاصب حکومتوں کا تختہ الٹا۔

یوں بہت سی روایات، احادیث اور دین کے پیشواؤں کے اقوال، تقریر داری اور مصائب امام مظلوم (سننے اور پڑھنے) پر تاکید اسی لئے کرتے ہیں، تاکہ امام کا یہ ہدف اور آپ کا مکتب جو شنگروں، فاسقوں اور دین کے مخالفوں سے مصروف پیکار ہونے کا مکتب ہے زندہ رہے اور تاریخ کے دینداروں کیلئے رشک آور رہنما ثابت ہو سکے، ہم اس سے بھی بالاتر معتقد ہیں کہ اگر وہ مقدس و خونچکاں قیام جس انداز میں وقوع پذیر ہوا واقع نہ ہوتا اور اسکے بعد وہ جانگداز واقعات و حادثات اولاد رسول برداشت نہ کرتی تو بنی امیہ، یزید اور اس کا بے شرم خاندان اسلام کے اثر کو جگہ پر نہ رہنے دیتے اور سب کچھ مٹا دیتے۔ رہتا۔

بقول ان بزرگ عالم کے:

”اگر حسینؑ اور آپ کے اصحاب کا کر بلا میں قیام نہ ہوتا تو کبھی اسلام میں کوئی ستون و سہارا قائم نہ ہوتا اور کوئی درخت (خوشحالی) سبز نہ ہوتا حتیٰ طور پر ابوسفیان اور معاویہ کی اولاد اسلام کا گہوارے ہی میں گلا گھونٹ دینا چاہتے تھے تاکہ آغاز میں ہی اسلام درگور ہو جائے۔ بنا برائیں اسلام و مسلمین دونوں تا قیام قیامت امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے مرہون منت ہیں اور سب سے چھوٹا جملہ جو ان کے حق میں کہا جائے وہ یہ ہے: بے شک اس روز (آپ لوگوں نے) ایسا اقدام کیا جسے قیامت تک عظمت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔“

یا اس اہل سنت عالم دین نے کہا:

”بلاشبہ حسینؑ نے خود کو اور اپنے اصحاب و اولاد کو اپنے جد کے دین پر فدا کر دیا اور سلطنت بنی امیہ کے ستون متزلزل نہ ہوتے۔ بجز شہادت امام حسینؑ کے۔“ ۱۸

البتہ اس طرح کے لکھنے والوں سے جتنی بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ان کا اصل سبب یہ ہے کہ انھوں نے ساری فتح و شکست، تمام خدمتوں اور خدایاتوں موافقت اور ناموافقت وغیرہ کو فقط مادی پیمانوں اور ظاہری عینکوں پر پرکھا ہے یعنی شہادت کے بنیادی اسباب و عوامل دور راہ خدا میں جان نثاری اور آج کی اصطلاح کے مطابق تلوار پر خون کی فتح کو بالکل شمار میں نہیں لائے اسی لئے ان موضوعات کو اپنا موضوع تحقیق قرار نہیں دیا ہے، یا شاید نہیں چاہتے یا پھر ناتواں ہیں کہ شہادت کو بھی کامیاب شمار کریں اور اسے انسانی معاشرے کی ہدایت کی عملی خدمت جانیں، یہ ایک عظیم غلطی ہے جو ہنوں سے دور ہونا چاہئے۔

علامہ شہید مطہریؒ اس مقام پر تجزیہ و تحقیق پیش کرتے ہیں ان بزرگ ہستیوں کے بارے میں جنھوں نے مال و علم اور خون سے پوری تاریخ میں بشریت کی خدمت کی ہے اور اس کا موازنہ کرتے ہوئے کہ کس نے زیادہ بڑی خدمت انجام دی فرماتے ہیں:

”شاید (تمہارا) خیال ہو کہ علماء یا پھر ثروت مند افراد نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے ہاں! مگر کسی نے بھی شہداء کے پیمانے پر بشریت کی خدمت انجام نہیں دی کیونکہ وہی تو دوسروں کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں اور بشر کیلئے آزادی کا تھکا لاتے ہیں، وہی ہے جو انسانوں کیلئے احاطہ عدالت عدل و انصاف کا ماحول بناتے ہیں تاکہ دانشور حضرات اپنے علمی کارناموں میں و انصاف کے ماحول کو جو دبختی ہے تاکہ دانشور حضرات اپنے علمی کارناموں میں مصروف رہیں اور موجد و مخترع سکون کے ساتھ اپنی اختراعات میں اضافہ کریں، تاہم تجارت میں مشغول رہیں اور طالب علم تحصیل علم میں لگے رہیں یعنی ہر ایک شخص جو اپنا کام انجام دیتا ہے وہ دوسروں کیلئے ماحول ہے آج ان کی مثال چراغ اور بجلی کی سی ہے، اگر چراغ و بجلی نہ ہو تو ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں؟

اسی لئے قرآن کریم نے رسول اللہؐ کو چراغ سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ چراغ کا ہونا اس لیے ضروری ہے، تاکہ اندھیرے چھٹ جائیں اور لوگ اپنے اپنے امور میں مصروف رہ سکیں کیا خوب کہا ہے ہمارے زمانے کی شاعر ہر مروحہ پروین اعتصامی نے (خدا انھیں بخشے) جب انھوں نے ایک شاید اور ایک شمع کی گفتگو نظم کیا:

درو دیوار مزین کردم

شاہدی گفت بہ شمعے کا مشب

دو ختم جامہ و برتن کردم

دیشب از شوق نخفتم یکدم

بہ پرند از نغ و سوزن کردم

کس نداشت چہ سحر آمیزی

زانکہ من بذل سرو تن کردم

تو بگرد هنر من نوسی

”ایک شاہد، جو ایک خوبصورت، محبوب اور ہنرمند انسان تھا وہ ایک شب تا صبح شمع کا ہم نشین رہا اور کیا کیا ہنرمندیاں، گلدوزیاں اور اپنی صنعت گری کے شاہکار تیار کیے مگر جوں ہی اپنے کام سے فارغ ہوا، شمع سے مخاطب ہو کر گویا ہوا: تجھے نہیں معلوم میں نے گزشتہ شب کیا کیا کام انجام دیئے۔

میں نے اپنے سرو تن کیلئے کیسے کیسے ہنر پیش کیے ہیں۔“

شمع نے جواب دیا:

تا ز تار یکیت ایمن کردم

شمع خندید کہ بس تیرہ شدم

گھیر اشک بدامن کردم

پی پیوند گھر های تو بس

”تم کہتے ہو میں نے تابہ صبح فن و ہنر انجام دیئے مگر سوچو یہ تو میری آنکھوں کے گوبر تھے جن کی وجہ سے تم نے جواہرات کو پرویا اور انھیں اپنے گلے کی زینت بنالیا۔“

خرمن عمر من ار سوختہ شد حاصل شوق تو خرمن کر دم

”میں تو خود کو تابہ صبح جلاتی رہی تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ، اور کہتی ہے“

کارہایی کہ شمر دی بر من تو نکردی، همه را من کر دم

”جن کاموں پر تم فخر کرتے ہو در حقیقت وہ میں نے انجام دیئے۔“

بن سینا نے کتاب قانون نہیں لکھی، محمد بن زکریا نے الحاوی نہ لکھی، سعدی نے اپنے شوق کو گلستان و بوستان کے ذریعے منظر عام تک نہیں پہنچایا اور مولوی (مولانا رومی) بھی اسی طرح کچھ نہ کر سکے مگر جو کچھ بھی کیا گیا وہ شہداء کے نور کا پر تو ہے جنھوں نے اسلامی تمدن کی بنیادوں کو مستحکم بنایا، بشریت کی راہ میں موجود رکاوٹوں کو نابود کیا جو تارکیوں میں مثل شعلہ چمکے اور اپنی جان کو فدا کر دیا اور یہ وہ لوگ تھے جو ہر آن حماسہ الہی تھے، ان کا وجود حق خواہی اور حق پرستی تھا انھوں نے پرچم توحید کو پوری دنیا میں ابرہا اور مستحکم کیا، یہی لوگ منادی عدالت تھے اور حریت و آزادی کی آواز لگانے والے تھے۔ ہم اور آپ جو آج یہاں بیٹھے ہیں انہی کے قطرات خون کے مقروض ہیں، ان کے حماسہ کے ہیں حسین بن علیؑ کا شجاعت، رواداری اور بہادری تھا۔“ ۲۵

ہمارے احساس ہے کہ اس مقام پر مزید عرض کی گنجائش نہیں، کیونکہ اس بحث کے اثبات میں کثیر التعداد لکھے گئے مقالات اور کتابیں، احادیث و روایات جن میں سے کچھ تو گزر چکی اور باقی آئندہ کی بحث میں پیش کی جائیں گے۔

خلاصہ کلام، امام کے اس خونین قیام کا ہدف، ظلم و فساد سے مبارزہ اور امر بالمعروف و نہی ازمنکر کرنا تھا اور جو کچھ فراہم ہوا تھا مختلف گروہ، کوفہ اور دیگر شہروں کے لوگوں کے اظہارِ آمادگی اور دعوت کے خطوط تھے و غیرہ یہ سب اس کام کے مقدّماتی وسائل تھے لیکن ہدف نہیں تھے، اور ظاہراً ان لوگوں نے اس احتمالی ہدف اور وسیلہ ہدف میں اشتباہ کیا ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ یہ تمام اسباب امام کے قیام و تحریک کا علت تامہ تھے، جبکہ ان کیلئے کوئی صحیح عبارت شاید یہ کہہ سکتے: یہ سب کچھ امام کی تحریک کیلئے بہانہ اور توجیہ تھی نہ کہ علت تامہ اور یہ بات خود امام بزرگوار کے کلام سے اس روایت کے مطابق بخوبی روشن ہوتا ہے جہاں آپ فرماتے ہیں:

وَأَنى لَمْ أَخْرُجْ أَشِيرَ أَوْ لَا بِطَرِ أَوْ لَا مُفْسِدًا أَوْ لَا ظَالِمًا، إِنَّمَا خَرَجْتُ لَطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدَى
أَرِيدُ أَنْ أَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِيرَ سِيرَةَ جَدَى وَابِى عَلِىِّ بْنِ أَبِيطَالِبٍ فَمَنْ قَبْلَى

بِقَبُولِ الْحَقِّ فَإِنَّهُ أَوَّلَىٰ بِالسَّالِحِ وَمَنْ رَدَّ عَلَيَّ هَذَا أَصْبِرْ حَتَّىٰ يَقْضِيَ اللَّهُ بَيْنِي وَبَيْنَ الْقَوْمِ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ

”یقیناً میں یوں ہی نہیں نکل پڑا ہوں اور نہ ہی ہوا ہوں کے زور پر قیام کر رہا ہوں اور نہ مجھے فساد کرنا منظور ہے اور نہ ہی ظلم و ستم کا ارادہ رکھتا ہوں بلکہ میں تو امتِ جد کی اصلاح جوئی کی خاطر نکلا ہوں، میں تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں، اپنے جد و بابا علی کی سیرت پر حرکت کر رہا ہوں پس جو بھی حق کی وجہ سے مجھے قبول کرے گا ستم بخدا وہ حق بجانب ہے اور جو مجھے رد کرے گا تو میں اپنے اور اس قوم کے درمیان ہونے والے فیصلے تک صبر کروں گا۔ بلاشبہ وہ خیر الحاکمین ہے۔“

ایک نکتہ دلچسپ! ہم

بنیادی طور پر امام حسین کے اقوال سے ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ حضرت کا قیام نہ تو حکومت و ریاست کیلئے تھا اور نہ ہی ایک آدمی کی غرض اور ذاتی مطلب کیلئے تھا بلکہ حضرت کا ہدف ان انحرافی تبدیلیوں کا مقابلہ کرنا تھا جو اسلام میں داخل کی گئی تھیں چنانچہ بیان ہو چکا کہ اس وقت اسلام و مسلمین کی زامداری اور حکومت میں انحراف حد سے گزر چکا تھا جس کی مخالفت و سد باب ہر مسلمان کی شرعی ذمہ داری تھی یعنی وہ نہ تو فقط امام ہی کا کام تھا اور نہ صرف یزید کی ذات سے مربوط تھا، لہذا وہ نکتہ یہ ہے جو حضرت نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

إِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ النَّبُوَّةِ وَمَعْنَدِنَا الرِّسَالَةُ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ وَبِنَافِثِ اللَّهِ، وَبِنَاخَتِهِمُ اللَّهُ، وَبِزَيْنُكَ خُلِّفَ فَايُسُّقِ شَارِبَ وَالْخَمْرِ، قَاتِلَ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَاتِ مَغْلُوبًا بِالنَّفْسِ

اور اسکے بعد فرماتے ہیں :

مَثَلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ ”مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔“ ۲۱

یا ایک اور مقام پر فرمایا:

وَعَلَى الْإِسْلَامِ وَالسَّلَامِ إِذْ قَدْ بَلَّغْتَ الْأُمَّةَ بَرَاءً مِثْلَ يَزِيدَ

”جب لوگ یزید جیسے زامدار کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں تو اسلام پر فاتحہ پڑھنا چاہیے۔“ ۲۲

حضرت نے نیش کا کلمہ دومقام پر استعمال فرمایا اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ میرا (حسین کا) یزید کا نفع و نقصان فقط موضوع بحث نہیں بلکہ جو بھی میری طبیعت کا (گویا حسنی) ہو گا وہ حکومت یزید جیسی کسی بھی حکومت کو برداشت نہیں کر سکتا اور جب بھی یزید جیسا (شارب الخمر) لوگوں پر بعنوان حکمران مسلط ہو جائے تو اسلام باقی نہیں رہ پائے گا۔

حضرت کے زیارت نامہ سے تائید مدعا

من جملہ جو مطالب مندرجہ بالا موضوع پر تائید کا کام انجام دے سکتے ہیں، تاکہ بخوبی امام کا ہدف و مقصد واضح و روشن ہو جائے وہ ائمہ معصومینؑ اور اسلام کے عالی قدر علماء و محدثین کے وہ جملات ہیں جو مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچتے ہیں جیسا کہ حضرت کے زیارت ناموں میں نقل ہوا ہے:

اِنَّهَذَا نَتَكُ فَاَقَمْتُ الصَّلَاةَ... وَاَمَرْتُ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَيْتُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَجَاهَدْتُ نِي سَبِيلَ اللّٰهِ
”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز قائم کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر انجام دیا اور راہ خدا میں جہاد فرمایا۔“

اسی طرح وہ جملات جسے زیارت الرعین میں شیخ طوسیؒ نے تہذیب و مصباح میں نقل کیا ہے کہ صفوان جمال فرماتے ہیں کہ میرے مولا امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا: اس روز (الرعیین) جب حضرت کی زیارت کا ارادہ کرو تو اس طرح کہنا: السلام علی ولی اللہ وحبیبہ... آپ مزید تعلیم فرماتے ہوئے سید الشہداء امام حسینؑ کیلئے فرمایا:

فَاعْلَمْ فِی الدُّعَاءِ وَمَنْحِ النَّصِیْحَةِ وَبَذْلِ مُهَنْجَتِهِ فِیْكَ لِيَسْتَفِذَّ عِبَادُكَ مِنَ الْجَهَالَةِ وَخَيْرَةِ الضَّلَالَةِ
بے شک لوگوں کو دعوت (صدق) دینے میں کوتاہی نہ فرمائی، حق و خیر خواہی کو خوب انجام دیا اور اپنی جان کو تیری راہ میں قربان کر دیا تاکہ تیرے بندوں کو جہالت و گمراہی سے نجات عطا کرے۔“
بنا براس یہ عبارت خوب روشن کر دیتی ہے کہ قیام امام حسینؑ کا ہدف اور آپ کا جان و خون پیش کرنا حکومت اور زمامداری کیلئے نہیں بلکہ لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے نجات دلانے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر جیسی عبادت کو انجام دینے کی غرض سے تھا۔

سخن امام صادقؑ میں جس جہالت و ضلالت کا ذکر ہوا ہے وہ شاید اسی تردد و تذبذب کی جانب اشارہ ہے جس میں اس وقت کے لوگ مبتلا تھے کیونکہ اموی نظام اور سلطنت امیہ کی جانب سے پروپیگنڈوں اور حقیقت سے دور معلومات عام کی جا چکی تھیں لہذا لوگوں کی بڑی تعداد فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کرتی تھی، کیونکہ وہ مطمئن تھے کہ اگر حکومت وقت کے خلاف کوئی تحریک چلائی تو اسے ظاہری کامیابی نصیب نہیں ہوگی بلکہ اس (قیام و تحریک) کے جرم میں مار دیئے جائیں، لہذا کیا ایسی حالت میں ان کی ذمہ داری قیام کرنا نہیں تھی؟ چنانچہ امام حسینؑ نے اپنی شہادت کے ذریعے انھیں اس حیرت زدگی اور تذبذب کی حالت سے باہر نکالا اور بتایا کہ تمہاری ذمہ داری کیا ہے۔ ۲۳

اور کتنا ہی اچھا ہوتا اگر یہ اپنی قلعہ کی کاوشوں کو اسی فکر پر صرف کرتے اور اس قدر اصرار نہ کرتے کہ امام حسینؑ نے حکومت کے حصول کیلئے قیام کیا، کیونکہ یہی فکر ہے جس کے سبب ان پر اعتراضات کی بھرمار

ہوتی ہے۔

بہر صورت اس سے زیادہ آپ کا اور اپنا وقت اس بارے میں صرف کرنا مناسب نہ ہوگا لہذا بحث کو مزید واضح کرنے کیلئے ایک اور عنوان کو دائرہ گفتگو میں لاتے ہیں کہ آیا امام حسینؑ کو اپنے اور اصحاب و خاندان کے جانگداز مقدر اور سرانجام سے آگاہی تھی یا نہیں؟ چنانچہ اس عنوان پر بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔

امام کا اپنی اور یاران کی شہادت سے باخبر ہونا

جو روایات و احادیث سے سروکار رکھتا ہو اس پر بخوبی روشن ہے کہ امام حسینؑ اس سے صرف نظر کہ عالم غیب سے ارتباط میں اپنے اسلاف سے روایات اور خبریں قسمت کے بارے میں سن چکے تھے، پھر بھی آپ جانتے تھے کہ اس قیام کا انجام میری اور میرے اصحاب کی شہادت پر منبج ہوگا جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر آئے گی کہ آپ نے متعدد مقامات پر بھی یہ مذکورہ مطلب اپنے ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تھا، لہذا ہم کچھ روایات قارئین محترم کیلئے پیش کر رہے ہیں مگر ان روایات سے قبل وہ آیات جن کی تاویل حضرت کی شہادت ہے ذکر کر رہے ہیں۔

شہادت امام حسینؑ پر تاویل آیات

کثیر روایات کے مطابق جو کہ بحار الانوار اور دیگر تفسیری کتابوں میں نقل ہوئی ہیں مندرجہ ذیل آیات شہادت امام حسینؑ، حضرت کے رکاب میں جنگ کرنے اور اس نفس مطمئنہ یعنی امام حسینؑ کی جانب تاویل ہوئی ہیں۔

الف۔ جہان خدا نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ النَّفْعُ﴾

”کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟“ (نساء ۷۷)

ب۔ اسی طرح جہان خدا نے فرمایا:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾

”جو بھی مظلوم قتل ہوتا ہے ہم اسکے ولی کو بدلہ کا اختیار دے دیتے ہیں، لیکن اسے بھی چاہیے کہ قتل

میں حد سے آگے نہ بڑھ جائے کیونکہ بہر حال اسکی مدد کی جائے گی۔“ (اسراء: ۳۳)

ج۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي، وَادْخُلِي جَنَّاتِي﴾

”اے اطمینان والی روح، تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے

خوش پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں چلی جا۔“ (نحر: ۳۱-۳۲)

کامل الزیارات میں امام جعفر صادقؑ سے مستند روایات نقل کی گئی ہیں کہ جب فاطمہ زہراءؑ کے شکم مبارک میں امام حسینؑ تھے ایک روز جبرئیلؑ نے رسول اللہؐ سے آکر عرض کی:

إِنَّ فَاطِمَةَ سَلِيلٌ وَلَدًا يَفْتَلَهُ أَهْلُكَ مِنْ بَعْدِكَ ”یا رسول اللہ! بے شک آپ کی دختر بہت جلد ایک

فرزند کی ماں بننے والی ہے جسے آپ کی امت آپ کی رحلت کے بعد مار دے گی۔“

فاطمہؑ نے جب یہ خبر سنی تو اس حمل اور تولد پر غم زدہ تھیں۔ امام جعفر صادقؑ مزید فرماتے ہیں:

کیا اب تک کسی ماں کو دیکھا ہے جو اپنے بچے کی پیدائش پر غم گین ہو؟ مگر فاطمہؑ کا یہی حال

تھا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اسے مار دیا جائے گا، چنانچہ اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ

شَهْرًا﴾ ”اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی نصیحت کی کہ اس کی ماں

نے بڑے رنج کے ساتھ اسے شکم میں رکھا اور پھر بڑی تکلیف اٹھا کر جنم دیا ہے اور اس کے حمل و دو

دھ چھڑانے تک کامل زمانہ تیس مہینے کا ہے۔“ ۲۳

رہیں وہ روایات جو اس باب کی مناسبت سے نقل ہوئی ہیں تو ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر انھیں تحریر کیا

جائے تو مستقل کتاب کی صورت بن جائے گی البتہ ہم نے اس موضوع کی بہت سی جس طرح شیعہ اور

اہل سنت نے نقل کیں تو اس کی جمع آوری میں ایک جداگانہ کتاب ہو جائیگی۔ روایات باب اول و دوم

میں نقل کی ہیں۔ ۲۵۔ لہذا ان کا تکرار کرنا مناسب نہ ہوگا چنانچہ مذکورہ روایات کے علاوہ باقی روایات ایک

خاص ترتیب و تدوین کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے، لیکن ان روایات سے قبل ابن عباسؓ کی گفتار ملاحظہ

فرمائیں وہ فرماتے ہیں:

مَا كُنَّا نَشْكُ وَأَهْلُ الْبَيْتِ مُتَوَفِّرُونَ أَنَّ الْحُسَيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ يُقْتَلُ بِالْطَّلَفِ

”ہم کو اس بات پر کوئی شک نہیں تھا اور اسی طرح خاندان رسالت بھی سب جانتے تھے کہ حسین

ابن علیؑ سرزمین طوف پر مار دیئے جائیں گے۔“ ۲۶

اس روایت کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ خبر شہادت اس حد تک مسلم و معروف تھی کہ انھیں کسی طرح کا شک و شبہ

نہیں تھا اور اس بارے میں یہ عدم تردید اور اطمینان فقط اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہؐ سے سنا تھا، کیونکہ زبان رسالت لسان وحی تھی جہاں شک و شبہ کا گز نہیں۔ اسی طرح یہ روایت تو اترو کثرت سے بھی حکایت کرتی ہے۔

بہر صورت اس باب میں وارد ہونے والی روایات چند حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ پیغمبر اسلامؐ سے نقل شدہ روایات اور آنحضرتؐ کی جانب سے جا نگداز واقعہ کی خبر۔

۲۔ وہ روایات جنہیں امیر المومنینؑ سے نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ خود امام حسینؑ سے نقل شدہ وہ روایات جنہیں آپؑ نے کر بلا جانے سے قبل یا کر بلا کی راہ میں اپنی

شہادت سے متعلق ارشاد فرمایا۔

پیغمبر اسلامؐ سے نقل شدہ روایات

یہ روایات بھی چند حصوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔

الف۔ وہ روایات جنہیں امیر المومنین علیؑ نے آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے۔

ب۔ وہ روایات جنہیں ام سلمہؓ نے آنحضرتؐ سے نقل کیا ہے۔

ج۔ جن روایات کے راوی ابن عباس ہیں۔

د۔ وہ روایات جنہیں عائشہؓ اور دوسری زوجات نبویؐ یا کسی ایک صحابی یا دیگر صحابیوں نے بھی حضرتؐ سے

نقل کیا ہے۔

امیر المومنین علیؑ سے منقول روایات

امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں سلسلہ سند کے ساتھ عبد اللہ بن نجی سے اور وہ اپنے پدر گرامی سے جو حضرت

علیؑ کی حکومت میں صاحب منصب تھے نقل کرتے ہیں کہ وہ صفین کی جانب سفر میں حضرتؐ کے ہمراہ

تھے حضرتؐ جوں ہی نینو کے نزدیک پہنچے تو آپؑ نے اچانک صدادی:

اصبر ابا عبد اللہ اصبر ابا عبد اللہ بَشِطُ الْفَرَاتِ ”فرات کے کنارے اے حسین صبر کرو، اے حسین

صبر کرو۔“

راوی کہتا ہے، میں نے عرض کیا حضرتؐ آ خر قصہ کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا:

”ایک روز جب میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کی مبارک

آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں عرض کیا: یا رسول اللہؐ: کیا کسی نے آپؐ کو آ زردہ خاطر کیا ہے

جس کے سبب میں یہ اشک دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا نہیں بلکہ کچھ دیر قبل جبرئیل اٹھ کر گئے ہیں اور

انھوں نے مجھے خبر سنائی کہ حسینؑ نہر فرات کے کنارے مار دیئے جائیں گے۔“

يُقْتَلُ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ شُهَدَاءُ كَثِيرٌ مِنْهُمْ شُهَدَاءُ الْأَشْهُدَاءِ بَلَدُ اس سرزمین میں ایسے شہیدوں کی شہادت ہوگی جن کی ہمسری شہدائے بدر کے علاوہ شہداء کوئی نہیں کر سکتے۔ ۳۰

ام سلمہؓ سے منقول روایت

حاکم نیشاپوری نے جو اہل سنت کے علماء کرام میں سے تھے اپنی کتاب مستدرک میں اور دیگر میں سے زیادہ علماء اہل سنت نے اپنی مختلف کتابوں میں اسناد کے ہمراہ ام سلمہؓ سے روایت کی ہے:

”ایک شب رسول اللہ آرام فرما رہے تھے کہ اچانک حیرت زدہ ۳۱ حالت میں بیدار ہوئے، لیکن پھر دوبارہ سو گئے مگر کچھ دیر بعد پھر اسی حالت میں بیدار ہوئے اور پھر سو گئے مگر وہی کیفیت تھی جس نے آپ کو ایک بار پھر بیدار کیا (البتہ اس مرتبہ) آپ کے دست مبارک میں سرخ رنگ کی خاک تھی جسے آپ سونگھ رہے تھے عرض کی:

مَا هَذَا ثَرِبْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْسِي خَاكٌ هُوَ؟

آپؐ نے فرمایا:

أَخْبَرَنِي جِبْرِئِيلُ أَنَّ هَذَا يُقْتَلُ بِأَرْضِ الْعِرَاقِ لِلْحُسَيْنِ فَقُلْتُ لِمَ جِئْتُكَ: أَرَأَيْتَ تَرِبَةُ الْأَرْضِ الَّتِي يُقْتَلُ فِيهَا فَهَذِهِ تَرِبَتُهَا

جبریل نے مجھے یہ خبر سنائی ہے کہ حسینؑ عراق کی سرزمین پر مار دیئے جائیں گے، میں نے جبریل سے کہا: جس خاک پر (میرا حسین) شہید کیا جائے گا وہ مجھے دکھاؤ اور یہ وہی خاک ہے۔“ ۳۲

اسی طرح خوارزمی بھی اپنی کتاب مقتل حسین میں سلسلہ سند کے ساتھ ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں:

”جبریل نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

إِنَّ أُمَّتَكَ تَقْتُلُهُ لِعَيْنِ الْحُسَيْنِ، نَعْدُكَ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَلَا أُرِيكَ مِنْ تَرِبَةِ مَقْتَلِهِ قَالَ: نَعَمْ فَبَجَاءَ بِحَصِيَّاتٍ فَجَعَلَهُنَّ فِي قَارُورَةٍ” بے شک آپ کے بعد آپؐ ہی کی امت اُسے (حسین کو) مارے گی پھر حضرت سے کہا: کیا آپ کی خدمت میں اس کے مقتل کی خاک پیش کروں حضرت نے فرمایا کیوں نہیں؟ تب جبریل چند سنگریزے اور مختصر خاک لے کر آئے تو آپؐ نے اسے ایک شیشی میں محفوظ کر لیا۔

ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

شہادت حسینؑ کا روز گزرنا اور شب آئی تو میں نے ہاتھ نہیں کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

ابشروا بالعداب والتَّكْيِيلِ

أَيُّهَا الْقَاتِلُونَ جَهْلًا حُسَيْنًا

وَمُوسَى وَصَاحِبِ الْإِنْجِيلِ

قَدْ لَعْنَتْكُمْ عَلَى لِسَانِ ابْنِ دَاوُدَ

”اے حسین کو مارنے والے جاھلو سنو! میں تمہیں عذاب الہی کی نوید دیتا ہوں، اور بے شک پر داؤد موسیٰ اور صاحب انجیل (عیسیٰ بن مریمؑ) کی زبان پر تمہارے لئے لعنت ہے۔“ ۳۳ ابن حجر عسقلانی جو علماء اہل سنت میں سے تھے اپنی کتاب ”تہذیب التہذیب“ میں سلسلہ سند کے ساتھ ام سلمہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں:

”حسن و حسین میرے حجرے میں پیغمبر اسلامؐ کے سامنے کھیل رہے تھے تو اس وقت جبریلؑ نے نازل ہو کر فرمایا:

يَا مُحَمَّدَانُ اِنَّكَ يَفْتُلُ اِنَّكَ هَذَا مِنْ بَعْدِكَ وَاَوْمَأُ بِيَدِهِ اِلَى الْحُسَيْنِ ”اے محمدؐ بے شک آپؐ کی امت آپؐ کے بعد آپؐ کے اس (ہاتھ سے حسین کی جانب اشارہ کیا) فرزند قتل کر دے گی۔“ رسول اللہؐ نے یہ سن کر حسینؑ کو سینے سے لگایا اور بہت گریہ فرمایا۔ پھر جبریلؑ نے فرمایا:

”یہ خاک آپؐ کو دے رہا ہوں پس رسول اللہؐ نے اسے سونگھتے ہوئے فرمایا: وَيُحِ كُوبٍ وَيَلَاءُ“

”ہائے کرب و بلا۔“

اس وقت حضرتؑ نے مجھ سے فرمایا:

يَا اَمَّ سَلَمَةَ اِذَاكَ حَوَّلَتْ هَذِهِ التُّرْبَةُ دَمًا فَاَعْلِمِي اَنَّ اَبْنِي فَقُتِلَ ”اے ام سلمہ جب بھی اس خاک کو خون سے تبدیل ہوتا دیکھو جان لینا میرا بیٹا مار دیا گیا ہے۔“

حدیث کا باقی حصہ کچھ اس طرح سے ہے، آپؐ نے اسے ایک شیشی میں رکھ دیا اور ہر روز اسے دیکھنے آتیں اور فرماتیں جس روز تو خون میں تبدیل ہوگی وہ روز بہت بڑا عظیم دن ہوگا۔ ۳۴

اس مضمون کی بہت سی احادیث اہل سنت کی مختلف کتابوں مثلاً علامہ غنی شافعی کی کفایۃ الطالب میں جناب ہیتمی کی مجمع الزوائد میں اور جناب طبرانی کی معجم وغیرہ میں موجود ہیں جن کی فہرست قاضی نور اللہ شوستری کی ملکحات احقاق الحق میں نقل ہوئی ہے۔ ۳۵

اہل سنت کے عالم مولوی علی ہندی نے کنز العمال میں ابن عساکر سے ام سلمہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے رسول اللہؐ نے فرمایا:

اِنَّ جِبْرِيلَ اخْبَرَنِي اَنَّ اَبْنِي هَذَا يُقْتَلُ وَاَنَّهُ اسْتَدْعَضَبَ اللّٰهَ عَلٰی مَنْ يُقْتَلُ جِبْرِيلُ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ فرزند (حسین) مار دیا جائے گا بے شک جو اسے مارے گا اس پر حشم و غضب خدا سخت ہوگا۔ ۳۶

اسی کتاب میں حدیث مذکور کے بعد ابن سعد نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

اِنَّ جِبْرِيلَ ارَانِي التُّرْبَةَ الَّتِي يُقْتَلُ عَلَيْهَا الْحُسَيْنُ فَاَسْتَدْعَضَبَ اللّٰهَ عَلٰی مَنْ يَسْفِكُ دَمَهُ فَيَا عَائِشَةُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اِنَّهُ لَيَحْزُنُنِي فَمَنْ هَذَا مِنْ اُمَّتِي يُقْتَلُ حُسَيْنًا بَعْدِي

”بے شک جبرئیل امین نے مجھے وہ خاک دکھائی جس پر حسین شہید کر دیئے جائیں گے اور غضب الہی اس پر سخت ہے جو اس کا خون بہائے گا اے عائشہ! مجھے قسم اس خدا کی کہ جس کی قدرت میں میری جان ہے اس ماجرا نے مجھے غمگین کر دیا ہے آخر وہ کون میری امت کا فرد ہے جو اسے مارے گا؟“

شیعہ علماء عظام میں شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں سلسلہ سند کے ساتھ سماک کے ذریعے ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں:

”ایک روز معمول کے مطابق حضرت تشریف فرما تھے اور حسینؑ آپؐ کی آغوش میں تھے کہ اچانک آپؐ کی آنکھوں سے اشک ریزی ہونے لگی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری جان آپؐ پر قربان میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں؟ کہ آپؐ گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا: جبرئیل آئے تھے انھوں نے مجھے حسینؑ کا پر سہ دیا ہے، انھوں نے مجھے بتایا میری امت کا ایک گروہ اسے مار دے گا خدا میری شفاعت سے ان کو مہر م رکھے۔“

دوسری سند کے حوالے سے جناب ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں:

”ایک رات رسول اللہؐ ہمارے پاس سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر بعد جب پلٹ کر تشریف لائے تو آپؐ کا سر و چہرہ خاک آلود تھا اور ہاتھ کی ہتھیلیاں خون آلود تھیں۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے میں آپؐ کو گرد و خاک میں آلودہ دیکھ رہی ہوں؟ فرمایا: مجھے اس وقت سرزمین عراق کی ایک جگہ جسے کربلا کہتے ہیں لے گئے تھے جہاں میرے فرزند حسینؑ، اس کی اولاد اور خاندان کا مقتل تھا وہاں بیٹھا اس کا خون اٹھا رہا تھا جو دیکھ میرے ہاتھوں میں لگا ہوا ہے پھر اپنے ہاتھوں کو کھول کر مجھے دکھایا اور فرمایا:

اسے لو اور سنبھال کر رکھنا میں نے اس خون کو حضرتؑ سے لیا تو وہ خاک بالکل خون کی طرح سرخ تھی پس میں اسے ایک بند شیشی میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتی رہی یہاں تک کہ حسینؑ مکہ سے بھی ہجرت کر کے عراق کی جانب روانہ ہوئے، میں روز انداز شیشی کو نکال کر دیکھتی، سوگئی اور آنجناب کے مصائب پر گریہ کرتی تھی۔ جب اسی حال میں محرم کی دسویں آئی جس روز حسینؑ شہید ہوئے تو صبح کے وقت میں اسے نکال کر لائی تھی مگر وہ اس وقت تک اپنے حال سابق پر تھی لیکن عصر عاشور جب دیکھنے لگی تو کیا دیکھا وہ خاک تازہ خون میں تبدیل ہو چکی ہے میں اکیلے گھر میں گریہ و زاری کرنے لگی مگر شمنوں کے خوف سے کہیں وہ کوئی قدم اٹھائیں اپنے غم و اندوہ کو سر د کرنے لگی مگر ہمیشہ اس روز اور وقت کو یاد رکھا، یہاں تک کہ امام حسینؑ کی خبر شہادت مدینہ میں پہنچی اور اس

طرح جو دیکھا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔“ ۳۷

ابن عباسؓ سے منقول روایات

خوارزمی اپنی کتاب مقتل حسین میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

”رسول اللہؐ اپنی رحلت سے چند روز قبل ایک سفر سے واپس تشریف لائے مگر غیر معمولی طور پر آپؐ کا رنگ دگر گول تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آپؐ نے مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اس طرح کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، فرمایا:

إِنَّهَا النَّاسُ إِنِّي خَلَقْتُ فِيكُمْ أَلْقَالِينَ كَذَبَ اللَّهُ وَعَثْرَتِي ”اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں اپنے بعد یادگار چھوڑ رہا ہوں یعنی کتاب خدا اور اپنی عترت۔

پھر چند جملوں کے بعد یہ فرمایا:

أَلَا وَإِنَّ جِبْرِيْلَ قَدْ أَخْبَرَنِي بِأَنَّ أُمَّيْیَ تَقْتُلُ وَلَدَیْ الْحُسَيْنِ بِأَرْضِ كَرْبَ وَبَلَاءٍ، أَلَا فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى قَاتِلِهِ وَخَادِلِهِ أَحْمَرُ الدَّهْرِ ”یقیناً جبریلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت میرے فرزند حسین کو کربلا کی سرزمین پر قتل کر دے گی، جان لو اس کے قاتل پر اور جو اس کی نصرت سے ہاتھ اٹھائے گا اس پر بھی خدا کی لعنت ہے۔“ ۳۸

ابن کثیر نے بھی جو علماء اہل سنت میں معروف ہیں اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں سلسلہ سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

”ایک روز حسینؑ اپنے نانار سالہ مآب کی گود میں بیٹھے تھے اتنے میں جبریلؑ امین نازل ہوئے اور حضرتؑ سے دریافت کیا کیا آپؑ اسے چاہتے ہیں؟ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

وَكَيْفَ لَا أُحِبُّهُ وَهُوَ نَمْرَةٌ قُوْا اِدْنِیْ؟ فَقَالَ: اَمَّا اَنْ اَمْتِكَ سَقَطْلَهُ ”اے کیسے دوست نہیں رکھوں گا جو میرا میوہ دل ہے؟ یہ سن کر جبریلؑ نے کہا: مگر جان لیں اسی کو آپؑ کی امت مار دے گی۔“ ۳۹

اسی طرح احمد بن حنبلؓ اپنی کتاب مسند میں ابن عباسؓ کی سند سے روایت کرتے ہیں:

”میں نے وقت ظہر (روز عاشور) رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا آپؐ اس حال میں کھڑے ہیں کہ بال پریشان و خاک آلود ہیں، جبکہ حضرتؐ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے، میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، آپؐ کے دست مبارک میں یہ کیا ہے؟ فرمایا: هَذَا مِیْ اَدَمُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابِهِ لَمْ أَزَلْ أَلْقِطُهُ مِنْذُ الْيَوْمِ ”یہ حسین اور اسکے اصحاب کا خون ہے جسے صبح سے اب تک جمع کر رہا ہوں۔“

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

میں نے اُس روز تاریخ یادداشت کر لی تھی چنانچہ بعد میں تصدیق ہوئی کہ شہادتِ امام حسینؑ کا دن وہی تھا۔“ ۴۰

عائشہؓ سے روایات

ابن حجر عسقلانی، اہل سنت میں سے اپنی کتاب صواعق المحرقہ میں روایت کرتے ہیں:

”رسول اللہؐ کا ایک حجرہ ایسا تھا جس کے زینے عائشہؓ کے کمرے سے گزرتے تھے، حضرت جب جبریل امینؑ کا دیدار کرنا چاہتے تو وہاں تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ ایک روز جاتے وقت عائشہؓ سے فرمایا: کسی کو بھی وہاں آنے نہ دینا۔

اسی دوران حسینؑ آئے اور وہاں چلے گئے، لیکن عائشہؓ کو امام حسینؑ کے آنے کا علم نہ تھا۔

جبریلؑ نے انھیں دیکھ کر حضرتؑ سے فرمایا: بچہ کون ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا: میرا بیٹا ہے اور یہ کہہ کر اسے زانو پر بٹھالیا۔

جبریلؑ نے یہ دیکھ کر کہا: **سَقَطَ لَكَ** ”بہت جلد آپؑ کی امت اسے قتل کر دے گی۔“

حضرتؑ نے فرمایا: میرے اس بیٹے کو؟

جبریلؑ نے کہا: جی ہاں اسی کو۔ اگر آپؑ پسند کریں تو اس سرزمین سے جہاں آپؑ کا یہ بیٹا قتل کیا

جائے گا آپؑ کو باخبر کروں؟ اس وقت جبریلؑ نے سرزمین طف کی جانب اشارہ کیا اور ایک مشت

سرخ خاک وہاں سے اٹھا کر حضرتؑ کو دکھائی اور کہا:

هَذِهِ مِنْ تَرْتِيبِ مَصْرَعِهِ یہ خاک اس کے قتل کی ہے۔ ۴۱

علماء شیعہ میں سے شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب امالی شیخ میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے:

”رسول اللہؐ نے حسینؑ کو اپنے زانو پر بٹھا کر بوسہ دینا شروع کیا اس پر جبریلؑ جو وہاں موجود تھے

گویا ہوئے کہ کیا آپؑ اس فرزند کو بہت چاہتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں!

جبریلؑ نے کہا: مگر آپؑ جان لیں کہ اسے آپؑ کی امت مار دے گی۔ ۴۲

عائشہؓ سے اسی مضمون کی اور روایات بھی نقل ہوئی ہیں جو ملکحات احتقاق الحق میں موجود ہیں، بلکہ مزید

آگاہی کیلئے وہاں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ۴۳ اور اسی مضمون کی روایات پیغمبر اسلامؐ و دیگر زوجات جیسے

امامہؓ و زینبؓ و خیرؓ و خیرؓ بھی اسی کتاب میں نقل ہوئی ہیں۔ (یہ آگاہی کیلئے وہاں رجوع کریں) ۴۴

ام الفضلؓ کی روایت

خوارزمی اپنی کتاب مقتل الحسینؑ میں تاریخ احمد بن اعثمؒ کو فی نقل کرتے ہیں:

جس میں ام الفضلؓ بنت حارث (عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ) سے روایت ہے:

”جب حسینؑ کی ولادت ہوئی تو میں نے اسے آغوش رسالت میں دیا حضرت نے اسے گود میں لے کر گریہ کیا اور اس کی خبر شہادت سنائی۔ ام الفضلؑ مزید فرماتی ہیں:

اتنی دیر میں جبرئیل فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور بالوں کو کھول کر حسینؑ پر گریہ کرنے لگے اور اس وقت جبرئیل نے ایک مشت خاک جس کی خوشبو خالص مشک کی مانند تھی رسول اللہؐ کو دی اور کہا:

يَا حَبِيبُ اللّٰهُ هَذِهِ تَرِيَّةٌ وَلَكَ الْحُسَيْنُ ابْنُ فَاطِمَةَ وَسَيَقْتُلُهُ الْبَغَاءُ بِأَرْضِ كَرْبَلَا

”اے حبیب خدا! یہ آپ کے فرزند حسین ابن فاطمہ کی خاک تربت ہے جسے سر زمین کربلا پر ملعون لوگ قتل کریں گے۔“

حضرت نے جبرئیل سے فرمایا:

جِئْسِي جَبْرَيْلَ وَهَلْ تُفْلِحُ أُمَّةٌ تَقْتُلُ فُرُوحِي وَفُرُوحَ ابْنَتِي ”اے میرے حبیب جبرئیل! کیا میری امت میرے اور میری بیٹی کے فرزند کو مار کر بھی کامیاب رہے گی؟

جبرئیل نے فرمایا:

لَا بَلَّ يَضُرُّهُمْ اللّٰهُ يَا الْاِخْتِلَافِ فَتَخْتَلِفُ قُلُوبُهُمْ وَالسُّنَنُ أَخْرَجَ اللّٰهُ ”نہیں یا رسول اللہ! بلکہ خدا انھیں قیامت تک دل و زبان کے اختلاف میں مبتلا رکھے گا۔“ ۳۵

احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں ابو نعیمؒ اپنی دلائل النبوة میں اور ابن کثیرؒ اپنی البدایہ والنہایہ میں اسی طرح بہت سے علماء اہل سنت اپنی اپنی کتابوں میں مختصر اختلاف کے ساتھ انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں:

”ایک روز بارش برسانے والا فرشتہ رسول اللہؐ سے اجازت مانگ کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہؐ نے ام سلمہؓ سے فرمایا:

دیکھو حجرے کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور کسی کو اندر نہ آنے دو۔

اس وقت حسین بن علیؑ بہت جلد پیغمبر کے حجرے میں داخل ہوئے اور حضرت کے دوش مبارک پر سوار ہو گئے۔

بارش کے فرشتے نے حضرت سے عرض کی: آپ اسے دوست رکھتے ہیں؟

حضرت نے فرمایا: بالکل ایسا ہی ہے۔

فرشتہ گویا ہوا، مگر آپؐ کی امت کا ایک گروہ اسے مار دے گا، اگر حضرت چاہیں تو وہ سر زمین دکھاؤ جہاں یہ قتل کیے جائیں گے پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر سرخ رنگ کی خاک حضرتؐ کو دی، ام سلمہؓ نے اسے اپنے پاس رکھا۔“ ۳۶

ایسی ہی ایک روایت حافظ نور الدین نے جو اہل سنت کے علماء کرام میں سے ہیں ابی طفیل سے نقل کی

ہے۔

امیر المومنین علی منقول روایات

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ”صفین“ نامی کتاب سے نصر بن حرام نے ہرثمہ بن سلیم سے روایت کیا ہے:

”ہم حضرت علیؑ کے رکاب میں جنگ صفین کیلئے جا رہے تھے راستے میں جب کربلا کی سرزمین سے ہمارا گزر ہوا تو آپؑ نے وہاں نماز پڑھی اور وہاں سے ایک مشت خاک اٹھا کر اسے استنشام کیا اور فرمایا: **وَاِهْا لَکَ یَا نَسْرُ رَبِّکَ یُحْشَرْنَ مِنْکَ قَوْمٌ یَذْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ** ”وائے ہوتجھ پر اے (کربلا کی) خاک تجھ سے ایسے لوگ محشور ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔“

ہرثمہ جنگ صفین سے پلٹ کر آیا تو اپنی زوجہ جرداء بنت سمیر سے جو شیعہ تھی یہ قصہ بیان کیا مگر تعجب سے کہا: آخر علیؑ کہاں اور کیسے غیب کے عالم ہو گئے؟ اس کی بیوی نے کہا: عالم ہو گئے؟ زوجہ نے جواب دیا:

اے مرد! یہ بات چھوڑ دے بس اتنا جان کہ امیر المومنینؑ سوائے حق کے کچھ نہیں فرماتے۔ ہرثمہ کہتا ہے:

یہ بات آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ عبید اللہ بن زیاد نے امام حسینؑ کے خلاف جنگ کیلئے لشکر بھیجا جس میں، میں بھی شامل تھا، چنانچہ جب ہم حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک پہنچے تو مجھے وہ مقام جان پہچانا محسوس ہونے لگا کچھ دیر بعد متوجہ ہوا کہ یہ وہی خطہ ہے جس پر حضرت علیؑ نے نماز ادا کی اور ایک مشت خاک اٹھا کر وہ جملہ فرمایا تھا، لہذا اپنے ارادے سے پشیمان ہو کر عالم افسردگی میں اپنے گھوڑے کو امام حسینؑ کی جانب ایڑ لگائی امام حسینؑ کے نزدیک پہنچا تو میں نے حضرتؑ کو سلام کیا اور جو واقعہ ان کے والد بزرگوار سے یاد تھا سنایا۔

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا:

اَفْعَا اَمْ عَلَیْنَا ہم سے جنگ کرنے آئے ہو یا ہماری نصرت کا ارادہ رکھتے ہو؟

میں نے کہا:

اے فرزند رسول! نہ آپؑ کی مدد کا قصد رکھتا ہوں اور نہ ہی آپ سے جنگ کا، کیونکہ میں اپنی بیوی

بچوں کو کوئی چھوڑ آیا ہوں اور ان کے بارے میں ابن زیاد سے خوف زدہ ہوں۔

امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا:

قَوْلُ هَرَبًا حَتَّى لَا تَرَى مَقْتَلَنَا، فَوَالَّذِي نَفْسُ حُسَيْنٍ بِيَدِهِ لَا يَرَى الْيَوْمَ مَقْتَلَنَا أَحَدٌ لَمْ لَا يُعْنِنَا إِلَّا دَخَلَ النَّارَ” اگر یہ بات ہے تو اس سے پہلے کہ ہمارا مقتل گرم ہو فوراً اس سرزمین کو وداع کہہ دو کیونکہ حسین کو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو اس روز ہماری قتل گاہ کو دیکھ کر بھی میری نصرت کو نہ آئے اس کا مقدر جہنم ہے۔“ ۴۸

شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں سلسلہ سند کے ساتھ ابوالحکم نامی ایک شخص سے روایت کرتے ہیں: ”میں نے اپنے بزرگ علماء سے سنا جو کہہ رہے تھے علی ابن ابیطالب نے ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:

سَلُونِي، قَلِيلٌ أَنْ تَفْقَهُوْنِي فَوَاللَّهِ لَا تَسْأَلُونَنِي عَنْ فِتْنَةٍ تُضِلُّ مِائَةَ وَتَهْدِي مِائَةَ إِلَّا نَبَأَكُمْ بِمَا عَقَبَهَا وَسَابِقَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: أَخْبِرْنِي كَيْفَ فِي رَأْسِي وَلِخَيْتِي مِنْ أَفْتَةٍ شَعِرٌ؟ ”اس سے قبل کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں مجھ سے سوال کرو مگر قسم بخدا کسی گروہ کیلئے جو سو افراد کو ہدایت کرے اور سو کو گمراہ کر دے، سوال مت کرنا مگر یہ کہ میں ان کے پکارنے والے، دھکیلنے والے اور تا قیامت ان کے سردار سے بھی آگاہ کروں گا۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا: مجھے بتائیں میرے سر اور ڈھاڑی میں کتنے بال ہیں؟“

حضرت نے فرمایا:

قسم بخدا میرے مہربان نے تیرے اس سوال کی خبر دی تھی اور فرمایا میرے ہر بال کی جڑ میں ایک فرشتہ بیٹھا ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور ریش کی ہر بال کی جڑ میں ایک شیطان ہے جس کا کام تجھے جگہ سے حرکت دینا ہے اور تیرے گھر میں تیرا ایک بچہ ہے جو پسر رسول کو قتل کرے گا اور جان لے میری صداقت کی علامت (لعنت کا فرشتہ اور سردار و ہاڑی کی مذکورہ کیفیت) وہی ہے جو تجھے بتا دی ہے اگر اس کا اثبات کرنا سخت نہ ہوتا تو ضرور بتا دیتا مگر وہی کافی ہے جو بتا دیا۔

اس زمانے میں اس کا بیٹا گھٹنوں کے بل چلتا تھا مگر جب کربلا میں امام حسینؑ نے غم اعداء میں گھر گئے تو یہ بچہ حضرت کو مارنے پر تلا ہوا تھا اور وہی ہوا جو حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ ۴۹

ایسی ہی ایک روایت علامہ طبرسیؒ نے اپنی کتاب احتجاج میں نقل کیا ہے۔

بعض روایات مثلاً شیخ صدوقؒ کی امالی میں آیا ہے، جس شخص نے یہ سوال کیا وہ سعد بن ابی وقاص تھا۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں فوق الذکر حدیث کو ایک جگہ نقل کیا ہے۔ ۵۰ وہ کہتے

ہیں:

”یہ شخص تمیم بن اسامہ بن زہیر تمیمی تھا اور اس کے جس بیٹے کا ذکر ہوا وہ حصین بن تمیم تھا جو اس

زمانے میں شیر خوار بچہ تھا مگر جب بڑا ہوا واقعہ کربلا رونما ہوا اور اس موقع پر یہ عبید اللہ بن زیاد کی فوج کا ایک سالار منتخب ہوا۔“

✽ ایک اور مقام پر نقل ہوا ہے کہ مذکورہ شخص انس نخعی تھا اور فرزند سان بن انس تھا۔ ۵۱

✽ البتہ بعض اہل قلم نے یہ بعید جانا ہے کہ یہ واقعہ سعد بن ابی وقاص سے مربوط ہے، کیونکہ سعد بن

ابی وقاص امیر المؤمنین علیؑ کے دور خلافت میں وہاں (کوفہ میں) موجود نہ تھا جو حضرت کے خطاب

وعظ میں حاضر ہوتا مگر کیونکہ شیخ مفیدؒ کے نزدیک یہ داستان اسی کیلئے متواتر و مسلم تھی، لہذا وہ اختلاف

نقل پر توجہ کرنے کے بعد اسے مبہم طور پر نقل کرتے ہیں حتیٰ اس شخص کا نام بھی ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح شیخ مفیدؒ، اسماعیل بن زیاد سے نقل کرتے ہیں جنہوں نے امیر المؤمنینؑ سے روایت کی ہے حضرت نے ایک روز براء بن عازب سے فرمایا:

يَا بَرَاءُ يُقْتَلُ ابْنِي الْحُسَيْنُ وَأَنْتَ حَيٌّ لَا تَنْصُرُهُ "اے براء میرا بیٹا حسین مار دیا جائے گا اور تو اس

وقت زندہ ہوتے ہوئے اس کی مدد نہیں کرے گا۔“

چنانچہ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے تو براء نے کہا بے شک علیؑ نے صحیح کہا تھا، حسینؑ مار دیئے گئے مگر میں نے ان کی حمایت نہ کی وہ اس بات پر پشیمانی کا اظہار کرتا رہا۔ ۵۲

ابن قولویہ اپنی کتاب کامل الزیارات میں سلسلہ سند کے ساتھ ابی عبد اللہ بن جدلی سے روایت کرتے ہیں:

”میں حضرت علیؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوا تو حسینؑ آپ کے ساتھ تشریف فرماتے اس

وقت حضرت نے حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

إِنَّ هَذَا يُقْتَلُ وَلَا يَنْصُرُهُ أَحَدٌ يَهْدِيهِ مَارِدِيًا جَائِعًا مَكَرُوكُومًا اس کی نصرت نہیں کرے گا۔

راوی کہتا ہے میں نے عرض کی:

یا امیر المؤمنینؑ قسم بخدا یہ کسی بُری زندگی ہے؟ فرمایا: جو کہہ رہا ہوں ضرور ہو کر رہے گا۔ ۵۳

چنانچہ اسی طرح اور بڑی تعداد میں احادیث و روایات مگر مختصر اختلاف (تفصیل و اجمال) کے ساتھ محدثین اور بزرگان دین کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں مگر انہی چند روایات پر اکتفا کرتے ہیں، مزید آگاہی اور مطالعہ کیلئے

مرحوم علامہ مجلسی کی بحار الانوار سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ ۵۴

خود امام حسینؑ سے منقول روایات

اس مقام پر کم از کم چند احادیث بطور فہرست ذکر کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ اپنی گفتار پر بھی قائم رہیں اور موضوع بحث بھی اختتام پذیر ہو جائے، کیونکہ اکثر اس موضوع (خود امام حسینؑ سے نقل شدہ روایات) پر

موجودہ احادیث مدینہ سے مکہ کی جانب روانگی میں یا پھر مکہ سے عراق کی جانب روانگی میں حضرت کی زبان سے صادر ہوئی ہیں جن کا موزوں مقام بعد میں آئے گا، چنانچہ ان روایات میں سے من جملہ یہ روایت ہے جسے بہت سے علمائے اہل سنت مثلاً سیوطی نے اپنی کتاب خصائص الکبریٰ میں اور ملا محمد تقی ہندی نے کنز العمال میں اور دیگر افراد نے محمد بن عمرو بن حسن سے نقل کیا ہے:

”ہم امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں تھے تو آپؑ نے جب شمر بن ذی الجوشن کو دیکھا تو فرمایا:

صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ص) كَانَتِي أَنْظُرُ إِلَى كَلْبٍ أَبْقَعَ يَلْعُقُ فِي دِمَائِ أَهْلِ بَيْتِي
”خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: گویا میں ایک چت گبر اکٹا دیکھ رہا ہوں جو میرے خاندان کا خون پی رہا ہے۔“

راوی کہتا ہے شمر دھبہ دار (کودھی) تھا۔ ۵۵

اسی طرح ایک اور روایت جسے اہل سنت کے عالم ابوالفداء نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں خود امام حسینؑ سے روایت کی ہے:

وَلِلَّهِ لَا يَدُ عُونِي حَتَّى يَسْتَخِرَ جُوهَ هَذِهِ الْعُلُقَةِ فِي جَوْفِي فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ تَسَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ يَدْنِهِمْ ”خدا کی قسم یہ میرا پیچھا مجھے مارے بغیر نہیں چھوڑیں گے اور جب انھوں نے ایسا کر لیا تو خدا ان پر اس کو مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و خوار کر دے گا۔“ ۵۶

ایک معروف روایت وہ ہے جسے خوارزمی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

”جب مکہ سے عراق کی جانب امام حسینؑ سفر کا آغاز فرما رہے تھے تو آپؑ نے یہ ارشاد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ خُطَّ أَلَمُوتٌ عَلَيَّ وَلِدَ أَدَمَ مَحْطُ الْقِلَادَةِ عَلَيَّ جَبَدِ الْفَتَاهِ وَمَا وَلَّيْتَنِي إِلَى أَسْلَافِي إِشْيَاقَ يَعْقُوبَ إِلَى يُوسُفَ وَإِنِّي لَمُضْرَعٌ أَنَا لَا قَبِيحَ، وَكَأَنِّي بَابُ صَالِي تَنْقَطِعُهَا عَسَلَانُ لَقَلَّوْتُ بَيْنَ النَّوِّ وَلَيْسَ وَكَوْنِي لَا ۵۷

اب تک جو کچھ قیام امام حسینؑ کی پہلی علت کے بارے میں ذکر ہوا کا خلاصہ

اب بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کریں گے کہ امام حسینؑ کے قیام مقدس کے علل و اسباب کیا تھے البتہ بحث کے طولانی ہونے پر معذرت خواہ ہیں۔

بحث کا خلاصہ یہ تھا کہ پہلا محرک اور اہم ترین سبب حضرت کے مقدس قیام کا دینی ذمہ داری اور جوابدہی کا احساس تھا اور قیام کو ایک شرعی، الہی اور اسلامی فریضہ کے طور پر انجام دیا جبکہ امام اس تاریخی اور مقدس قیام کے انجام سے بھی آگاہ تھے اور پھر دشمن کی دھوکہ دہی، سازش، سیاست بازی اور ظاہری طور پر جنگی ساز و سامان اور دوسری جانب جو لوگ مدد و نصرت کا دم بھر رہے تھے ان کا ضعیف و ناتواں، سست اور منافق ہونا

اسی طرح اس قیام کے بارے میں غیبی خبروں کے مطابق جو کچھ آپ پہلے اس چمکے تھے خود بتا رہا تھا کہ اس قیام کا نتیجہ امام حسینؑ اور آپ کے آل و اصحاب کی شہادت اور بچوں اوروں کی اسارت کے سوا کچھ نہیں مگر یہ سب آگاہی اور خبریں امام حسینؑ کو اس مقدس قیام سے باز رکھنے کا باعث نہ بن سکتے تھے، چنانچہ آپ نے روایات اور سید الشہداء کے کلمات میں گزشتہ صفحات پر پڑھ لیا، اس وقت کی حکومت کے آگے سکوت یا بیعت کرنا مزید جیسے فاسق انسان کے کاموں کی تائید کرنا ہے، بقول استاد محترم اور رہبر بزرگوار کہ جو انھوں نے دینی طالب علموں اور علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”ہدف تک رسائی میں تاخیر کا آنا سبب نہیں بن سکتی کہ ہم اپنے اصولوں سے پھر جائیں ہم سب فریضہ کی ادائیگی پر آمادہ ہیں ہمیں نتیجے سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر تمام انبیاء و معصومین علیہم السلام اپنے زمانے اور علاقے میں نتیجے کے بھی ذمہ دار ہوتے انھیں ہرگز نہیں چاہئے اپنی توانائی سے زیادہ فضا میں عمل پیرا ہوتے اور بلند بالا اور اہداف اور دراز مدت مقاصد کے بارے میں سخن فرماتے جو ان کی زندگی میں عملی جامہ نہ پہن سکے۔“

لہذا بعنوان شاہد اس مقام پر عصر حاضر کے چند اہل قلم اور دانشوروں کے اقوال نقل کرتے ہیں۔
سخن محمد عبیدہ

عبیدہ عصر حاضر کے ایک دانشور اور تفسیر المنار کے مولف ہیں انھوں نے اور بہت سی کتابوں کی تالیف کی ہے وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جب بھی دنیا میں ایسی عاقل حکومت کا قیام ہو جو شریعت اسلام کو برپا کرے اور اسکے مقابل حکومت جو رستم احکام شریعت کو معطل کرے تو ہر مسلمان پر عادل حکومت کی مدد اور ظالم حکومت کی سرکوبی کرنا واجب ہے جس طرح حسینؑ سبط رسول اکرمؐ نے رہبر جو رستم پر خروج کیا جسے مسلمانوں کی زمامداری، زور و دھونس، قدرت اور طاقت اور دوسری بدکاریوں کے بل بوتے پر عہدہ سنبھالے تھا یعنی یزید بن معاویہ، خدا سے اور اسکے مددگاروں کو ذلیل و خوار کرے۔“ ۵۸

سخن استاد محمد عبدالباقی

عصر حاضر کے ایک اور اہل قلم استاد محمد عبدالباقی نے عربی زبان میں قیام امام حسینؑ پر ایک مقالہ ”مختبین انقلابی در اسلام“ ۵۹ نامی کتاب میں لکھا ہے جس میں انھوں نے تو تفصیل کے ساتھ قلم کا استعمال کیا ہے مگر ہم اس کا مختصر ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کر رہے ہیں۔

”اگر حسینؑ نے یزید کی بیعت کی ہوتی جو کہ گناہ کرنے میں بے باک اور فاسق تھا جس نے شراب اور زنا کو مباح کیا تھا۔ اس نے منصب خلافت کو گلوکاروں اور موسیقاروں کا ہم نشین بن

کر پستی میں گرا دیا تھا۔ جس نے احکام اسلامی کی قضاوت کے بجائے شراب خوری کی محفلیں سجا کیں، جس نے بندروں اور کتوں پاؤں سونے کے زیورات چڑھائے جبکہ اس وقت لاکھوں مسلمان بھوک اور ناداری کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہر حال! اگر حسینؑ یزید کی بعنوان خلیفہ رسول انہی حالات میں بیعت کر لیتے تو یہ ان تمام کاموں کے مباح ہونے پر مسلمان کیلئے حضرت کا فتویٰ ہوتا حتیٰ آپ کی خاموشی بھی اس کے جرائم اور جنایتوں کی تائید و رضایت تھی اور منکرات کے ارتکاب پر رضایت حتیٰ خاموشی کی صورت شریعت اسلام میں گناہ و جرم شمار ہوتا ہے۔

امام حسینؑ یزید کی زمانے میں استثنائی شخصیت کی بنا پر پورے جزیرۃ العرب، بلکہ تمام عالم اسلام میں انتہائی سنگین جوابدہی اپنے کاندھے پر رکھتے تھے کہ میراث اسلامی کی حمایت کریں کیونکہ رسول اللہؐ سے قربت داری کے علاوہ بزرگان اسلام کی وفات کے بعد حسینؑ ہی علم و زہد، حسب و مقام کے اعتبار سے تمام مسلمانوں سے بزرگ و برتر تھے۔ یہی احساس ذمہ داری اور فریضہ شناسی نے حسینؑ کو منکرات کے خلاف استقامت پر آمادہ کیا خاص طور پر جب یہ دیکھا کہ جس نے منکرات کو ایجاد کیا ہے وہ دوسروں کو ان کے انجام دینے پر شوق دلاتا ہے وہی مسند رسولؐ پر بیٹھا ہے۔

ثانیاً: جب اتنے زیادہ خطوط مختلف مقامات اور قرب و جوار سے ان کے پاس آئے کہ انہیں خلافت کیلئے چن لیا ہے اور تیس ہزار خطوط میں ساکنین بصرہ و کوفہ نے انہیں یزید کے خلاف جنگ کی دعوت دی کہ ان کے پاس آئیں اور پھر یہ اصرار اس حد تک بڑھ گیا کہ ان کے رئیسوں میں سے ایک رئیس عبداللہ بن حصین از دی نے حضرت کے نام لکھا:

یا حسین سنشکوک الی اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ اذالم تلب طلبین
اے حسین! اگر آپ نے ہماری دعوت قبول نہ کیا تو ہم روز قیامت خدا کے حضور آپ کی شکایت کریں گے۔

سخن علانی

ایک اور معروف قلم کار اپنی کتاب ”الامام الحسینؑ“ میں چند مختلف بحثوں کے بعد لکھتے ہیں :
”جب خلیفہ مسلمین ہی جو کہ زمانہ اور قانون نافذ کرنے والا اور اسلامی قوانین کا سب سے بڑا محافظ فاسق ہو جائے، اپنے فسق کا اظہار کرے اور خدا و رسولؐ اور مومنین کو جنگ کی دعوت دے تو ایسے میں اس کا پاس، ادب اور احترام درحقیقت فسق و فجور کا احترام اور کھٹاء و منکرات کے آگے جھکنا ہے اور اس پر اعتماد کرنا دین کو بازیچہ بنانے کے مترادف ہے۔“

اسی لیے امام حسینؑ نے فرمایا:

وَيَزِيدُ نَجْلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخُمْرِ، وَقَاتِلُ النَّفْسِ الْمَحْرَمَةِ مُغْلٍ بِالْفَسْقِ ۖ ۱۰

بعض صاحبان قلم نے امام حسینؑ کے قیام پر قلم فرسائی کرتے ہوئے اس اقدام کے بہت سے علل و اسباب تحریر کیے ہیں، ہم ان کی شرح و تفصیل سے صرف نظر کر کے ان کی ایک مختصر فہرست کا ذکر کر رہے ہیں اس سے ہٹ کر کہ ان میں سے بہت سے اسباب اس ایک اہم سبب یعنی احساس الہی ذمہ داری اور اسلامی جوابدہی کی جانب بازگشت کرتے ہیں۔

چنانچہ مندرجہ ذیل یہ وہ اسباب ہیں جو بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ معاشرتی ذمہ داری یعنی امام حسینؑ اسلام کی مرکزی فرد کی حیثیت رکھتے تھے لہذا امت۔

اسلامی کے حضور بنی امیہ کی جانب سے اسلام و مسلمین پر ہونے والے ظلم و ستم کی مزاحمت آپؑ ہی کا فریضہ تھا کہ حضرت دین اسلام کے نیک لوگوں کی حمایت کریں۔

۲۔ اسلام کی حمایت اور اسے یزید و بنی امیہ کے ہاتھوں نابود ہونے سے بچانا۔

۳۔ مقام و منصب خلافت کی حفاظت یزید کے خلاف اسلام کاموں سے۔

۴۔ فکر و اندیشہ میں لوگوں کو آزادی عطا کرنا۔

۵۔ لوگوں کے اقتصاد کی آزادی اور مسلمانوں کے بیت المال کی بنی امیہ کے ہاتھوں لوٹ مار کی روک تھام۔

۶۔ ظلم و ستم کی روک تھام جو تمام اسلامی بلاد پر حاکم تھا اور امن عامہ کی سبالی، امت اسلامی کی تحقیر عام تھی اور بنی امیہ انھیں اپنی غلامی اور نوآبادی میں لاپچھے تھے۔

۷۔ اس بے رحمی و زیادتی کی روک تھام جو خاص طور پر شیعوں پر ڈھائی جارہی تھی شیعہ مختلف انداز کی اذیت و آزار کا شکار ہو رہے تھے چنانچہ اہم شخصیات کا قتل، جلاوطنی، قید و بند اور بہت سے حقوق سے محروم ہونا عام تھا جس کی مثالیں گزشتہ صفحات پر معاویہ بن ابی سفیان اور یزید کی سیاہ فائل کو بیان کرتے ہوئے دی گئیں۔

۸۔ خاندان رسول اللہؐ کے نام و نشان کو مٹنے سے بچانا جس پر یزید اور بنی امیہ نے اپنی تمام تر سعی اور طاقت مبذول کر رکھی تھی اور مختلف انداز سے مثلاً جعل حدیث، جھوٹ، مختلف وسائل کا استعمال اس خاندان کے چاہنے والوں میں خوف و ہراس کا پھیلانا، منبروں سے اہل بیتؑ پر سب و شتم وغیرہ سے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

۹۔ اسلام کو نابودی سے بچانا جس کیلئے بنی امیہ اور یزید نے اپنی سیاست کے اصول مرتب کیے تھے۔

۱۰۔ اسلام و مسلمین کے حقوق کا دفاع جو کہ معرض نابودی میں قرار پا چکے تھے۔

۱۱۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔

۱۲۔ بدعتوں کا خاتمہ جو بنی امیہ کے ہاتھوں اسلام میں ظاہر ہو چکی تھیں اور دوسری علتیں جن کی دوم علت میں بازگشت ہوتی ہے۔

حاشیہ وحوالہ جات

۱۔ ”اِنَّ الْوَصِيَّةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ عَلٰی مُحَمَّدٍ كِتَابًا، لَمْ يَنْزِلْ عَلٰی مُحَمَّدٍ (ص) كِتَابٌ مَخْتُومًا اِلَّا الْوَصِيَّةَ فَقَالَ جَبْرِئِلُ (ع) : يَا مُحَمَّدُ هَذِهِ وَصِيَّتُكَ فِي امَّتِكَ عِنْدَ اَهْلِ بَيْتِكَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ص) اَيُّ اَهْلِ بَيْتِي يَا جَبْرِئِلُ ؟ قَالَ : نَحِيْبُ اللهِ مِنْهُمْ وَذُرِّيَّتُهُ ، لِيَرْتِكَ عِلْمُ النُّبُوَّةِ كَمَا وَرَّثَهُ اِبْرَاهِيْمُ (ع) وَمِيْرَةُ اللهِ لِعَلِيٍّ (ع) وَذُرِّيَّتِكَ مِنْ صُلْبِهِ وَكَانَ عَلَيْهَا خَوَاتِيمُ ، قَالَ فَفَتَحَ عَلَيَّ (ع) الْخَاتِمَ الْاَوَّلَ وَمَضَى لِمَا فِيهَا ثُمَّ فَتَحَ الْحُسَيْنُ (ع) الْخَاتِمَ الثَّالِثَ فَوَجَدَ فِيهَا اَنْ قَاتِلُ فَا قَاتِلُ وَتَقْتُلُ وَ اَخْرُجْ بِاَقْوَامٍ لِلشَّهَادَةِ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ اِلَّا مَعَكَ ، قَالَ : فَفَعَلَ (ع) ، فَلَمَّا مَضَى دَفَعَهَا اِلَى عَلِيٍّ بْنِ الْحُسَيْنِ (ع) قَبْلَ ذَلِكَ ، فَفَتَحَ الْخَاتِمَ الرَّابِعَ فَوَجَدَ فِيهَا اَنْ اَصُمْتُ۔“

۲۔ علل الشرائع، ج ۱، ص ۲۰۰

۳۔ بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۱۹۱۔ ”يَا اَبَا سَعِيدٍ اَقْلَسْتُ حُجَّةَ اللهِ تَعَالٰی ذِكْرُهُ عَلٰی خَلْقِهِ ، وَ اِمَامًا عَلَيْهِمْ بَعْدَانِي ؟ قُلْتُ : بَلٰى اَقَالَ : اَلَسْتُ الَّذِي قَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ص) لِيْ وَلَ اَخِي : الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ اِمَامَانِ ؟ فَاَنَا وَ قَعْدَا ؟ قُلْتُ :

بَلٰى اَقَالَ : فَاَنَا اَذْنُ اِمَامٍ لَوْ قُمْتُ ، وَ اَنَا اِمَامٌ اِذَا قَعَدْتُ ، يَا اَبَا سَعِيدٍ عَلَّةٌ مُصَالِحَتِي لِمُعَاوِيَةَ عَلَّةٌ مُصَالِحَةٌ رَسُوْلِ اللهِ (ص) لِيَسْنِي صُمْرَةَ وَيَسِي اَشْجَعَ وَلَا اَهْلِي مَكَّةَ حِيْنَ اَنْصَرَفَ مِنَ الْحَذِيَّةِ ، اُولٰٓئِكَ كُفَّارٌ بِالتَّنْزِيلِ وَ مُعَاوِيَةُ وَ اَصْحَابُهُ كُفَّارٌ بِالتَّوْبِيلِ ، يَا اَبَا سَعِيدٍ اِذَا كُنْتُ اِمَامًا مِّنْ قِبَلِ اللهِ تَعَالٰی ذِكْرُهُ لَمْ يَجِبْ اَنْ يُسَفَّهُ رَاسِيْ فِيمَا اَتَيْتُهُ مِنْ مُّهَادَنَةِ اَوْ مُخَارَاةٍ ، بَوَّانِ اَنْ وَجَّهَ الْحِكْمَةَ فِيمَا اَتَيْتُهُ مُلْتَبِسًا اَلَا تَرٰى الْخَضِرَ (ع) لَمَّا حَرَقَ السَّفِيْنَةَ وَقَتَلَ الْعُلَامَ وَ اَقَامَ الْجِدَارَ سَخَطَ مُوسٰى (ع) فَعَلَّهُ ، لَا شُبُهَاءَ وَجْهَ الْحِكْمَةِ عَلَيْهِ حَتّٰى اَخْبِرَهُ فَرَضِيْ هَكَذَا اَنَّا سَكَطْنٰمْ عَلٰی بَعْضِ لَكُمْ بِوَجْهِ الْحِكْمَةِ فِيْهِ ، وَلَوْ لَا مَا تَبَيَّنْتُ لَمَّا تَرَكْتُ مِنْ شَيْعَتِنَا عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدًا اِلَّا قُتِلَ“

۴۔ اس عنوان کو بہتر سمجھنے کیلئے گزشتہ حصے کا مکمل مطالعہ ضروری ہے، تاکہ بات کو بخوبی واضح ہو جائے۔
۵۔ اگرچہ اس آیت کا شان نزول کا ایک خاص مورد تھا، لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے کہ شان نزول تفصیل آیت کا سبب نہیں بنتا، لہذا جہاں بھی اپنا مصداق پائے گا آیہ شریفہ وہاں شامل ہوگی۔

۶۔ نفع البلاء، باب خطوط، شمارہ ۴۷۔

۷۔ خطبہ شقیہ، خطبہ ۳ نفع البلاء۔

۸۔ تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۶۶۔

۹۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۲۹۰ و ارشاد مفید، ج ۲، ص ۶۹۔

۱۰۔ ارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۶۔

۱۱۔ باب ہفتم میں ترجمہ گزر چکا ہے۔

۱۲ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۶۷۳ اور احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۶۰۹۔

۱۳ ارشاد مفید، ج ۲، ص ۸۱۔

۱۴ گذشتہ صفحات پر گزر چکا کہ امام حسینؑ نے ولید سے گفتگو کے درمیان فرمایا: **وَيَزِيدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ، قَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ، مُعَلِّنُ بِالْفُسْقِ**۔

۱۵ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۲۹، کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۱۔

۱۶ بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۳۸۱، تحف العقول، ص ۱۷۶۔

عَلَى وَلَوْلَا نَهْضَةُ الْحُسَيْنِ (ع) وَأَصْحَابِهِ يَوْمَ الطَّغْيِ لِمَقَامٍ لِلْإِسْلَامِ عُمُودٌ لَوْلَا اخْتِصَرَّ لَهُ عَوْدٌ لَمَنْتَهُ أَبُو سَفْيَانَ وَأَنْبَاءُ مُعَاوِيَةَ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي مَهْدِيٍّ وَلَدَفَسَتْهُ فِي أَوَّلِ عَهْدِهِ فِي لَحْدِهِ... فَالْمُسْلِمُونَ جَمِيعًا بَلَّ الْإِسْلَامُ مِنْ سَاعَةِ قِيَامِهِ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ رَهَيْنَ شُكْرِ الْحُسَيْنِ (ع) وَأَصْحَابِهِ عَلَى ذَلِكَ الْمَوْقِفِ الَّذِي أَقْبَلُ مَا يُقَالُ فِيهِ:

لَقَدْ وَقَفُوا فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ مَوْقِفًا إِلَى الْحُسَيْنِ لَا يَزِدُ إِلَّا مَعَالِيًا، ج ۱، ص ۲۰۸،

۱۸ اہل البیت، ص ۵۰۳، ۵۰۲، اَنَّ الْحُسَيْنَ قُدِيَ دِينُ جَدِّهِ بِنَفْسِهِ وَأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ وَمَا تَرَلَزْتُ أَوْ كَانَ قَوْلُهُ بَنِي أُمَيَّةَ إِلَّا بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ

۱۹ دیوان پروین اعتصامی، چاپ ہفتم ص ۱۶۳

۲۰ حماسہ حسینی، ج ۱، ص ۱۴۵، ۱۴۷۔

۲۱ ترجمہ گذشتہ صفحات پر گزر چکا ہے۔ امالی شیخ صدوق

۲۲ امالی شیخ صدوق۔

۲۳ بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۲۳۱۔

۲۴ اسی جلد کے پہلا اور دوسرا باب ملاحظہ کریں۔

۲۵ احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۶۳، جسے حاکم کی مستدرک، خوارزمی کی مقتل الحسین اور اہل سنت کے سیوطی کی خصائص کبریٰ سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۶ احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۷۲۔

۲۷ احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۷۲، ۳۷۶۔

۲۸ ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۷۲ اور اسی طرح ایک اور روایت ابن قولویہ نے کامل الزیارات، ص ۵۸ پر نقل کی ہے۔

۲۹ ملحقات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۷۶، ۳۷۹

۳۰ [یہ ترجمہ حاکم نیشاپوری کی نقل کردہ روایت کے مطابق ہے کیونکہ انھوں نے، "حاضر"، کا لفظ نقل کیا ہے جبکہ دیگر مقامات پر "خائر"، یعنی حرف خاء و ثاء نقل ہوا ہے جس کا ترجمہ انفرادہ و غم زدہ ہوگا۔]

۳۱ [احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۳۹، ۳۴۲]

- ۳۳ [مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۹۴]
- ۳۴ [تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۳۷]
- ۳۵ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۳۷، ۳۳۸]
- ۳۶ [کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۱۲۱]
- ۳۷ [ارشاد ترجمہ مؤلف، ج ۲، ص ۱۳۳]
- ۳۸ [مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۶۲]
- ۳۹ [البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۲۳۰]
- ۴۰ [مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۸۳]
- ۴۱ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۸۹]
- ۴۲ [بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۳۰]
- ۴۳ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۸۶، ۳۸۷]
- ۴۴ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۳۹۳، ۳۹۶]
- ۴۵ [مقتل خوارزمی، ج ۱، ص ۱۶۲]
- ۴۶ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۴۰۳، ۴۰۸]
- ۴۷ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۴۰۹]
- ۴۸ [ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۲۷۸ (چار جلدی) المالی شیخ صدوق مجلس نمبر ۲۸ حدیث نمبر ۴ اور اس حدیث کی مثل ایک اور حدیث شیخ صدوق نے اپنی المالی میں سلسلہ سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کی ہے۔ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۵۲]
- ۴۹ [ارشاد مفید (مترجم)، ج ۱، ص ۳۳۱]
- ۵۰ [شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۵۰۸]
- ۵۱ [بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۵۷]
- ۵۲ [ارشاد (مترجم)، ج ۱، ص ۳۳۲]
- ۵۳ [کامل الزیارات، ص ۷۰]
- ۵۴ [بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۵۸]
- ۵۵ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۴۱۵]
- ۵۶ [ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۵۹۸، ۵۹۹]
- ۵۷ [اذا وجدنی الدنیا حکومة عادلة تقیم الشرع و حکومة جائرة تعطله، و جب علی کل مسلم نصر الاولی و خذل الثانیہ... و من هذا الباب خروج الامام الحسین سبط الرسول (ص) علی امام العجور و البغی الذی ولی امر المسلمین بالقوة والمنکر: یزید بن معاویہ خذله الله و خذله من انتصر له من الکرامیة و النواصب "ملکھات احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۵۹۹]

۵۸ [تفسیر المنار]

۵۹ [حیۃ الامام حسینؑ، باقر شریف ج ۲، ص ۲۷۲]

۶۰ [الامام حسینؑ علایک، ص ۹۳]

مکہ مکرمہ کی جانب روانگی اور اسکے بعد رونما ہونے

والے واقعات

جیسا کہ گذشتہ بحثوں میں بیان ہو چکا کہ امام نے مدینہ سے روانگی کا حتمی ارادہ کر لیا اور اٹھائیس رجب المرجب ۶۰ھ شب یک شنبہ اپنے خاندان کے ہمراہ مکہ کی جانب مدینہ خارج ہوئے۔ سوائے آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے تمام برادران، خواہران اور ان کی اولاد آپ کے ساتھ مدینہ سے خارج ہوئے۔ البتہ محمد بن حنفیہ نے کیوں ہمراہی نہ فرمائی؟ اس کیلئے مندرجہ ذیل چند پہلوؤں کا ذکر کر سکتے ہیں:

۱۔ وہ آپ کے قیام اور آپ کی اس راہ میں شہادت سے بے خبر تھے اور امام بھی انہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے یا ان سے روز روانگی کے روز تک کسی قسم کا مشورہ نہیں فرمایا اور نہ ہی انہیں کوئی پیشکش کی۔

یہ بات چند روایات کے مطالعہ سے واضح کی جاسکتی ہیں، چنانچہ ایک تو وہی معروف روایت ہے جسے شیخ مفید وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ محمد بن حنفیہ بالکل امام کے ارادوں سے آگاہ نہ تھے جو ہی امام کی روانگی سے باخبر ہوئے تو فوراً حضرت کی خدمت میں آ کر عرض کی:

”اے میرے عزیز بھائی! تم میرے نزدیک محبوب ترین بھی ہو اور دشوار ترین (یعنی تمہاری مصیبت پر مجھ ہی کو سب سے زیادہ شاق لگے گا) آپ بھی جانتے ہیں کہ میں آپ کے علاوہ کسی کو نصیحت نہیں کرتا، کیونکہ آپ نصیحت و خیر خواہی کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں۔ اے میرے بھائی! میں یہ کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے اور شہر بہ شہر جانے سے بہتر ہے کہ آپ کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں سے لوگوں تک اپنے نمائندے بھیج کر انہیں اپنی جانب دعوت دے سکیں، چنانچہ اگر لوگوں نے آپ کے آگے تسلیم ہو کر بیعت کی تو اس نعمت پر شکر خدا بجالائیں اور اگر آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت میں آئے تو خدا آپ کی عقل، آپ کے دین کو نہیں گھٹائے گا اور نہ لوگوں میں سے آپ کی مروت اور برتری دور کر دے گا۔ (یعنی اگر آپ کی دعوت قبول نہ کیا تب بھی آپ کو کوئی نقصان نہ ہوگا) کیونکہ مجھے اندیشہ اور خوف ہے کہ آپ کسی شہر میں جائیں اور وہاں کے

لوگ دوحصوں میں بٹ جائیں ایک تو آپ کی موافقت کرے مگر دوسرا مخالفت پر اتر آئے اس طرح وہ آپس میں دست و گریباں ہو جائیں۔ اور اس وقت آپ سب سے پہلے نیزہ کی زد میں ہوں گے، اور اس وقت یہ امت خود آپ کے لحاظ سے اور پدر و مادر کی اعتبار سے اہم ترین شخصیت سے محروم ہوگی اور اس کا خاندان سرگردان و پریشان ہو کر رہ جائے گا۔“

جب امام نے رائے چاہی اور فرمایا: پھر کہاں جاؤں؟ تو انھوں نے جواب دیا:

”مکہ چلے جائیں اگر وہاں کی سیاسی فضا سے آسودہ خاطر ہوئے اور مناسب و اطمینان بخش مسکن میسر ہو تو وہی مقام بہتر ہے اور اگر وہ جگہ قابل رہائش نہ رہے تو شہروں کو خیر باد کہہ کر پہاڑوں کے دروں یا بادیہ (صحرا) نشینی کو اختیار کرنا مناسب ہوگا تاکہ وہاں بیٹھ کر لوگوں کا انجام انھیں کدھر کھینچ کر لی جاتا ہے البتہ (میری رائے کے بعد بھی) آپ کی فکر و نظر جسے پسند کرے وہی مناسب بھی ہوگا اور بہتر بھی۔“

چنانچہ روایت کے اختتام پر آیا ہے، امام نے محمد حنفیہ کیلئے دعائے خیر کی اور ان سے رخصت ہو گئے۔
۲۔ آپ امام حسینؑ ہی کے حکم کے تحت مدینہ میں رہ گئے، تاکہ وہاں کی خبروں اور حالات سے حضرت کو مطلع کریں۔ یہ مطلب اس روایت سے اخذ ہوتا ہے جو مقتل محمد بن ابی طالب میں نقل ہوئی ہے جب محمد بن حنفیہ نے اپنی بات تمام کی تو امام نے فرمایا:

”اے میرے بھائی! خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے آپ نے سچی خیر خواہی انجام دی اور درست رائے دی۔ میں مکہ جانے کا عزم رکھتا ہوں اور میں اپنے بھائی، بھتیجیوں اور شیعوں کے ہمراہ اس کام پر آمادہ ہو چکا ہوں، ان کا دستور اور میرا دستور، اور ان کی رائے میری رائے ہے مگر اے میرے بھائی آپ کا مدینہ میں رہنا کچھ مانع نہیں رکھتا اس طرح آپ ان کے کاموں کی تفصیل مجھ تک پہنچاتے ہیں۔“

بقول راوی حدیث کا اختتام اس طرح ہے:

ثم دعا الحسين بدواة و بياض و كتب هذا الوصية لأخيه محمد اس کے بعد حسینؑ نے قلم دوات طلب کی اور اپنی وصیت محمد بن حنفیہ کے نام تحریر فرمائی۔ پھر اس معروف وصیت نامے کو جسے ہم ذکر کر چکے ہیں نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ امام نے آخر میں اپنی مہر مبارک ثبوت کی اور اسے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے سپرد کیا، ان سے رخصت لی اور نیمہ شب میں مدینہ سے ہو گئے۔

البتہ اس مضمون اور روایت کی نظیر کسی اور مقام پر نہیں ملتی اور اس طرح محمد بن ابی طالب موسوی بھی جن سے روایت مذکورہ نقل ہوئی ہے معلوم نہیں کون ہے؟ اور اس کی بے سند روایت کس پائے کی اور کس

حد تک قابل اعتبار ہے؟ کیونکہ مقتل مقررہ میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد مؤلف اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

ولم یذکر اباب المقاتل هذا العذر یعنی مقاتل لکھنے والوں نے (جنہوں نے شہادت امام حسین کے بارے میں کتابیں لکھیں ہیں) محمد بن حنفیہ کیلئے مدینہ ہی میں ٹھہر جانے کا یہ عذر (کہ امام حسین نے انہیں اطلاع رسانی اور جاسوسی کیلئے رہنے دیا ہو) نہیں لکھا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ محمد بن ابی طالب موسوی کی نقل کردہ اس حدیث کے ذیل اور اضافہ و تشریح میں راوی اس طرح نقل کرتا ہے:

ایک اور روایت محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب کے رسائل میں سے بطور مسند حمزہ بن حمران امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں جس کا مضمون اس روایت کے برعکس ہے جو خود روایت محمد بن ابی طالب موسوی کے ضعیف ہونی کی ایک اور تائید ہے، چنانچہ حمزہ بن حمران کی روایت کا متن ہے: وہ فرماتے ہیں ہم ایک روز امام صادق کی خدمت اقدس میں تھے تو گفتگو کے درمیان یہی موضوع (محمد بن حنفیہ کا امام حسین کے ساتھ نہ جانا) عنوان گفتگو قرار پایا۔ تب امام صادقؑ نے فرمایا:

یا حمزہ انی سألک بخدیث لا تسئل عنه بغد مجلسک هذا ان الحسنین لهما فضل متوجہا، دعا بقرطاس و تحب فیہ ”اے حمزہ میں تمہیں ایسی حدیث سناتا ہوں جس کے بعد اس سوال کی گنجائش باقی نہیں رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جب امام حسینؑ عازم سفر ہوئے تو آپ نے کاغذ طلب کیا اور اس پر یہ تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي بن ابي طالب الى ابني هاشم، أما بعد فإنه من الحق بي منكم استشهد، ومن تخلف لم يبلغ الفتح والسلام یہ حسین بن علی بن ابی طالب کا بنی ہاشم کے نام پیغام ہے تم میں سے جو بھی میرے ساتھ ملحق ہو گا وہ معرض شہادت میں قرار پائے گا اور جو بھی اس سے اختلاف کرے گا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ والسلام۔

علامہ مجلسیؒ پیغام امام حسینؑ میں ذکر شدہ جملہ لم یبلغ مبلغ الفتح کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں: ”جو مجھ سے اختلاف و دوری کرے گا وہ یا دنیا میں یا پھر آخرت یا دونوں جگہ فلاح و رستگاری سے محروم رہے گا شاید یہ جملہ محمد بن حنفیہ کے ملحق نہ ہونے پر امام نے فرمایا، کیونکہ وہ یہ جانتے ہوئے کہ مولا امام حسینؑ شہید کر دئے جائیں گے ان سے ملحق نہ ہوئے یا پھر اس سعادت سے محمد بن حنفیہ کی محرومی کا بیان ہے یا پھر محمد بن حنفیہ اور ان جیسے حضرات کے عذرو ظاہر واری کو قبول نہ کرنا ہے، کیونکہ امام انہیں ان کے مستقبل سے آگاہ فرما چکے تھے۔“ ۴

جیسا کہ یہ روایت مختصر سے فرق کے ساتھ ابن قولویہ نے اپنی کتاب کامل الزیارات میں سند زرارة بن عیین کے ساتھ امام باقرؑ سے نقل کی ہے جس کا متن یہ ہے:

ابن قولویہ عن أبیه وجماعة مشایخه عن سعد بن عبد الله عن علی بن اسماعیل بن عیسیٰ ومحمد بن الحسین بن ای الخطاب عن محمد بن عمرو بن سعید الزیات، عن عبد الله بن بکیر عن زرارة عن ابی جعفر (ع) قال: کتب الحسین بن علی (ع) من مکة الی محمد بن علی: "بسم الله الرحمن الرحیم، من الحسین بن علی الی محمد بن علی ومن قبله من بنی هاشم، آمنا بعدلنا من لحق بی استشهدوا من لم یلحق لم یندرک الفتح والسلام ۵

اس روایت میں اختلاف سند کے علاوہ یہ بھی آیا ہے کہ امامؑ نے اس نامہ کو مکہ سے محمد بن حنفیہ کے نام تحریر فرمایا البتہ جو ہمارا منظور نظر تھا وہ دونوں روایات میں مشترک ہے۔

کتاب بلاغت الحسین میں نقل ہوا ہے، امام حسینؑ نے بنی ہاشم اور محمد بن حنفیہ کے نام اس مضمون کا نامہ تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحیم من الحسین بن علی الی محمد بن علی ومن قبله من بنی هاشم، آمنا بعدلنا من لحق بی استشهدوا من لم یلحق لم یندرک الفتح والسلام

”بسم الله الرحمن الرحیم حسین بن علی کا یہ خط محمد بن حنفیہ اور ان کے ہمراہ دیگر بنی ہاشم کے نام ہے۔ اما بعد! بلاشبہ دنیا باقی رہنے والی نہیں ہے اور بے شک آخرت باقی رہنے والی لازوال جگہ

کا نام ہے والسلام۔ ۶

اہل دقت و تحقیق پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام حسینؑ کا یہ جملہ ان کی سیاست (امام کے ساتھ ملحق نہ ہونا) پر تعرض و کنایہ سے خالی نہیں۔

۳۔ علامہ حلی علیہ الرحمہ نے ابن مہنا کے مسائل کے جوابات میں ذکر کیا ہے:

محمد بن حنفیہ امام کی روانگی کے موقع پر بیمار تھے اور یہی (بیمار ہونا) سفر کیلئے مانع تھا چنانچہ وہ ناچار مدینہ میں ہی رہے۔ بچے جبکہ ان کی بیماری کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی شجاعت و بہادری کو بُری نظر (نظربد) لگ گئی تھی۔ معروف ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے معاویہ کے سامنے آہنی زرہ کو اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لہذا وہاں موجود لوگوں کا زخم چشم آخری عمر تک انھیں مریض کر گیا۔

بہر کیف محمد بن حنفیہ اور بعض بنی ہاشم مثلاً عبد اللہ بن جعفر وغیرہ کے حضرت کے ہمراہ نہ جانے پر کوئی قانع کنندہ دلیل نہیں مل سکی ہے اور ان کی مدح و مذمت میں مختلف روایات نقل ہوئی ہیں اس طرح علماء و دانشوروں کے اقوال میں محمد بن حنفیہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جسے ہم نے زندگانی

امیر المومنینؑ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لہذا قارئین رجوع فرما سکتے ہیں۔ جبکہ محمد بن حنفیہ کا ماضی پُر افتخار اور قدر جلیل کا حامل ہے، کیونکہ انہوں نے جنگ جمل و صفین میں شجاعت و بہادری کی بہترین مثالیں قائم کر دکھائیں مگر ان کا آخر اور اختتام عمر مبہم نظر آتا ہے، شاید وہ اس بارے میں کوئی عذر رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم

مجموعی طور پر ان تمام روایات سے یہ استناد ہوتا ہے کہ امام حسینؑ کا محمد بن حنفیہ کے ساتھ مکالمہ فقط مدینہ سے روانگی کے وقت منحصر نہیں بلکہ مکہ المکرمہ سے سوئے عراق روانگی کے موقع پر بھی ان سے امام نے گفتگو فرمائی ہے جسے مناسب مقام پر ذکر کیا جائے گا، بنا براین بعض اہل قلم نے مقام گفتگو میں اختلاف کیا ہے، کیونکہ کہیں روایات میں مدینہ کا ذکر ہے تو کہیں مکہ کا، نقل مکالمہ کو ضعیف و بے اعتبار جانا ہے جو کہ مذکورہ نکتے سے غفلت کی وجہ سے ہے۔

علامہ مقرر کی مقتل الحسین، محدث فی کی نفس المہموم اور ادب الحسین وغیرہ میں امام حسینؑ کا ترک مدینہ کے وقت ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، عمر بن علی المعروفؓ ”عمر اطرف“ عبد اللہ بن عمر اور جابر بن عبد اللہ انصاری حتیٰ اجنساء کے ایک گروہ سے مکالمہ نقل ہوا ہے اور امام نے ان کے جواب دیئے جن میں سے بعض ہمارے نزدیک سندی اعتبار سے کوئی خاص معتبر نہیں، لہذا ہم انہیں تحریر کرنے سے معذور ہیں البتہ مطالعہ کے شائقین مذکورہ کتابوں سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مکہ المکرمہ سے روانگی کے موقع پر امام حسینؑ کے کچھ مکالمات انجام پائے جنہیں انشاء اللہ ان کی جگہ پر ذکر کریں گے۔

راہ مکہ میں

جیسا کہ پہلے اشارہ ہو چکا کہ امامؑ مدینہ سے نکلنے وقت سورہ قصص کی آیت جو کہ حضرت موسیٰؑ کے مصر سے خروج کی مناسبت سے نازل ہوئی تلاوت فرما رہے تھے جس میں خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ ذَبْ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”موسیٰ اس شہر (مصر) سے خوف

کے عالم میں یہ کہہ کر راہ کی تلاش میں نکلے کہ پروردگار مجھے سنگروں سے نجات عطا کر۔“

(قصص ۲۱)

ہاں امام حسینؑ مدینہ سے اپنے خروج کو حضرت موسیٰؑ کی مصر سے خروج سے تشبیہ دی، چنانچہ حضرت موسیٰؑ فرعون خوف سے ترک شہر دیار پر آمادہ ہوئے اور شہر سے قرار کر گئے، اسی طرح امام حسینؑ نے بھی اپنے زمانہ کی فرعون سے مجبور ہو کر شہر و دیار اور اپنے کا شانے کو ترک کر دیا۔

بہر کیف شیخ مفیدؒ نے روایت کو یوں لکھا ہے:

امامؑ کی جانب جانے والے معروف شاہراہ عظیم پر سفر اختیار کیا تو خاندان کے افراد نے کہا:

اگر آپ غیر معروف راستے کو اپنائیں تو بہتر ہوگا تا کہ شاید عبداللہ بن زبیر کی طرح پیچھا کرنے والے جاسوسوں کی رسائی آپ تک نہ ہو سکے۔

امام نے فرمایا: نہیں! خدا کی قسم میں راہ راست سے ہٹ کر نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ خدا ہمارے درمیان جو چاہتا ہے وہ فیصلہ کرے۔

اور جب امام حسین مکہ پہنچے تو شب جمعہ سوم شعبان المعظم تھی۔ آپ اس شہر میں داخل ہوتے وقت گذشتہ آیت کا بقیہ حصہ تلاوت فرما رہے تھے:

﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلَقَّاهُ مَذْنِبٌ قَالَ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے راہ راست کی رہبری کرے گا۔“

امام حسین کے قیام پذیر ہو جانے کے بعد مکہ کے لوگ (جب آپ کی آمد کی خبر ہوئی) آپ کے دیدار کیلئے جوق در جوق رفت و آمد کر رہے تھے، اسی طرح وہاں موجود مختلف شہروں کی بزرگ شخصیات حضرت کے دیدار کیلئے آ رہی تھیں۔ ابن زبیر جو مسلسل دیوار کعبہ کے ساتھ نماز و عبادت میں مشغول تھے چند لوگوں کے ہمراہ امام حسین سے ملاقات کیلئے آیا وہ روزانہ ورنہ ایک دن بعد ضرور امام حسین سے ملاقات کو آتے، لیکن حضرت کا وہاں ہونا سب سے زیادہ اُن پر گراں تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب تک امام حسین مکہ میں ہیں حجاز کا کوئی فرد ان کی بیعت نہیں کرے گا، کیونکہ لوگ حضرت کی جانب ان سے زیادہ رغبت رکھتے تھے اور آپ کا مقام ان سے کہیں بلند تر تھا۔

عبداللہ بن مطیع عدوی سے امام کی ملاقات ابن عساکر وغیرہ نے نقل کیا ہے، مکہ و مدینہ کی درمیانی راہ میں امام حسین سے عبداللہ بن مطیع عدویؓ کا سامنا ہوا، حضرت کے نزدیک آیا اور عرض کی اے ابا عبداللہ! کہاں کا عزم رکھتے ہیں؟ امام نے جواب میں فرمایا:

اَصَافِي وَفَتِي هَذَا اُرْبَعًا، فَاِذَا صُرْتُ اِلَيْهِ اسْتَعْرَضْتُ اللّٰهَ فِيْ اَمْرِيْ بَعْدَ اَلِكِ مَنِ الْحَالِ كَمَ كَا اِرَادَهٗ
ہے البتہ وہاں پہنچ کر خدا سے بعد کے مقصد کا سوال کروں گا۔

امام عبداللہ بن مطیع عدوی جیسا کہ اسباب اور تہذیب التہذیب میں آیا ہے وہ صحابی رسول اللہؐ تھے جو واقعہ حرہ کے وقت مدینے سے (حفظ جان و ناموس کی خاطر) مکہ کی جانب نکل گئے تھے اور وہاں ان کا شمار عبداللہ بن زبیر کے حلقہ احباب میں ہونے لگا تھا حتیٰ ابن زبیر کی جانب سے اُسے کوئے کی حکمرانی نصیب ہوئی مگر جب حضرت مختار کو فہ پرقابض ہوئے تو یہ مکہ لوٹ آئے اور ابن زبیر کے ساتھیوں میں رہے یہاں تک کہ انہی کی رکاب میں مکہ میں جنگ کے دوران قتل کر دیئے گئے۔

عبداللہ نے عرض کی:

خدا آپ کے حق میں خیر رکھے، لیکن میں از روئے ہمدردی ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا: کیا مشورہ ہے؟

عبداللہ نے عرض کی! آپ مکہ جا کر کیونکہ انہی لوگوں نے آپؑ کے والد بزرگوار کو شہید کیا، آپؑ کے بھائی کو زخمی کیا، بلکہ نزدیک تھا، امام حسنؑ کی جان کو نقصان پہنچتا، لہذا حرم (مکہ) میں زندگی گزاریں اس لئے کہ اس زمانے میں آپ اہل عرب کے مولود آقا ہیں۔ قسم بخدا اگر آپؑ مار دیئے گئے تو آپؑ کا خاندان بھی برباد کر دیا جائے گا۔ امام نے اس کیلئے دعائے خیر کی اور وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ ۱۲

مؤلف کہتے ہیں:

”اسی طرح ان کے امام کے ساتھ ایک اور ملاقات کو فہ اور عراق کی درمیانی راہ میں ہوئی جسے اس کے مناسب مقام پر ذکر کیا جائے گا۔“

مکہ میں امام کی آمد

جیسا کہ ارشاد مفیدؑ کی روایت میں پڑھا امام سوم شعبان المعظم مکہ المکرمہ میں وارد ہوئے اور تاریخ ابن عساکر کے مطابق ۱۳؎ بھی یہی تاریخ نقل ہوئی ہے اور کچھ حوالوں کے مطابق حضرت نے عباس بن عبدالمطلبؑ کی رہائش گاہ پر قیام فرمایا جبکہ بعض کتابوں میں نقل ہوا ہے حضرت نے شعب علیؑ میں قیام فرمایا ۱۴؎ البدایہ و النہایہ وغیرہ میں نقل ہوا ہے، اہل مکہ اور وہ لوگ جو عمرہ یا حج کے ارادے سے مکہ میں موجود تھے، حضرت سے ملاقات کیلئے آتے اور وہ لوگ حضرتؑ کی لسان مبارک سے جاری ہونے والے حکمت آمیز کلمات سنتے اور انھیں یادداشت کرتے تھے۔ ۱۵

۱۲؎ نقل از فتوح ابن اعثم ج ۵، ص ۳۴، فضول الجہد ابن سباغ مائلی، ص ۱۸۳، مگر تہذیب، ابن عساکر ج ۱۳ ص ۵۵۔ یہ داستان ملاقات کی یہ داستان ایک دوسرے طریقے سے بھی نقل ہوئی ہے کہ وہ کونواں کھودنے میں مصروف تھا کہ اسی اثناء میں امام سے ملاقات ہوئی اور مذکورہ گفتگو کے بعد امام سے کنوئیں کے پانی کی برکت کیلئے دعائے خیر کی التماس کی تو حضرت نے اس کنوئیں کا پانی طلب فرمایا اور کچھ مقدار پی کر بقیہ کنوئیں میں ڈلوادیا اس طرح کنوئیں کا پانی شیریں و بابرکت ہوتا چلا گیا کیونکہ یہ ملاقات دو مقام پر انجام پائی شاید اسی لئے نقل کی کیفیت مختلف محسوس ہوتی ہے۔ بہر صورت امام نے انھیں کوئی واضح اور صریح جواب نہ دیا بلکہ محمل و مبہم انداز میں فقط دعائے خیر فرما کر گزر گئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ان کے باطن سے آگاہ تھے اور انھیں قابل اعتماد نہیں جانتے تھے جسے ارباب تراجم نے بھی تحریر کیا ہے۔

امام کی مکہ آمد پر متعدد رد عمل

امام حسینؑ کا مکہ مکرمہ تشریف لانا سب کیلئے یکساں نہیں تھا، بعض لوگوں کیلئے تو خوشحالی کا سبب اور امید کی ایک کرن تھی مگر بعض افراد آپؑ کی آمد پر مضطرب و پریشان تھے حتیٰ کچھ شخصیات پر حضرتؑ کی آمد اور مکہ میں قیام نہایت سنگین اور مشکل کا باعث تھا۔

۱۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد خاص طور پر جو لوگ معاویہ اور بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ کر ایک مناسب پناہ گاہ کی تلاش میں تھے، تاکہ بنی امیہ کی حکومت کے خلاف قیام عمل میں لاسکیں چنانچہ ان کیلئے امام حسینؑ کا قیام بہترین نیکہ گاہ کی صورت اختیار کر گیا تھا اور شاید یہی سبب تھا کہ انھوں نے اس جہاد میں اپنی تمام تر توانائیاں امام کی مدد و نصرت کیلئے صرف کرنا شروع کر دیں اس طرح تمام جنگی ساز و سامان اور دیگر امکانات فراہم کرنے کیلئے یہ لوگ آمادہ تھے۔ (انشاء اللہ اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کریں گے۔)

۲۔ بنی امیہ کے ظالمانہ حکومتی نظام خاص طور پر یزید کی گھبراہٹ کیلئے امامؑ کا مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ جیسے اسلامی مرکز میں قیام پذیر ہونا اور وہاں موجود مختلف افراد سے اسکے خلاف خصوصی یا عمومی گفتگو پریشانی اور اضطراب کا باعث تھا یہ سب لوگ اس تلاش میں تھے کہ حضرتؑ سے بیعت حاصل کر لی جائے تاکہ حضرتؑ کی حق طلبی اور حریت کی آواز کو دبا دیا جائے۔

۳۔ عبداللہ بن زبیر جیسے افراد پر بھی جن کے سر میں سودائے حکومت بر مسلمین اور حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا تھا حضرتؑ کی آمد اور پھر نہایت گراں تھا اور خوش آئند نہ تھا۔ کیونکہ آنحضرتؑ کی موجودگی میں، جبکہ آپؑ خلافت کیلئے سب سے زیادہ لائق تھے اور مسلمانوں کی اکثریت میں مقبول ترین تھے، ان کے دعوے کا کوئی خریدانہ تھا اور مشہور قول کہ اس کی مہندی میں رنگ نہیں، چنانچہ گزشتہ روایات میں آپؑ لوگوں نے پڑھا اور آئندہ پڑھیں گے۔

یزید نے کیا کیا؟

جوں ہی یزید کو امام حسینؑ کا بیعت نہ کرنے اور مکہ کی جانب سفر کا علم ہوا تو اس نے فوراً مندرجہ ذیل فوری اور سخت اقدامات کیے۔

الف۔ حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کی معزولی

یزید نے پہلا اقدام یہ کیا کہ وائی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو چالاک، مصلحت پسند اور فتنہ و آشوب سے ہمیشہ گریز کرنے والا تھا معزول کر دیا یہ شخص (جیسا کہ بیان ہو چکا) امام کا بیعت نہ کرنے کے بعد بھی کسی سخت قسم کا قدم اٹھانے پر تیار نہ ہوا جبکہ مروان نے خشونت کا مشورہ دیا تھا مگر اس نے جواب

میں کہتا:

ويحك يا مروان انك اشترت عليّ بذهب ديني ودنياي ، والله ما احب ان املك الدنيا بأسرها ، وانى قتلت حسينا ، سبحان الله ! أقتل حسينا أن قال لا بايع ، والله ما اظن احدًا يلقي الله بدم الحسين الا وهو خفيف الميزان ، لا ينظر الله اليه يوم القيامة ، ولا يزكّيه وله عذاب اليم (ترجمہ پہلے بیان ہو چکا)

چنانچہ یزید نے پہلا اقدام یہ کیا کہ ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ بنی امیہ کے انتہائی سخت دل اور جاہل انسان یعنی عمرو بن سعید اشرق کو جو کہ غیظ و غضب، جرم و قتل اور غارتگری میں معروف تھا اس شہر کی حکومت سونپی، چنانچہ اس نے پہلے تو عمرو بن زبیر کو جو اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر سے سخت دشمنی رکھتا تھا مختلف دفاعی اداروں کا رئیس اور اپنا خاص محافظ منتخب کیا پس عمرو بن زبیر نے شہر مدینہ کی مشہور شخصیات مثلاً محمد بن عمار یاسر، منذر بن زبیر اور اسکے بیٹے محمد بن منذر وغیرہ کو مخالف حکومت ہونے کے جرم میں گرفتار کیا اور پہلے ہی روز ہر ایک کو چالیس سے اسی کوڑے لگانے کا حکم سنایا پھر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری کیلئے تیاریاں شروع کیں تاکہ مکہ پر دھاوا بول کر اسے حکومت کے آگے تسلیم کرے۔

ب۔ ابن عباس کے نام یزید کا خط

یزید کا دوسرا اقدام یہ تھا کہ اس نے ابن عباس کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا:

”اے ابن عباس۔ جانتے ہو تمہارے چچا زاد حسین اور دشمن خدا عبداللہ بن زبیر میری بیعت سے گریز کرتے ہوئے مکہ کی جانب فرار کر گئے ہیں اور معاشرے میں فتنہ گری کے ذریعے خود کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہیں جہاں تک عبداللہ بن زبیر کی بات ہے تو وہ بہت جلد تلوار کی دھار سے مار دیا جائے گا البتہ حسین کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ وہ آپ سے اپنے کئے کی معذرت طلب کریں اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ عراق کے کچھ شیعوں نے انھیں خطوط لکھ کر خلافت کا امیدوار بنایا ہے۔ آپ ہم سے اپنی رشتہ داری جانتے ہیں مگر حسین نے اس رشتہ کو کاٹ دیا، چنانچہ آپ اس وقت خاندان کے بزرگ ہیں، ان سے ملیں اور انھیں سمجھائیں کہ وہ اپنے دامن سے فتنہ کو جھاڑ دیں اگر مان گئے تو میں بھی انھیں امان دوں گا اور اپنے نزدیک معزز شمار کروں گا اور جو کچھ میرا باپ ان کے بھائی کو دیتا تھا میں دوں گا، بلکہ اس سے زیادہ دوں گا اور اس کی ادائیگی کی ضمانت کیلئے آپ کو بھی درمیان میں قرار دیتا ہوں اور اپنے کہنے کی انجام دہی پر پکی قسم کھانے اور محکم وعدے کرنے پر تیار ہوں، تاکہ انھیں اطمینان ہو جائے۔ پس جتنا جلدی ممکن ہو میرے اس خط کا جواب روانہ کریں اور جو چاہتے ہیں میرے لیے تحریر کریں۔ والسلام۔“

ابن عباس کا جواب

ابن عباس نے خط پاکر جواب دیا:

تیرا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا ابن زبیر اور حسینؑ مکہ کی جانب فرار کر چکے ہیں، چنانچہ جہاں تک ابن زبیر کی بات ہے تو اس کا تعلق ہم سے نہیں کیونکہ وہ ہماری دشمنی پر تلا ہوا ہے اور اپنے دل میں ہم سے کینہ رکھتا ہے، لہذا اسکے بارے میں جو چاہا ہو انجام دو۔ رہی حسینؑ کی بات تو جب وہ اپنے جد کا شہر چھوڑ کر مکہ تشریف لائے تو میں نے آنے کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ مدینے میں تیرے کارندوں نے ان سے بد اخلاقی اور بد سلوکی انجام دی ہے، لہذا انھوں نے حرم خدا کو پناہ گاہ کے طور پر اختیار کیا ہے میں ان سے ملوں گا اور اس بارے میں گفتگو کروں گا۔

اس کے بعد ابن عباس نے یزید کو چند نصیحتیں تحریر کیں۔ ۱۔

اس خط اور جواب سے چند مطلب روشن ہوتے ہیں:

۱۔ یزید، امام کو نہیں جانتا تھا اس لیے یہ خیال اسکے ذہن میں آیا کہ حسینؑ نے مال و منال کیلئے قیام کیا ہے، لہذا زیادہ مقدار میں بذل و بخشش کا وعدہ کر دیا۔

۲۔ جواب نامہ میں عبداللہ بن زبیر کی خاندان رسول کی نسبت دشمنی کا معلوم ہونا، البتہ تفصیل بیان ہوگی۔

۳۔ اسی طرح ابن عباس کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنے اصلی ہدف کا اظہار نہیں فرمایا یا ابن عباس اس سے آگاہی نہیں رکھتے تھے اور لاعلم تھے البتہ ممکن ہے ابن عباس نے اپنی جانب سے یہ جملات تحریر کر دیئے تھے یعنی وہ خیر خواہی انجام دے رہے تھے شاید ان کے خیال میں اس طرح فتنہ روکا جاسکتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر کی امام حسینؑ اور بنی ہاشم کی نسبت دشمنی

جیسا کہ مذکورہ نامہ سے واضح ہوتا ہے عبداللہ بن زبیر کا بنی ہاشم اور خاندان امیر المومنین علیؑ کے ساتھ کیا رویہ تھا؟ یعنی وہ اس خاندان سے کینہ تو زری اور دشمنی پر تلا ہوا تھا، چنانچہ نقل شدہ دوسری روایات سے بھی یہی مطلب واضح ہوتا ہے اور یہ بات بھی دھکی چھپی نہیں کہ عبداللہ بن زبیر جنگ جمل کی آگ بھڑکانے والوں میں سے تھا اور اسی نے لوگوں کو خلیفہ مسلمین حضرت امیر المومنین علیؑ کے خلاف بھڑکایا۔ یہی شخص عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی جانب سے علمبردار اور سالار لشکر کی حیثیت سے جنگ جمل میں شریک ہوا۔ ۱۔

امیر المومنین علیؑ کی یہ روایت بھی مشہور ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا:

مَا زَالَ الرَّبُّ يُرْمِيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ حَتَّى نَشَاقِبَهُ عَبْدَ اللَّهِ فَأَقْسَدَهُ زُبَيْرٌ بِمِثْمَرِ هَامِرٍ خَدَّيْهِمَا

رہا مگر جوں ہی اسکا بیٹا عبداللہ بڑا ہوا تو اس (بیٹے) نے اسے فاسد کر دیا۔“ ۱۸
اسی طرح نہج البلاغہ میں یوں نقل ہوا ہے:

مَا زَالَ الزَّبِيرُ رَجُلًا مَنَافِلَ الْبَيْتِ حَتَّى نَشَأَ ابْنَهُ الْمُسْتَوْمُ عَبْدُ اللَّهِ ۱۹
اور اہل بیت علیہم السلام سے اس کی دشمنی کے بارے میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں من جملہ وہ روایات جو خود
عبداللہ بن زبیر سے نقل ہوئی ہے، جب مکہ و حجاز کے لوگ اسکے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اس کا عبداللہ
بن عباسؓ سے مباحثہ ہو گیا جس کے درمیان اس نے کہا:

وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَكْتُمُ بَعْضَكُمْ أَهْلَ هَذَا الْبَيْتِ مُنْذُ أَرْبَعِينَ سَنَةً ۲۰ قسم بخدا چالیس سال سے میرے دل
میں تمہارے خاندان کی نسبت کینہ پروان چڑھ رہا ہے۔“

جبکہ یہ داستان تو بہت معروف ہے کہ ایک روز عبداللہ بن زبیر نے محمد بن حنفیہ و حسن بن علی ابن
ابیطالب اور دیگر بنی ہاشم کو لے کر محلوں میں سے ایک محلے میں یا شعب ابی طالب میں یا پھر عارم نامی
دڑے میں (دھوکے سے) جمع کر لیا جہاں (ایک سازش کے تحت) بہت سا ہندھن جمع کر رکھا تھا پھر انھیں دھمکی
دی کہ میں تمہیں ہوشیار کرتا ہوں اگر فلاں روز تک میری بیعت نہ کی تو اس ہندھن کو آگ لگا دوں گا تاکہ
تم سب لوگ جل کر خاک ہو جاؤ۔ جب یہ خبر مختار بن ابی عبیدہ کو جو اس وقت کوفہ میں تھے پہنچی تو انھوں
نے ان کی نجات کیلئے عبداللہ جدی کو چار ہزار ساتھیوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ تب محمد بن حنفیہ اور دیگر بنی ہاشم
عبداللہ بن زبیر کے چنگل سے نجات پا سکے۔ ۲۱ البتہ بعد میں عبداللہ بن زبیر کے بھائی عروہ بن زبیر نے
اپنے بھائی کے کئے ہوئے کام کو اس طرح توجیہ کرنا شروع کیا اور کہتا تھا (میرے بھائی) عبداللہ نے یہ فعل
اس لئے انجام دیا تھا تا کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کو ٹھیس نہ پہنچے جیسا کہ عمر بن خطاب نے
ابوبکرؓ کی بیعت نہ کرنے پر بنی ہاشم کے ساتھ انجام دیا تھا کہ ان کے دروازے پر ہندھن جمع کر ڈالا تاکہ
انھیں جلادیا جائے۔ ۲۲ اس نے چند ہفتوں تک اپنے خطبوں اور تقریروں میں رسول خداؐ کا نام ترک کر
کے فقط بنی ہاشم کی عیب جوئی کو عنوان بنایا جسے بہت سے لوگوں حتیٰ اس کے قریبی افراد نے بھی غیر مناسب
جان کر اعتراض کی تو اس نے ان کے جواب میں کہا:

میں رسول اللہؐ کا نام لینا اس لئے چھوڑا کہ میں دیکھتا تھا جب بھی ان کا نام لیتا ہوں بنی ہاشم خود پر ناز
کرتے ہیں اور اپنی گردنوں کو بلند کرتے ہیں اور میں نہیں چاہتا ہوں ان کو خوش حال مسرور کروں اور پھر
مزید کہا:

وَاللَّهِ لَقَدْ مَمَسْتُ أَنْ أَحْفَرُ لَهُمْ حَظِيرَةَ ثُمَّ اضْرِبُهَا عَلَيْهِمْ نَارًا فَإِنِّي لَا أَقْتُلُ مِنْهُمْ إِلَّا آثَمًا كَفَّارًا
مَسْحَارًا إِلَّا آثَمًا هُمْ اللَّهُ وَلَا بَارَكَ عَلَيْهِمْ بَيْتٌ سِوَى الْأَوَّلِ لَهُمْ وَلَا آخِرُ، وَاللَّهِ مَا تَرَكَ نَبِيَّ اللَّهِ فِيهِمْ

خیراً استغفر نبي الله صدقهم فهم أكذب الناس

”قسم بخدا میں نے سوچ لیا ہے کہ کس طرح کوئی راستہ تلاش کر کے انھیں جلاؤالوں لہذا اگر میں نے انھیں مار ڈالا تو یا تو کافر مروں گا یا ساحر اور خدا سے دعا ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ نہ کرے کیونکہ یہ ایک ایسا بُرا خاندان ہے کہ جس کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ ہی کوئی انجام۔ قسم بخدا رسول اللہ نے ان کے درمیان کوئی خیر چیز نہیں چھوڑی اور یہ لوگ تمام افراد میں غلط بیان اور جھوٹے ہیں۔“

اس کی یہ تقریر نہایت اہانت آمیز اور دروغ بیانی پر مشتمل تھی، لہذا محمد بن سعد بن ابی وقاص اور عبد اللہ بن صفوان بن امیہ جیسے افراد نے بھی کھڑی ہو گئے اور مذمت کے ساتھ اس کے رد میں کلام کیا اور اس اعتراض کیا۔ ۲۳

یہی وہ شخص تھا جس نے معاویہ کے مدینہ آمد پر کو طر فدار ظاہر کیا اور ہمدردی کے انداز میں اسے قتل عثمان کی داستان سنائی اور کہا کہ میں تو عثمان کا دفاع کر رہا تھا تب معاویہ نے کہا:

خَلْ هَذَا عَنكَ فَوَاللَّهِ لَوْلَا شِدَّةُ بَغْضِكَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ لَجُرْتُ رَجُلَ عُمَانَ مَعَ الصَّبْعِ (اے زبیر) یہ باتیں چھوڑ دے قسم بخدا اگر تیری دشمنی علی ابی طالب سے نہ ہوتی تو ہرگز تو عثمان کی

حمایت نہ کرتا بلکہ مخلص گفتار کے ساتھ اس کا پاؤں تو ہی کھینچتا۔ ۲۴

عبد اللہ ابن زبیر کے بارے میں ایک ضروری تذکرہ اور توضیح

بعض تاریخی کتب میں عبد اللہ بن زبیر کی عبادت و زہد کے بارے میں کچھ مبالغہ آمیز باتیں نقل ہوئی ہیں یہاں تک کہ بعض سیرت نگاروں اور معاصر کے مؤلفوں نے دفاع کرتے ہوئے اسے ایک متقی اور بنیادی مسلمان تصور کیا ہے اور جب عبد اللہ بن زبیر کی نیرنگی عبادت کے ذریعے فریب دہی اور مکہ سے امام کی رخصت کے وقت اس کا مصلحت پسندی سے کام لینا وغیرہ کی بات آئی تو اہل قلم افراد نے لکھا:

فَعَبَدَ اللَّهُ بَنُ زُبَيْرٍ اتَّقَى اللَّهَ عَرَقَ فِي الْإِسْلَامِ مَنْ أَنْ يَقْتَرِفَ هَذِهِ الذَّنْبَةَ عَبْدُ اللَّهِ بَنُ زُبَيْرٍ كَيْونَكَ مَتَّقِيٍّ أَوْ

بنیادی مسلمان تھے اس لیے وہ ایسے بہت کاموں کو انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ۲۵

لیکن ایسی روایتوں اور تاریخی کتابوں کا معتبر ہونا (جیسا کہ شرح ابن ابی الحدید میں نقل ہوا ہے) ثابت نہیں ہے اور پھر ان روایات کی سند فقط دو افراد تک یعنی عروہ بن زبیر (جو کہ عبد اللہ بن زبیر کا بھائی ہے) اور زبیر بن بکار ہے جو عبد اللہ بن زبیر کی نسل سے ہے متنبی ہوتی ہے، چنانچہ بقول ابن ابی الحدید:

وَهُوَ مَعْنُورٌ فِي ذَلِكَ فَإِنَّهُ لَا يَلَامُ الرَّجُلَ عَلَى حُبِّ قَوْمِهِ، وَالزُّبَيْرِيُّ بَكَارٌ أَحَدُ أَوْلَادِ عَبْدِ اللَّهِ بَنِ زُبَيْرٍ

فَهُوَ أَحَقُّ بِتَقْرِيطِهِ وَشَتَائِهِ وَتَأْيِينِهِ ۲۸ ”زبیر بن بکار ایسی طرفداری کرنے کا حق نہیں رکھتا کیونکہ

عبد اللہ بن زبیر کی اولاد میں سے ہے، لہذا اگر وہ تعریف نہ کرے تو پھر کون ایسی جھوٹ بولنے

پرتیار ہوگا۔“

بہت سے اور اہل تاریخ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کی نماز، روزہ اور مقدس مآب بن کر معاشرے میں زندگی گزارنا عوام کو فریب دینے کیلئے تھا، بلکہ یقیناً اس کے بارے میں امیر المومنین علیؑ کی یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے:

ينصب حباله الدين لاصطفاء الدنيا ”اين کے کنار میں دنیا تک رسائی کا ایک بہانہ تھا۔“ ۲۹

مسعودی مروج الذهب میں عبد اللہ بن زبیر کی عبادتوں اور خود نمائی کے بارے میں لکھتے ہیں:

واظھر ابن الزبیر الذھلی الدنیا والعبادة مع الحرص علی الخلافة وقال انما بطنی شبر فماعسی ان یسع ذالک الشبر پسر زبیر اور دنیا سے دوری اور زہد و عبادت جبکہ وہ خلافت و منصب کے بارے میں حریص تھا اور کہا کرتا تھا میرا شکم ایک بالشت بھر سے زیادہ نہیں مگر نہیں معلوم اس ایک بالشت بھر پیٹ میں کتنا (مال) بڑھ کر سکتا ہے۔ ۳۰

ابن ابی الحدید ابوالفرج اصفہانی سے نقل کرتے ہیں:

”صفیہ بنت عبید ثقفی جو عبد اللہ بن عمر کی زوجہ تھی اپنے شوہر سے اسرار کر رہی تھی کہ وہ عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کرے اور اس امر پر آمادہ کرنے کیلئے اس کی تعریف و توصیف کرتی تھی کہ وہ بہت بڑا عابد، زاہد اور بہت بڑا مجتہد ہے اس نے قیام اس لیے کیا ہے تاکہ لوگوں کو معاویہ اور یزید کے مظالم سے نجات دلوائے۔“

عبد اللہ بن عمر نے ان تعریفوں پر کچھ نہ کہا مگر جب اس کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو اپنی زوجہ سے مخاطب ہوا:

ویضحک أما رأیت البغلات الشهب التي كان یحجّ معاویة علیها وتقدم الیامن الشام؟ قالت: بلی وقال: و اللھما یرید ابن الزبیر بعبادته غیرھن

”تجھ پر افسوس ہو رہا ہے، کیا تو نے اہل حق و خیر کو دیکھا ہے جن پر معاویہ سوار ہو کر حج کیلئے شام سے ہماری جانب سفر کیا کرتا تھا؟ صفیہ نے جواب دیا: ہاں دیکھا ہے۔“ ۳۱

عبد اللہ بن عمر نے کہا: قسم بخدا پسر زبیر اپنی عبادتوں کے ذریعے فقط ان (خجروں) تک رسائی چاہتا ہے۔ ۳۲ بعض روایات سے تو استفادہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو قوم کے عظیم المرتبت لوگوں مثلاً امام حسینؑ جیسے بزرگواروں سے بھی برتر تصور کرتا تھا اور اپنے آپ کو بدن کی نسبت سر یا سر کی نسبت آنکھوں کی مانند افضل گردانتا تھا چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ نے جب یہ سنا کہ وہ اپنے آپ کو بہت اونچا سمجھتا ہے تو ایک مناظرے میں انھوں نے اپنے (بنی ہاشم کے) فضائل و مناقب بیان کر کے اس کا سر شرمندگی سے جھکا دیا۔ (مگر مقام ہذا پر اسے

بحث کا بقیہ حصہ

امام نے فرمایا:

یہ سن کر عبداللہ بن زبیر نے کہا:

میں وہی شہر اختیار کرتا۔“ ۳۵

زبیر کی ہمت افزائی تھی کہ آپ عراق کی جانب خروج کریں۔ ۳۶۔

جیسا کہ گذشتہ حصوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا، امام نے ایک الہی فریضہ اور احساس دینی مسئولیت کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کی نجات کا راستہ صرف قیام اور یزید کے خلاف خروج ہے، لہذا امام اس قیام مقدس کی ادائیگی کو ایک واجب فریضہ جانتے تھے، بنا برائے اس طرح کی باتیں اور کسی کے مشورے امام کے ارادوں پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی اتنی مخالفتیں جو معاشرے کی مختلف شخصیتوں کی جانب سے انجام دی گئیں (جن میں سے بعض کو ذکر کیا جا چکا اور بعض نقل کی جائیں گی) امام کے راستے میں حائل ہو سکیں۔ تاریخ کا بیان ہے جب عبد اللہ بن عباس امام کو سوئے عراق سفر کرنے سے نہ روک پائے، بلکہ امام کو اپنے عزم میں محکم پایا تو تاسف سے بھرے گہرے تاثر کے انداز میں کہا:

واللہ الذی لا الہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعوک و ناصبتک حتی یجتمع علینا الناس اطعننی فاقمت لقلعت ذالک ”اس خدا کی قسم جسکے علاوہ کوئی معبود نہیں اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ کے سر اور داڑھی کے بال پکڑنے سے لوگوں کو جمع کر لوں گا اور یہی آپ کے رک جانے کا سبب بن جائے گا تو ایسا ہی کرتا۔ (مگرافس)

اس کے بعد امام سے عرض کی:

لقد اقررت عین ابن الزبیر بخروجک من الحجاز و ھو الیوم لا ینظر الیہ احدمعک ”بلاشبہ آپ حجاز سے جا کر پسر زبیر کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں جسے آج آپ کی وجہ سے اہل حجاز میں سے کوئی اہمیت نہیں دے رہا۔“

اسی طرح امام سے ملاقات کے بعد عبد اللہ بن زبیر سے کہا:

قرت عینک یا بن زبیر... ھذا الحسن ینخرج الی العراق ویخلیک و الحجاز (مبارک ہو) اے پسر زبیر تیری آنکھ کو ٹھنڈک پڑ گئی، حسین عراق کی جانب روانہ ہو رہے ہیں اور تمہارے لیے حجاز کو خالی چھوڑے جا رہے ہیں۔“ ۳۷

بہر طور ان تمام نقل اتوال سے واضح ہوتا ہے کہ امام نے یزید کی ظالمانہ اور غاصبانہ حکومت کے خلاف مسلحانہ قیام کی ٹھان لی تھی اگرچہ اس کی قیمت اپنی اور اپنے اصحاب کی شہادت اور افراد خاندان کی اسارت ہی کیوں نہ ہو۔

اہل کوفہ کے دعوت نامے

امام حسینؑ تین شعبان ۶۰ ہجری کو مکہ المکرمہ میں تشریف لائے اور اسی سال آٹھ ذی الحجہ کو سوئے عراق روانہ ہوئے اس طرح آپ چار مہینے اور چند دن اس مقدس شہر میں قیام پذیر رہے۔ اس مدت میں امام کے قیام سے متعلق بہت سے واقعات و حادثات اس تاریخی حرکت کیلئے بنیاد ساز وقوع پذیر ہوئے جن میں

سے بعض بطور اختصار ہی سہی مگر قابل ذکر ہیں من جملہ وہ خطوط جو اہل کوفہ اور خاندان رسالت کے بظاہر ماننے والوں کی جانب سے امام کی خدمت میں پہنچے چنانچہ بقول شیخ مفید پہلا خط سلمان بن صرخرزاعی اور اس کے دوستوں نے لکھا اور اسی طرح شیخ مفید ہی کی تحقیق کے مطابق آخری خط شبث بن ربیع اور اس کے منافق دوستوں نے تحریر کیا۔

کوفہ میں سلیمان بن صرد کے گھر میں شیعوں کا اجتماع ابھی ہم شیخ مفید کی اس بارے میں گفتار نقل کرتے ہیں اور اگر ضرورت محسوس کی گئی تو دوسرے بزرگوں کی گفتار اور توضیحات بھی ذکر کریں گے۔

اس عظیم محدث نے اپنی کتاب ارشاد میں اس طرح لکھا ہے:

جب مرگ معاویہ کی خبر کوفہ کے باشندوں تک پہنچی تو انھوں نے یزید کے بارے میں جستجو شروع کی اور جب معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کے علاوہ عبد اللہ بن زبیر نے بھی یزید کی بیعت سے امتناع کیا ہے اور یہ دونوں حضرات مکہ کی جانب روانہ ہو گئے ہیں تو شیعہ ان کوفہ نے سلیمان بن صرخرزاعی کے گھر اجتماع کیا جس میں تمام لوگوں کو تازہ ترین اوضاع و احوال سے باخبر کیا۔ حمد وثنائے الہی بجالانے کے بعد سلیمان بن صرخرزاعی نے کہا:

”تحقیق معاویہ اس دنیا کو خیر باد کہہ گیا ہے اور حسینؑ نے بنی امیہ کی بیعت سے انکار کیا ہے اور کیونکہ آپ حضرات ان کے اور ان کے والد (علیؑ) کے شیعہ ہیں لہذا اگر ان کی مدد اور ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے تو حسینؑ کی راہ میں جان دینے سے دریغ مت کرنا اور انھیں اپنی آماجگی کے بارے میں لکھ کر خبر پہنچائیں البتہ اگر انتشار اور اپنی سستی کا ڈر ہو تو ہرگز خط لکھ کر انھیں دھوکہ نہ دیں۔“

سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا: نہیں ہم ان کے دشمنوں سے لڑیں گے اور ان کی راہ میں جانفشانی سے کام لیں گے۔ یہ سن کہ سلیمان بن صرخرزاعی نے کہا:

اگر ایسا ہے تو پھر بعنوان دعوت حضرت کو خط لکھیں، چنانچہ ان لوگوں نے اس مضمون کا خط تحریر کیا:

بسم الله الرحمن الرحيم. للحسين بن علي (ع) من سليمان بن صرد، والمسيب بن نجبة، ورفاعة بن شداد البجلي، وجب بن مظاهر، وشيعته المؤمنين والمسلمين من أهل الكوفة، سلام عليك فانا نحمد اليك الله الذي لا اله الا هو، اما بعد فالحمد لله الذي قصم عدوك الجبار العنيد، الذي انتزى على هذه الامة فابتنى هاهنا و غصبها فينهادها، وتأمر عيها بغير رضى منها، ثم قتل خيارها واستقى شرارها، وجعل مال الله دلة بين جبارتها و اغنياها فبعد الله كما بعدت ثمود، انه ليس علينا امام فاقبل لعن الله أن يجمعنا بك على الحق، والنعمان بشير في قصر الامارة لسنان نجمع معه في جمعة ولا نخرج معه الى عيلولو قد بلغنا أنك قد قبلت الينا آخر جناه حتى نلحقه بالشام ان شاء الله تعالى

”حسین بن علیؑ کے نام سلیمان بن صدق زاعی، مسیب بن نجیہ ورفاعہ بن شداد ابجلی، حبیب بن مظاہر، باایمان شیعوں اور دیگر کوفہ کے مسلمانوں کا خط، درود و سلام ہوں آپ پر بے شک ہمیں خدا کا پاس گزار ہونا چاہیے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ آپ جیسا وجود ہمیں عطا کیا اور اس طرح اس کی حمد و ثناء کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کے سرکش و متکبر دشمن کو شکست فاش اور نابودی سے ہمکنار کیا وہ دشمن جس نے اس امت پر (دشنامہ) حملہ کیا ہے اور جو روستم کے ذریعے حکومت و زمامداری کو خود کیلئے مختص کر لیا ہے اس طرح زبردستی مسلمانوں کے اموال پر قابض ہوا ان کی رضایت کے بغیر انہی پر حکمرانی کرنے لگا، ان کے بزرگوں اور صلحاء کو قتل کر کے اپنے اشرار و بدکاروں کو ان کی جگہ تعینات کیا، خدا کے مال کو متکبر اور ثروت مند لوگوں کے ہی ہاتھوں میں گردش رہنے دیا (حق ہے کہ) قوم عادی مانند نیست و نابودی ان کا مقدر بنے بلاشبہ کیونکہ ہمارے لئے امام و پیشوا نہیں لہذا آپ ہماری جانب رخ کریں اور خدا سے امید ہے کہ ہم آپ کے سبب حق کے گرد جمع ہو سکیں نعمان بن بشیر (یزید کی جانب سے متعین گورنر) قصر گورنری میں ہے مگر ہم کسی جمعہ بھی اس کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کرتے اور نہ ہی عیدوں پر (نماز کیلئے) اس کے ساتھ صحراء میں جاتے ہیں اگر ہمیں علم ہو جائے کہ آپ ہماری جانب سفر فرما رہے ہیں تو ہم اسے شہر سے نکال کر انشاء اللہ تعالیٰ شام روانہ کر دیں گے۔“

چنانچہ اس خط کو عبداللہ بن مسیح ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے حوالے کیا، تا کہ وہ سرعت کے ساتھ حضرت تنک اسے پہنچا دیں۔ پس ان دونوں نے ماہ مبارک رمضان کی دس تاریخ کو مکہ مکرمہ پہنچ کر اہل کوفہ کا نامہ حضرت کے سپرد کیا۔ وودن بعد اہل کوفہ کے بہت سے اور خطوط جن کی تعداد ایک سو پچاس لکھی گئی ہے قیس بن مسہر صیداوی عبداللہ و عبدالرحمن بن شداد ارجی اور عمارۃ بن عبداللہ سلولی کے وسیلے سے حضرت تنک پہنچے، چنانچہ یہ خطوط ایک دو یا چار افراد کی جانب سے تحریر کیے گئے تھے پھر دن گزرنے کے بعد اہل کوفہ نے حانی بن حانی سمیعی اور سعید بن عبداللہ خفقی کو یہ خط دے کر حضرت کی جانب روانہ کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، للحسنین بن علیؑ من شیعته من المؤمنین والمسلمین اقامہ ی فتحی ہلافاً الناس ینتظرونک لا رأی لہم غیرک، فالعجل العجل ثم العجل العجل، والسلام

”بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط حسین بن علیؑ کے نام حضرت کے شیعوں کی جانب سے جو مومنین و مسلمانوں کی جماعت ہے روانہ ہو رہا ہے حمد و ثناء پروردگار کے بعد عرض ہے کہ آپ بہت جلد ہماری جانب تشریف لائیں، کیونکہ یہاں کے لوگ آپ کی راہ تک رہے ہیں اور آپ کے علاوہ ان کے سوچ و خیال میں کوئی دوسرا نہیں لہذا جلد تشریف لائیں اور جتنا جلدی ممکن ہو تشریف

لائیں۔ وسلام۔“

اس کے بعد شہید بن ربیع، جبار بن ابجر، یزید بن روم، عروہ بن قیس، عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن عمرو تمیمی نے حضرت کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اخَضَرَ الْجَنَاتِ وَأَيَّعَتِ الشَّجَرُ فَأَذْأَشْتِ فَاَقْبِلْ عَلَيَّ جَنْدِلَكَ مَجْنِدُوا السَّلَامَ

”حمہ و ثنائے الہی کے بعد عرض ہے کہ باغات سرسبز اور میوہ جات آپ کے ہیں پس جب بھی چاہیں

اپنے ہراول و چاک و چوبند لشکر کی جانب تشریف لے آئیں والسلام۔“ ۳۸

اس طرح اہل قلم کے مطابق بارہ ہزار خط حضرت کے نام تحریر کیے گئے۔ ۳۹ جن میں سے بعض تو ایک بہت بڑے سینر پر بہت سے دستخط کے ساتھ لکھے گئے چنانچہ ایک وہ دراز کپڑا (بینر) ایک لاکھ چالیس ہزار دستخطوں کا حامل تھا۔ حتیٰ ایک دن تو اہل کوفہ کے ساٹھ خط حضرت نے وصول کیے۔ ۴۰ ہزاروں لوگوں کی جانب سے لکھے گئے بنیروں پر خطوط میں سے ایک یہ تھا:

لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ شِيعَتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ النَّاسَ يَنْتَظِرُونَكَ لَا رَأْيَ لَهُمْ فِي غَيْرِكَ الْعَجَلُ الْعَجَلُ يَا بْنَ رَسُولِ اللَّهِ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْحَقِّ وَيُؤْتِيكَ الْمُسْلِمِينَ وَالْإِسْلَامَ... بَعْدًا جَزَلَ السَّلَامُ وَأَتَمَّهُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

”یہ خط حسین بن علی کے نام ان کے والد امیر المؤمنین علی کے شیعوں کی جانب سے لکھا گیا ہے کہ بعد از حمہ و ثنائے پروردگار لوگ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی ان کا مورد نظر نہیں شتاب و جلد آئیے اے پسر رسول خدا، شتاب آئیے شاید خداوند متعال نصرفرمائے، اسی کے ساتھ آپ پر بہترین و کامل ترین درود و سلام و رحمت و برکات الہی ہوں۔“ ۴۱

اس کے علاوہ ایک خط یہ تھا:

إِنَّا قَدْ حَسَبْنَا أَنْفُسَنَا عَلَيْكَ وَلَسْنَا نَخْضِرُ الصَّلَاةَ مَعَ الْوَلَاةِ، فَأَقْبِمْ عَلَيْنَا فَنَحْنُ فِي مِائَةِ أَلْفِ سَيْفٍ، فَقَدْ فَشَلْنَا فِي الْجُورِ، وَغَمَلْنَا فِي بَاغِيهِ كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ، وَتَرَجَّوْنَا يَجْمَعُنَا اللَّهُ بِكَ عَلَى الْحَقِّ، وَيُغْنِي عَنَّا بِكَ الظُّلْمَ، فَاتَّأَحَقُّ بِهَذَا الْأَمْرِ مَنْ يَزِيدُ آبِيهِ الَّذِي غَضِبَ الْأُمَّةَ، وَفَرَّبَ الْخُمُورَ، وَلَعَبَ بِالْقُرُودِ وَالطَّيَائِرِ، وَتَلَاَعَبَ بِالذِّنِّ

”ہم نے آپ کی تشریف آوری کیلئے خود کو ہر جہت سے آمادہ کر لیا ہے، نماز کی ادائیگی کیلئے خود کو والی شہر کے ساتھ حاضر نہیں کرتے پس جتنا جلدی ممکن ہو آپ ہم تک آ پہنچیں، کیونکہ (اس وقت) ایک لاکھ تلواریں ہمارے اختیار میں ہیں بے شک جو رستم ہمارے درمیان رواج پا چکا ہے اور کتاب و سنت سے ہٹ کر امور انجام دیئے جاتے ہیں، چنانچہ ہمیں تو خدا سے یہ امید ہے کہ آپ کے سبب حق کے گرد جمع ہو سکیں گے اور وہ آپ کے سبب ہمیں ظلم و ستم سے نجات عطا کرے گا

یقیناً آپؐ یزید اور اسکے باپ سے کہیں زیادہ لائق خلافت ہیں جنہوں نے حق امت کو غصب کیا اور شراب نوشی میں مگن، بندروں کا ہم نشین ہے اور یہ شخص طنبور کھیلتا ہے، گویا دین الہی کو بازیچہ اطفال بنا ڈالا ہے۔ ۴۲

من جملہ ان مختصر اور زیادہ دستخط والا خط یہ خط تھا:

إِنَّا مَعَكَ وَمَعَا مَا أَلَفَ سَيْفٌ ”ہم آپ کے ساتھ اور ہمارے ساتھ ایک لاکھ تلواریں ہیں۔“ ۴۳

اُس وقت عراق کے حالات

جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے عام طور پر عراق اور خاص طور پر اہل کوفہ اموی اور معاویہ کی حکومت سے سخت نالاں تھے گویا وہ تاک میں لگے ہوئے تھے کہ جیسے ہی کوئی موقع ہاتھ آئے وہ اپنی ناراضگی کا اظہار کریں ان کیلئے یہ ممکن تھا کہ وہ اس حکومت کی سرکوبی کیلئے کسی بھی اقدام کو انجام دیں اگرچہ اس کام کیلئے مسلحانہ قیام ہی کیوں نہ انجام دینا پڑے۔ البتہ یہ اموی نظام کی نسبت ناراضگیاں، نفرتیں اور سخت مخالفتیں جذبہ ایمانی اور احساس دینی سے زیادہ قومی اور قبائلی احساسات اور مادی امنگوں سے سرشار تھیں کیونکہ:

۱۔ شہر کوفہ حضرت علیؑ کے زمان خلافت میں اسلامی حکومت کا مرکز تھا چنانچہ مسلمانوں کے تمام امور کا نظم و نسق اور گورنروں کا عزل و نصب اسی مقام سے کیا جاتا تھا مگر حضرت علیؑ کے بعد کیونکہ معاویہ نے خلافت کو شام منتقل کر دیا لہذا اہل عراق خاص طور پر اہل کوفہ سخت ناراض ہوئے اور ہمیشہ اس خیال میں تھے کہ کسی طرح مرکزی حکومت کو دوبارہ عراق لوٹا دیا جائے بنا برائیں دیکھنے میں آتا ہے کہ دونوں علاقوں (شام و عراق) کے شعراء اس مطلب کو اپنے اشعار میں نظم کرتے ہیں۔ شامی شاعر کہتا ہے:

واہل العراق کارہونا

اری الشام تکرہ ملک العراق لہم

فقلنا: رضنا ابن ہندرضینا

قالوا علیٰ امام لنا

”مجھے معلوم ہے کہ شامی عراقیوں کو پسند نہیں کرتے اور عراقی شامیوں کو پسند نہیں کرتے، اہل عراق کہتے ہیں ہم امام علیؑ کو مانتے ہیں جبکہ ہم ابن ہند پر راضی ہیں۔“

اور عراقی شعراء اس کے جواب میں کہتا ہے:

واہل الحجاز فماتصنونا

اتاکم علی باہل العراق

فقدما رضینا الذی تکرہونا

فان یکرہ القوم ملک العراق

”جبکہ علیؑ تو تمہارے پاس اہل عراق و حجاز کے ساتھ آئے تھے اور اگر اس چیز پر راضی نہیں ہوں تو کیا ہوتا

ہے ہم اس پر راضی ہیں۔“

۲۔ اس کے علاوہ معاویہ نے بھی اپنی بیس سالہ حکومت میں عراقیوں خاص طور پر اہل کوفہ کی ہر ممکن تحقیر انجام دی اور انھیں سخت ظلم و ستم اور بے دادگری کا نشانہ بنایا۔ صلح امام حسن کے بعد بدترین اور ظالم ترین افراد کو مثلاً زیاد بن ابیہ کو ان پر مسلط کیا جو فقط تہمت و گمان کی بنیاد پر لوگوں کو گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر دار پر لٹکا دیا۔ وہ انھیں انواع و اقسام کی اذیتیں اور آزار پہنچاتا تھا ۴۳ھ اور جہاں تک ہوسکا لوگوں کے حقوق و عطیات کو تاخیر میں ڈالتا یا حذف کر دیتا تھا، چنانچہ جیسا کہ گزشتہ حصے میں ذکر کیا جا چکا ہے جس روز معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو والی کوفہ و بصرہ مقرر کیا اس نے (بعض اہل قلم کے مطابق) پہلے ہی روز اسی افراد کے ہاتھ کٹوا دیئے اور عمرہ بن حبذب کو اپنی جگہ بصرہ کا والی رہا مگر اس عرصہ میں اسی ہزار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ۴۵ھ اور یقیناً یہ تمام ظالمانہ اقدام معاویہ کے علم میں تھے بلکہ اس کے حکم پر انجام دیئے جاتے تھے، کیونکہ حجر بن عدی عمرو بن حمق اور رشید جعری نمرہ کی داستان شہادت (تفصیل سے گزر چکی) میں یہی تھا کہ زیاد بن ابیہ معاویہ ہی کے حکم کے مطابق یہ مظالم انجام دیتا تھا۔

۳۔ اہل ایمان افراد جو امیر المومنین اور آپ کی معلوم اولاد کے خالص شیعوں اور فدکاروں پر مشتمل تھے وہ کوفہ و بصرہ میں موجود تھے، اگرچہ یہ لوگ اقلیت میں تھے مگر یہی تعداد کم نہ تھی جن میں وہ پہلے افراد مثلاً سلمان بن مرذرائی مسیب بن نجیہ اور حبیب ابن مظاہر وغیرہ تھے۔ جنھوں نے امام حسین کو خط لکھ کر کوفہ آمد کی دعوت دی اور یہی حضرت کے وفادار بھی رہے، یہاں تک کہ کربلا میں شہید کر دیئے گئے اور ایسے ہی چند افراد نے کربلا کے بعد انتقام جوئی کے جذبے کے ساتھ قیام کیا اور گروہ تو ابین کو تشکیل دیا۔

مگر جیسا کہ بیان کیا گیا یہ لوگ اقلیت میں تھے، جبکہ اکثریت ان عراقیوں کی تھی شامیوں سے خوش نہ تھے اس لئے ان کے خلاف قیام اور شام سے حکومت منتقل کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔

بصرہ کے حالات

اہل بصرہ بھی اہل کوفہ کے ساتھ ان مندرجہ بالا اہداف و مقاصد میں مشترک تھے اور شیعوں کی جو اقلیت کوفہ میں تھی وہ بصرہ میں بھی موجود تھی چنانچہ ابن اشیر وغیرہ لکھتے ہیں:

”جب انھیں امام حسین کی آمد کی خبر پہنچی تو حضرت کے تمام ماننے والے قبیلہ عبدالقیس کی ایک شیعہ خاتون کے گھر جن کا نام ”ماریہ بنت سعد“ تھا جمع ہوئے، کیونکہ ان کا مکان شیعوں کی رفت و آمد کا مرکز تھا۔ ان جمع شدہ افراد میں سے یزید بن نبیط نامی شخص جس کے دس بیٹے تھے دو بیٹوں

کے ہمراہ امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہونے کیلئے عازم مکہ ہوئے اور امامؑ کے ہمراہ رہے یہاں تک کہ کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔“ ۳۶

امام حسینؑ کا بصرہ کے بزرگوں اور سرداروں کے نام خط مذکورہ دلائل کی بناء پر امام حسینؑ نے مکہ کو بھی الوداع کہا اور عراق کی جانب سفر کا آغاز فرمایا مگر اس سے قبل تاریخ طبری کے مطابق حضرتؑ نے بصرہ کے نام اس مضمون کا خط تحریر فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَى مُحَمَّدًا (ص) مِنْ خَلْقِهِ، وَأَكْرَمَهُ بَنِيَّوْهُ، وَاخْتَارَهُ لِرِسَالَتِهِ، ثُمَّ قَبَضَهُ إِلَيْهِ، وَقَدْ نَصَحَ لِعِبَادِهِ، وَبَلَغَ مَا رُسُلُ بِهِ، وَكُنَّا أَهْلَهُ وَأَوْلِيَاءَهُ وَأَوْصِيَاءَهُ وَوَرَثَتَهُ، وَأَحَقُّ النَّاسِ بِمَقَامِهِ فَاسْتَأْذَنَّا عَلَيْهِ فَوَضَعْنَا الْكَفَّ عَلَى رُضِينَا، وَكُفَّ هُنَا الْفَرْقَةُ، وَأُجِيبَنَا الْعَاقِبَةُ، وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّا أَحَقُّ بِذَلِكَ الْحَقِّ الْمُسْتَحَقِّ عَلَيْنَا مِمَّنْ تَوَلَّاهُ، وَقَدْ بَعَثْتُ رَسُولِي إِلَيْكُمْ بِهَذَا الْكِتَابِ، وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ، فَإِنَّ السُّنَّةَ قَدْ أُمِيتَتْ، وَالْبِدْعَةُ أُحْيِيَتْ فَإِنْ تَسْمَعُوا قَوْلِي أَهْدِيَكُمْ إِلَى سَبِيلِ الرَّشَادِ۔

”میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد یاد دہانی کروا رہا ہوں کہ خداوند متعال نے محمدؐ کو اپنی تمام مخلوق میں سے منتخب کیا تا کہ انھیں اپنی نبوت سے سرفراز اور رسالت سے ہمکنار کرے پھر انھیں اپنی جانب بلا لیا، کیونکہ انھوں نے اس کی رسالت کو بندگان خدا سے خیر خواہی کرتے ہوئے پہنچا دیا تھا اور ہم ان کے خاندان، ان کے اولیاء اور ورثاء ہیں لہذا ہم تمام لوگوں کے درمیان اس مقام (رہنمائی) کیلئے مستحق ترین افراد ہیں، مگر (افسوس) ہماری ہی ملت نے اس حق کو ہم سے چھین لیا جبکہ ہم نے اختلاف و جدائی کو پسند نہ کرتے ہوئے اتفاق و اتحاد کی سر بلندی کیلئے رضایت و خاموشی اختیار کی حالانکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس کے چاہنے والوں سے کہیں زیادہ یہ ہمارا مسلم حق ہے۔ لہذا آپ کی جانب اس خط کے ہمراہ اپنا قاصد روانہ کر رہا ہوں میں آپ حضرات کو کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ کی دعوت دیتا ہوں یقیناً (آج) حضرتؑ کی سنت مردہ اور بدعت زندہ ہو چکی ہے، پس

اگر میری بات سنیں گے تو آپ حضرات کو خیر و صلاح کی جانب ہدایت کروں گا۔“ ۳۷

امام حسینؑ نے اسی مضمون کو چند نسخوں کی صورت میں مندرجہ ذیل افراد کے نام روانہ فرمایا۔

۱۔ مالک بن مسع بکری ۲۔ یزید بن مسعود ہشلی ۳۔ منذر بن جارد عبدی

۴۔ احف بن قیس ۵۔ مسعود بن عمرو ۶۔ قیس بن شیم ۷۔ عمرو بن عبید بن معمر

ان ناموں کو اپنے ایک چاہنے والے کے ذریعے جن کا نام سلمان البورزین تھا ان افراد کی جانب روانہ فرمایا ان لوگوں میں سے دو افراد احف بن قیس اور یزید بن مسعود ہشلی نے خط کا جواب دیا۔ مگر منذر بن جارد نے ایسا شرم آور فعل انجام دیا جو اس تاریخ میں اس کیلئے ننگ و نفرت کا سبب بنا۔ اس ڈر سے کہ

کہیں یہ عبید اللہ بن زیاد کی جانب سے جو اس وقت یزید کا مقرر کردہ بصرہ کا حاکم میرے امتحان کیلئے نہ آیا ہو قاصداً کو عبید اللہ ابن زیاد کے حوالے کر دیا، کیونکہ عبید اللہ، منذر بن جارد کا بہنوئی بھی تھا عبید اللہ نے قاصداً امام حسینؑ کو قتل کر کے ان کے جنازے کو سراہ لٹکا دیا۔ یہ حادثہ یزید کے حکم سے عبید اللہ بن زیاد کی کوفہ روانگی سے ایک روز قبل رونما ہوا۔

احنف بن قیس کا جواب

احنف بن قیس بصرہ کے شیوخ میں سے تھے، جب امیر المومنینؑ جنگ جمل کی مہم پر بصرہ تشریف لائے تو انھیں (احنف کو) اپنی مدد کی دعوت دی، مگر اس نے حضرتؑ کو جواب لکھا اگر چاہیں تو دو سو سواروں کے ہمراہ آپ کے پاس آ جاؤں اور اگر اجازت دیں تو یہیں رہ کر (دشمن کے) چھ ہزار شیر زن کو آپ کے پاس آنے سے روکے رکھوں امام نے اجازت دی اور اس طرح انھیں جنگ جمل میں شریک نہ ہونے خود کو دور رکھا۔ (جس کی تفصیل زندگانی امیر المومنینؑ میں مذکور ہے۔) ۴۸

چنانچہ احنف نے امام حسینؑ کو جواب لکھا:

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُؤْفِقُونَ﴾ ”صبر کریں خدا کا وعدہ حق ہے

اور جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو خفت میں ڈال دیں۔“

بہر حال اس جواب سے ان کے عقیدے و ایمان میں کستی و بے ثباتی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ بھی احنف کی زندگی کے مختلف مراحل سے عیاں ہے کہ وہ ایک ایسا شخص تھا جو اپنے عقائد و نظریات میں غیر راسخ اور نہایت سست ہوا کرتا تھا، جبکہ معارف ابن قتیبہ سے نقل ہوا ہے، احنف بن قیس نے امام حسینؑ کے خط کا کوئی جواب نہ دیا، بلکہ یہ کہا کہ ہم خاندان ابوالحسنؑ کو آزما چکے ہیں یہ لوگ کشور داری اور جمع اموال اور جنگی سیاست کو نہیں جانتے۔ ۴۹

۴۹ قاموس الرجال، ج ۱، ص ۳۵۵، اسی کتاب میں احنف ابن قیس کی ایک اور داستان نقل کرتے ہیں جو اس کی بے ایمانی اور سست عقیدہ ہونے کی تائید کرتی ہے چنانچہ لکھا ہے احنف بن قیس، حارث بن قدامہ اور حباب بن یزید کے ہمراہ دربار معاویہ میں گیا وہاں اسکے اور معاویہ کے درمیان گفتگو کے بعد معاویہ نے حکم صادر کیا کہ احنف بن قیس کو پچاس ہزار درہم دیے جائیں اور اس کے ساتھیوں کو بھی خالی ہاتھ نہ جانے دیا جائے اس طرح جب درہم دینے کا موقع آیا تو معاویہ نے حباب بن یزید کو تیس ہزار درہم دیے جبکہ وہ بنی امیہ کا وفادار تھا اور وہ (احنف) خاندان علوی کا محبت مشہور تھا تو حباب اس بات سے ناخوش ہوا لہذا معاویہ کے پاس جا کر کہا:

یا امیر المومنین تعطی الاحنف وراثہ خمسین الف درہم، و تعطینی وراثۃ ثلاثین الف درہم؟ ”آپ نے

احنف کو اس بات (کہ خاندان علوی کا محبت ہے) کے باوجود پچاس ہزار درہم دیے جبکہ میں آپ کا حمایتی ہوں مگر مجھے تیس ہزار درہم نصیب ہوئے ہیں؟“

یزید بن مسعود ہشلی کا جواب

فقط یہ ایک شخص تھا جس نے امام کے خط کو پا کر از روئے اخلاص حضرت کی نصرت کا سوچا اور نامہ امام کو پڑھ کر اپنے دوستوں اور ہم بیان قبائل مثلاً بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کو جمع کیا، چنانچہ سب سے پہلے بنی تمیم کی جانب رخ کر کے کہا:

”میں نے آپ حضرات کو ایک اہم کام کیلئے جمع کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ مشورے کے بعد آپ سے مدد نصرت کی درخواست کروں۔“

انھوں نے جواب دیا: قسم بخدا ہم آپ کو مناسب مشورہ دیں گے کیونکہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔

یزید بن مسعود نے کہا:

اِنَّ مَعَاوِيَةَ مَاتَ فَاهُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ هَالِكًا وَمَقْهُوْدًا، اَقْلَاوَانَهُ قَدْ اَنْكَسَرِيَابُ الْجَوْرِ، وَتَضَعُضَتْ اَرْكَانُ الظُّلْمِ، وَقَدْ كَانَ اَحَدُثَ بَيْعَةٍ عَقْدُهَا مَرَاظُنْ اَنَّهُ قَدْ اَحْكَمَهُ، وَهِيَهَاتِ وَالَّذِي ارَادَ، اجْتَهَدُوْهُ اللّٰهُ فَفُشِلَ، وَسَارُوْهُ فُخِذَلُ، وَقَدْ قَامَ ابْنُهُ يَزِيْدُ شَارِبُ الْخُمُوْر، وَرَأْسُ الْفُجُوْر، وَيَدْعِي الْخِلَافَةَ عَلٰى الْمُسْلِمِيْنَ، وَيَسْتَمِرُّ عَلَيْهِمْ بِغَيْرِ رِضٰى مِنْهُمْ، مَعَ قَصْرِ حِلْمٍ وَقَلَّةِ عِلْمٍ، لَا يَعْرِفُ مِنَ الْحَقِّ مَوْطِئًا قَدِمَهُ، فَاقْسَمَ بِاللّٰهِ قَسْمًا مُّبْرُوْرًا، لَيَجَاهِدَهُ عَلٰى الدِّيْنِ، اَفْضَلُ مِنْ جِهَادِ الْمَشْرِكِيْنَ. وَهَذَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَابْنُ بَنَتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ ذُو الشَّرَفِ الْاَصِيْلِ، وَالرَّأْيِ النَّبِيْلِ، لَهُ فَضْلٌ لَا يُوصَفُ، وَعِلْمٌ لَا يُنْزَفُ، وَهُوَ اَوْلٰى بِهَيْزِ الْاَمْرِ، لِسَابِقَتِهِ وَسَنَةِ وَقَدِيْمِهِ وَقَرَابَتِهِ، يَعْطِفُ عَلٰى الصَّغِيْرِ، وَيَحْتَوِي عَلٰى الْكَبِيْرِ، فَآكِرٌ بِهِ رَاعِي رَعِيَّةٍ، وَامَامٌ قَوْمٍ، وَجِبَتْ لِّلّٰهِ بِهِ الْحُجَّةُ، وَبُلُغَتْ بِهِ الْمَوْعِظَةُ، فَلَا تَغْشَوْا عَيْنَ نُوْرِ الْحَقِّ، وَلَا تَسْلُكُوْا فِىْ وَهْلَةِ الْبَاطِلِ، فَقَدْ كَانَ صَخْرَتَيْنِ قِيَسَ، اَنْ تَخْذَلَ بِكُمُ يَوْمَ الْجَمَلِ، فَاعْسَلُوْهُمَا بِخَرِّ وَجْهِكُمْ اِلٰى ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا يَقْصُرُ اَحَدُ عَنْ نَصْرَتِهِ، اِلَّا اَوْرَثَهُ اللّٰهُ الذِّلَّ فِىْ وَلَدِهِ، وَالْقُلْفَتِىْ عَشِيْرَتِهِ، وَهَآ اَنَا ذَا قَدْ لَبِسْتُ لِلْحَرْبِ لَامْتِهًا وَادْرَعْتُ لَهَا بِدِرْعَهَا، مَنْ لَمْ يَقْتُلْ يَمِتْ، وَمَنْ يَهْرَبْ لَمْ يَمِتْ، فَاحْسِنُوْا حِمْلَكُمْ اللّٰهُ ذَا الْجَوَابِ

”جان لو کہ معاویہ مر گیا ہے اور قسم بخدا اس کے مرنے پر ہمیں کوئی غم و اندوہ نہیں ہے۔ اے لوگو! قسم کی درگاہ شکستہ ہو گئی ہے اور ظلم کے ستون متزلزل ہو گئے ہیں معاویہ نے بیعت کا مسئلہ رکھ

معاویہ نے جواب دیا: ”یا حباب انی اشتریت بھادینہ“ میں نے اس پیسے سے اس کا دین خرید لیا ہے۔

حباب نے کہا: میں بھی دین فروشی کیلئے تیار ہوں؟

معاویہ نے یہ دیکھ کر حکم دیا اسے بھی پچاس ہزار درہم دیے جائیں۔

بل توجہ بات یہ ہے کہ حباب اس واقعے کے ایک ہفتے بعد اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور یہ تمام دولت دوبارہ معاویہ کے اسے میں چلی جاتی ہے جسے دیکھ کر فرزدق شاعر نے اشعار کہے (ق موی الرجال، ج ۱، ص ۴۵۲)۔

کر گمان کیا ہے کہ اس کا کام استوار ہو چکا ہے مگر انتہائی بعید ہے کہ معاویہ اپنے ارمانوں تک رسائی حاصل کرے البتہ اس نے کوشش تو کی مگر وہ ناکافی تھی اور مددگاروں سے مشورہ کیا کہ جنھوں نے اسے خوار کر دیا۔ اس نے اپنے شراب خوار بیٹے کو جو تباہ کاری اور فسق و فجور کا مصدر ہے انتخاب کیا جو کہ اب مسلمانوں پر خلافت کا مدعی ہے اور خود مسلمانوں کی رضایت کے بغیر ان کا فرمانروا تصور کرتا ہے وہ کوتاہ فکری اور لاعلمی کا مالک ہے وہ ذرا بھی حق سے آشنائی نہیں رکھتا اللہ کی سچی اور محکم قسم کھاتا ہوں کہ دین کی راہ میں یزید کے خلاف جہاد مشرکین کے مقابل جہاد سے برتر اور افضل ہے۔

یہ حسین بن علی بن فاطمہؑ ہے جو اصیل انسان اور شرافت مند شخصیت ہے اور اس کی رائے صحیح و علمی ہے اور یہی شخصیت اپنے درخشاں ماضی اور رسول اللہؐ کی قرابتداری کی وجہ سے خلافت کا زیادہ حق دار ہے وہ کم عمر افراد پر مہربان و شفیق اور بزرگ حضرات کے بارے میں دلسوز و ہمدرد ہے، وہ اپنی رعیت اور قبائل کے سرداروں کا ایسا عظیم سرپرست ہے جس کے وسیلے سے خدا نے اپنی حجت کو لوگوں پر تمام کر دیا اور اپنے مدعا کو سب لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔

پس نور حق سے چشم پوشی نہ کریں اور باطل نشیبوں میں قدم نہ رکھیں یہ وہی صخر بن قیس (یعنی اخف بن قیس) ہے جس نے جنگ جمل کے موقع پر آپ حضرات کو خوب بدنام کر دیا تھا لہذا فرزند رسول کی جانب مدد و نصرت کیلئے روانہ ہوں تاکہ اُس بدنامی کے طوق سے رہا ہو سکیں، قسم بخدا جو بھی ان کی نصرت سے کوتاہی کرے گا خداوند متعال اس کی اولاد کو ذلیل و خوار اور اس کے خاندان میں قلت و کمی کو قرار دے گا۔ اب میں لباس جنگ زیب تن کر کے کارزار کی زرہ کو پہن رہا ہوں جان لو جو مار نہیں جائے گا وہ (بلاخر) مر جائے گا اور جو جنگ سے فرار کرے گا وہ موت سے نہیں بھاگ سکتا اب مجھے آپ حضرات کا جواب چاہیے۔“

اہل تاریخ نے لکھا ہے، اس خطاب کے بعد بنی حنظلہ بنی سعد اور بنی عامر نے اظہار اطاعت کیا اور ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ امام کی نصرت و یاری کے بارے میں گفتگو کی جس پر یزید بن مسعود نے ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر امام کے نام یہ خط تحریر کیا:

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَصَلَ اِلَيَّ كِتَابُكَ، وَفَهِمْتُ مَا تَدْبِتُنِي اِلَيْهِ، وَدَعَوْتُنِي لَهُ، مِنْ الْاَخِذِ بِحُظَى مِنْ طَاعَتِكَ، وَالْفَوْزِ بِنَصِيْبِي مِنْ نَصْرَتِكَ، وَانَّ اللّٰهَ يَخْلُ الْاَرْضَ قَطْعًا مِنْ عَامِلٍ عَلَيْهِا بِكَبِيرٍ، وَدَلِيلٍ عَلَى سَبِيلِ نَجَاةٍ، وَانْتُمْ حِجَّةُ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهِ، وَوَدِيعَتُهُ فِي اَرْضِهِ، تَفَرَّغْتُمْ مِنْ زَيِّنَةِ اَحْمَدِيَّةٍ، وَهَوَاسِهَا وَانْتُمْ فَرَعَا، فَاَقْدَمَ بِاَسْعَدِ طَائِفٍ، فَقَدْ ذَلَّلْتَ لَكَ اَعْنَاقَ بَنِي تَمِيمٍ، وَتَرَكْتَهُمْ اَشَلَّتْ تَابِعَا فَي طَاعَتِكَ، مِنْ الْاَبِلِ الْظَمَاءِ

لورود السماء، يوم خمسها، وكظها، وقد ذلت لك بنى سعد، وغسلت در تصدور هابماء صحابة
مزن، حين استهل بوقها

”حمد و ثنائے پروردگار کے بعد! آپ کا خط مجھے موصول ہوا اور اس دعوت اطاعت و نصرت کو جس میں میرے لئے خیر و فلاح ہے سمجھ گیا ہوں بے شک زمین خدا کبھی ایسے افراد سے خالی نہیں رہتی جو خیر و خوبی کے ساتھ اس (زمین) پر عمل کریں اور جو راہ نجات پر رہنما کی حیثیت رکھتے ہوں اور آپ لوگ ہی خدا کی مخلوق پر اس کی جنتیں ہیں، آپ اس پُر برکت احمدی درخت زیتون کی شاخ ہیں۔ پس بہت جلد فال نیک لے کر ہماری جانب تشریف لائیں، کیونکہ بنی تمیم کے مختلف گروہ آپ کی اطاعت و فرمان برداری پر آمادہ ہیں اور آپ کی پیروی کرنے میں اس اونٹ سے زیادہ مضطرب ہیں جو پیاسا اپنے مشرب پر آتا ہے۔ بنی سعد کے گروہ بھی آپ کی فرمانبرداری پر آمادہ ہیں انھوں نے اپنے سینوں کے میل کو خنزاں کے بعد برسنے والے بارش کے پانی سے دھولیا ہے۔“

بعض اہل تاریخ کا خیال ہے یہ خط امام کو روز عاشور جب حضرت تنہا رہ گئے اور تمام اعوان و اعزاء شہید ہو گئے موصول ہوا حضرت نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا اور ان جملات کے ساتھ یزید بن مسعود کے حق میں دعا فرمائی:

أَمْنَك اللهُ مِنَ الْخَوْفِ، وَأَزْوَأكَ يَوْمَ الْعَطَشِ الْكَبِيرِ ”خدا تجھے (قیامت کے میدان میں) خوف

سے نجات دے اور اس روز جب انتہائی پیاس ہوگی سیراب کرے گا۔“ ۵۰

اپنی کوششوں کے بعد بھی جب یزید بن مسعود سونے کر بلاروا نگي پر آمادہ ہوئے تاکہ وہ امام کی مدد کر سکیں تو انھوں نے امام کی خبر شہادت سنی، چنانچہ انتہائی بے تابی اور حسرت و اندوہ کی حالت میں ہاتھ ملتے رہ گئے اور اس طرح انھیں شہادت کی توفیق حاصل نہ ہو سکی۔ ۵۱

حاشیہ وحوالہ جات

۱۔ یا اُخِی اَنْتَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ وَاَعَزُّهُمْ عَلَیَّ، وَلَسْتُ اَذْخِرُ النَّصْحَةَ لِأَخِيْمِنَ الْخَلْقِ إِلَّا لَكَ، وَأَنْتَ أَحَقُّ بِهِمَا، تَنْحِ بَيْنَکَ عَنْ یَزِیدَ بْنِ مُعَاوِیَةَ وَعَنْ الْأَمْصَارِ مَا اسْتَطَعْتَ، ثُمَّ ابْعَثْ رُسُلَكَ إِلَى النَّاسِ فَادْعِهِمْ إِلَى نَفْسِکَ، فَإِنْ بَايَعُکَ النَّاسُ وَبَايَعُوا لَکَ حَمَدَتِ اللَّهُ عَلَیْ ذَٰلِکَ، وَإِنْ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَیْ غَیْرِکَ لَمْ یَنْقُصِ اللَّهُ بِذَٰلِکَ دَیْکَ وَلَا عَقْلُکَ، وَلَا تَذْهَبْ بِهِ مُرُوَّتُکَ وَلَا فَضْلُکَ، اِنِّیْ أَخَافُ عَلَیْکَ أَنْ تَدْخُلَ مِصْرًا مِنْ هَذِهِ الْأَمْصَارِ فِیَخْتَلِفَ النَّاسُ بَیْنَهُمْ، فَمِنْهُمْ طَائِفَةٌ مَعَکَ وَآخَرُیْ عَلَیْکَ، فَنَقْسِلُونَ فَتُکُونُ لِأَوَّلِ الْأَیْنَةِ غَرْصًا، فَادْخِرْ هَذِهِ الْأُمَّةَ کُلَّهَا نَفْسًا وَآبًا وَأَمَّا أَضْعَافُهَا دَمًا وَأَذْهَابُهَا أَهْلًا۔

انزل مکہ فان اطمأنت بک الدار بها فسیسل ذالک، وان نبت بک لحقت بالرمال وشعف الجبال، وخرجت من بلد الی بلد حتی تنظر الی ما یمصر الناس الیه فانک اصوب ما تكون رأیا حسن تستقبل الأمر استقبالا ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۳۲، ۳۳۔

۲۔ یا اُخِی 'جَزَاکَ اللَّهُ خَیْرًا' فَقَدْ نَصَحْتَ وَاشْرْتَ الصَّوَابَ وَانْعَازَمَ عَلَی الْخُرُوجِ إِلَى مَكَّةَ وَفَلْتَهِنَاتٍ لِّذَٰلِکَ اَنَا وَآخُوْتِی وَبَنُو آخِی وَشِیْعَتِی، وَآمَرَهُمْ أَمْرَی وَرَأَیَهُمْ رَأَیَیْ، وَأَمَانَتِی بِأَخِی فَلَا عَلَیْکَ أَنْ تَقِیمَ بِالْمَدِیْنَةِ فَتُکُونُ لِمِیْ عَیْنًا لَا تَخْفِی عَنِّی شَیْئًا مِنْ أُمُورِهِمْ۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۳۲، محمد بن ابی طالب کے قتل سے ماخوذ۔

۳۔ مقتل مقرر، ص ۱۳۵۔

۴۔ ای لا تمسره لفتح و فلاح فی الدنیا و فی الآخرة أو لأعم، و هذا ما تعلیل بان ابن الحنفیه انما لم یلحق لانه علم انه یقتل ان ذهب بأخباره (ع)، او بیان لحرمانه عن تلك السعادة، او لانه لا عذر له فی ذالک لانه (ع) أعلمه و امثاله بذالک۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۳۶۰۔

۵۔ کمال الزیارات، ص ۷۵۔

۶۔ بلاغۃ الحسین، ص ۱۷۱۔

۷۔ حاشیہ مقتل حسین مقرر ص ۱۳۵، بحار الانوار ج ۴، ص ۱۱۰۔

۸۔ زندگانی امیر المومنین، ج ۲، ص ۳۸۶۔

۹۔ نفس المحموم ص ۳۸، مقتل الحسین مقرر ص ۱۳۸۔

۱۰۔ ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۳۲، ۳۳۔

۱۱۔ تاریخ ابن عساکر ج ۱۳ ص ۲۸۔

۱۲۔ نقل از اجتنار الطوال، ص ۲۰۹۔

۱۳۔ حیا الامام الحسین ج ۲ ص ۳۰۹، ۳۰۸، کمال ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۔

- ۱۶ تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۷۰ تذکرۃ النواص ص ۲۲۸، ۲۵۰۔
- ۱۷ زندگانی امیر المومنین، ج ۱، تالیف ہذا پر رجوع کیا جائے۔
- ۱۸ قاموس الرجال ج ۵ ص ۲۳۹۔
- ۱۹ باب الحکم والمواعد ص ۳۵۳۔
- ۲۰ شرح ابن ابی الحدید (چار جلدوں والی) ج ۳ ص ۲۷۸، ۲۹۵، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱ مروج الذهب ج ۲ ص ۱۰۰۔
- ۲۱ شرح ابن ابی الحدید (مصر ایڈیشن چار جلدوں پر مشتمل) ج ۳ ص ۲۸۷، ۲۹۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱ مروج الذهب ج ۲ ص ۱۰۰۔
- ۲۲ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۹۵، قاموس الرجال ج ۵ ص ۲۵۱ نقل شدہ از الاخبار نوظلی۔
- ۲۳ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۹۔
- ۲۴ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۸۔
- ۲۵ معالم الحق غزالی ص ۳۱ نقل از حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۳۱۱۔
- ۲۶ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۰، ۲۸۵۔
- ۲۷ ابن حجر کی تہذیب المتحدیب کے مطابق زبیر بن بکار کا نسب کچھ اس طرح ہے۔ زبیر بن بکار بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن زبیر عوام۔
- ۲۸ شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۸۱۔
- ۲۹ حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۳۱۰ نقل از شرح ابن ابی الحدید (جدیدہ جلدوں کا ایڈیشن) ج ۷ ص ۳۳۔
- ۳۰ مروج الذهب، ج ۲، ص ۹۹۔
- ۳۱ شرح ابن ابی الحدید (چار جلدوں کا ایڈیشن) ج ۳ ص ۲۹۶۔
- ۳۲ شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، (چار جلدوں کا ایڈیشن) ص ۵۰۴، ۵۰۱۔
- ۳۳ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔
- ۳۴ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۳۸۔ یہ جان لینا بھی بہتر ہے کہ جب امام کی خبر شہادت مکہ پہنچی تو سید ابن جوزی کی تذکرۃ میں نقل ہوا ہے کہ عبد اللہ بن زبیر نے مکہ میں تقریر کی جس میں عراق و کوفہ کے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا: ”الان اهل العراق قوم غلوا فاجر، الاوان اهل الكوفة شرارهم، انهم دعوا الحسين ليوكفه عليهم ليقيم امورهم وينصرهم على عدوهم ويعلم عالم الاسلام فلما قدم عليهم ناروا عليه فقتلوه...“ اس کا ترجمہ اپنے مناسب مقام پر پیش کیا جائے گا۔
- ۳۶ یہ نظریہ انس ذکر کیا معروف سے ”دولۃ امویہ در شام“ نامی کتاب ص ۵۴ پر نقل ہوا ہے۔
- ۳۷ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹۔
- ۳۸ ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۳۶، ۳۳۔
- ۳۹ لبوف ص ۱۹۔

۴۹ حیاة الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۵، ۳۳۶۔

۵۰ فصول المهمة ابن صباغ ص ۱۷۰۔

۵۱ تذكرة ابن جوزی ص ۲۲۸۔

۵۲ حیاة الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۵، نقل از کتاب انساب الاشراف۔

۵۳ ابن اثیر اپنی کتاب کامل میں لکھتے ہیں: "وكان زیاد اول من شتموا امر السلطان واكل ولملك المعاوية

وجزوسيفه واخذ بالظنة، وعاقب على الشبهة وخافه الناس خوفاً شديداً..." (اکامل ج ۳ ص ۴۵۰)۔

۵۴ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۴۶۲، ۴۶۳۔

۵۵ کامل ابن اثیر ج ۴ ص ۲۱، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۶۳۔

۵۶ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳، حیاة الامام الحسین ج ۲ ص ۳۲۲۔

۵۷ زندگانی امیر المومنین ج ۱ ص ۴۲۸، ۴۶۰۔

۵۸ حیاة الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۷۔

۵۹ لبوف سید ابن طاووس ص ۳۲، ۳۸۔

سفیر امام حسینؑ مسلم بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی

اور وہاں رونما ہونے والے واقعات

امام کا اہل کوفہ کے خطوط کا جواب

گذشتہ بحث کے مطابق امام حسینؑ کے نام اہل کوفہ کے لاتعداد خطوط آئے جن میں نصرت امام کیلئے ان کی آمادگی کا اظہار تھا اور یہ تعداد روز بروز بڑھتے جا رہے تھے یہاں تک کہ ایک دن حضرت کو چھ سو خط موصول ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ تقریباً بارہ ہزار خط بائیس ہزار سے زائد دستخط کے ساتھ امام حسینؑ کے دست مبارک میں پہنچے۔ جس پر امام نے یہ فیصلہ کیا کہ اہل کوفہ کے خطوط کا جواب دیں اور وہاں کے حالات اور اس شہر کے لوگوں کا بغور تجزیہ ان کا حوصلہ اور ذہنیت کا مطالعہ کرنے کیلئے اپنا نمائندہ روانہ کیا جائے، چنانچہ آپؑ نے ایک خط اہل کوفہ کے نام تحریر فرمایا اور اسے مسلم بن عقیلؑ کو جو آپؑ کے چچا زاد بھائی تھے دیتے ہوئے انھیں اپنا سفیر و نمائندہ انتخاب فرمایا۔ البتہ اس خط کے مضمون کے بارے میں جو اہل کوفہ کو آپؑ نے مرقوم فرمایا اہل تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ بعض روایات میں مفصل نقل ہوا ہے اور بعض روایات میں یہ خط مختصر ملتا ہے، لہذا شیخ مفیدؒ اور تاریخ طبریؒ کا نقل شدہ خط قارئین کیلئے انتخاب کیا ہے۔ جس کا متن و ترجمہ کچھ اس طرح سے ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي الى الملاء من المؤمنين والمسلمين، ابناء عبد الله
هانيب وسعيد اقدما على بكتيكم وكان آخر من قدم علي من رسلكم، وقد فهمت كل الذي اقتضتكم
وذكرتكم، ومقلد جيلكم انه ليس عندنا ما فاقبل لعل الله ان يجمعنا بك على الحق والهدى، واني
باعتك اليك اخی وابن عمي وثقتي من اهل بيتي مسلم بن عقیل، فان كتب الي الله قد اجتمع را
ي ملاءكم وذوي السجی والفضل منكم علي مثل ما قدمت به رسلكم وقرأت في كتبكم فاني
اقدم اليكم وشيكا انشاء الله، فاعفوني ما م الا الحاكم بالكتاب، القائم بالقسط، الدائن بدين
الحق، الخائس نفسه على ذات الله والسلام۔

”یہ خط حسین بن علی کی جانب سے تمام مسلمانوں اور مومنوں کے نام ہے۔ ما بعد! بے شک حانی

وسعد نے آپؑ حضرات کا خط مجھ تک پہنچا دیا ہے یہ دونوں آپؑ کی جانب سے آنے والے آخری قاصد تھے میں نے آپؑ کی جانب سے لکھے گئے تمام نقص و واقعات کو سمجھ لیا ہے۔ آپؑ میں سے اکثر نے یہ لکھا ہے کہ ”ہمارے لئے کوئی امام و پیشوا نہیں پس ہماری جانب آجائیں شاید خدا آپؑ کے وسیلہ سے ہمیں حق و ہدایت کے گرد جمع کر دے“، لہذا میں (حسین بن علیؑ) بھی اب اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو جس پر مجھے اپنے خاندان میں اعتماد و وثوق ہے آپؑ کی جانب روانہ کر رہا ہوں چنانچہ اگر مسلم نے میرے لئے یہ تحریر کی کہ آپؑ کے درمیان موجود صاحبان عقل و خرد اور دانشوروں کا بھی وہی خیال ہے جو آپؑ کی جانب سے آنے والے نمائندہ کا تھا اور اس طرح آپؑ کے خطوط کا متن بھی ان سے موافق ہوا تو انشاء اللہ میں بہت جلد آپؑ سے ملاقات کروں گا۔ مجھے اپنی جان کی قسم امام و پیشوا اس کے سوا کوئی نہیں جو کتاب خدا کے مطابق حکم کرتا ہو اور عدل و قسط کو قائم کرتا ہو، دین حق تقویٰ و پرہیزگاری پر عمل پیرا ہو اور ذات الہی سے مربوط امور میں خود کو محفوظ رکھتا ہو۔ والسلام۔“

مسلم بن عقیل کی شخصیت

ایک روایت میں ابن عباسؓ سے نقل ہوا ہے علیؑ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! انک لیحب عقیلاً؟ یا رسول اللہؐ کیا آپؐ عقیل کو دوست رکھتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا:

ای واللہ انی لأحبه حنین، حُباً و حُبّاً حب ابی طالب له وان ولده لمقتول فی محبة ولدک فتلمع علیہ عیون المؤمنین، توصلی علیہ الملائکة المقربون، ثم بکی النبی (ع) حتی جرت دموعہ علی صدرہ، ثم قال: الی اللہ أشکوما ینقی عترتی من بعد

”ہاں قسم بخدا اسے دو جہت و سبب سے دوست رکھتا ہوں ایک خود اس کی وجہ سے دوسرے اس لیے کہ ابوطالب اسے دوست رکھتے ہیں۔ اس وقت رسول اللہؐ نے اولاد عقیلؑ خبر دیتے ہوئے فرمایا:

”سچ ہے کہ فرزند ان عقیلؑ تمہارے فرزند (حسینؑ) کی محبت میں مار دیئے جائیں گے پھر مومنین ان پر آنسو بہائیں گے اور خدا کے مقرب فرشتے ان پر درود و سلام بھیجیں گے۔“

اسکے بعد حضرت رسول خداؐ نے اتنا گریہ فرمایا کہ آپؐ چشم سینے پر جاری ہونے لگا اور اسی حال میں فرمایا:

”خدا کی بارگاہ میں اس بات پر گلہ و شکوہ لے کر جاؤں گا کہ میری عترت نے میرے بعد کیا دیکھا۔“

چنانچہ اہل تاریخ نے لکھا ہے (جس کی تفصیل اپنے مقام پر پیش کی جائے گی) فرزند ان عقیلؑ میں سے

نوافر ادا واقعہ کربلا میں شہید ہوئے جن میں پہلے شہید مسلم بن عقیل اور پھر دیگر آٹھ شہادتیں عبداللہ بن مسلم، محمد بن مسلم، عبداللہ اکبر جعفر بن عقیل، عبدالرحمن بن عقیل، محمد بن عقیل، محمد بن ابی سعید بن عقیل اور علی بن عقیل نے پیش کیں، چنانچہ عرب شاعر کہتا ہے:

واندبى ان نلبت آل الرسول

عين جودى بعبرة وعويل

قد اصيبوا وتسعة العقیل

سبعة كلهم لصلب على

”اے آنسوؤں بلند آواز میں اور خاندان رسول خدا یعنی علی کے سات اور عقیل کے نو فرزندوں پر خوب گریہ وزاری کرو۔“

حضرت مسلم بن عقیل کی فضیلت پر امام حسینؑ کے خط میں موجود تعبیریں مثلاً میرا بھائی جس پر مجھے اطمینان و وثوق ہی کافی ہیں اور پھر بعد میں رونما ہونے والے ہواث جن میں حضرت مسلم نے دشمنان اسلام اور یزید یوں کے مقابل ایمان و استقامت کا ثبوت دیا اور امام حسینؑ کے بلند نظریہ نے ان کی تائید بھی فرمائی۔ خود آپ کی فضیلت کے بیان کریں۔

مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی

عام طور پر اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے اس خط کو تحریر کرنے کے بعد حضرت مسلم بن عقیل کو طلب فرمایا اور انھیں قیس بن مسہر، عمارہ بن عبداللہ سلولی اور عبداللہ و عبدالرحمن پسران شدا بن ارجی کے ہمراہ کوفہ کی سمت بھیجا۔ اور ان کو امام نے تقویٰ و پرہیزگاری، اپنے کام کو پوشیدہ رکھنا اور لوگوں سے ہمدری کی نصیحت فرمائی اور فرمایا اگر یہ محسوس کیا جائے کہ لوگ جمع ہو کر ایثار و فدا کاری پر آمادہ ہیں تو مجھے فوراً اطلاع دیں۔

پس حضرت مسلم بن عقیل ماہ رمضان کی چندہ تاریخ کو مکہ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مدینہ رسولؐ پہنچے اور مسجد رسولؐ میں نماز ادا کی اور اپنے خاندان کے جن افراد سے رخصت ہونا تھا خدا حافظ کہا، پھر دو افراد کو راستے کی رہنمائی کیلئے اجیر بنایا اور ہمراہ لے گئے وہاں سے کوفہ کی راہ لی۔ وہ دواجران کو غیر معروف راستے لے گئے مگر بھٹک گئے اور پیاس کی شدت کا غلبہ ایسا ہوا کہ سفر سے عاجز آ گئے اور حضرت مسلم کو اشاروں سے مسلم نے وہ راہ لی اور دونوں راہنما پیاس سے مر گئے۔

بالآخر حضرت مسلم مضیق نامی ایک مقام پر پہنچے اور وہاں سے امام حسینؑ کے نام درج ذیل نامہ تحریر فرما کر قیس بن مسہر کے حوالے کیا تا کہ وہ اسے امام تک پہنچا سکیں:

”ابا بعد! میں مدینہ سے دور رہنا لے کر روانہ ہوا مگر وہ دونوں معروف راستے سے ہٹ کر چلے اور راستہ بھٹک گئے اور پیاس کی شدت بڑھ جانے سے انھوں نے اپنی جانیں سپرد الہی کر ڈالیں، پانی

تک جاں بہ لب حالت میں پہنچے یہ پانی درہ خبت میں ایک جگہ ہے جس کا نام مضیق ہے۔ مجھے اس سفر میں پیش آنے واقعات فال بد محسوس ہوتے ہیں پس مجھے مزید سفر کرنے سے معذور اور معاف فرمائیں اور میری جگہ کسی اور کو بھیج دیں۔ والسلام۔“

مؤرخوں کا بیان ہے امام نے خط پڑھ کر یہ جواب تحریر فرمایا: ”مجھے ڈر ہے کہ تم (کسی) خوف سے استغنیٰ دے رہے ہو مگر دیکھو گھبراؤ نہیں اور اپنے سفر کو جاری رکھو۔ والسلام۔“

حضرت مسلم نے جب امام حسین کا جواب وصول کیا تو فرمایا:

اما هذا ما لست اتخوفه على نفسي ”یہ وہ چیز ہے جس سے میں نہیں ڈرتا ہوں۔“
البتہ بعض اہل قلم نے اس خط کے بارے میں تردید کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل شواہد کو ذکر کیا ہے۔ اس روایت میں مضیق خبت کا ذکر ہوا ہے جو بقول یاقوت حموی صاحب معجم البلدان بے مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے، جبکہ اس روایت کے مطابق حضرت مسلم مدینہ سے سوئے عراق سفر کے درمیان تشنگی کے سبب دور ہنماؤں کی وفات کے بعد وہاں پہنچے اور امام کو نامہ تحریر فرمایا جو بہر حال یاقوت حموی کے اس قول کے خلاف ہے۔

۲۔ بالفرض ایسا کوئی مقام کوفہ و مدینہ کے درمیان ہوتا بھی ان دونوں روایات کا مشترک مفہوم نکالنا مشکل ہے کہ حضرت مسلم ماہ رمضان کی پندرہ تاریخ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور ماہ شوال المکرم کی پانچ تاریخ کو کوفہ میں تشریف فرما ہوئے جبکہ مکہ سے کوفہ کی مسافت ایک ہزار چھ سو کلومیٹر ہے، لہذا یہ واقعہ بہت بعید نظر آتا ہے، کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ پندرہ تاریخ کو روانہ ہوئے اور ایک دن یا کچھ زیادہ مدینہ میں ٹھہر کر اپنے خاندان کے افراد سے رخصت ہوئے پھر کوفہ کی جانب سفر کا آغاز کیا یہاں تک کی مضیق میں قیام کر کے اپنا قاصد امام کی خدمت میں روانہ کیا اور اس قاصد کا جا کر امام سے جواب لانا اور اسے پڑھ کر ان کا کوفہ پہنچنا دارحلیہ ان تمام امور کیلئے فقط بیس روز صرف ہوئے ہوں۔

۳۔ امام کے جواب سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت نے انھیں خائف اور بزدلی کی تہمت دی ہے، جبکہ امام نے اہل کوفہ کے نام تحریر کردہ اس خط میں حضرت مسلم کو اپنے خاندان میں قابل وثوق اور اپنے بھائی شمار کیا ہے، جو اس تحریر سے مناسبت اور موافقت نہیں رکھتی۔

۴۔ بلکہ یہ مطلب اساسی طور پر حضرت مسلم بن عقیل کے عمل، ان کے کارناموں اور اس شجاعانہ کردار سے ہم آہنگ نہیں جو انھوں نے ابن زیاد کے مقابل (کوفہ میں) پیش کیا، لہذا امام حسین نے بھی

اسی لئے ایسی شجاع شخصیت کو جو بقول بلاذری فرزند ان عقیل میں شجاع ترین تھے۔ ۸۔ اس امر کیلئے انتخاب فرمایا۔

کوفہ میں حضرت مسلم کا داخلہ

بہر حال حضرت مسلم بن عقیل عراق و حجاز کے بیابانوں کو سر کرتے ہوئے وارد کوفہ ہوئے آپ نے وہاں پہنچ کر کس کے گھر میں قیام فرمایا اس میں اختلاف ہے۔ مگر اکثریت اس بات کے قائل ہیں کہ آپ نے مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر قیام پزیر ہوئے، جبکہ بعض کا کہنا ہے حضرت مسلم بن عوجہ کے گھر قیام فرمایا، جبکہ بعض ہانی بن عروہ کے گھر قیام کے قائل ہیں۔ ۹۔

کوفہ والے حضرت مسلم کی آمد کی خبر سن کر جو درجہ ملاقات اور بیعت کرنے کیلئے آنے لگے اور حضرت مسلم ہر بار جب بھی کوئی گروہ آتا تو انھیں امام کا نام پڑھ کر سناتے اس پر وہ لوگ گریہ کرتے اور امام کی مدد کیلئے خود کو آمادہ ظاہر کرتے تھے۔ بعض اہل تاریخ کا کہنا ہے، اسی موقع پر حبیب ابن مظاہر اسدی ان آنے والے لوگوں سے امام کی رکاب میں جہاد کرنے کی بیعت لے رہے تھے۔ ۱۰۔

عابس بن شاکری کی گفتگو

مسلم بن عقیل کی محفل میں حاضر ہو کر خط امام سننے والوں میں سے عابس بن شعیب شاکری تھے جو ایک مخلص، شجاع اور محبت خاندان رسول اور شیعہ تھے روز عاشورا اپنی جانفشانوں کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے جس کی تفصیل اپنے مقام پر پیش کی جائے گی۔

بہر حال جناب عابس امام کا تحریر کردہ نامہ سن کر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنائے پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا:

اما بعد فانی لاخبرک عن الناس ، ولا اعلم مافی انفسهم ، وما اغرک منهم ، والله لاحذثک عما انا موطن نفسي عليه ، والله لا حینکم اذا دعوتهم ، ولا قاتلن معکم عدوکم ، ولا ضربن بسیفی دونکم حتی یقی الله لا یرید الذلک الا مع الله

”میں دوسروں کی بات نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے باطن سے آگاہ ہوں لہذا میں ان کی جانب سے کوئی ایسا وعدہ جو فریب دہندہ ہو نہیں دے سکتا، قسم بخدا جب آپ پکاریں گے میری جان حاضر ہوگی میں آپ کی مدد کرتے ہوئے دشمنوں سے جنگ کروں گا اور میں اپنی تلوار کو آپ کی راہ میں استعمال کروں گا یہاں تک کہ مجھے ملاقاتِ خدا نصیب ہو کیونکہ میں رضائے الہی کے سوا کوئی ہدف نہیں رکھتا۔“

جناب عابس کے اس سخن کے بعد حبیب بن مظاہر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

رحمک الله قد قضیت مافی نفسک بواجز من قولک ”خدا تم پر اپنے رحم و کرم کا نزول کرے

اس لیے کہ جو تمہارے دل میں تھا اسے مختصر الفاظ میں بیان کر دیا۔“

پھر بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

وانساو اللہ الذی لا الہ الا هو علی مثل ما هذا علیہ ”میں اس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میرا حال بھی انہی (یعنی عباس) کی طرح ہے۔“

ان دونوں بزرگوں کے بعد انہی کی مانند سعید بن عبد اللہ حنفی نے بھی سخن فرمایا اور ان تینوں حضرات کی صداقت تو روز عاشور معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے کیسی عشق و ایمان اور جانثاری کے ساتھ زندگی کے آخری لحاحات امام حسینؑ کی نصرت میں گزارے اور عمر کے آخری لمحوں میں شہادت کیلئے درس آموز جملات ارشاد فرمائے جو تاریخ نینوا کے ضرب المثل اور زینت بخش ثابت ہوئے جنھیں ہم ان کے مقام پر پیش کریں گے۔

اہل کوفہ کا بیعت اور حضرت مسلمؑ کا امام حسینؑ کو خط لکھنا

اختلاف تاریخ کی بنا پر اہل کوفہ کی بہت بڑی جماعت نے حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ بیعت کی کہ جن کی تعداد بعض اہل قلم نے چالیس ہزار لکھا ہے اور بعض نے تیس ہزار لکھی بعض نے اٹھائیس ہزار جبکہ بعض اہل تاریخ نے ان کی تعداد اٹھارہ ہزار لکھی ذکر کیا ہے ۱۲ چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل خط کے مطابق بھی یہی تعداد ہے اس طرح بارہ ہزار تعداد بھی لکھی گئی ہے ۱۳ یہاں تک کہ بعض تاریخوں میں حاکم کوفہ نعمان بن بشیر کا نام بھی بیعت کنندگان کے زمرہ میں نقل ہوا ہے وہ اہل کوفہ سے کہتا تھا:

یہا اهل الكوفة ابن بنت رسول الله (ص) احب اليكم میں ابن بنت بجدل ”اے اہل کوفہ رسول خدا کا

نواسہ تمہارے نزدیک بجدل کے نواسے سے زیادہ عزیز ہونا چاہیے۔ ۱۴

بہر حال جب حضرت مسلمؑ نے دیکھا لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو امام حسینؑ کے نام اس مضمون کا ایک نامہ تحریر فرمایا:

اسباعد فان الرائد لا يكدب اهلہ عوفد بایعنی من اهل الكوفة ثمانية عشر ألفاً، فعجل حين ياتيک

کتابی فان الناس کلهم معک، لیس لہم فی آل معاویہ رأی ولا ہوی ”حمد و ثنائے پر دو گار کے

بعد عرض ہے بے شک نمائندہ اور سفیر اپنے خاندان سے غلط بیانی نہیں کر سکتا، اشارہ ہزار اہل کوفہ

نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، لہذا میرا نام ملتے ہی فوراً یہاں پہنچائیے، کیونکہ یہ سب آپ

کے ساتھ ہیں اور خاندان معاویہ سے کوئی محبت نہیں رکھتا۔“ ۱۵

۱۵ یہ جملہ عرب میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی شخص اپنے خاندان شریک ہوتا ہے۔

حاکم کوفہ کا رد عمل

ان دنوں حاکم کوفہ نعمان بن بشیر تھا جس کو عبدالرحمن بن حکم کے بعد معاویہ کی جانب سے اس شہر کی حکومت پر منصوب کے یہ بھی موافق ہوا اگرچہ یہ عثمان کا خیر خواہ اور اموی خاندان کا طرفدار تھا، لیکن یزید کی خلافت کے یہ بھی موافق نہ تھا، لہذا یزید کی ہلاکت کے بعد عبداللہ بن زبیر سے جا ملا اور اسی کے یاروں میں شریک ایک جنگ میں مارا گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا اہل کوفہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں مگر پھر بھی وہاں گزرنے والے حالات کو خاص اہمیت نہیں دے رہا تھا شاید دہل میں بھی بے رغبت نہ تھا، لہذا لکھا ہے جب اسے حضرت مسلم کے خلاف سختی کا مشورہ دیا گیا اور اس پر تہمت لگائی کہ تم ضعیف و ناتواں ہو گئے ہو تو اس نے جواب دیا:

لئن اكون ضعيفا و انا في طاعة الله احب الي من ان اكون قويا في معصية الله هو ما كنت لا اهتمك مستورا ستره الله ”مجھے قوی اور توانا ہو کر راہ خدا میں نافرمان رہنے سے زیادہ عزیز یہ ہے کہ ناتواں اور ضعیف رہوں مگر خدا کی اطاعت میں رہوں اور میں ہرگز اس پردے کو چاک نہیں کر سکتا جسے خدا نے ڈالا ہے۔“

بعض اہل قلم کے نزدیک حاکم کوفہ کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مسلم کو پہنچ کر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے قیام گاہ پر متسکن ہوئے جو ان کی فعالیت کا مرکز رہا اور یہی ان کی دورانہدیشی اور تدبیر کا عکاس ہے یعنی بیت مختار کا انتخاب ہی نعمان بن بشیر کی سستی اور نرم دلی کا باعث بنا، کیونکہ مختار نعمان بن بشیر کے داماد تھے یعنی دختر نعمان جس کا نام عمرہ تھا جناب مختار کی زوجہ تھیں۔ بنا برائے وہ اپنے دادا کے عزیز مہمان مسلم بن عقیل کی نسبت سخت رویئے سے گریز کر رہا تھا۔

البتہ اس کے علاوہ نرم دلی کی ایک اور علت ذکر کی گئی ہے وہ یہ کہ نعمان بن بشیر انصار مدینہ اور خزرجیان میں سے تھا، لہذا وہ قوم اور قبیلہ کی تعصب کی وجہ سے معاویہ و یزید، بلکہ تمام بنی امیہ سے نفرت کرتا تھا جو ہر آئے دن انصار مدینہ کو اذیت و آزار پہنچاتے اور ان سے لائقیتی کا اظہار کرتے تھے۔

بہر حال علت کچھ بھی رہی ہو مگر اتنا ضرور ہے کہ نعمان بن بشیر نے وہاں گزرنے والے حالات پر اپنی شدت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ہاں اس سے فقط ایک عام سارو عمل نقل ہوا ہے جو شاید اسکے مقام و منصب کا تقاضا بھی رہا ہو، تا کہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ میں نے اپنی ذمہ داری پر عمل کیا تھا اور وہ مندرجہ ذیل تقریر ہے جو اہل کوفہ کے حضور نعمان بن بشیر نے کی:

”اس نے حمد و ثنائے الہی کے بعد کہا: ”اے بندگان خدا! خدا سے خوف کھاؤ اور فتنہ و فساد سے دوری اختیار کرو کیونکہ فتنے میں مرد مارے جاتے ہیں، خون ریزی ہوتی ہے اور زبردستی مال و دولت ضبط

کر لیا جاتا ہے بے شک جو مجھ سے جنگ نہیں کرے گا میں بھی اس سے نہیں لڑوں گا اور جو مجھ پر حملہ آور نہیں ہوگا مجھے بھی اس سے کام نہیں، تمہارے سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار نہیں کروں گا اور نہ ہی تم سے بے سبب جھگڑا تعرض کروں گا اور فقط بدگمانی، تہمت اور بہتان کے سبب تمہیں گرفتار کر کے قیدی نہیں بناؤں گا مگر یہ کہ تم لوگ کھلم کھلا میری دشمنی پر اتر آؤ اور بیعت شکنی کرتے ہوئے اپنی پیشوا کی مخالفت کرنے لگو، تو اس خدا کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں جب تک میرے ہاتھ میں تلوار باقی رہے گی مارتا رہوں گا چاہے کوئی بھی میرا حمایتی نہ ہو اور بے شک مجھے امید ہے کہ تم لوگوں میں حق کا شناسا باطل سے کہیں زیادہ محفوظ رہنے والا ہے۔“

اس پر عبداللہ بن حضری نے جو بنی امیہ کا حلیف اور طرفدار تھا کھڑے ہو کر کہا:

”اے امیر یہ جو ہو رہا ہے (یعنی حضرت مسلم کی آمد اور اپنے حریف پر دوز دھوپ کرنا) بغیر قسم و خونریزی کے اصلاح پذیر نہیں ہے لہذا جو آپ سوچ رہے ہیں اس میں ناچنگی پائی جاتی ہے۔“

نعمان نے اس سے کہا:

”اگر خدا کی پیروی کرتے ہوئے نا تو اس رہوں تو میرے نزدیک اس تو انانی سے بہتر ہے جو نافرمانی میں ہو اور یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔“

بنی امیہ کے طرفدار تنگ و دو میں پڑ گئے

اہل کوفہ کی اکثریت امیر المؤمنین علیؑ کے شیعہ اور خاندان اہل بیت کے طرفداروں میں تھے۔ اور اگر چنانچہ میں سے بعض ایسے بردل اور ڈرپوک تھے جو بے در آرمائی کے وقت دشمن سے ڈر کر میدان چھوڑ جاتے اور فرار کر جاتے تھے، مگر ان کے علاوہ اہل کوفہ کی کچھ تعداد بنی امیہ کے حامیوں اور خاندان رسولؐ اور ان کی حکومت کے مخالفوں پر مبنی تھا یہ وہ لوگ تھے اور یہ منافقانہ طرز زندگی یعنی کبھی شیعہ گری اور حمایت اہل بیت کا مظاہر کرتے مگر باطن میں بنی امیہ اور ان کے حامیوں سے رابطہ، رفت و آمد حتیٰ کبھی مخفیانہ اور کبھی آشکار ان کیلئے جاسوسی کیا کرتے تھے، جن میں سے ایک یہی عبداللہ بن مسلم حضری تھا جو مذکورہ بالا واقعہ کے بعد سخت تنگ و دو میں پڑ گیا کہ کسی طرح یزید بن معاویہ کو حالات سے آگاہ کرے، چنانچہ اس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا:

”آگاہ ہو جائیں مسلم بن عقیل کوفہ آگئے اور وہاں کے شیعوں نے حسینؑ کی خلافت بن علیؑ کیلئے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، پس اگر کوفہ کو بچانا چاہتے ہیں تو کسی ایسے سخت قسم کے آدمی کو روانہ کریں جو آپ کے فرمان کو نافذ کر سکے اور وہ ایسا شخص ہو جو خود تمہارے دشمن سے مقابلہ کرے کیونکہ نعمان بن بشیر کمزور آدمی ہے یا پھر جان بوجھ کر سستی کر رہا ہے، چنانچہ اگر ایسا نہ کیا تو کوفہ

تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔“

ایسے ہی افراد میں عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص تھے جنہوں نے اسی مضمون کی خطوط یزید کو لکھے اور شام بھیجے۔

یزید کا اضطراب اور سرجون سے مشورہ

کوفہ سے آنے والی خبر کو سن کر یزید سخت پریشان ہوا اور چارہ جوئی کی فکر میں پڑ گیا بلکہ خراساں سے سرجون رومی کا خیال آیا جو اس کے باپ معاویہ کا محرم راز تھا اور دربار بنی امیہ کا چالاک و عیار فرد شمار ہوتا تھا۔ بنا برائے اسے بلایا اور اس سے چارہ جوئی کی مشورہ دیا کہ فوراً حاکم بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو حاکم کوفہ بھی مقرر کرو اور اسے عراقیوں کی اصلاح و درستی کیلئے روانہ کر دو۔ بعض تاریخوں میں ملتا ہے، سرجون رومی نے معاویہ کا تحریر کردہ نامہ نکالا، جس میں اس نے یہ پیش بینی کی گئی تھی اور عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم و فرمانروا منصوب کرنے کا لکھا تھا۔ جبکہ عبید اللہ بن زیاد سے اپنی ولی عہدی کے موقع پر مخالفت کی وجہ سے یزید خوش نہیں تھا اور اسے حکومت بصرہ سے معزول کرنا چاہتا تھا مگر سرجون رومی کا مشورہ پسند آیا عبید اللہ کے نام حکومت کوفہ پر تقرری کا خط لکھ بھیجا اور دستوری خط میں لکھا: فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو جہاں کہیں ہوں اور جس طرح ہو گرفتار کرو اور لوگوں کو ان کی بیعت اور سازش سے روک دو۔

حاصل رقعہ جس نے دستور یزید عبید اللہ تک پہنچایا کوفہ کا رہنے والا بنی امیہ کا طرفدار اور یہی خواہوں میں سے مسلم بن عمرو بابلی تھا، چنانچہ جوں ہی یہ حکم عبید اللہ کو ملا تو خوشی کے مارے پھوٹے نہیں سہا رہا تھا، کیونکہ یہ تو بالکل اس کے توقعات کے خلاف تھا۔ وہ تو یہ سن رہا تھا کہ یزید اسے حکومت بصرہ سے بھی معزول کرنا چاہتا ہے نہ کہ سرزمین عراق کی پوری حکومت دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس (یعنی یزید) نے عبید اللہ کا ہاتھ ظلم و تجاوز اور بے رحمی کیلئے آزاد چھوڑ دیا تھا جو عبید اللہ کے ظالمانہ مزاج کیلئے حوصلہ افزا اور درندہ طبیعت کے عین موافق تھا۔ پس ابن زیاد نامہ پاتے ہی عازم عراق ہوا مگر اس سے قبل اہل بصرہ کیلئے ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں انھیں تازہ ترین حکم کی اطلاع دی اور اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو اپنا جانشین مقرر کیا اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ اس کی مخالفت کرنے پر سختی برتی جائے گی اور بالکل اپنے خونخوار باپ زیاد کا سا لہجہ استعمال کیا کیونکہ وہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے کیلئے اپنی گفتگو میں یہی لہجہ اختیار کرتا تھا جو اس کی باطنی شرارت اور ناہنجار ہونے پر دلیل تھی چنانچہ اہل بصرہ کو ڈرا دھمکا کر خود دوسرے روز کوفہ کی سمت روانہ ہوا۔

عبید اللہ بن زیاد کی بصرہ سے کوفہ روانگی

ابن زیاد پانچ سو ایسے افراد کو جن کے عزیز، رشتہ دار اور قوم و قبیلہ کے لوگ کوفہ میں آباد تھے اپنے ہمراہ لے کر بہت تیزی کوفہ کو چلا جن میں عبد اللہ بن حارث بن نوفل، مسلم بن عمرو بابلی اور شریک بن اعور سر

فہرست ہیں البتہ شریک بن اعمرو دستدارانِ خاندان رسالت اور حسین امیر المومنین میں سے تھا اور اس موضوع پر معاویہ سے بحث و گفتگو بھی کیا کرتا تھا، کچھ کا کہنا ہے عبید اللہ کے ہمراہ جانا اس خاطر قبول کیا کہ کسی طرح امام حسین کو بصرہ کے حالات سے آگاہ کرے۔ اس طرح امام اور آپ کے مقدس قیام کی اپنے تئیں خدمت کر سکے جبکہ عبید اللہ بن زیاد بھی ان کا احترام قوم و قبیلہ کے سردار اور بزرگ ہونے کی وجہ سے کرتا تھا۔

بہر حال عبید اللہ بن زیاد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ انتہائی سرعت کے ساتھ اپنے سفر کو طے کر رہا تھا اور اگر ساتھیوں میں کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کے لئے تاخیر نہ کی اور اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے سفر کو اسی کیفیت کے ساتھ جاری رکھتا۔ یہ بے تابانہ کوفہ پہنچنے کی جلدی فقط اس سبب سے تھی کہ اس سے قبل کہ امام حسین کوفہ پہنچ کر اس شہر کی فرمانروائی اپنے ہاتھ میں لے لیں وہ خود پہنچ جائے اور حضرت کو کوفہ آنے سے روک تھام کر سکے۔

لہذا بعض ہم سفر من جملہ شریک بن اعمرو جیسے لوگوں نے امام حسین سے محبت والفت کے سبب آہستہ آہستہ چلنے کے بہانے تلاش کیے اور خود کو بیمار ظاہر کرنے لگے، تاکہ کسی طرح یہ قافلہ اتنی تاخیر سے کوفہ پہنچے کہ امام حسین عبید اللہ سے پہلے کوفہ میں داخل ہو جائیں۔ بنا بریں لکھا گیا ہے، عبید اللہ بن حارث شریک بن اعمرو اور ان کا غلام مہران درمیان سفر ایسے بیمار ہوئے بظاہر سفر سے معذور لگ رہے تھے مگر عبید اللہ نے انہیں وہیں چھوڑ کر اپنے سفر کو جاری رکھا بالآخر کوفہ کے نزدیک پہنچا اور یہ ارادہ کیا کہ نجف کے راستے سے کوفہ میں داخل ہو۔

عبید اللہ بن زیاد کا کوفہ میں داخلہ

مورخین لکھتے ہیں، عبید اللہ نے کوفہ میں داخل ہونے کیلئے اپنا بھیس بدلا اور سرو چہرہ پر کپڑا ڈالا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے، اس کا ہدف یہ تھا کہ لوگ اسے امام حسین سمجھ کر شہر میں داخل ہونے سے نہ روکیں، یا پھر یہ سبب تھا کہ وہ اہل کوفہ اور ان کی تلواروں سے سخت خوف زدہ تھا جو اس کی بزدلی اور اخلاقی جرأت نہ ہونے کی دلیل ہے۔ بہر حال جس محلے سے بھی گزر رہوتا تو لوگ اس غلط فہمی میں کہ یہ ہمارے منتظر اور مہمان امام حسین ہیں حضرت کی نیت سے اسے سلام کرتے اور خوش آمدید کے جملات زبان پر جاری کر رہے تھے۔ مرحبا یا بن رسول اللہ، قلمت خیر مقدم ابن زیاد بھی کوئی جواب دیے بغیر سیدھا دارالامارہ کی جانب بڑھے چلا جا رہا تھا مگر جب لوگوں کا اژدہام انتہا کو پہنچ گیا تو مسلم بن عمرو باہلی جو اسکے ساتھیوں میں سے تھا پکار کر بولا۔ ہٹو، ہٹو یہ امیر کوفہ عبید اللہ ابن زیاد ہیں۔ یہ اسی حالت میں دارالامارہ تک پہنچا تو حاکم کوفہ نعمان بن بشیر نے اس گمان میں کہ حسین بن علی ہیں حکم دیا کہ قصر کے تمام دروازے بند کر دیئے

جائیں اور جوں ہی عبید اللہ کل کے نزدیک آیا تو بالائے قصر سے نعمان بن بشیر نے اسے امام حسینؑ سمجھ کر کہا:

انشدک اللہ الاتحیت، واللہ ماانا بمسلم الیک امانتی ومالی فی قتالک من أرب
”تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ یہاں سے دور چلے چلے جاؤ اس لیے کہ جو امانت میرے ہاتھوں
میں ہے وہ میں تمہیں نہیں دے سکتا اور نہ ہی تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت محسوس کرتا
ہوں۔“

عبید اللہ ابن زیاد جو ابھی تک معمر بنا ہوا تھا قصر کے نزدیک ہوا تو نعمان نے تفصیل سے اپنا سر جھکایا تو
عبید اللہ بولا: دروازہ کھولو خدا تیرے امور کو حل نہ کرے تیری رات بہت لمبی ہوگئی ہے (یعنی بہت آرام کر لیا
ہے) یہ جملہ سن کر نعمان کے پیچھے کھڑے ایک شخص نے اہل کوفہ سے جو عبید اللہ کو حسینؑ جان کر پیچھے چل
رہے تھے مخاطب ہوا: اے اہل کوفہ! وعدہ لا شریک کی قسم یہ ابن مر جانہ ہے۔ نعمان نے بھی دروازہ کھول دیا
اور عبید اللہ داخل ہوا مگر وہاں موجود لوگوں پر فوراً دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس پر لوگ منتشر ہو کر اپنے اپنے
گھروں کو چلے گئے۔

عبید اللہ ابن زیاد کا اہل کوفہ سے خطاب

ابن زیاد اس شب تا صبح نہیں سویا اور منصوبہ بندی اور آئندہ کیلئے تدبیر فکر و اندیشے میں مصروف رہا اور اسی
رات بنی امیہ کے طرفداروں کو مشورہ کیلئے جمع کیا۔ جب صبح ہوئی تو مسجد کوفہ میں اہل کوفہ کو جمع ہونے کا
حکم دیا اور ان سے خطاب سے پہلے یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا جس میں کوفہ پر اس کی حکومت کا حکم تحریر تھا
پھر (عادت کے مطابق) طمع دلا لے اور ہمکنی آمیز لہجہ استعمال کیا اور والسلام کہہ کر دارالامارہ چلا گیا۔ بعض اہل
قلم کے مطابق حکم دیا کہ کچھ کوفیوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ محل اس دستور کے بعد اہل کوفہ کے
بزرگوں اور رئیسوں کو بلا کر کہا:

”مجھے تمہارے درمیان موجود یزید کے طرفداروں، خوارج اور جو لوگ نفاق و انتشار پھیلانے میں
ماہر ہیں ان کے نام درکار ہیں۔ پس جو بھی انھیں میرے پاس حاضر کرے گا وہ امان میں ہے
اور جو نام نہیں دینا چاہتا وہ ان کی ضمانت لے کہ یہ لوگ جنھیں یہ جانتا ہے یا اسکی نگاہوں میں ہیں
ہماری مخالفت اور ہم سے بغاوت نہیں کریں گے اور اگر ایسا نہیں کیا تو اسکی ذمہ داری ہمارے
کاندھوں سے اٹھ جائے گی اور اس کا خون و مال ہمارے اوپر مباح و حلال ہوگا اور ہر رئیس و بزرگ
اپنے محلے میں موجود یزید کے مخالف کا اگر ہمیں پتہ نہ بتائے اور اسے ہمارے حوالے نہ کرے تو وہ
اپنے ہی گھر میں تختہ دار پر چڑھا دیا جائے گا اور بیت المال سے اس کے تمام حقوق منسوخ اور

سلب کر دیئے جائیں گے۔“

اسی طرح دوسرے روز بھی مسجد میں آ کر پہلے سے کہیں زیادہ دھونس اور دھمکی کے انداز میں یہ تقریر کی: ”بے شک حکومت بجز سخت گیری کے یعنی نرمی کے ساتھ نہیں چل سکتی اور میں تو ایسا انسان ہوں کہ بے گناہ کو گناہگار کی خاطر، حاضر کو غائب کے جرم میں اور ایک دوست کو دوسرے دوست سے ارتباط کی بنیاد پر گرفتار کر لوں گا۔“

یہ سن کر اسد بن عبد اللہ نامی ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

اے امیر! تیری یہ گفتگو کلام خدا کے خلاف ہے، خدا فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ ”کوئی شخص کسی دوسرے کا بار نہیں اٹھائے گا۔“

عبید اللہ اس معترض کا جواب دیئے بغیر منبر سے اتر آیا۔

ہانی ابن عروہ کے گھر حضرت مسلم کا پہنچنا

یہ خبریں جب حضرت مسلم تک پہنچیں اور انھوں نے اندازہ لگایا کہ یہ شکر انسان بہت جلدان کی گرفتاری اور ان سے جنگ پر اتر آئے گا، لہذا ارادہ کیا کہ اپنی رہائش گاہ کو تبدیل کر کے کسی ایسی جگہ قیام رکھیں جس کا مالک اپنی قوم و عشیرہ اور کوفہ میں خاص طاقت و نفوذ کا مالک ہو تاکہ اثر و رسوخ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے امور کو حکومت اور عبید اللہ جیسے غدار کے مقابل جاری رکھ سکیں، بنا بریں ہانی ابن عروہ کا گھر انتخاب فرمایا اور وہاں تشریف لے گئے۔

ہانی بن عروہ کے بارے میں مسعودی مروج الذهب میں رقم طراز ہیں:

”وہ مراد قبیلہ کے رئیس تھے اور جب بھی جنگ و نزاع کی صورت سامنے آتی تو چار ہزار زرہ پوش سوار مرد اور آٹھ ہزار پیادہ انکی رکاب میں مدد کیلئے جمع ہو جاتے اور مختلف قبیلوں مثلاً قبیلہ کندہ سے تیس ہزار آدمی تک مدد کیلئے آ جاتے تھے۔“

اس مقام پر بعض اہل تاریخ مثلاً ابوالفرج اصفہانی نے مقاتل الطالیین میں لکھا ہے:

ہانی بن عروہ راضی نہیں تھے اور کرارہت کے ساتھ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر قبول کیا اور اسی طرح نقل کیا ہے جب حضرت مسلم کو اطلاع ملی کہ عبید اللہ واروکوفہ ہو چکا ہے اور اس کی گفتگو کے بارے میں سنا تو فوراً اپنی قیام گاہ کو چھوڑ کر ہانی بن عروہ کے گھر آئے اور گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر کسی سے کہہ کر ہانی کو بلوایا جب ہانی ڈیوڑھی میں آئے تو حضرت مسلم نے کہا:

”میں آیا ہوں تاکہ تم مجھے پناہ دو اور میری مہمان نوازی کرو۔“

ہانی نے جواب دیا:

خدا تم پر اپنا رحم و کرم نازل کرے تم نے بہت مشکل کام میرے ذمہ لگایا ہے۔ اگر تم میرے گھر میں داخل نہ ہوئے ہوتے اور مجھ پر بھروسہ نہ کیا ہوتا تو مجھے یہ اچھا لگتا کہ تم یہاں کے بجائے کہیں اور چلے جاتے مگر اب پناہ دینے کا قانون مجھے مجبور کرتا ہے کہ تمہارا دفاع کروں، آجائیں اور اس گھر میں رہیں۔ ۱۸

لیکن دیگر تاریخوں مثلاً ارشاد شیخ مفید میں جو ہمارے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہے اس کا کوئی تذکرہ نہیں اور بعض ہمارے زمانے کے اہل قلم نے تو اس کی صحت کو بھی قبول نہیں کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اگر مسلم بن عقیل کو یہ احساس ہو جاتا کہ ہانی کو ان کے آنے سے کراہت ہے تو اپنے ذاتی تقویٰ اور خاندانی تربیت کی بنیاد پر کبھی یہ کام نہ کرتے۔ ۱۹

بہر صورت مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر تشریف فرما ہوئے اور بعض صاحبان قلم کے مطابق حضرت مسلم کی رہائش کو مخفی رکھنے کی غرض سے اپنے اندرون خانہ (حسرا) میں ایک حجرہ مختص کروادیا۔

شریک بن اعمور کی بیماری اور مسلم بن عقیل کی مرداگی کی ایک داستان گذشتہ بحث میں ہم نے پڑھا کہ عبید اللہ بن زیاد کے ہم سفر حضرات جو بصرہ سے سوئے کوفہ اس کے ساتھ آئے ان میں ایک شریک بن اعمور تھے جو کہ اہل بیتؑ اور خاندان علیؑ کے دوستداروں میں سے تھے اور کوفہ پہنچ کر ہانی بن عروہ کے گھر مقیم رہے۔

ابوالفرج مقاتل الطالین میں اور ابی مخنف اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

”ان ایام میں شریک بن اعمور جو اہل بیت کے متعصب شیعوں میں سے تھے مگر ابن زیاد کے نزدیک بھی عزیز اور محترم تھے (اور جیسا کہ بیان ہوا) یہ کوفہ میں ہانی بن عروہ کے گھر مقیم تھے بیمار ہو گئے تو ایک روز ابن زیاد نے کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں آج رات آپ کی عبادت کیلئے آنا چاہتا ہوں، شریک نے پیغام پا کر حضرت مسلم بن عقیل سے کہا کہ یہ تباہکار اور ظالم شخص آج رات میری عبادت کیلئے آئے گا وہ جب میرے سامنے بیٹھ جائے تو آپ اس پر حملہ کر کے اسے مار ڈالیں۔ اس طرح اسکے قتل کے بعد سکھ کا سانس لیجے گا اور مسند امارت پر بیٹھ جائیں اور پھر کوئی رکاوٹ کوفہ کی امارت میں باقی نہیں رہتی اور اگر میں اس بیماری سے نجات پا گیا تو بصرہ جا کر اسے بھی آپ کے آگے تسلیم کر دوں گا۔ اس طرح (بقول ان تاریخوں کے) حضرت مسلم بن عقیل کو اس کام پر آمادہ کیا۔

لہذا جیسے ہی شب ہوئی ابن زیاد پہلے سے مقررہ قوانین کے مطابق اپنے محل سے نکلا۔ شریک بن اعمور کو اطلاع ہوئی کہ وہ نکل چکا ہے تو انھوں نے حضرت مسلم سے کہا کہ فلاں جگہ چھپ جائیں

اور جب وہ یہاں بیٹھ جائے تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا کام تمام کر دیں مگر اس منصوبے کی خبر ہانی کو ہو گئی جو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ ابن زیاد ان کے گھر مارا جائے۔ پس حضرت مسلم کے نزدیک جہاں وہ چھپے ہوئے تھے تھے آئے اور کہا: میں نہیں چاہتا کہ یہ مرد میرے گھر مارا جائے۔

اُدھر ابن زیاد آپہنچا اور شریک کے پاس بیٹھ کر احوال پرسی کرنے لگا اور بیماری کی علت او شدت دریافت کرنے لگا اور شریک منتظر تھے کہ مسلم آ کر حملہ کریں مگر جب حضرت مسلم نہ آئے تو ڈر گئے کہ کہیں ابن زیاد سمجھ نہ جائیں اور اس طرح کوئی نئی مشکل کھڑی ہو جائے تو حضرت مسلم کو جلد آنے کیلئے یہ شعر بطور تشبیہ پڑھا:

ما لا انتظار بسلامی اُن تحيوها حيوسلمی وحيوامن يحييها

کأس المنية بالتعجيل فاسقوها

”کس بات کے منتظر ہو کیوں سلمیٰ کو نہیں پڑھتے یا کیوں نہیں گاتے؟ سلمیٰ کو پڑھیں اور اسکے پڑھنے والے قبیلے کو بھی بلائیں اور جام مرگ گلے میں اتاریں۔“

پھر کہا: خدا تمہارے والد پر رحمتیں نازل کرے یہ شربت مجھے ضرور پلانا اگرچہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

اور اسی کلمہ کو دو تین بار تکرار کیا۔ عبید اللہ بن زیاد شریک بن اعمور کے مقصود کو نہیں سمجھ رہا تھا اس لیے پوچھا: تمہاری باتوں کا کیا مقصد ہے؟ کیا ہڈیاں کھد رہے ہو!

ہانی نے آگے بڑھ کر جواب دیا:

ہاں ایسا ہی ہے خدا اس کو شفاء عطا کرے آج مغرب سے اس وقت تک اسی طرح ہڈیاں گوئی کر رہے ہیں۔

عبید اللہ بن زیاد جب اپنی جگہ سے اٹھ کر بیت ہانی سے نکلا تو حضرت مسلم بن عقیل کمین گاہ سے باہر آئے اس پر شریک نے کہا: کیوں نہیں مارا؟ حضرت مسلم نے جواب دیا:

”دو چیزوں نے میرا راستہ روک لیا۔ ایک تو ہانی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے گھر میں یہ خون بہایا جائے دوسرے وہ حدیث جسے لوگوں نے حضرت رسول مقبولؐ سے سنا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

اِنَّ الْاِيْمَانَ قَيْْدُ الْفَنَكِ لَا يَفْتِكُ مُؤْمِنٌ اِيْمَانُ پابندی کا نام ہے اور مومن کسی کو غافل گیر نہیں کرتا۔

شریک نے کہا: قسم بخدا اگر آج اسے مار دیتے تو گویا ایک بڑے بدکار کا فرشتہ مگر اور بیان شکن کو مارا ہوتا۔ ایک اور سند کے مطابق حضرت مسلم نے جواب دیا:

”جب میں مارنے کی غرض سے نکلنا چاہتا تھا تو اندرون خانہ کی خواتین میں سے ایک خاتون میرے آڑے آئی اور کہا: تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں کہ ابن زیاد کو ہمارے گھر میں قتل مت کر!“

ہانی بن عروہ نے (حضرت مسلم سے) یہ بات سن کر انتہائی افسوس سے کہا:

يَا بُولَهَ أَفْضَلَنِي وَقُتِلْتَ نَفْسَهَا وَاللَّهِ فَرَّتْ مِنْهُ وَقَعَتْ فِيهِ ”وائے ہواس خاتون پر جس نے مجھے

اور اپنے آپ کو خطرہ مرگ سے دور چار کیا کیونکہ وہ جس سے ڈر رہی تھی وہی ہو۔ ۲۱

بہر حال لکھتے ہیں، شریک بن عوراس واقعے کے تین روز بعد فوت ہو گئے اور ان کے انتقال کے بعد ابن زیاد کو پورے ماجرا کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا:

”اگر میرے والد (زیاد) کی قبر ان میں نہ ہوتی تو میں قبر شریک کو ضرور (بشم کرتا) کھود ڈالتا۔“

اس داستان کی صحت و سقم اور بنا بر صحت حضرت مسلم بن عقیل کے اس کام میں شراکت پر اہل قلم نے کچھ قابل ملاحظہ وجوہات بیان کی ہیں، لہذا تفصیل طلب قارئین حیاۃ الامام الحسین مؤلف باقر شریف پر رجوع کریں۔

جبکہ بعض تاریخی کتب مثلاً ارشاد شیخ مفیدؒ میں اس داستان کا ذکر تک نہیں آیا ہے، لہذا احتمال دیا جاتا ہے کہ ہمارے بزرگ عالم دین شیخ مفید کے نزدیک یہ روایت غیر معتبر تھی اسی لیے انھوں نے اسے نقل نہیں فرمایا۔ بہر حال مذکورہ روایت ہمارے نزدیک بھی قابل ملاحظہ اور قابل تردید ہے، چنانچہ اس مقام سے بغیر کسی اظہار نظر کے گذر جاتے ہیں۔

ابن زیاد حضرت مسلم کی خفیہ ٹھکانے کی تلاش میں

کوفہ کے حالات پر پوری طرح قابو پانے کے بعد اور جب کسی حد تک اس کا ذہن (اہل کوفہ سے) مطمئن ہو گیا تو اب اس (ابن زیاد) کی توجہ حضرت مسلم کی گرفتاری اور ان کی خفیہ ٹھکانے کو تلاش کرنے پر مرکوز ہوئی۔ بنا بر اس اس نے اپنے مخصوص غلام معقل کو جو اس کا قابل اعتماد آدمی اور انتہائی چالاک اور تجربہ کار انسان تھا۔ بلا کر اسے تین ہزار درہم حضرت مسلم کی جستجو اور اس کام میں محنت کی غرض سے دے کر روانہ کیا۔ شیخ مفید اس پوری داستان کو اس طرح نقل کرتے ہیں:

”ابن زیاد نے اپنے غلام جس کا نام معقل تھا بلا کر کہا:

”یہ تین ہزار درہم لے اور مسلم بن عقیل کی جستجو میں روانہ ہو جا اور اسکے ساتھ اسکے مددگاروں کی شناخت بھی ضروری ہے۔ لہذا جوں ہی ان میں سے کسی ایک تک دست رسی ہو جائے تو اسے یہ تین ہزار درہم دے کر کہنا کہ اس رقم کے ذریعے اپنے دشمن سے جنگ کی تیاری کرو (کنایہ کا استعمال) اور اس سے اس طرح ملنا کہ گویا تو انہی میں سے لگے، کیونکہ رقم دینے سے انھیں تجھ پر اطمینان ہو

جائے گا، پھر وہ کوئی بات تم سے نہیں چھپائیں گے اور اسکے بعد ان لوگوں میں رفت و آمد کو زیادہ کرو، تاکہ جان سکو کہ مسلم بن عقیل کہاں پوشیدہ ہیں اور ان کے پاس جا کر بھی دیکھو۔“

معقل نے درہم لیے مسجد کوفہ میں آ کر مسلم بن عوجبہ کے نزدیک جہاں وہ نماز میں مشغول تھے بیٹھ گیا کچھ دیر بعد اس نے چند آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ یہ (مسلم بن عوجبہ) حسین بن علی کی لوگوں سے بیعت لیے رہے ہیں تو یہ اٹھ کر ان کے پہلو میں بیٹھ گیا جیسے ہی مسلم بن عوجبہ نماز سے فارغ ہوئے تو نزدیک ہو کر ان سے بولا:

”اے بندہ خدا میں اہل شام میں سے ہوں اور خداوند متعال نے مجھے اہل بیت کی محبت اور ان کی دوستوں سے دوستی سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر چھوٹے آنسو بہانے لگا۔ اور کہا میرے پاس تین ہزار درہم ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس خاندان کے کسی فرد سے ملاقات کروں اور مجھے کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک یہاں آیا ہوا ہے اور رسول اللہ کے نواسے کیلئے لوگوں سے بیعت وصول کر لے رہا ہے میں بھی چاہتا ہوں اس کا دیدار کروں، لیکن کسی نے مجھے اسکی جانب رہنمائی نہیں کی اور نہ اس کا صحیح پتہ بتایا ہے۔ ابھی یہاں کچھ لوگوں سے سنا ہے کہ آپ اس خاندان کے حال و احوال سے زیادہ آگاہ ہیں لہذا میں آپ کے (ایمانی) بھائیوں میں سے ہوں اور آپ کو مجھ پر اطمینان و وثوق ہونا چاہیے اور اگر مزید اطمینان چاہیں تو جانے سے قبل مجھ سے انکی بیعت لے لیں۔“

مسلم بن عوجبہ نے کہا:

”خدا کا شکر ہے کہ تجھ سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا اور تجھ سے مل کر مجھے خوشی ہو رہی ہے تاکہ تو اپنی مرادوں تک پہنچ سکے، خدا تیرے وسیلے سے خاندان رسالت کی مدد و نصرت کرے البتہ مجھے اس سے قبل کہ میں اپنے ہدف میں کامیاب ہو جاؤں پسند نہیں کہ لوگ خاندان رسالت سے رابطہ کے عنوان سے میری شناخت کریں، کیونکہ میرے دل میں یہ خوف اس ظالم و سرکش انسان کی وجہ سے ہے۔“

معقل نے کہا: آپ زیادہ نہ سوچیں، کوئی ایسی بات نہیں، خیر ہوگی، آپ مجھ سے بیعت لیں۔

مسلم بن عوجبہ نے بیعت لی کہ خیر اندیشی کرے گا اور معاملہ کو پوشیدہ رکھے گا دھوکہ خوری سے بچنے کیلئے مضبوط عہد و پیمان باندھے۔ معقل سے جو عہد لیا گیا وہ اس نے قبول کیا، یہاں تک کہ مسلم بن عوجبہ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ غیر مناسب آدمی نہیں ہے۔

پھر اس سے کہا، چند روز میرے گھر میں رہنا ہوگا تاکہ تمہارے لئے اذن دخول لے سکوں۔ لہذا

معتقل بھی دوسرے لوگوں کی طرح جو مسلم بن عوجہ کے گھر قیام پذیر تھے، تاکہ وہ مسلم بن عقیل سے ملاقات کروائیں، وہاں رہا یہاں تک کہ مسلم بن عقیل سے ملاقات کا وقت مل گیا وہ جب مسلم بن عقیل تک پہنچا تو انھوں نے اس سے (امام حسین کی) بیعت لی اور ابو ثمامہ صاندی کو سے کہا کہ اس سے وہ رقم لے لیں، کیونکہ ابو ثمامہ (حضرت مسلم کی جانب سے) مامور تھے کہ لوگ اگر مدد و نصرت کے عنوان سے کوئی رقم دیں تو وہ وصول کریں اور اسلحہ خریدیں، کیونکہ ابو ثمامہ فہیم، شجاع اور شیعہ عمائدین میں سے تھے۔ معتقل نے اسکے بعد حضرت مسلم بن عقیل کی قیام گاہ پر رفت و آمد شروع کی یہاں تک کہ پہلے آنے والا اور آخری جانے والا معتقل ہوتا تھا۔ اس طرح جن معلومات کی ابن زیاد کو ضرورت تھی، ان سب سے باخبر ہو گیا اور وقتاً فوقتاً ابن زیاد کو اطلاع نامہ روانہ کرتا رہتا تھا۔ ۲۲

ابن زیاد کا ہانی بن عروہ کو گرفتار کرنا

جب ابن زیاد کو حضرت مسلم کی پناہ گاہ معلوم ہو گئی کہ وہ ہانی بن عروہ کے گھر میں رہائش پذیر ہیں اور انہی کے گھر کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا ہوا ہے تو اس نے ہانی بن عروہ کو گرفتار کرنا ضروری سمجھا، تاکہ اسکے ذریعے حضرت مسلم اور دیگر مجاہدوں کی گرفتاری عمل میں آ سکے۔ مگر جس چیز نے اسے سوچنے پر مجبور کیا اور اس اقدام کیلئے انتہائی خوف و پریشانی کا شکار ہوا وہ ہانی بن عروہ کی قوی شخصیت اور انکے قبیلے کا اثر تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہانی بن عروہ مراد، مذبح اور دیگر ہم پیمان قبائل کے مشترک سردار تھے، لہذا ان کی گرفتاری ان مذکورہ قبائل کی جانب سے شور و غل، احتجاج اور علاقے میں بد امنی کا سبب بنتی، چنانچہ اس خطرے سے بچنے کیلئے فکر و تدبیر ضروری تھی۔

پس ابن زیاد نے تاریخ کے دوسرے شتمکروں کی طرح اس کام کو انجام دینے کیلئے ایک طرف تو شاہ خرچی و بخشش اور بیت المال سے بے حساب فضول خرچیاں کرنا شروع کیں اور دوسری طرف دھوکہ، فریب اور جھوٹ بکھا اگر ایک جملے میں کہا جائے تو زور، زور اور تزویر کا استعمال جاری رکھا۔

ایک اہل قلم کے بقول اس طرح وہ لوگ جو بنی امیہ سے سخت نفرت کرتے تھے اور جن افراد نے امام حسینؑ کو خط لکھے، ہم آپ کے مخلص اور جنگ کرنے کیلئے آپ کے ساتھ آمادہ ہیں اور جب حضرت مسلم تشریف لائے تو عشق و محبت کے آنسو بہا رہے تھے ان کو ابن زیاد نے درہم و دینار سے خرید لیا چنانچہ جس طرح مصعب بن زبیر نے خرید اور انھوں نے مختار کو تنہا چھوڑ دیا اور پھر مروانیوں کے دور میں عبدالملک نے انھیں خرید اور انھوں نے مصعب کو تنہا چھوڑ دیا۔

عبداللہ ابن زیاد نے ان کاموں کے بعد جب اسے اطمینان ہو گیا کہ اب یہ لوگ میرے کسی اقدام کے

خلاف نہیں بول سکتے تو سوچا کہ کس طرح ہانی بن عروہ ہی کے نزدیکی قوم و ملت کے چند افراد کی مدد سے ہانی اور دیگر سرداروں کو گرفتار کر لیا جائے، چنانچہ اس کی مفصل داستان شیخ مفید اس طرح نقل فرماتے ہیں:

”ہانی بن عروہ نے جو حضرت مسلم کے میزبان تھے اپنی جان کو خطرے میں پا کر عبید اللہ کی درباری نشست میں جانے سے خودداری کی اور خود کو مریض ظاہر کیا۔ ابن زیاد نے ایک روز وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کیا بات ہے ہانی نظر نہیں آرہے؟ بتایا گیا کہ وہ مریض ہیں تو ابن زیاد نے کہا:

اگر مجھے معلوم ہوتا تو ان کی عیادت کو ضرور جاتا۔ پھر محمد بن اشعث، اسماء بن خارجہ عمرو بن جراح کے علاوہ زبید کو جو ہانی بن عروہ کے خسر تھے (یعنی یحییٰ بن ہانی کی مادر و پد کے والد) کو بلا کر کہا:

ہانی بن عروہ ہماری ملاقات کو کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا: ہمیں نہیں معلوم لیکن سنا ہے کہ وہ مریض ہیں۔

ابن زیاد نے کہا:

میں نے تو سنا ہے انھیں افاقہ ہو چکا ہے اور ہر روز اپنے گھر کے آگے بیٹھتے ہیں پس اگر ان سے ملاقات ہو تو انھیں میرا پیغام سنائیں کہ ہمارا حق ترک نہ کریں، کیونکہ مجھے پسند نہیں کہ ان جیسا انسان بھی جو بزرگان عرب میں سے ہوتے ہوئے اپنا حق ماروے۔

اس ماجرا کے بعد یہ چند لوگ ہانی بن عروہ کے پاس آئے وہ غروب آفتاب سے قبل اپنے گھر کے باہر بیٹھے تھے انھوں نے نل کر کہا:

تم کیوں امیر سے ملنے نہیں آتے؟ اس نے تمہارا نام لے کر کہا ہے کہ اگر مجھے بیماری کا علم ہوتا تو ضرور عیادت کیلئے جاتا۔

ہانی بن عروہ نے کہا: یہی بیماری مانع تھا۔

انھوں نے کہا:

اس نے سنا ہے کہ تم بہتر ہو گئے ہو اور ہر روز شام کے وقت درخانہ پر بیٹھتے ہو اور وہ یہ سوچ رہا ہے کہ تم اس کے پاس جانے میں سستی برت رہے ہو، جبکہ سلاطین اور حکام سستی اور بے توجہی کو تحمل نہیں کر پاتے لہذا ہم تمہیں قسم دیتے ہیں کہ اس وقت ہمارے ساتھ سوار ہو کر اس کی ملاقات کو چلو۔

ہانی نے اپنی قبائلی منگوائی اور مرکب پر سوار ہو کر ان کے ساتھ ابن زیاد کے محل کی جانب روانہ ہوئے۔

جوں ہی محل کے نزدیک پہنچے تو انھیں احساس ہوا کہ میرا آنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا تو صحیح و سالم واپس آنا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ حسان بن اسماء بن خارجہ سے کہا:

میرے بھتیجے میں اس شخص سے خطرے کو احساس کر رہا ہوں تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟
اس نے کہا:

چچا جان مجھے آپ کی نسبت کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا آپ بھی کوئی خیال ذہن میں نہ لائیں۔
کیونکہ حسان کو معلوم ہی نہیں تھا کہ ابن زیاد نے کس ہدف کے تحت ہانی بن عروہ کو بلا لیا ہے۔ پس ہانی
عبید اللہ بن زیاد کے سامنے آئے تو دیکھا کہ ابن زیاد کے ساتھ بہت سے لوگ بیٹھے ہیں، چنانچہ جیسے ہی
ہانی وارد محل ہوئے تو ابن زیاد نے کہا:

اتنک بحائن رجلاه یہ عربوں کے درمیان ایک ضرب المثل تھی جو اس بات سے کنایہ تھی کہ خود
اپنے پیروں سے چل کر موت کی جانب آنا (آرے بیل مجھے مار) اور سب سے پہلے اس جملے کا کہنے
والا حارث بن جبلة یا عبید بن ابرص تھا۔ بہر حال مزید تشریح کیلئے مجمع الامثال سے رجوع کیا جا
سکتا ہے۔ ۲۳

ہانی جوں ہی ابن زیاد کے نزدیک ہوئے اسکے ساتھ قاضی شریح بھی بیٹھا ہوا تھا تو ابن زیاد نے ہانی کی
جانب دیکھ کر کہا:

أريد حيا له ويؤيد قتيلى
عذؤك من خليلك من مؤاد

”میں اس کی زندگی چاہتا ہوں مگر وہ میری موت لہذا اپنے عذر کو اپنے مراد دوست کیلئے پیش کرو۔“ ۲۴
ابن زیاد جب کوفہ آیا تھا تو ان کا بہت احترام کرتا اور بہت مہربان نظر آتا تھا اسی سبب ہانی نے کہا:
اے امیر کیا بات ہے؟ کہا:

ہانی یہ کام کیا ہیں جو تم کر رہے ہو، تم نے اپنے گھر میں یزید اور تمام مسلمانوں کی بربادی کا سامان
جمع کیا ہے، مسلم بن عقیل کو لا کر اپنے گھر پناہ دی اور جنگی ساز و سامان اپنے اور اطراف کے گھروں
میں جمع کر رہے ہو، تم سمجھتے ہو مجھے کچھ نہیں معلوم؟

ہانی نے کہا: جو تم کہہ رہے ہو ایسا ہر گز نہیں ہے اور نہ ہی مسلم بن عقیل میرے گھر ہیں۔
ابن زیاد نے کہا: ہاں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔

چنانچہ جب ان دونوں کے درمیان تکرار بڑھی اور ہانی اپنی بات پر قائم رہے تو ابن زیاد نے اپنے اسی
جاسوس غلام معقل کو بلایا جوں ہی معقل سامنے آیا تو ابن زیاد نے ہانی کی سمت رخ کر کے کہا:
اس شخص کو جانتے ہو؟ ہانی نے کہا: ہاں۔ اور جان گئے کہ وہ ابن زیاد کا جاسوس تھا اور اس نے ہماری خبریں
اس تک پہنچا دی ہیں اور کچھ دیر سر جھکائے خاموش کھڑے رہے اسکے بعد خود کو سنبھال کر کہا:
میری بات سنو اور یقین جانو کہ میں سچ کہہ رہا ہوں قسم بخدا میں نے مسلم کو اپنے گھر دعوت نہیں دی

اور میں ان کے کاموں سے متعلق کسی طرح کا علم نہیں رکھتا یہاں تک کہ وہ خود میرے گھر آئے تو مجھے شرم آئی کہ انھیں گھر میں نہ آنے دوں۔ اس طرح ان کی میزبانی میرے سر پر پڑ گئی (عرب کے دستور کے مطابق میں انھیں آنے سے نہیں روک سکتا تھا) لہذا ان کا استقبال کیا اور انھیں اپنے گھر پناہ دی اور رہی ان کی فعالیت تو وہ یوں ہی ہے جیسا تو نے سنا ہے اب اگر چاہتا ہے تو میں تیرے ساتھ ایک محکم معاہدے پر دستخط کروں، تا کہ تیرے جانب سے میرا ذہن مطمئن ہو جائے اور کسی طرح کا شور نہ مچاؤں تیرے نزدیک آ کر دست (دفا) تیرے دست پر رکھ دوں اور اگر چاہتا ہے تو کوئی شے گروی رکھ کر چلا جاتا ہوں، تا کہ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر سے نکل جانے کا دستور دوں کہ وہ کہیں بھی جائیں مگر یہاں نہ رہیں اور اس طرح میں اپنے عہد کو پورا کر کے تیرے پاس لوٹ آؤں۔

ابن زیاد نے کہا:

قسم بخدا اس وقت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک مسلم بن عقیل کو میرے حوالے نہ کرو۔

ہانی بن عروہ نے کہا:

قسم بخدا میں ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا، اپنے مہمان کو تیرے حوالے کر دوں تا کہ تو اسے مار ڈالے؟

ابن زیاد نے کہا: مسلم کو میرے حوالے کرنا ہوگا۔

ہانی نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا، جب ان دونوں میں تکرار ہونے لگی۔

تو مسلم بن عمرو بابلی نے جس کے علاوہ کوفے میں اہل شام و بصرہ کا کوئی فرد نہ تھا، کہا:

خدا امیر کو کامیاب کرے (اے امیر) مجھے اس کے ساتھ خلوت کی اجازت دے، تا کہ میں اس بارے میں کچھ بات کر سکوں۔

اٹھ کر ابن زیاد سے کچھ فاصلے پر ہانی کے ساتھ گفتگو کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔

تو ابن زیاد نے سنا کہ مسلم بن عمرو ہانی سے کہہ رہا ہے:

اے ہانی! تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں ایسا کوئی کام مت کرنا جو تیری جان کو خطرے میں ڈال دے

اور تیرے قبیلے میں غم و اندوہ کا ماحول بنادے۔ پس قسم بخدا میں نہیں چاہتا کہ تو مارا جائے۔ یہ شخص

(مسلم بن عقیل) اس گروہ (بنی امیہ) کے ساتھ واہیال کا رشتہ رکھتا ہے یہ لوگ اسے نہیں ماریں گے

اور نہ ہی اسے ضرر پہنچائیں گے، لہذا اسے ان کے حوالے کر دو۔ اس طرح تم پر کوئی الزام بھی

نہیں آئے گا گویا تم نے فقط اسے والی کوفہ کے سپرد کیا ہے۔

ہانی نے کہا:

بے شک اس کام میں میرے لیے ننگ دعار ہے کہ میں اپنے مہمان کو جسے پناہ دی ہے دشمن کے

حوالے کر دوں، جبکہ میں زندہ صحیح و سالم ہندوست، دیکھتا، سنتا، طاقت و ر بازو کا مالک اور کثیر تعداد میں مددگار رکھتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر میں تنہا بھی رہ جاؤں اور میرا کوئی مددگار بھی نہ ہو تب بھی تمہارے سپرد نہیں کر سکتا یہاں تک کہ مجھے مار دیا جائے۔

مسلم نے قسمیں دینا شروع کی اور ہانی مسلسل ایک ہی جواب دے رہے تھے کہ میں ہرگز ابن زیاد کے حوالے نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد نے یہ سن کر کہا: اسے میرے پاس لاؤ، ہانی کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

ابن زیاد نے کہا: یا اسے لے آؤ ورنہ تمہارا گردن مار دوں گا۔

ہانی نے کہا: اگر ایسا کیا تو تیرے گھر کے گرد بڑی تعداد میں تلواریں اٹھ جائیں گی۔

ابن زیاد نے کہا: تجھ پر وائے ہوا مجھے تیز تلواروں سے ڈراتا ہے، حافی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قبیلے کے لوگ ان کی مدد کیلئے نکل آئیں گے۔

ابن زیاد نے پھر کہا: اسے اور نزدیک لاؤ، جب نزدیک ہوئے تو قیسی (تازیانہ اور باریک و نازک تلوار) سے جو اس کے ہاتھ میں تھی اتنے وار کیے کہ ہانی کی ناک ٹوٹ گئی، چہرہ اور ڈاڑھی خون آلود ہو گیا ماتھے اور رخسار کا گوشت پھٹ گیا یہاں تک کہ اس کی قیسی بھی ٹوٹ گئی۔

ہانی نے نزدیک کھڑے ایک سپاہی کی تلوار چھیننا چاہی تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکیں مگر سپاہی نے تلوار جانے نہ دی۔

اس پر عبید اللہ نے ہانی سے کہا: کیا تو خوارج کی نابودی کے بعد خارجی ہو گیا ہے؟ تیرا خون ہم پر حلال ہے اور حکم دیا کہ اسے گھسیٹ کر لے جاؤ تو انھیں زمین پر کھینچتے ہوئے ایک حجرے میں ڈال دیا اور اس کا دروازہ بند کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا: وہاں ایک نگہبان بٹھا دو، لہذا وہاں ایک محافظ بٹھا دیا گیا۔

حسان بن اسماء نے اٹھ کر کہا: ہانی کو خارجی کے بہانے مارنے کا کوئی جواز نہیں ہمیں کہا تھا کہ اسے تیرے پاس لے آئیں اور جب ہم لے آئے تو ان کا چہرہ اور ناک زخمی کر دی، ان کی ڈاڑھی خون میں بھری اور اب انھیں قتل کرنا چاہتے ہو؟

عبید اللہ ابن زیاد نے کہا: تو یہاں کھڑا ہے، اور حکم دیا کہ حسان کو کموں، گھونسوں اور لکڑی سے گردن اور سینے پر مارا جائے اور (جب خوب مار لیا جائے تو) ایک گوشے میں پھینک دیا جائے۔

محمد بن اشعث نے کہا: ہم تو یہی کریں گے جو امیر چاہتے ہیں اب چاہے وہ ہمارے نقصان میں ہو یا فائدے میں کیونکہ یہ ہمارے بزرگ ہیں۔

ادھر عمرو بن حجاج بن زبیدی (جن کا ذکر گزر چکا) نے جب یہ سنا کہ ہانی مار دیئے گئے تو قبیلہ مذنج اور گروہوں کے ہمراہ ابن زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا اور وہاں پکار کر کہا:

میں عمرو بن حجاج ہوں اور یہ جنگ جو سوار قبیلہ مذنج سے متعلق ہیں، ہم نے خلیفہ کی پیروی سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور نہ ہی مسلمانوں سے جدا ہوئے ہیں پھر کیوں ہمارے بزرگ ہانی بن عروہ کو مارا جاتا ہے؟

عبید اللہ ابن زیاد سے کہنے والوں نے کہا: یہ قبیلہ مذنج ہے جس نے محل کا محاصرہ کر رکھا ہے، ابن زیاد نے قاضی شریح (درباری قاضی) سے کہا: ان کے بزرگ ہانی کے نزدیک جا کر دیکھو اور انہیں آ کر بتاؤ کہ اسے قتل نہیں کیا گیا لکہ وہ زندہ ہے۔

قاضی شریح اس حجرے میں گیا جہاں ہانی قید کیے گئے تھے، ہانی نے قاضی کو دیکھ کر کہا:

اے خدا، اے مسلمانوں، میرا قبیلہ ہلاک ہو گیا کہاں ہیں دیندار اور کہاں ہیں اہل شہر؟ یہ حملات کہتے وقت ان کی ڈاڑھی سے خون ٹپک رہا تھا۔

اسی اثناء میں محل کے باہر سے شور و غل سنا اس پر کہا:

میرا خیال ہے کہ یہ قبیلہ مذنج کے مسلمان جو میرے پیروکار ہیں یہاں آ گئے ہیں۔ بلاشبہ اگر ان میں سے دس افراد میرے نزدیک آ جائیں تو مجھے ضرور آزاد کروادیں گے۔

شریح یہ سن کر قبیلے کے سامنے آیا اور کہا:

امیر کوفہ نے تمہارے یہاں آنے کے بعد جب سنا کہ تم اپنے بزرگ ہانی کے متعلق کچھ کہہ رہے ہو تو مجھے اس کے پاس بھیجا، میں اس کے پاس گیا تو مجھے دیکھ کر ہانی نے کہا: انہیں جا کر کہو کہ میں زندہ ہوں اور میرے قتل ہونے کی خبر جھوٹی ہے۔

عمرو بن حجاج اور ان کے ساتھیوں نے کہا:

اب جبکہ وہ مارے نہیں گئے اور زندہ ہیں تو خدا کا شکر بجالاتے ہیں اور اس طرح سب لوگ پراکندہ ہو گئے۔

عبید اللہ ابن زیاد محل سے اس حال میں نکلا کہ محافظین، علاقائی شخصیات اور دیگر افراد بھی ہمراہ تھے اور منبر پر جا کر کہا:

”اے لوگو سب مل کر خدا کی اور اپنے رہبروں کی پیروی اختیار کرو اور تفرقہ و اختلاف سے پرہیز کرو، ورنہ ہلاک و خوار ہو جاؤ گے اور ستم دیدہ حالت میں مار دیئے جاؤ گے۔ بے شک تمہارا بھائی وہی ہے جو سچ کہے اور جو لوگوں کو خوف زدہ کرے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔“

یہ کہہ کر ابھی منبر سے پوری طرح اتر نہ پایا تھا کہ محافظوں اور مسجد کے نگہبانوں نے کھجور فروش دروازے سے پکارنا شروع کیا۔ مسلم بن عقیل آگئے۔ عبید اللہ ابن زیاد سرعت کے ساتھ منبر سے اتر کر اپنے گھر میں داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

قیام مسلم بن عقیل ۷

یہ ناگوار حادثات بہت ہی سرعت کے ساتھ ایک ہی دن میں رونما ہوئے اور حضرت مسلم بن عقیل کو ہانی پر گزرنے والا واقعہ اور ابن زیاد کے دربار میں ہونے والے واقعات کا علم نہیں تھا۔ پہلا فرد جس نے یہ خبر حضرت مسلم بن عقیل تک پہنچائی وہ عبید اللہ بن حازم تھا۔ اس کا بیان ہے میں مسلم بن عقیل کی جانب سے مقرر تھا کہ دربار ابن زیاد جا کر وہاں کی خبریں مسلم تک پہنچاؤں، میں نے دیکھا، ہانی کو بہت مارا گیا اور پھر انھیں زندان میں ڈال دیا تو فوراً دربار سے نکل کر اپنے مرکب پر سوار ہوا اور پورا ماجرا مسلم بن عقیل کو جا کر بتایا، مجھے انھوں نے حکم دیا کہ جتنے گھر بھی ہانی کے گھر کے ساتھ ہیں انھیں حکم جہاد سناؤ، کیونکہ ان گھروں میں چار ہزار مسلح افراد حکم مسلم کے منتظر تھے اور جاؤ حکم جہاد بلند کرو۔ میں نے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے یا منصور امدت ”یعنی اسے مددگار، اسے قتل کر دے۔“ کا نعرہ بلند کیا جو صدر اسلام کے مسلمانوں میں بھی وقت جنگ ایک دوسرے کو بلانے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ پھر مسلم نے اپنے خاص چار مخلص افراد کے ہمراہ پرچم جنگ بلند کیا اور ان میں سے ہر ایک کو سالار دستہ بنا کر علیحدہ علیحدہ پرچم عطا کیا اور مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ جہاد کا آغاز کیا:

۲۔ مسلم بن عوجہ، سالار رندج

۱۔ عبید اللہ بن عزیز کندی، سالار کندہ

۳۔ عباس بن جعدہ جدلی، سالار لشکر مدینہ

۳۔ ابو ثامہ صامدی، سالار بنی تمیم و ہمدان

جبکہ خود حضرت مسلم باقی ماندہ قبائل کو لے کر دارالامارہ کی جانب روانہ ہوئے ارشاد شیخ مفیدؒ میں لکھا ہے کچھ ہی دیر میں مسجد اور بازار لوگوں سے پر ہو گئے اور اسی طرح شام ہونے تک حمایتیوں کی تعداد بڑھتی رہی اور عبید اللہ ابن زیاد کیلئے ایک بڑی مشکل ظاہر ہونے لگی۔ اس کا کام فقط یہ رہ گیا کہ دربار کے دروازے بند کر و اتار ہے تاکہ کوئی اندر گھس نہ سکے جبکہ محل میں فقط تیس نوکر اور نگہبان اور بیس کوفے کے معروف لوگ اور خاندان ابن زیاد کے افراد تھے اور بنی امیہ کے طرفدار جو محل سے باہر تھے اور اندر آنا چاہتے تھے تو انھیں رومیوں کی جانب سے کھٹنے والے دروازے سے اندر آنے دیا گیا، محل میں موجود افراد بار بار محل کی چھت پر جا کر مسلم بن عقیل کے لشکر کو دیکھتے تو وہ لوگ ان کی جانب پتھر پھینکتے اور بنی امیہ خاص طور پر عبید اللہ اور اس کے باپ (زیاد) کی نسبت قابل شرم نعرہ لگاتے تھے۔

خوف و ہراس اور نفسیاتی جنگ

تاریخ کے مطابق اکثر خالموں اور ششکروں نے جو ایک حربہ اکثر اپنا یا وہ سست عقیدہ افراد کیلئے ہمیشہ مؤثر رہا وہ رعب، پریگنڈہ اور ڈرا، دھمکا کر طرف مقابل کے جذبات و عقائد کو ختم کر دینا ہے اور اس طرح یہ ششکر لوگوں میں دودلی پیدا کر کے انھیں اپنے موقف سے ہٹا دیتے تھے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے بھی جب خود کو بندگی میں محسوس کیا، کیونکہ لوگ محل کا محاصرہ کر چکے تھے اور دارالامارہ پر حضرت مسلم بن عقیل کی فوج کا قبضہ ممکن تھا تو یہی حربہ استعمال کرنا چاہا یعنی اس کے خیال میں خوف و ہراس اور پریگنڈہ ہی مسلم بن عقیل کے ساتھیوں کو منتشر کر سکتا ہے، لہذا محلوں اور قبائل کے سرداروں اور بنی امیہ کے طرفداروں کو جو پہلے ہی دارالامارہ کے نزدیک آچکے تھے بلا کر دستور دیا کہ کسی طرح خوف و ہراس اور پریگنڈہ کے ذریعے ان آنے والوں کو پراکندہ کریں، چنانچہ من جملہ وہ سردار۔

حجار بن ابجر، شمر بن ذی الجوشن، شبت بن ربیع، کثیر بن شہاب حارثی اور عقیق بن شوزہ صلی وغیرہ تھے جنہوں نے مسلم بن عقیل کے لشکر والوں کے اطراف میں پہنچ کر ہر ایک نے مختلف مقام پر تقریر کرنا شروع کی اور ہمدردی و خیر خواہی کے انداز میں ان کی تحریک کے نقصانات مثلاً شام سے جوابی لشکر آ سکتا ہے، امیر کوفہ کے عطیات بند ہو جائیں گے اور حکومت کی شان و شوکت اور اس کی سطوت کو بیان کرنے لگے، چنانچہ ابو الفرج اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتے ہیں، سب سے پہلا شخص جس نے تقریر کی وہ کثیر بن شہاب تھا جس نے کہا:

”اے لوگو! جلد بازی سے کام نہ لو اور اپنی روزمرہ کی زندگی اور اپنے بچوں اور زوجات کی جانب لوٹ جاؤ اور خود کو اپنے ہاتھوں سے نہ مارو ابھی شام سے یزید کے مسلح سپاہی پہنچیں گے اور تمہیں تلواروں کے سپرد کریں گے اور ابن زیاد نے اپنے خدا سے یہ عہد کیا ہے کہ اگر رات تک تم لوگ اپنے گھروں کو واپس نہ گئے اور اسی طرح مقاومت کا اظہار کرتے رہے تو وہ تمہاری آل و اولاد کا بیت المال سے وظیفہ بند کر دے گا اور تمہیں زبردستی مرکزی حکومت کی جنگوں میں روانہ کرے گا بے گناہوں کو مجرم شمار کرے گا اور حاضر کو غائبوں کی جگہ گرفتار کرے گا یہاں تک کہ ایک فرد بھی حکومت کا مخالف نہ رہ پائے گا مگر یہ کہ وہ اپنے جرم کا مزہ چکھے گا۔“

دیگر سرداروں نے بھی شہاب کی طرح تقریریں کیں اور یہی جملات ان لوگوں کو منتشر کرنے میں کارساز ثابت ہوئے جس پر کوئی عورت اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑتی اور کہتی یہ لوگ تیری جگہ موجود ہیں اور انھیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کوئی مرد اپنے بیٹے یا بھائی کا بازو تھام کر کہتا سپاہ شام پہنچ رہی ہے تجھے اس بلویے سے کیا واسطہ آؤ خود کو اس معرکے سے نجات دو۔ ۲۵

ارشاد شیخ مفید اور ابی حنفہ کے ”وقعۃ الطف“ کے مطابق ابن زیاد نے ابن شہاب کو (جو قبیلہ مذحج سے تھا) بلایا اور اسے حکم دیا کہ اپنے افراد قبیلہ کے ساتھ اس مجمع سے نکل جائے اور شہر کوفہ میں گردش کرے اور کسی طرح لوگوں کو مسلم بن عقیل کی حمایت سے باز رکھے، انھیں جنگ سے ڈرائے اور حکومت کے تشدد سے خائف کرے اور محمد بن اشعث (جو قبیلہ کنده سے تھا) کو حکم دیا اپنے قبیلہ کنده اور قبیلہ حضر موت کے ساتھ مجمع سے نکل کر پرچم امان بلند کرے اور قنقاع، ذہلی، شبث بن ربیعہ، حجار بن ابی عکبہ اور شمر بن ذی الجوشن کو بھی اسی طرح کا حکم دیا۔ پھر ان سرداروں کو جو محل میں عبید اللہ کے ساتھ تھے روکے رکھا، کیونکہ یہ مسلم بن عقیل کے خشم ناک حملہ آوروں سے خوف زدہ تھا، جبکہ ان سرداروں کی تعداد بہت کم تھی۔

پس ابن شہاب دستور کے مطابق مجمع سے باہر نکلا اور لوگوں کو مسلم کی حمایت سے ڈرانے لگا۔ اسی طرح ابن اشعث باہر آیا اور بنی عمارہ کے گھروں کے درمیان کھڑے ہو کر لوگوں کو مسلم کے ارگرد سے پراکنہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت مسلم نے عبدالرحمن بن شریح شامی کو محمد ابن اشعث کے مقابلے کیلئے روانہ کیا مگر جوں ہی محمد بن اشعث نے بہت سے لوگوں کو آتے دیکھا تو فرار کرنے لگا۔

بہر حال محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب، قنقاع، ذہلی اور شبث بن ربیعہ نے لوگوں کو حضرت مسلم سے ملحق ہونے نہ دیا اور انھیں حکومت کے تشدد سے ڈراتے رہے اس طرح ان کے قوم و قبائل اور دیگر قبائل کے بہت سے لوگ ان کے نزدیک آئے اور سب مل کر دروازے والے دروازے سے محل میں داخل ہوئے تاکہ ابن زیاد سے ملاقات کر سکیں۔

کثیر ابن شہاب نے کہا: ”خدا نے امیر کا کام بہت ہی خوب انجام دیا اور اس وقت محل میں ہمارے ساتھ قبائل کے بزرگ، سپاہی اور دیگر احباب موجود ہیں، لہذا اے امیر! ہمارے ساتھ ان لوگوں سے جنگ کرنے چل۔“ مگر ابن زیاد نے کچھ نہ سنا اور دوبارہ شبث بن ربیعہ کو پرچم دے کر روانہ کیا۔ حضرت مسلم کے ساتھ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، جنہوں نے اس روز شام تک احتجاجی اجتماع کو برقرار رکھا اور اس کے سبب وہ باوقار تھے۔ ادھر عبید اللہ نے جنھیں قبائل کے سرداروں کے پاس روانہ کیا تھا وہ سرداروں کو علیحدہ بلا کر مال و دولت کی لالچ دیتے اور پھر وہاں جا کر اپنے افراد کو جو وہ بخشش کی پیشکش کرتے تھا کہ وہ ابن زیاد کی پیروی میں آجائیں اور جو نافرمانی کا اظہار کرتے انھیں ظلم و تشدد اور محرومیت سے ڈرایا جاتا تھا اور انھیں لشکر شام کے سامنے آنے سے ڈراتے تھے۔

چنانچہ لوگ منتشر ہونے لگے یہاں تک کہ رات آئی اور جب مسلم نے نماز مغرب ادا کی تو فقط تیس آدمی آپ کی اقتداء میں تھے۔ جب جناب مسلم نے یہ دیکھا تو اہل کنده کے گھروں کی جانب روانہ ہوئے مگر ابھی مسجد کے دروازے پر فقط دس افراد آپ کے ہمراہ تھے اور جب چند قدم آگے بڑھے تو کوئی نظر نہ آیا

جو گلیوں کا راستہ بھی بتا سکے کہ اہل کندہ کے گھر کہاں سے نزدیک ہیں یا انھیں بتا سکیں کہ حضرت مسلم کی رہائش گاہ کہاں سے نزدیک رہے گی یا انھیں اگر تنہا دیکھ کر مارنا چاہے تو کوئی دفاع کرنے والا بھی باقی نہ رہا۔

طوعہ کے دروازے پر

اس مقام پر روایات میں کچھ اختلاف ہے، مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر تشریف لے گئے ۲۶ یا چند روایات کا بیان ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کوفہ سے باہر نکلتا چاہتے تھے کہ راستے میں سعید بن احنف سے سامنا ہوا اور انھوں نے مسلم کو اس کام سے روکا اور دونوں محمد بن کثیر کے گھر چلے گئے۔ مگر مشہور قول وہی ہے جسے شیخ مفید وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ مسلم مسجد سے حیران و پریشان نامعلوم راہوں پر چل رہے تھے۔ وہ کوفہ کی گلیوں میں ادھر سے ادھر سرگردان تھے، انھیں نہیں معلوم تھا میں کہاں جا رہا ہوں اس دوران جناب مسلم کا گزر قبیلہ کندہ کے خاندان جبلہ کے گھروں سے ہوا، جہاں ایک دروازے پر طوعہ نامی ایک خاتون کھڑی تھی۔ یہ خاتون اشعث بن قیس کی کنیزوں میں سے تھی اور اسکے ایک فرزند کی ماں بھی تھی مگر اشعث نے اسے اسی لئے آزاد کر دیا تھا پھر بعد میں یہ اسید حضرمی کے عقد میں آئی اور جس سے ایک فرزند بلال پیدا ہوا اور وہی بیٹا لوگوں کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا، چنانچہ ماں دروازے پر کھڑی اسی کی راہ دیکھ رہی تھی۔

مسلم نے طوعہ کو سلام کیا۔

طوعہ نے جواب سلام دیا۔

مسلم نے سوال آب کیا یہ خاتون فوراً پانی لے آئی مسلم نے پانی پیا اور وہیں بیٹھ گئے۔

طوعہ ظرف آب گھر رکھ کر آئی اور کہا: اے بندہ خدا کیا تو نے پانی نہیں پی لیا؟

حضرت نے فرمایا: کیوں نہیں۔

وہ بولی: پھر اپنے گھر بیوی بچوں کے پاس جا، جناب مسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔

طوعہ نے پھر یہی کہا مگر جناب مسلم نے کوئی جواب نہ دیا، تیسری مرتبہ طوعہ نے کہا:

سبحان اللہ، اے بندہ خدا! اٹھ خدا تجھے تندرستی عطا کرے اٹھ اپنے بیوی بچوں کے پاس جا، کیونکہ

(زمانہ پر آشوب ہے) تیرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں اور میں بھی تیرے یہاں بیٹھنے سے راضی نہیں

ہوں۔

جناب مسلم اٹھے اور کہا:

اے معظمہ میرا اس شہر میں (گھر، بچے اور خاندان) کوئی نہیں، کیا ممکن ہے آج مجھ پر تو ایک احسان

کر دے شاید اس کا بدلہ اتار سکوں۔

طوع نے کہا: کیا احسان!

جناب مسلم نے فرمایا: میں مسلم بن عقیل ہوں ان لوگوں نے مجھے فریب دے کر اپنے گھروں سے نکال دیا ہے۔

طوع نے تعجب سے کہا: آپ مسلم بن عقیل ہیں؟

فرمایا: ہاں میں ہی مسلم بن عقیل ہوں۔

طوع نے فوراً دروازہ کھول دیا اور کہا: جلد اندر آ جائیے۔

اس نے جناب مسلم کو گھر کے ایک حجرے میں فرش بچھا کر اس پر بٹھایا اور طعام لے کر آئی مگر حضرت نے اسے تناول نہ فرمایا۔ کچھ ہی دیر میں طوع کا فرزند گھر میں داخل ہوا، اس نے ماں کو ایک حجرے میں بار بار آتے جاتے دیکھا تو کہا:

قسم بخدا اس حجرے میں تیری بار بار رفت و آمد مجھے شک میں ڈال رہی ہے۔ گویا کوئی کام معمول

سے ہٹ کر انجام دے رہی ہے؟

طوع نے کہا: تو اپنے کام سے کام رکھ اور مجھ سے یہ سوال نہ کر۔

بلال نے کہا: مجھے ضرور بتانا ہوگا،

طوع نے اس جملے کو دہرایا مگر جب دونوں میں تکرار ہوئی تو طوع نے کہا:

اے میرے بیٹے میں تجھے بتاتی ہوں مگر کسی کو آگاہ نہ کرنا۔

بلال نے کہا: جو تو کہے گی وہی ہوگا پس طوع نے قسم کھا کر سارا ماجرا بیان کر دیا، بلال بن کر خاموش

رہا اور اس وقت جا کر سو گیا۔

اس شب کوفے میں کیا گزری؟

جب لوگ جناب مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ گئے اور کچھ دیر تک ابن زیاد نے وہ شور وغل جو صبح سے شام

تک جناب مسلم کی حمایتیوں کی جانب سے ہو رہا تھا نہیں سنا تو وہاں موجود اپنے کارندوں سے کہا:

ذرا غور سے دیکھو کیا کوئی کہیں چھپا ہوا کھائی دیتا ہے؟ انھوں نے محل کے اوپر سے دیکھا مگر انھیں

کوئی نظر نہ آیا۔

ابن زیاد نے کہا: خوب اچھی طرح دیکھنا شاید کوئی سائبانوں تلے چھپا بیٹھا ہو۔

چنانچہ یہ لوگ محل سے نکل کر مسجد میں آئے اور مشعل ہاتھ میں لیے چھت کے تختے نکال کر کبھی شعلوں کو او

پر کی جانب بلند کرتے اور کبھی اسے نیچے کرتے تھے اور وہاں موجود سرکنڈوں ایک موٹھ اسی سے باندھ کر کو

آگ لگائی، تاکہ مسجد خوب اچھی طرح روشن ہو جائے اور سائبان کے نیچے جہاں منبر بنا ہوا تھا دیکھا مگر

جب کوئی نظر نہ آیا تو جا کر ابن زیاد کو لوگوں کے منتشر ہو جانے کی خبر سنائی۔ پس مسجد کے مسدود دروازے کھلو کر خود منبر پر جا بیٹھا اور اپنے ساتھیوں کو بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ لکھا ہے، یہ وقت نماز عشاء سے پہلے کا تھا پھر عمرو بن نافع کو حکم دیا شہر میں علان کرے:

”اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ اس شخص کے خون کی ذمہ داری حکومت کے سر نہیں جو کوفہ کا رہنے والا ہو یعنی یہاں کی کوئی بھی شخصیت ہو یا سپاہی ہو یا کوئی اور مگر نماز عشاء مسجد میں نہ پڑھے یعنی تمام اہل کوفہ پر لازم ہے کہ آج رات نماز مسجد میں ادا کریں۔“

لہذا کچھ ہی دیر میں مسجد اہل شہر سے پر ہو گئی پھر منادی نے ندا دی کہ نماز شروع ہو رہی ہے اور ابن زیاد نے اپنے ایک محافظ کو حکم دیا کہ حالت نماز میں اس کی حفاظت کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی حملہ کر دے بہر حال نماز تمام ہوتے ہی ابن زیاد منبر پر گیا اور کہا:

اما بعد! حسب تحقیق پسر عقیل کو جو نافع و نادان ہے سب نے دیکھا کہ اس نے کیا کیا، اس نے خلاف ورزی انجام دی اور اختلاف ڈال دیا لہذا اس کی جان و مال کی ذمہ داری خدا پر نہیں مسلم جس شخص کے گھر میں ملے یا کوئی پکڑ کر اسے دے تو میں اس شخص کو خون مسلم کی قیمت ادا کروں گا۔ اے بندگان خدا! اللہ سے ڈرو، اپنی بیعت و اطاعت کو ہاتھوں سے نہ جانے دو اور نہ ہی اپنے اوپر عذاب کی راہوں کو کھولو اور حصین بن نمیر کی جانب جو کوفہ کی پولیس کا رئیس تھا (جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا) رخ کر کے کہا:

اے حصین بن نمیر تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اگر کوفہ کے دروازوں میں سے کوئی دیکھ لارہ گیا ہو اور یہ شخص (مسلم بن عقیل) اسی دروازے سے نکل جائے اور تو اسے نہ لاسکے تو! میں نے تجھے پورے کوفہ پر مسلط کیا ہے لہذا تو جا اور اپنے سپاہیوں کو شہر بھر کے کوچہ و بازاروں میں روانہ کر دے یہاں تک کی صبح ہونے پر گھروں کی خوب اچھی طرح تفتیش کی جائے تاکہ اس شخص کو میرے حوالے کر سکوں۔

اسکے بعد ابن زیاد اپنے محل کے اندر چلا گیا مگر پہلے عمرو بن حرث کو پرچم دے کر اسے لوگوں پر امیر بنایا اور جب صبح ہوئی تو دربار سجانے کا حکم دیا اور لوگوں کو ملاقات کی اجازت دی گئی لہذا لوگ گروہ درگروہ ملاقات کیلئے آنے لگے انھی لوگوں میں محمد بن اشعث وارد محل ہوا تو ابن زیاد نے اسے دیکھ کر کہا:

خوش آمدید کہتا ہوں خوش آمدید کہتا ہوں اس شخص کو جو ہماری محبت و دوستی میں دورنگی نہیں رکھتا اور ہماری دشمنی میں بدنام اور مہتمم نہیں اور اسے بلا کر اپنے پہلو میں جگہ دی۔

مشہور شیعہ شخصیات کی گرفتاری اور عوام کیلئے پرچم امان جیسا کہ ذکر کیا گیا ابن زیاد نے دستور دیا کہ کوفہ میں فوجی حکومت کو نافذ کر دیا جائے اور تمام کوچہ و بازار کی تاکہ بندی کر دی جائے اور جو بھی مسلم بن عقیل کے قیام میں شریک تھا اسے گرفتار کیا جائے، لہذا اس دستور کے بعد مندرجہ ذیل افراد گرفتار کیے گئے:

عبداللہ بن علی بن یزید کلبی، عمارۃ بن صلح، ازدی، عبداللہ بن نوفل بن حارث، مختار بن ابی عبیدہ ثقفی، اصغ بن نباتہ اور حارث بن اعور ہمدانی۔

دوسری جانب محمد بن اشعث کو مامور کیا گیا کہ پرچم امان کسی ایک محلے میں نصب کر دے کہ جو بھی اسکے تلے جمع ہوا اس نے گویا خود کو ہلاکت سے نجات دی لہذا جو ق در جو ق لوگ پرچم امان کے سائے میں اکھٹا ہونے لگے۔

ایک یاد دہانی اور ایک سوال

جو چیز ہر لکھنے اور پڑھنے والے کیلئے سوال بن کر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ ایک روز قبل تک امام کی بیعت اور ان کے دشمن سے جنگ کیلئے اتنے زیادہ آمادہ تھے اور ہر طرح کا جنگی ساز و سامان مہیا کر رکھا تھا اور اس راہ میں ایک دوسرے کو شوق و دلولہ دلا رہے تھے تو آخر کیا ہوا جو ایک مرتبہ سب اپنے ایمان و عقیدے سے پھر گئے؟ بالفرض اگر لوگوں کی اکثریت نے ایسا کیا بھی تو خاص با ایمان اور ثابت قدم افراد مثلاً: مسلم بن عوجہ حبیب ابن مظاہر اور ابو ثمامہ صاعدی وغیرہ اس رات کہاں تھے کہ ان کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے؟ یہاں تک مسلم بن عقیل شہر کوفہ میں یکہ و تنہا حیران و پریشان بھٹکے ہوئے اتفاقی طور پر طوعناخی خاتون کے گھر پناہ گیر ہوئے؟

بے شک یہ وہ سوال ہے جس کا مکمل جواب ملنا مشکل نظر آتا ہے مگر ایک بات کو بہر حال ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ اس شہر میں بیس سال سے زیادہ اموی ظالم حکمرانوں کی حکومت کو گزر چکے تھے جن میں زیاد بن ابیہ جیسا خونخوار اور جابر حکمران سرفہرست ہے جو شیعہ گری اور حُب اہل بیت کے جرم میں صبح و شام دسیوں بے گناہ افراد کے ہاتھ پیر کٹواتا تھا اور انھیں معذور بنا دیتا تھا یا پھر انھیں قتل کر دیتا تھا لہذا یہاں کے اکثر لوگوں کے مزاج میں بزدلی، بے ثباتی اور دنیا پرستی رچ بس گئی تھی اور یہاں کے لوگوں نے سالوں سے امام حسین جیسا با ایمان اور شجاع رہبر نہ دیکھا تھا جو اسلام کے دفاع کی خاطر تمام رعب و دبدبے، لالچوں اور پروپیگنڈوں کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ ایمان و عقیدے کی سر بلندی کیلئے اپنا سر قربان کر دیتا۔ لہذا ایسی فضاء میں عوام مکمل طور پر حاکم کے طالع ہو جاتی ہے اور اگر اس کے خلاف ہمت کر بھی لیں تو بہت جلد شجاعت، شہامت اور اپنی انانیت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ رہا اہم شخصیات مثلاً مسلم بن عوجہ اور حبیب بن

مظاہر کا ذکر تو ان کے بارے میں کچھ احتمال دیئے جاتے ہیں مثلاً یہ لوگ وہاں اس ماجرا میں موجود نہیں تھے، بلکہ شہر سے باہر اپنے قبائل کے درمیان حکم کے انتظار میں دن کاٹ رہے تھے، کیونکہ جناب مسلم کا قیام اور لوگوں کا ساتھ دینا (جیسا کہ بیان ہوا) اچانک اور ناگہانی طور پر ظہور پذیر ہوا یا یہ حضرات ایک طے شدہ دستور العمل کے مطابق مخفی تھے، تا کہ بکھرے ہوئے لوگوں کو متحد کر سکیں اور اسی طرح یہ حضرات جانتے تھے امام حسین مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہو چکے ہیں چنانچہ خود کو مخفی رکھ کر امام حسین سے پیوست ہونا چاہتے تھے تا کہ بعد میں رونما ہونے والے حادثات میں جان نثاری اور فداکاری کا مظاہرہ کر سکیں۔

بہر حال اتنا ضرور مسلم ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے جو وحشت، فریب اور تشدد کی فضاء قائم کر رکھی تھی اس نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ علنی مخالفت کر سکے کیونکہ ہانی بن عروہ جیسی قوی شخصیت کو بھی مخالفت کا سخت خمیازہ جھگٹنا پڑا جبکہ شاید ان کا بھی شہید ہو جانا کسی خاص فائدے کا حامل نہیں ہوتا۔

بحث کا بقیہ حصہ

بہر حال اہل تاریخ لکھتے ہیں:

جناب مسلم نے وہ رات طوع کے گھر گزاری اور جب صبح نمودار ہوئی تو اس کا بیٹا بلال محمد بن اشعث کے بیٹے عبدالرحمن کے پاس گیا اور اسے مسلم بن عقیل کا اپنے گھر میں رات گزارنا بتایا۔ عبدالرحمن اپنے باب (عمہ) کی تلاش میں ابن زیاد کے دربار میں پہنچا جہاں وہ ابن زیاد کی بغل میں بیٹھا ہوا تھا پس یہ اپنے باپ کے پاس جا کر سرگوشی کرنے لگا مگر ابن زیاد متوجہ ہوا اور پوچھا کیا بات ہے؟ اور اپنی اس نازک تلوار سے اشارہ کر کے کہا: اٹھو اور اسے فوراً میرے پاس لے آؤ اور اپنے چند افراد کو ان کے ساتھ روانہ کیا، کیونکہ یہ جانتا تھا کہ کوئی بھی اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ مسلم بن عقیل اس کے قبیلے سے گرفتار کیا جائے اور پھر ان کے ہمراہ عبید بن عباس سلمیٰ کو بنی قیس کے ستر افراد دے کر مسلم بن عقیل کی پناہ گاہ کی جانب روانہ کیا۔

جناب مسلم نے جب گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوجیوں کی ہنگامہ خیز آوازیں سنیں جو گرفتار کرنے آرہے تھے تو اپنی شمشیر اٹھا کر باہر نکلتا چاہتے تھے کہ اتنے میں وہ گھر میں گھس آئے تو جناب مسلم نے ان پر حملہ کیا اور ان پر اتنا سخت حملہ کر دیا کہ وہ دور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ انھیں گھر سے باہر نکال دیا۔ مگر انھوں نے دوبارہ حملہ کیا اور مسلم نے بھی اتنا سخت حملہ کر دیا کہ وہ دور ہوتے چلے گئے، جناب مسلم بن عقیل اور بکر بن حمران الحمیری کے درمیان سخت مقابلہ ہونے لگا۔ اسی اثناء میں جناب مسلم کے دھان مبارک پر اس کی تلوار لگی جس نے حضرت کے لب بالا کو زخمی کرتے ہوئے دندان مبارک کو شہید کر دیا جس پر حضرت مسلم نے ایسا وار کیا جس سے بکر بن حمران کا بدن سر سے کمر تک دو ٹکڑے ہوا۔ یہ دیکھ کر دشمنوں پر اتنا رعب طاری

ہوا کہ مقابلہ چھوڑ کر چھتوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے کبھی حضرت پر سنگ باری کرنے لگے اور کبھی آگ چھینکنے لگے، جناب مسلم نے جب یہ دیکھا تو گلی کو چوٹوں میں موجود دشمنوں پر حملہ کیا اس پر محمد بن اشعث نے پکار کر کہا:

تیری جان کو ہم امان دیتے ہیں لہذا یوں ہی خود کو مرنے پر مجبور نہ کر
مگر جناب مسلم نے جواب کے طور پر ان اشعار کو پڑھا:

اقسمت لا اُقتل إلا حراً
و يجعل البار دسختاً مرّاً
انی رأیت الموت شیئاً نکراً
قد شعاع الشمس فاستقراً
کل امری یوماً ملاق شراً
اخاف ان اُخذب او اغترا

”میں نے قسم کھائی ہے کہ فقط آزادی کے ساتھ جاں دوں گا بے شک میں نے بستر کی موت کو برا جانا ہے۔ ٹھنڈی شے کو گرم دلیخ کرے خورشید کا سایہ آخر پلٹ کر ٹھہرے گا۔ زندگی میں ہر شخص کو نرم و گرم دان دیکھنا پڑتے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میری نسبت جھوٹ و فریب کا سہارا لیا جائے گا۔“
محمد بن اشعث نے کہا:

ہم تجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے اور نہ ہی تجھے فریب دیں گے تو ہماری امان میں ہے پس بے ثباتی کا ثبوت نہ دے اور بے شک یہ لوگ (عبید اللہ ابن زیاد وغیرہ) تیرے بیچا زاد ہیں کہ یہ بھی تیری طرح اہل حجاز ہیں اور تیری اور ان کی ذات بھی ایک ہی ہیں، لہذا وہ تجھے نہیں مار سکتے اور نہ ہی تجھے کوئی زیان پہنچے گا۔

ادھر جناب مسلم پتھروں کے زخموں سے چور ہو چکے تھے اور خستگی کی حالت میں جب ان کا سانس بہت پھول رہا تھا تو طوع کے گھر کی دیوار سے سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔ محمد بن اشعث نے اپنی بات کو دھرایا کہ تو امان میں ہے۔ جناب مسلم نے فرمایا:

کیا میری جان کو امان ہے؟

کہا: ہاں امان ہے۔

جناب مسلم نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا میری جان کو امان ہے؟
انھوں نے بھی کہا: ہاں امان دیتے ہیں، مگر عبید اللہ بن عباس سلمی نے کہا:
مجھے اس بارے میں نہ تو مادہ شتر ہے اور نہ ہی زرشتر۔ ۲۸

۲۸ یعنی میری کوئی حقیقت نہیں جو امان دے سکوں یہ عربوں میں (شتر مادہ.....) ضرب القتل ہے جو کسی کام سے مبرا ہونے کا اعلان ہوتا ہے کہتے ہیں یہ ضرب القتل سب سے پہلے حارث بن عباد یا صدوف بن حلیم عذریہ نے استعمال کی جس کی داستان بھی مجمع الامثال ج ۲ ص ۱۷۱ میں نقل ہوئی ہے۔

جناب مسلم نے فرمایا: اگر مجھے امان نہیں ہے تو میں بھی خود کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔
پس مرکب لا کر جناب مسلم کو سوار کیا گیا سپاہیوں نے ان کے گردنگئی تلواروں سے حلقا بنالیا جناب مسلم
یہ منظر دیکھ کر ناامید ہونے لگے اور نہ جانے کیا سوچ کر ان کے اشک جاری ہوئے اور فرمایا: یہ تمہارا پہلا
فریب ہے۔

محمد بن اشعث نے کہا: امید ہے تجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔
جناب مسلم نے فرمایا: جو تم نے کہا تھا مجھے اسی کی امید تھی پھر تمہاری امان کہاں گئی؟ اور اللہ وانا الیہ
راجعون کہتے ہوئے گریہ فرمایا۔
عبید اللہ بن عباس سلمی نے کہا:

”ہر اس چیز کا طالب، جسے تو نے بھی چاہا تھا یعنی ریاست و سربراہی کا طالب ہو اور پھر اسے یہ دن
دیکھنا پڑیں جو تو دیکھ رہا ہے تو اسے روٹنا نہیں چاہیے۔“
یعنی آرزوؤں کی برآوری کیلئے ناگوار موڑ سے گزرنا پڑتا ہے اور جو ایسا اقدام کرے اسے ایسے ہی دن کا
منتظر رہنا چاہیے۔

جناب مسلم نے فرمایا:

انّی واللہ ما لنفسی بکبت ولانہامن القتل اَوْ فی وان کُنت لم أحب لہا طرفۃ عین تلفاً، ولکن ابکی
لاہلی المقلین الی، للّٰحسین و آل الحسنین علیہ وعلیہم السلام
”خدا کی قسم میں اپنے لیے نہیں رو رہا ہوں اور مجھے اپنے قتل کا کوئی خوف نہیں اگرچہ مجھے چشم زدن
کے برابر اپنا نقصان پسند نہیں (پھر بھی اپنے لیے نہیں رو رہا ہوں) بلکہ اپنے عزیزوں اور اہل خاندان
کیلئے جو میری جانب آرہے ہیں رو رہا ہوں میں تو اپنے مولا و آقا حسین بن علی اور ان کے خاندان
کیلئے رو رہا ہوں۔“

پھر محمد بن اشعث کی جانب رخ کر کے فرمایا:

”اے بندہ خدا مجھے نظر آ رہا ہے جو امان تو نے مجھے دی ہے تو اس میں ناتواں اور بے اختیار رہے گا
اور ابن زیاد تیرے دی ہوئی امان کو قبول نہیں کرے گا، لہذا وہ مجھے مار دے گا۔ بنا برائیں خود حسین
بن علی کو اپنی گرفتاری اور اہل کوفہ کی بے وفائی کی خبر نہیں پہنچا سکتا آیا ممکن ہے تو یہ کار خیر انجام
دے کہ کسی قاصد کو حسین بن علی کی جانب بھیج کر میری جانب سے پیغام پہنچا دے؟ کیونکہ میرے
خیال میں میرا امام آج سوئے کوفہ روانہ ہو چکے ہیں یا پھر کل اپنے خاندان کے ساتھ سفر شروع
کریں گے، انھیں کہنا مسلم بن عقیل نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہو چکا ہے

اور مسلم کا خیال ہے ان کا شام تک بھی زندہ رہنا مشکل ہے اور وہ (مسلم) کہتا ہے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ اپنے اہل و عیال کو لے کر واپس جائیں، تاکہ اہل کوفہ آپ کو دھوکہ نہ دے سکیں، کیونکہ یہ لوگ آپ کے پدر گرامی کے ساتھ تھے مگر حضرت ان سے دوری یا موت جانے کی تمنا کرتے تھے، اہل کوفہ جھوٹ بولنے والے لوگ ہیں اور جھوٹے لوگ تدبیر سے عاری ہوتے ہیں۔“

محمد بن اشعث نے کہا:

قسم بخدا میں تیری آرزو پوری کروں گا اور ابن زیاد سے کہوں گا کہ میں نے مسلم کو امان دی ہے امید ہے وہ میری امان کو امان لے گا۔

چنانچہ یہ لوگ جناب مسلم کو لے کر دربار ابن زیاد کی جانب چلے اور محل میں داخل ہو کر ابن اشعث نے ابن زیاد کو گرفتاری کی ساری داستان سنائی اور اسے بتایا کہ بکرنے اسے تلوار سے زخمی کیا اور میں نے مسلم کو امان دی ہے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے یہ سن کر کہا:

تو کون ہوتا ہے امان دینے والا، کیا میں نے تجھے امان دینے بھیجا تھا یا مسلم کو لانے کا حکم دیا تھا؟ محمد بن اشعث خاموش ہو گیا، ادھر جناب مسلم کو اس حال میں دربار میں لا گیا کہ آپ سخت پیاسے تھے، محل کے دروازے پر عمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن حریث، مسلم بن عمرو اور کثیر بن شہاب وغیرہ اجازت کے منتظر بیٹھے تھے ان کے پاس ٹھنڈے پانی کا ظرف دیکھ کر جناب مسلم نے فرمایا:

”اس پانی میں سے تھوڑا سا مجھے بھی پلا دیں۔“

مسلم بن عمرو نے کہا: دیکھ رہے ہو یہ پانی بہت ٹھنڈا ہے؟ قسم بخدا تو ایک قطرہ بھی نہیں پی پائے گا یہاں تک کہ تجھے جہنم نصیب ہو۔

جناب مسلم نے فرمایا: تجھ پر وائے ہو تم کون ہے؟

مسلم بن عمرو بولا:

میں وہ ہوں جس نے حق کی شناخت کی ہے اور تو نے اس کا انکار کیا، میں نے اپنے امام و رہبر سے خیر خواہی انجام دی مگر تو نے خیانت کی اور میں نے اس کی پیروی کی مگر تو نا فرمانی کا مرتکب ہوا میں مسلم بن عمرو باہلی ہوں۔

جناب مسلم نے فرمایا:

تیری ماں اولاد کے غم میں روئے تو کتنا جفا کار، بد اخلاق اور سنگ دل آدمی ہے اے باہلہ کے بیٹے تو مجھ سے جہنم کی بات کرتا ہے جبکہ تو جہنم اور عذاب الیم کے قابل ہے یہ فرما کر دیوار کا سہارا لیا اور

بیٹھ گئے۔

عمر بن حریت نے اپنے غلام کو بھیجا کہ اس طرف آب سے جس پر رومال پڑا ہے کٹوڑے میں پانی لائے وہ جب پانی لایا تو حضرت مسلم کو دیکھ کر کہا: اے مسلم پانی پیو، جناب مسلم نے کٹوڑا لیا اور جب پانی پینے لگے تو پانی خون دھان سے رنگین ہو گیا وہ دوبارہ پانی لایا مگر پھر وہی بات ہوئی اس طرح وہ تیسری مرتبہ پینا چاہتے تھے کہ اگلے دو دانت کٹوڑے میں آگرے یہ دیکھ کر فرمایا:

”خدا کا شکر بجالاتا ہوں اگر پانی قسمت میں ہوتا تو ضرور پیتا۔“

کچھ دیر بعد ایک غلام ابن زیاد کے محل سے باہر آیا اور حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو دربار میں لایا جائے۔ جناب مسلم دربار میں داخل کیے گئے تو آپ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا تو وہاں کھڑے ایک محافظ نے کہا: امیر کو سلام کیوں نہیں کرتے، حضرت مسلم نے فرمایا:

”جب یہ مجھے مارنا چاہتا ہے تو اس پر سلام کیا اور اگر نہیں مارنا چاہتا تو میں اس سلام کے بعد اس کو مہنگا پڑوں گا۔“

ابن زیاد نے کہا: مجھے اپنی جان کی قسم تم ضرور مارے جاؤ گے۔

جناب مسلم نے پوچھا: تو مجھے مارے گا؟ کہا: ہاں۔

فرمایا: پھر مجھے اپنے لوگوں سے چند وصیتیں کرنے دے۔

کہا: اجازت ہے۔

چنانچہ جناب مسلم نے عبید اللہ ابن زیاد کے ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کی جانب دیکھا تو ان کے درمیان عمر بن سعد بن ابی وقاص بیٹھا تھا فرمایا:

اے عمر میرے اور تیرے درمیان قربت داری ہے اس لیے تجھ سے ایک حاجت رکھتا ہوں، لہذا

تجھ پر ضروری ہے کہ تو اس وقت میرا ساتھ دے میں تجھ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

عمر نے وصیت سننے سے انکار کیا۔ عبید اللہ نے کہا وصیت کیوں نہیں سنتے؟ تب عمر اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت مسلم کے ساتھ دربار کے ایک گوشے میں جس جگہ عبید اللہ دیکھ رہا تھا بیٹھ گیا۔ جناب مسلم نے فرمایا:

”میں کوفہ میں مقروض ہوں اور میں نے سات سو درہم کی رقم کوفہ میں آمد کے وقت بعنوان قرض

لی تھی، لہذا میری تلوار اور زرہ کو فروخت کر کے اس قرض کو ادا کرنا اور جب ماریا جاؤں تو میرے

جسد کو ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور ایک قاصد حسین کی جانب روانہ کر جو انھیں مزید سفر کرنے

سے روک سکے، کیونکہ میں حضرت کو لکھ چکا ہوں یہاں کے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، لہذا گمان

کرتا ہوں حضرت کوفہ طرف سفر میں ہوں گے۔“

عمر نے ابن زیاد کے نزدیک آ کر (تاکہ زیاد اس کے متعلق بدگمان نہ ہو) کہا: اے امیر! جانتے ہو مجھ سے کیا وصیت کی ہے؟ اور تمام وہ باتیں جو جناب مسلم نے عمر کو بتایا تھا ابن زیاد کو بتا دیا اس پر ابن زیاد نے کہا: امین انسان تو خیانت نہیں کرتا مگر کوئی بات نہیں بعض اوقات خائن امین بن جاتا ہے (یعنی اگر تو امین ہوتا تو کبھی مسلم کے ساتھ خیانت نہ کرتا اس لیے کہ اس نے یہ سب تجھے امین جانتے ہوئے کہا تھا۔) ۲۹

اور کہا: رہا اس کے مال کا اختیار (یعنی زرہ و شمشیر کے فروخت کرنے کی وصیت تاکہ قرض ادا ہو سکے) تو وہ تجھے مبارک ہو اور بدن بھی جب ہم مار دیں تو جو چاہو انجام دینا (یعنی فن کر دینا) لیکن حسینؑ کی جہاں تک بات ہے تو اگر انھیں ہم سے کوئی سروکار نہیں تو ہمیں بھی ان سے کوئی واسطہ نہیں (اگر وہ مجھے بھگانے نہیں آرہے تو مجھے بھی انھیں نہیں بھگانا ہے۔)

جناب مسلم کے ساتھ ابن زیاد کا مکالمہ اور شہادت

پھر ابن زیاد نے جناب مسلم سے کہا:

خاموش رہو، اے ابن عقیل تم نے آ کر اس شہر کے لوگوں میں اختلاف پیدا کیا اور انھیں باہم دست و گریباں کر کے دشمن بنادیا۔

جناب مسلم نے جواب دیا:

”میں ہرگز ان کاموں کیلئے یہاں نہیں آیا ہوں، بلکہ اس شہر کے لوگوں نے جب دیکھا کہ تیرے باپ نے ان کے متقی اور پرہیزگار لوگوں کو قتل کر دیا، ان کے خون کو مباح جانا اور ان کی نسبت ایران و روم کے بادشاہوں کی سنت کو زندہ کیا تو ہم ان کو عدل و انصاف دینے آئے، تاکہ کتاب خدا (قرآن) کے حکم پر لوگوں کو دعوت دیں۔“

ابن زیاد نے جناب مسلم کا حقیقت پر مشتمل دندان شکن جواب پا کر (مجبور لوگوں کا راجح طریقہ) خشم و غضب کو اس لئے اختیار کیا کہ کہیں دربار میں موجود لوگ مسلم کی گفتگو سے متاثر نہ ہو جائیں۔ اس نڈر اور حق کے مجاہد کو خاموش کرنے کی ایک راہ جو تہمت و افتراء پڑنی تھی اپناتے ہوئے کہا:

مجھے ان باتوں سے کیا سروکار، جب تم مدینہ میں شراب نوشی کرتے تھے اس وقت عدل و انصاف اور احکام قرآنی کو لوگوں میں کیوں نافذ نہیں کیا؟

جناب مسلم نے (انتہائی تعجب سے) فرمایا:

”میں اور شراب؟ اے ابن زیاد! خدا کی قسم تو نے جھوٹ اور افتراء کا سہارا لیا ہے، کیونکہ میں وہ

۲۹ عربوں کے درمیان ضرب الش راجح ہے: ”ویل لمن کفرہ“ اس پر وائے ہو جس کی نمرود تکفیر کر دے کچھ عمر بن سعد کی خیانت کہاں تک پہنچ چکی تھی کہ عبید اللہ ابن زیاد جیسا خائن، بدکار اور فضول آدمی اسے خائن کہہ رہا ہے۔

نہیں جو تو بتا رہا ہے جبکہ تجھ سے بڑا شراب خور کون ہو سکتا ہے اور تجھ سے بڑا کتا جس نے خون مسلمین سے اپنی زبان ترکی کون ہو سکتا ہے؟ اور خدا نے جن کے خون کو حرام قرار دیا انہی کو قتل کرنے والا تیرے علاوہ کون ہے؟ تو نے بے گناہ افراد کا بدگمانی اور دشمنی کے بل بوتے پر قتل عام کیا اور پھر بھی اس طرح لہو و لعب میں سرگرم ہے کہ گویا وہ بچوں کا کھیل تھا اور تو نے گویا کچھ بھی نہیں کیا۔“

ابن زیاد نے جب دیکھا کہ تہمت و افتراء کے استعمال نے اس کی بات بگاڑ دی تو وہاں حاضر لوگوں کے ذہنوں کو موضوع سے ہٹانے کیلئے کہا:

اے تباہی مچانے والے جس کی تجھے آرزو (یعنی ریاست و سربراہی) تھی وہ خدا نے تجھے اس لئے نہیں دی کہ تو اس کا لائق نہیں تھا۔

جناب مسلم نے فرمایا: اگر ہم اسکے لائق نہیں تو پھر کون لائق ہے؟

ابن زیاد نے کہا: امیر المومنین یزید۔

جناب مسلم نے فرمایا:

”ہر حال میں خدا کا شکر گزار ہوں اور تمہارے اور اپنے درمیان اسی پروردگار کے فیصلے پر راضی ہوں۔“

ابن زیاد حضرت مسلم کے دل میں خوف بٹھانے کیلئے، تاکہ وہ مزید گفتگو سے باز آ جائیں بولا میں نے اگر تجھے قتل نہ کیا تو خدا مجھے عارت کرے اور میں تجھے اس انداز میں قتل کروں گا گویا اسلام میں ایسا کبھی قتل نہ کیا ہوگا۔

جناب مسلم نے فرمایا:

”ہاں تو ایسے ہی کام کا سزاوار ہے کہ اسلام میں اس چیز کو لے کر آئے جواب تک نہ تھی اور بے شک تو ہماری رحمی اور شقاوت کے ساتھ قتل کرنے میں اور ہاتھ پیر کاٹنے میں کسی کو اس وقت نہیں بخشا جب وہ تیرے آگے کامیاب نظر آتا ہے۔“

بس ابن زیاد، مسلم کو خاموش کرنے کے تمام حیلوں اور مکاریوں میں جب ناکام ہوا تو دوسرے سنگروں کی طرح دشنام اور گالی گلوچ پر اتر آیا اور کبھی امام حسین کیلئے، کبھی جناب عقیل اور کبھی مسلم کیلئے بدزبانی سے کام لیا۔

مگر جناب مسلم جو مرتد و تقویٰ اور پرہیزگار انسان تھے اس راہ کو نہیں اپنا سکتے تھے اس پست و بے شرم انسان کے آگے خاموش ہو گئے۔ مگر ابن زیاد نے جب جناب مسلم کو خاموش کرنے میں خود کو کامیاب پایا تو اس

سے پہلے کہ حضرت کی تیز زبان دوبارہ چلے حکم دیا کہ اسے محل کی چھت پر لے جا کر قتل کر دیا جائے اور سرو بدن کو چھت سے نیچے پھینک دیں۔

جناب مسلم نے (اس حال میں کہ انھیں لے جایا جا رہا تھا) فرمایا:
اگر میرے اور تیرے درمیان قربت داری ہوتی تو کبھی ٹو مجھے قتل نہ کرتا۔ جو کتنا یہ تھا اس بات کی جانب کہ تو زنا زادہ ہے۔

ابن زیاد نے محسوس کیا کہ ایک لمحے بھی مسلم کا زندہ رہنا اس کی رسوائی کا باعث بن رہا ہے تو پکار کر کہا:
وہ کہاں ہیں جس کے سر پر مسلم نے تلواریں تھیں۔ مع
بکر بن حمران کو بلایا وہ سامنے آیا تو ابن زیاد نے کہا:

محل کی چھت پر لے جا اور اپنی ضربت کا بدلہ لیتے ہوئے اس کی گردن مار دے۔
اس نے حضرت مسلم کا ہاتھ پکڑا اور لے کر چلا، ادھر جناب مسلم نے تکبیر کی صدا بلند کی اور استغفار کے جملات دہرائے اور رسول خدا پر درود بھیجنے لگے اور فرمایا:

”بارہبا! تو ہی میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر جنھوں نے مجھے فریب دیا اور مجھ سے جھوٹ بولا اور میری نصرت سے منہ موڑا۔“

جناب مسلم کو دارالامارہ کی چھت پر اس مقام پر لے گئے جواب (یعنی شیخ مفید کے زمانے میں) موچیوں کی جگہ ہے اور وہاں سر کو جھکوا کر اسے قلم کر دیا گیا اور سر نیچے پھینک دیا اس کے بعد بدن کو بھی نیچے گرا دیا۔ (اور اس طرح دل خراش اور سفاک انداز میں ان ظالموں نے جناب مسلم کو شہید کر دیا۔)

ہانی بن عروہ کی شہادت

اس حادثے کے بعد محمد بن اشعث نے اٹھ کر ہانی بن عروہ کو آزاد کر دینے کی سفارش کی اسے کہا:
اے ابن زیاد! تو اس شہر میں ہانی کے مقام ورتے کو خوب جانتا ہے اور تو جانتا ہے کہ اس کی شخصیت قوم و ملت میں کیسی ہے؟ اور اس کا قبیلہ بھی یہ جانتا ہے میں ہی اپنے ساتھی (اسماء بن خارجہ) کے ساتھ اسے تیرے پاس لایا ہوں، لہذا تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں اسے میرے حوالے کر دے، کیونکہ مجھ میں ہمت نہیں کہ شہر کے لوگوں اور اس کے قبیلہ والوں کی دشمنی مول لوں۔

ابن زیاد نے پہلے تو بات بظاہر مان لی مگر کچھ ہی دیر بعد اپنے وعدے سے پھرتے ہوئے ہانی کے قتل کا

مع ابن زیاد کی مراد بکر بن حمران تھا جو جناب مسلم سے جنگ کے دوران آپ کی ضربت کا شکار ہوا مگر دستان جنگ سے تو یہی سمجھ میں آتا ہے وہ اس ضربت کی تاب نہ لاتے ہوئے مر گیا تھا یا کم از کم اس کام (قتل جناب مسلم) کے قابل ہرگز نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

مصمم ارادہ کیا، انھیں دربار میں بلا کر ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کا سر بازار میں قلم کر دیا جائے۔ الغرض جناب ہانی کو باہر لایا گیا، تاکہ بازار میں جہاں گوسفندوں اور بھیڑوں کو فروخت کیا جاتا تھا لے جایا جائے جناب ہانی کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے:

اے قبیلہ مذحج والو کہاں ہو؟ آج کیا ندج میرے لیے نہیں رہا؟ کہاں ہے قبیلہ مذحج؟ گویا وہ اس طرح استغاثہ کر رہے تھے مگر جب کوئی مدد کو نہیں آیا تو اپنے ہاتھوں کو جھکادے کر رسن کھول کر پکارنے لگے:

کیا کوئی عصا، پتھر، خنجر یا ہڈی نہیں جس سے انسان اپنا دفاع کر سکے۔ سپاہیوں نے دھاوا بول کر مضبوطی سے باندھ دیا اور ان سے کہا: اے ہانی اپنی گردن جھکاؤ تاکہ گردن مار دی جائے۔

جناب ہانی نے فرمایا:

”میں اپنی جان دینے میں سخاوت سے کام نہیں لوں گا اور نہ ہی اس میں تمہاری مدد کروں گا۔“ تب ابن زیاد کا ترک غلام جس کا نام رشید تھا آگے بڑھا اور ہانی کی گردن پر تلوار کا وار کیا جو بہر حال کارگر نہ ہو سکا، جناب ہانی نے فرمایا:

”اللہ وانا لہ وارجعون اے خدا! میں تیری رحمت اور خوشنودی کی سمت آ رہا ہوں“ اور فوراً دوسرا در چلا جس پر اس عالی مرتبت شخصیت کی روح پر دروازہ کھلی حجة اللہ ورضوانہ علیہ خدا انھیں اور ان کے خاندان کو سچا مسلمان ہونے پر جزاء خیر عطا کرے۔

عبداللہ بن زبیر اسدی یا کسی اور شاعر کے جناب مسلم اور جناب ہانی کے بارے میں یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

فان كنت لاندريـن مالموت فانظري	إلى هاتئـ في السوق وابن عقيل
إلى بطل قدهشم السيف وجه	وآخر يهوى من طمار قتيل
اصابهما أمر الامير فأصبحا	احاديث من يسرى بكل سبيل
تري جسد اقدغير الموت لونه	ونصح دم قدسال كل سبيل
فهي هواحيامن فتاة حية	واقطع من ذي شفرتين صقيل
أيركب أسماء الهماليح أمانا	وقد طلبته مذحج بدحول
يطيّف هو اليه مراد وكلهم	على رقية من سائل ومسول
فان انتم لم تتأروا بانيكم	فكنوا بعايا ارضيت بقليل

”اگر تو نہیں جانتا کہ موت کسے کہتے ہیں تو ہانی اور مسلم بن عقیل کو بازار میں دیکھ، وہ پہلوان جس کے چہرے کو تلوار نے خورد کر دیا اور وہ دوسرا مرنے والا جسے اوپر سے گرا دیا گیا، انھیں حاکم کے حکم سے گرفتار کیا

اور اس طرح ہر مسافر کی زبان پر ان دونوں کی داستان عام ہو گئی۔ (اور ان کا مارا جانا زبان بہ زبان نقل ہونے لگا) اس کئے سر کو دیکھ رہے ہو، موت نے جس کا رنگ بدل ڈالا اور جس کی ناک سے بہنے والا خون جا بجا پڑا ہے۔ اس جوان کو دیکھ رہے ہو جو ایک جوان لڑکی سے زیادہ شرم و حیا کا مالک تھا مگر (شجاعت و دلادری میں) صیقل دی ہوئی تلوار و دھاری سے زیادہ کاٹ رکھتا تھا۔ کیا اسماء (بن خاریجہ جو حانی کو پیش کرنے والوں میں سے تھا) بے خوف و خطر اپنے مرکب پر سوار ہوتا ہے جبکہ قبیلہ مذحج یعنی حانی کے پیرو کار اس سے ہانی کا خون بہا چاہتے ہیں۔ اور قبیلہ مراد کو (جوبانی کے ہم نسل ہیں) دیکھو جو اسماء کے گرد گھوم رہے ہیں تاکہ اس سے پوچھیں یا اسے بتائیں۔ پس اگر تم (اے قبیلہ مذحج و مراد والوں) اپنے بھائی کے خون کا انتقام نہ لے سکو تو اس بدکار عورت کی طرح ہو جاؤ جو تھوڑی ہی قیمت پر راضی ہو جاتی ہے۔“

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:

جب جناب مسلمؒ اور جناب حانیؒ مار دیئے گئے تو عبید اللہ بن زیاد نے دونوں کے سر ہانی بن ابی حبیہ وادعی اور زبیر بن اروح تمیمی کے ذریعے یزید بن معاویہ کو روانہ کیئے اور اپنے کاتب کو حکم دیا کہ ان دونوں کے حالات تحریر کرے، چنانچہ عمرو بن نافع نے بہت ہی مفصل خط یزید کے نام تحریر کیا (یہ پہلا کاتب ہے جو طولانی تحریر لکھا کرتا تھا) جسے دیکھ کر عبید اللہ جھنجھلا اٹھا اور کہا: لکھ میں بتاتا ہوں:

”اما بعد! اس خدا کا شکر بجالاتا ہوں جس نے امیر المؤمنین یزید کا حق محفوظ رکھا اور اس کے دشمن سے خود حساب لیا۔ امیر المؤمنین یزید کا حق محفوظ رکھا اور اس کے دشمن سے خود حساب لیا، امیر المؤمنین کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں مسلم بن عقیل نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر پناہ لی تو میں نے اس پر جاسوس و نگہبان لگا دیئے اور میں نے اپنے خفیہ لوگوں کے ذریعے نقشہ کشی کی تاکہ وہ گھروں سے نکل آئیں اور اس طرح میں ان پر مسلط ہو گیا، لہذا دونوں کے سر حانی بن ابی حبیہ وادعی اور زبیر بن اروح تمیمی کے ذریعے آپ تک بھیج رہا ہوں کیونکہ یہ آنے والے دونوں نیک اور پرہیزگار بھی ہیں اور بہت سی معلومات بھی رکھتے ہیں۔ والسلام۔“

یزید نے جواب میں لکھا:

اما بعد! تو ایسا ہی ہے جیسا میں چاہتا تھا تو نے دورانِ دلش لوگوں کی طرح اقدام کیا اور باہمت شجاعوں پر بے باکانہ حملہ کیا اور ہمیں اپنے دشمن سے بے نیاز کر دیا، میں نے تنہائی میں تیرے بھیجے ہوئے قاصدوں سے سوالات کیے تو معلوم ہوا کہ وہ فکر و فضیلت میں ایسے ہی ہیں جیسا تو نے ان کے بارے میں لکھا تھا۔ پس ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ رکھنا اور مجھے بتایا گیا ہے کہ حسین بن علیؑ سوئے عراق سفر کر رہے ہیں لہذا جاسوس، نگہبان اور مسلح افراد کو آمادہ رکھو، ظن و گمان کے بل بوتے

پر لوگوں کو گرفتار کرو اور تہمت کی بنیاد پر لوگوں کو قتل کر ڈالو۔ یعنی ہماری مخالفت کا جس پر بھی گمان ہو جائے اسے اسیر بنا لو اور جس کو بھی ہماری مخالفت کی نسبت دی جائے اگرچہ تہمت ہی کیوں نہ ہو اسے قتل کرو اور جو بات بھی ہو اس سے مجھے ضرور آگاہ رکھو۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ [نقل از کتاب الوافی المسئلة الشریع ج ۳ ص ۳۳]
- ۲۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۵]
- ۳۔ [ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۳۳ تاریخ طبری (طبع مصر ۱۳۵۸) ج ۲ ص ۲۶۲، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۱]
- ۴۔ [قاموس الرجال ج ۸ ص ۲۸۳]
- ۵۔ [معارف ابن قتیبہ، ص ۲۰۴]
- ۶۔ [تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸]
- ۷۔ [معجم البلدان ج ۲ ص ۳۳۳]
- ۸۔ [انساب الاشراف پہلی حصہ ج ۱]
- ۹۔ [ارشاد مفید ج ۲ ص ۳۸، تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲، الاصابہ ج ۱ ص ۳۲۲، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳۹]
- ۱۰۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۶]
- ۱۱۔ [الوختف (طبع قم) ص ۱۰۰ تاریخ طبری ج ۲ ص ۶۴]
- ۱۲۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۷]
- ۱۳۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۳۷]
- ۱۴۔ [مروج الذهب ج ۲ ص ۸۶، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳۹]
- ۱۵۔ [کامل التواریخ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲]
- ۱۶۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۶۰]
- ۱۷۔ [ترجمہ مقاتل الطالبین، مؤلف خذاکا، ص ۹۴]
- ۱۸۔ [حیاء الامام الحسین ج ۲ ص ۳۶۱]
- ۱۹۔ [ترجمہ مقاتل الطالبین، مؤلف خذاکا، ص ۹۶، ۹۷، ۹۸، وقعت الطف ابوختف ص ۱۱۳]
- ۲۰۔ [نفس المکھوم ص ۵۱]
- ۲۱۔ [ارشاد مترجم ج ۲ ص ۶۴]
- ۲۲۔ [معجم الامثال ج ۱ ص ۲۳]
- ۲۳۔ [یہ شعر عمرو بن معدیکرب کا جسے عرب لوگ ضرب المثل کے عنوان سے پڑھتے ہیں اور یہ بھی مجمع الامثال میں ذکر ہوا ہے۔]
- ۲۴۔ [ترجمہ مقاتل الطالبین، مؤلف خذاکا، ص ۹۹، ۱۰۰]
- ۲۵۔ [ابن قتیبہ کی الاملۃ والسیاسة میں اور شیخ حرعالمی کی الدر المنسلوک میں نقل ہوا ہے۔]
- ۲۶۔ [اعثم کوفی کی کتاب تاریخ سے نقل]

کوفہ اور اس شہر کے لوگوں کے حالات مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد

مسلم اور ہانی کی شہادت کے بعد

حضرت مسلم اور جناب ہانی کی شہادت کے بعد گزشتہ حصے میں جناب مسلم اور جناب ہانی کی غم انگیز شہادت کا تذکرہ ہوا جو اس زمانے کے نابکار انسان یعنی ابن مرجانہ کے ہاتھوں انجام پائی۔ اس طرح تحریر کیا ہے کہ ابن زیاد نے فریب اور مکاری کی سیاست سے تاریخ اسلام کی بزرگ شخصیات کو گرفتار کر کے انھیں اپنے ظالم جلا دوں کے سپرد کیا اور انھیں رقت آمیز طریقوں سے شہید کر ڈالا اور اب اس حادثے کے بعد رونما ہونے والے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

جناب مسلم و ہانی کے مطہر سروں کی شام روانگی

جناب مسلم اور جناب ہانی کی شہادت کے بعد عبید اللہ نے حکم دیا کہ ان دونوں کے (مطہر) اجساد کو کوفہ کے پچاسی گھاٹ پر الٹا لٹکا دیا جائے جبکہ ان کے سروں کو اپنے امیر یعنی یزید کے لیے ہانی بن ابی حبیہ داعی اور زبیر بن اروح کے ذریعے شام روانہ کر دیا اور یزید کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

”مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر چھپے ہوئے تھے میں حیلہ و نیرنگی کے راستے اپنے جاسوس کے توسط سے انھیں جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، چنانچہ ان دونوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا ہے اور اب آپ کیلئے ان کے سروں کو ان دو افراد کے توسط سے روانہ کر رہا ہوں البتہ اگر آپ تفصیل جانا چاہیں تو ان آنے والوں سے دریافت کر سکتے ہیں۔“ ۱

۱ تاریخ طبری ج ۴، واللہ اعلم ان مقدس سروں کے ساتھ کیا ہوا کیونکہ تاریخ میں فقط یہ گوشہ نظر آتا ہے کہ ۲۰۲ھ ق میں قندھار کے مینار یا خراسان کے کسی شہر میں کثیر سرکہ جن کی تعداد ایک ہزار تیرہ پانچ ہزار لکھی گئی ہے کشف ہوئے، چنانچہ آتیس یا ایک ہزار سروں پر (ہر ایک پر) کرشم کے ڈور سے ایک رقعہ جس پر صاحب سر کا نام لکھا تھا پایا گیا، چنانچہ ان میں سے ایک رقعہ پر ہانی بن عروہ کا نام تحریر تھا۔ نقل از حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۲۱۴۔

یزید بن معاویہ نے بھی توقع کے مطابق اس سفاک کارنامے پر تشکر آمیز جواب روانہ کیا جس کے آخر میں تحریر تھا:

”مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ حسین بن علی عراق آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہذا تجھے اپنے نگہبان اور جاسوس تعین کرنا ہوں گے تاکہ مکمل طور پر حالات سے آگاہی رہے اور جن لوگوں پر فقط گمان بھی ہو یا تہمت لگے انہیں گرفتار کیا جائے اور ہردن کی رپورٹ چاہے اچھی ہو یا بُری مجھے ارسال کی جائے۔“ ۲

کوفہ میں شدید دہشت خوف و ہراس کا عالم

ہر طرح کا ظلم و تشدد، بے جا رعب و وحشت اور ظلم و تجاوز ابن زیاد کے ذاتی صفات میں سے تھے جس پر کوفہ و بصرہ کی وہ تاریخ گواہ ہے جس میں اس کے اور اس کے باپ کے کارنامے محفوظ ہیں اس پر یزید کا یہ ظالمانہ دستور اسے ڈکٹیز اور مطلق العنان بناتا چلا گیا۔

پہلا حکم یہ دیا کہ تمام شاہراہیں جو عراق کے شہروں خاص طور پر کوفہ پر منتہی ہوتی ہیں اس طرح زیر نظر رکھی جائیں کوئی بغیر تحقیق و جانچ پر تال کے داخل یا خارج نہ ہو۔ ابن زیاد نے اس حکم کے عذر آمد کی ذمہ داری حصین بن نمیر کے سپرد کی جو خود اس طرح کے تند و درشت کاموں میں تجربہ کار تھا۔ اسی کو ابن زیاد نے جناب مسلم کی شہادت کی شب کوفہ والوں پر مسلط کیا، اسی نے قاصد امام حسین قیس بن مسہر صیداوی کو گرفتار کر کے اپنے سردار ابن زیاد کے حوالے کیا اور یہی وہ ظالم تھا جس نے مکتہ المکرمہ کا محاصرہ کیا اور عبداللہ بن زبیر سے جنگ کے دوران جب وہ بیت اللہ میں ہڑتال کیے بیٹھا تو حکم دیا کہ وہ ابوقیس پر متغیظ نصب کی جائے کہ جس کے ذریعے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی جاسکے پھر بیت اللہ حرام کو جلانے اور اسے تاراج کرنے کا حکم اسی ظالم نے دیا (البتہ اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کی جائے گی) شاعر اس بارے میں کہتا ہے:

قد احرق المقام والمصلیٰ

وابن نمیر بنس ماتولی

۳

سے ابن نمیر کشتار اسلام لار تھا جس نے مقام مصلیٰ کو جلا دیا۔ کچھ اہل تاریخ نے اس واقعے کو بھی لکھا ہے کہ ایک روز امیر المؤمنین منبر پر رونق افروز ہو کر فرما رہے تھے سلونی سلونی قبل ان تغفقدونی... (پوچھ لو پوچھ لو اس سے پہلے کہ میں تمہارے درمیان نہ رہوں) تو تمسخر اڑاتے ہوئے ایک شخص نے کہا تھا: بتائیے میرے سروریش میں کتنے بال ہیں؟ تو حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا: میرے دوست و حبیب رسول خدا نے مجھے تیرے اس سوال کے بارے میں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا تیرے سر کے ہر بال کی بزمیں ایک فرشتہ بیٹھا ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور دلش کے بال پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو تجھ راہ راست سے منحرف کرتا رہتا ہے۔ بے شک تیرے گھر میں ایک پہاڑی بکرا ہے جو

حسین بن نمیر نے دستور دے کر اپنے تازہ دم دستے قادسیہ، خفان، قطقطانیہ اور کوہ لعل کے علاوہ عراق کی مشہور اور بڑی شاہراہوں کیلئے روانہ کر دیئے جنہوں نے تمام مقامات کو باریک بینی کے ساتھ اپنے کنٹرول میں لے لیا چنانچہ عراق کا پورا مواصلاتی راہیں زیر نظر لے لیا گیا۔

بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اور شیعوں سے زندانوں کا پُر ہونا چنانچہ بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد نے حکم صادر کیا کہ علی کے شیعوں اور خاندان رسول اللہ کے افراد کو ہر جگہ اور ہر جوار سے گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا جائے۔ اس طریقہ سے بارہ ہزار افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں سلیمان بن صرد خزاعی، مختار ثقفی اور تقریباً چار سو بزرگان شیعہ اور دوستدارانِ اولاد علی تھے۔ ۲۲

ابن زیاد کو فہ والوں پر کیسے مسلط ہوا؟

تاریخ کر بلا یعنی مکہ سے عراق کی جانب امام حسینؑ کا سفر اور اس میں پیش آنے والے واقعات کو مزید جاننے سے پہلے یہ جاننا مناسب ہوگا کہ آخر وہ کیا اسباب تھے کہ ابن زیاد شہر کوفہ پر خوف و ہراس کی حکمرانی قائم کرنے میں کامیاب ہوا؟ اور ایسے عظیم اور مستحکم انقلاب کو سرکوب کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ جس میں تیس ہزار افراد نے جناب مسلم کے ہاتھوں بیعت کی تھی اور تحریک کوفہ کے قائد جناب مسلم بن عقیل اور اسی طرح وہاں کے سیاسی، مذہبی، فلاحی اور معاشرتی عالی شخصیت حسانی بن عروہ کو گرفتار کر کے دن دھارے قتل کروادیا اور دیگر باقی رہ جانے والی شخصیات کو بھی اسیر بنا ڈالا۔ بہر حال اسی طرح کے دوسرے مشکل کام انجام دینے میں وہ کامیاب تھا؟ حاکمیت اور قدرت کے علل و اسباب جہاں اس گروہ کو جوسالوں سے پڑھنے اور سننے والوں کے ذہنوں کو پریشان کیے ہوئے ہیں کھولیں گے وہاں یہ بہت سے تاریخی مسائل کا حل بھی پیش کریں گے اور شاید اہل کوفہ کیلئے جو بے وفائی کے الزام میں متہم ہیں دفاعی کام بھی انجام دیں۔ البتہ اہل کوفہ کا دفاع ان علل و اسباب سے اسی صورت میں ممکن ہوگا جب یہ اتہام و انزام حقیقت سے خالی ہو اور ان کی بے وفائی پر مستند و معتبر روایات بھی نہ ہوں۔ بہر کیف ہم یہاں تاریخی کتب سے وہ دلائل و اسباب تلاش کر کے پیش کر رہے ہیں جن کا تاریخ کر بلا پڑھتے وقت جاننا ضروری ہے۔

فرزند رسول کو شہید کرے گا (میرے قول کی) صداقت کی علامت یہ خبر ہے جو میں نے تجھے دی اور تیرے سوال کا اثبات دشوار نہ ہوتا تو وہ بھی کر دھاتا، لیکن یہی سچ ہے، جو تجھے میں نے بتا دیا ہے یہ سوال کرنے والا حسین کا باپ نمیر تھا اور حسین ان دنوں پیر چلنا سیکھ رہا تھا۔

مع الامام حسین بن علی، باقر شریف ج ۲ ص ۱۶ نقل از کتاب المختار مرآۃ العصر الاموی، ہمیں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بہت سے بزرگان دین مثلاً سلیمان بن صرد خزاعی کر بلا کے معرکے میں کیوں شریک نہیں تھے۔

الف۔ دشمن کی دھوکہ دہی اور فریب کاری

روایات میں ملتا ہے رسول اللہؐ نے فرمایا:

المؤمن غر کریم والمنافق خب لئیم یعنی مومن غر کریم ہے اور منافق یا فاجر خب لئیم غر کریم ہے اور خب لئیم کے مختلف معنی احادیث کی شرح کرنے والے علماء کرام نے بیان کیے ہیں۔ دراصل غر کے معنی لغت میں سادگی، پاک دلی، خوش دہنی اور دھوکہ دہی اور ہیرا پچھیری کے کاموں سے بے اعتنائی ملتا ہے جبکہ خب بالکل اس کے برعکس دھوکہ دہی، حیلہ گری، فریب کاری اور شیطنت کے معنی میں وارد ہوا ہے۔
النبیاء میں ابن کثیر کہتے ہیں:

”حدیث کے معنی اس طرح ہیں کہ مومن، کیونکہ خود سازی اور اصلاح نفس، آخرت اور معاد کا توشہ جمع کرنے اور دنیا سے زہد و بے اعتنائی میں مصروف ہوتا ہے، لہذا وہ فریب و دھوکہ دہی سے دور ہوتا ہے چنانچہ شاید وہ پاک دلی اور خوش ذہن ہوتے ہوئے دوسروں پر حسن ظن رکھتا ہے، لہذا بعض اوقات دشمن کے مکر و فریب کا شکار بھی ہو جاتا ہے اور اگر مکر و فریب اور تدویر پر متوجہ بھی ہو جائے تو اس کی شرافت نفس اور دین و خدا پر ایمان کی وجہ سے وہ کبھی اس بات پر تیار نہیں ہوتا کہ برائی کا جواب برائی سے اور فریب کا بدلہ فریب سے دے، چنانچہ بے ایمانی اور بے حیائی کیلئے میدان چھوڑ کر دشمن کے حوالے کر دیتا ہے وہ اپنی شرافت، خدا کے حضور عزت اور ایمانی و انسانی شخصیت کو چند روزہ دنیاوی زندگی کے عوض فروخت نہیں کرتا، بلکہ پیش آنے والے حادثات کو برداشت کر کے ہمت و بہادری کا ثبوت دیتا ہے۔

اس کا مد مقابل منافق اور فاجر ہے جو فریب کار، خیانت پیشہ، پست اور بے ضمیر ہوتا ہے جو ہمیشہ نیرنگی فریب کاری اور لوگوں خاص طور پر اپنے رقیب کے ساتھ دھوکہ دہی کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ ہر قیمت پر اپنے مادی اہداف کا حصول چاہتا ہے چاہے اسے ذلت، پستی جھوٹ، دھوکہ، فریب اور خیانت وغیرہ جیسے کسی بھی وسیلے کا استعمال میں لانا پڑے۔“

بعض اہل علم نے ”بلہ“ کو جو روایات میں اکثر آیا ہے، اکابر اہل الجنة البلاء اسی معنی پر حمل کیا ہے جس کی تشریح اپنی جگہ کی جائے گی یہ مقام اس کے بیان کا نہیں۔

یہ وہی کیفیت ہے جسے امیر المؤمنینؑ نے معاویہ اور اس کے ساتھیوں کیلئے جب آپؐ کے بعض اصحاب نے معاویہ کو سیاست میں مگر حضرت کو سیاست سے دور متہم کیا تھا، فرمایا:

والله فمعاویة بأذنی منی ولکنه بغد و یغفر ولولا کبر اھیۃ الغدر لکن من اذھنی الناس ولکن کل غدرۃ فجرة وکل فجرة کفرة ولکل غادر لواء یعرفہ یوم القیامۃ، واللہ ما استغفل بالمکیدۃ

وَلَا اسْتَغْمُؤُا بِالشَّدِيدَةِ.

”قسم بخدا معاویہ مجھ سے زیادہ زریک اور سمجھ دار نہیں ہے، بلکہ وہ خیانت کر کے گناہ کماتا ہے اور اگر خیانت مذموم نہ ہوتی تو میں تمام لوگوں سے زیادہ چالاک تھا، لیکن ہر خیانت گناہ ہے اور ہر گناہ (خدا کی) نافرمانی ہے اور روز قیامت ہر خیانت کار کیلئے ایک علامت ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا، قسم بخدا مجھ (علی) کو مکر و فریب کے وسیلے سے غافل گیر نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی میں سختیوں سے عاجز آسکتا ہوں۔“ ۲

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاُولَآءِ يَمْكُرُوْنَ بِي وَيَعْلَمُوْنَ اَنِّي بِمَكْرِهِمْ عَالِمٌ ذَا عُرْفٍ مِنْهُمْ بِوُجُوهِ الْمَكْرِ، وَلَكِنِّي اَعْلَمُ اَنَّ الْمَكْرَ وَالْخَدِيْعَةَ فِي النَّارِ فَاصْبِرْ عَلٰى مَكْرِهِمْ وَلَا اَزْكِبْ مَثَل مَا ارْتَكَبُوا

”وائے ہوان! پر کہ جنھوں نے میرے ساتھ مکر کیا جبکہ وہ جانتے ہیں کہ میں ان کے مکر و فریب سے آگاہ ہوں اور ان کے مکر کے راستوں سے بھی آشا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ مکر و نیرنگ آتش و دوزخ ہے، چنانچہ اسی لئے ان کے مکر پر صبر کرتا ہوں کیونکہ جو کام یہ کرتے ہیں وہ میں نہیں کر سکتا۔“ ۳

اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرمایا:

لَوْلَا اَنَّنِ الْمَكْرُ وَالْخَدَاعُ فِي النَّارِ لَكُنْتُ اَمْكُرُ النَّاسِ

”اگر مکر و دھوکہ دوزخ میں نہ ہوتا تو مجھ سے بڑا کوئی مکار نہ پایا جاتا۔“

اسے فارسی زبان کے شاعر نے نظم کیا ہے۔

حریفم ز بوست دوران نبودی

اگر پای بند من ایمان نبودی

سمند حریفان بجولان نبودی

نبودی اگر پای در بند فرمان

”اگر میں ایمان کا پابند نہ ہوتا تو کبھی میرا دشمن مجھے زیر نہ کر پاتا اور اگر میں فرمان الہی کا پابند نہ ہوتا تو کبھی میرا دشمن کامیاب نہ ہوتا۔“

بحار الانوار میں امالی شیخ صدوق سے جلد بن سخم کی مستند روایات سے نقل کی ہے:

جب لوگوں نے امیر المومنین سے بیعت کر لی تو حضرت کو خبر دی گئی کہ معاویہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر علیؑ بھی عثمانؓ کی طرح اسے حکومت شام پر باقی رکھیں تو بیعت کروں گا۔ تو مغیرہ نے امیر المومنین سے آکر کہا:

اے امیر المومنین! آپ معاویہ کو بہتر جانتے ہیں اور آپ سے پہلے آنے والے خلفاء نے بھی اسے حکومت شام پر منصوب رکھا، چنانچہ جب تک آپ کی حکومت مستحکم ہو اسے وہاں کی حکمرانی

کرنے دیں اور بعد میں اگر چاہیں تو عزل کر دیجئے گا۔

امیر المومنین نے پوچھا:

کیا نصب سے عزل تک میری زندگی کی ضمانت لیتے ہو کہ میں اس وقت زندہ رہوں گا؟
مغیرہ نے کہا: نہیں۔

امام نے فرمایا:

”میں ہرگز خدا کے حضور کسی بھی دو مسلمانوں پر اس کی حکومت میں آنے والی شب تاریک کا جواب نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں گمراہوں کو اپنا دست و بازو بنا سکتا ہوں ﴿وَمَا كُنْتَ مُتَبَعًا الْمُضِلِّينَ عَصَا﴾ البتہ کوئی جائے اور اسے اس کے حق کی دعوت دے جس کی میں پیروی کرتا ہوں اور اگر اس نے قبول کیا تو وہ بھی دیگر مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوگا جو تمام مسلمین کے سوز و زیاں میں برابر کا شریک ہے اور اگر اس نے قبول نہ کیا تو میں فیصلے کیلئے اسے بارگاہ ایزدی میں لے جاؤں گا۔“

مغیرہ حضرت کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا اور کہا:

فیصلے کیلئے خدا کے پاس (حق) لے جائیں (یعنی وہ بیعت کرنے والا نہیں) پھر اس بارے میں چند اشعار

پڑھئے گا۔ ۵

نخ الباطنہ میں ہے جب حضرت کی جانب سے بیت المال کی تقسیم مہاجر و انصار میں بغیر کسی سیاسی قوی اور دیگر ملاحظات کے انجام دی گئی تو اعتراضات کی بھرمار ہونے لگی تب حضرت نے فرمایا:

أَتَأْمُرُونِي أَنْ أَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجُورِ فِيمَنْ وَلِيَتْ عَلَيْهِ وَاللَّهُ لَا أَطُورُ بِهِ مَا سَمِعَ بِسَرٍّ وَمَا مَنَّ نَجْمٌ فِي السَّمَاءِ نَجْمًا، وَلَوْ كَانَ الْمَالُ لِي لَسَوَيْتُ بَيْنَهُمْ فَكَيْفَ وَأَمَّا الْمَالُ مَا لِلَّهِ إِنَّهُ قَالَ عَلِيٌّ: الْأَوْثَانُ إِعْظَاءُ الْمَالِ فِي غَيْرِ حَقِّهِ تَبْدِيرٌ وَاسْرَافٌ، وَهُوَ يَرْفَعُ صَانِحَهُ فِي الدُّنْيَا وَيَضَعُهُ فِي الْآخِرَةِ، وَيُكْرِمُهُ فِي النَّاسِ، وَيُهِنُّهُ عِنْدَ اللَّهِ، وَلَمْ يَضَعْ أَمْرًا وَمَالَهُ فِي غَيْرِ حَقِّهِ وَعِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ الْأَخْرَمَةُ اللَّهُ شُكْرُهُمْ، وَكَانَ لِيغَيْرِهِ وَذُهُمُ، فَإِنْ زُلْجَ بِهِ التُّغْلُ يَوْمًا فَاسْتَجِاجْ إِلَى مَعُونَتِهِمْ فَشَرُّ خَلِيلٍ وَالْأُمُ خَلِيلٍ

”کیا تم مجھے سکھاؤ گے کہ جن پر حکومت کرتا ہوں ان سے ظلم و ستم کے ذریعے مدد طلب کروں؟ اور سنت پیغمبر کو چھوڑ کر اپنے ماتحتوں پر ظلم روا رکھوں جو خشم پروردگار کا سبب بنے؟ خدا کی قسم اس وقت ایسا نہیں کروں گا جب تک یہ شب و روز باقی ہیں اور ایک ستارہ (قوت جاذبہ کے تحت) دوسرے ستارے کا قصد کرتا رہے گا۔ اگر بیت المال میرا ہوتا میں تب بھی اسے مساوی تقسیم کرتا، حالانکہ یہ مال خدا ہے پھر بھلا کیسے امتیاز برت سکتا ہوں جبکہ غریب و نادار لوگ اس کے سہارے گزرا کرتے ہیں۔“

پھر حضرت نے مستحقین کیلئے فرمایا: جب بیت المال کا استعمال غیر مستحقین کے درمیان ہوگا تو اس کے کیا کیا نقصانات ہوں گے؟ اے لوگو! جان لو کہ غیر مستحقین کو مال بخشنا ناروا، فضول خرچی اور اسراف ہے۔ غیر مستحق کو مال دینا اس کے دینے والے کو (ظاہری طور پر) بلند تو کرے گا (کیونکہ لینے والا اس کے سامنے خوشامد کیلئے خود کو چھوٹا ظاہر کر کے ٹھک کر مال کو لیتا ہے) مگر آخرت اسے گرا دے گا (کیونکہ خدا کے اس نے ہمیشہ عذاب میں دہن کا سامان کیا ہے) یہ لوگوں میں عزت دار مگر خدا کے نزدیک ذلیل و پست بنا دے گا (کیونکہ نزدیک وہ ارجمند ہے جو اسکے دستور پر عمل کرے) جس کسی نے اپنے مال کو بے جا استعمال کیا یا مستحق تک نہیں پہنچایا مگر یہ کہ خدا نے اسے ان کی سپاس گزاری سے بھی محروم رکھا حتیٰ ان کی دوزخ اس کے غیروں سے ہوئی۔ چنانچہ اگر اسکے رزق کا پیر پھسل گیا (یعنی اگر اسے برے دن دیکھنا پڑے) اس طرح کہ ان کی مدد و شراکت کی ضرورت محسوس کرے تو انھیں بدترین ساتھی اور مذمت کرنے والا پائے گا۔“ ۹

آئیے مولا امیر المومنین علیؑ کے اس فرمان کی تشریح اہل سنت کے ایک مشہور دانشور کی زبانی سنتے ہیں:

ابن ابی الحدید کیج البلاغہ کی تشریح کرتے ہوئے جب اس سخن پر اللہ صامعاً و بیداراً منیٰ پہنچے تو فرماتے ہیں:

”ایک گروہ امیر المومنین کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے:

عمر بن خطاب امیر المومنین سے زیادہ سیاستدان تھے اگرچہ علیؑ ان سے زیادہ عالم و دانشور تھے اور شیخ الرئیس بوعلی سینا نے اپنی کتاب شفاء میں اس بات کی تشریح کی ہے اور ہمارے استاد ابو الحسن بھی اسی سوچ کی طرف تمایل رکھتے ہیں، لہذا انھوں نے اپنی کتاب غرر میں اشارہ کیا ہے۔ اور حضرت کے دشمنوں اور مبغضوں نے بھی یہی نظریہ قائم کیا ہے کہ معاویہ ان سے زیادہ سیاستدان اور مدبر تھا۔ ابن ابی الحدید (اس تمہید کے بعد) بعنوان جواب یہ دیتا ہے:

جان لینا چاہیے کہ سیاستدان کبھی بھی مکمل سیاست کا استعمال نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اپنی شخصی و ذاتی رائے کو دخل نہ دے اور امور کو اپنی صوابدید پر چلاتا ہو چاہے وہ (اس کی رائے) اسلامی شریعت کے موافق ہو یا مخالف اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو بعید ہے کہ اس کے کام کسی مشکل و شائل کو اختیار کر سکیں گے اور وہ اپنے اہداف میں کامیاب ہو پائے۔

امیر المومنینؑ ایسی شخصیت کا نام ہے جو شریعت کے حدود کے پابند تھے اور خود کو اسلامی دستورات کی پیروی سے پیوستہ اور ملحق جانتے تھے اور ہر اس شے کا ترک کرنا لازم جانتے تھے جو شریعت اسلام سے ہم آہنگ نہ ہو یا ذاتی و شخصی رائے سے سرچشمہ لیتی ہو لہذا خلافت میں ان کا طریقہ

کاران دیگر خلفاء سے مختلف تھا جن کے نزدیک شریعت کی پیروی لازمی امر نہیں تھا، ابن ابی الحدید مزید فرماتے ہیں:

ہم یہاں جناب عمر بن خطاب پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہتے، لیکن عمرؓ بن خطاب بھی اجتہاد کرتے تھے اور ان تمام دستورات اسلامی کے مقابل استحسان و قیاس سے کام لیتے تھے اور اصطلاحی طور پر کہا جائے تو وہ اپنی ذاتی اور شخصی رائے کے ذریعے عمومیات کو تخصیص لگاتے تھے لہذا اسی بنیاد پر دشمنوں کو دھوکہ دیتے تھے، اپنے والیوں کو نیرنگی، دورروئی اور حیلہ گری کا دستور دیتے اور بغیر یقین حاصل کیے لوگوں کو فقط گمان کی بنیاد پر مستحق تادیب (یعنی تازیانوں اور کوزوں سے سزا دینا) قرار دیتے تھے اور وہ لوگ جو مجرم ہونے کی وجہ سے تازیانوں کے مستحق ہوتے ان سے چشم پوشی کرتے ہوئے فرماتے انھیں سزا دینے میں مصلحت نہیں ہے۔ بہر حال ان تمام کاموں کو اجتہاد اور اپنی نظر یہ کا تقاضا قرار دیتے تھے، لیکن امیر المومنین علیؓ ایسے نہیں تھے وہ نصوص (اور شرعی دلیلوں) کے مقابل کوئی عمل انجام نہیں دیتے تھے، بلکہ اجتہاد اور قیاس پر عمل نہ کرتے ہوئے توقف فرماتے۔ وہ ایسے تھے جو دنیاوی امور کی دین سے مطابقت تلاش کرتے تھے (اور ایسا نہیں تھا کہ وہ دینی امور کو دنیاوی دستورات پر مطابق دینے) اور وہ تمام (کاموں) کو ایک ہی راہ (راہ دین) سے گزارتے تھے اور کسی کو کتاب و سنت اور اسلام کے میزان سے ہٹ کر عزل و نصب نہیں فرماتے تھے۔

لہذا خلافت و سیاست میں ان دونوں کا طریقہ عمل علیحدہ علیحدہ تھا۔ اسکے علاوہ حضرت عمرؓ اپنے کاموں میں سخت و تند تھے، جبکہ حضرت علیؓ علم، عفو اور درگزر سے زیادہ کام لیتے تھے (شاید) اسی لیے عمرؓ کا اخلاق ان کی قدرت و خلافت کو بڑھاتا رہا جبکہ حضرت علیؓ کی نرمی ان کی نرمی خلافت کو بڑھاتی رہی۔

ابن ابی الحدید سیاست معاویہ پر چند صفحات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

علیؓ کے دشمنوں کا بیان ہے معاویہ زیادہ سیاست جانتا تھا وہ اس بات کا جواب اپنے استاد ابو عثمان کی زبانی یوں دیتے ہیں:

اور بعض لوگ تو خود کو عالم، عقل مند و افہم و ادراک کے اعلیٰ منازل پر فرض کرتے ہیں، جبکہ وہ عام آدمی ہیں اور خود کو خاص تصور کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ سمجھا ہے کہ معاویہ اپنے کاموں میں دقیق و منظم تھا اور اس کا ذہن دور اندیش اور صائب تھا یعنی وہ علیؓ سے زیادہ ہوشیار تھا اور حالیکہ اس طرح کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ اپنے مدعی کو ثابت کرنے کیلئے ایک موضوع کی جانب اشارہ کروں گا تا آپ (قارئین) پر روشن ہو جائے اس نظریے کے حامل افراد خطا کار ہیں۔ اور یہ کہ علیؓ اپنے جنگوں

میں قرآن و سنت (اور اسلامی تعلیمات کے) مطابق عمل کرتے تھے جبکہ معاویہ کسی قید و بند کا پابند نہیں تھا اور (حتیٰ) قرآن و سنت کے خلاف عمل پیرا ہوتا تھا اور وہ اپنے تمام خاکوں کو جیلوں، بہانوں چاہے وہ حرام ہوں یا حلال کے ذریعے استعمال کرتا تھا اور جنگوں میں اس کی رفتار ایران و چین کے بادشاہوں کے ساتھ ہندوستان کے بادشاہوں کے طرح ہوتی تھی، لیکن علیؑ ایسے نہیں تھے وہ کہا کرتے تھے:

لَا تَبْدُوْا هُمْ بِالْقِتَالِ، وَلَا تَجْعَلُوْا غُلٰی خَرِيْجٍ وَلَا تَفْتَحُوْا اَبَابًا مُّغْلَقًا
”دشمن سے جنگ کرتے وقت کبھی پہل نہ کرو اور جو میدان قتال سے بھاگنے لگے کبھی اس کا پیچھا نہ کرو، زخمیوں کو مت مارو اور اپنے ہندو روازے (خواب گاہ) مت کھولو۔

وہ علیؑ اس اصول پر ہر جگہ عمل کرتے اور سب کے ساتھ ایک سار رہتا رہتے تھے، جبکہ دوسرے ایسے نہیں تھے۔ وہ اپنی پیش رفت کیلئے کسی بھی کام سے دریغ نہیں کرتے تھے حتیٰ اگر ضروری جانا تو سوئے ہوئے دشمن پر بھی تیروں کی بارش دیتے تھے اور اسی طرح غرق کرنے سے زیادہ جلا دنیا کار گر بھتی تو جلا دیتے تھے۔ اگر ویران کرنے سے مقصد کا حصول ممکن ہوتا تو خود فصل کاٹنے کی زحمت نہ دیتے، زہر سے قتل کرنا، دشمن کے لشکر میں جھوٹ، غلط بیانیوں اور افتراء پر دازیوں کے ذریعے انتشار پھیلانا ان کا معمولی کام تھا جو بھی قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارتا ہو وہ خود کو کسی بھی دوسری تدبیر سے دور رکھتا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہوتی وہ فقط ایک ہی طریق (قرآن و سنت) کا راہی ہوتا ہے۔ البتہ یہ بھی واضح ہے کہ جھوٹ سچ سے اور حرام کی راہیں حلال سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر انسان کو انسان کہا جائے تو یہ سچ ہے اور اگر اسے غیر انسان مثلاً شیطان، کتا، گدھا، بھیر اور اونٹ وغیرہ کہا جائے تو جھوٹ ہے۔ چنانچہ اطاعت و کفر، اطاعت و معصیت، حق و باطل، بیماری و صحت اور صحیح و غلط بھی اسی طرح ہیں۔ علیؑ ایسے شخص کا نام ہے جس نے اپنے دہن مبارک کو تقویٰ اور پرہیز گاری کے ذریعے ہر طرح کی گفتگو سے بند کر رکھا تھا وہ فقط رضائے پروردگار اور اس کی خوشنودی کی خاطر زبان کھولتا تھا وہ اپنی مرضی خدا کی مرضی میں تلاش کرتا تھا اور خدا کی مرضی کو قرآن و سنت میں تلاش کرتا تھا وہ مکاروں، دھوکہ بازوں اور فریب کاروں والا طریقہ اختیار نہیں کرتا تھا۔

تنگ نظر اور سطحی سوچ رکھنے والا انسان جب مکاری، دھوکہ بازی اور فریبانہ سیاست میں معاویہ کو کامیاب پاتا ہے اور علیؑ کو ایسی سیاست سے دور دیکھتا ہے تو اپنی قاصر عقل اور ناقص فہم سے فیصلہ کر بیٹھتا ہے کہ معاویہ تدبیر و دراندیشی میں علیؑ پر ترجیح رکھتا ہے۔ ۱۰

یہ تھا اہل سنت کے ایک معروف عالم دین کا تجزیہ جو ہمیں حضرت کے قول کی مزید تشریح سے بے نیاز کر دیتا ہے اور حق تو یہ ہے اس عالم دین کی تشریح ایسی حقیقت پسندانہ تھی کہ جو شاید ہم بیان نہ کر پاتے۔ بنابر ایس مکتب علی کے پروردہ دیگر مردان خدا مثلاً امام حسین جیسے افراد اپنے امور کی انجام دہی میں معیار اور حد کے قائل تھے کہ جس سے آگے وہ ایک قدم بھی نہیں بڑھاتے تھے۔ گویا وہ اپنی شرافت اور ایمانی و انسانی شخصیت کو اس راہ پر فردا کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ ادھر آپ کا دشمن اسکے برخلاف تھا۔ ان کی واضح مثال جناب مسلم کے حالات میں دیکھی جاسکتی ہیں جب حضرت مسلم کو ہانی بن عروہ کے گھر ابن زیاد کے قتل کی پیشکش کی گئی تو (بظاہر بہترین موقع ہونے کے باوجود) انکار کر دیا اور فرمایا: رسول اللہ نے فرمایا:

الایمان قیلہ لفلک ”ایمان دھوکہ دہی اور غافل گیر کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔“

لیکن عبید اللہ ابن زیاد اور اسکے معاویہ و یزید جیسے سردار، اسلام کے ان اقدار سے دور تھے وہ اپنے مادی، دنیاوی اور شہوانی اہداف تک رسائی کیلئے کسی بھی حرکت سے دریغ نہیں کرتے تھے، چاہے وہ شریعت کے مطابق ہو یا نہ ہو اور ہدف تک رسائی میں انسانیت، شرف، دین، ایمان اور دیگر تمام فضائل و کمالات سرکوب کرتے ہوں یا نہیں ان کا تو فقط ایک ہی غم تھا کس طرح دل کی خواہشیں پوری ہو جائیں اور بس۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اللَّهُ هَوَاهُ وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ عَنَابًا ۚ فَمَنْ يُهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ”کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے، اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے۔“ (جاثیہ ۲۳)

اہل کوفہ کی سستی نفسیات و دروئی، دنیا پرستی اور ان میں سے اکثر کی بے وفائی جناب مسلم کی مظلومانہ شہادت اور عبید اللہ بن زیاد کا کوفہ پر مسلط ہونا اس لئے بھی آسان ہوا کہ وہاں

اہل اہل تاریخ کا بیان ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ۳۹ھ میں پیدا ہوا اور اس کی ماں مرجانہ، مجوسی، بدکار عورت تھی اسکے علاوہ اسکے شوہر زیاد (عبید اللہ کا باپ) کو تاریخ کے مشہور نازادوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن زیاد نے اپنی بیوی مرجانہ کی بدکاری اور لوگوں کی باتوں سے تنگ آ کر اسے چھوڑ دیا تھا اور اس طرح عبید اللہ نئے باپ کے گھر نشو و نما پانے لگا مگر جب بڑا ہوا تو اسے اپنے باپ زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ اب ظاہر ہے مرجانہ جیسی ماں اور زیاد جیسا باپ اور نامناسب پرورش گاہ کے بعد ظلم و فساد اور خون ریزی کا ایسا ہی درندہ وجود میں آئے گا جو اپنی ۲۱ سالہ شرم آور عمر میں تاریخ کربلا میں کتاب ظلم کو مرتب کرتا ہے۔ حیاۃ الامام الحسین، ج ۴، ص ۴۳۸۔

کے لوگ طبیعتاً سست، منافق، راحت پسند اور دنیا پرست تھے اور پھر وہاں کی آبادی ایک خیال رکھنے والوں پر مشتمل نہ تھی بلکہ بہت بڑی تعداد غیر مسلموں مثلاً یہودیوں، مجوسیوں نصرانیوں کے علاوہ ان کی بھی تھی جو تحریک امام حسینؑ پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے مثلاً وہاں خوارج اور بنی امیہ بھی موجود تھے۔ (جس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔) البتہ اس باب میں ان لوگوں کی نفسیات پر بحث و تحقیق کرنا منظور ہے جو بظاہر امام حسینؑ کے طرفدار تھے اور امام حسینؑ کی محبت کا دم بھرتے تھے اور انہی لوگوں کے بارے میں جب امام نے فرزندِ حق سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا:

قلوب الناس معک وسیوفہم مشوۃ علیک ”یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپ پر چلنے کیلئے تیار ہیں۔“

ہاں یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے (اپنی عادت کی وجہ سے) امیر المومنینؑ کا دل خون کر دیا تھا، جنہوں نے جنگ صفین میں عمرو عاص کی نیرنگی سے نیزوں پر اٹھائے گئے قرآن کے پاروں کو دیکھا تو دھوکہ کھا کر لشکرِ علیؑ میں دو گروہ بنا ڈالے اور حضرتؑ کو حکمیت قبول کرنے پر مجبور کیا اور انہی سے حضرتؑ نے فرمایا:

ایہا الناس انہ لم یزل امری معکم علی ما احب الی ان نہککم الخرب، وقلدو اللہ اخذت منکم وتوکت، واخذت من عقلوکم فلم تتوک، وانہا فیہم اتکى، واتھک، الا کنت امس امیر المؤمنین فاضبحت الیوم مأموراً، وکنت ناہیاً فاضبحت منہا وقد اذنبتم البقاء ولیس لی ان اخیلکم علی ما تکرھون

”اے لوگو! ہمیشہ میرا اور تمہارے ساتھ جیسا میں چاہتا تھا چلتا رہا یہاں تک کہ جنگ نے تمہاری حالت بگاڑ دی، خدا کی قسم اس نے کچھ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کچھ کو چھوڑ دیا ہے اور تمہارے دشمنوں کو تو اس نے بہت کمزور کر دیا ہے مگر اس کا کیا علاج ہے کہ کل تک میرا ان پر چلتا تھا اور آج ان کے اوپر مجھے چلنا پڑتا ہے، کل تک میں انہیں روکتا تھا مگر آج وہ مجھے روکتے ہیں، تم دنیا کی زندگی پسند کرتے ہو اور میرا یہ کام نہیں کہ میں تم پر (جنگ کا) وہ بوجھ ڈال دوں جس سے تم بے زار ہو۔“

ارشادِ شریف میں حضرتؑ سے اس بارے میں نقل ہوا ہے آپؑ نے فرمایا:

یا اھل الکوفة خذوا ھبتکم بجهاد عدوکم معاویۃ و اشیاعہ، فقالوا: یا امیر المؤمنین اھلنا لیلھب عنا القصر فقال: اما اللہ الذی فلق الحبیر وبراء النسمۃ لیظہرون ہؤلاء القوم علیک علی س یا ھم اولی بالحق منکم لکن لطاعتھم معاویۃ ومعصیتکم لی، واللہ لقد اصبحت الامم کلیات خاف ظلم رعایتھا، و اصبحت انا و اخوا فرعی، لقد استعملت منکم رجالات فاجنوا و غلروا و لقد جمع بعضهم ما مننتہ علیہ من فیء امسلمین، فحملہ الی معاویۃ و آخر حملہ الی منزله تھابوا بالقرآن، و جردا علی

الرحمن، حتى انى لو التمنت احدكم على علاقة سوط لخان اولقد اعييتمنى، ثم رفع يده الى السماء وقال: اللهم انى سئمت الحياة بين ظهراى هؤلا القوم وتبرمت الامل، فاته لى صاحبى حتى استريح منهم ويستر يحو امنى ولن يفلحو ابعدى

”اے اہل کوفہ! اپنے دشمن معاویہ اور اسکے ہواریوں کے ساتھ جن کیلئے بار سفر باندھنا شروع کرو (تو) انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! ہمیں اتنی مہلت دیں کہ سردی کا موسم چلا جائے۔

تو حضرت نے فرمایا:

آگاہ رہو اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگاف دیا اور انسان کو پیدا کیا یہ لوگ تم سے جیت جائیں گے اور ایسا اس لیے نہیں ہوگا کہ وہ حق پر ہیں اور تم نہیں بلکہ اس کی وجہ ان لوگوں کی معاویہ کی نسبت فرمانبرداری ہے اور تمہاری میری نسبت نافرمانی، قسم بخدا ساری تو میں اپنے فرمانروا کے تم سے ڈرتی ہیں و میں فرمانبرداروں سے ڈرتا ہوں۔ بے شک میں نے تم ہی میں سے کچھ لوگوں کو حکومت دی مگر انھوں نے خیانت اور مکر سے کام لیا اور جب کسی کو بیت المال کا امین بنایا تو یا انھوں نے اسے معاویہ کو نواز دیا یا پھر اپنا گھر بھرنا شروع کر دیا گویا قرآن سے بھی سرچپی انجام دی اور خدا کے حضور بھی مقبری (قصدا گناہ کے مرتکب) ہوئے حتی اگر تم میں سے کسی کو تازیانہ مارنے پر مامور کیا تو اس میں بھی خیانت پائی گئی (اے لوگو) تم نے مجھے تھکا دیا ہے اور (حضرت نے) اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے دعا کی! پروردگار عالم میں اس قوم کے ساتھ زندگی گزارنے سے خستہ ہو گیا ہوں ان کے ساتھ رہ کر اپنی آرزو پر ملول ہوا ہوں لہذا اب تو مجھے موت دے دے تاکہ ان سے چھٹکارا مل سکے اور یہ بھی مجھے سے نجات پا سکیں اور یہ میرے بعد کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ ۱۳

شیخ مفیدؒ نے اس گفتار کے بعد ایک مستقل عنوان تحریر کیا ہے جو اہل کوفہ سے حضرت کے شکوؤں پر مشتمل ہے، چنانچہ ارشاد مفید پر رجوع کیا جائے۔ معرکہ نہروان کے بعد جب امیر المومنینؑ نے چاہا معاویہ کے ساتھ دوبارہ جنگ کی جائے اور اپنے لشکر کو جمع کرنے لگے تو علیؑ نے سستی اور جنگ سے گریز کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

اَبِ لَكُمْ لَقَدْ سَمِعْتُمْ عَنَّا بَكُمُ الْاَرْضَ بَيْنَهُم بِالْاُخِرَةِ عَوَصَا؟ بِالَّذِلِّ مِنَ الْجَعْرِ خَلْفًا؟ اِذَا دَعَوْكُمُ اِلَى جِهَادٍ دَعَاكُمْ دَارِثَ اَغْنِيَكُمْ كَانَتْكُمْ مِنَ الْمَوْتِ فِي غَمْرَةٍ وَمِنَ الْمُهُولِ فِي سَكْرَةٍ يُوْتَجُّ عَلَيْكُمْ حَوَارِى فَتَعْمَهُونَ، فَكَانَ قُلُوبُكُمْ مَالُوسَةً فَاتْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ مَا أَنْتُمْ بِثِقَّةٍ سَجِسَ اللَّيَالِي، وَمَا أَنْتُمْ بِرُكْنٍ يُمَسَّالُ بِكُمْ، وَلَا زَوَاغِرٌ يُفْتَقَرُ إِلَيْكُمْ، مَا أَنْتُمْ إِلَّا كَابِلُ ضَلِّ وَعَلَاتُهَا، فَكَلِمَةٌ أَجْمَعَتْ مِنْ جَانِبِ اتَّشَرَتْ مِنْ آخِرٍ لَيْسَ لِعَمْرٍ اللَّهُ سَعْرُنَا الْحَرْبِ أَنْتُمْ، تُكَادُونَ وَلَا تُكَيِّدُونَ، وَتَنْقُصُ أَطْرَافَكُمْ فَلَا تَمْتَصُّونَ، لَا يُنَامُ عَنْكُمْ وَأَنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ سَاهُونَ غَلَبَ وَاللَّهُ الْمُتَخَذِلُونَ، وَأَيُّمُ اللَّهُ اِنِّى لَا أُظُنُّ بِكُمْ أَنْ

لَوْ حَمِيسَ الْوَعْصَى، وَ اسْتَحْرَ الْمَوْتُ قَدْ انْفَرَجْتُ عَنْ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ انْفِرَاجَ الرُّؤْسِ اَنْهَا النَّاسُ اَنْ لِي عَلَيْكُمْ حَقًّا، وَلَكُمْ عَلَيَّ حَقٌّ فَاَمَّا حَقُّكُمْ عَلَيَّ فَالنَّصِيحَةُ لَكُمْ وَتَوْفِيهِ فَيُنْكِرُ عَلَيْكُمْ، وَتَعْيِمُكُمْ كَيْلًا تَجْهَلُوا وَتَأْدِيبُكُمْ كَيْسًا تَعْلَمُوا، وَامَّا حَقِّي عَلَيْكُمْ فَالْوَفَاءُ بِالنِّيْعَةِ، وَالنَّصِيحَةُ فِي الْمَشْهَدِ الْمَشْهُدِ الْمَغِيبِ، وَالْاِجَابَةُ حِينَ اَدْعُوكُمْ، وَالطَّاعَةُ حِينَ اَمُرُكُمْ

”تم پر افسوس ہو! میں تمہیں ملامت کرتے کرتے تھک گیا ہوں (چ بتاؤ) کیا تم آخرت کے عوض دنیا کی زندگی پر اور عزت کے بدلے ذلت پر راضی ہو؟ جب میں نے تمہیں تمہارے (ہی) دشمن سے جنگ کرنے کی دعوت دی تو تمہاری آنکھیں اس طرح گردش کرنے لگیں یا تم سکرات موت اور نزع کی مدہوشی میں مبتلا ہو، تم میری کوئی بات نہیں مانتے اس لیے حیراں دسر گرداں ہوں گویا تمہاری عقلیں جاتی رہی ہیں اور تم دیوانے ہو گئے اور اب تم قیامت تک نہ میرے لیے قابل وثوق رہے ہو اور نہ ہی ایسے رکنِ جن سے سہارا لیا جائے اور نہ عزت کے مددگار کہ کسی کو تمہاری احتیاج ہو، تم بس اونٹوں کی طرح ہو جن کے چرواہے گم ہو گئے ہو جب انہیں ایک طرف سے جمع کیا جائے تو دوسری طرف منتشر ہو جائیں۔

بخدا تم لڑائی کی آگ کا بہت بڑا ایندھن ہو تم سے مکر کیا جاتا ہے مگر تم اس کا جواب نہیں دیتے تمہارے ملک کے حدود گھٹتے چلے جاتے ہیں، مگر تمہیں غصہ بھی نہیں آتا، دشمن کو تمہاری فکر میں نیند نہیں آتی اور تم غفلت میں مدہوش پڑے ہو، بخدا ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دینے والے ضرور مغلوب ہوتے ہیں۔

قسم بخدا مجھے پکا لگتا ہے کہ اگر جنگ نے شدت اختیار کر لی اور موت کا بازار گرم ہو گیا، تم ابو طالب کے بیٹے کا ساتھ چھوڑ کر اس سے ایسے جدا ہو جاؤ گے جیسے سرتن سے جدا ہوتا ہے۔ خدا کی قسم جو شخص اپنے اوپر دشمن کو مسلط کرے کہ وہ گوشت کھرج لے، ہڈیاں توڑ ڈالے کھال پھاڑ ڈالے تو اس کی عاجزی کی کوئی حد نہیں، اس کا وہ دل بہت کمزور ہے جسے سینے کی ہڈیاں گھیرے ہوئے ہیں تم اگر چاہتے ہو تو ایسے عاجز بن جاؤں۔ رہا میں تو اپنے اوپر دشمن کے قابو پانے سے پیسے ہی شمشیر آب دار کا ایسا (بھرپور) وار کروں گا کہ سروں کی کھوپڑی اڑتی نظر آئیں اور کلایاں اور پرکٹ کٹ کر گرتے دکھائی دیں۔ اسکے بعد خدا جو چاہے گا کرے گا۔

اے لوگو! یقیناً کچھ میرے تم پر حق ہیں اور کچھ تمہارے مجھ پر حق ہیں، مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہیں نصیحت کروں، تم پر مالِ غنیمت مساوی تقسیم کروں، تمہیں تعلیم دوں کہ ناواقف نہ رہو اور ادب سکھاؤں کہ باخبر ہو جاؤ اور تم پر میرا یہ حق ہے کہ بیعت کا حق پورا کرتے رہو، سامنے اور پشت

مخلص رہو اور جب تمہیں پکاروں تو بلیک کہو اور جب تمہیں حکم دوں تو فرمانبرداری کرو۔“ ۱۴
امام کی غربت اور مظلومیت یہاں تک پہنچی کہ آپ کے بھائی عقیل کا دل بھی آپ کیلئے جلنے لگا انھوں
نے حضرت کے نام اس مضمون کا خط تحریر کیا:

بَلَعْنِي أَنْ شِعْتِكَ وَأَنْصَارِكَ خَذَلُوكَ، فَأَكْتُبُ يَابْنَئِن أُمِّي بِرَأِيكَ، فَإِنْ كُنْتُ الْمَوْتُ
تُرِيدُ تَحْمِلْتُ إِلَيْكَ بَنِي أَخِيكَ وَوُلْدَ أَيْبِكَ، فِعْشِنَا مَعَكَ مَا عَشِنْتُ، وَمُتَّاعَكَ إِذَا مِتُّ، فَوَاللَّهِ
مَا أَحِبُّ أَنْ أَبْقَى بَعْدَكَ قَوَاقِفًا ۱۵

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے مددگاروں نے نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے، لہذا مجھے لکھیں کہ ہم
کیا کریں؟ اگر آپ مرنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں تو میں تمام عزیز واقارب اور نسل ابوطالب کو لے
کر آپ کے پاس آ جاتا ہوں تاکہ موت و زندگی آپ کے ساتھ ہو، قسم بخدا آپ کے بعد مجھے
جینے کا کوئی شوق نہیں۔“

اہل کوفہ کی بے غیرتی کا حال یہ ہو گیا تھا کہ علی نے ان کی رفتار پر غم و اندوہ کے عالم میں ایک اور مقام پر ارشاد
فرمایا:

أَلَا دِينَ يَجْمَعُكُمْ؟ أَلَا حِمِيَّةٌ فَضِبُكُمْ؟ أَلَا تَسْمَعُونَ بَعْدَؤَكُمْ يَنْقُصُ بِلَادَكُمْ؟ وَيَشُنُّ الْغَارَةَ
عَلَيْكُمْ؟ أَوَلَيْسَ عَجَبًا أَنْ يُدْعُو الْجَفَاءَ الْغَامَ الظُّلْمَةَ فَيَتَّبِعُونَهُ عَلَى غَيْرِ عَطَاءٍ وَلَا مَعُونَةٍ يُجِيبُونَهُ
فِي الْمَنَةِ السَّرَقَةَ الْمَرِيضَ وَالثَّلَاحَ إِلَى آتَى وَجْهِ شَاءَ، ثُمَّ أَنَا دَعَوْتُكُمْ وَأَنْتُمْ أَوْلُو أَلْ تُهَيِّوْا بَقِيَّةَ النَّاسِ
تَخْلِفُونَ وَتَقْتَرُونَ عَنِّي وَتَغْضُونَنِي وَتُخَالِفُونَ عَلَيَّ

”کیا کوئی ایسا دین و آئین باقی نہیں رہا جو تمہیں خوف دلا سکے؟ کیا تم اپنے دشمن کی خبریں نہیں سن
رہے کہ اس نے تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیا ہے اور ہر جانب سے ان پر حملہ آور ہے کیا یہ بھی تعجب
آور بات نہیں کہ معاویہ جب چاہے اپنے سنگ دل و سنگمرگ افراد کو بغیر کسی بخشش و کمک کے پکار
ہے اور وہ اس کی پیروی کریں اور سال بھر میں ایک، دو حتیٰ تین بار بھی جہاں چاہتا ہے انھیں لے
جاتا ہے اور وہ چلے جاتے ہیں، جبکہ تم لوگ سمجھ دار اور بزرگان دین کے بازماندگان ہونے کے
باوجود اس طرح کا اختلاف کر رہے ہو اور تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو اور میری مخالفت پر
اتر آئے ہو؟“

جب مختلف شہروں سے معاویہ کے ہاتھوں لوٹ کھسوٹ اور غارتگریوں کے علاوہ وحشیانہ گوارا خیریں
حضرت تک پہنچتی تو آپ درد بھرے دل سے اہل کوفہ سے خطاب فرماتے:

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ كُلَّمَا أَظْلَمْتُ عَلَيْكُمْ سَرَيْتُمْ وَأَنَا كُمْ مُنْسَرِمٌ مَنَاسِرُ أَهْلِ الشَّامِ أَغْلَقُ كُلَّ أَمْرٍ مِنْكُمْ بَابَهُ
قَدْ أَنْحَسَ فِي يَدَيْهِ أَنْجِخَارُ الضَّبِّ فِي جُحْرِهِ وَالصَّبْغُ فِي وَجَارِهَا، الدَّلِيلُ وَاللَّهُ مَنْ نَصَرْتُمُوهُ، وَمَنْ

رَضِیَ بِكُمْ رُمِیَ بِافْرِقٍ نَاصِلٍ، فَتَقَبَّلَ حَالَكُمْ وَتَرَحَّأَ وَقَدْ نَادَيْتُكُمْ وَنَاجَيْتُكُمْ وَجَلَّ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَبَصِيرَتِي وَفِي ذَالِكِ لِي رُوحٌ عَظِيمٌ وَفَرَجٌ مِنْ مُنَاجَاتِكُمْ وَمُعَانَاتِكُمْ وَمُقَاسَاتِكُمْ وَدَارَاتِكُمْ "وفی روایۃ وُذِّتْ اِنِّی رَفَعْتُكُمْ كَمَا بَصُرْتُ الذَّهَبَ، وَلَوْ ذُذْتُ اَنِّی لَقَبَيْتُهُمْ عَلٰی بَصِيرَتِي فَارَاحَنِي اللهُ مِنْ مُقَاسَاتِكُمْ

”اے اہل کوفہ! جب سوار تمہارے نزدیک ہو جائیں اور شام کی فوج اترنے لگے تو تم میں سے ہر ایک اپنے دروازے کو بند کرے اور ایسے چھپ جائے جیسے گود اپنے بل میں اور کبوتر اپنے گھونسلے میں چھپ جاتا ہے۔ خدا کی قسم خوار وزبوں وہ ہے جس کی تم مدد کرو اور جس نے بھی تم جیسوں کی مدد پر خوشی محسوس کی اس نے گویا شکستہ تیر بغیر پیکان کے پھینکا پس (خدا کرے) تمہاری روحیں گندری اور دل غم گین رہیں کیونکہ جب بھی میں نے تمہیں پکارا نہ تو آزادی کے ساتھ دشمن کے مقابل مرنا قبول کیا اور نہ ہی دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے اچھے راز دار قرار پائے۔ قسم بخدا تمہارے سوا فرادے کر شام کے لوگوں میں سے ایک لینے پر بھی میں راضی ہوں، تم پر نفرین ہو، میرے ساتھ آؤ گے اور پھر چاہو گے بھاگ جاؤ گے، قسم بخدا جس نسبت و بصیرت کا میں حامل ہوں، خدا سے ملاقات کو تمہارے ساتھ گفتگو اور ملاقات سے اچھا جانتا ہوں۔“

ایک اور روایت میں اس طرح نقل ہوا ہے فرمایا:

”کاش جس طرح سونا تبدیل کیا جاتا ہے تمہیں بھی تبدیل کرنا ممکن ہوتا اور میں اپنی بصیرت و بینش کے مطابق ان (دشمنوں) سے ملاقات کرتا اور خدا تمہارے تعاون کے ذریعے میرے رنج و آلام کو سکون پہنچاتا۔“

بہر حال حضرت اپنی موت کی تمنا کرتے ہیں اور جب بسر بن ارطاہہ کا یمن کے شہروں پر حملہ اور اس کے ہاتھوں وہاں ہونے والی کشت و کشتار کی خبریں حضرت تک پہنچے تو فرمایا:

اَنْبِثْ بَسْرًا قَدْ اَطْلَعَ الْيَمَنَ، وَاَنْ وَاللهِ لَا ظُلُّ اَنْ هَؤُلَاءِ الْقَوْمُ سَيُدْأَلُونَ مِنْكُمْ بِاَجْمَاعِهِمْ عَلٰی باطِلِهِمْ وَتَفَرَّقَكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ وَتَقْمِصُكُمْ اِمَامَكُمْ فِي الْحَقِّ وَطَاعَتِهِمْ اِمَامَهُمْ فِي الْبَاطِلِ، وَبَادِئِهِمُ الْاِمَانَةَ اِلٰی صَاحِبِهِمْ وَخِيَانَتَكُمْ، وَبِصَاحِبِهِمْ فِي بِلَادِهِمْ، وَفَسَادَكُمْ، فَلَوْ اَتَيْتُمُنِيْ اَخَذْتُكُمْ عَلٰی قَعْبٍ لِّخَشْيَةِ اَنْ يَذْهَبَ بِعِلَاقَتِهِ، اَللّٰهُمَّ قَدِّمْلَيْتُهُمْ وَمَلَوْنِيْ وَسَتْمُهُمْ وَسَمَوْنِيْ، فَاَبْدَلْنِيْ بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ، وَابْدَلْ لَهُمْ بِيْ شَرًّا مِنِّْي اَللّٰهُمَّ مَتِّ قُلُوْبُهُمْ كَمَا يُمِثُّ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ، اَمَّا وَاللهِ لَوُذِّتُ اَنْ لِّيْ بِكُمْ اَلْفَ فَارِسٍ مِنْ بَنِي فَرَّاسٍ بِنِ غَنَمٍ

”مجھے خبر ملی ہے کہ بسر یمن پہنچ گیا ہے اور مجھے قسم بخدا یہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ تمہاری بقیہ دولت پر بھی وہ قابض ہو جائیں گے اس لئے کہ یہ لوگ باطل ہوتے ہوئے متحد ہیں اور تم لوگ حق پر ہوتے

ہوئے بھی منظم نہیں (بلکہ) تم حق میں اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ باطل میں اپنے امام کی پیروی کرتے ہیں اور وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کا حق ادا کرتے ہیں اور اس میں خیانت نہیں کرتے وہ شہروں میں امن وامان سے رہتے ہیں اور تم شورش کرتے رہتے ہو، اگر تم میں کسی کو لکڑی کے پیالے کا امین بنا دوں تو ڈرتا ہوں کہ وہ اسے دستے سمیت غائب نہ کر دے۔ اے اللہ! میں ان سے دلبرداشتہ ہو گیا ہوں اور یہ مجھ سے دل تنگ ہو گئے ہیں اور میں ان سے اکتا گیا ہوں اور وہ مجھ سے اکتا چکے ہیں تو اب ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ مجھے عطا کر دے اور میرے بدلے میں کوئی بر احاکم انھیں دے۔ خداوند! ان کے دلوں میں (اپنے غضب سے) اس طرح پگھلا دے جیسے پانی میں نمک گھولا جاتا ہے، خدا کی قسم میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ کاش مجھے تمہارے عوض بنی فراس بن غنم (جو غیرت و شجاعت میں معروف ہیں) کے ایک ہزار سوار مل جائیں۔“ ۱۷

بہر حال آہ بردرد کے ساتھ خدا سے عرض کی:

اللّٰهُمَّ اِنِّیْ سَمِعْتُ الْحَیْآةَ بَیْنَ ظَهْرَیْیَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ وَتَبَوَّعْتُ الْاَمَلَ فَطَبَعَ ذُلِّیْ صَاحِبِیْ حَتّٰی اَسْتَرْجِعَ مِنْهُمْ وَیَسْتَرْجِعُوْا مِنِّیْ وَلَنْ یَفْلَحُوْا اَبَدَیْ ”خداوند! میں ان لوگوں کے درمیان زندگی کرنے سے تھک چکا ہوں اور میں تمام آرزوؤں سے خستہ ہو چکا ہوں اب تو میرے لیے موت بھیج دے، تاکہ مجھے ان سے چھکارا مل جائے اور انھیں مجھ سے جب کہ یہ میرے بعد کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔“ ۱۸

امام حسنؑ کے ساتھ کیا کیا؟

جب امام حسنؑ نے حکمت و مصلحت کو اسی میں بہتر جانا کہ معاویہ کے صلح نامے پر دستخط فرمادیں (جس کی تفصیل تاریخ امام حسینؑ میں ذکر ہو چکی ہے)۔ تو انہی لوگوں نے امام کی توہین کرتے ہوئے حرمت شکنی کی اور ساباط میں جناب کے خیمے پر حملہ کر کے لوٹ مار چمپائی یہاں تک کہ خنجر سے حضرتؑ کا زانو زخمی کیا اور اسر طرح دیگر اذیتوں کے بعد امام نے خطبہ دیتے ہوئے اپنے دکھ کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

اِیُّوْا لِلّٰهِ مَعَاوِیَةَ خَیْرًا مِّنْ هَؤُلَاءِ، یَزْعُمُوْنَ اَنْهُمْ لِمِیْ شِیْعَةِ الْاَبْعُوْا قَبْلِیْ وَ اَنْتَھُوْا قَلْبِیْ وَ اَحْنُوْا اَمَالِیْ ۱۸

اور جب امام حسنؑ معاویہ کے سامنے منبر پر تشریف لے گئے تو حضرتؑ نے فرمایا:

فَاَقْسِمُ بِاللّٰهِ لَیْوَاِنَّ النَّاسَ بِاِیْعُوْنِیْ وَ اطَاعُوْنِیْ وَ نَصَرُوْنِیْ لَا عَطَتْھُمْ السَّمَاءُ قَطْرَھَا وَ الْاَرْضُ بَرِّکَھَا وَ لَمَّا طَمَعَتْ فِیْھَا اِیْمَاعُوْیَ ۱۹

۱۸ ”قسم بخدا میں معاویہ کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ میرے حیر دکار ہیں اور پھر میرے قتل کا سامان بھی کرتے ہیں اور میرے مال و منال کو لوٹ لیتے ہیں۔ احتجاج طبری ص ۱۴۸۔

۱۹ ”خدا کی قسم اگر یہ لوگ میری بیعت کر لیتے اور فرمانبرداری کرتے ہوئے سیری مدد کرتے تو یہ لوگ آسمانی و زمینی برکتوں سے مالا مال ہو جاتے اور اے معاویہ! تو کبھی خلافت کی طمع نہ کرتا۔“ بحار الانوار ج ۲۳ ص ۲۲۔

علامہ طبرسیؒ اپنی کتاب احتجاج میں سالم بن ابی الجعدہ سے مستند روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص امام حسنؑ کی خدمت میں گیا اور اس نے حضرتؑ کے ساتھ توہین آمیز لہجے میں کہا:

یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اذلک رقابنا، وجعلنا معشر الشیعة عبيداً ما بقی معک رجل؟
اے فرزند رسول! ہماری گردنیں ذلت سے جھک گئی ہیں اور جب تک یہ ایک بھی شیعہ باقی ہے
آپ نے اسے دوسروں کا غلام بنادیا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: کیسے؟ اس شخص نے کہا: اس لیے کہ آپؑ نے تمام ظالموں کے سپرد کر دیئے ہیں۔
امامؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ مَا سَلَّمْتُ الْأَمْرَ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَجِدْ أَنْصَارًا، وَلَوْ وَقَعَتْ أَنْصَارُ الْقَاتِلَةِ لَنَلِي وَتَهَارَى حَتَّى يَخْجُمَ اللَّهُ
بَنِي وَبَيْنَهُ، وَلَوْ كُنِّي عَرِثُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَبَلَوْتُهُمْ، وَلَا يَصْلُحُ لِي مِنْهُمْ مَا كَانَ فَاسِداً، إِنَّهُمْ لَا وِفَاءَ لَهُمْ
وَلَا ذِمَّةَ فِي قَوْلٍ وَلَا فِعْلٍ، إِنَّهُمْ لَمُخَلَّفُونَ وَيَقُولُونَ لَنَا: إِنَّ قُلُوبَهُمْ مَعَنَا، وَإِنْ سَوَّاهُمْ لَمَشْهُورَةٌ غَائِبَةٌ
”خدا کی قسم میں نے خلافت کو معاویہ کے سپرد نہیں کیا مگر اس لیے اس کہ میرا کوئی مددگار نہیں رہا تھا
لہذا اگر مددگار ہوتا تو میں شب و روز سر پیکار رہتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ
کر دیتا، ہاں مگر میں نے اہل کوفہ آزما کر انھیں پہچان لیا ہے جو لوگ خراب اور فاسد ہوں وہ میرے
سے کام نہیں آسکتے کیونکہ وہ اپنے قول و فعل اور وعدے کے پابند نہیں ہیں البتہ یہ لوگ ہمارے پاس
رفت و آمد رکھتے ہیں اور وفاداری کی گفتگو بھی کرتے ہیں مگر افسوس اس کے دل تو ہمارے ساتھ ہیں
مگر ان کی تلواریں ہمارا دشمن کے ساتھ۔“ ۲۰

خرانج راوندی میں ہے، جب لوگوں نے حضرت امام حسنؑ کی بیعت کرنا چاہی تو آپؑ نے فرمایا:
وَاللّٰهُ مَا وَفَيْتُمْ لِمَنْ كَانَ خِيَرًا مِّنِّي فَكَيْفَ تَقُولُ لِي؟ ”قسم بخدا تم لوگوں نے اس سے وفا نہیں کی
جو مجھ سے بہتر تھا پھر بھلا مجھ سے کیسے وفا کرو گے؟“

اس کے بعد آپؑ نے قبلہ کندہ کے ایک شخص کا معاویہ سے فریب کھانا نقل کیا اور مجدد فرمایا:
فَدَاخِرُ تَحَكُّمِ مَرْءٍ لَا وِفَاءَ لَكُمْ اَنْتُمْ عِبَادُ الدُّنْيَا ”پھر بتا رہا ہوں تم لوگوں سے وفا نہیں اس لیے کہ تم
دنیا کے بندے ہو۔“ ۲۱

اور دیگر روایات جو امام حسنؑ کی شرح حال میں تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔

حضرت زید بن علیؑ کے ساتھ کیا کیا؟

اہل کوفہ نے واقعہ کربلا کے جانکاہ حادثے کے بعد زید بن علیؑ زین العابدینؑ کی بیعت کی اور انھیں اطمینان
دلایا کہ کوفہ کے ایک لاکھ شمشیر زن حاضر ہیں کہ آپؑ ساتھ تلوار چلا لیں۔ ۲۲ بیعت کے دفتر اندراج

میں پندرہ ہزار افراد کے نام تھے جنہوں نے ساتھ دینے کیلئے اپنے نام لکھوائے تھے مگر جب زید بن علی نے قیام کیا تو مد کیلئے فقط دو سو اٹھارہ افراد موجود تھے۔ ۲۳

حضرت داؤد بن علی وغیرہ نے یہ بات حضرت زید بن علی سے کہی:

”اے چچا زاد (بھائی) کیا یہ لوگ وہی نہیں کہ جنہوں نے آپ سے زیادہ محترم آپ کے جد علی بن ابرہاؑ کو فریب دیا، ان کی نصرت سے سرچئی کی یہاں تک کہ ان کی شہادت واقع ہوئی؟ حضرت کے فرزند حسن بن علیؑ کے ساتھ کیا کیا؟ بیعت کے بعد ان کے خیمے پر لوٹ مار کیلئے چڑھائی کی اور عباؑ مبارک کو دوش سے کھینچ کر اتارا؟ کیا یہ وہی نہیں جنہوں نے آپ کے جد حسین بن علیؑ کو بلایا کہ ہم قسم دھرم اٹھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی نصرت کریں گے مگر انہیں ابھی دھوکہ دیا اور مد و نصرت سے روگرداں ہوئے حتیٰ حضرت کو شہید کر ڈالا۔“ ۲۴

اسی طرح ان کی بیان شکنیاں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر وغیرہ کے ساتھ معروف ہیں جن کی تفصیل تاریخ پڑھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ۲۵

اہل کوفہ مسلسل اپنی بے وفائی اور بزدلیوں سے تردی وجہ سے اسی صفت سے مشہور ہو گئے جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئے اور انہیں یہاں تک کہا جانے لگا:

اعذر من الکوفی - الکوفی لایوفی بفلان شخص کو فیوں سے بھی زیادہ بے وفا ہے، کوفہ اہل وفا نہیں ہیں۔ ۲۶

ایک عرب شاعر نے ان لوگوں کے بارے میں یوں کہا ہے:

وما نکتو امن بیعة بعد بیعة
اذا ضمنوا الیوم خاصوا ابہا غدا

”(انہوں نے) بیعتوں کو یکے بعد دیگرے توڑا، یہ آج بیعت کرتے ہیں اور کل اسے توڑ دیتے ہیں۔“

عبداللہ بن عمر کا جملہ

کوفہ کا ایک فرد عبداللہ بن عمر کے پاس شرعی مسئلہ دریافت کرنے آیا، مجھ کے خون کا حکم طہارت ہے یا

نجاست؟ تو عبداللہ بن عمر نے سائل سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے؟

جواب دیا میں عراق کا رہنے والا ہوں۔

عبداللہ نے تعجب سے کہا:

انظرو الی هذا یسنلنی عن دم البعوض او فلقنوا ابن بنت رسول اللہؐ وقد سمعته یقول فیہ اخیه:

ہمارے بھائی من الدنیا ”اسے دیکھ! یہ مجھ کے خون کا مسئلہ مجھ سے پوچھنے آیا ہے، جبکہ

انہوں نے دختر رسول اللہؐ کے فرزند کو مار ڈالا، میں نے خود رسول اللہؐ سے سنا ہے آپ نے حسن

اور ان کے بھائی حسین کے بارے میں فرمایا: اس دنیا میں یہ دونوں میرے خوشبودار پھول ہیں۔“

خود عمر بن خطاب کا جملہ

حضرت عمرؓ جن کی سیاست و تدابیر کو کثرت کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے وہ بھی اپنے معین کردہ والیوں اور نمائندوں کی نسبت اہل کوفہ کی نافرمانی اور سرکشی سے تنگ آ چکے تھے وہ جسے بھی والی کوفہ بنا کر ان کی جانب روانہ کرتے تو چند روز بعد ہی یہ لوگ اسے متھم کر کے عزل کرنے کا مطالبہ کرتے، لہذا عمرؓ پریشان تھے تو صغیرہ نے ان سے پوچھا: کس مصیبت نے تجھے اس طرح فکر مند کر رکھا ہے؟

عمر بن خطاب نے کہا:

وای نایبة اعظم من مائة الف لایرضون عن امیر ولا یرضی عنہم امیر ”اس مصیبت سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ یہ ایک لاکھ سے زیادہ اہل کوفہ نہ کسی والی سے راضی ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی والی ان سے راضی رہ پاتا ہے۔“

اہل کوفہ کی بے وفائی پر ایک مثال

شبیب بن ربیع کوفہ کا معروف صاحب ثروت انسان تھا جو نفاق و دورخی میں اپنا نام رکھتا تھا، اسکے احوال میں لکھتے ہیں:

”شروع میں ”سجاح“ نامی عورت کا مؤذن تھا (جس نے رسول اللہ کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا) پھر مسلمان ہوا اور امیر المؤمنینؓ کے دور خلافت میں آپؐ کی بیعت کی اور یہ شخص کئی بار امیر المؤمنینؓ کی جانب سے معاویہ تک نامہ رسانی اور پیغامات رد و بدل کرنے کی ذمہ داری انجام دیتا رہا۔ حکمیت کے ماجرا کے بعد حضرتؓ کو چھوڑ کر خوارج کے ساتھ جا ملا، پھر امام حسنؓ کی بیعت کی مگر کچھ مدت بعد معاویہ سے ملحق ہو گیا۔ مرگ معاویہ کے بعد امام حسینؓ کو خط لکھنے والوں میں شامل ہوا جس میں اس نے امام حسینؓ کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور اپنی حمایت کا اظہار کیا مگر جب عبید اللہ بن زیاد کوفہ پہنچا اور جب کوفہ کے حالات بدلے عبید اللہ بن زیاد کے سرداروں میں شامل وہاں سے اور ان لوگوں کے ساتھ امام حسینؓ سے جنگ کرنے کر بلا آیا شہادت امام حسینؓ کے بعد یزید کی خوشنودی کیلئے امام حسینؓ کے مارے جانے کا شکرانہ کوفہ میں تعمیر مسجد کی صورت میں ادا کیا۔ مختار ثقفی نے قیام کیا تو اسکے فوجیوں میں شامل ہو کر خون حسینؓ کا بدلہ لینے کیلئے نکلا پھر مصعب بن زبیر نے جب حضرت مختار کو شکست دی تو اسکے فوجیوں میں شامل ہو گیا اور مصعب کی طرف سے کوفہ کی پولیس کارکیس منتخب ہوا اور اسی نے قتل مختار میں شرکت کی۔“

بہر حال اسی سالہ منافقانہ شرم آور زندگی گزارنے کے بعد اس جہان سے رخصت ہو۔ ۲۸

ثانی زہراء زینب کا اہل کوفہ سے خطاب

شہادت امام حسینؑ کے بعد جب اہل بیتؑ عصمت و طہارت کو اسیر بنا کر کوفہ و شام کی سمت لے کر چلے تو زینب بنت علیؑ نے بازار کوفہ میں ان کے بارے میں خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله والصلاة على ابي محمد وآله الطيبين الاخيار، اما بعد يا اهل الكوفة يا اهل النخل والغدير و الخذل الافلاقات الدمعة ولاهدات الزفرة انما مثلکم کمثل التي نقضت غزلها من بعد قوة انكثا تسخلون ايمانكم دخلا بينكم، هل فيکم الا الصلف والعجب والشف والكذب وملق الاماء وغمر الاعداء، او كمر عی على دمنة او قصصة على ملحودة، لا ينس ما قدمت لكم انفسكم ان سخط الله عليكم وفي العذاب انتم خالون

”حم و سپاس ہے خداوند متعال کی اور درود و سلام ہو میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰؐ اور ان کے پاک و برگزیدہ خاندان پر۔

اے اہل کوفہ! اے دھوکہ بازو! فریب کارو! بے غیرت اور حیلہ گرو! کیا تم رورہے ہو؟ (خدا کرے) تمہارے آنسو نہ تھیں، تمہاری نالہ و بکا کم نہ ہو، تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو... تم نے اپنی قسموں کو فساد کی دستاویز قرار دیا ہے تمہارے پاس سوائے فریب، دخل بازی، جھوٹ اور دشمنی کے اور کیا ہے؟ تم بالکل چابلس کینروں اور چغل خورد شمن کی طرح ہو، تم اس سبزہ کی مانند ہے جو گندگی میں پھوٹتا ہے اور اس چاندی کی مثال ہو جو قبر پر سجانے کیلئے لگائی جائے (یعنی تمہارا ظاہر زیبا، فریب دہندہ اور باطن بد بودار اور گندہ ہے) بے شک تم لوگوں نے بدترین اور بے کار سامان اپنے لیے روانہ کیا ہے جس پر خدا کا خشم و غضب اور عذاب الہی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ۲۹

اسی طرح جب امام زین العابدینؑ نے خطبہ دینا چاہا اور لوگوں نے گریہ و بکا کے ساتھ اسے سننے کا اظہار کیا تو آپؑ نے فرمایا:

هيهات هيهات انبها الغيرة المكرة حيل بينكم وبين شهوات انفسكم، اتريدون ان تاتوا الي كماءتيه الى آبائي من قبل، كلا ورب الرقصات فان الجرح لم يندمل من قتل ابي بالامس و اهل بيته معه ”کتنا دور ہے اے مکار و فریب کار لوگوں! اب تمہاری مرضی و پسند پوری نہیں ہوگی، کیا وہی میرے ساتھ بھی کرنا چاہتے ہو جو میرے آبائی واجد کے ساتھ کیا، نہیں قسم بخدا ابھی میرے پدر گرامی کے قتل کا زخم جو مجھے کل (ابھی) لگا ہے اچھا نہیں ہوا۔“

کوئی سماج میں عدم وحدت اور سیاسی ناچنگی

اس مقام پر اگر اہل کوفہ کے بارگناہ کو قدرے سبک کرنا چاہیں تو ہمیں اس وقت کوفہ میں حاکم سیاسی و معاشرتی فضاء کو دیکھنا ہوگا یعنی یہ دیکھا جائے کہ ان لوگوں کی ہیئت، سیاسی و سماجی مسائل کیسی تھی؟ لہذا

اسکے مطابق وفاداری تعاون اور خاندان رسالت سے حمایت کی توقع بھی رکھی جائے۔ چنانچہ اہل تاریخ نے لکھا ہے، شہر کوفہ کی بنیاد سعد بن ابی وقاص فاتح عراق کے ہاتھوں رکھی گئی وہ جب ایرانیوں کو شکست دے کر مدائن کے فاتح ہوئے تو اسلامی لشکر کی آباد کاری کا خیال ذہن میں آیا لہذا کوفہ نامی شہر کو دریائے فرات کے کنارے آباد کیا (یعنی یہ شہر فوجی جھاد کی حیثیت میں رکھتا تھا) کیونکہ یہ دوسرے فتوحات کیلئے بہترین مرکز شمار کیا جاتا تھا، یہاں آ کر غنائم جنگی تقسیم کی جاتی تھیں اور اسکے علاوہ دوسرے امتیازات مثلاً یہاں کی آب و ہوا مناسب تھی چنانچہ دوسرے شہروں (مکہ و مدینہ) سے ہجرت کر کے لوگوں نے یہاں رہائش اختیار کی اور اس بات کو بن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں نقل کیا ہے، ایک ہجرت میں بدریوں کے ستر افراد اور اصحاب شجرہ میں تین سو افراد مکہ و مدینہ چھوڑ کر یہاں آئے حتیٰ ایک سو پچاس اصحاب رسول اللہ کے نام بھی تحریر کیئے ہیں جنہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ ۳۱

کوفہ مختلف قبائل کی ہجرت گاہ

اس خط کی یہی (آب و ہوا وغیرہ) خصوصیت سبب بنی کہ بہت تیزی سے یمن، عدانیوں اور بنی بکر وغیرہ کے مختلف قبائل نے کوفہ کی سمت روانہ ہو کر اسی کو موضع سکونت قرار دیا۔ قبائل یمن میں سے من جملہ یہ قبائل ذکر ہوئے ہیں۔ قضاعہ، غسان، بجیلہ، خثعم، کندہ، حضرموت، ازد، مذحج، حمیر، ہمدان، نضج وغیرہ جو کوفہ آ کر آباد ہوئے اور جن کی مجموعی تعداد بارہ ہزار افراد لکھی گئی ہے۔ ۳۲

اسی طرح قبائل عدنان کے دوسرے دو بڑے قبیلے تمیم اور بنو نصیر کا تاریخ میں شمار ملتا ہے کہ وہ آٹھ ہزار افراد پر مشتمل کوفہ میں رہائش پزیر ہوئے اور بنی اسد کے قبائل غطفان، محارب اور نمیر کوفہ میں بتصدیق تاریخ سکونت پزیر ہوئے۔ اسی طرح دوسرے بہت سے قبائل مثلاً کنانہ، جذیمہ، عبد القیس، بخلب، ثقیف، عامر اور مدینہ کے نام لیے جاسکتے ہیں جن کا ذکر تاریخ میں ساکنان کوفہ کے حوالے سے ملتا ہے، چنانچہ یہ مذکورہ قبائل و خاندان شہر کوفہ کے مختلف محلوں میں آباد تھے یعنی ہر قبیلہ اور خاندان کا علیحدہ محلہ شمار کیا جاتا تھا۔

کوفہ کی قومیں

ان تمام مذکورہ قبائل کے علاوہ جو غالباً مسلمان اور عرب تھے دوسری قوموں اور مختلف ادیان و مذاہب کے افراد بھی کوفہ میں سکونت پزیر تھے جو اس شہر کے منفرد ہونے اور ان کے اختلاف مزاج کو تقویت پہنچاتے تھے۔ اسی طرح کئی دوسرے عوامل بھی افکار و عقائد میں اختلاف و پراکندگی کا سبب تھے چنانچہ ان میں سے بعض عوامل یہ تھے:

۱۔ یہاں فارسی زبان ایرانی سپاہی تھے جنہوں نے مستقل لشکر بنایا ہوا تھا اور ”حمراء و یلم“ کے نام سے

معروف تھے جن کی مجموعی تعداد چار ہزار افراد پر مشتمل تھی یہ لوگ جنگ قادسیہ میں رستم کی قیادت میں عربوں سے لڑے مگر قتل رستم کے بعد شکست خوردہ ہو کر سعد بن ابی وقاص سے امان طلب کی۔ اس طرح کوفہ میں ویلم نامی شخص کی سربراہی میں آ کر آباد ہوئے اس کے علاوہ یہ لشکر اسلام کو پیش آنے والی جنگوں میں مسلمانوں کیلئے مددگار ثابت ہوتا تھا۔ بہر حال ان لوگوں نے آہستہ آہستہ ترقی کی یہاں تک کہ کوفہ میں ایک بڑی تعداد کے حامل ہو گئے حتیٰ کہ فارسی زبان اہل عرب پر اس طرح غالب آنے لگی کہ وہاں ایک نیا لہجہ وجود میں آیا۔ ۳۳

۲۔ انباط یا نبطیوں جو سامی نسل سے غیر عرب لوگ تھے کوفہ میں سکونت پزیر ہوئے اور اپنی خاص زبان اور لہجہ رکھتے تھے وہ داری زبان میں گفتگو کرتے تھے اور اہل تاریخ کے بقول یہ لوگ اہل کوفہ کے ساجی و اخلاقی تغیرات میں اہم نقش رکھتے تھے۔ ۳۴

۳۔ سرپانیوں جو اہل تاریخ کے مطابق ظہور اسلام سے قبل عراق آئے اور انھوں نے دجلہ کے جوار میں رہائش اختیار کی پھر سرزمین حیرہ اور کوفہ کے اطراف میں آباد ہونا شروع ہوئے اور جب شہر کوفہ آباد ہوا تو وہاں آ کر دیگر قبائل کے ساتھ مخلوط ہو گئے۔

یہ تھا ان مختلف قبائل و قوموں کا احوال جو کوفہ آباد تھے یہ باہمی تعلقات اور عربوں کے ساتھ ازدواجی مخالطت کی وجہ سے ایک نئی ذات اور قوم کی صورت میں وجود میں آئے، اسی طرح ان کے عادات اور رسومات دوسری قوموں کی رسومات سے مل کر نئی فرہنگ و کلچر کی شکل اختیار کر گئی۔

کوفہ کے ادیان و مذاہب

اگرچہ اہل کوفہ کا رسمی دین السام تھا اور اکثریت کلمہ گو مسلمانوں پر مشتمل تھی لیکن عام طور پر اسلام زبانی جمع خرچ کا نام تھا اور ان لوگوں کے نزدیک اسلامی مادی منافع۔ غنائم جنگی اطرانعام و اکرام کے حصول کا سبب تھا (یعنی صدر اسلام کے مجاہدوں کے بالکل برخلاف) اور عام طور پر ان لوگوں کے نزدیک جنگ و صلح اور مختلف ذاتی یا اجتہادی فعالیتیں مادیات تک رسائی کا نام تھیں، جبکہ ایمان واقعی، اسلام اور خدا پر ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترتا تھا، لہذا اس پر پابند بھی نظر نہیں آتے تھے۔

اس بات پر دلیل وہاں خوارج کا وجود اور ان کا نشوونما پانا تھا جو ظاہری تقدس (پیشانی پر جعدہ کا نشان، ذکر تسبیح وغیرہ) کے ساتھ بے تقویٰ اور بے ایمان تھے وہ کسی امام و رہبر کے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر تابع نہیں تھے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ دینی مسائل (عبادی یا معاملاتی) میں (خود) مجتہد اور صاحب رائے تھا اور ان کی عادت بن چکی تھی کہ ہر روز اپنے لئے نیارئیس دوسرے براہ انتخاب کر کے ایک نیا قدم اٹھاتے تھے، چنانچہ امیر المومنین کی شہادت کے بعد بھی سالہا سال بنی امیہ اور دیگر حکمرانوں کیلئے گلے کی ہڈی بنے رہے ہر

روز اسلامی سلطنت کے کسی گوشہ و کنار سے ان کے کئے ہوئے بلوے۔ جھگڑے اور اختلاف کی خبر آتی تھی اور یہ چند نا فہم اطر سادہ لوح اور کم عقل لوگ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خاک و خون میں غلطاں رکھتے تھے البتہ پس پردہ اسلام دشمن عناصر ان کی مدد کیا کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں مسلمانوں اور ان کی حکومتوں کو داخلی جنگوں اور مذہبی اختلافات میں الجھا دیتے تھے۔

ذیل میں ان کے بے تقویٰ ہونے پر جو تحریر اہل سنت کے دانشور ابن ابی الحدید نے پیش ہے جو پڑھنے قابل ہے۔

خوارج کا اجتہاد اور ان کے جرائم
ابن ابی الحدید معتزلی شیخ البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”یہ بات سننے کے قابل ہے جب یہ گروہ (خوارج) جنگ نہروان کیلئے جارہا تھا تو راستے میں دو مردوں میں سے جن میں سے ایک مسلمان اور دوسرا عیسائی تھا ملاقات ہوئی انھوں نے مسلمان کو قتل کر دیا، کیونکہ وہ ان کے عقیدے پر نہیں تھا اور عیسائی کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ یہ مسلمانوں کے تحت ذمہ ہے، لہذا ذمہ کی حفاظت ضروری ہے۔“

ابن ابی الحدید ابو العباس سے روایت کرتے ہیں:

”(اسی نہروان کی) راہ میں عبداللہ بن خباب ۳۵ کا ان سے سامنا ہوا جو اپنی حاملہ زوجہ کو لے کر کہیں جارہا تھا، جبکہ حاملہ کی گردن میں قرآن بھی بندھا ہوا ہے انہوں نے کہا یہ جو تمہاری گردن میں بندھا ہوا ہے وہ ہمیں دستور دیتا ہے کہ تجھے قتل کر دیں۔ عبداللہ بن خباب نے کہا: جسے قرآن نے زندہ کیا ہے تم بھی اسے زندہ کرو اور جسے قرآن نے مار دیا ہے تم بھی اسے مار ڈالو۔ اسی دوران انہی (خوارج) کا ایک آدمی اپنے مقام سے اٹھا اور اس نے درخت سے گرے ہوئے کھجور کا ایک دانہ اپنے منہ میں رکھ لیا تو اس پر چیخ و پکار شروع ہو گئے کہ یہ لوگوں کا مال ہے (یعنی بغیر اجازت کھانا صحیح نہیں) تو اس شخص نے فوراً پرہیزگاری کا اظہار کرتے ہوئے اسے منہ سے نکال پھینکا۔ اسی طرح ان کے ایک شخص نے سور (خوک) دیکھا جو نجس العین جانور ہے تو اسے مار دیا مگر اس پر اتنا شور و غل ہوا کہ یہ فساد فی الارض کس نے کیا؟ ۶۹ اس کے بعد عبداللہ بن خباب کے پاس آئے اور کہا: اپنے

۳۵ عبداللہ کے پدر گرامی جناب رسول اللہ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے بعد میں امیر المومنین کے باوفا ساتھیوں میں شمار ہوئے وہ صدر اسلام کے ان عظیم مجاہدوں میں سے تھے جنہوں نے مشرکین کی اذیت و آزار کو برداشت کیا۔ اس کی تفصیل زندگانی رسول اللہ میں صدر اسلام کے مجاہدوں کے تذکرے میں موجود ہے۔ ابن شہر آشوب کے مطابق نہروان میں خون کی آمد کے وقت (امیر المومنین کی جانب سے) وہاں کے والی تھے۔

۶۹ بعض روایات کے مطابق سور (خوک) کو مارنے والا یہ شخص اسکے ماک جو کُن: رانی تھا کے پاس رفاہیت حاصل کرنے گیا۔

باب (خباہ) سے سنی ہوئی کوئی حدیث سناؤ۔

عبداللہ نے کہا میں اپنے پدر گرامی سے سنا کہ رسول اللہ نے فرمایا:

سَتَكُونُ فِتْنَةٌ يَمُوتُ فِيهَا قَلْبُ الرَّجُلِ كَمَا يَمُوتُ بَدَنُهُ يُمَسِّي مُؤْمِنًا وَيَبْصَحُ كَافِرًا فَكُنْ عِنْدَ اللَّهِ طَلَّاحًا كَالْقَاتِلِ ”بہت جلد فتنہ برپا ہونے والا ہے کہ جس میں انسان کا دل ایسے مرجائے گا جیسے بدن مرجاتا ہے وہ رات ایمان پر اور صبح کفر پر مرے گا لہذا تم ایسے ایام میں خدا کے نزدیک مقتول ہو جانا مگر قاتل نہ بننا۔“ ۳۷

پھر انہوں نے ابو بکرؓ عمر اور عثمانؓ کے بارے میں سوال کیا تو ابن خباب نے اچھے انداز میں انھیں یاد کیا۔

پھر سوال کیا علی بن ابی طالبؓ کو حکمیت کے بعد کیسا ہونا چاہیے تھا؟ اس پر خباب نے جواب دیا:

إِنَّ عَلِيًّا أَعْلَمُ بِاللَّهِ وَأَشَدُّ أَعْلَى دِينِهِ انْقِلَابُ بَصِيرَةِ اس میں کوئی شک نہیں کہ علی بن ابی طالب خدا کے بارے میں ہم سے زیادہ آگاہ ہیں وہ دین خدا میں ہم سے زیادہ پرہیزگار اور بندش و بصیرت میں دوسروں سے زیادہ مقام رکھتے ہیں۔

اس پر خوارج نے کہا: تو ہدایت کی پیروی کرنے کے بجائے نام و شخصیت پرست ہے۔

اس کے بعد نہر کے کنارے ابن خباب کا ستر تن سے جدا کر دیا۔ ۳۸ ایک اور روایت میں ہے ابن خباب کو امان دے کر چھوڑ دیا مگر جب سور (خوک) اور نصرانی اہل ذمہ کا واقعہ پیش آیا تو ابن خباب نے ان کی احتیاط اور پرہیزگاری کو دیکھ کر فرمایا:

لَسْنَا كُنْهُمْ صَادِقِينَ فِيمَا رَأَيْ مَاعَلَى مِنْ كَيْفِ بَأْسٍ، وَاللَّهِ مَا أَخَذْتُ حَدَّثًا فِي الْإِسْلَامِ وَإِنِّي لَمُؤْمِنٌ وَقَدْ آمَسْتُ مُؤْمِنِي وَقُلْتُمْ لَا دُرُوعَ عَلَيْنَا ”اگر تم لوگ سچے ہو تو پھر مجھے تمہاری جانب سے کسی صدمہ کا خوف نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ قسم بخدا نہ تو میں بدعت لانے والا ہوں اور نہ ہی کوئی خلاف اسلام کام انجام دیا ہے، بلکہ ایک مومن انسان ہوں جسے تم نے امان دے کر کہا ہے کہ تجھ سے کوئی خوف نہیں۔“

لیکن انھوں نے ابن خباب کی بات پر توجہ نہ دیتے ہوئے انھیں قتل کر ڈالا۔ ۳۹ اور قتل ابن خباب کے

۳۷ ظاہری طور پر مقتول ہو جانا مگر قاتل نہ بننا کے معنی شاید یہ ہوں کہ اگر ان ایام میں دین کی سلامتی پر ماروئے جاؤ تو اس بات سے بہتر ہے کہ دین خطرے میں ہو مگر قاتل و مارنے والے ہو (یعنی قدرت مند تو ہو مگر دین ہاتھوں سے چلا جائے) چنانچہ ابن خباب بھی خوارج کے ساتھ ویسے ہی تھے لہذا انھیں قتل کر دیا گیا۔ ایک اور مقام پر کتاب صفین میں ابن دیزیل نے نقل کیا ہے جب ابن خباب سے کہا: اپنے باپ سے سنی ہوئی کوئی حدیث کو نقل کیا: یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمية ہم نے اسے زندگالی امیر المؤمنین میں ذکر کیا ہے۔

بعد ان کی حاملہ زوجہ کی جانب بڑھے جو خوف سے کانپ رہی تھی انھیں اپنی جانب آتے دیکھ کر زوجہ ابن خباب نے کہا، میں ایک عورت ہوں کیا تمہیں خوف خدا نہیں! مگر اس ستم زدہ عورت کی فریاد نہ سنی اور اسے بھی قتل کر کے اس کا شکم پھاڑ دیا۔ انھوں نے تین اور خواتین کو بھی قتل کر دیا جن میں ایک ”ام سنان صیداوی“ تھیں جنھوں نے رسول اللہ کا زمانہ درک کیا یعنی بالفاظ دیگر صحابیہ تھیں۔ ۴۰

شرح نہج البلاغہ میں ابوالعباس سے روایت نقل ہے، ابن خباب کے قتل کے بعد ان میں سے ایک شخص نے کھجور کے باغ کے مالک سے جو کہ نصرانی تھا ایک کھجور مانگی تو نصرانی نے کہا: اپنا مال سمجھو۔ جواب دیا اگر ہم سے قیمت نہ لی تو ہاتھ تک نہ لگائیں گے۔ اس پر نصرانی نے کہا:

وَاعْتَبِرُوا! اَفْتُلُونَ مِثْلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَبَّابٍ وَلَا تَقْبَلُونَ حَتَانَةَ خَلِيفَةِ الْاَبْنَمِ ”تجربہ ہے تم لوگ ابن خباب کو قتل کر دیتے ہو مگر چند کھجور بغیر قیمت ادا کئے نہیں لیتے؟“

بہر حال یہ لوگ اپنی خاص عادات اور لغو گریوں کے سبب ہر اس فعل کو جسے قائم کردہ غلط معیاروں کے تحت خود پسند نہیں کرتے تھے رو کرتے اور اس کے خلاف زبان کھولا کرتے تھے اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے۔ من جملہ یہ لوگ امام حسینؑ سے بھی متفق نہیں تھے۔

بنی امیہ کے طرفدار

اس گمراہ اور منحرف گروہ کے ساتھ دوسرے اور ظاہری مسلمان بھی تھے جنھوں نے ہمیشہ اپنی ثروت اور ذاتی منفعت کے حصول کو مد نظر رکھا اور حکمیت کے ماجرا کے بعد احساس کیا کہ علی بن ابیطالب اور ان کے معصوم فرزندانوں کے رکاب میں انھیں کوئی خاص مادی فائدہ نصیب نہیں ہوگا تو انھوں نے بنی امیہ خاص طور پر معاویہ کے ساتھ دوستی کا باب کھول دیا اور مخفیانہ طور پر شام و دمشق کے دربار سے مکاتبات شروع کیے، چنانچہ جاسوسانہ انداز میں کوفہ میں ہی رہ کر معاویہ کیلئے کام کرنا شروع کر دیا چنانچہ ان میں شبث بن ربعی، اشعث بن قیس، عمر بن سعد اور شہر بن ذی الجوشن وغیرہ جیسے منافق افراد کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہ لوگ اگر جنگ صفین یا دوسری جنگوں کے موقع پر امیر المومنینؑ یا آپ کے فرزندانوں کی مدد کرتے رہے تو وہ بھی منافقانہ تھی انھوں نے ہر گز اپنے دل میں ایمان کو راہ نہ دی اور نہ ہی ان بزرگوں یا ان کے اہداف پر اعتقاد نامی کوئی شے رکھتے تھے اور معاویہ جیسا فریب کار انسان بھی ان لوگوں کو جذب کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاری نہیں رکھتا تھا، اس نے انھیں درہم و دینار اور اپنے وعدہ وعید سے خرید رکھا تھا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کوفہ کی کاشتکاری اور اقتصادی مسائل انہی کے ہاتھوں میں دے رکھی تھی، لہذا چند باایمان افراد کے علاوہ دیگر عوام بھی انہی کے پیروی اور تابع تھے۔ ان کے درمیان واقعی طور پر جو شیعہ افراد تھے وہ نہایت کم اور انگشت شمار تھے جنھوں نے ہمیشہ فداری، جاٹاری اور دینی خدمت انجام دی یہاں تک کہ خود کو کربلا پہنچا

کراپنے مولا کے ساتھ شربت شہادت نوش کیا۔

کوفہ میں دیگر ادیان کے پیروکار

مذکورہ گروہوں مثلاً مسلمانوں، خوارج، منافقوں اور مختصر شیعہ افراد کے علاوہ کوفہ میں دیگر ادیان کے پیروکار مثلاً مسیحی اور یہودی بھی سکونت پزیر تھے جو ”حیرہ“ کی ویرانی کے بعد کوفہ کے مرکزی مقام پر اقامت پذیر ہوئے اور اس طرح وہاں کی بڑی تعداد کو تشکیل دیتے تھے۔ عیسائیوں نے وہاں کلیسا تعمیر کیے جن میں سے ایک مسجد کوفہ کے بالکل عقب میں واقع تھا اور اس وقت ان کے دو بزرگ کشیش (روحانی پیشوا) نسطوری اور یعقوبی وہاں موجود تھے۔ یہ لوگ دو گروہوں میں تقسیم تھے نصاریٰ تغلب اور نصاریٰ نجران۔ اور تغلبوں نے تعمیر کوفہ کے وقت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ قرارداد باندھی تھی جس کے مطابق کوفہ میں ملکیت، مکانات اور اقامت کی اجازت ملی تھی۔ کہا جاتا ہے یہ لوگ وہاں رہ کر صاحب ثروت و قدرت بن گئے تھے۔ نصارائے نجران نے بھی عمر بن خطاب کے دور خلافت میں انہی کی اجازت سے کوفہ میں مہاجرت کی اور ایک مستقل محلہ آباد کیا جو محلہ نصارائے نجران کے نام سے موسوم تھا۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ حکومتی اداروں اور شہر کوفہ کے اقتصادی امور میں داخل ہونے لگے یہاں تک کہ اہم کام انہی کے ہاتھوں انجام پانے لگے مثلاً جب ابو موسیٰ اشعری کوفہ کا رئیس ہوا تو اس نے اپنے خطوط کی کتابت کیلئے ایک نصرانی کو نوکر رکھا، جب عثمان کی جانب سے ولید بن عقیبر یہاں کا والی ہوا تو ایک عیسائی کو مسجد کے دفتری امور سونپے اور یہ عیسائی لوگ کوفہ کے صراف یعنی سونا چاندی اور پیسہ لین دین کے کاروباری تھے اور وہاں یہ لوگ ربا پر قرضہ دیا کرتے تھے یعنی آج جس طرح اکثر بینکوں میں ہوا کرتا ہے، لہذا اسی کاروباری انداز سے بے پناہ ثروت کے مالک ہوئے حد یہ ہے کہ کہا جاتا ہے عبید اللہ ابن زیاد نے جناب مسلم کی سرکوبی کیلئے انہی سے قرضہ لے کر لوگوں میں تقسیم کیا۔ ۳۱

دین یہود

چنانچہ تاریخ کا بیان ہے کہ یہودیوں کا ایک بڑا گروہ جب عمر بن خطاب کے حکم پر ۲۰ ہجری میں حجاز سے نکالا گیا تو وہ ہجرت کر کے کوفہ آیا اور اپنے لیے مخصوص محلہ آباد کیا جہاں عبادت گاہوں کی تعمیر کا خیال رکھا گیا، چنانچہ ایک یہودی اپنے سفر نامے میں تحریر کرتا ہے ساتھ ہزار یہودی کوفہ میں آباد تھے اور انھوں نے ریختہ گری کو جسے عرب عجیب سمجھتے تھے اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا اور کیونکہ رسول اللہ سے خاص کینہ رکھتے تھے، لہذا ان کی اولاد سے بھی عداوت کا اظہار کیا کرتے تھے، چنانچہ بعض اہل تحقیق کے مطابق واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کو شہید کرنے میں انھوں نے فعال کردار ادا کیا۔ ۳۲

لشکر کوفہ میں مختلف قبائل

جناب مسلم بن عقیل کے مقدس قیام کے مقابل عبداللہ بن زیاد کو ظاہری کامیابی اس لیے بھی ملی کہ کوفہ کی فوج مختلف قبائل کے امتزاج سے وجود میں آئی تھی یعنی ہر قبیلے کا اپنا دستہ تھا جس کا سالار اس قبیلے کا رئیس ہوتا تھا، لیکن افسوس ان میں سے اکچر سالار بنی امیہ کے طرفدار تھے یا پھر ہمنع الرعاع (چھوٹی یا ناتواں کھیلوں کی مانند) تھے جن کی جانب امیر المومنینؑ نے اپنے ایک معروف خطبے میں ارشاد فرمایا:

”جس طرف کی ہوا ہوتی ہے، یہ اسی سمت چلے جاتے ہیں۔“

مورخین کا بیان ہے، سعد بن ابی وقاص کے زمانے یعنی تاسیس کوفہ سے یہی لشکر کوفہ میں مختلف عرب وغیر عرب قبائل کے سپاہی تھے۔ ۴۳ اور یہ کیفیت زیاد بن ابیہ کے زمانے تک جاری رہی، لیکن جب زیاد بن ابیہ کوفہ کا فرما زواہر ہوا تو اس نے مذکورہ لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا:

۱۔ اہل مدینہ پر سپہ سالار عمرو بن حرث کو بنایا۔

۲۔ تمیم و ہمدان کے قبائل کا سپہ سالار خالد بن عرفطہ کو بنایا۔

۳۔ ربیعہ۔ مکر اور کندہ قبائل کا سپہ سالار قیس بن ولید بن عبدالشمس کو مقرر کیا۔

۴۔ مدحج اور اسد قبائل کا سپہ سالار ابو بردہ بن ابی موسیٰ کو بنایا۔

البتہ ان تغیرات اور تقسیمات کی وجہ یہی تھی کہ کسی طرح لشکر پر ہر طرف سے نظر رکھی جائے تاکہ فوج اس کے کنٹرل سے باہر نہ نکلنے پائے، لہذا سپہ سالار انہی کو منتخب کیا گیا جو بنی امیہ خاص طور پر معاویہ کے طرفدار اور حمایتی تھے۔ بہر حال یہ کیفیت اسکے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کے زمانے تک جاری رہی۔ جب عبید اللہ کوفہ کی بھاگ ڈور سنبھالنے آیا تو اسی چہارگانہ لشکر کی مدد سے جناب مسلم کے قیام کو روکنے میں بظاہر کامیاب رہا اور اسی طرح کر بلا میں امام حسینؑ کے خلاف لشکر کشی کرنے میں اسی تقسیم نے عبید اللہ کو بہت مدد فراہم کی، چنانچہ عمرو بن حرث اور خالد بن عرفطہ دونوں سپہ سالار کر بلا میں موجود تھے۔ ۴۴

۴۳ شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں امیر المومنینؑ کی زبانی غیبی خبروں کو نقل کرتے ہوئے اس خبر کو بھی مستند طریقے سے نقل کرتے ہیں حسن بن محبوب سدید بن غفلہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا:

”اے امیر المومنینؑ میں وادی القریٰ (شام و مدینہ کے درمیان ایک مقام) سے گزر رہا تھا تو وہاں خالد بن عرفطہ کو مردہ پایا، لہذا آپ اس کی مغفرت کی دعا فرمائیں۔“ حضرت نے فرمایا:

”خاموش رہو وہ نہیں مرا ہے اور جب تک وہ ایک گمراہ لشکر کی سالاری نہ کرے کہ جس کا پرچم حذر جیب بن حجاز ہوگا اس دنیا سے نہیں جائے گا۔“

پورا ایک شخص نے اٹھ کر کہا: اے امیر المومنینؑ میں آپ کا پاک شیعہ ہوں۔

اس فوجی ساخت و بانفت کے علاوہ ابن زیاد شہر کوفہ پر اسلئے بھی مسئلہ ہوا کہ عوام سے اس کا رابطہ ہر محلے کی اہم شخصیات کے توسط سے تھا جنہیں عرفاء کہا جاتا تھا اور کونے میں جتنے بھی فرمانروا آتے رہے حتیٰ عبد اللہ بن زیاد بھی وہ انہی عرفاء کے ذریعے مال۔ ہدایا اور دیگر سہولتوں کو عوام تک پہنچاتے تھے اور اسی وجہ سے ان عرفاء نے یہ تحریر دی تھی کہ ہم اپنے محلوں پر مکمل نظارت رکھیں گے اور اگر کوئی بھی مسئلہ بن کر سامنے آیا تو اسے بعینہ حکومت تک منتقل کر دیں گے اور حکومت کے ہر دستور پر عمل کروائیں گے ورنہ انہیں (عرفاء کو) عطا یا۔ شدایا اور بیت المال کی دیگر سہولتوں سے بھی محروم کر دیا جائے گا اور سخت عقوبت بھی برداشت کرنا ہوگی۔ (چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل کی قیام گاہ بھی اسی طریقے سے تلاش کر کے انہیں گرفتار کیا گیا۔)

اب ہم اس بحث کے اختتام پر یہ نتیجہ لیتے ہیں کہ مختلف اسباب و عوامل تھے کہ جنہوں نے نل کر ابن زیاد کو یہ سہولت فراہم کی کہ وہ شہر کوفہ پر رعب و وحشت اور زور و دھونس والی حکومت نافذ کر کے الہی مقدس قیام کو سرکوب کرے اور اسکے رہبروں کو قتل کرنے میں بظاہر کامیاب ہو جائے۔ لہذا جب یہ اسباب ابن زیاد جیسے مکار، بے بند و بار اور فریبی انسان کے ہاتھ لگ جائیں تو پھر واضح ہے کہ وہ اپنے اہداف و مقاصد کے حصول کیلئے ان سے کس طرح مددے گا اور اپنے حریف کو میدان سے کیونکر ہٹائے گا۔

بہر حال اب کوفہ کی اس تاسف آمیز کیفیت، گروہ بندیوں اور قومی و مذہبی اختلافات پر نظر رکھتے ہوئے ذرا دیکھیں کہ امام حسینؑ نے ان کوفہ والوں کو کیا جواب دیا اور جناب مسلم بن عقیل کی گزارش نامہ کے بعد آپ نے کیا قدم اٹھایا۔

ایک سوال کا جواب

یہاں ان لوگوں کیلئے جنہوں نے امام حسینؑ کا اصلی مقصد اور حضرت کے قیام کا واقعی سبب (یعنی دین کی نسبت احساس ذمہ داری اور اسکی ادائیگی) درک نہیں ایک سوال ابھرتا ہے جسے وہ ایک مدت بعد آج بھی حل نہیں کر سکے اور خود کو قانع کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں لہذا گا ہے بگا ہے اپنے تحریروں میں اشارہ یا اس کی

حضرت نے فرمایا تیرا نام کیا ہے؟ کہا میں ہی حبیب بن حجاز ہوں۔

امام نے فرمایا: ”ذرا اس روز سے جب تو اس پرچم کو ہاتھ میں لے کر مسجد کے اس دروازے داخل کرو گے۔ اور اپنے ہاتھ مسجد کے معروف دروازہ فیل کی طرف اشارہ کیا۔“

جب علیؑ اور ان کے بعد امام حسنؑ دنیا سے چلے گئے اور امام حسینؑ کی نہفت پیش آئی تو ابن زیاد نے عمر بن سعد کو امام حسینؑ سے جنگ کیلئے روانہ کیا اور لشکر کا سپہ سالار خالد بن عرظہ کو کیا، جبکہ لشکر کا پرچم حبیب بن حجاز کے سپرد کیا اور یہ اس پرچم کو لے کر مسجد کوفہ کے باب فیل سے مسجد کے اندر داخل ہوا۔ بہر حال یہ داستان بھی حضرت کے غیب پر ایک مثال ہے۔ ارشاد مترجم ص ۳۲۹۔

جانب تصریح کرتے ہیں حتیٰ کبھی تو ان کے بیان سے حضرت پر اعتراض محسوس کیا جاتا ہے۔

سوال کا خلاصہ یہ کہ کیا امام حسینؑ کو کوفہ کے سماجی و سیاسی حالات، لوگوں کے درمیان اختلاف اور ان کی بے وفائی کا علم نہیں تھا؟ اور کیا وہ ان کی گزشتہ بے وفائیوں کے علاوہ اپنے والد گرامی امام علیؑ اور برادر محترم امام حسنؑ کے ساتھ انجام دیئے گئے کردار کو بھول گئے تھے (یعنی نعوذ باللہ) امام ان کے دھوکے میں آگئے؟ اور ایسی کیفیت میں یہ خوین قیام کیا نتیجہ دے سکتا تھا؟ اور آخر میں امام نے کیوں قیام کیا تھا؟

افسوس کہ آج بھی بعض معاصر اہل قلم مثلاً احمد شلشی، شیخ محمد خضریٰ اور محمد غزالی وغیرہ ان سوالات اور شبہات کو اپنی کتابوں میں جگہ دیتے ہیں۔ ۴۵ جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ انھوں نے فقط اسکے ایک رخ دیکھا ہے اور یہ لوگ دوسرے رخ سے محروم ہیں یا پھر اس پر توجہ نہیں کرتے۔

البتہ اس بات کی اصل علت جسے گزشتہ بحث میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ انھوں نے ان پاک ہستیوں کو اپنی ذات سے مقاستہ کیا ہے اور فقط مادی عینک لگا کر ظاہر بین آنکھوں سے واقعہ کر بلا اور امام کے مقدس قیام کو دیکھتے ہیں۔ ان کی نگاہیں شہادت اور خدا کی راہ میں جان و مال کو قربان کرنا وغیرہ سے غافل اور بے اطلاع ہیں ان باتوں کو درک کرنے میں ناکام رہے ہیں، لہذا یہ لوگ خدا کے اس قول کے مصداق قرار پاتے ہیں۔

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾ ”وہ تو (صرف) دنیوی

زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔“ (روم ۷)

شاید یہ لوگ اس ظاہر بنی اور امام حسینؑ کے مقدس قیام کی شناخت نہ رکھنے کی وجہ سے خود کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اعتراضات اور شبہات کے علاوہ امام عالی مقام کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ قیام بے ثمر اور لوگوں کیلئے مضر تھا، جبکہ یہ لوگ اس بات سے غافل ہیں امام حسینؑ کا یہ مقدس قیام یزید کے مقابل نہیں تھا جو خود کو خلیفہ رسول اللہؐ اور امیر المومنین گردانتا تھا، بلکہ تمام خلاف شریعت اقدامات اور علنی فسق و فجور کے مقابل تھا جس کے سبب قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کا وجود کالعدم ہوتا جا رہا تھا کیونکہ بنی امیہ اور ان سے وابستہ افراد مثلاً یزید اسلام کو مہو کرنے میں مصروف تھے، تاکہ پھر اس کی جگہ عرب قومی نظام کو نافذ کر سکیں جبکہ امام حسینؑ کی مقدس تحریک جس کی پیروی دنیا کے محبوب ترین اور مقدس ترین اشخاص کر رہے تھے جو بتانا چاہتی تھی کہ اس تکلیف حکومت کا اسلام اور پیغمبرؐ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، بلکہ جناب ختمی مرتبت اور ان کے خاندان محترم کے نزدیک یہ حکومت مغضوب ترین حکومت ہے حتیٰ کہ یہ لوگ حاضر ہیں اپنی جان اور اولاد کو بھی اس راہ میں قربان کر دیں مگر حاضر نہیں کہ یزید جیسے فاسق فرد کی حکومت کے آگے جو خود کو امیر المومنین اور جانشین رسولؐ کہتا ہے ذلت برداشت کریں۔ یہ ظاہر بین

صاحبانِ قلم امام حسینؑ کے مقدس قیام کو بھی بنی الحسین اور بنی عباس وغیرہ کے قیام اور ان کی تحریکوں کے ساتھ مقابلاً کرتے ہیں جو اپنی حکومت کے حصول کیلئے اور طرف مقابل کا تختہ الٹنے کیلئے قیام کرتے تھے لہذا قیام امام حسینؑ کے بارے میں بھی یہ لوگ دیگر تحریکوں کی طرح سوچتے تھے، لیکن اگر یہ لوگ اس مقدس قیام اور دیگر قیاموں کو روایات اور احادیث اور ان قیام کرنے والے رہبروں اور قائدین کی گفتار کے سہارے تجزیہ کرتے تو یقیناً اتنی بڑی فاش اور بڑی غلطی کے شکار نہ ہوتے اور نہ ہی ایسی بے جا تضادات کرتے۔

بہر حال تاریخی سیر جاری رکھتے ہوئے بعد میں رونما ہونے والے واقعات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۲۔ وقد بلغني ان الحسين بن علي قد عزم على المسير الى العراق، فضع المراصد والمناظر، واحترس واجلس على الظن واكتب التي في كل يوم بما يتجدد لك من خير او شر فتوح ابن العثم ج ۵ ص ۱۰۹۔
انساب الاشراف پہلا حصہ ج ۱۔

۵۔ بحار الانوار ج ۶ ص ۲۸۳، ۲۹۸، بعض روایات میں مناقب کی جگہ فاجر آیا ہے۔

۶۔ نوح البلاغ، خطبہ ۱۹۸۔

۷۔ جامع السعادات ج ۱ ص ۲۰۲۔

۸۔ بحار الانوار ج ۸۔ طکپانی، ص ۳۷۲۔

۹۔ نوح البلاغ، خطبہ ۱۲۶۔

۱۰۔ شرح نوح البلاغ، ابن ابی الحدید ج ۲ (چار جلدوں پر مشتمل طبع معمر) ص ۵۷۷، ۵۷۸۔

۱۱۔ نوح البلاغ، خطبہ ۲۰۶۔

۱۲۔ ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۱ ص ۲۷۲۔

۱۳۔ نوح البلاغ، خطبہ ۳۳۔

۱۴۔ نوح البلاغ، خطبہ ۲۵۔

۱۵۔ بحار الانوار طبع کپانی ج ۸ ص ۶۸۳۔

۱۶۔ ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۱ ص ۲۷۳۔

۱۷۔ احتجاج طبری ص ۱۴۹۔

۱۸۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۴۳۰۔

۱۹۔ ترجمہ مقاتل الطالبین (مؤلف خدا) ص ۱۳۶، ۱۳۵۔

۲۰۔ ترجمہ مقاتل الطالبین (مؤلف خدا) ص ۱۳۸۔

۲۱۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۴۲۲۔

۲۲۔ ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۱۶۲۔

۲۳۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۴۲۱۔

۲۴۔ فتوح البلدان ص ۲۷۹۔

۲۵۔ سفینۃ البحار ج ۱ ص ۶۸۱، ۶۸۲۔

۲۶۔ احتجاج طبری ص ۱۶۶، طبع نجف، مقتل الحسین مقرر طبع جدید ص ۳۱۱، نور الابصار شب لہجی ص ۱۶۷۔

۲۷۔ نفس المحموم ص ۲۱۰، یہ خطبہ اپنے مناسب مقام پر تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا انشاء اللہ۔

۲۸۔ طبقات ابن سعد ج ۶۔

۳۳ فتوح البلدان ص ۲۶۶، معجم البلدان ج ۷ ص ۲۶۷۔

۳۳۔ البیان والتبیین ج ۱ ص ۲۰، ۲۱۔

۳۳۔ حیات الامام الحسین ج ۲ ص ۴۳۸، ۴۳۹۔

۳۸. شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

۹۔ کئی مختلف روایات میں ہے کہ جب ابن خباب کا خون دریا میں گر ا تو پانی میں مخلوط ہونے کی بجائے اس طرح چل رہا تھا جیسے زمین پر بہہ رہا تھا؛ شذرات الذهب، ج ۱، ص ۶۱، شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۰۳۔

• بحیة الحیاة الامام الحسین ج ۲ ص ۸۲۔

۱۱) مذکورہ بالا تحریر یا قمر شریف قرشی کی کتاب حیات الامام الحسنینؑ ج ۲ ص ۴۳۳ سے ماخوذ ہے جو انھوں نے مستند حوالوں کے ساتھ پیش کی ہے۔

۴۲ الحاشیۃ الامام الحسین ج ۲ ص ۴۴۵۔

۴۳ اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے والے حیاء الامام الحسینؑ تالیف باقر شریف ج ۲ ص ۴۴ پر رجوع کریں۔

۲۵۔ ان شبہات و سوالات کو تفصیل کے ساتھ جاننے کیلئے حیاۃ الامام الحسین باقر شریف ج ۳ ص ۳۸ پر رجوع فرمائیں۔

عراق کی جانب امام حسینؑ کا سفر

عراق کا انتخاب کیوں؟

پہلا مطلب جسے یہاں موضوع بحث قرار دیں وہ یہ ہے کہ کیا وہاں جو امام نے اپنے قیام کا نقطہ آغاز کوفہ کی سرزمین کو ٹھہرایا جبکہ کوفہ کے علاوہ دوسرے مقامات مثلاً یمن و بصرہ سے بھی امام کے نام خط لکھے گئے اور ان شہروں میں امام اور آپ کے والد بزرگوار علیؑ کے پیروکار اور حشیں بھی آباد تھے مگر آپؑ وہاں تشریف نہیں لے گئے۔

اس بات کا جواب بھی کوفہ کے سیاسی و سماجی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے دینا ہوگا، کیونکہ جہاں کوفہ سماجی مشکلات کی پلیٹ (جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے) میں تھا، جہاں ایمان و عقیدہ میں سستی پائی جاتی تھی اور وہ لوگ بے وفائی میں مشہور بھی تھے وہاں اس شہر کی جغرافیائی حیثیت بہت عمدہ تھی اس طرح وہاں فوجی، سماجی اور سیاسی مشکلات تھیں وہاں ان ہی چیزوں کے مثبت تصور اور حسن کے علاوہ واقعی شیعہ افراد کی ایک تعداد سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، جبکہ دوسرے علاقے مندرجہ ذیل ایسی حیثیت میں نہیں تھے۔

۱۔ جغرافیائی اعتبار سے اس وقت کا کوفہ ایران، حجاز، شام اور شرقی روم کی نسبت مرکزیت رکھتا تھا اور فوج اکٹھا کرنے کے اعتبار سے بھی یہ مقام مناسبت رکھتا تھا، کیونکہ اکثر جنگ جو افراد کوفہ یا اس کے اطراف (قرب و جوار) میں آباد تھے اسی طرح خلفاء کی خاص توجہ کی وجہ سے یہ شہر سیاسی اعتبار سے اچھی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ عمرؓ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا تو کوفہ اسلامی فوج کیلئے چھاؤنی کے طور پر آباد کیا گیا اور اس طرح روز بروز اپنی وسعت و اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا البتہ ان تمام خصوصیات سے ہٹ کر کوفہ اقتصادی اعتبار سے بھی منفرد شہر تھا کیونکہ یہ صفت و ہنر میں پیشرفت اور کھجور و دیگر میوہ جات کی پیداوار کے اعتبار سے دیگر شہروں پر امتیاز رکھتا تھا اسی لئے لکھتے ہیں معاویہ کے زمانے میں شہر کوفہ اور اسکے قرب و جوار تمام شہروں سے اہم تھے، چنانچہ امیر شام کے

بیت المال میں سالانہ پچاس پچاس ہزار درہم کی مالیت کو فہ کی جانب سے جمع ہوتی تھی اور ”بطاح“ سے جو واسطہ اور بصردہ کا درمیانی علاقہ تھا سالانہ در آمد پانچ ہزار درہم روانہ کی جاتی تھی، لہذا پہلی مرتبہ عباسیوں نے اپنی حکومت عراق میں مستقر کی اور وہیں سے شام اور دیگر بلاد پر حملہ کیا پھر پانچ سو سال تک اسی شہر سے اسلامی ممالک پر حکومت چلانے میں کامیاب رہے۔ اس طرح شیعوں اور علویوں کی مختلف تحریکیں جیسے مثلاً سلیمان بن صرد، مختار ثقفی اور یزید بن علی وغیرہ نے کو فہ سے ہی تحریک کا آغاز کیا کیونکہ یہ شہر مرکزیت رکھتا تھا۔

۲۔ کو فہ وہ واحد شہر تھا جس میں امویوں خاص طور پر معاویہ کی نسبت کینہ و بغض زیادہ پایا جاتا تھا، لہذا وہ ہمیشہ اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح ان لوگوں سے انتقام لیں کیونکہ امیر المومنینؑ کے زمانے میں حتیٰ اس سے قبل بھی وجوہات، محصولات اور دیگر درآمدات کا ایک حصہ مرکزی حکومت ہونے کے اعتبار سے یہاں بھیجا جاتا تھا اور یہیں سے عزل و نصب اور دخل و خرچ عمل میں آتا تھا مگر امیر المومنینؑ کے زمانے میں اہل کو فہ کی سستی اور بے حالی نے امیر شام کا پایہ تخت شام منتقل کرنے میں ساتھ دیا مگر سالہائے سال تک اہل کو فہ اپنے ماضی کو یاد کر کے افسوس کیا کرتے تھے اس طرح حکام شام خاص طور پر معاویہ کی برائی جگہ پانچٹی تھی، لہذا انتقام جوئی رہا کو فہ کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ ادھر معاویہ کی جانب سے بھی حسد و کینہ رویہ عام تھا چنانچہ سہولتیں دینے کی جب بجائے آئے روز اہل کو فہ پر سختیوں اور تنکیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں مغیرہ بن شعبہ اور زیادہ بن ابیہ جیسے سنگدل اور خونخوار فرمانروا بھیجے جاتے تھے جو قساوت بے رحمی اور ظلم و ستم میں یگانہ روزگار تھے اس کے علاوہ دوسرے اور مختلف طریقوں سے یہ اہل کو فہ کو سخت دباؤ میں رکھتا تھا گویا وہاں زندگی بسر کرنا مشکل بن گئی تھی اسی لیے مرگ معاویہ کے وقت کو فہ آتش فشاں پہاڑ کی مانند ابلنے کیلئے تیار تھا اور آئے دن وہاں سے بغاوت کی توقع تھی یعنی معمولی سی حرکت اہل کو فہ کو اصولوں کے خلاف قیام کرنے پر ابھار سکتی تھی۔

امام ان حالات سے مکمل آشنا تھے، لہذا اس شہر کے لوگوں کی جسمانی اور روحانی آمادگی کو اسلام کے فائدے میں صرف کرنا چاہتے تھے کہ اسلامی قوانین و دستورات کو زندہ کریں جنہیں اس حکومت نے پامال کیا ہے اور اگر مزید باقی رہی تو رہا سہا اسلام بھی ملیا میٹ طے جائے گا اور اگر ان سے حکومت لینے میں کامیاب ہو گئے تو رسول اللہ کا مقدس مقام خلافت بندروں اور بید و معاویہ جیسے ناپاک عناصر سے پاک کر ڈالیں گے اور اگر حکومت حاصل نہ کر سکے تو اپنے اعتراض کو خون کے ذریعے پورے جہاں تک پہنچادیں چنانچہ اگر اہل کو فہ صحیح طور پر اپنی مقاومت اور استقامت کا ثبوت دیتے

اور ابن زیاد کی دھمکیوں، اغواگریوں اور بے جا دھونس سے نہ نہ ڈرتے ہوئے جناب مسلم بن عقیل کے ساتھ بھرو پر انداز میں رہتے تو یقیناً امام معصوم کی سرداری میں امویوں سے حکومت لینے میں کامیاب ہو جاتے، لیکن افسوس انھوں نے بزدلی اور کم ہمتی کا ثبوت دیتے ہوئے عبید اللہ بن زیاد کیلئے میدان خالی چھوڑ دیا جس کے نتیجے میں وہ جناب مسلم کے قیام کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔

۳۔ انتخاب کوفہ کی تیسری علت وہ دعوت نامے تھے جو بڑے پیمانے پر حضرت امام حسین کو لکھے گئے، جبکہ دیگر شہروں سے اتنے زیادہ خط نہیں لکھے گئے لہذا امام کی نگاہ میں ان کا جواب دینا ایک لازمی امر تھا اور امام کے نزدیک یہ ایک الہی فریضہ تھا جسے وہ خود بہتر سمجھتے تھے کہ کس طرح جواب دیا جائے، چنانچہ جو طریقہ امام نے اختیار کیا وہ ہم سب جانتے ہیں۔

مذکورہ بالا عوامل و اسباب سے روشن ہو جاتا ہے کہ امام نے دوسرے مقامات مثلاً حجاز یمن اور بصرہ وغیرہ کا رخ کیوں نہیں فرمایا کیونکہ نہ تو ان شہروں میں استعداد پائی جاتی تھی اور نہ ہی ان کی حیثیت کوفہ سے اچھی تھی۔ اسی طرح ان شہروں سے کوئی خاطر خواہ دعوت بھی نہیں دی گئی پھر امویوں کا کنٹرول بھی ان شہروں پر کوفہ سے کہیں زیادہ تھا، لہذا ان تمام اسباب نے ساتھ دیا اور امام دوسرے شہروں سے کہ جہاں اس کا امکان بھی قوی تھا کہ خود وہ لوگ امام کو گرفتار کر کے امویوں کے ہوالے کر دیتے، لہذا امام نے دوسرے شہروں سے روگردانی کرتے ہوئے کوفہ کا رخ کیا اور نہ دوسرے شہر خاص طور پر حجاز دشمنی اہلبیت میں اپنی مثال آپ تھا، لہذا امام زین العابدین نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

ما سبکھ والمدینۃ عشرون رجلاً یحبنا ”مکہ و مدینہ میں بیس آدمی بھی ہمارے چاہنے والے نہیں۔“ ۱

ابو جعفر اس کافی نے بھی روایت کی ہے تمام مکہ بغض علی دلوں میں رکھتے تھے، لہذا ان میں سے اکثر بنی امیہ کے طرفدار تھے ۲۔ اسی طرح مصر جو عمر و بن عاص کے ہاتھوں فتح ہوا اور پھر یہ کچھ عرصے بعد دوبارہ اسی کے ہاتھوں لگا لہذا وہاں مستقل علی بن ابیطالب کے خلاف تبلیغ ہوا کرتی تھی۔ البتہ کوفہ کے بعد فقط یمن ایسا علاقہ تھا جہاں دوسرے علاقوں کی نسبت اہل بیت کے پیروکار زیادہ پائے جاتے تھے، لیکن یہ اقتصادی مشکلات میں اتنے گھرے ہوئے تھے کہ مزدوری کرنے کیلئے بھی عراق اور کچھ دوسرے مقامات پر جایا کرتے تھے اور پھر یہ لوگ جنگی طریقوں اور آزمائشات سے مناسب آشنائی بھی نہیں رکھتے تھے، بنا براین کوفہ اقتصادی، جنگی، تنصیبات اور امام کی طرفداری کے لحاظ سے بھی بہترین مقام تھا، لہذا امام نے کوفہ کو انتخاب کیا۔

کوفہ کی جانب سفر پر ممانعت

اس سے قبل کہ امام حسینؑ کا کوفہ کی جانب سفر اور اس میں پیش آنے والی واقعات پر بحث کریں ضروری ہے ان کے نام جو امام کے سفر کی مخالفت کر رہے تھے یا سفر کے مخالف تھے ذکر کیے جائیں، تاکہ روشن ہو جائے مخالفت کیوں کی جارہی تھی سفر امام حسینؑ کی مخالفت کرنے والے دو طرح کے لوگ تھے۔

پہلا گروہ ان افراد کا تھا جو ہمدردی، دل سوزی، اور امام حسینؑ سے محبت کے بل بوتے پر سفر کوفہ کی مخالفت کر رہے تھے وہ اصرار اسلئے کر رہے تھے کہ کسی طرح امام کی راہ میں مانع ہو جائیں، کیونکہ ان کے نزدیک سیاسی و سماجی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے امام کا وہاں جانا خطرے سے خالی نہ تھا، لہذا حضرت اور آپ کے ساتھ جانے والوں کو محفوظ محسوس نہیں کر رہے تھے یعنی یہ لوگ صادقانہ طور پر امام کو اس خطرناک سفر سے روکنا چاہتے تھے، لیکن دوسرا گروہ ان اشخاص کا تھا جو سچی محبت اور امام سے ہمدردی نہیں رکھتے تھے، بلکہ اپنی ہمدردی کا مظاہر اور دکھاوا کر رہے تھے جبکہ یہ لوگ دل سے اپنے خاص مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بات پر راضی تھے کہ اچھا ہے امام کے لیے عراق چلے جائیں۔

عبداللہ بن زبیر

دوسرے گروہ کے افراد میں عبداللہ بن زبیر کا نام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ یہ شخص اسلامی ممالک پر حکومت و خلافت کا سودا سر میں رکھے ہوئے تھا ظاہر اگر امام کے ہی میں قیام فرماتے تو لوگوں میں آپ ذاتی و خاندانی عظمت عبداللہ بن زبیر کی فعالیت اور حکومت کی تبلیغ میں مانع رہتی اور لوگوں کی زیادہ تر توجہات امام حسینؑ کی جانب مبذول رہتی۔ چنانچہ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کا مکہ میں قیام کرنا سب سے زیادہ اس (عبداللہ بن زبیر) پر گراں تھا ۳۔ وہ چاہتا تھا جتنا جلد ممکن ہو امام حسینؑ مکہ سے ہجرت کر جائیں تاکہ وہ اپنے ہدف تک پہنچنے کیلئے بخوبی کوششیں جاری رکھ سکے، چنانچہ اس دلی خواہش اور نفس پرستی کا اظہار بعض اوقات توبہ اختیار کی طور پر کر بیٹھتا تھا جیسا کہ جب امام سے ملاقات ہوئی اور حضرت نے اس سے فرمایا اہل کوفہ نے مجھے دعوت نامے ارسال کیے ہیں تو فوراً کہا:

ما یمنعک من شیعۃ ابیک؟ فواللہ لو ان لی مثلہم ما تو جعت الا الیہم ”پھر کیا چیز مانع ہے کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے شیعوں میں نہیں جاتے قسم بخدا اگر میرے ایسے چاہنے والے ہوتے تو میں ضرور ان کی دعوت قبول کرتا۔“ ۴

بہر حال اس مدعی پر ایک دلیل خود امام حسینؑ کا ایک جملہ ہے جو آپ سے عبداللہ بن زبیر کے بارے میں نقل ہوا۔ آپ نے فرمایا:

إنّ هذا وأشار الی ابن الزبیر. لیس شیء من الدنیا أحب الیہ من أن أخرج من الحجاز، وقد علم أن

الناس لا يعدلونه بی فوذانی خرجت حتی یخلوله ”اس شخص (ابن زبیر کی جانب اشارہ) کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب شے کوئی نہیں کہ میں حجاز سے نکل جاؤں، کیونکہ وہ جانتا ہے میرے ہوتے ہوئے لوگ اسے میرے برابر نہیں مانتے، لہذا وہ چاہتا ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور اس کیلئے میدان خالی ہو جائے۔“ ۵

بہر حال جب عبد اللہ بن زبیر نے سنا کہ امام حسینؑ کو فہ کی جانب سفر کا آغاز کر رہے ہیں تو اسی دکھاوے والی محبت کا اظہار اس پیغام کے ذریعے کیا:

این تذهب؟ الی قبلو الیاک وطعنو ایاک ”کہاں جا رہے ہیں کیا ان لوگوں کی جانب جنہوں نے آپؑ کے والد کو قتل کیا اور بھائی کو خنجر کے ذریعے زخمی!“ ۶

بقول ابن اثیر جب اس نے امام کو کوفہ جانے پر شوق دلایا تو اسے اچانک یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگ جائے، لہذا اپنی بات کو بدل کر کہا:

امّا انک لو اقمتم بالحجاز ثم اردت هذا الامر هینا لما خلفنا علیک وساعدناک وباعناک و نصحناک ”لیکن اگر آپ حجاز میں رہ کر یہاں کی حکومت حاصل کرنا چاہیں تو ہم آپؑ کی مخالفت نہیں کریں گے بلکہ اس کام میں آپؑ کی نصرت بھی کریں گے اور بیعت کے ذریعے آپؑ کی نسبت خیر خواہی انجام دیں گے۔“ ۷

تو امام نے جواب کے طور پر فرمایا:

ان ابی حدثنی ان لہا کیشاً بہ تستحل حرمتہا، فمّا احب ان اكون ذالک الکیش ”بے شک میرے والد گرامی نے مجھے بتا دیا تھا کہ مکے میں ایک معروف شخص کی وجہ سے حرم خدا کی حرمت شکنی ہوگی، لہذا مجھے گورا نہیں کہ میری وجہ سے حرم الہی کی حرمت شکنی کی جائے۔“ ۸

ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

لئن اقتل بسمکان کذا و کذا و کذا احب الی من ان تستحل بی ”اگر میں فلاں جگہ یا فلاں جگہ مارا جاؤں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میری وجہ سے حرم خدا کی حرمت پامال ہو۔“ ۹

عمر بن سعید اشدق

دوسرے گروہ کے افراد میں ایک اور نام مکہ کا فرمانروا اور یزیدی کی جانب سے اور منصوب شدہ والی مکہ عمرو بن سعید اشدق کا لیا جاسکتا ہے جس نے کوفہ کی جانب امام کے سفر کی خبر سن کر حضرتؑ کے نام خط لکھا جس میں ظاہری معنی، دکھاوے کی ہمدردی اور حضرتؑ کیلئے امان نامہ تحریر کیا، تا کہ کسی طرح سفر کرنے سے روک کر امام کو واپس جانے پر راضی کیا جائے، لیکن وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا چنانچہ اس خط کا متن

یہ ہے:

انّی اسئل اللہ أن یلهمک شدک ، وان یعرفک عمایر ادبک ، بلغنی انک قد عزمت علی
الشخص الی العراق ، فانی اعیزک باللہ من الشقاق ، فان کنت خائفاً فاقبل الی فلک عندی
الامان والصلۃ

”میری خدا سے دعا ہے کہ وہ تمہیں بہتری و ترقی کا انعام عطا کرے اور وہ جو چاہتا ہے اس کی تمہیں
شناخت عطا کرے میں نے سنا ہے کہ تم عراق کی جانب سفر کا ارادہ رکھتا ہے (جبکہ میں خدا کیلئے تمہیں
پناہ عطا کرتا ہوں) کیونکہ تمہارا وہاں جانا کہیں تفرقہ اندازی کا سبب نہ بن جائے، لہذا میرے پاس
تیرے لیے امان و خیر خواہی ہے۔“

ارشاد شیخ مفیدؒ میں ہے:

اس نے یہ خط امام حسینؑ کے پیچازاد بھائی اور زینبؓ کے شوہر عبداللہ بن جعفر کے کہنے پر لکھا تھا کہ وہ
امام حسینؑ کو زبردستی یعنی فوج کے زور پر واپس جانے پر مجبور کرے، چنانچہ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کی سپہ
سالاری میں ایک فوجی دستہ امام کی جانب روانہ کیا، جنہیں امام کے ساتھیوں نے معمولی سی جھڑب کے بعد
مجبور کر دیا کہ وہ امام کا پیچھا چھوڑ کر واپس لوٹ جائیں۔ اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن جعفرؒ امام کی خدمت
میں آئے، تاکہ حضرتؑ کو واپس لوٹ جانے کا مشورہ دیں، مگر امام نے قبول نہیں کیا تب عبداللہ بن
جعفرؒ، عمرو بن سعد کے پاس گئے، تاکہ وہ امان نامے کے طور پر خط لکھ کر امام کو مزید سفر کرنے سے روکے،
لیکن یہ طریقہ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکا۔

بہر حال عمرو بن سعید اشدق ان لوگوں میں سے تھا جو نہیں چاہتے تھے امام کے سے نکل کر عراق کی
جانب سفر کریں مگر یہ خواہش امام سے ہمدردی کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یزید اور بنی امیہ کے نقصان کو مد نظر
رکھتے ہوئے سفر امام کی مخالفت کر رہے تھے کہ کہیں آل ابوسفیان سے حکومت چھین کر آل علیؑ کے ہاتھوں
میں نہ آجائے اور کئی لوگوں مثلاً عبداللہ بن عمر، ابوسعید اور عمرۃ بنت عبدالرحمن بن سعد انصاری وغیرہ نے
اسی ذہنیت سے امام کو خط لکھے مگر اکثر حضرات کو امام نے اپنے جواب سے محروم رکھا، چنانچہ عبداللہ بن
عمر کے بارے میں جو کہ بہت سے لکھنے والے دانشوروں کے نزدیک ایک معتبر چہرہ ہے دیکھتے ہیں کہ
انھوں نے کیا کہا اور امام سے کیا سنا؟

عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب

عبداللہ بن عمرؓ بھی انہی افراد میں سے تھا جو امام کے سفر سے راضی نہ تھے، مگر مخالفت کا سبب خود اس کے
کلام سے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ لکھا ہے جب عبداللہ بن عمر کو اطلاع ملی کہ حسینؑ عراق کی جانب جا رہے

ہیں تو خود کو حضرت تک پہنچا کر کہا:

”هذه دولتهم، ان الله خير نبيه بين الدنيا والآخرة فاختار الآخرة وانكم بضعه منه لا يليها منكم ابداً
”یہ حکومت ان کی ہے بے شک خدا نے رسول کو دنیا و آخرت کے حصول میں مختار قرار دیا تو حضرتؑ
نے آخرت کو انتخاب کیا اور آپؑ تو ان کے لخت جگر ہیں پھر یہ دنیا تو کسی سے بھی وفا نہیں کرتی
لہذا اس سے روگردانی کریں کیونکہ اس میں سوائے خیر کے کچھ بھی نہیں۔“ ۱۱

بنا برائیں اس گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا علم واجتہاد درک و فہم کتنا وسیع تھا، کیونکہ مختصر سادہ رکھنے
والے انسان بھی یزید و معاویہ کی حکومت کو فرزدان رسولؐ اور اولادِ علیؑ پر ترجیح نہیں دے سکتا اور نہ اسے بہتر
جانتا ہے۔

دوسرا گروہ

جبکہ دوسرا طبقہ حضرت امام حسینؑ ان شیعوں اور چاہنے والوں کا تھا جو اس خاندان رسالت سے ہمدردی و
محبت کی وجہ سے امام کی مخالفت کر رہے تھے یہ لوگ بھی تعداد میں کم نہیں تھے مگر بعض دور و دراز علاقوں میں
آباد ہونے کی وجہ سے حضرتؑ کے واقعی مقصد سے آشنائے تھے، لہذا حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ رائے
رکھتے تھے کہ حضرتؑ کو عراق نہیں جانا چاہیے یا پھر جو لوگ امام سے نزدیک ہو سکتے تھے وہ آ کر حضرتؑ
سے اپنی مخالفت کا اظہار کرتے تھے، یعنی مجموعی طور پر ایک بڑی تعداد اس عقیدے پر متحد تھی کہ حضرتؑ کا
عراق کی جانب سفر کرنا صحیح نہیں، کیونکہ یہ لوگ الہی ہدف اور قیام امام کے واقعی سبب یعنی ”ظلم، بے عدالتی
اور انحراف کے خلاف قیام اگرچہ اس کی قیمت اپنی اور عزیزوں کی شہادت کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا
کرنا پڑے“ سے بہر خبر تھے، بلکہ سیاسی و سماجی حالات کو مد نظر رکھ کر اپنے خیالات اور ہمدردی کا اظہار
کر رہے تھے۔

بنا برائیں یہ لوگ مصلحت اسی میں جان رہے تھے کہ امام حسینؑ اس سمت نہ جائیں اور اگر آج کی اصطلاح
میں کہا جائے تو ان کے نزدیک حضرتؑ کا یہ اقدام ایک غیر ضروری و دینداری اور بے فائدہ شکست پزیر
سیاسی اقدام تھا لہذا آج بھی اسی نظر کے مطابق بہت سے عرب و غیر عرب اہل قلم کے نزدیک حضرتؑ کا
وہ الہی قیام بے فائدہ تھا، بلکہ یہ لکھنے والے حضرتؑ کی ذات کو (نعوذ باللہ) مقصد شمار کرتے ہیں۔ اس بارے
میں ان لوگوں کی نظریات پڑھنے کیلئے شیخ محمد خضریٰ، محمد نجار، محمد غزالی اور احمد شلشی وغیرہ کی تحریر کردہ
کتابوں سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ یہاں فقط ان چند اصحاب رسولؐ اور آپؑ کے نزدیک کی افراد کا ذکر کرنا
چاہتے ہیں جنہوں نے امام حسینؑ تک خود کو پہنچا کر اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے عراق کی جانب
حضرتؑ کی مخالفت کی اور حضرتؑ کا جواب سنا۔

عبداللہ بن عباسؓ

عبداللہ بن عباس امام کے چچا زاد بھائیوں میں سے تھے جو کبرسنی کے سبب مکے اور طائف میں اپنی زندگی کے آخری ایام طے کر رہے تھے اور وہ آنکھوں سے بھی نابینا تھے، چنانچہ جب انھوں نے سنا امام حسینؑ کو فتنے کی غرض سے سفر کرنا چاہتے ہیں تو فوراً حضرت سے ملاقات کرنے آئے اور عرض کیا، میں نے لوگوں سے سنا ہے آپ عراق جارہے ہیں؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟ امام نے فرمایا:

نعم قد اجمعت علی المسیر فی احدیومئ ہذین الی الکوفہ ، ارید اللحاق بابن عمی مسلم ان شاء اللہ تعالیٰ ”جی ہاں آپ نے صحیح سنا، میں آج کل ہی میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل سے ملاقات کیلئے کوفہ جارہا ہوں۔“

ابن عباس سخت پریشانی کے عالم میں گویا ہوئے: خدا کی پناہ، کیا جن لوگوں نے آپؑ کو دعوت دی ہے انھوں نے اپنے امیر و والی کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہے؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو ان کے پاس ضرور جائیں ورنہ یہ لوگ آپؑ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، البتہ مجھے اطمینان نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور ممکن ہے یہ لوگ آپؑ کو فریب دے رہے ہوں، آپؑ سے جھوٹ بول رہے ہوں اور عین جنگ کے وقت آپؑ سے علیحدہ ہوتے ہوئے تلواروں کو آپؑ پر چلانے لگیں۔ امام نے فرمایا میں اس بارے میں سوچوں گا۔

اہل تاریخ کا بیان ہے کہ ابن عباس کو سکون پہنچا اور دوبارہ امام کی خدمت میں آ کر کہا:

”مجھے چین نہیں مل رہا کیونکہ میں اس راہ میں آپؑ کی ہلاکت کو دیکھ رہا ہوں، عراق کے لوگ فریبی اور دھوکہ باز ہیں (خدارا) ان کے نزدیک نہ جائیں بلکہ اسی شہر میں رہیے، کیونکہ اہل حجاز آپؑ کو اپنا آقا مانتے ہیں اور اگر اہل عراق سچے ہیں تو انھیں لکھئے کہ وہ اپنے فرمانروا کو شہر سے نکال دیں اور جب ایسا ہو جائے تب ان کی جانب جائیے گا اور اگر اس شہر (حجاز) سے جانپھر آخری فیصلہ کر لیا ہے تو بہتر یہ ہوگا کہ عراق کے بجائے یمن تشریف لے جائیں کیونکہ وہاں مضبوط قلعے، بہت سے پہاڑی (دورے) اور وہاں کی سرزمین وسیع ہیں۔ وہاں آپؑ کے والد علیؑ بن ابیطالب کے شیعہ بھی موجود ہیں اور آپؑ بھی وہاں جا کر ان لوگوں سے دور ہو جائیں گے پھر وہاں بیٹھ کر اپنے چاہنے والوں کو خط لکھیں تاکہ طرفداروں میں اضافہ ہو، چنانچہ امید ہے جو آپؑ چاہتے ہیں اس تک رسائی حاصل ہو سکے۔“

امام نے عراق ہی جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ابن عباس نے عرض کی:

ان كنت سائراً فلاترسلناك وصيتك فاني لخائف ان تقتل كما قتل عثمان ونسأوة وولده ينظرون اليه.... لقد اقررت عين ابن الزبير بخرو جك من الحجاز، وهو اليوم لا ينظر اليه

احمد عک ”ٹھیک ہے اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں تو اپنے ساتھ بچوں اور خواتین کو نہ لے جائیں کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ عثمان کی طرح آپ کو بھی اس حال میں قتل کیا جائے کہ خواتین اور آپ کے بچے اس منظر کو دیکھ رہے ہوں ۱۲

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا جواز ترک کرنا پس زبیر کیلئے خوش آئند ہے، کیونکہ جواز میں آپ کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی خاص حیثیت نہیں۔“

یہی وہ جگہ ہے جہاں اہل تاریخ کے مطابق بہت افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

والله الذي لا اله الا هو لو اعلم اني ان اخذت بشعر ك وناميتك حتى يجمع علينا الناس اطعني فاقمت لفعلت ”اپنے معبود کی قسم کھاتا ہوں اگر مجھے یقین ہوتا کہ تمہارے سر کے بال پکڑنے سے لوگ ہمارا گرد جمع ہوتے اور تم اس وجہ سے میری بات مان جاتے تو میں اس بات کو بھی ضرور کرتا۔“ ۱۳

چنانچہ اس گفت و شنید سے واضح ہو جاتا ہے کہ امام کا مقصد دنیاوی چیزوں کا کوئی عادی مقصد نہ تھا بلکہ اہداف امام کی اساس و بنیاد ذات خداوند متعال کی خوشنودی تھی، چنانچہ جیسا کہ گذشتہ صفحات پر اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے ورنہ اگر یہ بزرگ شخصیت طلب حکومت اور شوق اقتدار میں عراق کی راہی تھی تو بہتر یہی تھا کہ ابن عباس کے مشوروں اور نصائح پر عمل کرتے اور اس پر خطر سفر سے جس میں خواتین و بچے ہمراہ تھے صرف نظر کرتے، چنانچہ امام حسینؑ کا اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے مکالمہ بھی اس بات کو واضح کرتا ہے۔

محمد بن حنفیہ

امیر المومنینؑ کے بہادر اور شجاع بیٹوں میں ایک جناب محمد حنفیہ ہیں جن کی مادر گرامی جناب خولہ حنفیہ تھیں تاریخ نے جنگ جمل و صفین میں آپ کی بہادری و شجاعت کی مثالیں رقم کی ہیں۔ آپ کے عقائد و مدح و قدح پر اختلاف روایات کو زندگانی امیر المومنینؑ جلد دوم میں درج کیا ہے اور ای کتاب میں حقیقت سے نزدیک نتیجہ بھی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہل تاریخ کا بیان ہے جب محمد حنفیہ کو مدینے میں علم ہوا امام حسینؑ عراق کی جانب روانہ ہو رہے ہیں تو بہت جلد مکے کی جانب روانہ ہوئے اور امام کے سفر سے ایک روز پہلے مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت کی خدمت میں آ کر عرض کی:

”يَا نَحْيَ اَنْ اَهْل الكوفة قد عرفت عذرهم بايكم واخيك ،وقد خفت ان يكون حالك حال من

مضى ،فان اردت ان تقيم في الحرام فانك اعز من بالحرم وامنهم

”اے بھائی جانے ہو کہ اہل کوفہ وہی ہیں جنہوں نے پدر گرامی اور برادر محترم سے انتہائی بے

وفائی دکھائی، لہذا ڈر ہے کہ آپ کے ساتھ بھی وہی ہو جو پہلے ہو چکا ہے اگر آپ حرم (مکہ) میں رہ جائیں تو ان لوگوں کے نزدیک عزیز ترین انسان آپ ہی ہوں گے۔“
امام نے سپاس و شکریہ کے بعد فرمایا:

مجھے ڈر ہے کہ یزید کسی چال کے ذریعے میری وجہ سے حرم پروردگار کی حرمت شکنی انجام دے۔
محمد حنفیہ سے یہ سن کر فرمایا:

فان خفت ذلك فسر الى اليمن او بعض نواحي البر فانك امنع الناس به ، ولا يقدر عليك احد
”اگر آپ کو یہ خوف ہے تو یمن یا دوسرے علاقوں کا رخ کریں جہاں آپ محفوظ رہیں گے اور وہاں کسی کو آپ سے سروکار نہیں ہوگا۔“

امام نے فرمایا: میں اس بارے میں سوچوں گا۔

بعض تاریخ نگاروں کا بیان ہے، صبح ہوتے ہی جب محمد حنفیہ وضو کر رہے تھے، انھیں اطلاع ملی کہ امام عراق کی جانب جا چکے ہیں۔ یہ خبر سن کر وہ اتاروئے کہ آنسو کے قطرات طشت میں گرنے لگے پھر حسرت و غم کے عالم میں سواری لے کر سرعت کے ساتھ امام کی جانب روانہ ہوئے، چنانچہ راستے میں امام کے ساتھ ملاقات ہوئی فوراً گھوڑے سے اترے اور امام کے شتر کی مہارتھام کر کہا، کیا آپ نے مجھ سے نہیں فرمایا تھا کہ اس بارے میں سوچوں گا؟

امام نے فرمایا: کیوں نہیں! مگر جب تم سے مل کر گھر گیا تو خواب میں نانا رسول اللہ کو دیکھا جو فرما رہے تھے:
يا حسين اخرج فان الله شاء ان يراك قتيلاً ”میرے (ہل) حسین! جاؤ خدا تمہیں شہید دیکھنا چاہتا ہے۔“

محمد حنفیہ نے یہ سن کر ارشک بار آنکھوں سے جب ان کا بدن کانپ رہا تھا کہا:

ایسی کیفیت میں ان بچوں اور خواتین کو کیوں لے جا رہے ہیں؟

امام نے فرمایا: قد شاء الله ان يراهن سبايا ”خدا انھیں بھی اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔“ ۴۱
عبد اللہ بن جعفر

جناب عبد اللہ بن جعفر امام حسین کے پچازاد بھائی جو دودھیال و ناصہیال دونوں جانب سے اچھے نسب کے مالک تھے اور ذاتی طور پر بھی مشہور شخصیت تھے اور ان کا شمار عرب کے سخاوت مند افراد میں ہوتا تھا اسکے علاوہ امیر المؤمنین کے داماد یعنی جناب زہنبیہؓ کے شوہر نامدار تھے، چنانچہ انھیں بھی اسی گروہ میں شامل کیا جاتا ہے جو سفر امام کی اطلاع ملنے پر سخت مضطرب ہوئے اور اپنے دو فرزند یعنی عون و محمد کے ذریعے حضرت امام حسین کے نام خط روانہ کیا۔ بنا برائیں ابی مخنف نے اس خط کا متن امام زین العابدینؑ

سے یوں نقل کیا ہے:

امام بعد فانی اسئلک باللہ لَمَّا انصرفت حين تنظر فی کتابی ، فاتی مشفق علیکم من الوجه الذی
توجه له أن یکون فیہ ہلاک واستیصال اہل بیتک ، ان هلکت الیوم طفی نور الارض ، فانک
علم المعتدین ورجاء المؤمنین ، فلا تعجل بالسیر فانی فی أثر الکتاب

”حمد و سلام کے بعد! میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس خط کو پڑھ کر واپس لوٹ آئیں کیونکہ
آپؑ نے جس سمت کا ارادہ کیا ہے میرے نزدیک وہ راہ سخت خطرناک ہے اس میں مجھے آپؑ کی
ہلاکت اور بچوں اور مستورات کی خواری کا اندیشہ ہے اگر آپؑ اس دنیا سے (اس طرح چلے جائیں) تو
زمین کی رفق اور اس کا نور خاموش ہو جائے گا کیونکہ آپؑ ہدایت یافتگان کیلئے پرچم اور علامت کی
حیثیت رکھتے ہیں اور آپؑ سے مؤمنین کی امیدیں وابستہ ہیں لہذا جانے میں جلدی نہ کریں میں
ضرور اس خط کے بعد آپؑ تک پہنچوں گا۔“

چنانچہ ادھر یہ خط روانہ کیا اور ادھر خود کو تیزی کے ساتھ حاکم مکہ عمرو بن سعید بن عاص کے پاس پہنچایا اور اس
سے کہا:

”حسینؑ کے نام خط لکھ جس میں انھیں امان دینے کا ذکر اور حسن سلوک کا وعدہ کیا گیا ہو اور ان
سے واپس مکہ لوٹنے کی خواہش ظاہر کر پھر اس خط کو اپنے ہی بھائی (یحییٰ بن سعید) کے توسط سیان تک
روانہ کرتا کہ انھیں اطمینان حاصل ہو اور تجھے دعوت دینے میں سنجیدہ محسوس کریں۔

عمرو بن سعید نے کہا: ”جو چاہا ہو لکھ کرے آؤ میں اس پر مہر و دستخط ثبت کر دوں گا۔“

چنانچہ عبداللہ بن جعفر نے اس مضمون کا خط تحریر کیا:

”میں خدا سے آپؑ کی ترقی ، آگاہی اور رہنمائی کو چاہتا ہوں اور اسی سے طالب ہوں کہ
جو چیز آپؑ کو ہلاکت میں ڈال دے اس سے باز رہیں اور آپؑ کو اختلاف و تفریق سے محفوظ رکھنے
کیلئے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں ، کیونکہ میرے نزدیک یہ راہ آپؑ کی ہلاکت کا سبب ہے لہذا میں
عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپؑ سے ملاقات کیلئے روانہ کر رہا ہوں چنانچہ واپس آئیں اور
میرے پاس جو آپؑ کیلئے امان و خیر خواہی ہے اس پر خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں۔“

جب یہ خط امام نے وصول کیا تو اس کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

امام بعد فانیہ لم یשאق اللہ ورسولہ من دعا الی اللہ عزوجل وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین ،
وقد دعوت الی الامان وبالبر والصلة فخییر الامان امان اللہ ، ولن یؤمن اللہ یوم القیامة من لم یخفه
فی الدنیا ففسئل اللہ مخافة فی الدنیا وحب لنا اماتہ یوم القیامة ، فان کنت نوبت بالکتاب ملتی
وبری فجزیت خیر افی الدنیا والآخرۃ ، والسلام

”حمد و ثنائے پروردگار اور رسول اللہؐ پر درود و سلام کے بعد ابے شک جو لوگوں کو خدا کی جانب دعوت اور عمل صالح انجام دیتا ہوا اور اس بات کا مدعی ہو کہ وہ مسلمانوں میں سے ہے تو اسے ہرگز اختلاف ایجاد نہیں کرنا چاہیے تو نے مجھے امان و امنیت اور خیر و نیکی کی دعوت دی ہے، لیکن بہترین امان امانِ خدا ہے اور جو دنیا میں خدا سے نہیں ڈرتا اسے آخرت میں امان نہیں ملے گی، لہذا ہم خدا ہی سے سوال کرتے ہیں ہمیں اپنی خشیت عطا کرے، تاکہ آخرت ہم اس کی امان کے قابل بن سکیں اور اگر تیرا مقصد اس خط کے ذریعے میرے ساتھ خیر و نیکی تھی تو خدا تجھے دنیا و آخرت میں اجر عطا کرے۔ والسلام۔“

اس روایت کے اختتام پر ملتا ہے جب عبد اللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید نے واپس لوٹ جانے پر بہت زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے ان دونوں کو یہ جواب دیا:

انسیٰ رأیت و نسویا فیہا رسول اللہؐ و امرت فیہا بامرنا ما ضلہ ”میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا جنھوں نے مجھ پر ایک ذمہ داری عائد کی ہے لہذا میں اس کی ادائیگی کیلئے جا رہا ہوں۔“ جب دوبارہ اصرار کیا تو فرمایا:

ما حدثت بھا احداً و ما انما حدثت بھا حتیٰ القى ربی ”میں نے کسی سے بھی اس خواب کو بیان نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا یہاں تک کہ خدا سے جا ملوں۔“

ان دو احادیث پر ذرا غور و فکر

ان مذکورہ دو احادیث میں یعنی ایک جو محمد حنفیہ سے بیان فرمائی کہ کیا خواب دیکھا ہے؟ اور دوسری حدیث جو ان دو افراد سے بیان فرمائی مگر خواب بتانے سے انکار فرمایا۔ علی الظاہر تضاد محسوس ہوتا ہے کہیں تفصیل ہے تو کہیں جمال یعنی خواب نہ بتانے پر تاکید فرمانا قابل ملاحظہ ہے۔ البتہ ان احادیث کی سند صحیح ماننے کے بعد ایک راہ جمع (یعنی دو تضاد احادیث سے مشترک نتیجہ) یہ ہے کہ امام حسینؑ کا واسطہ دو مختلف ذہنیت رکھنے والے لوگوں سے تھا، لہذا جو اہل راز اور امام کے قابل اعتماد افراد تھے انھیں خواب بھی بتایا اور اس سفر کا انجام بھی اور جو باتیں آپؑ نے رسول اللہؐ سے سنی تھیں بیان فرمائیں مگر جو لوگ خواب سننے یا سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے حضرت ان کے آگے بیان کرنے سے گریز فرمایا۔ اسی طرح دیگر تمام ائمہ علیہ السلام کی زندگیوں میں بھی دوسرے افراد کے سامنے بیان کرنے میں محتاط رہتے تھے حتیٰ ضرورت کے مطابق اس بات کی مخالفت بھی کیا کرتے تھے اور انھوں نے یہی دستور اپنے پیروان کو بھی چھوڑا ہے، چنانچہ جو لوگ روایات اہل بیتؑ سے سرور کار رکھتے ہیں وہ اہل نظر

شخص اس بات کو خوب درک کریں گے۔

عراق کی جانب سفر میں حضرت کے روایات

یہاں چند ایسی روایات جو امام حسین سے عراق کی جانب سفر کرنے پر نقل کی گئی ہے ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ گزشتہ روایات کیلئے تہہ اور آئندہ آنے والی بحثوں کیلئے مقدم کی حیثیت اختیار کر جائیں۔

ابن اثیر وغیرہ نے عبد اللہ بن عباس اور جعفر بن سلیمان صبحی سے نقل کیا ہے کہ امام حسین نے فرمایا:

والله لا يدعونني حتى يستخرجوا هذه العلقه من جوفى، فاذا فعلوا سلط الله عليهم من يذلهم حتى يكونوا اذل من فرم المرنه من فرم المرنه

”خدا کی قسم یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک میرے دل کو سینے سے نہ نکال لیں اور جب یہ ایسا کر چکیں گے تو خدا ان پر اسے مسلط کرے گا جو انھیں حیض میں تر خواتین کے کپڑے سے زیادہ پست و حقیر بنادے گا۔“ ۱۵

اسی کتاب (کمال ابن اثیر) میں نقل ہوا ہے جب عبد اللہ بن زبیر نے امام سے سفر کا سبب پوچھا تو امام نے فرمایا:

ان ابي حدثني ان لها كيشاً به تستحل حرمتها فما أحب ان اكون انا ذللك الكيش ... والله لنن القتل خار جاً منها بشيرين أحب الى من ان اقتل خار جاً منها بشيرين وايم الله لو كنت في جحر هامة من هذه الهوام لاستخرجوني حتى يقضوا بى حاجتهم والله ليعتدن على كما اعتدت اليهودى السبت

”مجھ سے میرے والد نے فرمایا، ایک بزرگ شخصیت کی وجہ سے وجہ دور مارے جانے پر دو وجہ دور کو بہتر جانتا ہوں لہذا جتنا دور قتل کیا جاؤں اتنا ہی میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا کیونکہ قسم بخدا (یہ لوگ میرے اتنے دشمن ہیں کہ اگر) میں کسی انتہائی پوشیدہ جگہ چھپ جاؤں تب بھی یہ مجھے وہاں سے نکال لائیں گے اور اپنا من پسند ظلم مجھ پر کریں گے اور خدا کی قسم یہ لوگ ظلم و تعدی کو اسی راہ میں میرے ساتھ استعمال کریں گے جو یہودیوں نے شنبہ کے ساتھ اختیار کیا۔“ ۱۶

کے میں امام حسین کا خطبہ

لہوف، کشف الغمہ اور اہل سنت کی بعض کتابوں میں آیا ہے کہ جب امام حسین کے سے ہجرت فرمانے لگے تو اس شہر میں موجود افراد سے یہ خطاب فرمایا:

خَطُّ الْمَوْتِ عَلَى وَلَدِ آدَمَ مَخْطُ الْقَلَادَةِ عَلَى جِيدِ الْفَتَاةِ وَ مَا أَوْلَاهُنِي إِلَى أَسْلَافِي إِشْتِيَاقُ يَغُتُوبَ إِلَى يُوسُفَ وَ خَيْرُ لِي مَضْرُوعٌ أَنَا لِأَقِيهِ كَأَنِّي بَأَوْ صَالِي فَقَطْعُهَا عَسَلَانُ الْقُلُوبِ بَيْنَ التَّوَالِيسِ وَ كَرُّ بَلَاءٍ فِيمَا لَأَنَّ مَنِي أَكْرَأُ خَوْفًا وَ أَجْرَبَةُ سَغْبًا لَا مَحِيصَ عَنْ يَوْمٍ خَطُّ بِالْقَلَمِ. رَضِيَ اللَّهُ رِضَانَا

أَهْلُ الْيَتِّ نَضَبُ عَلَى سِلَاحِهِ وَيُوقِفُنَا أُجُوزَ الصَّابِرِينَ لَنْ تَشُدَّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ لَحْمَتُهُ وَهِيَ
مَجْمُوعَةٌ فِي حَظِيرَةِ الْقُدُسِ تَقْرُبُهُمْ عَلَيْهِ وَيُنْجِزُهُمْ وَعْدُهُ مَنْ كَانَ بِإِذْلَالِ قَيْنَا مُهْجَتَهُ وَ مُوْطِنًا
عَلَى لِقَاءِ اللَّهِ نَفْسُهُ فَلْيَزَحِلْ مَعَنَا فَإِنِّي رَاحِلٌ مُضْبِحًا إِنِ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ

”موت جوان لڑکیوں کے ہار کی طرح اولاد آدم کے گلے میں لٹک رہی ہے اور میں اپنے اسلاف
سے اس طرح ملاقات کا بہت مشتقا ہوں جیسے یعقوب یوسف سے ملاقات کے مشتقاق تھے اور
میں زمین کے ایک خاص مقام پر جو انتخاب ہو چکا ہے زمین پر گروں گا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ
کر بلا اور نوادیس ۱۸ کے بیابانوں میں موجود بھیڑیے میرے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور
بھوکے اور خالی شکموں کو مجھ سے پر کریں گے (بس) جس دن کو آنا ہے اس سے فرار غیر ممکن ہے
اور رضائے پروردگار رہی ہم اہل بیت کی رضا ہے، اس کی عطا کردہ بلاؤں پر صبر کریں گے، وہ
صابروں کا اجر ہمیں دے گا اور نبی اسلام کا پارہ تن ان سے دور نہیں، بلکہ جنت میں آنحضرتؐ
سے اس حال میں جا ملے گا کہ وعدہ پورا کرنے کی وجہ سے حضرتؐ کی آنکھیں ٹھنڈک پارہی
ہوں گی۔ جو بھی ہماری راہ میں جانثاری کرنا چاہے اور خود کو موت کیلئے آمادہ کر چکا ہو وہ آئے
ہمارے ساتھ سفر کرے، میں کل صبح اس شہر سے روانہ ہو جاؤں گا۔“

البتہ اس خطاب کے بعض جملات مقل خوارزمی نے بھی امام زین العابدینؑ سے نقل کیے ہیں، حضرتؑ
نے روز عاشورہ کر بلا میں یہ خطاب ارشاد فرمایا، جبکہ یہ کہا جاسکتا ہے یہ دونوں روایات منافات نہیں رکھتیں
کیونکہ ممکن ہے حضرتؑ نے اسی (کے والے) خطاب کو کر بلا میں بھی دہرایا ہو۔

تاریخ سفر اور عمرہ کی ادائیگی

شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں:

”کوفہ میں جناب مسلم نے آٹھ ذی الحجہ ۶۰ ہجری بروز منگل قیام فرمایا اور دوسرے روز ذی الحجہ
بروز بدھ یعنی یوم عرفہ شہادت پائی، ادھر امامؑ کا مکے سے عراق کی جانب آغاز سفر یوم ترویج یعنی
آٹھ ذی الحجہ (مسلم کے قیام والے روز) ہوا، اس طرح امام حسینؑ مکے میں شعبان، رمضان المبارک
شوال ذیقعدہ اور آٹھ روز ذی الحجہ یعنی چار ماہ آٹھ روز تک قیام پزیر رہے اس دوران آپؑ کے
گرد و جان آل رسول جمع ہوتے رہے اور جب آپؑ نے سفر کا ارادہ کیا تو پہلے طواف کیا اور صفاء و
مروہ کے درمیان سعی انجام دے کر احرام حج سے نکل کر عمر انجام دیا کیونکہ آپؑ وہاں فساد کے
آثار دیکھ رہے تھے لہذا ایسی کیفیت میں حج کو نا تمام چھوڑ کر اپنے انصار و اعزاء کے ساتھ ہمراہ
مکے سے عراق کی جانب سفر شروع کیا۔ ظاہر جناب مسلم بن عقیل کی خبر شہادت ابھی آپؑ تک

نہیں پہنچی تھی۔“ ۱۹

البتہ بعض اہل تحقیق کے مطابق امام حسینؑ کا عمر مفردہ تھا جو اپنے مخصوص احرام کے ساتھ امام نے عمرہ ہی کی نیت سے انجام دیا، کیونکہ جو احرام حج باندھے مگر اتمام حج اس کیلئے ممکن نہ ہو یعنی ”مسدود“ کہلایا جائے تو وہ احرام سے انجام قربانی کے بعد خارج ہو سکتا ہے (جسے فقہاء نے اس کے مخصوص مقام پر پیش کیا ہے) اس بارے میں وسائل الشیعہ سے روایت نقل کی گئی ہے، اگر کوئی ماہ ذی الحجہ میں حج انجام نہ دینا چاہے تو عمرہ مفردہ انجام دے کر محجل ہو جائے اور پھر مکے سے باہر نکل سکتا ہے، چنانچہ اس مسئلے میں امام حسینؑ کے عمل سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ۲۰

بہر صورت اکثر تاریخ نگاروں کا بیان ہے امام ہشتم ذی الحجہ یعنی عین اس دن جب حاجی عرفات کی جانب جاتے ہیں احرام سے نکل کر عراق کی جانب روانہ ہوئے۔ مگر امام کی یہی حکمت عملی آنے والوں کیلئے سوالیہ نشان بن گئی اب چاہے اس کا ایک سبب یہ تھا کہ آپؑ کے نزدیک یزید، بنی امیہ اور اسکے اہل کار کے کی سر زمین کو آپؑ کے خون سے رنگین کرنا چاہتے تھے اور آپؑ کو گوارا نہیں تھا کہ ان کے ارادے پایہ تکمیل کو پہنچیں، لہذا امام نے بار بار اس کی جانب اشارہ فرمایا کہ لوگ ایسے ایک حادثے کی تاک میں ہے جس کی وجہ سے حرمت حرم شکستہ ہو جائے۔

اور شاید دوسرا سبب جو امام کے مد نظر رہا ہو وہ دنیا بھر سے آنے والے حاجیوں کو اپنے مقدس ہدف کی سمت متوجہ کرنا تھا، کیونکہ مواصلاتی تمام وسائل دشمن کے ہاتھوں میں تھے اور وہ ظالم و جابر حکومت ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ کوئی حسین بن علیؑ کے قیام سے آگاہ ہو جائے، لہذا امام کیلئے یہ بہترین موقع تھا جب آپؑ سلامی و غیر سلامی ممالک سے آنے والے عوامی نمائندوں کے ذہنوں میں اس ظالم اموی حکومت کی مخالفت ایجاد کریں، چنانچہ ان خاص ایام میں جب سب آرہے ہوں گے اور فرزند رسولؐ مکہ کو ترک کر رہے ہوں گے تو ایک سوال درپیش ہوگا کہ آخر کیا ہوا جس دن تمام حاجی اعمال حج کیلئے عرفات، مشعر اور منی کے راہی ہو رہے ہوں مگر حسینؑ جو اسی زمین اور اسی آب و خاک کا حصہ ہیں مناسک حج چھوڑ کر مکے سے خارج ہو رہے ہیں؟ بنا برائیں اسباب و علل دریافت کیے جائیں گے اور اس طرح امام نظام یزیدی کے ظلم اور ان کی نا انصافیوں کو عوام اور مسائل سے بے بہرہ لوگوں کے گوش زد کر دیں گے۔

مکے سے امام حسینؑ کی روانگی

بہر حال امام حسینؑ نے خانہ خدا کی الوداعی زیارت کر کے اپنے اصحاب، اقرباء اور اہل خاندان کے ہمراہ من کی تعداد بعض اہل قلم کے نزدیک بیاسی افراد پر مشتمل تھی مکے سے ہجرت فرمائی اور جیسا کہ گذشتہ صفحات پر بھی بیان ہوا عمرو بن سعید اشدرق نے جو یزید کی جانب سے مکہ کا والی تھا اپنے بھائی یحییٰ بن

سعید کی سپہ سالاری میں ایک فوجی دستہ روانہ کیا جو حضرت کو عراق جانے سے روک سکے مگر امامؑ کے ساتھیوں اور اس دستہ میں مختصر جھڑپ کے بعد بھی یہ فوجی دستہ روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا چنانچہ یہ فوجی دستہ واپس مکہ لوٹ آیا اور امامؑ نے اپنے سفر کو جاری رکھا۔

معروف شاعر فرزدق سے ملاقات

شیخ مفیدؒ نے فرزدق سے روایت کی ہے ۶۰ھ میں فریضہ حج کیلئے اپنی والدہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ جا رہا تھا تو جوں ہی اونٹ کی مہارتھامے حرم (کے) کی حدود میں داخل ہوا تو ناگاہ حسینؑ بن علیؑ کی زیارت کی جو (مختصر) مشیر و اسلحہ کے ساتھ مکے سے باہر حمار ہے تھے وہ (فرزدق) کہتے ہیں، میں نے دریافت کیا اس قطارِ شتر کا مالک کون ہے؟ کہا گیا حسین بن علیؑ! یہ سن کر میں حضرتؑ کے نزدیک آیا اور سلام و تہنیت کے بعد کہا:

خداوند کریم آپؑ کی آرزوؤں اور تمناؤں کو بر لائے، میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہو جائیں۔
اے فرزند رسولؐ! کس چیز نے جناب کو اتنا جلدی حج چھوڑ لے پر مجبور کیا؟
امامؑ نے فرمایا: اگر (ب بھی) جلدی نہ کرتا تو مجھے گرفتار کر لیا جاتا پھر فرمایا تو کون ہے؟
عرض کیا: ایک عربی ہوں اور بہر خدا اس سے زیادہ میرے بارے میں نہ پوچھئے گا یہی میرے حق میں بہتر ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: ٹھیک ہے، ذرا یہ بتاؤ ہماری اتباع میں اہل عراق کیسے ہیں؟
میں نے عرض کیا:

آپؑ نے صبح آدمی سے پوچھا ہے (میں انھیں خوب جانتا ہوں) ان کے دل آپؑ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں آپؑ کے دشمن کے ہمراہ ہیں اور قضاے (قدر) الہی آسمان سے آئے تاکہ خدا کی منشاء پوری ہو۔

امامؑ نے فرمایا:

تو نے سچ کہا یہ کام اسکے ہاتھ میں ہے اور ہر دن کیلئے ایک امر ہے۔ بنا برائیں اگر قضاء اور خواست الہی اس پر ظاہر ہو جائے جو ہم چاہتے تھے یا جو ہماری پسند ہے تو اس کی عطا کردہ نعمت پر شکر گزاری کریں گے اور وہی ہے جو نعمت شکر بھی عطا کرتا ہے اور اگر (قضاے الہی) ہماری من پسند نہ ہو تو وہ شخص جس کی نیت حق ہے اپنی خواہش تک رسائی پائے اور پرہیزگاری اختیار کرے۔

میں نے عرض کی: جی ہاں! ایسا ہی ہے، خدا کرے آپؑ اپنے منظور نظر تک رسائی پائیں اور ہر خطر محفوظ رہیں۔

پھر میں نے چند دینی مسائل، نذر و مناسک (حج) دریافت کیے تو حضرت نے مجھے جواب شرعی سے آگاہ کیا اور اپنے گھوڑے کو ایڑھ دیتے ہوئے روانہ ہونے لگے اور فرمایا:

تجھ پر درود ہوا اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ۲۱

بعض تاریخی کتب ۲۲ میں نقل کیا گیا ہے کہ امام حسین نے اس گفتگو کے بعد یہ اشعار زبان مبارک پر جاری کیے:

لئن كانت الدنيا تعدّ نفسيه
وان كانت الابدان للموت أذشت
فقد ارثاب الله أعلى وأنبى
فقتل أمرى بالسيف فى الله افضل
وان كانت الارزاق شيئاً مقدراً
فقلّ سعى المرء فى الرزق اجمل
وان كانت الاموال للترك جمعها
فما بال متروك به المرء يبخل ۲۳

معروف شاعر فرزدق کے ساتھ ملاقات اس کا مقام اور ان اشعار کے بارے میں روایات مختلف ہیں، لہذا ہماری نظر میں جو زیادہ صحیح تھی اسے یہاں نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

مقام تنعیم

امام حسینؑ اپنے سفر کو جاری رکھتے ہوئے مقام تنعیم ۲۴ پر پہنچے جہاں شیخ مفید کے مطابق آپؑ نے قافلہ دیکھا جو یمن سے آرہا تھا آپؑ نے ان سے چند شتر بان کرائے پر لیئے تاکہ وہ سامان اٹھا سکیں اور صاحبان شتر سے فرمایا: تم میں سے جو ہمارے ساتھ عراق آنا چاہے ہم اس کا کرایہ دیں گے اور دوران سفر حسن سلوک کا برتاؤ رکھیں گے اور اگر کوئی آدھے راستے سے جدا ہونا چاہے گا تو اسے اتنا ہی ادا کریں گے، چنانچہ چند لوگ حضرت کے ساتھ ہوئے مگر کچھ نے چلنے سے انکار کیا۔ ۲۵ جبکہ تاریخ طبری کے مطابق یہ قافلہ یمن سے مال و دولت (مخمول ٹیکس و تحائف) لیے شام جا رہا تھا جسے یمن کے فرمانروا بحیر بن بسیار نے (عوام سے) جمع کر کے یزید کیلئے بھیجا تھا چنانچہ امام نے اپنے افراد کو حکم دیا کہ یہ مال ان سے ضبط کر لیا جائے اور شتر بانوں سے فرمایا: جو بھی ہمارے ساتھ آنا چاہے گا ہم اسے کرایہ ادا کریں گے اور جو یہاں سے واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ ۲۶ جبکہ شیعہ (معروف عالم دین) علامہ سید مہدی بحر العلوم سے نقل کیا ہے، وہ اس روایت کی صحت میں تردید رکھتے اور فرماتے ہیں مقام امام ایسے کام سے بہت اونچا تھا۔ ۲۷

۲۳ اگر دنیا کسی نفیس شے کو کہا جاتا ہے تو اجر خدا کا مکان (آخرت) بڑا تر اور اس سے کہیں زیادہ تر ہے، اور اگر بدن مرنے کیلئے پیدا کیے گئے ہیں تو راہ خدا میں تلواروں سے مرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور اگر لوگوں کا رزق معین کر دیا گیا ہے تو رزق ورزی کیلئے مختصر تنگ و دو بہتر ہے اور اگر زخیرہ اندوزی اور مال اکٹھا کرنے کا انجام اسے چھوڑ کر چلے جانے کا نام ہے تو یہ انسان کیوں ایسی چھوٹ جانے والی شے سے بخل کرتا ہے۔

۲۴ تنعیم کے سے تین میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔

البتہ امام حسینؑ کے گزشتہ احوال میں پڑھ چکے ہیں: معاویہ کے دور حکومت میں ایک مرتبہ آپؑ نے ایسا ہی ایک قافلہ جو مال و دولت لئے شام جا رہا تھا رکوا کر ان کا مال ضبط کروایا جسے حضرت نے مدینہ میں موجود فقراء اور بنی ہاشم میں تقسیم کیا۔

عبد اللہ بن زیاد کے نام یزید کا خط

یزید ابن معاویہ حالات پر سخت ناظر تھا، لہذا جیسے ہی مطلع ہوا امام حسینؑ عراق کی جانب جا چکے ہیں تو فوراً ابن زیاد کے نام خط تحریر کیا کہ حسینؑ بن علیؑ مکے سے باہر نکل چکے ہیں، چنانچہ جیسے بھی ممکن ہوا انھیں عراق آنے سے باز رکھا جائے آج تمہارا امتحان کا دن ہے۔ چنانچہ سپاہ کوفہ کے سپہ سالار حصین بن نمیر کے ہمراہ ایک بڑا دستہ قادیسیہ روانہ کیا جس نے وہاں پہنچ کر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک کو قادیسیہ اور خفان ۲۸ کے درمیانی علاقے میں تعینات کیا جبکہ دوسرے کو قادیسیہ اور قطقطانیہ کے درمیان مامور کیا اور گرد و نواح میں آیا دیوگوں کو بھی کہا گیا کہ آدروفت پر توجہ رکھیں اور مسافروں کی جانچ اچھے طریقے سے انجام دی جائے۔

ابن زیاد کے نام ولید بن عتبہ کا خط

اموی اور ان کے طرفداروں میں اگرچہ ایسے سخت افراد بھی تھے جنھیں یزید پر ذرا بھی اعتراض برداشت نہ تھا اور ان کے نزدیک خون حسینؑ بہانا یا حضرت کے خاندان کو اسیر بنانا معمولی سا کام تھا، چنانچہ جو مظالم ڈھائے گئے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں، بس انہی افراد میں سے مدینے کا فرما کر ولید بن عتبہ بھی تھا جس نے مرگ معاویہ کی خبر سن کر امام حسینؑ کو دارالامارہ میں یزید کی بیعت کیلئے بلایا، لیکن جب حضرت نے انکار کیا اور سوچنے کی مہلت مانگی تو مروان اسی کو قتل امام کا مشورہ دیا جس پر یہ برہم ہو کر بولا:

سبحان اللہ کیا انکار بیعت کا جرم اتنا زیادہ ہے کہ انھیں قتل کر ڈالوں۔ قسم بخدا میرے خیال میں روز قیامت باز پرس کے وقت قاتل حسینؑ سے زیادہ کسی کا ترازو ہلکا نہیں ہوگا، لہذا قسم بخدا اگر میرے سامنے اتنا مال دنیا رکھ دیا جائے کہ جس کی مقدار جہاں جہاں سورج غروب و طلوع ہے کے برابر ہو تب بھی اسے خون حسینؑ کے بدلے میں نہیں لوں گا۔

بعض اہل تاریخ کے مطابق یہی ولید بن عتبہ تھا جس نے یمن کر کہ حسین بن علیؑ عراق جا رہے ہیں فوراً عبد اللہ بن زیاد کو ایک خط تحریر کیا کہ جس میں لکھا تھا کہ حسینؑ سے الجھنے سے منع کیا۔ ۲۹

مقام حاجر سے اہل کوفہ کے نام امام حسینؑ کا خط

شیخ مفیدؒ کے علاوہ دیگر اہل قلم نے بھی لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ سفر کرتے ہوئے مقام حاجر پر جو سرزمین

”بطن الرمة“ کا ایک حصہ تھا اور جہاں سے لصرہ و کوفہ کیلئے راستے نکلتے تھے پہنچ تو اس مقام پر ٹھہر کر اہل کوفہ کے نام اس متن پر مشتمل ایک خط تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم من الحسين بن علي الى اخوانه من المؤمنين والمسلمين سلام عليكم
وانى اُحمد اليكم الله الذى لا اله الا هو، اما بعد فان كتاب مسلم بن عقيل جاتنى يخبر فيه بحسن
وايكم واجتماع ملائكم على نصرنا، والطلب بحقنا، فسئلت الله ان يحسن لنا الصنيع وان يفيكم
على ذلك اعظم الاجر، وقد شخصت اليكم من مكة يوم الثلاثاء ثمان مضين من ذى الحجة يوم
الضرورة، فاذا قدم عليكم رسولى فانكم مشوا فى امركم وحذوا، فانى اقدم عليكم فى ايامى هذه، و
السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

”بسم اللہ الرحمن الرحیم: یہ خط حسین بن علیؑ کی جانب سے ہے، اپنے مومن و مسلمان بھائیوں کو
سلام کہتا ہوں میں اس خدا کا شکر گزار ہوں جس کے علاوہ کوئی عبارت کے لائق نہیں، اما بعد! مجھے
مسلم بن عقیلؑ کا خط موصول ہوا جس میں آپؑ نے (حضرات) کے اچھے خیالات، ہماری نصرت
کیلئے جمع ہونا اور ہمارے کھوئے ہوئے حق کو حاصل کرنے کے بارے میں خبر دیتا تھا، میں نے
خدا سے دعا کی ہے ہمارا کام نیک (اچھے انداز میں پورا ہو) اور آپؑ کو لوگوں کو بہترین اجر عطا کرے
میں مکہ سے بروز منگل ہشتم ذی الحجہ یعنی یوم ترویج آپؑ کے شہر کیلئے روز نہ ہو رہا ہوں، لہذا جوں ہی
میرا قاصد پہنچے اپنے کام میں سرعت اور فعالیت کو ایجاد کریں، کیونکہ میں آج کل میں وہاں پہنچنے
والا ہوں۔ والسلام ورحمة اللہ وبرکاتہ“

یہ خط قیس بن مسہر صیداوی کے توسط سے یا بعض کے کہنے کے مطابق عبداللہ بن یقطر کے ذریعے سے
(جو امام کے رضائی بھائی تھے) کو فہم بھیج دیا۔ قیس نے امام سے نامہ پا کر سرعت کے ساتھ کوفہ کا رخ کیا، لیکن
جب قادیسیہ پہنچے تو سپاہیوں نے انھیں روک کر باز پرس اور ان کی جانچ شروع کی تب قیس متوجہ ہوئے کہ
یہ عبید اللہ بن زیاد کے کارندے ہیں، لہذا امام کی تحریر نکال کر اس خوف سے کہ کہیں وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ
جائے ضائع کر دی۔

مگر یہ فصل سپاہیوں کے مشاہدے میں آ گیا اور انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد کی جانب کو فہم بھیج دیا وہ جب
عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے گئے تو اس نے سوال کیا تم کون ہو؟
قیس نے جواب دیا: میں امیر المؤمنین حسین بن علیؑ کے شیعوں میں سے ہوں۔
عبید اللہ نے کہا: اس خط کو کیوں ضائع کیا جو تمہارے پاس تھا؟
قیس نے جواب دیا: اس خوف سے کہ کہیں وہ تیرے ہاتھ نہ لگ جائے۔

عبداللہ نے کہا: کس کا خط تھا اور کس کیلئے لے جا رہے تھے؟

قیس گویا ہوئے: میرے مولا امام حسین کا خط تھا جو کوفہ کے چند افراد کیلئے جنھیں میں نہیں جانتا لے جا رہا تھا۔

عبداللہ جیسا ظالما انسان اس شجاعانہ طرز گفتار سے سخت ناراحت ہو کر چلا یا اور کہا:

قسم بخدا اس وقت تک نہیں چھڑوں گا جب تک ان کو فیوں کے نام نہیں بتاؤ گے جن کے نام وہ خط تھا یا پھر جب تک منبر پر جا کر علی، حسن اور حسینؑ بھائیوں کو بخش و دشنام نہ دو گے اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام نہ کیا تو تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

قیس نے مختصر تذنب کے بعد کہا: ان کے نام تو نہیں جانتا مگر دوسری شرط (دشنام دینا) قبول کرتا ہوں۔
ابن زیاد اپنے خیال خام میں تھا کہ یہ آسمان تاریخ کا ستارہ بھی دوسرے پست و کم ظرف لوگوں کی طرح جو گندگی کے حشرات ہوتے ہیں چشم بستہ جو کہا جائے گا اس پر عمل کرے گا، لہذا انھوں نے اور تکبر کے ساتھ اپنے نوکروں سے بولا، عوام کو مسجد کوفہ میں جمع کرو تا کہ یہ ان سے خطاب کرے، چنانچہ جب مسجد کوفہ لوگوں سے بھر گئی تو قیس بن مسہر فراز منبر پر جان بکف پہنچے اور آغاز کلام حمد و ثنائے پروردگار سے کیا، پھر جتنے فضائل علیؑ و اولاد علیؑ ممکن تھے (نہایت اچھے انداز میں) بیان کیے پھر عبداللہؑ اس کے باپ اور تمام بنی امیہ پر لعنت بھیجی اور اونچی آواز میں فرمایا:

ایھا الناس... ان الحسنین بن علی خیر خلق اللہ ابن فاطمہ رسول اللہ و انارسلہ الیکم و قد فارقتہ بالحاءز فاجیبوہ "اے لوگو! اے شک حسین بن علیؑ خدائیں بہترین فرد اور رسول اللہؐ کی صاحبزادی فاطمہ زہراءؑ کے فرزند ہیں اور میں انہی کا تمہاری جانب بھیجا ہوا قاصد ہوں جو امام حسینؑ سے حاضر پر جہاد ہو کر یہاں پہنچا لیکن اب انھیں جواب دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

عبداللہ کے خادموں نے فوراً جا کر سارا ماجرا نقل کیا جس پر حکم ہوا کہ قیس بن مسہر صید اوئی کو دارالامارہ کے کوشٹے سے زندہ نیچے پھینک دیا جائے چنانچہ جلاوٹوں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اس عظیم شخصیت کو انتہائی بلندی سے گرادیا اس وقت قیس بن مسہر کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز بلند ہوئی، اس طرح قاصد امام حسینؑ تڑپا تڑپا کر شہید کر دیا گیا۔ اور جب یہ خبر امام حسینؑ نے سنی تو سخت غم زدہ ہوئے اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

اللھم اجعل لنا و شیعتنا منزلاً کریماً عندک، واجمع بیننا و اباہم فی مسقر رحمۃک انک علیٰ کل شئی قدير "خدایا! ہمیں اور ہمارے شیعوں کو اپنی بارگاہ میں اونچا مقام عطا کر اور انھیں ہمارے ساتھ اپنے مقام رحمت پر جمع فرما بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" ۳۱

ارشاد مفیدؑ میں آیا ہے بعض کہتے ہیں، ان کو دست بستہ زمین پر گر لیا، چنانچہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ابھی اس میں جان تھی، عبدالملک بن عمیر نغمی نامی ایک شخص آیا اور ان کا سر جدا کر لیا۔ اسے کہا گیا: یہ کونسا قبیح کام تاجرتم نے کیا؟ اس نے کہا: میں اسے سکون دینا چاہتا۔ ۳۲

ایک تذکرہ

گذشتہ عنوان میں ذکر ہوا ہے کہ بعض اہل قلم نے قیس بن مسہر کی بجائے عبداللہ بن یقطر ذکر کیا ہے اور جب مقام ”زبال“ پر امام کو خبر شہادت سنائی گئی تو وہاں بھی نام میں اختلاف ہے۔ شیخ مفیدؑ نے فقط عبداللہ بن یقطر کا نام ذکر کیا ہے، جبکہ بعض مثلاً باقر شریف نے ”حیۃ الامام حسین“ میں دونوں کے نام تحریر کیے ہیں اور دونوں کیلئے ایک سی داستان نقل کی ہے۔ وقعۃ الطف میں ابی مخنف نے یوں لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے قیس بن مسہر کے ذریعے مقام حاجر سے اہل کوفہ کے نام خط روانہ کیا اور مقام ”زرد“ پہنچے سے قبل عبداللہ بن یقطر کے توسط جناب مسلم کے نام خط روانہ کیا جو امام کے برادر رضائی بھی تھے۔

بہر صورت جو قصہ تاریخ نے نقل کیا ہے وہ دونوں کیلئے ایک سا ہے ۳۳۔ تاہم ان دونوں ناموں پر ایک احتمال یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی شخص کے دو نام تھے، چنانچہ ابی مخنف کی روایت میں آئندہ صفحات پر آئے گا کہ قیس بن مسہر کی خبر شہادت مقام ”عذیب الہجانات“ پر طرمح بن عدی کے ساتھیوں نے امام کو سنائی جسے سن کر حضرتؑ کے اشک جاری ہوئے اور فرمایا:

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَطَعَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ ”بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض منتظر ہیں۔“ (احزاب ۲۳) واللہ اعلم۔

عبداللہ بن مطیع عدوی

ارشاد مفیدؑ اور کامل التاریخ وغیرہ میں آیا ہے، عراق کی راہ میں امام سے ملاقات کرنے والوں میں سے ایک عبداللہ بن مطیع عدوی تھا جو امام کو سفر سے روکنا چاہتا تھا، چنانچہ ابن مطیع عدوی نے ایک ایسے مقام پر جہاں سے امام کے قافلے کو گزرنا تھا خیمہ ڈال کر بیٹھ گیا اور جب معلوم ہوا حسینؑ بن علیؑ آچکے ہیں تو حضرتؑ کے پاس جا کر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے فرزند رسول! آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ (اور حضرتؑ کو ستانے اور آرام کی دعوت دے کر آپؑ کی پذیرائی میں مشغول ہو گیا) امام حسینؑ نے اسے ہدف سفر سے آگاہ کیا۔

عبداللہ بن مطیع نے عرض کیا:

اذکرک اللہ یا بن رسول اللہ وحرمة لاسلام ان تلتھک، انشدک اللہ فی حرمة قریش، انشدک اللہ فی حرمة العرب، فواللہ لئن طلبت ما فی ایدی بنی امیہ لیتلک، ولئن قتلوک لایہابون

بعدک احداً ابدأ، واللہ انہا الحرمۃ الاسلام تثنہک وحرمة قریش وحرمة العرب، فلا تفعل ولا تات
الکوفۃ ولا تعرض نفسك لبی امیۃ ۳۳

مگر امام نے اس کی باتوں پر بے توجہی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھا۔
مؤلف کی ایک یاد دہانی (لحظ بھروسہ)

یہ وہی مقام جہاں اہل قلم کی ایک جماعت جو اسی لا حاصل میں مصروف ہے کہ کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ امام حسین اپنے اس سفر کے سرانجام سے آگاہ نہیں تھے اور حصول حکومت کیلئے مسلسل سفر فرما رہے تھے اور اپنے بچوں اور خواتین کو لیے کوفہ کی سمت بڑھے جا رہے تھے اور اگر کسی نے رک جانے کا مشورہ بھی دیا تو آپ نے اسے اہمیت نہ دی، چنانچہ ان سے کہا جائے کیا کبھی سوچا ہے تمہارا یہ انداز تحریر دوسروں کے نزدیک امام معصوم کی کیسی شخصیت کو ابھارے گا اور کیا تمہاری ان تحریروں کو پڑھنے والے یہ سوال نہیں کریں گے کہ آخر کیوں امام نے ایسے صادقانہ اور خیر خواہانہ مشوروں کو اہمیت نہیں دی اور اگر خیر اندیش کا اصرار بڑھا بھی تو امام نے اسے مبہم اور نامفہوم کلام کے ساتھ ٹال دیا اور آخر تک اپنی بات پر ڈٹے رہے؟ کیا تم لوگوں کا یہ کہنا امام کے فعل کو عقل و روایت کے خلاف ثابت نہیں کرتا؟ کیا وہ تمام روایات جن میں سے بعض آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے کہ جن کا مضمون تو اتر سے بڑھ چکا ہے تمہارے نزدیک ضعیف اور قابل رد ہیں؟ یا نہیں، بلکہ بے ربط توجیہ اور تجزیہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ کسی طرح اپنی بات صحیح کر دیں۔

اس بحث کو چھوڑتے ہوئے اپنی اصلی بحث کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

زہیر بن قین بجلی کا ملحق ہونا

راہ کوفہ میں زہیر بن قین بجلی کا امام حسین کے ساتھ ملاقات کرنا اور پھر امام سے ملحق ہونا تاریخ نے مختلف انداز سے نقل کیا ہے، لہذا ہم یہاں ارشاد شیخ مفیدؒ سے نقل کرتے ہیں:

آپ نے قبیلہ فزارہ اور بخیلہ کے محدثین سے روایت کی ہے ہم زہیر بن قین کے ہمراہ مکے سے باہر آئے، جبکہ حسین بن علیؑ بھی ہماری طرح کوفہ کی سمت سفر کر رہے تھے، مگر ہم بنی امیہ کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے ان سے علیحدہ رہ کر سفر کر رہے تھے، کیونکہ حسین بن علیؑ کے ساتھ ہم منزل سے زیادہ ہمارے لیے خطرناک بات کوئی نہ تھی۔ بہر حال ایک منزل پر حسین بن علیؑ نے قیام کیا تو ہمیں بھی مجبوراً قیام کرنا پڑا، لیکن ہم نے ان سے کچھ فاصلے پر خیمہ نصب کیے۔ ابھی ہم سامان اتار کر کھانا کھانا چاہتے تھے کہ اچانک حسین بن علیؑ کا قاصد ہمارے نزدیک آیا، اس نے سلام کرنے کے بعد ہم سے کہا:

اے زہیر قین! مجھے امام حسینؑ نے آپ کی جانب بھیجا ہے (تاکہ پیغام دوں کہ) امام حسینؑ آپ کو بلارہے ہیں۔

یہ سن کر (ہم پر عجیب رعب طاری ہوا) ہم دم باخود ہو گئے اور جو چیز جس کے ہاتھ میں تھی اس سے چھوٹنے لگی اور ایسا سناٹا و سکوت طاری ہوا کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے۔ زہیر قین کی زوجہ نے ان سے کہا:

”سبحان اللہ! فرزند رسول بلائیں اور تم نہ جاؤ؟ آخر تمہارا کیا بگڑ جائے گا اگر حسین بن علیؑ کی بات سن آئے؟“

زہیر بن قین اٹھے اور حسین بن علیؑ کے خیمے کی جانب روانہ ہوئے اور کچھ ہی دیر بعد درختاں چہرے کے ساتھ خوش و خرم لوٹ کر آئے اور ہمیں حکم دیا اپنے خیمے اور دیگر اسباب یہاں سے اٹھا کر حسین بن علیؑ کے نزدیک لے جائے جائیں اور اپنی زوجہ سے کہا:

”میں تجھے طلاق دے کر آزاد کرنا چاہتا ہوں تاکہ تو اپنے قبیلے میں جا کر آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکے، کیونکہ میں نہیں چاہتا تو میری وجہ سے مشکلات کا شکار بنے۔“

اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کیا اور کہا:

”جو چاہے میری پیروی کرے ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے اور اس وقت میں ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں (وہ یہ کہ) ایک مرتبہ ہم دین کی راہ میں ایک دریائی جنگ میں کامیاب ہوئے جس میں بہت سامان غنیمت ہمارے نصیب میں آیا تو سلمان فارسی (جو ہمارے ساتھ جنگ میں شریک تھے) نے فرمایا:

”کیا اس جنگ کے بعد حاصل ہونے والے مال و اسباب پر بہت خوش ہو؟ ہم نے جواب دیا: جی ہاں۔

سلمان فارسی نے فرمایا:

”جب جو انان آل محمدؐ کے سید و مولا سے ملاقات کرو تو اس خوشی سے زیادہ ان کے ہمراہ جنگ کر نے میں خوش رہنا۔“

پھر زہیر قین نے فرمایا: ”اب آپ سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔“ ۳۵

محمد بن جریر طبری کی دلائل الامامہ میں ابراہیم بن سعید سے جو اس وقت زہیر بن قین کے ہمراہ تھے نقل کیا ہے:

”جب زہیر امام حسینؑ سے ملحق ہو گئے تو حضرتؑ نے انھیں خبر دی کہ وہ شہید کر دیئے جائیں گے

اور ان کا سر مقدس زجر بن قین انھیں انعام و اکرام کیلئے یزید کے پاس لے جائے گا، لیکن وہ وہاں سے مایوس لوٹے گا۔“ ۳۶

سید ابن طاووس کی کتاب لہوف میں ہے، زہیر قین کی زوجہ (جن کا نام دہلم بنت عمرو تھا) اپنے لوط جانے پر راضی نہ تھیں، لیکن زہیر نے بلا خراںھیں ان کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا، تا کہ وہ انھیں گھر تک پہنچا کر آئیں انھوں نے اپنے شوہر زہیر قین سے جدائی کے وقت بہت گریہ و بکا کیا اور کہا:

”روز قیامت امام حسینؑ کے جد رسول اللہؐ کے حضور میری مدد کو آئیے گا تا کہ میری شفاعت ہو سکے۔“ ۳۷

جبکہ بعض دیگر روایات سے مأخوذ ہے وہ مؤمنہ خاتون واپس جانے پر راضی نہ ہوئی اور زہیر بن قین سے کہا:

”تم تو فرزند رسول کے ساتھ اپنی جان قربان کرو مگر میں ان کی مصاحبت سے محروم رہوں؟“

چنانچہ وہ کربلا میں ہنگام شہادت موجود تھیں۔ ۳۸

جیسا کہ زہیر بن قین کے بارے میں ذکر ہوا وہ عثمانی العقیدہ فرد تھے، مگر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہو جانے کے بعد مکمل اخلاص کے ساتھ امام کا دفاع کرتے رہے، لہذا اپنی فداکاریوں کے بعد امام حسینؑ کی دعائے خیر اور تعریف کے قابل قرار پائے مابتد اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کی جائیں گی۔

سبط بن جوزی کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے:

”جب زہیر بن قین کی شہادت ان کی زوجہ کو سنائی گئی تو انھوں نے اپنے غلام کو کفن دے کر روانہ کیا تا کہ وہ کفن دے کر زہیر کو کفن کر دے، لیکن جب وہ غلام کربلا پہنچا تو اس نے امام حسینؑ کے بدن کو بے گور کفن پایا تو اپنے آپ سے کہنے لگا یہ کیسے ممکن ہے زہیر قین کو کفن دوں مگر فرزند رسول بے کفن ہو؟ لہذا وہ کفن امام کو دیا اور ایک دوسرا کفن اپنے آقا زہیر کو دیا۔“ ۳۹

مقام خرمیہ

ابن شہر آشوب اور دیگر مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ امام حسینؑ نے مقام خرمیہ پر جو مقام ”زرد“ سے کچھ فاصلے پر تھا ایک شب و روز استراحت کی غرض سے توقف فرمایا اس مقام پر ایک روز گزر جانے کے بعد امام کی ہمیشہ حضرت زینبؑ آپ کی خدمت میں تشریف لائیں اور فرمایا:

بھائی! میں نے ہاتھ کی آواز سنی ہے جو یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

فمن یبکی علی الشهداء بعدی

بمقدار الی انجاز وعد

الایاعین فاحضلی بیجھد

علی قوم تسوقھم المتایا

”اے آنکھ! پوری توانائی کے ساتھ روز نے کیلئے آمادہ ہو جا کیونکہ وہ کون ہے جو میری بعد شہیدوں پر روئے گا ان لوگوں پر جنہیں موت ان کے میعاد کی جانب دھکیل رہی ہے“

امام نے بہن کے جواب میں فرمایا:

یا اختہ کل الذی قضی فہو کان ”اے بہن! جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔“

مقام زرود جہاں جناب مسلم کی خبر شہادت پہنچی

شیخ مفیدؒ اور دیگر اہل قلم نے لکھا ہے، جب امام حسینؑ مقام زرود پر پہنچے تو مسلم بن عقیلؓ کی خبر شہادت حضرتؑ کو سنائی گئی جس نے آپؑ کو انتہائی غم زدہ کیا، چنانچہ اس کی تفصیل میں شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:

”عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشعل جو قبیلہ بنی اسد سے تعلق رکھتے تھے روایت کرتے ہیں، جب ہم دونوں نے حج مکمل کر لیا تو ہمارا سارا غم وہم یہی تھی کہ کسی صورت امام حسینؑ سے ملحق ہو جائیں، تاکہ نزدیک سے پورا ماجرا دیکھ سکیں، لہذا ہم نے کوفہ کا رخ کیا اور بغیر کسی آرام و استراحت کے اپنے شتروں کو اتنا دوڑایا کہ مقام زرود پر حضرتؑ سے جا ملے اسی اثناء میں ہم نے محسوس کیا کہ کوفہ کا ایک باشندہ ہماری جانب آتے ہوئے دیکھا، امام کھڑے ہوئے، تاکہ اس سے ملاقات کریں مگر جب اس نے رخ موڑ لیا تو حضرتؑ بھی اپنی راہ پر قدم زن ہوئے۔ ہم حضرتؑ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ ہم میں سے ایک نے کہا: اس شخص کے پاس جا کر کوفہ کے حالات دریافت کیے جائیں، کیونکہ یہ کوفہ کے حالات سے آگاہ لگتا ہے۔ ہم اس مسافر کے پاس گئے اور اسے اسلام کیا، اس نے بھی ہمیں جواب دیا پھر ہم نے کہا: اے شخص! تیرا تعلق کس قبیلے سے ہے؟ جواب دیا: قبیلہ بنی اسد سے، ہم نے کہا: ہم بھی بنی اسدی ہیں، تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں بکر بن فلاں ہوں، ہم نے بھی اپنا نسب اسے سنایا، چنانچہ جب ایک دوسرے کی شناخت جب ہو گئی تب ہم نے کہا: وہ لوگ کس حال میں ہیں جنہیں تو چھوڑ کر آ رہا ہے؟ کہا: میں مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد کوفہ سے نکلا ہوں، پس میں نے دیکھا کہ ان دونوں کی لاشوں کو پیروں سے باندھ کر پورے شہر میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ پس ہم اس سے رخصت ہو کر دوبارہ امام کے قافلے میں جا پہنچے، حضرتؑ کا قافلہ روانہ ہوا اور اس نے شام کے وقت مقام ثعلبیہ پر قیام کیا وہاں جب حضرتؑ سواری سے اترے تو ہم دونوں ان کے نزدیک گئے اور سلام کے بعد عرض کی! ہمارے پاس ایک خبر ہے کیا آپ اسے سب کی موجودگی میں سننا پسند کریں گے یا تنہائی میں؟ حضرتؑ نے ہماری اور دیگر تمام اصحاب کی جانب دیکھ کر فرمایا:

”میرے اور ان کے درمیان کوئی حجاب نہیں، یہ سب لوگ میرے محرم اسرار ہیں لہذا میں ان

سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔“

ہم نے کہا: عصر کے وقت آپؑ نے اس شخص کو دیکھا تھا جو ہمارے سامنے سے گزر کر گیا تھا؟

امام نے فرمایا: ہاں میں اس سے حالات دریافت کرنا چاہتا تھا۔

ہم نے عرض کیا: قسم بخدا آپؑ کی خاطر کہ کہیں آپؑ زحمت میں نہ پڑ جائیں ہم اسکے پاس گئے تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے ہی قبیلہ کا ایک سچا اور سمجھدار فرد ہے، اس نے بتایا وہ کوفہ سے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد نکلا ہے اور وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے خود دیکھا ہے ان دونوں کی لاشوں کو پیروں سے باندھ کر کوچہ بازار میں کھینچا جا رہا تھا۔

امام نے فرمایا: ”اِنَّ اللّٰهَ وَ اٰلَہٖہٗ رَاجِعُوْنَ“ ان پر خدا کی رحمت ہو اور یہی جملہ کئی بار تکرار فرمایا۔

ہم نے عرض کیا: ہم آپؑ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ اپنی اور اہل خاندان کی جانوں کی خاطر یہاں سے لوٹ جائیں، کیونکہ کوفہ میں اب آپؑ کا کوئی شیعہ باقی نہیں رہا۔ بنا برائیں ہمیں ڈر ہے کہ یہ لوگ آپؑ کو اذیت و آزار پہنچائیں؟

حضرتؑ نے اولاد مسلم کی جانب نگاہ کی اور فرمایا: ”کیا سوچ رہے ہو، مسلم مار دیئے گئے۔“ انھوں نے جواب دیا: ”قسم بخدا! ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک خون کا انتقام نہ لے لیں یا پھر جناب مسلمؑ سے ملحق نہ ہو جائیں۔“

امام حسینؑ نے ہماری جانب رخ کیا اور فرمایا: ”ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں! ہم نے (اس بات سے) سمجھا کہ اب کوئی امام حسینؑ کو اس راہ پر جانے سے نہیں روک سکتا، لہذا ہم نے عرض کی! خدا اپنی خیر و مصلحت آپؑ کے شامل حال رکھے۔ فرمایا: خدا تم پر بھی اپنی رحمتیں نازل کرے۔

امام کے اصحاب نے عرض کیا! قسم بخدا مسلم بن عقیل نہیں ہیں، لہذا اگر آپؑ کوفہ چلے گئے تو وہاں کے لوگ آپؑ کی ضرورت مند کریں گے، حضرتؑ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

مقام زبالہ

اس مقام پر اگر امام نے ایک تحریر لکھی اور دستور دیا کہ اسے میرے تمام اصحاب کیلئے پڑھا جائے، چنانچہ جس کا متن یوں تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَتَانَا خَيْرُ فَضِیْحٍ اَقْتُلْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِیْلٍ وَ هَالِیْ بْنِ عُرْوَةَ وَ عُبَیْدَ اللّٰهِ بْنِ یَقْطَرٍ وَ قَدْ خَلَّتْ اَشْیَافُ عَسَافَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اِلَیْنَا صِرَافٌ فَلْيَنْصَرَفْ لَیْسَ عَلَیْہِ مِنْا مَامٌ
”تحقیق ہم تک مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی دہشت انگیز اور فحش خبر شہادت پہنچی ہے یعنی

ہمارے ماننے والوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے لہذا جو لوٹ جانا چاہے اس پر کوئی زبردستی نہیں۔“

اہل تاریخ نے لکھا ہے، اس اعلان کے بعد مختصر تعداد جو مدینہ سے حضرت کے ساتھ چلی تھی یا شروع ہی سے جہاد و فداکاری کا قصد رکھتی تھی کے علاوہ باقی تمام اعراف اور وہ لوگ جو اپنے خیال میں حکومت پانے کے بعد کسی مقام و منصب پر فائز ہونگے پر اکندہ اور متفرق ہو گئے اور شیخ مفید وغیرہ کے مطابق امام نے ایسا اس لئے کیا کہ آپؑ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ اکثریت انجام سے بے خبر ساتھ ساتھ چلتی رہے، بنا برائیں بعض اہل تاریخ کا کہنا ہے، خاندان امام حسین کے بیالیس افراد ۳۴ اور چند اصحاب کے علاوہ باقی تمام افراد حسین بن علیؑ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

مقام بطن العقبہ

امام اس ماجرا کے بعد مقام زبالہ سے چلے اور مقام بطن العقبہ پر آ کر ٹھہرے۔ یہاں ایک معمر انسان جس کا نام عمرو بن لوزان تھا سے ملاقات ہوئی اس بوڑھے انسان نے حضرت سے آ کر کہا: کہاں جا رہے ہیں؟ آپؑ فرمایا: کوفہ، اس نے کہا:

”اے حسینؑ خدا کی قسم دیتا ہوں واپس لوٹ جاؤ، کیونکہ تم نیزہ تلواریں کی طرف جا رہے ہو اور یہ لوگ جنھوں نے تمہیں دعوت دی ہے وہ اگر پہلے تمہارے دشمن سے جنگ کر لیتے اور تمہارے لئے میدان ہموار ہو جاتا تب وہاں جانا مناسب تھا، لیکن ایسی کیفیت میں جو تم بیان کر رہے ہو (یعنی ان کی بے وفائیاں جو تم نے سن لی ہے) میرے نزدیک تمہارا وہاں جانا مصلحت سے خالی ہے۔“

امام نے جواب دیا:

یاعبدالله لیس یخفی علی الرأی ہوان الله تعالی لا یغلب علی امرہ ثم قال (ع): واللہ لا یدعونی حتی یتخرو جو اھذہ العلقۃ من جوفی ، فاذا فعلو اسلط الله علیہم من یدلھم حتی یکونوا اذل فرق الامم ”اے بندہ خدا! جو تو سوچ رہا ہے وہ مجھ پر پوشیدہ نہیں لیکن خدا کبھی اپنے کاموں میں مغلوب نہیں ہوتا (یعنی اس خدا نے جو ارادہ کر لیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا) پھر فرمایا: قسم بخدا یہ میرا خون بہائے بغیر مجھے نہیں چھوڑیں گے اور جب وہ لوگ اس جرم کے مرتکب ہو چکیں گے تو خدا ان پر ایسے فرد کو مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و خوار اور پست کر ڈالے گا یہاں تک کہ ان کا شمار حقیر ترین امتوں میں ہوگا۔“

بعض روایات کے مطابق اسی مقام پر ایک بار پھر آپؑ نے اپنی شہادت کی خبر اپنے اصحاب کو ان الفاظ میں سنائی:

وما رانی الا مقتولا فانی رأیت فی المنام کلابا تنهشی واشتھا علی کلب ابقع
”میں خود کو مقتول دیکھ رہا ہوں کیونکہ میں نے خواب میں کتوں کو دیکھا جو اپنے دانتوں سے
میرے بدن کو چیر پھاڑ رہے تھے ان کتوں میں زیادہ حریص اسے دیکھا جس کے بدن پر برص کے
نشان تھے۔“ ۳۳

مقام شراف

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں، امام حسینؑ نے یہاں سے سفر کیا تو مقام شراف پر آ کر پڑاؤ ڈالا آپؑ نے رات
گزارنے کے بعد اپنے جوانوں کو دستور دیا یہاں سے زیادہ پانی حمل کیا جائے اسکے بعد آپؑ نے آدھا
دن مزید سفر کیا یہاں تک کہ چائیک ایک صحابی کی آواز تکبیر بلند ہوئی تو امامؑ نے بھی بلند آواز میں اللہ اکبر
کہا مگر اس فرد سے مخاطب ہو کر فرمایا: تکبیر کیوں کہی ہے؟
عرض کیا: مجھے کھجور کے درخت نظر آ رہے ہیں۔

اصحاب میں سے کچھ نے کہا: قسم بخدا یہاں وہ خطہ ہے جس پر ہم نے بھی کھجور کے درخت نہیں دیکھے۔
امامؑ نے فرمایا: پھر کیا نظر آ رہا ہے؟
کہا گیا: ہمیں تو گھوڑوں کے کان نظر آ رہے ہیں۔
امامؑ نے فرمایا: بے شک میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔

پھر فرمایا: میرے خیال میں یہاں کوئی نزدیک ایسی پناہ گاہ نہیں جہاں سے ہم ان کا مقابلہ کر سکیں۔
ہم نے عرض کیا: فرزند رسول کیوں نہیں، آپؑ کے بائیں جانب مقام ذو جہم ہے۔ اگر ہم وہاں چلے
جائیں تو وہی جو آپؑ چاہتے ہیں وہاں موجود ہے (یعنی وہاں ایک ٹیلہ ہے جسے مورچہ بنا کر وقت ضرورت مقابلہ
کر سکتے)۔

امام حسینؑ نے یہ سن کر اس جانب رخ کیا اور باقی تمام اصحاب بھی آپؑ کی اتباع کرتے ہوئے پیچھے
ہوئے، ابھی چند قدم بڑھے تھے کہ گھوڑوں کی گردنیں بھی ظاہر ہونے لگیں، لیکن کیونکہ ہمارے ارادے
نیک تھے، لہذا ہم ان کی راہ صاف کر رہے تھے، مگر جب انھوں نے ہمیں راستہ بدلتے دیکھا تو وہ
(لشکر) بھی ہماری جانب مڑنے لگا، ان کے نیزوں کی انیاں یعسوب ۳۴ میرندے کی مانند اور ان کے پرچم
پرندوں کے پروں کی طرح لگ رہے تھے، البتہ وہ لوگ ”ذی حسم“ کو پناہ کیلئے اپنانا چاہتے تھے مگر ہم ان
سے پہلے وہاں پہنچ گئے اور امام حسینؑ نے حکم دیا یہاں خیمے نصب کیے جائیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ لشکر جو ہزار
سواروں پر مشتمل تھا آہستہ آہستہ اس دوپہر کے وقت میں جب سخت گرمی پڑ رہی تھی امام حسینؑ کے قریب
آ کر رکا اور بتایا گیا اس لشکر کا سالار حر بن یزید تمیمی ہے۔ امام اور آپؑ کے لشکر نے عمامہ بہ سر ہو کر اپنی

تکواروں کو حمل کر لیا تھا لیکن جب حضرت نے لشکرِ حُر کی تشنگی دیکھی، اپنے جوانوں سے فرمایا: ان لوگوں کو سیراب کرو اور ان کے گھوڑوں کو بھی پانی پلایا جائے۔

پس امام حسینؑ کے جوانوں نے ایسا ہی کیا یعنی انسانوں کے بعد بڑے بڑے برتنوں میں پانی بھر کر گھوڑوں کے آگے رکھتے جا رہے تھے اور جب ہر گھوڑا چار یا پانچ منہ پانی پی لیتا تو اس برتن کو دوسرے گھوڑے کے آگے رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ پورا لشکر خوب اچھی طرح سیراب ہو گیا۔

علی بن طعان محاربی کہتا ہے:

”اس روز میں حُر کے لشکر میں تھا، کیونکہ میری سواری آخر میں تھی، سب سے آخر میں وہاں پہنچا۔ جب حسین بن علیؑ نے میری اور میرے گھوڑے کی تشنگی دیکھی تو فرمایا: راویہ بٹھا (راویہ مشک کو بھی اور اس اونٹ کو بھی) کہا جاتا ہے جو پانی حمل کرتا ہے لیکن میرے نزدیک راویہ سے مراد مشک تھی، لہذا میں حسین بن علیؑ کی بات نہ سمجھ سکا) مگر جب انھوں نے دیکھا میں نہیں سمجھا تو فرمایا: اے ابنِ اخ! اونٹ کو بٹھاؤ۔ میں نے اونٹ کو بٹھایا۔ تو حسین بن علیؑ نے فرمایا: پانی پی۔ پھر میں نے چاہا پانی پیوں مگر دھان مشک سے پانی گر کر ضائع ہو رہا تھا تو حسینؑ نے فرمایا: دھان مشک کو لپیٹ دے۔ مگر (تشنگی کے سبب) مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں؟ تب حسینؑ اپنی جگہ سے بلند ہوئے اور دھان مشک کو لپیٹ کر مجھے دیا، چنانچہ پہلے میں نے خود کو پھر اپنے گھوڑے کو خوب سیراب کیا۔

دراصل حُر بن یزید قادیسیہ سے (کوئہ) آ رہا تھا تو عبید اللہ بن زیاد نے حسین بن نمیر کو یہ دستور دے کر قادیسیہ روانہ کیا کہ وہ حُر کو اپنی جانب سے ہزار سپاہیوں پر مشتمل دستہ دے کر حسین بن علیؑ کی جانب روانہ کر دے، تاکہ وہ حسین بن علیؑ کی راہ میں مانع نہ ہو سکے۔

بہر صورت حُر اپنے لشکریوں کے ہمراہ امام کے مقابل کھڑا رہا، یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو حضرتؑ نے حجاج بن مسروق کو حکم دیا کہ وہ اذان کہے اور خود وہاں خیمے سے تشریف لے گئے، لباسِ زیب تن کیا، نعلینِ پیروں میں ڈالیں اور نماز کی غرض سے باہر تشریف لائے اور ایک مقام پر کھڑے ہو کر حمد و ثنائے پروردگار کے بعد اس لشکر (حُر) سے خطاب فرمایا:

ایہذا ازلناس انی لم آتکم حتی اتئی کتبکم و قلعتم علی رسلکم : ان اقدم علینا ، فانه لیس لنا امام
لعل الله ان یجمعنا بک علی الہدی و الحق ، فان کتم علی ذالک فقد جنتکم فاعطونی ما اطمئن
الیہ من عہودکم و مواتیقکم وان لم تفعلوا و کتم لقلومی کجارہین ، انصرفتم عنکم الی المکان
الذی جنت منه الیکم

”اے لوگوں! میں تمہارے پاس نہیں آیا ہوں مگر تم نے خطوط کے ذریعے اور تمہارے بزرگوں نے

میرے پاس آ کر مجھے (کوٹہ) آنے کی دعوت دی ہے اور انھوں نے مجھ کہا ہے کہ ہمارے پاس کوئی امام و پیشوا نہیں ہے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ امید ہے خدا آپ کی وجہ سے ہماری رہنمائی کرے اور حقیقت سے آشنا کرے، لہذا اگر تم اسی عہد و پیمان پر باقر ہو تو میں آ گیا ہوں چنانچہ عہد و پیمان تازہ کیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا (یعنی میرا یہاں آنا تمہارے لیے خوشی کا سبب نہیں) تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں لوٹ جاؤں گا۔“

یہ سن کر پورا مجمع خاموش رہا اور کوئی جواب نہ ملا تو حضرت نے مؤذن سے فرمایا: اقامت کہو، اقامت ہونے لگی آپ نے خر سے خر سے فرمایا: تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہتا ہے؟ حر نے جواب دیا نہیں آپ امامت فرمائیں ہم آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ امام نے ان کے ساتھ نماز ادا کی نماز کے بعد اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور اصحاب بھی آپ کے ساتھ آ گئے، حر بھی اپنے خیمہ میں گیا اور ایک گروہ ان کے ساتھ ان کے خیمہ میں چلے گئے اور باقی فوج اپنے صفوں میں جا کر بیٹھے اور ہر کوئی اپنے گھوڑوں کی لجام کو تھام کر ان کے سائے میں بیٹھ گئے۔

جب عصر کا وقت ہو گیا تو امام حسین نے اپنے ساتھیوں کیلئے ندا کروائی کہ روانہ ہونے کیلئے تیار ہو جائیں، سب تیار ہو گئے، اس کے بعد اپنے منادی کو حکم دیا کہ نماز عصر کیلئے آواز دے دیں اور اقامت کہیں، حضرت امام حسین آگے تشریف لائے اور نماز عصر ادا کی جب نماز ختم ہو گئی تو لوگوں کو مخاطب قرار دیتے ہوئے حمد و ثنائے پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا:

اتباعد ایہا الناس فانکم ان تتقوا اللہ تعرفوا الحق لاتہلہ تکن ارضی اللہ عنکم، ونحن اہل بیت محمد و اولی بولایۃ ہذا الامر علیکم من ہؤلاء المدعین، مالیس لہم والسائرین فیکم بالجور العلوان وان ابیتہم الا کراہیۃ قلنا والجهل بحقنا، وکان رایکم الان غیر ما انتہی بہ کتبکم وقلتم بہ علی رسکم انصرفتم عنکم؟

”اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حق کو اس کے اہل کے ساتھ پیچھا نہ تو یہ خوشنودی پروردگار کا بہترین سبب قرار پائے گا اور ہم اہل بیت رسول خدا ان لوگوں کی نسبت فرمانروائی کیلئے زیادہ مستحق ہیں جو ایسی چیز کا دعویٰ کرتے ہیں جن کا نہیں اور زور و تتم سے تم سے سلوک کرتے ہیں، اگر ہماری حکمرانی پسند نہیں اور ہمارے حق سے ناداں رہنا چاہتے ہو اور اگر اب تمہارے خیالات اس سے ہٹ کر ہیں جو تم نے خطوط میں لکھا ہے یا تمہارے نمائندوں نے کہا تھا تو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں؟“

خر نے کہا: قسم بخدا مجھے نہیں معلوم یہ کونسے نمائندوں اور کیسے خطوط کی بات ہے؟

امام حسینؑ نے عقبہ بن سمعان سے فرمایا:

اے عقبہ بن سمعان! وہ دو بوریاں جو خطوط سے بھری ہوئی ہیں لے کر آؤ۔

عقبہ بن سمعان وہ دو بوریاں اٹھا کر لائے اور امام کے آگے ان بوریوں کو الٹ دیا۔

خُرنے کہا: ہم ان میں سے نہیں جھوٹوں نے یہ خط لکھے ہیں ہم فقط یہ جانتے ہیں کہ ہمیں دستور دیا گیا ہے کہ آپؑ کو گھیر کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا دیا جائے اور بس!

امام حسینؑ نے فرمایا: موت (تیری) اس آرزو سے نزدیک تر ہے۔

اور اپنے اصحاب کی جانب رُخ کر کے فرمایا: سوار ہو جاؤ۔

حضرتؑ کے اصحاب سوار ہوئے، دستور دیا کہ خواتین کو سوار کرایا جائے، چنانچہ قافلہ آمادہ ہو گیا تو امام نے فرمایا: ہم واپس جائیں گے، بس جوں ہی واپس ہونا چاہتے تھے خُرنے آگے بڑھ کر لجام فرس میں ہاتھ ڈالا۔

امام نے خُرنے سے فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں روئے تو کیا چاہتا ہے؟

خُرنے کہا: ”اگر کوئی اور عرب اس حال میں ہوتا جس میں تم ہو اور مجھے یہ جملہ کہتا تو میں بھی پلٹ کر اس کی ماں کیلئے یہی کہتا لیکن کیا کروں میں مجبور ہوں تمہاری ماں کا نام سوائے احترام کے نہیں لے سکتا۔“

امام نے فرمایا: پھر کیا چاہتا ہے؟

خُرنے کہا: میں آپؑ کو امیر (عبید اللہ بن زیاد) کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔

امام نے فرمایا: قسم بخدا میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

خُرنے کہا: قسم بخدا میں بھی آپؑ کو نہیں چھوڑوں گا۔

روایت کے مطابق یہ گفتگو تین مرتبہ تکرار ہوئی اور جب گفتگو بڑھنے لگی تو خُرنے کہا:

”مجھے جنگ کی اجازت نہیں بلکہ فقط یہ دستور دیا گیا ہے کہ آپؑ کو کوفہ لے جاؤں۔ اب اگر آپؑ

کوفہ نہیں جانا چاہتے تو پھر کسی ایسی راہ کو اختیار کریں جو نہ کوفہ جانی ہو اور نہ ہی مدینہ، تاکہ میرے اور

آپؑ کے درمیان انصاف برقرار رہے اور میں خط کے ذریعے عبید اللہ کو حالات سے آگاہ کر دوں

شاید کہ خدا کوئی ایسی سبیل نکال دے جس میں میرا دین بھی محفوظ رہے اور میرے ہاتھ آپؑ کے

کسی کام میں آلودہ بھی نہ ہوں۔“

بہر حال اے حسینؑ! یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ پس امام حسینؑ نے شاہراہ قادسیہ (جو کوفہ پر پستی ہوتی تھی)

اور شاہراہ عنذیب (جو مدینہ پر پستی ہوتی تھی) کے بائیں جانب والی راہ اختیار کی جبکہ چراغاں لشکر لیے امام کے

ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بہر حال اس طرح چلتے چلتے خُرنے امام سے کہا:

اے حسین! میں اپنے لیے آپ کو خدا یا دولا رہا ہوں (یعنی آپ کو خدا کی قسم دے رہا ہوں) اگر جنگ کا ارادہ ہے تو جان لیں کہ مار دیئے جائیں گے۔

امام نے فرمایا:

”مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ اور اگر مجھے مار بھی دیا جائے تو کیا تمہارے امور درست ہو جائیں گے (اور کیا تم اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگو گے؟ یعنی تمہاری ہر فکر غلط ہے) اور میں اس مقام پر وہی کہوں گا جو اس نے اپنے چچا زاد بھائی سے کہا تھا جب وہ رسول اللہ کی مدد کیلئے نکل رہا تھا تو چچا زاد بھائی نے کہا:

کہاں جا رہے ہو تم وہاں مار دیئے جاؤ گے تو اس نے کہا:

سامضی ومہالموت عاز علی الفتی
وواسی الرجال الصالحین بنفسہ
فان عشت لم ائتم وأن مت لم اکم
اذا مانوی حقاً وجاهد مسلماً
وفارق مشوراً وخالف مجرمماً
کفی بک ذلاً أن تعیش وترعماً

”میں جا رہا ہوں کیونکہ وہ موت جوان (جو نامرد) کیلئے تنگ و عار نہیں جو اسلام کی خاطر لڑتے ہوئے آئے، اگر جانے والا صالح اور نیک لوگوں کی راہ میں جانفشانی کرے اور فانی الدین ہونے والوں سے جدا ہو کر کسی گنہگار کو پشت دکھائے پس اگر میں بھی (اس حال میں) زندہ رہ گیا تو پشیمان نہیں ہوں اور اگر مر گیا تو نام نہیں ہوں بس تجھے ذلت و خواری کے ساتھ زندہ رہنا مبارک ہو۔“

حرنے یہ سخن کر (جان لیا کہ حسین بن علیؑ جان کی قربانی تو دے سکتے ہیں مگر ذلت و خواری اور ابن زیاد کے آگے تسلیم ہونے پر تیار نہیں بنائیں) امام سے ہٹ کر اپنی سپاہ کے ہمراہ دور دور چلے گئے۔ ۳۵

مقام بیضہ

اس مقام پر امام حسینؑ نے خراور لشکر خر کیلئے ایک بار پھر خطبہ ارشاد فرمایا جس کا متن تاریخ طبری اور ابن اثیر کے مطابق یہ ہے:

ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: من رای سلطاناً جائراً مستحلاً لحرم اللہ ناکثاً للعہد اللہ مخلقاً لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیہ بفعل ولا قول کان حقاً علی اللہ أن یدخلہ مدخلہ. ألا وان ہؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان وترکوا طاعة الرحمن وأظہروا الفساد وعطلوا الحدود واستأثروا بالقیء وأحلوا حرام اللہ وحرّموا حلالہ، وانا احقّ من غیرہ، وقد اتنتی کتبکم ورسلمکم بیعتکم، وانا کم لا تسلّمونی ولا تخذلونی، فان تمتمت علی بیعتکم تصیور اشدکم، وانا الحسن بن علی بن فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نفسی مع نفسکم، واهلی مع اہلکم، فلیکم فی أسوۃ، وانا لم

تفعلوا ونقضتم عہدی و خلعتم بیعتی فلعمری ماہی لکم بنکیر، لقد فعلتموہا بانی و اخئی وابن عمتی مسلم بن عقیل، والمغرور من اغتر بکم، فحظربکم، فحظکم اخطاتم، ونصیکم ضیعتم، فممن نکث فانما ینکث علی نفسه وسیغی اللہ عنکم، والسلام۔

”حمد و ثنائے پروردگار کے بعد فرمایا: اے لوگو! رسول اللہؐ نے فرمایا:

”جو بھی کسی ایسے ظالم حکمران کو دیکھے جو حرام الہی کو حلال جانتا ہو، عہد پیمان پروردگار کا توڑنے والا ہو، سنت و پیغمبرؐ کے خلاف عمل کرتا ہو اور علی الاعلان (کھلم کھلا) گناہ اور ظلم و ستم روا رکھتا ہو مگر (دیکھنے والا) اپنے قول و کردار سے ایسے حاکم کا انکار نہ کرے (اپنی مخالفت کو انکار نہ کرے) تو خدا ایسے شخص کو اسی ظالم حکمران کے ساتھ محشور کرے۔“

اے لوگو! جان لو کہ یہ گروہ (بنی امیہ) شیطان کا پیروکار ہو چکا ہے اور اطاعتِ خدا کو چھوڑ چکا ہے انھوں نے ظلم و فساد کو اپنی عادت بنا لیا ہے اور حدودِ الہی کو معطل کر دیا ہے اور مسلمانوں کے غنائم و در آمدات کو اپنی ذات پر منحصر کر دیا ہے، یہ لوگ حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام شمار کرتے ہیں۔ بنا برائیں میں (حسین بن علیؑ) اس زمانے میں وہ مناسب ترین شخص ہوں جو ان کے اعمال کی مخالفت اور انھیں فاش کروں تمہارے نمائندے میرے پاس آئے کہ تم نے میری بیعت کر لی ہے، لہذا اب مجھے تنہا چھوڑ کر خوار نہ کرو اور اگر اپنی بیعت پر قائم ہو تو یقیناً صحیح و مناسب راہ پر قدم رکھا ہے، کیونکہ میں حسین فرزند علیؑ اور دختر رسول خداؐ کا بیٹا ہوں میری جان تمہارے ساتھ اور میرے بچے تمہارے بچوں کے ساتھ اور میری زندگی تمہارے لیے اسوۂ عمل ہے (یعنی میں ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں جنھوں نے مسلمانوں کے اموال کو اپنی ذات سے مختص رکھا ہے) اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور میری بیعت کو اپنی گردن سے اتار دیا ہے، مجھے اپنی جان کی قسم! یہ کام بھی تم سے عجیب و بعید نہیں کیونکہ تم لوگ یہی پیمان شکنی میرے والد بھائی اور چچا زاد مسلم بن عقیل کے ساتھ انجام دے چکے ہو لہذا تمہاری بات پر اعتماد کرنا فریب خوری کے مترادف ہے۔ بہر صورت اگر اب بھی ایسا ہی کیا تو یقیناً خطا کر رہے ہو اور اپنا حق خود ضائع کر رہے ہو اور جان لو کہ جو پیمان شکنی کرتا ہے اس کا نقصان خود اسی کی جانب پلٹتا ہے، پس خدا مجھے تمہاری نصرت سے بے نیاز بنا دے۔

والسلام“ ۳۶

مقامِ رحیمہ

امام حسینؑ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مقامِ بیضہ کے بعد مقام ”رحیمہ“ پر قیام پذیر ہوئے جہاں ابو ہریرہ نامی کو نے کار بننے والا ایک شخص حضرتؑ سے آ کر ملا جس نے امام سے پوچھا: اے فرزند رسول! آپ کو

اپنے جد کے حرم سے نکلنے پر کس شے نے مجبور کیا؟ امام نے فرمایا:

یا اباہرم ان بنی ایتہ شتمو عرضی فصبرت واخذوا مالی فصبرت ، وطلبوا دمی فہبت ، وایم اللہ لیقتلونی فیلہم اللہ ذلاً شاملاً وسیفاً قاطعاً ویسلط علیہم من یدلہم حتی یرکونوا اذل من قوم سبا اذملکتہم امرأۃ محکمۃ فی اموالہم ودمالہم

”اے ابوہرم! تحقیق بنی امیہ نے میری آبروریزی کی مگر میں نے صبر کیا، انھوں نے میرا مال ضبط کیا مگر میں نے صبر کیا لیکن جب انھوں نے میرے خون کا قصد کیا تو میں نے وہاں (حرم) سے نکل آنا بہتر جانا، قسم بخدا یہ لوگ مجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے اور اس وقت خدا انھیں ذلت و خواری کا لباس پہنائے گا (ان کے سروں پر) شمشیر بوندہ اور ایسے فرد کو ان پر مسلط کرے گا جو انھیں قومِ سبا سے (جس پر ایک عورت حکمرانی کرتی ہو) بھی زیادہ زیلوں و پست کر دے گا۔“

مقامِ عذیبِ الحجانات

امام حسینؑ مقامِ رھیمہ سے چل کر عذیبِ الحجانات پر آ کر ٹھہرے، جہاں اہلِ کوفہ میں سے پانچ ان افراد سے ملاقات ہوئی جن کی رہنمائی طرماح بن عدی کر رہا تھا اور باقی چار افراد کے نام یہ لکھے ہیں۔

۲۔ عمرو بن خالد صیداوی۔

۱۔ نافع بن ہلال مرادی۔

۳۔ مجمع بن عبد اللہ عاندی۔

۳۔ سعد جو کہ خالد بن خالد کا خادم۔

یہ افراد طرماح بن عدی کی رہنمائی میں نافع بن ہلال کے گھوڑے (اس کا نام کامل تھا) کو سنبھالتے ہوئے امام کی جانب آ رہے تھے اور اس وقت طرماح اپنے شتر کو ہانکنے کیلئے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

وشمری قبل طلوع الفجر

یانافثی لاتذعری من زجری

حتی تحلکی بکریم النحر

بخیبر کبان وخیر سفر

اتی بہ اللہ لخیبر امر

الماجد الحر حیب الصدر

ثم البقاء بقاء الدھر

”اے میرے اونٹ! تیز سواریوں سے نہ ڈر بلکہ جلدی کر تا کہ صبح گاہ سے پہلے بہترین سواریوں اور صالح

ترین مسافروں میں سے اس مسافر سے جا ملیں جو آزاد جوانوں میں چوڑے لینے والا اصل انسان ہی،

جسے خدا نے بہترین کام لینے کیلئے دنیا میں بھیجا ہے اور جب تک دنیا باقی ہے خدا اس کی حفاظت کرے۔“

یہ لوگ جب امام کے حضور پہنچے تو اس نے امام کیلئے ان اشعار کو دوبارہ دہرایا، چنانچہ امام نے فرمایا:

امساو اللہ انی لا رجوان یوکن خیراً اما راہ اللہ بناقننا ام ظفرنا ”آگاہ رہو! قسم بخدا مجھے امید ہے کہ

خدا نے میرے نسبت خیر و نیکی کا ارادہ کا ہے اب چاہے (اس راہ میں) ہم مار دیئے جائیں یا دشمن

پر غالب آجائیں۔“

اسی اثناء میں حر بن یزید ریاحی نے امام حسینؑ سے آکر کہا:
 ”میں انھیں آپ کے ساتھ ملحق ہونے نہیں دوں گا، کیونکہ یہ لوگ آپ کے ساتھ آنے والوں
 میں سے نہیں ہیں، بلکہ آج ملحق ہو رہے ہیں، لہذا میں انھیں گرفتار کر کے کوفہ بھیج دوں گا۔“
 لیکن امام نے آنے والوں کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا:
 ”یہ میرے افراد ہیں اور جس طرح میں اپنا دفاع کروں گا بالکل اسی طرح ان کا دفاع بھی مجھے پر
 لازم ہے۔“

بہر حال مختصر گفتگو کے بعد حر نے انھیں گرفتار کرنے سے گریز کیا۔ اس وقت امام نے ان لوگوں سے
 اہل کوفہ کے حالات گرفتار کیے تو انھوں نے عرض کی: عمائدین شہر کو رشوت دے کر خرید لیا گیا ہے اور
 عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں، مگر تلواریں آپ پر چلیں گی۔“
 اور اسی موقع پر ان لوگوں نے امام کو قیس بن مسہر کی خبر شہادت سنائی جسے سن کر بے ساختہ امام کے آنسو
 جاری ہوئے اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قُتِلَ نَجْبَةً وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَلُوا أَتَبَدَّلَا﴾ ”بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا
 اور بعض منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔“ (احزاب ۲۳)

اور پھر ان جملات کو ذکر فرمایا:

اللهم اجعل لنا ولهم الجنة نؤلاً، واجمع بينا وبينهم في مسقطر حمتك ودرغائب مذخور ثوابك
 ”اے پروردگار عالم! ہمارے اور ان کیلئے بہشت کو منزل گاہ قرار دے اور اسی طرح ہمارے اور ان
 کے درمیان اپنی رحمتوں اور ذخیرہ شدہ ثواب کو معین فرما۔“
 امام کے ان جملات کے بعد طرماح نے امام کے نزدیک آکر عرض کیا:

”خدا کی قسم میں یہ دیکھ رہا ہوں آپ تنہا ہیں اور اگر یہ تعداد (الشکر) کو آپ کے ساتھ چل رہی ہے
 حملہ کر دے تو بس کافی ہے تاچہ رسد وہ لشکر جسے کوفہ سے باہر ایک میدان میں مشقین کروائی جا رہی
 تھیں جب میں نے کسی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا: یہ حسین بن علیؑ سے جنگ کرنے جائیں
 گے، لہذا میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک وجہ بھی ان کی جانب آگے نہ بڑھیں اور
 اگر ایسی سرزمین پر جانا پسند فرمائیں جہاں اچھی طرح سوچنے تک خدا آپ کی حفاظت کرے تو
 میں آپ کو اپنے ہستانوں میں (جن کا نام اجاء ہے) لے چلوں گا جو بے شک ایسا پہاڑ ہے جس نے
 ہمیں غسان، حمیر اور منذر جیسے بادشاہوں بلکہ ہر سیاہ و سفید سے محفوظ رکھا ہے وہاں کسی میں
 جرات نہیں کہ ہم تک دسترس حاصل کر سکے میں خود آپ کے ساتھ چلوں گا پہلے ”قریہ“ میں قیام

کریں گے اور وہاں سے ”اجاء اور سلمیٰ“ قبائل میں قاصد بھیج کر انھیں بلائیں گے۔ خدا کی قسم اس روز نہیں گزریں گے کہ قبیلہ طی کے سواروں اور پیادوں کی بڑی تعداد آپ کے گرد جمع ہو جائے گی پھر آپ جتنا چاہیں ہمارے پاس وہاں رہیں اور اگر معمولی سا بھی کوئی حادثہ رونما ہوا تو میں عہد کرتا ہوں کہ قبیلہ طی کے بیس ہزار شمشیر زن آپ کی حمایت میں تلوار چلائیں گے اور جب تک جان میں جان ہوگی کوئی آپ پر ہاتھ نہیں اٹھ سکتا۔“

امام نے طرماح اور اس کی قوم کے حق میں دعائے خیر کرتے ہوئے فرمایا:

”ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان وعدہ ہے، لہذا میں واپس نہیں جاسکتا اور یہ بھی مجھے نہیں معلوم کہ میرا سر انجام کیا ہوگا۔“

طرماح نے یہ سن کر حضرت سے اجازت مانگی کہ اس کے پاس کچھ آذوقہ ہے جسے وہ اپنے بچوں تک پہنچا کر واپس آجائے گا۔ امام حسینؑ نے اسے اجازت دی مگر وہ سرعت کے ساتھ جا کر واپس اسی مقام (عذیب الجحانات) سے گزرنے لگا تو اسے خبر دی گئی کہ امام حسینؑ کر بلا میں شہید کر دیئے گئے یہ سن کر انتہائی غم و اندوہ کے عالم میں اپنے شہر و دیار کا رخ کیا۔ ۳۸

داستان طرماح پر تحقیقی نگاہ

یہ داستان چند زاویوں سے قابل تحقیق ہے، کیونکہ طرماح کے بارے میں موجود روایات میں سے یہ روایت جسے ہم نے امام حسینؑ سے ملاقات کے عنوان پر ذکر کیا ہے مستند صحیح روایت ہے ورنہ دیگر روایات کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بہر حال طرماح کی یہ داستان مندرجہ ذیل چند اعتبار سے قابل تردید ہے۔

۱۔ اس روایت کے مطابق طرماح بن عدی چار افراد کے ہمراہ کوفہ سے اس لیے نکلا کہ امام حسینؑ سے ملحق ہو جائے اور راستے میں اونٹ سے مخاطب ہو کر جو رجز پڑھ رہے تھے، مگر امام سے ملاقات کے بعد مذکورہ چار افراد تو رہ گئے اور یہ اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔

لیکن بعض تاریخوں میں یہ بھی نقل ہوا ہے: طرماح بھی دیگر چار افراد کی مانند امام کے ہمراہ رہے حتیٰ راستے میں ایک مرتبہ امام نے آواز دے کر فرمایا: کوئی ہے جو راہوں سے اچھی طرح آشنا ہو تو طرماح نے نزدیک آ کر عرض کیا: اے فرزند رسول میں ان راہوں کو خوب جانتا ہوں تو حضرت نے اسے قافلے سے آگے چلنے کا حکم دیا اور وہ آگے آگے یہ رجز جس کے چند ابیات نقل ہو چکے پڑھتے جا رہے تھے۔ البتہ اس روایت میں بعض ابیات ایسے نقل ہوئے ہیں جو ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے بزرگ استاد شعرانیؒ نے اپنے بعض نوشتہ جات میں فرمایا ہے، جو

وقتِ نظر سے کام لے وہ بہتر احساس کرے گا کہ یہ اشعار پہلی والی روایات سے زیادہ سازگار ہیں۔ ۹۴ کیونکہ امام حسینؑ اپنے آپ سے بہتر کی جانب نہیں جارہے تھے، بلکہ یہ طرمح تھے جو خود سے بہتر (امام حسینؑ) کی جانب جارہے تھے، بنا برائیں یہ شعر حتیٰ تحلیٰ بالکریم النحر اس بات کی دلیل ہے کہ طرمح کے ساتھ مردِ کریم کے قصد سے نکلے تھے اور کوفہ ہی سے خدمتِ امام کا قصد رکھتے تھے۔

۲۔ اس روایت سے استفادہ ہوتا ہے طرمح قبیلہ طلی کے رہنے والے عدی بن حاتم طائی کے فرزند تھے، لیکن عدی بن حاتم طائی کے اہوال میں نقل ہونے والی دیگر روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ ان کے تین فرزندوں۔ طریف، طرفہ اور مطرف کے علاوہ کوئی اور بیٹا نہیں تھا اسی لیے ”ابو طرفاء“ بھی کہا جاتا تھا اور یہ تینوں فرزند جنگِ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کی رکاب میں شہید کر دیئے گئے، لہذا عدی بن حاتم طائی معاویہ اور بنی امیہ کی جانب سے ظلم و تعدی کا شکار رہے اور جب معاویہ نے ان سے پوچھا: تیرے بیٹے کیا ہوئے؟ تو انھوں نے جواب دیا: مار دیئے گئے۔ معاویہ انھیں مزید دکھ دیئے کیلئے گویا ہوا:

ما انصفک ابن ابیطالب ان قتل نبوک وبقی له بنوہ ”پھر ابو طالب نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا اس نے تیرے بیٹے مروا دیئے اور اپنے بیٹوں کو محفوظ رکھا۔“

عدی بن حاتم طائی جو امیر المومنین علیؑ کے شیعہ اور فدائیوں میں سے تھا سوختہ اور بھرے دل سے بولے! ما انصفت علیاً اذ قتل وبقیت ”یہ میں ہوں جس نے علیؑ کے ساتھ انصاف نہیں کیا کیونکہ وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ ہوں۔“

البتہ ایک روایت میں ان کے بیٹے کا نام محمد بھی ذکر ہوا ہے، جبکہ وہ جنگِ صفین کے شہداء میں ملتے ہیں۔ بہر حال ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے عدی بن حاتم طائی کا طرمح نامی کوئی فرزند نہیں تھا۔ بنا برائیں یہ عدی جو طرح کے باپ تھے کوئی اور عدی تھے۔

۳۔ مذکورہ روایت میں ہے طرمح امام سے اجازت پا کر اپنے گھر گئے اور بہت جلد لوٹ کر آئے مگر پھر بھی دیر ہو چکی تھی اور مقام ”عذیب الحبانات“ پر انھیں امام کی خبر شہادت سنائی گئی، چنانچہ (مجبوراً) انتہائی غم و اندوہ کے عالم میں واپس ہوئے۔

لیکن چند دوسری روایت میں آیا ہے وہ امام حسینؑ کے ہمراہ کر بلا آئے اور وہاں جنگ بھی کی حتیٰ حالتِ جنگ میں یہ رجز پڑھتے ہوئے:

وقد وقت بالالہ الرب

نئی طرمح شدید الضرب

يخشي قربي في القتال غلبى

على الطفاة لوبذاك صلبى

اذ انتضت في الهياج غصى

فلونكم فقد قسيت قلبى

لشکر کوفہ پر حملہ آور ہوئے اور میں افراد کو داخل جہنم کیا، لیکن اسی اثناء میں ان کے گھوڑے نے خود سر کرتے ہوئے انھیں زمین پر گرا دیا جس پر لشکر عمر سعد نے ان کا سرتن سے جدا کر دیا۔ جبکہ بعض دوسری روایات میں آیا ہے یہ شدید زخمی ہو کر بے ہوشی کے عالم میں لاش ہائے شہداء کے درمیان گرے رہے، چنانچہ بعد میں اہل قبیلہ نے مداوا اور یہ ٹھیک ہو گئے۔ اور اسی طرح بعض مقاتل کے مطابق شب گیارہ محرم یعنی شام غریباں کے بعد رونما ہونے والا یہ واقعہ ان کی زبانی یوں نقل ہوا:

میں شہداء کے لاشوں کے درمیان زخمی حالت میں گرا ہوا تھا مگر میرے ہوش و حواس سالم تھے میں نے اچانک بیس سفید پوش سواروں کو کہ جن سے مشک و عنبر کی بو آرہی تھی آتے دیکھا وہ اباعبداللہ الحسین کے جسد مبارک پر پہنچے اور ان میں سے ایک نے حسین بن علیؑ کا لاشہ اٹھا کر بٹھایا اور کوفہ کی جانب اشارہ کیا تو سر مبارک وہاں آ گیا انھوں نے سر حسینؑ کو حلقوم سے پیوست کر دیا پھر اس (چور چور) بدن سے فرمایا: اے میرے لال! تجھے مار دیا؟ کیا یہ لوگ تجھے نہیں جانتے تھے؟ اور انھوں نے تجھ پر پانی بند کر دیا؟ بُنی قتلوک و ماعرفوک و من شرب الماء منعوک ... تا آخر جسے مرحوم استاد شعرانیؒ نے نفس المہوم کے ترجمے کے حاشیے میں نقل اور اسی طرح سے توجیہ کی ہے ۵۔ ۳۔ اسی طرح بعض روایات نے طرمح بن عدی کو امیر المومنین علیؑ کے قاصدوں میں شمار کیا ہے جو معاویہ کی جانب حضرت کے پیغامات لے جایا کرتے تھے اور ان کی شہادت و شجاعت کو یوں ذکر کیا ہے وہ باوقار و مشق میں داخل ہوئے اور دربار معاویہ میں فصیح و بلیغ گفتگو کی جو بہر حال بعض جہات سے بعید نظر آتی ہے حتیٰ بعض بزرگوں کے نزدیک مجہولات میں سے ہے۔

لہذا ہم اسے نقل کرنے سے گریز کرتے ہوئے اہل مطالعہ کیلئے بحار الانوار (ج ۸، ترجمہ کپانی) قاموس الرجال اور مرحوم حلقاتی کی فرسان الہیہ جاء وغیرہ کتابوں کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور دوبارہ اپنی بحث کی جانب پلٹتے ہیں۔

مقام قصر بنی مقاتل

اس مقام پر امام کی ملاقات عرب کے چند معروف افراد سے ہوئی جو امام نے اتمام حجت کرتے ہوئے انھیں اپنی حمایت کی دعوت دی کیونکہ انھیں امام کی مدد و نصرت کی سعادت حاصل نہیں ہونا تھا، لہذا ان میں سے کسی نے حضرت کی حمایت نہ کی، چنانچہ ان میں سے بعض تو مثلاً عبید اللہ بن حریصؓ زندگی بھر ہریشمانی کی آگ میں جلتے رہے، کیونکہ یہ عرب کے مشہور بہادر گھرو سوار تھے اور عثمانی شیعہ شمار کیے جاتے تھے اور

جنگ صفین میں لشکر معاویہ میں تھے، البتہ ان کی مدح میں قیل قال زیادہ پایا جاتا ہے، اسی طرح ان کی زندگی کا خاتمہ مجہول ہے یہ شہادت امیر المومنین کے بعد کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے مگر خود اسکے بقول کوفہ سے اس لئے نکلا تھا کہ کہیں مجبوراً حسین بن علی کی نصرت نہ کرنا پڑے۔ بہر حال تاریخ نگاروں کے مطابق امام کا اس مقام پر ان سے اتفاقاً سامنا ہوا۔ کہتے ہیں جب امام اس مقام پر وارد ہوئے تو یہ پہلے ہی سے خیمہ لگائے بیٹھے تھے اور درخیمہ پر ایک خوبصورت گھوڑا بندھا ہوا تھا اور خیمے کے آگے زمین پر نیزہ گرٹا تھا جو اس کی علامت تھی کہ صاحب خیمہ مشہور شخصیت ہے، چنانچہ اسی علامت نے امام حسین کی توجہ مبذول کروائی۔ حضرت نے صاحب خیمہ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت کو بتایا گیا یہ خیمہ عبید اللہ بن حرجی کا ہے۔ امام نے اصحاب میں سے حجاج بن مسروق کو اس کی جانب روانہ کیا۔

انھوں نے ابن مسروق کو دیکھ کہا: کیا بات ہے؟

حجاج بن مسروق نے جواب دیا: خدا نے تیرے لئے کرامت بھیجی ہے۔

وہ بولے: کیسی کرامت؟

حجاج نے کہا:

یہ حسین بن علی ہیں جنھوں نے تجھے اپنی مدد کیلئے طلب کیا ہے، تاکہ تجھے حسین کی رکاب میں ان کے دشمنوں سے مقابلہ کی سعادت نصیب ہو اور اگر اس راہ میں مارے بھی گئے تو وہ مقام شہادت پر فائز شمار کیے جاؤ گے۔

عبید اللہ نے کہا:

معذرت چاہتا ہوں، میں تو کوفہ سے نکلا ہی اس لئے ہوں کہ کہیں حسین کوفہ آجائیں اور مجھے ان کی مدد کرنا پڑ جائے، کیونکہ آنجناب اب کوفہ میں کوئی مددگار نہیں رکھتے، وہاں کے لوگ دنیا سے دھوکہ کھا بیٹھے ہیں اور حکومت کے سیم و زر اور اسکی وحشت جبر نے انھیں خرید لیا ہے۔

حجاج بن مسروق امام کی خدمت میں واپس آئے اور عبید اللہ بن حرجی کی تمام گفتگو منتقل کر دی، لیکن امام حسین اپنے چند اصحاب کو ساتھ لے کر اسکے خیمے کی جانب تشریف لے گئے۔ وہ خود بعد میں اپنے ساتھیوں سے اس انداز میں نقل کرتے ہیں:

”میں نے آج تک حسین بن علی جیسا عظیم انسان نہیں دیکھا، وہ سب سے زیادہ پرکشش اور جاذب انسان تھے، میں آج تک کسی فرد پر اتنا دل سوختہ نہیں ہوا جتنا حسین پر اس وقت ہوا جب وہ راہ چل رہے تھے اور بچوں نے ان کے گرد حلقہ باندھا ہوا تھا، میری نگاہوں نے ریش مبارک کو دیکھا جو سیاہ پرندے کی طرح سیاہ تھی تو میں نے عرض کی: یہ سیاہی اصلی ہے یا خصاص؟

تو حضرت نے فرمایا:

اے فرزندِ نذر! میری داڑھی بہت جلد سفید ہوگی تب اس جملے سے میں سمجھا کہ خضاب ہے۔“
بہر حال امام نے عبید اللہ بن جریج کو اپنی نصرت کی دعوت دی، لیکن وہ سعادت سے محروم امام کو لبیک نہ کہہ سکے لیکن جب گفتگو ختم ہوگئی اور حضرت وہاں سے تشریف لے جانے لگے تو انھوں نے عرض کیا:
”میں ابھی موت کیلئے آمادہ نہیں ہوں لیکن اپنے اس قیمتی گھوڑے کو آپ کی خدمت میں ہدیہ کرنا چاہتا ہوں، بخدا یہ ایسا جانور ہے کہ جب بھی میں نے اس پر سوار ہو کر کوئی شے طلب کی مجھے وہ فوراً نصیب ہوئی اور جب بھی اس پر سوار ہو کر چلا ہوں تو کسی نے اتنی توانائی نہیں پائی کہ وہ مجھ تک آ پہنچے، چنانچہ اسے آپ کی نذر کرتا ہوں۔“

امام نے فرمایا:

”مجھے تمہارے گھوڑے اور تلوار کی ضرورت نہیں، لیکن اگر تو میری مدد کرنی پر حاضر نہیں ہے تو میری اس نصیحت پر عمل کر کہ اتنا دور ہو جا کہ نہ تو ہماری آواز سن سکے اور نہ ہی دشمن سے ہمارا مقابلہ دیکھ سکے کیونکہ بخدا جو بھی میری غربت اور صداۃ استغاثہ کو سنے اور میری مدد نہ کرے خدا اسے اوندھے منہ جہنم دھکیل دے گا۔“

عبید اللہ نے سر جھکا دیا اور آہستہ سے گویا ہوئے جوان کی شرمساری پر حکایت کر رہا تھا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اسی طرح اس مقام (قصر بنی مقاتل) پر عمرو بن قیس مشرفی نامی ایک شخص سے امام کی ملاقات ہوئی جو اپنے چچا زاد بھائی کے ہمراہ اس مقام پر قیام پذیر تھا۔ یہ دونوں امام کو دیکھ کر حضرت کے نزدیک آئے اور آپ کو سلام کیا۔ امام نے ان سے دریافت کیا کہ کیا ہماری نصرت کیلئے آئے ہو؟

عمرو بن قیس نے جواب دیا:

نہیں، میں بھال بچوں والا ہوں اور پھر ہمارے ساتھ لوگوں کے اموال و امانتیں ہیں جنہیں مالکوں تک پہنچانا ضروری ہے، جبکہ آپ کے ساتھ چلنے کا انجام واضح ہے اور اسی طرح مدد کرنے سے عذر خواہی کرنے لگے۔

امام نے انھیں نصیحت کی اور فرمایا:

انطلقا فلا تسمعا لى واعية ولا تريا لى سوادا فانه من سمع واعيتا اور اى سوادا فلم یجبنا اور یغشا کان حقاً علی اللہ عز ووجل ان یکبہ علی منخربہ فی النار ”اتنی دور چلے جاؤ کہ میری صدائے غربت نہ سن سکو اور ہمارے لشکر کی سیاہی اور جھلک نہ دیکھ سکو کیونکہ جو بھی میری صدائے غربت سے یا میری لشکر کی سیاہی و جھلک دیکھے مگر ہماری مدد نہ کرے تو پھر خدا کو حق حاصل ہے کہ اسے اٹھے منہ جہنم

میں گرا دے۔“

حضرت علی بن الحسین کی فضیلت

واقعہ کربلا کی بہت سی روایات عقبہ بن سمان سے نقل ہوئی ہیں جو امام حسین کے اصحاب میں سے تھے وہ فرماتے ہیں:

قصر بنی مقاتل میں آخری شب تھی، امام نے وہاں سے پانی ذخیرہ کر کے چلنے کا حکم دیا، لہذا حکم پر عمل کرتے ہوئے سفر کا آغاز کیا، لیکن ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ امام پر غنودگی طاری ہوئی اور نیم خوابی کی حالت میں بیدار ہوتے ہوئے دو یا تین بار کلمہ استرجاع زبان مبارک پر جاری فرمایا:

اَنَاللّٰهُ وَاَنَا لِيَه رَاجِعُونَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

یہ سن کر علی بن الحسین جو اپنے گھوڑے پر سوار کچھ فاصلے پر تھے، بابا کے نزدیک آئے اور انہی جملات کو دہراتے ہوئے فرمایا: بابا جان! قربان جاؤں، آپ نے حمد الہی اور کلمہ استرجاع کیوں زبان پر جاری کیا! فرمایا: میرے بیٹے! مجھے نیند کا معمولی سا جھوٹا آیا تو کیا دیکھا کہ ایک گھوڑے سوار میرے آگے چلتے ہوئے کہہ رہا ہے: الْقَوْمُ يَمْسُرُونَ وَالْمَنِيَّةُ تَسْرِي الْبِهْمَ ”یہ لوگ جارہے ہیں، جبکہ موت ان کے پیچھے پیچھے چل رہی ہے۔“ میں اس منظر کو دیکھ کر سمجھا کہ شاید ہماری جان (روح) ابھی جو خیر موت سنارہی تھی۔ علی بن الحسین نے فرمایا: لا اراک اللہ سوءاً اَلَسْنَا عَلٰی الْحَقِّ ”خدا آپ کی خیر رکھے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟“

فرمایا: بلی والذی الیہ مرجع العباد کیوں نہیں مجھے اس خدا کی قسم جس کی جانب سب کو لوٹ کر جانا ہے، ہم حق پر ہیں۔

علی بن الحسین نے عرض کی:

يَا أَبَتِ إِذَا لَا بَنَالَي، غَوَتْ مُحَقِّقِينَ ”بابا جان! پھر ہمیں موت کا کیا خوف ہم حق پر جان دین گے۔“

امام نے ان کیلئے دعائے عافیت کی اور فرمایا:

جِزَاكَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ خَيْرٍ مَا جِزَى وَلَدًا عَنِ وَالِدِهِ ”خدا تمہیں جزائے خیر دے ایسی بہترین جزاء جو ایک فرزند کو باپ کی طرف سے مل سکتی ہے۔“ ۵۲

آخری قیام کربلا میں

ماہ محرم الحرام ۶۱ھ کی شب دوم تمام رات حضرت نے تا طلوع فجر سفر کیا فقط ایک مقام پر اپنے اصحاب کے ساتھ نماز صبح ادا کی مگر فروری سوار ہو کر اسی طرح اپنے سفر کو جاری رکھا۔ یہی وہ وقت تھا جب لشکرِ حر نے

اپنی تمام سعی و کوشش اس امر میں صرف کیں کہ کسی طرح امام کا کاروان دائیں سمت جو کوئی تھی حرکت کرے لیکن امام نے بے اعتنائی برتتے ہوئے بائیں جانب اپنی ساریوں کا رخ رکھا البتہ یہ کشمکش کئی بار ظاہر ہوئی، لیکن اس دوران کوفہ کے محاذی علاقے (جن علاقوں سے جانا ممکن تھا) گزر گئے اور کر بلا کا راستہ شروع ہو گیا اور اس طرح یہ قافلہ اپنی آخری قیام گاہ پر آ پہنچا۔ اس ہنگام لوگوں نے اچانک ایک سوار کو دیکھا جو کوفہ کی سمت سے آ رہا تھا اور اسے دیکھ کر سب لوگ رُک گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ اس نے آ کر رُک کر سلام کیا اور عبید اللہ بن زیاد کا نام پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا:

امابعد فجمع بالחסین یبلغک کتابی و یقدم علیک رسولی ولا تنزلہ الا بالاعراء فی غیر حصن و علی غیر ماء و قد امرت رسولی ان یلز مک فلا یفارکک حتی تاتینی بانفاذک امری
”میرے قاصد کے ذریعے خط پانے کے بعد حسین بن علی پر سختی و تندی سے کام لو اور اسے بے آب و گیاہ زمین پر اُتار دو، یاد رہے میرا یہ قاصد اس وقت تک تمہارے ساتھ رہے گا جب تک تم اس پر عمل نہ کرو۔“

حُرنے عبید اللہ ابن زیاد کا خط پڑھ کر اسے جوں کا توں امام اور آپ کے اصحاب کیلئے نقل کر دیا اور انھیں سختی سے خطاب کرتے ہوئے کہا: آپ حضرات اسی مقام پر قیام کریں۔
امام حسین کے اصحاب نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو ہمیں غاصریہ، نینوی یا شقیہ پر اترنے دیا جائے؟
حُرنے کہا: نہیں میں اس چیز کی اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ امیر کا جاسوس و دستور پر عمل دیکھنے کیلئے رُکا ہے۔ اس وقت زہیر بن فہین نے آگے بڑھ کر کہا: اے فرزند رسول! آئندہ اس سے زیادہ سختی درپیش ہے، لہذا اس وقت ان لوگوں سے جنگ کرنا آسان تر ہے اور اگر کچھ تامل کیا تو آئندہ آنے والے لشکروں سے جنگ ہمارے بس کی بات نہیں۔
امام نے فرمایا: میں جنگ کا آغاز نہیں کروں گا۔

چنانچہ منقول ہے زہیر نے کہا:

پھر ہمیں اجازت دیں کہ فرات کے کنارے موجود اس قریے میں اتریں جو ہمارے لیے محکم قلعہ ثابت ہو سکتا ہے اور اگر یہ لشکر اس امر میں مانع ہوا تو ہم انھیں جواب دیں گے، کیونکہ اسکے بعد ان سے جنگ مشکل ہو جائے گی۔

حضرت نے دریافت کیا: اس قریے کا نام کیا ہے؟

زہیر نے کہا: اس کا نام ”عقر“ ہے۔ ۵۳

۵۳ عقر کے معنی جھجور کے درختوں کو سروں سے کاٹنا اور اونٹ کو گرا کر اسے نہر کرنے کیلئے اسکے دست و پا کو کاٹنا ہیں۔

امام نے فرمایا: اللھم انی اعوذ بک من العقر ”خداوند سے عقر سے پناہ مانگتا ہوں۔“
اس طرح حضرت نے دوم محرم الحرام بروز جمعرات ۶۱ھ اس مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیا، جبکہ دوسری روایت میں ہے امام حسین نے حر سے فرمایا: اے خراج! ہمیں کچھ دروازہ چلنے دیا جائے۔
چنانچہ کچھ ہی فاصلے پر امام کا قافلہ سرزمین کربلا میں داخل ہوا اس مقام پر ٹھہرا اور اس کے لشکر نے امام کو مژ پر آگے بڑھنے سے روکا تو حضرت نے پوچھا: یہ کونسا علاقہ ہے؟
انھوں نے عرض کی: اسے ”کربلا“ کہتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت کی آنکھیں نم ہو گئیں اور فرمایا:
اللھم انی اعوذ بک من الکرب والبلاء ”خدا یا میں کرب (اندوہ) اور بلاء (مشکلات) سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ ۵۳

لہو ف میں نقل ہونے والی روایت میں ہے، حضرت نے مزید فرمایا:
ہاھنا محط رکابنا و دماننا و محل قبورنا، ہذا حدی جدی رسول اللہ ”یہی ہمارے اترنے کی جگہ ہے یہاں ہمارا خون بہایا جائے گا اور ہماری قبریں بنائی جائیں گی کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کی خبر جدر رسول اللہ نے مجھ دی ہے۔“ ۵۵

کربلا میں امام کا پہلا خطاب
تاریخ نگاروں کا بیان ہے، جب امام حسین سرزمین کربلا میں داخل ہوئے تو اپنے بھائیوں، بیٹوں اور اہل خاندان کو جمع ہونے کا حکم دیا اور جب وہ سب اکٹھا ہو گئے تو ان پر نگاہ مبارک ڈالتے ہوئے فرمایا:

اللھم اتعترۃ نیک محمد قد اخرج جناتہ و اخرجنا عن حرم جدنا و تعذت بنو امیۃ علینا اللھم
فخذلنا بحقنا و انصرنا علی القوم الظالمین ”خداوند! ہم تیرے نبی کا خاندان ہے، ہمیں اپنے جد کے حرم سے باہر نکال کر بے سرو سامان وطن سے دور کر دیا ہے اور بنی امیہ نے ہم پر ظلم روا رکھا ہے۔
اے خدا! تو ہی ان سے ہمارا حق لے اور ہمیں ظالموں پر نصرت عطا فرما۔“

پھر اپنے اصحاب کی جانب رخ کیا اور فرمایا:

الناس عید الدنیا و الدین لعل علی السنہم یحوظونہ مادرۃ معایشہم فاذا متخصوا بالبلاء قل
القیانون ”لوگ دنیا کے پست و ذلیل غلام ہیں اور دین ان کے نزدیک چائے اور چوسنے کی شے ہے، لہذا جب تک یہ (دین) مزہ دیتا ہے اسے روکے رکھتے ہیں اور جہاں بھی یہ (دین) آزمائش و امتحان کا سبب قرار پایا وہاں دیندار کم ہو جاتے ہیں۔“

اس کے بعد حمد و ثنائے الہی انجام دی اور رسول اللہ پر دود و سلام کے بعد فرمایا:

امام بعد قد نزل بنامن الامر ما قد ترون ، وان الدنيا قد تغيرت وتغيرت وأدبر معروف فهاولم ينق منها إلا صباية كصباية النساء ، وخسيس عيش كالمرعى الويل ، الأتروون الى الحق لا يعمل به والى الباطل لا يتساهى عنه ليسرغب المؤمن في لقاء الله ، فاني لا ارى الموت إلا سعادة والحياة مع الظالمين إلا برما

”ہمارے مقابل ایک ایسا امر ہے جسے تم لوگ دیکھ رہے ہو اور یہ سچ ہے کہ دنیا دو گروں ہو گئی ہے، اس کی خوبیاں پلٹ گئی ہیں گویا تہ طرف (گدلا) بچا ہوا پانی ہے جسے پھینک دیا جاتا ہے اور یہ (دنیا) ناگوار اور خطرناک چراگاہ کی مانند ہو گئی ہے، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق (غریب ہو گیا اس) پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے نہیں روکا جاتا۔ یہی وہ موقع ہے جب مومن کو خداوند سبحان کے دیدار کا مشتاق ہونا چاہیے، بے شک میں (اس وقت) موت کی سعادت کے علاوہ کچھ نہیں دیکھ رہا اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزار غم و اندوہ کے علاوہ کچھ نہیں۔“ ۵۵

اس موقع پر زہیر بن قین اپنے مقام سے کھڑے ہوئے اور عرض کی:

سمعتنا يا بن رسول الله مقالتك ، ولو كانت الدنيا نابية وكنّا فيها مخلصين لا تترانا ليهو ص معك على الاقامة فيها ”اے فرزند رسول! ہم نے آپ کا کلام سنا، لہذا اگر یہ دنیا ابدی و پاسدار ہوتی یعنی ہم ہمیشہ اس میں رہتے تب بھی آپ کی منتخب شدہ راہ کو انتخاب کر کے اس میں ضرور قیام کرتے۔ (چہ جائیکہ دنیا کے یز و دو گز ارا یام)

زہیر قین کے بعد زہیر بن خضیر کھڑے ہوئے اور عرض کی:

يا بن رسول الله لقد من الله بك علينا ان تقابل بين يديك تقطع فيك أعضاء نائم يكون جذك شفيعنا يوم القيامة ”اے فرزند رسول! خدا نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آپ کے ساتھ یہ موقع نصیب ہو رہا ہے کہ آپ کی راہ میں اعضائے بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں پھر آپ کے جد قیامت میں ہماری شفاعت کریں گے۔“

ان کے بعد نافع بن حلال اور اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی اصحاب کھڑے ہوئے اور ہر ایک نے اپنی وفاداری اور استقامت کا اظہار ان ہی الفاظ میں کیا۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۴۔
- ۲۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۰۳۔
- ۳۔ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۰۔
- ۴۔ حیاۃ الامام الحسین باقر شریف قرشی ج ۲ ص ۳۱۱۔
- ۵۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔
- ۶۔ نقل از تاریخ ابن عساکر ج ۳ ص ۶۷۔
- ۷۔ اور ۸۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۔
- ۹۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۳۳۔
- ۱۰۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۳۵۔
- ۱۱۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو معلوم نہیں کہ ابن عباس کی اس تشبیہ سے کیا مراد ہے کہ انھوں نے شہادت امام حسینؑ کو قتل عثمان کے ساتھ مشابہ جانا چنانچہ یا تو وہ عثمانی تھے یا پھر اس جملے سے کوئی خاص مقصد رکھتے تھے۔ واللہ اعلم
- ۱۲۔ حیاۃ الامام الحسین باقر شریف ج ۳ ص ۲۷، ۲۸۔
- ۱۳۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۳۲۔ نقل از کتاب الدر المنسلوک، ج ۱ ص ۱۰۹۔
- ۱۴۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۹ جو حدیث تاریخ ابن اثیر اور ابن عساکر سے نقل کی گئی ہے اس میں ”فرم الائمہ“ نقل ہوا ہے، حیاۃ الامام الحسین، باقر شریف ج ۳ ص ۳۳۔
- ۱۵۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۹۔
- ۱۶۔ لہوف ص ۱۵۳ الحقائق ج ۱ ص ۵۹۸ کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۰۴۔
- ۱۷۔ صاحب نفس المصموم اپنے استاد محدث نوری سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: نوادیس کے بارے میں کفعمی کے حاشیے پر لکھا ہے کہ یہ شہر خرم کے غرب شمالی پر انصاری کا ایک قبرستان ہے جہاں اب جناب خرمین یزیدریائی کا مزار مقدس ہے۔
- ۱۸۔ ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۶۷۔
- ۱۹۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۵۰۔
- ۲۰۔ ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۶۸۔
- ۲۱۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۶۱۔
- ۲۲۔ ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۶۹۔
- ۲۳۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۸۔
- ۲۴۔ نقل از رجال بحر العلوم ج ۳ ص ۸۴۔
- ۲۵۔ حیاۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۵۷۔

۴۰ ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۲ ص ۷۱۔

۴۱ حیات الامام الحسین ج ۳ ص ۶۲۔

۴۲ ارشاد مفید مترجم ج ۲ ص ۷۲۔

۴۳ وقۃ الطغ ص ۱۶۳۱۵۹ حیات الامام الحسین ج ۳ ص ۶۲، ۷۰ پر رجوع کریں۔

۴۴ کامل التواریخ، ابن اثیر ج ۳ ص ۸۱، ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۷۳۔

۴۵ ارشاد مفید (مترجم) ج ۲ ص ۷۴۔

۴۶ حیات الامام الحسین ج ۳ ص ۶۷۔

۴۷ بحار ج ۳۳ مقتل الحسین مرقم ص ۷۸۔

۴۸ فرسان البحار ج ۳ ص ۱۵۲۔

۴۹ فرسان البحار ج ۳ ص ۱۵۲، ۱۴۴۔

۵۰ مناقب ج ۳ ص ۹۵ مقتل مرقم ص ۷۶۔

۵۱ ارشاد مفید ج ۲ ص ۷۵، ۷۴۔

۵۲ حیات الامام الحسین ج ۳ ص ۷۱، حاشیہ۔

۵۳ مقتل مرقم ص ۸۱ نقل از کامل الزیارات۔

۵۴ یعسوب ایک بہت چھوٹا سا پرندہ ہے جسکے چار نازک پر اور ایک باریک سی دم ہوتی ہے یہ اکثر پانی پراڑتا ہے اور اپنی دم اس پر مارتا ہوا جاتا ہے عرب بارک چیزوں کو اس پرندے کی دم یا خود اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔

۵۵ ارشاد مفید ج ۲ ص ۷۸، ۷۹۔

۵۶ کامل التواریخ ج ۳ ص ۸۸۔

۵۷ نقل از امالی شیخ صدوق مجلس ۳۰، مقتل خوارزمی ج ۳ ص ۲۲۶، مشیر الاحزان ابن نما۔

۵۸ کامل التواریخ ج ۳ ص ۷۵، تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۳۰۔

۵۹ جملہ اس بیت کا ہے۔ حتی تحلی بالکریم النحر۔ النسا جلد الحوزہ حبيب الصلار۔

۵۰ ترجمہ نفس الہمو ص ۹۸

۵۱ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰، مقتل ابی مخنف ص ۷۶۔

۵۲ مقتل ابی مخنف ص ۷۶۔

۵۳ مقتل الحسین مرقم ص ۱۹۲ حیات الامام الحسین ج ۳ ص ۹۱ اور حیات الحو ان دہری ج ۳ ص ۶۰ پر نقل ہوا ہے کہ حضرت نے فرمایا: ذات کعب و بلاء، یعنی یہ سرزمین اندوہ و مشکلات کی حامل ہے اور فرمایا میرے بابا علی جنگ صفین کی غرض سے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پر جبکہ میں انکے ہمراہ تھا حضرت نے کچھ دیر قیام فرمایا اور اس زمین کا نام پوچھا اور جب بتایا گیا فرمایا: ہا ہنا محط و حالہم و ہا ہنا مہراق دمانہم: ”انکے باروت و شاترنے کی جگہ یہی ہے اور اسی مقام پر ان کا خون بہے گا۔“ جب میں بابا سے اس بات کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا: خاندان مصطفیٰ کے کچھ

لوگ یہاں اتریں گے۔

۵۴ مقتل الحسین مقرر ص ۱۹۲۔

۵۵ تاریخ طبری کے مطابق امام نے یہ خطبہ مقام ذوجسم پر خربن یزید کے لشکر سے ارشاد فرمایا جبکہ بعض دیگر تاریخوں کے مطابق یہ خطاب چار محرم الحرام کو جب عمر بن سعد کربلا پہنچا ارشاد فرمایا، البتہ ہم نے اس کو کھوف، عقد الغریب، حلیۃ الاولیاء اور مجمع الزوائد سے لے کر اختیار کیا ہے اور مقتل مقرر ص ۱۹۲ پر جوع کیا جاسکتا ہے۔

کربلا میں کیا گزری؟

عبید اللہ بن زیاد کے نام حر بن یزید ریاحی کا خط جیسا کہ گذشتہ بحث میں بیان ہوا امام حسینؑ اپنے اصحاب اور اہل خاندان کے ہمراہ و محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا میں داخل ہوئے جس کی اطلاع حر بن یزید ریاحی نے تاریخ کے معروف مجرم عبید اللہ بن زیاد کو پہنچائی، چنانچہ عبید اللہ نے امام حسینؑ کے نام ایک ایسا خط لکھا جسے نقل کرتے ہوئے قلم حیا کھاتا ہے، کیونکہ اسلام کا دعویدار پیغمبر اسلامؐ کے فرزند کو وہ نہیں لکھ سکتا جو ابن زیاد نے امام حسینؑ کو لکھا، البتہ اس خط کا مفہوم دو جملوں میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

”میں (ابن زیاد) یزید کی جانب سے اس بات پر مامور ہوں کہ تجھے قتل کیے بغیر چین سے نہ بیٹھوں یا پھر تو (امام حسینؑ) یزید کا یا میرا حکم مان لے۔“

یہ خط اتنا شرم آور اور بے حیائی پر مشتمل تھا کہ امام حسینؑ نے اس پڑھے کر فرمایا:

لا افلح قوم اشتروا امرضات المخلوق بسخط الخالق
 ”وہ قوم کبھی فلاح و رستگاری نہیں پاسکتی جو مخلوق کی خوشنودی کو غضب الہی کے بدلے خریدے۔“

رجب نامہ رساں نے جواب مانگا تو حضرتؑ نے فرمایا:

مالہ عندی جواب لانہ حقت علیہ کلمۃ العذاب
 ”اس خط کا کوئی جواب نہیں کیونکہ خط لکھنے والے کیلئے عذاب الہی حتمی ہے۔“

چنانچہ نامہ بر نے واپس آ کر امام حسینؑ کے جملات عبید اللہ سے نقل کیے تو اس نے سخت غصے کے عالم میں ابن سعد کو حکم دیا کہ وہ امام حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے کربلا روانہ ہو جائے۔

امام حسینؑ سے جنگ کیلئے عمر بن سعد کا انتخاب

عمر بن سعد، سعد بن وقاص کا فرزند تھا جو (سعد بن وقاص) اسلام میں اچھے ماضی کا حامل شمار کیا جاتا ہے۔
 ویکہ سعدان چند مسلمانوں میں سے تھا جس نے بعثت پیغمبرؐ کے پہلے سالوں میں اسلام قبول کیا اور

اسلام کی وجہ سے سختیوں اور مشکلات کا شکار رہا اسی نے ایران پر مسلمانوں کی فتح و نصرت کے بعد شہر کو فدی بنیاد رکھی، لیکن بعد میں دوسرے بہت سے اصحاب پیغمبر کی طرح اس نے بھی دنیا سے محبت کرتے ہوئے امیر المومنین کی بیعت سے ہاتھ اٹھایا۔ بہر حال ۵۵ھ یا ۵۸ھ ق میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

عمر بن سعد اگر چہ اپنے والد کی شخصیت اور نام و شہرت کی وجہ سے اسلامی معاشرے میں پہچانا جاتا تھا، لیکن خود ذاتی طور پر بزدل اور دنیا پرست انسان تھا اور اس کے علاوہ حضرت رسولؐ اور امیر المومنینؑ سے نقل شدہ روایات میں اس کی مذمت بھی ملتی ہے یعنی یہ کسی خاص شخصیت کا مالک نہیں تھا۔ بنا برائیں کہا جاتا ہے سعد بن وقاص اپنے اس بیٹے سے خوش بھی نہ تھا لہذا اسی روایت کے مطابق اس نے عمر سعد کو اپنے ارث سے محروم رکھا اور اس دنیا سے یہ وصیت کر کے گیا کہ اسے میری مراث سے کچھ نہ دیا جائے علی عمر بن سعد کے بارے میں گذشتہ صفحات پر گزر چکا کہ یہ کوفہ میں مقیم بنی امیہ کے طرفداروں میں سے تھے اور جب مسلم بن عقیلؓ کو فہ تشریف لائے اور وہاں اپنی فعالیتوں کا آغاز کیا تو اسی نے یزید ابن معاویہ کو خطوط کے ذریعے تمام گزارشات منتقل کیں۔ امام حسینؑ ابھی سر زمین کربلا میں وارد نہیں ہوئے تھے کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو کوفہ سے چار ہزار کا لشکر دے کر شہر ”دشتیہ“ کی جو صوبہ ہمدان کا ایک شہر تھا کی آزادی کیلئے (جسے ویدمان نے حملے کے ذریعے قبضہ لیا تھا) دے کی حکمرانی دے کر روانہ کیا تھا، چنانچہ عمر سعد ابھی اپنے لشکر کے ساتھ ”حمام اعین“ (کوفہ کے جوار میں) کیمپ لگائے رہے جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ادھر امام کی جانب سے عبید اللہ بن زیاد کے اس رذیلانہ خط کا جواب نہ ملنے پر ابن زیاد سخت ناراض ہوا اگرچہ وہ جنگ کرنے کا ارادہ مکمل کر چکا تھا، لیکن اب تک کسی مناسب سپہ سالار کی تلاش میں تھا جو اس کے نزدیک اس کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔ بنا برائیں بلا فاصلہ عمر بن سعد کو طلب کیا اور کہا:

”پہلے حسین بن علیؑ سے جنگ کرنے جاؤ جب وہاں سے فارغ ہو جاؤ تب دے پر حکومت کرنے جانا۔“

البتہ اس انتخاب کی علت بھی واضح ہے کہ عبید اللہ بن زیاد ایسے انسان کا اس کام کیلئے تقرر چاہتا تھا جو کہ

۱۔ اسکے بارے میں ایک روایت رسول اللہؐ سے نقل ہوئی ہے، آپؐ نے فرمایا:

”یکون مع قوم یا کلون الدنیا بالسنتھم کما تلحص الارض البقرۃ بلسانھا“ ”یہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اپنی زبانوں سے دنیا کو ایسے چاٹ رہے ہوں گے جیسے گائے اپنی زبان سے زمین چاٹتی ہے“ امیر المومنینؑ سے نقل ہے آپؑ نے فرمایا: ”یوحک یا بن سعد! کیف بک اذا قمت مقاماً تخیر فیہ بین الجنة والنار؟“ ”اے ابن سعد! تجھ پر دوائے ہو تو اس وقت کیا ہوگا؟ جب تجھے ایسے مقام پر کھڑا کر دیا جائے گا کہ جنت و دوزخ کا انتخاب تیرے اختیار ہوگا مگر تو دوزخ کو انتخاب کرے گا۔“

نام و شہرت کا حامل ہوتا کہ یہ جرم اسکے کا ندھوں سے قدرے کم ہو جائے۔

بہر حال عمر بن سعد نے کہا: ”ٹھیک ہے لیکن حکومت رے واپس کرنا ہوگی۔“

اس بات پر عمر بن سعد کو سخت تذبذب کا شکار کیا، لہذا کچھ دیر کیلئے سوچ و فکر میں ڈوبتا چلا گیا اور سوچ کر جواب دینے کی غرض سے ایک شب کی مہلت مانگ کر وہاں سے چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لینے لگا تو سب نے اسے کہہ دیا کہ اسے منع کیا من جملہ وہاں موجود افراد میں اس کا بھانجا حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ تھا جس نے کہا:

تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں حسین بن علی سے جنگ کرنے پر نہ جانا، کیونکہ اس کام میں خدا کی نافرمانی بھی ہے اور قطع رحم بھی۔ خدا کی قسم اگر ساری دنیا اور اس میں موجود مال و منال تمہاری ملکیت میں ہو اور وہ تم سے چھین لیا جائے تب بھی اسی سے کہیں بہتر ہے کہ خون حسین بن علی میں رنگین ہاتھوں کے ساتھ خدا کے دیدار کیلئے جاؤ۔

عمر بن سعد نے جواب دیا: ایسا ہی کروں گا۔

لیکن اس تمام اضطراب و تذبذب کے باوجود جس نے ساری رات ایسے سونے نہ دیا بالآخر اپنے باپ سعد بن وقاص کی طرح جب دنیا کا گرفتار ہوا اور اپنے بیدار وجدان اور نفسِ لواہ کا جواب جو دیگر مشیروں کی طرح مسلسل کر بلا جانے سے روک رہا تھا اور جو ضمیر اس کی راہ میں مانع تھا اس شعر سے جواب دیا جسے صبح گاہ گنگنا تا ہوا اپنے گھر سے باہر نکلا۔

أمر أوجع مأثوماً بقتل حسين

واترك ملك الرى والرى منيتى

حجاب وملك الرى قرّة عين

وفى قتله النار التى ليس دونها

۳۴ آیا حکومت رے جو میری دیرینہ آرزو ہے اسے چھوڑ دیا پھر قتل حسین کا گناہ کمانے چلا جاؤ البتہ قتل حسین پر روزِ نقیب حال ہوگی جس کی بہر حال مجھے پروا نہیں لیکن حکومت رے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ البتہ اس مقام پر عمر بن سعد سے منسوب شدہ اور بھی اشعار ملتے ہیں۔

لعمرى ولى فى الرى قرّة عين

حسين بن عمى والحوادث جمّة

وما عاقل باع الوجود بدين

الا انما الدنيا لبرّ معجل

أتوب الى الرحمن فى مستين

فان صلدقوا فيما يقولون اننى

حجاب وتعذيب وغلّ يدين

وانى سأختار التى ليس دونها

ولو كنت فيها اظلم الثقيلين

لعل الله العرش يغفر زلتى

ونار وتعذيب وغلّ يدين

يقولون ان الله خالق جنّة

وملك عظيم دائم الحجلين

وان كذبوا فزنا برى عظيمة

اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس جا کر اطلاع دی کہ میں کربلا جانے کیلئے تیار ہوں چنانچہ اسی روز اپنے چار سپاہیوں کے ہمراہ کربلا روانہ ہوا۔

جیسا کہ محدث قمی نے نفس المہموم میں ذکر کیا ہے اور مندرجہ بالا تاریخی حوالوں سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے عبید اللہ بن زیاد کا امام حسین سے جنگ کرنے پر اس قدر تنجیدہ اس لئے تھا کہ امام حسین نے اس کے روانہ کردہ خط کو جواب کے قابل نہ جانا، لہذا وہ سخت غیض و غضب کی حالت میں عمر بن سعد کو امام حسین سے جنگ کیلئے روانہ کرتا ہے، جبکہ فقط جواب کا نہ دینا اتنے بڑے اقدام کا سبب نہیں ہو سکتا اور یہ بات بعید نظر آتی ہے، کیونکہ امام حسین دو محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا میں داخل ہوئے اور عمر بن سعد تین محرم الحرام یعنی دوسرے روز کربلا میں وارد ہوا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے اس مختصر مدت میں حربین یزید ریاحی نے عبید اللہ کو خط لکھا ہو اور عبید اللہ نے حکم کا خط پاکر امام حسین کے نام خط روانہ کیا اور امام نے جواب دینے سے انکار کیا، عبید اللہ نے عمر سعد کو کربلا کی پیشکش کی، اس نے ایک رات مہلت مانگی... بہر حال ایک دن و رات میں یہ ماجرا بعید نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عمر سعد کا کربلا میں وارد ہونا اور باقی ماجرا

در ہر حال سعد وقاص کا بیٹا چار ہزار لشکر کے ساتھ یا اس سے زیادہ کربلا میں وارد ہوا اور سب سے پھلا فیصلہ یہ کیا کہ کسی کو امام کے پاس بھیج دے، اسی لئے اپنے ساتھیوں میں سے عزرة بن قیس اُحسی سے کہا: حسین کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کس لئے یہاں آئے ہو؟ اور تمہارا کیا مقصد ہے؟ عزرة جو خود ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے امام کو دعوت دے کر بلایا تھا، لہذا اسے شرم آ رہا تھا کہ کس طرح امام کے سامنے جائے، چنانچہ جانے سے معذرت طلب کی۔ پھر عمر بن سعد نے یکے بعد دیگرے

اگر ان اشعار کی نسبت عمر بن سعد کی جانب درست ہے تو پھر قیامت بہشت اور دوزخ پر اس کا اعتقاد نہ ہونا اور اس کا کفر بخوبی ظاہر ہے اور یہ ان کی کم عقلی کی دلیل ہے جو کہ خود کو عقل مند تصور کرتے ہوئے کہتا ہے:

وما عاقل باع الوجو دہدین، نعوذ باللہ ”وہ عاقل نہیں جو اپنا وجود دین یا دین (یعنی ادھار کا سودا) پر فدا کرے۔“

لیکن کتاب ہذا کے محترم پڑھنے والے قارئین کو یہ جاننا چاہیے کہ اگر انسان دیندار اور مذہبی ہو تب بھی ہوائے نفس کی پیروی اور دل و شہوت کی اطاعت اسے اس مقام پر لا کھڑا کرتی ہے جہاں وہ انسان اپنے ضمیر کو قانع کرنے کیلئے ایسے ہی کلمات زبان پر جاری کرتا ہے اور اپنے غیر شرعی اعمال کی توجیہ تراشتا ہے جو کہ بہر حال ہوائے نفس کی پیروی اور ناشروع خود پسند کے آثار میں سے ایک ہے پھر انسان اپنا الوسیدھا کرنے کیلئے دینی مسلمات کا انکار کرنے لگتا ہے یا کم از کم شک و تردید کا شکار ہو جاتا ہے، البتہ اس بارے میں آیات، روایات اور بہت سے شواہد و امثال ہم نے اپنی کتاب ”کیفر گناہ“ میں ایک مستقل بحث ”گناہ انسان کو کفر پر لے جاتا ہے“ ذکر کیا ہے لہذا اशा کتین کیلئے اس موضوع پر معلومات جمع کی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

کئی افراد کو جانے کا حکم دیا، مگر وہ سب کے سب دعوت دہندگان میں سے تھے، لہذا ہر ایک نے جانے سے گریز کیا۔ تب کثیر بن عبد اللہ شعی نامی ایک شخص جو بے باکی، خوزیری اور حرمت شکنی میں معروف تھا اپنے مقام سے اٹھا اور بولا: میں جاؤں گا اور اگر حکم دیں تو حسین بن علیؑ کو دھوکے سے قتل بھی کر سکتا ہوں۔ عمر بن سعد نے کہا: میں انھیں قتل کرنے کا نہیں، بلکہ فقط ان کے آنے کا مقصد جانا چاہتا ہوں۔ کثیر حکم پا کر خیام امام کی جانب روانہ ہوا۔

شیخ مفیدؒ کے مطابق جب وہ خیام حسینی کے نزدیک آیا تو ابو ثمامہ صیداوی نے (جو کہ امام حسینؑ کے اصحاب میں سے تھے) حضرت سے آ کر عرض کیا:

یا حضرت، خدا آپ کے امر کو بخوبی انجام دے۔ اے ابا عبد اللہ! بدنام زمانہ اور قتل و غارتگری میں معروف شخص کثیر بن عبید اللہ شعی آپ کی سمت آ رہا ہے۔

یہ کہہ کر اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور اس سے کہا:

اگر مزید آگے جانا چاہتا ہے تو تمکو اسی جگہ رکھنا ہوگی۔

اس نے جواب دیا: میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا ورنہ واپس چلا جاتا ہوں۔

ابو ثمامہ نے کہا: پس میں تیری تموار کا قبضہ تھامے رہوں گا، یہاں تک کہ تو اپنی بات پہنچا دے۔

کہا: قسم بخدا! تیرا ہاتھ وہاں تک نہیں ہینچنے دوں گا۔

ابو ثمامہ نے کہا: اگر ایسا ہے تو پھر عمر بن سعد کا پیغام مجھے سنا کر چلا جا، میں خود حسین بن علیؑ تک پہنچا دوں گا، کیونکہ تو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے قابل اعتماد آدمی نہیں۔۔۔

بہر حال کچھ دیر تک ان دونوں میں تو تو میں میں ہوتی رہی اور بلا آخر کثیر بن عبد اللہ پیغام دیئے

بغیر عمر بن سعد کی طرف پلٹ گیا اور سارا ماجرا اس سے جا کر نقل کیا۔ اس وقت عمر بن سعد نے قرہ

بن قیس حنظلی کو بلا کر کہا:

اے قرہ! تجھ پر نفرین ہو، جا اور حسینؑ سے پوچھ کر آ کہ وہ کیوں آئے ہیں؟ اور وہ کیا چاہتے ہیں؟

قرہ امام حسینؑ کے نزدیک آیا اور جب حضرت نے اسے آئے ہو دیکھا تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

کیا اس شخص کو جانتے ہو؟ تو حبیب بن مظاہر گویا ہوئے:

جی ہاں یہ قبیلہ حنظلہ تمیم سے اور یہ ہماری بہن کی اولاد میں سے ہے البتہ میں اسے خوش عقیدہ

انسان تصور کرتا تھا مجھے تو قلع نہیں تھی کہ یہ اس معرکہ میں حاضر ہوگا (اور آپ سے لڑنے آئے گا)

جب نزدیک آیا اور عمر بن سعد کا پیغام حضرت کو سنایا تو امام نے فرمایا:

تمہارے ہی شہر کے لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے پس اگر میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاتا

ہوں۔

پھر حبیب بن مظاہر نے فرمایا:

اے قرۃ! تجھ پر وائے ہو تو ان سنگروں کے پاس جا رہے ہو؟ (میں حسینؑ کے پاس رہ جانا) بلکہ تجھے اس انسان (حسین بن علیؑ) کی نصرت کرنا چاہیے، کیونکہ خدا نے اسی کے بزرگوں کے ذریعے تجھے ہدایت جیسی طاقت سے نوازا ہے۔

قرۃ نے حبیب سے کہا:

ابھی تو مجھے اپنے صاحب کے پاس جا کر جواب پہنچانے دو پھر اس بارے میں بھی سوچوں گا۔

چنانچہ عمر بن سعد کے پاس جا کر امام حسینؑ کا جواب نقل کیا، عمر بن سعد نے کہا:

خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ہمیں ان کے ساتھ جنگ و قتال سے آسودہ رکھے۔ اور عبید اللہ بن زیاد کے نام اس مضمون کا خطر روانہ کیا:

”بسم الله الرحمن الرحيم اما بعد! میں جوں ہی حسین بن علیؑ تک پہنچا تو فوراً اپنے نمائندے کو بھیج کر ان سے بیان آنے کا مقصد دریافت کیا جس پر حسینؑ کا جواب یہ ہے کہ ان شہروں کے لوگوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعے مجھے دعوت دی ہے، لیکن اگر میرا آنا ناگوار ہے یا ان کے خیالات بدل چکے ہیں تو میں واپس جانے کیلئے تیار ہوں۔“

حسان بن قائد عیسوی کہتا ہے، جس وقت عمر بن سعد کا نامہ عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں میں پہنچا میں وہاں موجود تھا اس نے خط پڑھ کر کہا: اب کیونکہ ہمارے جنگل میں پھنس گیا ہے تو بھاگنا چاہتا ہے مگر اس کیلئے ہرگز فرار نہیں (یہ کہہ کر) عمر بن سعد کے نام خط لکھا:

”اما بعد تیرا خط موصول ہوا جس کے مضمون سے آگاہی کے بعد تحریر ہے کہ حسینؑ اور اسکے تمام ساتھیوں کو بیعت یزید کی دعوت دے، چنانچہ اگر اس نے بیعت کر لی تو پھر سوچوں گا کیا کیا جائے۔ والسلام۔“

جب یہ خط عمر بن سعد کے ہاتھ پہنچا اسے پڑھ کر اپنے آپ سے بولا: ”مجھے ڈر ہے ابن زیاد ہمارا مخالف ہو“ ایک اور نامہ عمر بن سعد کو ملا جس میں تحریر تھا:

”حسین بن علیؑ پر پانی بند کر دو، چنانچہ اس مشقی اور ذکی انسان یعنی عثمانؓ کے ساتھ بھی ایسا ہوا تھا۔“

عمر بن سعد نے خط پا کر فوراً عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ہمراہ نہر فرات پر بھیجا، تاکہ پانی اور حسینؑ کے درمیان حائل ہو جائے، یہ واقعہ امام حسینؑ کی شہادت سے تین روز قبل رونما ہوا، اسی دوران عبید اللہ بن حصین از دی جوقبیلہ بکیلہ سے تھا، با آواز بلند پکارا:

اے حسین کیا اس پانی کو نہیں دیکھ رہے جو آسمان کی طرح صاف و شفاف نظر آ رہا ہے، قسم بخدا ایک قطرہ بھی تمہیں نصیب نہیں ہوگا یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے اپنی جان دے دو۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اللھم اقلہ عطشا "خداوند! اسے پیاس و نیا سے اٹھا اور ہرگز معاف نہ فرما۔" حمید بن مسلم کہتا ہے:

"خدا کی قسم میں نے واقعہ کربلا کے بعد اس شخص کو اس وقت دیکھا جب وہ سخت بیمار تھا (اس خدا کی قسم جو عبادت کے لائق ہے) میں نے دیکھا وہ بیماری میں فقط پانی پیتا تھا، یہاں تک پانی سے اس کا پیٹ پھول جاتا اور پھر اونٹنیوں کے ذریعے اس پانی کو ترپ کر نکالتا اور کچھ ہی دیر بعد پیاس پیاس کی آوازیں لگاتا اسے پانی دیا جاتا مگر وہ پہلے والا عمل دہرا کر دوبارہ پیاسا ہو جاتا اسی حالت میں اس نے جان دے دی۔ خدا اس پر لعنت کرے۔"

کوفہ میں کیا گزرا؟

تاریخ نویسوں کا بیان ہے، عمر بن سعد کو کربلا روانہ کر کے عبید اللہ بن زیاد نے دستور دیا اہل کوفہ کو مسجد میں جمع کیا جائے، تاکہ ان سے خطاب کرے، چنانچہ عبید اللہ نے اہل کوفہ کو اپنے خطاب میں امام حسینؑ سے جنگ کرنے کی ترغیب دلائی اور یزید بن معاویہ کے (خود ساختہ) فضائل بیان کیے اسکے بعد حصین بن نمیر، حجاز بن ابجر اور شمر بن ذی الجوشن میں سے ہر ایک کو کئی کئی ہزار سوار و پیادہ کا لشکر دے کر کربلا روانہ کیا، لوگوں امام حسینؑ سے لڑنے پر آمادہ کرنے والوں میں سرفہرست سمرۃ بن جندب جو خود فروختہ انسان تھا، جس کا ماضی تاریخ اسلام میں بنی امیہ کی نوکری و غلامی کے علاوہ جھوٹ بولنے میں مشہور ہے۔ البتہ امام حسینؑ کے خلاف جانے والے لوگوں میں بعض اہل نفاق اور دور و انسان مثلاً شبث بن ربعی و برہ بھی تھے جنہوں نے بیماری وغیرہ کا بہانہ کرتے ہوئے کوفہ سے فرار کرنا چاہا، تاکہ نہ امام حسینؑ کے ہاتھ دیں اور نہ ہی بنی امیہ کی طرفنداری کریں، لیکن پسر مر جانہ عبید اللہ بن زیاد کی خباثت و شیطنت نے سب کو میدان میں اتار دیا۔ اس نے ایسا رعب اور عجیب وحشت نافذ کر دی تھی سوائے حقیقی مسلمانوں سچے جانثاروں کے جو کسی قیمت پر بھی بنی امیہ کے ساتھ معاملہ کرنے پر تیار نہ تھے، کسی میں دم نہیں تھا براہ فرار اختیار کر سکے۔ (یعنی ہر فرد کو واضح ہوتا تھا کہ وہ یا حسین بن علی کا ساتھ دے یا پھر بنی امیہ کا، تیسری کوئی راہ نہ تھی۔)

بن زیاد نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمرو بن حرث کو کوفہ میں اپنا جانشین بنا کر خود اپنے خاص اہل کے ہمراہ "خیلہ" جو کہ کوفہ کی لشکر گاہ تھی چلا گیا تاکہ نزدیک سے تمام سپاہیوں، سالاروں اور اپنے خواروں پر نظارت رکھ سکے اور دوسری جانب کربلا کیلئے دستور صادر کیا کہ شخصیات، بقالی بزرگ، تجار

اور جو بھی اسلحہ اٹھانے پر قادر ہے وہ کوفہ میں رہنے کا حق نہیں رکھتا، چنانچہ فوراً ”نخیلہ“ حاضر ہوں اور اگر کوئی آج کے بعد کوفہ میں دیکھا گیا تو اس کا خون مبارک ہے اور چند افراد کو مثلاً کثیر بن شہاب، محمد بن اشعث، قعقاع بن سويد اور اسماء بن خارجہ کو مامور کیا کہ وہ کوفہ میں گشت کریں اور یہ پیغام ایک ایک تک پہنچادیں۔ بنا برائیں اس پیغام کے بعد سب لوگ نخیلہ میں جمع ہو گئے۔ اس دستور پر سختی کا یہ عالم کہ لکھا ہے، ہمدان یا شام کا رہنے والا ایک شخص ارث لینے کوفہ آیا تو عبید اللہ کے سپاہیوں نے اسے پکڑ کر عبید اللہ تک پہنچا دیا اور اس نے بغیر سوال کیے اسے قتل کا حکم جاری کر دیا، چنانچہ اس واقعے نے سب کے دل ہلا کر رکھ دیے اور اب کسی میں جرأت باقی نہ رہی کہ وہ کوفہ میں ٹھہر جائے۔

دوسرا ایک کام یہ کیا کہ لوگوں کے درمیان جاسوس چھوڑ دیئے تاکہ وہ امام حسینؑ سے ہمدردی اور ان کی مدد کا ارادہ رکھنے والوں کی پہچان کر سکیں، جبکہ اس جرم گرفتار شدگان کیلئے سخت سزا کا اعلان کیا، لہذا لکھا ہے عبید اللہ بن سيار نامی ایک شخص کو جو امام حسینؑ کی مدد کیلئے لوگوں کو دعوت دے رہا تھا گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح تمام خشکی والے اور دریائی راستوں پر پہرا بٹھا دیا گیا، تاکہ راستوں کو کنٹرول کیا جاسکے۔ سپاہیوں کا فرار کرنا

بہر حال یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جنھوں نے خود کو سپاہی بن زیاد میں شمار کر دیا اور فوجی لباس پہن کر آمادہ رزم نظر آ رہے تھے وہ کوفہ سے باہر نکل کر یا کسی بہانے کا استعمال کرتے یا موقع پا کر کسی بھی سمت فرار کر جاتے تھے۔

معروف تاریخ دان بلاذری کے مطابق کوفہ کے بہت سے سپہ سالار ہزار سپاہیوں کو لے کر نکلتے مگر کر بلا پہنچتے پہنچتے چار یا تین سوچی اس سے بھی کم سپاہی باقی رہ جاتے تھے وہ لوگ یا تو کسی سمت فرار کر جاتے یا پھر مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے کر بلا میں امام کی فوج سے ملتی ہو جاتے تھے۔

دشمن کی تعداد

تاریخ کا بیان ہے، عبید اللہ بن زیاد نے ہر ممکن طریقے سے اہل کوفہ کو امام حسینؑ کے خلاف جمع کیا اور عمر بن سعد کی روانگی کے بعد ہر آن ایک نیا دستہ کسی نہ کسی معروف شخص کی سالاری میں کر بلا روانہ کیا جاتا تھا یہاں تک کہ شب عاشور بہت بڑی فوج امام حسینؑ کے مقابل کر بلا میں جمع ہو گئی تھی جس کی تعداد، اکثر ہزار تھی اس سے بھی زیادہ لکھی گئی ہے، جبکہ مشہور تعداد میں ہزار فوجیوں کی ہے جسے امام جعفر صادقؑ کے علاوہ دیگر ائمہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ ۱۰ اور اسی نفری سالاروں میں عمر بن سعد (سر دار کل) حرب

۱۰ متن حدیث سے شیخ صدوقؑ نے اپنی کتاب امالی میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے اس طرح ہے :

”رووی ابو عبد اللہ الصادقؑ : ان الحسین دخل علی اخیه الحسن فی مرضه الذی استشهد فیہ

یزید، شبث بن ربیع، شمر بن ذی الجوشن، حصین بن نمیر، حجار بن ابجر اور عمر بن حجاج وغیرہ کے نام لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح اسلحہ کے عنوان سے ملتا ہے، عبید اللہ بن زیاد نے اپنا دار و انداز اپنی اس شیطانی فوج کے اسلحے پر خرچ کر دیا تھا، چنانچہ نقل ہوا ہے، دس روز سے زیادہ کوفہ کے تمام اسلحہ ساز کا دیگر عبید اللہ کی فوج کیلئے تیر، نیزہ، بھالہ، برچھی اور تلواریں وغیرہ کی ساخت و ساز میں شب و روز لگا تار کام کرتے رہے۔

لشکر امام کی تعداد

امام حسین کے ساتھیوں کی تعداد کے بارے میں تاریخ نگار اختلاف نظر رکھتے ہیں، چنانچہ سب سے زیادہ تعداد مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذهب میں پانچ سو سوار ایک سو پیادہ افراد لکھی ہے۔ البتہ مسعودی کے علاوہ کسی اور نے یہ تعداد نہیں لکھی، جبکہ ایک اور قول کے مطابق جسے علامہ دہلوی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے، امام حسین کے ساتھیوں کی تعداد پینتالیس سوار اور سو پیادہ افراد پر مشتمل تھی۔ بہر حال یہ قول علمائے اہل سنت سے نقل ہوا ہے۔ جبکہ ابن شہر آشوب مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ وہ بہتر افراد تھے کہ جن میں تیس سوار اور باقی پیادہ مجاہد تھے۔ اس کے علاوہ چند اور بھی قول پائے جاتے ہیں جو امام کے اصحاب کی کم و بیش مجموعی تعداد تھی ہی ذکر کرتے ہیں اور شاید یہ قول صحیح ہو کہ ان کی تعداد اسی تھی جن میں

فلما رأى ما به بكي، فقال له الحسن: ما يبيك يا ابا عبد الله؟ قال: ابكي لما صنع بك فقال الحسن: ان الذي اوتى الى سم اقبل به و لكن لا يوم كيومك يا ابا عبد الله وقد اذلف اليك ثلاثون الغا يدعون انهم من امة جلدنا محمد و يتحلون دين السلام فيجتمعون على قتلك و سفك دمك و انتهاك حرمتك و سبي ذرايك و نساك و انهاب ثقلك فعندنا تحمل بيني امة اللعنة و تمطر السماء رمادا و دعاو يبيكي عليك كل شيء حتى الوحوش في القلوات و الحيتان في البحار

امام صادقؑ فرماتے ہیں: امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی عیادت کیلئے تشریف لائے (کہ جس تکلیف میں امام حسنؑ کی شہادت واقع ہوئی) لیکن جوں ہی بھائی کی حالت دیکھی تو بے ساختہ آنسو جاری ہوئے۔

امام حسنؑ نے فرمایا: اے حسینؑ کیوں رو رہے ہو؟

امام حسنؑ نے فرمایا: اے بھائی آپ پر گزربنے والی مصیبت پر رو رہا ہوں۔

امام حسنؑ نے فرمایا: جو مجھ پر گزر رہی ہے وہ ہر کا اثر ہے اور اسی تکلیف میں میری شہادت واقع ہوگی لیکن اے بھائی! کوئی دن تمہارے دن سے بڑھ کر نہیں کہ جس دن میں ہزار افراد تم پر حملہ کریں گے جو اپنا تعلق ہمارے جد کی امت سے ظاہر ہوں گے اور خود کو مسلمان شمار کرتے ہوں گے، وہ لوگ تمہیں مارنے، تمہارا خون بہانے، حرمت شکنی کرنے، مال لوٹنے اور عورتوں و بچوں کو اسیر بنانے کیلئے جمع ہوں گے اور وہ ایسا وقت ہوگا جب بنی امیہ پر لعنت حلال ہو جائے گی اور آسمان سے خاک و خون برسے گا اور تمام موجودات حتیٰ صحرائی وحشی اور دریائی مخلوق تم پر گر رہیں گی۔

انہی شیخ صدوقؑ کی سترویں مجلس میں امام حجازؑ سے اسی طرح کی ایک اور روایت نقل ہوئی ہے۔ (امالی صدوق مجلس ۳۰)

سے اٹھارہ بنی ہاشم اور باقی اعدا و انصار

(رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ویا لیتنا کما معہم فنغزو فوزاً عظیماً) ۳۱

اور ہم روز عاشورہ کے واقعات میں ان تمام بزرگوں، دلاوروں اور سالاروں کے نام تحریر کریں گے۔

حبیب بن مظاہر کا بنی اسد سے مدد طلب کرنا

بحار الانوار، مقتل خوارزمی اور انساب الاشراف میں نقل ہوا ہے:

”جب حبیب بن مظاہر نے دیکھا روز بروز عمر بن سعد کے لشکر میں اضافہ ہو رہا ہے، مگر امام حسین کے اصحاب وہی چند افراد ہیں، امام کی خدمت میں آ کر عرض کی:

اِنَّ هَاهُنَا مِنْ بَنِي اسد اعداء ابان یزولون بالنہرین ولیس بیننا و بینہم الا راحة، الفتاذن لی فی

اٰتیانہم و دعائہم لعل اللہ ان یمجدہم الیک نفعاً و یرفع عنک مکر و ہا

”یہاں نزدیک ان کے دھنروں کے درمیان بنی اسد کے قبائل آباد ہیں جبکہ ہمارے اور ان

کے درمیان ایک شب کے فاصلہ سے زیادہ مسافت نہیں، لہذا اگر اجازت ہو تو ان کے پاس

جا کر انھیں آپ کی نصرت کی دعوت دوں شاید خداوند متعال ان کے ذریعے آپ کو فائدہ

پہنچائے یا پھر ان کی وجہ سے آپ سے کوئی کراہت دور ہو جائے۔“

امام نے اجازت دی چنانچہ حبیب ابن مظاہر نے انھیں جا کر دعوت دی تو ان میں سے نوے افراد

امام کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے مگر وہ افراد جب کربلا کی سمت روانہ ہوئے تو ان ہی میں سے کسی

شخص نے عمر بن سعد سے جا کر خبری کی، چنانچہ ابن سعد نے لشکر بھیج کر ان پر حملہ کروایا۔

بنابراین اکثر افراد شہید ہو گئے اور زندہ بچنے والے باقی چند افراد اپنے قبیلہ میں واپس لوٹ گئے،

اس طرح حبیب بن مظاہر مایوسانہ انداز میں امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت

سے سارا ماجرا بیان کیا۔ ۳۲

شدت پیاس

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا عمر بن سعد نے کربلا آتے ہی نہر فرات پر قبضہ کر لیا تھا تا کہ لشکر امام حسین

پیاسا رہے، چنانچہ دشمن کی یہ حرکت سبب بنی کہ اصحاب و اولاد امام حسین پر شدت پیاس عارض ہونے لگی

خود امام نے کلنگ اٹھایا اور خیام خدرات کے عقب میں جنوبی سمت نویداس قدم دور میں کھودی تو سب نے

دیکھا کہ میٹھا اور شفاف پانی بہنا لگا، چنانچہ سب نے پانی پیا اور وہاں سے اپنی اپنی مشکلیں پر کیس مگر جب

سب نے پیاس بجھائی تو وہ پانی ایسے ناپید ہوا گویا یہاں پانی کا وجود ہی نہ تھا۔ اس واقعے کو ”مدیۃ المعاجر“

میں امام حسین کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے، مگر جب یہ خبر ابن زیاد کو پہنچی تو اس نے عمر بن سعد کو خط لکھا:

”میں نے سنا ہے حسین بن علیؑ کو یہ کھود رہا ہے اور اپنی آل و اصحاب کو سیراب کر رہا ہے، چنانچہ میرا خط پاتے ہی فوراً کسی ایسے طریقے کو اختیار کرو جس کی وجہ سے وہ کنویں کھودنے پر قادر نہ ہو سکے اور دیکھو! ہر اس رویے کو اپنانا ہوگا جس کے سبب وہ پیاسے رہیں اور یاد رکھو ان کے ساتھ وہی کرنا ہوگا جو انھوں نے عثمانؓ کے ساتھ کیا تھا۔“

ابن سعد نے اسی وقت مختلف طریقوں سے پانی کی تنگی میں اضافہ کیا۔ محمد بن طلحہ اور علی بن عیسیٰ اربلی کہتے ہیں، جب پیاس کی جب پیاس کی شدت انتہائی درجہ کو پہنچ گئی تو امام حسینؑ کے اصحاب میں سے ہر برہنہ خیمہ ہمدانی نے جواز ہدوقیٰ میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے، حضرت کی خدمت میں آ کر عرض کی: اے فرزند رسول! مجھے اجازت دیں کہ عمر بن سعد کے پاس جا کر پانی کے بارے میں کچھ گفتگو کروں شاید کہ وہ اپنے کینے پریشیمان ہو جائے۔

امام نے فرمایا: تمہیں اختیار ہے۔
پس یہ ہمدانی عمر بن سعد کے نزدیک پہنچے، مگر جب اسے سلام نہ کیا تو ابن سعد نے کہا:
اے ہمدانی! تجھے کس چیز نے سلام کرنے سے باز رکھا؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ اور کیا تیرے نزدیک میں خدا اور رسولؐ کی معرفت نہیں رکھتا؟
یہ ہمدانی نے کہا:

”اگر مسلمان ہوتا تو کبھی خاندان رسولؐ سے جنگ کرنے اور انھیں قتل کرنے نہ آتا اور نہ ہی آب فرات کو جس سے سگ و خوک پی رہے ہیں حسین بن علیؑ اور ان کے اہل خاندان پر بند کرتا، تو انھیں پانی پینے نہیں دے رہا ہے، جبکہ وہ شدت پیاس سے نیم جان ہو چکے ہیں اور پھر بھی یہ گمان کرتا ہے تجھے خدا اور رسولؐ کی معرفت حاصل ہے؟“
عمر بن سعد نے سر جھکا کر کہا:

اے ہمدانی! قسم بخدا میں خوب جانتا ہوں کہ انھیں افیت و آزار دینا حرام ہے مگر۔

دَعَايَ عِبِيدَ اللَّهِ مِنْ دُونِ قَوْمِهِ	اَلِیْ حَظَّةٍ فِیْهَا خَرَجْتُ لِجَنِّی
اَتَّوَكَّلُ مَلِکَ الْوَرَى وَ الْوَرَى رَعْبَةٌ	اَمْ اَرْجِعُ مَظْلُوْمًا یُقْتَلُ حُسَیْن
قَوْلَ اللَّهِ لَا اِدْرِیْ وَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ	عَلٰی خَطَرٍ لَا اَرْتَضِیْهِ وَ مَنِ
وَ فِی قَتْلِهِ النَّارُ الَّتِیْ لَیْسَ دُوْنَهَا	حِجَابٌ وَ مَلِکَ الْوَرَى قُرَّةُ عَیْن

”عبید اللہ بن زیاد نے اپنی قوم میں سے مجھے انتخاب کیا ہے اور میں نے بھی یہاں آنے میں دیر نہ کی، مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت رہے چھوڑ دوں یا حسینؑ کو مار دوں؟ قسم بخدا مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ

میں کیا کر رہا ہوں، اگر ماروں تو جہنم نصیب ہوگی اور ملک ”رے“ بھی مجھے دیا جائے گا۔“ اے ہمدانی! مجھے نظر نہیں آتا کہ حکومت ”رے“ کسی اور کے ہاتھ دے دوں۔ اس پر زبیر امام حسین کی جانب لوٹ کر آئے اور حضرت سے کہا: عمرو بن سعد حاضر ہے کہ آپ کو حکومت کے بدلے بیچ دے۔

حضرت عباس اور نافع بن ہلال کا پانی لانا

ابو جعفر طبری اور ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں:

”جب امام حسین اور آپ کے اصحاب پر تشنگی اپنے کمال تک پہنچ گئی تو عباس بن علی نے اپنے بھائی کو بلایا اور انھیں بیس سوار اور بیس پیادہ افراد بیس مشکیں دے کر فرات کی جانب روانہ کیا وہ دستور پاکمرات کی خاموش فضا میں فرات کے کنارے پہنچے جن کے آگے آگے نافع بن حلال بجلی تھے۔ کسی کی آمد کو محسوس کر کے عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا: کون ہے؟

نافع بن ہلال نے اپنا نام لیا۔

ابن حجاج نے کہا: اے بھائی خوش آمدید کہتا ہوں کیوں آئے ہو؟

کہا: میں آیا ہوں تاکہ یہ پانی ہوں جو ہم پر بند کر دیا ہے۔

ابن حجاج نے کہا: ضرور پیو اور خود کو ٹھنڈک پہنچاؤ۔

نافع نے کہا: خدا کی قسم جب تک حسین اور اصحاب حسین پیاسے ہیں میں ہرگز پانی نہیں

پیوں گا۔

اب عمرو اور اسکے سپاہی متوجہ ہوئے کہ ماجرا کیا ہے تو اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا: ہمیں یہاں اس لئے بٹھایا گیا ہے کہ یہ لوگ پانی نہ لے جا سکیں۔ اس پر عمرو بن حجاج کے ساتھی نزدیک ہوئے تو جناب عباس اور نافع بن ہلال نے اپنے پیادہ ساتھیوں سے کہا کہ مشکوں کو بھر دیا جائے، سب نے مشکیں پُر کیں، لیکن اب حجاج کے ساتھیوں نے رکاوٹ ڈالنا شروع کی تو حضرت عباس اور نافع بن ہلال نے ان پر حملہ کیا اور انھیں اس وقت تک روکے رکھا جب تک مشکیں اٹھانے والے دور نہ ہو گئے اور سواران کی حفاظت میں پیچھے پیچھے چلنے لگے تو پیادوں نے سواروں سے کہا کہ تم لوگ عمرو بن حجاج کے لشکر کا مقابلہ کرو ہم پانی کو مقصد تک پہنچا دیں گے، وہ عمرو بن حجاج کے لشکر کی جانب روانہ ہوئے، آپس میں مختصر جنگ ہوئی جس میں عمرو بن حجاج کے ایک سپاہی کو جس کا تعلق صداء قبیلے سے تھا زخم لگا جسے وہ معمولی سمجھ کر لڑتا رہا مگر بعد میں وہی زخم اس کی موت کا سبب قرار پایا اور اُدھر امام کے اصحاب پانی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔“

امام کا عمر بن سعد سے مذاکرہ

شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں تحریر کرتے ہیں:

”جب امام حسینؑ نے دیکھا کہ عمر بن سعد لعنہ اللہ علیہ کی مدد کیلئے اوپر تل سرزمین کر بلا پر لشکر پر لشکر آرہے ہیں اور ان کی تعداد ہماری دشمنی میں بہت تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے تو امام نے اپنے افراد میں کسی کو بطور قاصد عمر بن سعد کی جانب روانہ کیا کہ میں تجھ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ پس رات کے وقت دونوں کی ایک طولانی گفتگو ہوئی جسکی جزئی اطلاع امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے علاوہ کو نہ تھی، چنانچہ گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے خیمے میں آیا اور وہاں بیٹھ کر عبید اللہ بن زیاد کے نام خط تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا:

اما بعد! تحقیق خدا نے آتش (جنگ) خاموش کر دی اور پریشانی برطرف کر دی ہے، اس نے امت کی اصلاح اس طرح کر دی کہ حسین بن علیؑ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں اسی جگہ لوٹ جائیں یا پھر زود کے کنارے ایک عام مسلمان کی طرح تنہا زندگی گزار دیں (یعنی وہ کسی سے سروکار نہیں رکھنا چاہتے) یا پھر خود یزید کے پاس جا کر اسکی بیعت کریں اور پھر دونوں جو چاہیں اسے انجام دیں۔

بہر حال میرے اس عہد و بیان میں تیری خوشنودی اور امت کی اصطلاح شامل ہے۔“ ۱۵

لیکن گذشتہ صفحات پر گزرنے والی روایات و واقعات کی روشنی میں یہ بات ہم پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ امام حسینؑ کسی قیمت پر حاضر نہیں تھے یزید کی بیعت کریں۔ طبری اور بعض دوسرے اہل قلم نے عقبہ بن سمان سے نقل کیا ہے:

”میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینے سے مکے اور پھر مکے سے کربلا تک حتیٰ امام کی شہادت تک تمام مقامات پر ان کے ساتھ ساتھ رہا، میں نے حضرتؑ کے وہ تمام خطبات سنے جو آپؑ نے راستوں میں مختلف مقامات پر ارشاد فرمائے، لیکن حضرتؑ نے ایک دفعہ بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں فرمایا کہ میں یزید کی بیعت کر سکتا ہوں۔“

بنا برائیں عمر بن سعد نے یہ آخری جملہ اپنی جانب سے اضافہ کیا ہے، تاکہ شاید یہ قائلہ (قصہ) اسی مقام پر تمام ہو جائے اور امام حسینؑ کے ساتھ زور و خور و قتل و غارتگری سے محفوظ رہا جائے، کیونکہ پہلے بیان ہو چکا کہ عمر بن سعد امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے پر زیادہ خوش نہیں تھا اور چاہتا تھا، کسی طرح خوزیری تک بات نہ پہنچے۔ بہر حال یہ وہ بات ہے جو اکثر اہل تاریخ نے لکھی ہے۔

مگر اس روایت میں جیسا کہ بیان ہوا متن مذاکرہ یعنی امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے درمیان کیا گفتگو ہوئی

ذکر نہیں اور دیگر تاریخی کتب مثلاً طبری و ابن اثیر میں بھی یہ تو ذکر ہوا کہ دونوں کے درمیان ایک طولانی گفتگو ہوئی مگر وہ گفتگو کیا تھی کسی کو علم نہیں، ہاں بعد میں لوگوں نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوئے مختلف تفسیریں پیش کیں۔ ۱۶

مقتل مقرر میں ہے، امام نے عمرو بن قرقطہ انصاری کو عمر بن سعد کی جانب پیغام دے کر روانہ کیا کہ وہ آج رات مجھ سے ملاقات کرے، چنانچہ جب رات آئی تو ہر ایک اپنے اپنے بیس سواروں کے ہمراہ بالمتقابل آکھڑے ہوئے، حضرتؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

عباس، علی اکبر اور عمرو بن قرقطہ کے علاوہ سب لوگ دور چلے جائیں۔

یہ دیکھ کر عمر بن سعد نے اپنے افراد سے کہا:

فرزند خنص اور میرے غلام کے علاوہ سب لوگ دور چلے جائیں۔

تب امام حسینؑ نے عمر بن سعد سے فرمایا:

اے پسر سعد تجھ پروائے ہو کیا اس خدا سے خوف نہیں کھاتا جس کی جانب پلٹ کر جانا ہے؟ کیا تو میرے ساتھ جنگ کرنا چاہتا ہے جب کہ تو خوب جانتا ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں؟ جان لے کہ رضائے پروردگار میرے ساتھ رہنے میں ہے۔

عمر بن سعد نے کہا: مجھے اپنا گھر برباد ہونے کا ڈر ہے۔

امامؑ نے فرمایا: اسے میں بنا کر دوں گا۔

پسر سعد نے کہا: مجھے اپنے اہل و عیال کا ڈر ہے۔

حضرتؑ نے کچھ نہ کہا اور پلٹ کر جاتے ہوئے فرمایا:

خدا ایسے فرد کو ظاہر کرے جو تجھے تیرے بستر پر ذبح کر جائے، جبکہ قیامت میں تیری بخشش کی کوئی امید نہیں اور مجھے امید ہے اب عراق کی تھوڑی ہی گندم تیرے نصیب میں لکھی ہے۔

ابن سعد نے طنز کرتے ہوئے کہا: میرے لیے جو ہی کافی ہے۔

کامل التواریخ میں ابن اثیر کا بیان ہے کہ امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے درمیان یہ مذاکرہ چار مرتبہ تکرار ہوا تب پسر سعد نے عبید اللہ کو یہ خط لکھا تھا۔ محلے

بہر حال شیخ مفیدؒ مزید لکھتے ہیں:

جب ابن زیاد نے اس خط کو پڑھا تو کہنے لگایہ خط لوگوں کی نسبت خیر خواہی اور دل سوزی کو ظاہر کرتا۔ (یعنی اس میں تحریر کردہ پیش کش کو قبول کرنا چاہتا تھا) اچانک شمر بن ذی الجوشن۔ لعن اللہ علیہ۔ جو اس وقت وہاں موجود تھا گویا ہوا:

کیا حسینؑ کی پیشکش کو قبول کرے گا، جبکہ وہ اب تیری سرزمین پر آچکا ہے؟ بخدا اگر وہ اس سرزمین سے بغیر تیرے ہاتھ میں دیئے چلا گیا تو پھر ایسا قدرت مند ہو جائے گا کہ موجودہ صورتحال کے برخلاف تو نا نواں نظر آئے گا۔ پس اس پیشکش کو ہرگز قبول نہ کر، کیونکہ یہ (تیری) سستی و کاہلی کی علامت ہے، بلکہ اسے مجبور کر کہ وہ خود اپنے اصحاب کے ہمراہ تیرے آگے گردن جھکا دے، چنانچہ اس وقت سر اوینا تیرا حق اور معاف کردینا تیرے ہاتھ میں ہوگا۔

ابن زیاد نے کہا:

تیرا خیال بہت عمدہ ہونا یہی چاہیے، لہذا اب پسر سعد کے نام خط لکھ رہا ہوں جسے تو لے کر جائے گا: حسینؑ اپنی پیشکش قبول کروانے کے بجائے ہماری پیشکش پر اپنے اصحاب کے ہمراہ تسلیم ہو جائے پس اگر وہ بات مان لے تو میرے پاس لے آنا اور اگر تسلیم نہ ہو تو جنگ کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں! اور اگر عمر بن سعد حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے پر تیار نہ ہو تو میں تجھے سردار کل بنانا ہوں چنانچہ سب سے پہلے عمر بن سعد کا سر میری جانب بھیجنا۔

ادھر ایک دوسرا خط عمر بن سعد کے نام تحریر کیا:

”میں نے کب اجازت دی تھی کہ حسینؑ کے پاس جا کر کسی قسم کا مصالحہ کرو اور خود کو جنگ سے رُک جانے کی تلقین کرے، اس کی جانب سے عذر تراشی کرے اور میرے اور اسکے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرے (یا تجھے جنگ کرنے بھیجا گیا تھا) دیکھ! اگر حسینؑ اور اسکے اصحاب میرے حکم پر تسلیم نہ ہوں تو انھیں میری جانب بھیج دے اور اگر یہ بھی قبول نہ کریں تو حسینؑ پر حملہ کر کے اسے انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر ڈالے، کیونکہ اس کا انجام یہی ہونا چاہیے اور جب حسینؑ قتل کر دیا جائے تو اسکے لاشے پر گھوڑے دوڑائے جائیں، کیونکہ وہ سرکش و ستمگر ہے اور میں نہیں سمجھتا اسکے مرنے کے بعد یہ کام نقصان آور ہو، لیکن کیونکہ میں نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا تھا اگر میں نے حسینؑ کو قتل کیا تو اس کی لاش کیساتھ ایسا ہی کروں گا۔ پس اگر تو نے اس دستور پر عمل کیا تو تجھے پیروی اور بہادری کا تمغہ عطا کروں گا اور اگر تجھے یہ شرائط منظور نہ ہوں تو پھر ہم سے اور ہمارے لشکر سے ساتھ اٹھا کر اسے شہر کے ہوالے کر دے، کیونکہ ہم نے اسے اپنے کاموں کا امیر بنایا ہے۔ والسلام۔“

شمر وہ خط لے کر عمر بن سعد کے پاس آیا جسے پڑھ کر عمر بن سعد نے کہا:

وائے ہو تیرے حال پر آخر تجھے کیا ہوا ہے؟ خدا تجھے میرے اوپر یہ بلا ڈھانے کی وجہ سے ذلیل و خوار کرے، قسم بخدا مجھے گمان ہے تو میری پیشکش کے قبول ہونے میں ضرور مانع

ہوا ہوگا اور جس اصلاح کی ہمیں امید تھی تو نے اسے تباہ کر دیا، خدا کی قسم حسینؑ کے آگے جھکنے والو انسان نہیں ہوں، کیونکہ اسکے باپ علی بن ابیطالب کی جان اسکے سینے میں ہے اور یاد رکھ وہ ذلیل و خوار ہونا نہیں جانتا!

شمر نے کہا: مجھے فقط اتنا بتا کیا تو فرمانِ امیر کو انجام دیتے ہوئے اسکے دشمن سے لڑے گا یا نہیں؟ اور اگر جواب منفی ہے تو کنارہ پکڑ اور لشکر میرے حوالے کر! عمر بن سعد نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ میں امارتِ لشکر دینے کے بجائے یہ سب کام خود انجام دوں گا اور تجھے پیادہ یا لشکر کا سردار بنانا ہوں۔

عمر بن سعد نے تو محرم الحرام بروز جمعہ امام حسینؑ سے جنگ کا آغاز کیا۔ اس وقت شمر لشکرِ حسینی کے مقابل کھڑا ہو کر بولا: میرے خواہر زادگان کہاں ہیں؟ (وہ جناب ام البنین کے چار فرزندوں یعنی حضرت امام حسینؑ کے بھائیوں کو پکار رہا تھا کیونکہ ام البنین قبیلہ بنی کلاب سے تھیں اور شمر کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا لہذا بھانجے کہہ کر پکار رہا تھا۔)

جناب عباسؑ اپنے بیٹوں بھائیوں یعنی جعفر، عبداللہ اور عثمانؑ فرزندانِ علیؑ کے ہمراہ ظاہر ہوئے اور فرمایا: کیا چاہتا ہے؟ شمر نے کہا: اے میرے بھانجوں میں تمہیں امان دیتا ہوں۔ ان چاروں بھائیوں نے کہا:

تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو، کیا ہمیں امان ہے مگر فرزندِ رسولؐ کیلئے کوئی امان نہیں؟ پھر عمر سعدؓ کی آواز آئی، اے لشکرِ خدا! سوار ہو جا تمہیں بہشت مبارک ہو؟ پھر لشکر تیار ہونے لگا اور غروب کے نزدیک امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب پر حملہ کیا۔ اس وقت امام اپنے خیمے کے باہر تلوار کی ٹیک لگائے سرزانو پر رکھے، آنکھیں بند کیے تشریف فرما تھے کہ بہن نے خروشِ لشکر کی صدا سنی تو بھائی سے آکر کہا:

اے بھائی! کیا آپ شورشِ ابد اور دشمن کی خروش کی آواز نہیں سن رہے؟ امام نے سرزانو سے اٹھا کر فرمایا: اے بہن! ابھی ابھی رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھ رہا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا: (اے حسین) تم ہمارے پاس آ رہے ہو؟

بہن نے (یعنی کر) منہ پر تماچہ مارا اور پکار کہا: وائے ہو مجھ پر!

امام نے فرمایا: اے بہن! تم پروائے نہیں، بلکہ صبرِ کمرو، خدا رحم کرے گا۔

جناب عباسؑ نزدیک آئے اور عرض کی آقا لشکرِ نزدیک آچکا ہے، حضرتؑ نے اپنے مقام کو چھوڑ کر جناب عباسؑ سے فرمایا:

اے بھائی! تم میری جگہ سوار ہو کر جاؤ (یا فرمایا میری جان تجھ پر قربان سوار ہو) اور ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اور وہ ہماری جانب کیوں آ رہے ہیں؟

جناب عباس بن سواروں کے ہمراہ کہ جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے دشمن سے نزدیک ہوئے اور فرمایا: تم لوگ کیا چاہتے ہو اور تمہارا کیا ارادہ ہے؟ سپاہیوں نے جواب دیا: حاکم کا دستور ہے یا اس کے آگے تسلیم ہو جاؤ ورنہ ہم تم سے جنگ کریں گے، جناب عباس نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو پھر جلدی نہ کرو بلکہ کچھ دیر ٹھہر جاؤ تا کہ میں تمہارا پیغام حسین بن علیؑ تک پہنچا دوں، انھوں نے کہا: جاؤ اور ہمارے لئے حسینؑ کا جواب لے کر آؤ۔ جناب عباسؑ تنہا امام حسینؑ کی جانب روانہ ہوئے جبکہ زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر دیگر بیس افراد کے ہمراہ ہی مقام پر دشمن کے مقابل ٹھہرے رہے اور انھیں وعظ و نصیحت اور امام حسینؑ سے جنگ نہ کرنے کی تلقین کرتے رہے۔

ادھر جناب عباسؑ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ کو دشمن کا پیغام سنایا، حضرتؑ نے فرمایا: ”اگر ممکن ہو تو ان لوگوں سے ایک رات کی مہلت مانگو کیونکہ میں آج کی رات دعا نماز اور تلاوت قرآن میں بسر کرنا چاہتا ہوں اور تمہیں معلوم ہے مجھے نماز، دعا اور تلاوت قرآن سے کتنا شغف ہے۔“

پس جناب عباسؑ نے عمر بن سعدؓ کی جانب سے تعینات سردار سے ایک رات کی مہلت طلب کی، وہ عمر بن سعدؓ کے پاس گیا اور واپس آ کر لشکر کو لوٹ جانے کا حکم دیا اور اصحاب سے کہا: پس اگر کل ہمارے آگے تسلیم ہو گئے تو ہم تمہیں عبید اللہ بن زیادؓ کے پاس لے جائیں گے ورنہ ہم تمہیں چھوڑنے والے نہیں ہیں اور یہ کہہ کر واپس ہوئے۔

غروبِ تاسوعا

شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں:

امام نے غروب کے وقت اپنے اصحاب کو جمع کیا جس کی روایت امام زین العابدینؑ نقل فرماتے ہیں: ”اگرچہ میں مریض تھا مگر میں نے خود ان لوگوں سے نزدیک کیا تا کہ دیکھ سکوں حضرتؑ کیا فرماتے ہیں، چنانچہ میں نے حضرتؑ کو فرماتے ہوئے سنا:

اَشْهَى عَلَى اللَّهِ أَحْسَنَ الشَّاءِ وَأَحْمَدَهُ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ عَلٰی اَنْ کَوْنْتَ بِالنَّبُوْتِ عَلِمْتَ الْقُرْآنَ، وَفَقَّهْتَ فِی الدِّیْنِ وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَاَبْصَارًا وَافْعَلْ تَعَالٰی جَعَلْتَ لَنَا الشَّاکِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَانِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا وُفِیْ وَلَا خَیْرًا مِنْ اَصْحَابِیْ، وَلَا اَهْلَ بَیْتِ اَبْرَؤَ لَا وَصَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ، فَجِزَاکُمْ اَللّٰهُ عَنِّیْ خَیْرًا۔ اَلَا وَاِنِّیْ لَا اُطِیْعُ یَوْمَئِذٍ اَنْتُمْ هٰذَا، وَلَا وَاِنِّیْ قَدْ اَذْنْتُ لَکُمْ

فانطلقوا جميعاً فني حل ليس عليكم مني ذمام، هذا اللیل قد غشیکم فاتخذوه جملاً
 ”خدا کا بہترین شکر بجالاتا ہوں اور اسی کی ہر ختی و راحتی میں حمد کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں نبوت
 کے ذریعے کرامت بخشی، قرآن کی تعلیم دی، دین کا علم عطا کیا، اس نے ہمیں سماعت و بصارت
 سے نوازا اور کھلے دل عطا کیے اور اس نے ہمیں شکر گزاروں میں قرار دیا۔

ابا بعد! بے شک میں اپنے باؤقا اصحاب جیسے اصحاب کا سراغ نہیں رکھتا اور ان سے بہتر کا علم نہیں
 رکھتا، اسی طرح میں نے اپنے گھر والوں سے زیادہ مہربان اور شائستہ گھرانہ نہیں دیکھا، خدا میری
 جانب سے تمہیں بہترین اجر و ثواب عطا کرے اور آگاہ ہو جاؤ اب مجھے اس قوم سے مدد و
 نصرت کی کوئی امید نہیں۔ اے ساتھیو! آگاہ ہو جاؤ میں تم سب کو جانے کی اجازت دیتا ہوں
 لہذا ہر ایک آزادانہ طور پر جا سکتا ہے، کیونکہ میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھا رہا ہوں
 چنانچہ اس (رات کی) مہلت کو غنیمت جانتے۔ ہوئے اسے اپنا مرکب قرار دو اور جہاں جانا
 پسند کرو چلے جاؤ۔“ ۱۸

اگر قارئین محترم آل و اصحاب امام حسین کا مقایسہ پیغمبر اسلام، علی اور امام حسن سے کریں تو ضرور ملاحظہ
 کریں گے اصحاب پیغمبر میں منافقوں اور نامناسب لوگوں کی بڑی تعداد موجود تھی اور حضرت کے اصحاب
 میں اشعث بن قیس، خوارج نہروان اور دیگر افراد کی بڑی نفرت تھی۔ اسی طرح اصحاب امام حسن میں
 عبداللہ بن عباس کے علاوہ ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے حضرت کے زانو پر خنجر مارا اور لباس و جامہ لوٹ
 لیا حتیٰ بیویوں میں رسول اللہ کی بعض ازواج اور امام حسن کی زوجہ بجدہ بن اشعث کو دیکھنے کے بعد امام
 حسین کے آل، ازواج اور اصحاب کو دیکھا جائے کہ جنہوں نے اس پر خطر سفر میں پھر شب عاشورہ، روز
 عاشورہ حتیٰ بعد از شہادت کس انداز میں وفاداری کا ثبوت دیا، یہاں تک کہ امام حسین کی زوجہ جناب رباب
 تو ایک سال تک زیر آفتاب سوگ میں بیٹھی رہیں اور اسی غم و اندوہ میں زندگی سے رخصت لی۔ بنا برائیں اس
 تجزیے کے بعد امام حسین کی یہ گفتار (میں نے اپنے اصحاب باؤقا جیسے اصحاب کا سراغ نہیں رکھا) بخوبی روشن
 ہو جاتی ہے۔

مگر حضرت کے تمام بھائیوں، بیٹوں، بھتیجیوں اور جناب عبداللہ بن جعفر کی اولاد نے ایک زبان ہو کر کہا:
 ”ہم ایسا کیوں کریں گے کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہنا چاہتے ہیں؟ خدا ہمیں وہ دن ہرگز نہ
 دکھائے۔“

اس بات کا اظہار کرنے والوں میں سب سے پہلے حضرت عباسؓ تھے پھر یکے بعد دیگرے تمام اہل
 خاندان نے اسی طرح کے جملات زبان پر جاری کیے۔

امام نے فرمایا: اے اولادِ مسلم! تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ مسلم مار دیئے گئے، لہذا میں تمہیں واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں واپس چلے جاؤ۔

انہوں نے بھی جواب دیا:

”سبحان اللہ! لوگ ہمارے بارے میں کیا کہیں گے؟ یہی کہ ہم نے اپنے بزرگ آقا اور چچا کو جو بہترین چچا تھا، چھوڑ دیا اور ایک تیر بھی انکے دشمن کی جانب نہ پھینکا اور نہ ہی نیزہ کا استعمال کیا اور اپنی تلواریں چھوڑ آئے اور انہیں کیا معلوم کہ ان کی جان پر کیا گزری! انہیں نہیں قسم بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے، بلکہ اپنے جان و مال اور اہل و عیال آپ پر قربان کر دیں گے اور آپ کی رکاب میں جنگ کریں گے آپ جہاں جائیں گے ہم ساتھ ساتھ رہیں گے۔ خدا آپ کے بعد ہماری زندگیوں کو زشت و پلید بنادے۔“

پھر مسلم بن عوجہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

”کیا ہم آپ کو چھوڑ جائیں؟ لیکن اتنا بتائیے کہ ہمارے پاس بارگاہِ ایزدی میں لے جانے کیلئے کیا عذر ہے؟ اے حسین! جان لیں قسم بخدا آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ کے دشمنوں کے سینوں میں نیزے نہ مادلوں اور یہ تلوار جو میرے ہاتھ میں ہے اسے ان پر نہ چلاؤں اور اگر ہتھیار چھین گئے تو پھر پتھروں سے حملہ کروں گا تا کہ خدا دیکھ لے کہ ہم نے اس کے پیغمبر کی حرمت کا کیسے پاس رکھا۔ ۱۹ قسم بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ماریا جاؤں گا پھر زندہ کر کے جلا یا جاؤں گا اور پھر زندہ کر کے (مجھے دوبارہ جلا یا جائے گا اور) میری راکھ ہوا کے سپرد کر دی جائے گی اور یہی کام ستر مرتبہ دہرایا جائے تب بھی آپ کی نصرت سے باز نہیں آؤں گا اور میں ایسا کیوں نہ کروں جبکہ موت کا ایک ہی مرحلہ ہے، لیکن اسکے بعد ملنے والی کراہتیں بے پایاں ہیں۔“

پھر زبیر بن قین کھڑے ہوئے اور فرمایا:

”قسم بخدا! میں یہ چاہتا ہوں کہ قتل ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں یہاں تک کہ یہ عمل ہزار مرتبہ دہرایا جائے مگر خدا میرے اس حال کی وجہ سے آپ اور آپ کے خاندان کو بچالے۔“

اسی طرح دیگر اصحاب نے بھی پے در پے ایسی گفتگو کی جو اپنی پائیداری و فداکاری کی نشانی تھی، پھر امام نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور خدا سے ان کے اجر و ثواب کا سوال کرتے ہوئے اپنے خیمے کی جانب تشریف لے گئے۔

بقول محدث قسمیؒ ”سچ ہے کہ یہ اولیاءِ الہی ان دو بیتوں کو اپنا زبان حال قرار دے چکے تھے:

مملوک این جنابم و محتاج این فرم

شاہامن اربہ عرش رسانم سر پر فضل

گو بر کھم دل از تو ویر دارم از تو مہر
 این مہر بر کہ افکنم این دل کنجاہم

کتاب ابوہوف میں نقل ہے، اسی دوران محمد بن بشیر حضری نامی امام حسینؑ کے ایک صحابی کو اطلاع دی گئی کہ ان کا بیٹا ”رے“ کی سرحد پر گرفتار کر لیا گیا ہے، انھیں سخت پریشانی لاحق ہوئی اور حضرتؑ سے کہا: میرے لئے یہ انتہائی سخت ہے کہ وہ میری زندگی میں اسیر رہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم میری بیعت سے آزاد ہو، لہذا جا کر اس کی آزادی کا سامان کرو۔ انھوں نے کہا:

لا والله لا فعل ذالک اکلتي السباع حياء ان فارقتک ”قسم خدا کی میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا
 صحرائی درندے زندہ زندہ مجھے کھائیں اگر میں تم سے ہاتھ اٹھاؤں۔“

امام نے جواب سن کر پانچ عدد جامہ جن کی قیمت ایک ہزار درہم تھی انھیں دیتے ہوئے فرمایا: پس ان لباسوں کو اپنے دوسرے بیٹے کے حوالے کرو تا کہ وہ اس کی رہائی کے اسباب فراہم کرے۔

بعض روایات میں آیا ہے، جب امام نے اصحاب کی صفا و اخلاص اور وفاداری و ایثار کو ملاحظہ کیا تو فرمایا: ”کل میں اور آپ سب مار دیئے جائیں گے اور میرے علی (زین العابدین) کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔“

اصحاب نے یہ سن کر اس عظیم الہی فیض درک کی خاطر خدا کی حمد و سپاس ادا کی، چنانچہ امام نے اعجاز سے حجاب ہٹا کر جنت میں موجود ان سب کے مقامات دکھائے اسی طرح انھیں مستقبل کی خبروں سے آگاہ فرمایا۔

شب عاشورا؛ امام اور اصحاب امام کی آخری رات

خدا جانتا ہے وہ رات اہل بیت رسولؐ اور حرم حضرتؑ کے پاسداروں پر کسی گزری اور وہ خطر رات جس کے بارے میں شیخ مفیدؒ امام زین العابدینؑ سے نقل کرتے ہیں:

”میں اس رات کہ جسکے دوسرے روز میرے پدر گرامی شہید کر دیئے گئے اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی بھی اماں جناب زینبؑ میری تیمارداری کر رہی تھیں اس وقت میرے بابا حسین بن علیؑ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے جہاں جوین غلام ابوذر حضرتؑ کی تلوار کو صیقل دے رہے تھے اور وہاں دنیا کی بے وفائی پر یہ اشعار پڑھنے لگے۔

کم لک بالاشراق والاصیل

والدھر لا یقع بالبدیل

وکل حی سالک سبیلی

یادہراق لک من خلیل

من صاحب اوطالب قتیل

وانما الاموالی الجلیل

فارسی میں ان اشعار کا ترجمہ یوں نقل کیا ہے:

چند بہ صب و یسین چہ گرگ تناور

اف بہ توای روز گازیار ستمگر

نیست قناعت تو را بہ اندک و کمتر

بر کنی از یار و دوست افسر و همسر

ھر کہ ہو زنده راہ من رو د آخر

کار هماناست سوی حضرت داوڑ

حضرت جب ان اشعار کو دو یا تین بار تکرار کر چکے تب میں متوجہ ہوا حضرت کیا فرما رہے ہیں، چنانچہ گریہ گو گیر ہوا لیکن میں گریہ روکا اور خاموش ہو گیا، مگر میری پھوپھی جو میری مانند وہ اشعار سن رہی تھیں خاتون ہونے کی وجہ سے اور خواتین کا دل نازک اور نرم ہوتا ہے نہ رکھیں اور بے تابانہ اسی سر پر ہنہ حالت میں اپنی جگہ سے اٹھی اور حضرت کی جانب دوڑیں اور فرمایا:

وانكلاہ لیت الموت اُعلمنی الحیاة، الیوم ماتت امی فاطمة وابی علی وأخی الحسن یا خلیفة الماضین و ثمال الباقین ”اے کاش مجھے موت آگئی ہوتی آج (ایسا) دن ہے کہ نہ میری ماں فاطمہ اور نہ میرے بابا علیؑ اور نہ ہی میرے بھائی حسن زندہ ہیں۔ اے مرنے والوں کے باز ماندگان، اے باز ماندگان کے داوڑس۔“

امام نے کی جانب دیکھ کر فرمایا:

اے بہن! شیطان تم سے شکیبائی و صبر نہ چھین لے (یہ فرما کر) حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: لو تریك القطانم ”اگر مرغ قطا کو اسکے آشیانے میں چھوڑ دیا جاتا تو وہ (آسودہ خاطر ہو کر) سو جاتا۔“ پھوپھی زینبؓ نے فرمایا: وائے ہو میرے حال پر آپ ناچاری سے خود کو موت کے سپرد کر رہا ہے یہ میرے دل کو زیادہ دکھاتی ہے اور مجھ پر زیادہ سخت ہے۔ (یہ فرما کر) اپنے منہ پر طمانچہ مارا اور گریہ کرتے ہوئے گریہاں چاک کیا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئیں۔ امام نے پانی کی چھینٹوں سے ہوش دلایا اور فرمایا:

ایہایا اكساہ اتقی اللہ و تعزى بعزاء اللہ، و اعلمی ان اهل الأرض یموتون و اهل السماء لا یقون، و ان كل شیء ہالك الا رجاء اللہ الذی خلق الخلق بقدرتہ، و یبعث الخلق و یعیذبہم، و هو فردو حده، جہدی خیر منی، و ابی خیر منی، و امی خیر منی، و اخی خیر منی، ولی و لكل مسلم برسول اللہ (ص) أسوة فَعَزَّ اَہا بِہَذَا و نَحْوہ، و قال لہا: یا ختیة انی اقسمت علیک فابری قسمی، لا تمشی علی حیاء، و لا تخمشی علی وجهی، و لا تدعی علی بالویل و الثبور اذا اناہلکت

اے بہن! خود کو سنبھالاؤ، آرام رہو، تقویٰ اور پرہیزگاری کو ساتھ رکھو اور خدا نے جس صبر و شکیبائی کو تمہارے لئے قرار دیا ہے اس پر بردباری سے کام لو۔

اے بہن! تمام اہل زمین کو بالآخر مرنے والے اور اہل سماء کو بھی باقی نہیں رہنا اور بے شک سب ہلاک

ہو جائیں مگر اس خدا کو بقاء ہے جس نے اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو پیدا کیا، وہی لوگوں کو اٹھائے گا اور وہی دوبارہ پلٹائے گا اور بے شک وہی وحدہ لا شریک اور بے مثل و بے ہمتا ہے۔ اے بہن! میرے جد رسول اللہ ﷺ مجھ سے بہتر تھے، میرے بابا علیؑ مجھ سے افضل، میری ماں فاطمہؑ مجھ سے اعلیٰ و ارفع اور میری بھائی (حسن) مجھ سے اچھے تھے (مگر یہ سب دنیا سے چلے گئے) میرے اور تمام مسلمانوں کیلئے رسول اللہ کی ذات کو نمونہ عمل ہونا چاہیے اور انہی الفاظ سے اپنی بہن کو تسلی دیتے رہے اور فرمایا:

”اے بہن! تمہیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک بات پر عمل کرنا! دیکھ میرے قتل کے بعد نہ اپنا گریبان چاک کرنا اور نہ ہی منہ پر طمانچہ مارنا اور نہ ہی اپنے لئے ویل (وائے) اور شور (ہلاکت) کو طلب کرنا (یعنی دیگر عرب خواتین کی طرح داویلا اور وا شورانہ کہنا۔)۔“

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

”اس کے بعد میرے بابا پھوپھی اماں کو میرے خیمے میں لے کر آئے اور انھیں میرے پاس بٹھادیا پھر اپنے اصحاب کے پاس جا کر فرمایا: اپنے خیموں کو ایک دوسرے کے خیموں سے نزدیک کر لو اور طنابوں کو اس طرح پیچیدہ کر لو کہ حملہ کے وقت ایک ساتھ جواب دے سکو اور خیموں کو اس طرح نصب کر دو کہ دشمن کے دائیں بائیں اور مقابل قرار پاؤ اور دشمن کیلئے فقط راہ رہ جائے یہ فرما کر حضرت اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور تمام رات نماز، دعا اور استغفار میں مشغول رہے اور اسی طرح آپ کے اصحاب باوفا بھی عبادت میں مصروف رہے۔“

ضحاک بن عبداللہ کا بیان ہے:

”اس رات عمر بن سعد کی جانب سے چند سوار ما مور تھے کہ وہ ہم سے باخبر رہیں، چنانچہ ان میں سے ایک کا امام کے خیمے سے گزر ہوا تو اس نے حضرت کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿وَلَا يَخْشَى الْذِينَ كَفَرُوا اَتَمْنَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَّا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزِدَّا ذُلًّا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”اور خبردار یہ کفار یہ نہ سمجھیں کہ ہم جس قدر راحت و آرام دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بھلائی ہے، ہم تو صرف اس لیے دے رہے ہیں کہ جتنا گناہ کر سکیں کر لیں ورنہ ان کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔ (آل عمران ۱۷۸)“

اس سوار نے مزاح کرتے ہوئے کہا: خدائے کعبہ کی قسم ہم نیک و پرہیزگار لوگ ہیں جو تم سے جدا ہو گئے ہیں۔

بریر بن خضیر نے اس سے کہا: اے فاسق (ناکار)! خدا تجھے نیک لوگوں میں قرار دے؟

وہ (انتہائی بے شرمی سے) بولا: تو کون ہے؟

بریر نے کہا: میں بریر بن خضیر ہوں۔

بہر حال ایک دوسرے کو دشنام دے کر جدا ہو گئے۔

امالی شیخ صدوق میں نقل ہوا ہے:

”حضرتؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ اپنے تمام خیموں کے گرد خندق کھود کر اس میں ایندھن

جمع کریں، تاکہ وقت ضرورت اسے جلایا جاسکے اور اس طرح دشمن آسانی سے نزدیک نہ ہونے

پائے۔“

ایک اور روایت جو اس کے بعد آئے گی واضح ہوتی ہے کہ روز عاشورا جب امام حسینؑ اپنے اصحاب کے

مراہ جنگ میں مصروف تھے امام کے دستور کے مطابق ایندھن کو جلا دیا گیا تاکہ ان کے ذہن بچوں اوروں

کی جانب سے مطمئن رہیں۔ اسی روایت سے ان چھوٹے چھوٹے بچوں اور مستوروں کی بیاس کا اندازہ

لگایا جاسکتا ہے جو تشنگی اور بھوک کی شدت میں خیموں کے گرد جلنے والی اس آگ نے چند برابر اضافہ کر دیا

ہوگا جسے مختشم کا شافی نے یوں نظم کیا ہے:

فریاد العطش زیبا بان کربلا

زان تشنگان هنوز بہ عیوق می رسد

”کربلا کے بیابان سے ان تشنہ دھانوں کی صدائے العطش اب تک آرہی ہے۔“

ایک اور روایت کے مطابق:

وباء الحسین واصحابه تلك الليلة ولهم دوى كدوى النحل ما بين راعى وساجد وقائم وقاعد

”امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب نے یہ رات اس طرح گزاری کہ خیموں سے دعا، نماز، تلاوت

قرآن کی آوازیں آرہی تھیں اور کوئی حالت رکوع میں تھا تو کوئی قیام وقعود میں اور مناجات کرنے

والے مختلف آوازیں کانوں سے ایسے ٹکرارہی تھیں گویا یہاں ذنبور عسل کا گھر ہو۔“

امام نے خواب دیکھا

ابن آشوب وغیرہ نے نقل کیا ہے، ہنگام سحر حضرتؑ کو معمولی نیند آئی تو آپؑ نے بیدار ہو کر فرمایا:

کیا تم لوگ جانتے ہو میں نے کیا خواب دیکھا؟

عرض کیا: اے فرزند رسولؐ آپؑ ہی بتائیں کیا دیکھا ہے؟

امام نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ کتوں نے مجھ پر حملہ کیا اور ان میں سے ہر ایک مجھے زخمی کرنا چاہتا ہے، مگر ان میں

سے ایک کتا ابلق و چستکبر ہے جس کے حملہ دیگر کتوں سے زیادہ سخت ہیں۔ مجھے گمان ہے کہ ان

لوگوں میں سے جو میرے قتل کا مرتکب ہوگا وہ شخص برص کے داغ رکھتا ہے، پھر مزید خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اسکے بعد نانا رسول خدا کو ان کے چند اصحاب کے ہمراہ دیکھا جو فرما رہے تھے: اے میرے بیٹے! تُو شہید آل محمد ہے، اہل آسمان اور ملکوت اعلیٰ کے باسی وہاں تیری آمد پر خوشحال ہیں اور شب آئندہ تو میرے پاس افطار کرے گا، جلدی کر اور دیکھ یہ فرشتہ الہی تیرے خون کو جمع کرنے کیلئے آیا ہے۔

پھر امام نے فرمایا:

یہ تھا وہ خواب جو میں نے دیکھا ہے، لہذا اب قصہ تمام ہو رہا ہے اور ہمارا کوچ نزدیک ہو چکا ہے اور اب اس میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ ۲۲

امام حسینؑ سے چند افراد کا ملحق ہونا

کتاب لبوف، عقد الفرید اور تاریخ یعقوبی وغیرہ سے نقل ہوا ہے، شب عاشورا جب جنگ ہونا قطعی ہو گیا بائیس یا تیس افراد لشکرِ عمر بن سعد کو چھوڑ کر امام کے ساتھ ملحق ہوئے۔ واللہ اعلم۔ ۲۳ بعض روایات میں آیا ہے، شب عاشورا اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور آپؑ نے تمام خیموں کے گرد گشت فرمایا اور وہاں کی ناہموار زمین کو خوب اچھی طرح ملاحظہ فرمایا کہ کہیں دشمن نے کمین گاہ نہ بنا رکھی ہو۔ ۲۴

حواشی و حوالہ جات

- ۴ [حیاء الامام حسین ج ۳ ص ۱۰۶]
- ۵ [بعض روایات میں ہے: عبید اللہ نے نو ہزار کا لشکر دے کر عمر بن سعد کو کربلا روانہ کیا۔]
- ۶ [مقتل ابی مخنف ص ۱۸۳، ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۲ ص ۸۶]
- ۷ [ارشاد مفید میں عزرة کی بجائے عروۃ ذکر ہوا ہے لیکن دوسرے تواریخ میں عزرة ہے۔]
- ۸ [حیاء الامام حسین ج ۳ ص ۷۱ نفس المہموم ص ۱۰۸ اکا حاشیہ]
- ۹ [حیاء الامام حسین ج ۳ ص ۱۱۸]
- ۱۰ [یہ اقوال مختلف ساتھ حیاء الامام حسین ج ۳ ص ۱۲۰ پر موجود ہیں۔]
- ۱۱ [مروج الذهب ج ۲ ص ۹۰]
- ۱۲ [البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۸]
- ۱۳ کتاب اثبات الویہ ص ۱۲۶ تبرہان گلی میں روایت نقل ہے: خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم کی خلقت سے قیامت تک اپنے دین کی حفاظت ہزار افراد کے وسیلے سے کی ہے جب تفصیل دریافت کی گئی تو امام نے فرمایا تین سوتیرہ اصحاب حضرت طاہر تین سوتیرہ بدر کے مجاہد، تین سوتیرہ اصحاب حضرت قائم آل محمد اور باقی اکٹھے افراد اصحاب امام حسین تھے جو امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے چنانچہ اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین کے اعموان و انصار کی تعداد اکٹھے افراد پر مشتمل تھی۔ واللہ اعلم۔
- ۱۴ [بحار الانوار ج ۳ ص ۳۸۶ نقل شدہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ مذکورہ بالا عبارت مقتل خوارزمی اور انساب الاشراف سے نقل کی گئی ہے۔]
- ۱۵ [ارشاد مفید، مترجم ج ۲ ص ۸۹]
- ۱۶ [کامل التواریخ، ابن اثیر ج ۳ ص ۵۴]
- ۱۷ [کامل التواریخ ج ۳ ص ۵۵]
- ۱۸ [بعض روایات میں آیا ہے کہ امام نے اسی خطاب میں فجزاکم اللہ عنی خیراً کے جملے کے بعد فرمایا: "و قد اخبرنی جدی رسول اللہ بآتی ساق الی العراق فانزل أَرْضاً یقال لہ: عمورا و کربلا و فیہا استشهد و قد قرب الموعد۔ الا و انی اظن ینوما من هؤلاء الاعداء غداً و انی قد اذنت لکم فانطلقوا جمیعاً فی حلّ لیس علیکم منی ذمام، و هذا اللیل قد غشیکم فتحذّوہ جملاً، و لیاخذ کلّ رجل منکم بید رجل من اهل بیتی، فجزاکم اللہ جمیعاً خیراً! و تفرّقوا فی سوادکم و مدائنکم فانّ القوم انما یطلبوننی و لو اصابونی لذهبوا عن طلب غیری" مقتل مقرر ص ۲۱۳]
- ۱۹ [بعض روایات میں یہاں سے زہیر بن قین کے صحابہ تک کی گفتگو معید بن عبد اللہ حنفی سے منسوب کی گئی ہے، حیاء الامام حسین ج ۳ ص ۲۸ مقتل مقرر ص ۲۱۳ اور مقتل مقرر میں اس روایت کو شیخ مفید کی نقل کردہ روایت کے ذیل

میں نقل کیا ہے اگر چہ احتمال ہے کہ شیخ مفید کی کتاب ارشاد سے یہ نسخہ لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم]

۲۰ [مقتل مقررہ ص ۲۱۵ ترجمہ نفس المہمو م ص ۱۱۶، ۱۱۷]

۲۱ [بحار الانوار ج ۲۳ ص ۳۹۳]

۲۲ [بحار الانوار ج ۲۵ ص ۳ مقتل مقررہ ص ۲۲۰]

۲۳ [بحار الانوار، نفس المہمو م، مقتل مقررہ]

۲۴ [مقتل مقررہ ص ۲۱۸]

امام کے اصحاب و انصار کی شہادت

تاریخ اسلام میں خاندان پیغمبرؐ اور اس مظلوم گھرانے کے شیعوں پر امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کی شہادتوں کے روز سے بڑھ کر کوئی اور اندوہ اور مصیبت نہیں گزرا، چنانچہ مورخین میں سے کسی ایک کا قول ہے:

”تحقیق شہادت امام حسینؑ سے زیادہ کوئی بڑا کام نہیں ہوا۔“

امام زین العابدینؑ سے نقل ہوا ہے، ایک روز جب آپؑ کی نگاہ جناب عباسؑ کے فرزند عبید اللہ پر پڑی تو گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

ممن يوم اشد علي رسول الله (ص) من يوم احد، قتل فيه عمه حمز قين عبد المطلب اسد الله و اسد رسوله، وبعده يوم مؤتة قتل فيه ابن عمه جعفر بن ابیطالب ثم قال: ولا يوم كيوم الحسين (ع) ازدلف اليه ثلاثون الف رجل يزعمون انهم من هذه الامة، كل يتقرب الى الله عز وجل بده و هو بالله يذكره فلا يتعظون، هتي قتلوه بغيا و ظلما وعدوا انا. ثم قال: رحم الله العباس فلقد آثروا ابلى و هدى اخاه بنفسه حتى قطعت يداه، فابذل الله عز وجل بهما جناحين يطير بهما مع الملائكة في الجنة كما جعل لجعفر بن ابي طالب عليه السلام وان لعباس عند الله عز وجل منزلة يغبطه بها جميع الشهداء يوم القيامة ۲

”رسول اللہؐ پر روز احد سے زیادہ سخت دن کوئی نہ تھا جب آپؑ کے چچا جناب حمزہ عبد المطلب جو شیر خدا و رسول تھے ہوئے پھر ایک سخت دن جنگ موتہ کا تھا جس میں آپؑ کے چچا زاد بھائی جناب جعفر طیار بن ابوطالب شہید ہوئے۔

پھر امام نے فرمایا:

(مگر) روز حسینؑ سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جب تیس ہزار لوگ جو خود کو اس امت کا فرد شمار کرتے تھے اور اس مظلوم کی جانب حملہ آور تھے اور (تجربہ کہ) ہر ایک خون حسینؑ بہا کر تقرب الہی

حاصل کرنا چاہتا تھا، جبکہ امام تھے کہ انھیں خدا یاد دلار ہے تھے، لیکن وہ لوگ حضرت سے بے اعتنا تھے یہاں تک کہ اس مظلوم امام پر ستم ڈھاتے ہوئے انھیں دشمنی کی وجہ سے مار دیا۔

پھر فرمایا:

خدا کی رحمت ہو حضرت عباس پر جنھوں نے ایثار، وفاداری اور استقامت کا ثبوت دیا اور اپنی جان بھائی پر قربان کر دی یہاں تک کہ وہ ہاتھ قلم ہو گئے تو خدا نے ان ہاتھوں کے عوض جناب جعفر طیار کی مانند انھیں دو پر عطا کیے تاکہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کر سکیں اور بے شک خدا کے نزدیک جناب عباس کا ایسا مقام ہے جس پر تمام شہداء رشک کریں گے۔“

حدیث میں ہے، عبداللہ بن سنان روز عاشور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا امام کے چہرہ اقدس پر اشکوں کے آثار ظاہر ہیں اور غم و اندوہ کی حالت میں تشریف فرما ہیں۔ اس نے سبب گریہ دریافت کیا تو امام نے فرمایا: کیا تمہیں خبر ہے آج کے دن امام حسینؑ کو قتل کر دیا گیا۔ پھر اسے دستور دیا آج کا دن غم و اندوہ کی حالت میں گزارے اور اس روز کو روزِ مصیبت قرار دے۔ ۳۱

امالی شیخ مفیدؒ میں امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان یوم الحسین افرح جفوننا و أسبل دموعنا ، و اذل عزیزنا بأرض کرب و بلاء ، اور ثلث الکرب و البلاء الی یوم الانقضاء فعلی مثل الحسین فلیک الباکون ، فان البکاء علیہ یحط الذنوب العظام “ثم قال (ع) : کان أبی اذا دخل شهر المحرم لا یری ضاحکاً و کانت الکتابۃ تغلب علیہ حتی یمضی منه عشرۃ ایام ، فاذا کان یوم العاشر کان ذلک الیوم یوم مصیبتہ و حزنہ و بکائہ ویقول : هو الیوم الذی قتل فیہ الحسین (ع)

”تحقیق شہادت امام حسینؑ نے ہماری آنکھیں مجروح کر ڈالیں، ہمارے آنسو جاری کر دیے، ہمارے عزیزوں کو اس بیابانِ اکربلا میں بے یار و مددگار کر دیا اور ہمارے لیے قیامت تک کیلئے غم و اندوہ چھوڑ گئی پس حسینؑ جیسے وجود پر رویا جائے کیونکہ حسینؑ پر رونابڑے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

پھر فرمایا:

میرے والد گرامی کا انداز یہ تھا کہ جوں ہی ماہ محرم شروع ہوتا کوئی انھیں خوش و خندا نہیں دیکھتا تھا اور حضرت کے چہرے سے مصائب و دکھ کے آثار عیاں رہتے اور جب روزِ عاشور آتا تو مسلسل گریہ کنال رہتے اور فرماتے یہی وہ روز ہے جب حسینؑ کو شہید کیا گیا۔“ ۳۲

امالی شیخ صدوقؒ اور عیون اخبار رضا میں ریان بن شعیب روایت کرتے ہیں:

”میں ماہ محرم کی پہلی تاریخ کو امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے فرمایا: اے شعیب

کیا تم روزے سے ہو؟ عرض کی: نہیں۔ پھر امام نے روزِ عاشورا اور اس روزِ امام حسینؑ پر آنے والی جائزگاہ مصیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

یا ابن شیبہ ان المحرم هو الشهر الذي كان اهل الجاهلية فيما مضى يحرمون فيه الظلم والقتال لحرمة فمعرفة هذه الامة حرمة شهرها ولا حرمة نبيها، لقد قتلوا في هذا الشهر ذرية موسى وانباءه، وانتهبوا ثقله فلا يغفر الله لهم ذلك ابداً يا ابن شيبه ان كنت باكياً: لشيء فابك للحسين بن علي بن ابي طالب (ع) فانه ذبح كما يذبح الكبش، وقتل معه من اهل بيته ثمانية عشر رجلاً، ما لهم من الارض شيهون، ولقد بكت السماوات السبع والارضون لقتله، ولقد نزل الى الارض من الملائكة اربعة آلاف لنصره، فوجدوه قد قتل، فهم عند قبره شعث غبر الى ان يقوم القائم، فيكونون من انصاره، وشعارهم "يا ثارات الحسين، يا ابن شيبه لقد حدثني ابي، عن ابيه، عن جده انه لما قتل جدي الحسين اسطرت السماء دماً، تراباً احمر، يا ابن شيبه ان بكيت على الحسين حتى تصير دموعك على خديك غفر الله لك كل ذنب اذنبته صغيراً كان او كبيراً، قليلاً كان او كثيراً يا ابن شيبه ان سرّك ان تلقى الله عز وجل ولا ذنب عليك، فزّر الحسين (ع)، يا ابن شيبه ان سرّك ان تسكن الغرف المنيقة في الجنة مع النبي صلى الله عليه وآله فالعن قلة الحسين، يا ابن شيبه ان سرّك ان يكون لك من الثواب مثل ما لمن استشهد مع الحسين فقل متى ما ذكرته "يا ليتني كنت معهم فافوز فوزاً عظيماً يا ابن شيبه ان سرّك ان تكون معافي الدرجات العلى من الجنان، فاحزن لحزنتنا، وافرح لفرحنا، وعليك بولايتنا فلو ان رجلاً تولّى هجر الحشره اللهم معه يوم القيامة ۵

اے پسر شیبہ! ماہِ محرم کا زمانہ جاہلیت میں اتنا احترام تھا کہ ماضی میں لوگ اس ماہ میں جنگ و ستم کو حرام جانتے تھے، مگر اس امت نے تو اس مہینے کا احترام باقی رکھا اور نہ ہی حرمت رسولؐ کا پیاس، انھوں نے اولادِ رسولؐ کو قتل کیا، ان کی خواتین کو اسیر بنایا اور مال و منال کو لوٹ لیا، خدا میں انھیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

اے فرزند شیبہ! اگر کبھی گریہ کرنا چاہو تو حسینؑ بن علیؑ پر گریہ کرنا، کیونکہ بے شک وہ گوشتخواروں کی مانند ذبح کر دیئے گئے۔ اور ان کے ساتھ ابنِ ابی کے خاندان کے اٹھارہ ایسے مرد بار دیئے گئے جن کی دنیا میں کوئی مثال نہ تھی اور جن کی شہادت پر ساقوں آسمانوں اور زمینوں نے گریہ کیا اور چار ہزار فرشتے ان کی نصرت کیلئے نازل ہوئے مگر پھر بھی انھیں مار دیا گیا اور اسی لیے وہ (فرشتے)

بعض نے کہا ہے حضرتؑ کی پیشیہ شاید اس لیے تھی کہ روزانہ ہزاروں گوشتخوار ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور یہ کام لوگوں کیلئے اتنا معمولی ہوتا ہے کہ کسی کو بالکل گھبراہٹ اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی اسی طرح امام حسینؑ کو بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قتل کر دیا گیا گویا ان کیلئے یہ کام بہت ہی معمولی تھا۔

تاقیام قائم پریشان بالوں کے ساتھ گرد آلود کیفیت میں قبر حسینؑ پر بیٹھے رہیں گے، تاکہ حضرت قائمؑ کی مدد کریں ان کا نعرہ ”یا ثارات الحسین“ ہوگا۔

اے پسر شیب! میرے والد نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ جب میرے جد حسین بن علیؑ شہید کیے گئے تو آسمان نے خون سرخ خاک گریہ کیا اور اے پسر شیب! اگر حسینؑ پر گریہ کرو گے تو یاد رکھو جب تک چہرے پر آنسو رہیں گے خدا تیرے ہر چھوٹے بڑے اور کم و زیاد تمام گناہ بخش دے گا۔

اے پسر شیب! اگر چاہتے ہو خدا سے ملاقات کیلئے اس حالت میں جاؤ کہ تمہارے تمام گناہ معاف ہو چکے ہوں تو حسینؑ کی زیارت کرو۔ اے پسر شیب! اگر چاہتے ہو کہ جنت میں رسول خداؐ کے پڑوس میں تمہارا گھر ہو تو حسینؑ کے قاتلوں پر لعنت بھیجو۔

اے پسر شیب! چاہتے ہو کہ حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والوں کا اجر و ثواب تمہیں بھی نصیب ہو تو زبان پر یہ فقرہ دہرایا کرو: یا لسی کنت معہم فافوز فوزاً عظیماً
اے پسر شیب! اگر ہمارے ساتھ جنت کے اعلیٰ مقامات میں رہنا چاہتے ہو تو ہمارے غم میں مخزون اور ہماری خوشی میں خوشحال رہو اور دیکھو! ہماری ولایت و محبت کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دینا، کیونکہ اگر کوئی پتھر کو بھی چاہتا ہوگا تو بخدا قیامت میں اسی کے ساتھ اسے محسوس کرے گا۔

اس جرم کی ننگ آفرینی کیلئے یہی کافی ہے کہ جس جس کا اس ہولناک حادثے میں ہاتھ آلود تھا وہ منہ چھپائے پھر رہا تھا اور اپنے کیے کا بوجھ دوسرے کی گردن پر ڈال رہا تھا، یہاں تک کہ پوری تاریخ بنی امیہ کے نمک خوار و وفاداران کے ہر جرم کو لباس توجیہ پہنا دیتے ہیں، مگر اس مسئلے میں اتنی جرأت نہ رکھ پائے کہ قتل حسینؑ کی نسبت یزید بن معاویہ کی جانب دیں، بلکہ اسے خون سے بچانے کیلئے عبید اللہ ابن زیاد کی گردن پر بوجھ ڈال دیتے ہیں۔

لشکر کی صف آرائی

امام حسینؑ نے نماز صبح کے بعد اپنی مختصر فوج سے خطاب فرمایا اور انھیں دشمن کے مقابل صبر و استقامت کی تلقین کی پھر اپنے لشکر کی یوں صف آرائی فرمائی کہ زہیر بن قین کو میمنہ، حبیب ابن مظاہر کو میسرہ کا امیر بنایا اور سردار کل ابوالفضل العباسؑ کی منتخب فرمایا جیسا کہ اہل تاریخ میں مشہور ہے اور گذشتہ صفحات پر بھی اس کی جانب بھی اشارہ کیا گیا، حضرتؑ کے اعوان و انصار کی تعداد بہتر تھی جن میں سے بیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ ۸

عمر بن سعد نے بھی اپنے لشکر کی صف آرائی شروع کی جن کی تعداد بنابر مشہور تیس ہزار تھی اور اپنے لشکر کیلئے مینہ اور میسرہ کا تعین کیا، شیخ مفید اور دوسروں کے بقول لشکر کے مینہ کو امیر عمرو بن حجاج اور میسرہ شمر بن ذی الجوشن کے سپرد کیا اور عروہ بن قیس کو سوار لشکر کا سردار اور شبث بن ربعی کو پیادہ لشکر کا سالار مقرر کیا جبکہ پرچم جنگ اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔

حضرت امام زین العابدینؑ سے حدیث نقل ہے آپؑ نے فرمایا:

”جب صبح عاشورا شمن کا لشکر امام حسینؑ کے مقابل آیا تو آپؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اللّٰهُمَّ اَنْتَ تَقْسِيْ فِى كُلِّ كَرْبٍ اَنْتَ وَجَائِيْ فِى كُلِّ شِدَّةٍ، وَ اَنْتَ لِيْ فِى كُلِّ اَمْرٍ نَزْلٌ بِيْ تَقَّةٍ وَ عِلَّةٍ، كَمْ مِنْ هَمٍّ يَضَعُفُ فِيْهِ الْفَوَادُ، وَ ثَقُلَ فِيْهِ الْحِيَلَةُ، وَ يَخْذُلُ فِيْهِ الصَّدِيقُ، وَ يَشْمَتُ فِيْهِ الْعَدُوُّ اَنْزَلَهُ بِكَ وَ شَكَّوْهُ الْيَكْ رَغْبَةً مِنْ يَكْ الْيَكْ عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَّجْتَهُ عَنِّيْ وَ كَشَفْتَهُ، فَ اَنْتَ وَلِيٌّ كُلِّ نِعْمَةٍ، وَ صَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَ مَتَّهِيْ كُلِّ رَغْبَةٍ

”بارالہا! تو ہی ہر غم و اندوہ میں میرا سہارا ہے اور ہر سختی میں میری امید تجھ سے وابستہ ہے، تو ہر پیش آنے والی مشکل میں ڈھارس اور میرے لئے ساز و سامان فراہم کرنے والا ہے، کیونکہ کتنے ہی غم و آلام ہیں جن کی وجہ سے دل مر جاتے ہیں، راہ و چارہ گم ہو جاتا ہے، دوست و مددگار ناکام ہو جاتے ہیں اور دشمن شاد و خندان نظر آتا ہے، لہذا میں اپنی اس مشکل کو تیری بارگاہ میں لایا ہوں اور اس کی شکایت تجھ سے کر رہا ہوں، کیونکہ مجھے تیرے علاوہ کسی سے کوئی توقع نہیں اور تو نے (گذشتہ) ان غموں کو مجھ سے دور کر کے مجھے گھناؤں عطا کی، چنانچہ تو ہی ہر نعمت کا صاحب اختیار، ہر نیکی کا مالک اور ہر آرزو و امید کی انتہا ہے۔“

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

”اس وقت دشمن نزدیک آچکا تھا اور خیام حسینی کا گھیراؤ کرنے لگا، انھوں نے خندق اور اس میں روشن آتش کو دیکھا تو شمر بن ذی الجوشن نے بلند آواز میں کہا: اے حسین! قیامت کی آگ سے پہلے آگ جلا دی؟

امام نے پوچھا: یہ کون ہے؟

پھر خود ہی جواب دیا: شاید شمر بن ذی الجوشن ہے!

الطّوال دینوری (مقتل مقرر، ۲۲۵) کے مطابق۔ جبکہ چند اقوال اور بھی نقل کیے گئے ہیں جن میں سے تعداد بہتر کے قول کو ہم نے انتخاب کیا ہے یہ اقوال مقتل مقرر کے حاشیے پر نقل کیے گئے ہیں مثلاً یاسی افراد مقتل مقرر، ساٹھ افراد (حیاء الجیو ان میری) حمزہ افراد اثبات الوصیہ مسعودی، سہنیالیس افراد و اور تقریباً سو افراد پیادہ ہوف و شیر الاحزان، ستر افراد، مختصر تاریخ الدول ذہبی۔

صحاب نے جواب دیا جی ہاں وہی ہے۔

حضرت نے جواب دیا: اے مکریاں چرانے والے کے بیٹے! تو آتش جہنم کیلئے لائق تر ہے۔

مسلم بن عوجہ نے چاہا ایک تیر سے اس کا کام تمام کر دیں۔

مگر امام نے انھیں روک دیا۔

مسلم نے عرض کی! مجھے اجازت دیں کہ اس کو مار دوں، کیونکہ یہ فاسق خدا اور اسکے نیک

بندوں کا دشمن ہے اور خدا نے اس وقت اس کا مارنا آسان قرار دیا ہے؟

امام نے فرمایا: اسے مت مارو کیونکہ مجھے ان سے جنگ کا آغاز پسند نہیں۔

اس وقت امام نے دستور دیا میرا اونٹ تیار کیا جائے، تاکہ اس پر سوار ہو کر سب کو دیکھ سکوں۔

چنانچہ امام نے اس پر سوار ہو کر دشمن سے خطاب فرمایا:

يَا أَيُّهَا سَامِعُوا قَوْلِي وَلَا تَعْجَلُوا حَتَّىٰ أَعْظِمَ بِمَا يَحِقُّ لَكُمْ عَلَيَّ، وَحَتَّىٰ أَعْلَزَ إِلَيْكُمْ، فَإِنِ
أَعْطَيْتُمُونِي النِّصْفَ كُنْتُ بِذَلِكَ أَسْعَدُ، وَإِن لَّمْ تَعْطُونِي النِّصْفَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ فَاجْمَعُوا إِلَيْكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غَمَةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْتَظِرُوا إِنَّ وَلِيَّ اللَّهِ الَّذِي نَزَلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى
الصَّالِحِينَ

”اے لوگو! ذرا غور سے میری بات سنو: اور جلد نہ کرو تاکہ تمہارے لیے نصیحت کا حق جو میری

گردن میں ہے اسے ادا کروں اور اپنے بارے میں بھی تم سے کچھ کہوں، چنانچہ اگر انصاف پسند

ہوئے تو سعادت مند ہو جاؤ گے اور اگر انصاف سے کام نہیں لینا چاہتے ہو تو (کم از کم) اچھی طرح

دیکھو تاکہ خوار اپنے اوپر غم و اندوہ کا سبب قرار نہ پاؤ پھر جو چاہتے ہو انجام دینا اور بالکل مہلت نہ

دینا، کیونکہ میرا ولی دوسر پرست وہ خدا ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی نیک لوگوں کا حامی و

مددگار ہے۔“

ابن اثیر جزری اپنی کتاب کامل التواریخ میں اس خطاب کو نقل کرتے وقت لکھا ہے:

ناگہاں خیام امام حسینؑ سے بچوں اور بی بیوں کا صدائے گریہ بلند ہوا تو آپؑ نے جناب عباسؑ اور

جناب علی اکبرؑ کو روانہ کیا تاکہ وہ انھیں تسلی دے سکیں اور دشمن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لعمریٰ لیکون بکاتو هن ”مجھے اپنی جان کی قسم ان کا گریہ بہت بڑھ جائے گا۔“

جب صدائے گریہ بند ہوا حضرتؑ نے اپنا قطع ہو جانے والا خطاب دوبارہ شروع کیا، حمد و ثنائے پروردگار

کے بعد پیغمبر خداؐ اس کے فرشتوں اور انبیائے الہی پر درود بھیجا۔ یہاں شیخ مفیدؒ کے بقول: فلم یسمع

متکلم قط قبلہ ولا بعدہ ابلاغ فی منطق منہ امام کے اس خطاب سے قبل اور نہ ہی بعد میں کسی متکلم نے

ایسا خطاب سنا اور نہ دیکھا پھر فرمایا:

اتباعہ فانسوی فانظروا من أناتم ارجعوا الی نفسکم وعاتیوہا فانظروا اهل یصلح لکم قتلی و انتہاک حرمتی؟ السُّبُّ ابن بنت نَبِیکم وابن وصیہ وابن عمہ وأوَّل المؤمنین المصدِّق لرسول اللہ (ص) بمآجاء بہ من عند ربِّہ أُولَیْس حمزہ سید الشہداء عَمِّ؟ أُولَیْس جعفر الطَّیَّار فی الجنَّة جنَّاحین عَمِّ؟ أُولَمْ یبلغکم ما قال رسول اللہ (ص) لی ولا تخی: ہذان سَیدِا شبابِ اهل الجنَّة/ فان صدَّقتمونی بما أقول وهو الحق؟ واللہ ماتعمدَت کذباً منذ علمت ان اللہ یمقت علیہ اهلہ، وان کذَّبتمونی فإِنَّ فیکم من ان سئلتموہ عن ذلک أخبرکم، سَلُّوا جابر بن عبد اللہ الأنصاری یأویا سعید الخدری، وسهل بن سعد الساعدی، وزید بن أرقم، وانس بن مالک، یمخروکم انہم سمعوا ہذہ المقالَتمن رسول اللہ (ص) لی ول אחی، أمافی ہذا حاجز لکم عن سفک دمی؟

”پس اے گو! تم میرے حسب و نسب اور میری ذات پ ذرا سوچو اور دیکھ میں کون ہوں؟ تب اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر خود اپنی مذمت کرو اور سوچو کیا میرا قتل اور میری حرمت شکنی تمہارے لیے مناسب ہے؟ کیا میں بنت پیغمبرؐ کا بیٹا اور انکے وحی کا فرزند نہیں ہوں جو رسول اللہؐ کے چچا زاد بھائی اور رسول خداؐ پر نازل ہونے والی تمام چیزوں پر ایمان لانے والوں میں پہلے شخص ہیں؟ کیا حضرت سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا جعفر طیارؓ جنھیں خدا نے جنت میں پرواز کرنے کیلئے دو پر عطا کیے میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم لوگوں تک میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہؐ کا یہ قول نہیں پہنچا، آپؐ نے فرمایا: یہ دونوں جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں؟ پس اگر تم میرے سخن کی تصدیق کرتے ہو تو حق بھی یہی ہے اور اگر میری جانب جھوٹ کی نسبت دینا چاہتے ہو تو تمہارے درمیان ضرور ایسے افراد موجود ہیں جو میری اس بات کی تصدیق کریں گے (جاؤ) پوچھو! جابر بن عبد اللہ انصاری سے ابو سعید خدری سے، سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم سے اور انس بن مالک سے، تاکہ وہ تمہیں آگاہ کریں کہ انھوں نے یہ قول میرے اور میرے بھائی حسنؓ کے بارے میں رسول خداؐ سے سنا ہے، کیا یہ قول رسولؐ میرا خون بہانے سے تمہیں نہیں روک رہا؟

اس وقت چند سنگ دل اور بے ایمان لوگوں نے یہ جانا کہ کہیں حسین بن علیؑ کے یہ کلمات خفتہ ضمیروں کو بیدار نہ کر دیں، لہذا بے معنی اور نامربوط الفاظ کے ذریعے کلام امام کو قطع کرنے لگے من جملہ شمر بن ذی الجوشن نے گستاخانہ انداز میں کہا:

هو یعبد اللہ علیٰ حرف ان کان یدری ما یقول؟ ”میں ایک بات پر اللہ کی عبادت کروں مگر جانو تو کبھی وہ کیا کہہ رہے ہیں؟

جناب حبیب بن مظاہر نے شمر کے ان حملات کو سن کر فرمایا:

والله انی لأراک تعبدالله علی سبعین حرفاً وانا اشهد انک صادق، ماتدري مايقول
اے شمر! تو بچ کبہرہا ہے، کیونکہ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تو ستر باتوں پر خدا کی عبادت کرتا ہے اور بے
شک خدا نے تیرے دل پر (حق سے درمیانی) مہر لگا دی ہے، لہذا تو حسین بن علی کی بات نہیں سمجھ سکتا۔
امام نے دوبارہ لب کشائی کرتے ہوئے فرمایا:

فان کنتم فی شک من هذا فتنشکون انی ابن بنت نبیکم؟ فواللعمین المشرق والمغرب ابن بنت
نبی غیر فیکم ولا فی غیرکم، ویحکم اطلبونی تبیل منکم قتلته او مآل لکم
استهکته؟ او بقصاص جراحه؟ فاکذبو الایکلمونه فنادی: یاشبث بن ربعی، ویاحجار بن ابجر، وی
قیس بن الاشعث، ویایزید بن الحارث، ألم تکتبوا الی: ان قد أیعت الثمار واخضر الجنات، و
انما تقدم علی جندک مجتدة؟

” اگر تمہیں میری اس بات پر تردید ہے تو گویا یہ بھی شک کی بات ہوگی کہ میں بنت نبیؐ ہوں؟
قسم بخدا اتمام مشرق و مغرب میں نہ تمہارے درمیان اور نہ ہی کسی اور مقام پر میرے علاوہ نواسہ
رسول کوئی اور نہیں! اوئے ہوتم پر کیا میں نے تمہارے کسی فرد کو قتل کیا ہے جس کا خون بہا تم مجھ سے
لے رہے ہو؟ یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے؟ یا تم مجھ سے کسی جراحت کا قصاص چاہتے ہو؟ امام کے
اس سخن پر جب کسی میں جرأت گویائی نہ رہی تو حضرتؑ نے فرمایا: اے شبث بن ربعی، اے حجار
ابن ابجر اور اے قیس بن اشعث اور یزید بن حارث کیا تم لوگ نہ تھے جنہوں نے مجھے خط لکھا کہ
میوے آمادہ اور باغ سرسبز ہو چکے ہیں اور آپ کیلئے یہاں لشکر آمادہ ہیں؟

بہر حال روز عاشورا امام حسینؑ کے چند مختلف خطاب نقل ہوئے ہیں، چنانچہ ایک خطاب یہی تھا جسے شیخ
مفیدؒ اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے ۱۱ اور یہی خطاب اہل سنت کے محدثین نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا
ہے۔ ۱۲ البتہ مذکورہ خطاب سے زیادہ جامع اور (ہماری نگاہ میں) پُر معنی خطبہ وہ ہے جس سے سید ابن
طاووس نے لہوف میں اور علی بن شعبہ نے تحف العقول ۱۳ میں اور ابن عساکر دمشقی نے جو اہل سنت کے
معروف دانشور ہیں تاریخ دمشق میں مندرج ذیل الفاظ سے نقل کیا ہے:

وأحاطوا بالحسین من کلّ جانب جعلوه فی مثل الحلقة، فخرج حتی أتى الناس فاستنصم فأبوا أن
ینصتوا حتی قال لهم: ویلکم ما علیکم أن تنصوا الیّ فتسمعو اقلی، وانما أذعوکم الی سبیل
الرشاد، فمن أطاعنی کان من المرشدين، ومن عصانی کان من المهلكين، وکلکم عاص لأمری
غیر مستمع قولي فقد ملئت بطلونکم من الحرام وطع علی قلوبکم، ویلکم ألا تنصتون؟
الاستمعون؟ فقلّوا أصحاب عمر بن سعدینهم وقالوا انصوا له. فقام الحسین (ع) ثم قال: نَبَأَ لَکُم

آیتھا الجماعۃ وترحاً، فحين استصر ختمونا ولھین متحیرین فاصر خاناکم مروجین، سلتم علینا سیفافی رقابنا، وحشتم علینا ناراً اقتلھنا علی عدوکم وعدونا، فاصبحتم الباعلی اولیائکم ویداً علیھم لأعدائکم، بغير عدل أفشوه فیکم، ولأمل أصبح لکم فیھم، الا الھرام من الدنیا أنالوکم، وکسیس عیش طمعتم فیھ، من غیر حدث کان مناولاً رای تفیل لنا، فھلّا لکم الویلات، ذکر تمونا وترکتمونا تجیز تموهاو السیف لم یشھر، والجاش طامن، والرأی لم یستحصف، ولکن أسرعت علینا کطیرۃ الذباب، وتداعیت کتداعی الفراش، فقیحاکم، فانما انتم من طراغیت الأمتہ وشذاذ الاحزاب، وبئذۃ الکتاب، ونفثۃ الشطان، وعصبة الآثام، ومہرفی الکتاب ومطقی السنن وقتلۃ اولاد الانبیاء ومبیری عترۃ الأولیاء، ولم یحقی العہار بالنسب مؤذی المؤمنین وصراخ أئمتہ المستحزنین الذین جعلوا القرآن عظیمین، وأنتم ابن حرب وأشیاعہ تعتمدون، وإیانا تخذلون، أجل واللہ الخذل فیکم معروف، وشجعت علیہ غرورکم، وتوارثہ اصولکم وفروعکم، وثبت علیہ قلوبکم وغشیت صدورکم، فکنتم أخبت شی شجلاً لنا ظرواً کللۃ للغاصب، ألا لعنۃ اللہ علی الناکثین الذین یسقضون الأیمان بعدتو کیدھا، وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلاً، فأنتم واللہم، الا ان الدعی ابن الدعی قدر کزبین اثنتین، بین السلفو الذلۃ، ہیہات منا الذلۃ لک ورسولہ، وحجور طابت، وحجور طہرت، وانوف حمیۃ ونفوس أبیۃ لاتؤثر مصارع اللنام علی مصارع الکرام، الا قد أعدرت وأنذرت، الا انی زاحف بھذہ الأسرۃ، علی قلۃ العدد، وخذلۃ لأصحاب جم أنشأ یقول:

فان نھزم فھزمون قدماً وان نھزم فغیر مھزمینا

وما ان طنباجین ولكن منا یا ناودولۃ آخرینا

الا انتم لاتلبسون بعدھا الا کربۃ ما یرکب الفرس، حتی تدور بکم الریح، عھذ عھدہ الی أبی عن جدی "فأجمعوا امرکم وشركاءکم ثم کیدونی جمیعاً فلا تنظرون، انی توکلت عنی اللہ ربی وربکم ما ین دایۃ الا هو آخذنا بصیتھان ربی علی صراط مستقیم

”جب وہ لوگ امام حسینؑ کے گرو حلقہ وار جمع ہو گئے تو آپؑ نزدیک ہوئے اور انھیں خاموش رہنے کیلئے فرمایا، تا کہ امام ان سے خطاب فرمائیں، مگر حضرت کی بات پر توجہ نہ دی گئی تو آپؑ نے فرمایا: وائے ہوتم پر! کیسے نقصان میں گرے ہو، اگر میری بات سنی تو وہ سوائے تمہاری ہدایت کے اور کچھ نہیں چنانچہ میری بات کو قبول کرے گا وہ ہدایت یافتگان کے زمرے میں شمار ہوگا اور جس نے نافرمانی کی وہ نابود شدگان میں سے قرار پائے گا اور اس وقت میری بات نہ سننے اور (ہماری) اطاعت سے سرچھپی کا سبب یہ ہے کہ تم لوگوں کے دل حرام چیزوں کی عادت کر چکے ہیں اور ان پر مہرگ چکی ہے، وائے ہوتم پر آخر میری بات کیوں نہیں سن رہے ہو؟

اس وقت لشکر یزید کے چند افراد نے اپنے ہی لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا: ہم حسین بن علی کی

بات کیوں نہیں سن رہے؟ آخر نہیں تو سہی وہ کیا کہتے ہیں؟
پس حضرت ایک مقام پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اے لوگو! نابودی اور شرم تہارا مقصد بنے کیونکہ جب تم مخیر اور سرگرداں تھے اور مجھے داد رسی کیلئے پکار رہے تھے تو میں نے تمہاری دعوت قبول کرتے ہوئے خود کو تمہارے نزدیک پہنچایا مگر تم نے جو تلوار ہماری حمایت میں رکھی تھی وہی اب ہمارے اوپر چلا رہے ہو اور وہ آتش جو ہم نے اپنے اور تمہارے دشمن کیلئے روشن کی تھی وہ ہمارے لیے استعمال کر رہے ہو۔

تم اپنے دوستوں کے مقابلہ ضد پر اتر آئے ہو اور اپنے ہی دشمن کے ہاتھوں بہترین انداز میں استعمال ہو رہے ہو، جبکہ ان لوگوں (بنی امیہ) نے نہ تو تمہارے درمیان عدل و انصاف کو قائم کیا اور نہ ہی یہ لوگ تمہارے لیے خیر کی امید ثابت ہو سکتے ہیں ہاں تمہیں دنیا کے حرام فائدوں میں سے کچھ حصہ نصیب ہوگا اور اس دنیا کی پست و چند روزہ زندگی جس کی تمہیں تمنا ہے ضرور ملے گی، جبکہ ہم نے نہ تو کوئی بدعت انجام دی ہے اور نہ ہی ہم سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہے پس (وائے ہوتم پر) جب تم ہمیں نہیں چاہتے تھے اور ہمیں چھوڑ چکے تھے اور ان (دشمن) کے کام آ رہے تھے اور جب تلواریں رکھی ہوئی تھیں فکریں خام اور دل سکون میں تھے تو تم لوگ ہماری جانب بڑھ بڑھ کر آ رہے تھے اور اب مکھی ۱۴۱ مچھروں کی مانند ایک دوسرے سے لچھ رہے ہو تمہیں نابودی مبارک ہو، کیونکہ تم لوگ اس امت کے باغی اور گردش ہو۔

تم مختلف ٹولیوں کے وارث، تارکین کتاب خدا، شیطان کے حامی، گناہوں کے بال و پر، کتاب خدا کو بدلنے والے، ہنستوں کو توڑنے والے، اولاد انبیاء کے قاتل، عسرت اوصیاء کو نابود کرنے والے اور زنا زادوں سے رشتہ ناتہ جوڑنے والے ہو۔ ۱۵

تم مؤمنین کو ستانے والے اور ایسے رہبروں کی آواز ہو جو (رسول اللہ کی) ہنسی اڑاتے تھے اور جو قرآن کو پارہ پارہ کرتے تھے۔ ۱۶ تم لوگوں نے پسر حرب (معاویہ) اور اس کے پیروکاروں پر اعتماد کیا اور ہماری نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے۔

قسم بخدا سچ کہا گیا ہے کہ خوار کرنا تمہاری شناخت ہے اور یہ عادت تمہارے رگ و پے میں سما چکی ہے اور تمہاری یہ عادت تند و شناخوں کی طرح باہم پیوستہ ہے اور جس پر تمہارے دل (پھل کی طرح) لگے ہوئے ہیں اور جن سے تمہارے سینے چھپے ہوئے ہیں، بہر حال تم ایسے زشت و پلید و جود رکھتے ہو جو باغبان کیلئے گلو گریہ کرنے والا نوالہ اور غاصبوں کیلئے بہترین خوراک ہو سکتا ہے۔
ہاں خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو یہ پان شکنی کرتے ہوں اور جو ایمان کو محکم کرنے کے بعد اسے

توڑ دیتے ہیں، جبکہ خدا نے جنھیں تمہارا فیصلہ قرار دیا ہے تم بھی ان ہی جیسے ہو، آگاہ ہو جاؤ حرام زادہ بن حرام زادہ نے دو چیزوں پر اصرار کیا ہے وہ چاہتا ہے (ہم) یا تو تم لوگ اٹھاؤ یا پھر ذلت برداشت کریں، مگر یاد رکھو، ہم ذلت قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول روک چکا ہے اور اسی طرح پاک دامن لوگ، غیرت مند سر اور اعلیٰ نفوس عزت کی موت کو پست لوگوں کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں۔

آگاہ ہو جاؤ! میں نے تمہارے اور ہر طرح کی راہِ عذر و فراہ کو بند کر دیا ہے اور میں نے تمہیں برحذر کر دیا ہے، البتہ میں ان ہی کم تعداد افراد کی مدد سے اور دوسروں کی بے وفائی کے باوجود کروں گا۔ اس کے بعد فرقہ بن مسیک کے اشعار کا سہارا لیا۔ (جس کا ترجمہ ہے):

”اگر ہم جیت گئے تو جتنا ہماری قسمت ہے اور اگر مغلوب ہو گئے تب بھی گویا ہم ہارے نہیں اور ڈرنا ہماری عادت نہیں، لیکن ہمارا قتل دوسرے لوگوں کی حکومت کو نزدیک کر دے گا۔“

بہر حال جان لو کہ اس واقعہ کے چند ہی ایام بعد تمہارے اوپر چرخِ ایام پلٹ جائے گا، کیونکہ مجھ سے یہ وعدہ والدِ گرامی نے میرے جد رسول اللہ کے حوالے سے کیا تھا (یعنی مجھے علم ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے) بس جاؤ اور اپنے شرکاء کے مشورہ کے بعد مجھ سے دشمنی نکالنا شروع کرو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار پر توکل کرتا ہوں کیونکہ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا اختیار اس کے دستِ قدرت میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب راہِ مستقیم پر ہے۔“

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ سے چند اور نفرین آمیز جملات نقل ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کی حقیقت پر کلامِ امام

اگرچہ موت کی حقیقت پر بہت کچھ کہا گیا ہے، مگر روزِ عاشورا ان سخت و دشوار ساعتوں میں امام حسینؑ کا اپنے اصحاب سے اس موضوع پر کلام کرنا خاص اہمیت کا حامل ہے۔ شیخ صدوقؒ نے معانی الاخبار میں موت کے موضوع پر ایک خاص باب تحریر کیا ہے، جس میں آئمہ معصومینؑ سے دس احادیث نقل کی ہیں چنانچہ امام زین العابدینؑ سے مروی ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں:

وقال علی بن الحسین (ع) لَمَّا اشْتَدَّ الْأَمْرُ بِالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ (ع) «نَظَرْتُ إِلَيْهِ مِنْ كَانٍ مَعَهُ، فَإِذَا هُوَ بِخِلَافِهِمْ لِأَنَّهُمْ كَلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ تَغَيَّرَ أَلْوَانُهُمْ وَارْتَعَدَتْ فُرُائِصُهُمْ وَوَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ، وَكَانَ الْحُسَيْنِ (ع) وَبَعْضُ مَنْ مَعَهُ مِنْ خِصَائِهِ تَشْرُقُ أَلْوَانُهُمْ وَتَهْدِي جُورَاجِهِمْ وَتَسْكُنُ نَفُوسُهُمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: «نَظَرُوا إِلَيْنَا بِأَلْوَانِ الْمَوْتِ إِفْقَالَ لِهَمِّ الْحُسَيْنِ (ع)» صَبْرَ ابْنِ الْكَرَامِ، فَمَا الْمَوْتُ إِلَّا قَطْرٌ يُغَيِّرُكُمْ عَنِ الْيُؤْسِ وَالضَّرَاءِ إِلَى الْجَنَّةِ الْوَاسِعَةِ وَالنَّعِيمِ الدَّائِمَةِ، فَإِنَّكُمْ يَكْرَهُ أَنْ يَنْتَقِلَ مِنْ سَجْنٍ إِلَى قَصْرِ، وَمَا هُوَ إِلَّا عَذَابُكُمْ الْآكَمُنَ بِتَقْلَانٍ قَصْرٍ إِلَى سَجْنٍ وَعَذَابٍ. إِنَّ أَبِي

حدثني عن رسول الله (ص) ان الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر والموت جسر هؤلاء الى جناتهم
وجسر هؤلاء الى جحيمهم، ما كذبت ولا تكذبت

”جب امام حسینؑ پر مصیبت بڑھنے لگی تو آپؑ کے اصحاب نے دیکھا کہ امام حسینؑ کی حالت ان کے برخلاف ہے، کیونکہ جب بھی حالات سخت ہوئے تو اصحاب امام حسینؑ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور لرزہ طاری ہونے لگتا اور وہ گھبراہٹ ہوتے ہیں مگر امام حسینؑ اور آپؑ کے چند خاص اصحاب کے چہرے چمک رہے تھے اعضاء بدن استوار تھے اور انکے دل اطمینان کی کیفیت میں تھے (یہ دیکھ کر) بعض اصحاب بعض سے کہہ رہے تھے وہ دیکھو! حسین بن علیؑ کو موت سے کوئی خوف نہیں :

امام نے فرمایا:

اے کریم زادو! صبر و بردباری سے کام لو کیونکہ موت ایک پل سے بڑھ کر کوئی اور شے نہیں جو تمہیں سختیوں اور دشواریوں سے نکال کر رکھے ہوئے باغوں اور جاوید نعمتوں کی جانب منتقل کر دیتی ہے تم میں سے کون ہے جو زندان سے نکل کر محلوں میں منتقل ہونا پسند نہ کرتا ہو؟ ہاں مگر تمہارے دشمنوں کیلئے موت گویا محل سے نکل کر زندان اور عذاب کی جانب سفر کرنا ہے۔

تحقیق میرے جدر رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

بے شک دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے بہشت ہے اور موت مومن کیلئے بہشت کی جانب پل ہے اور کافر کیلئے دوزخ کی جانب پل کی مانند ہے، یاد رکھو نہ میں نے تم سے غلط کہا ہے اور نہ ہی مجھ سے غلط کہا گیا ہے۔“ ۱۸

حر بن یزید ریاحی کی توبہ اور اس کا امام سے ملحق ہونا

اہل تاریخ کا بیان ہے، جو ابی دونوں لشکروں کی صف آرائی مکمل ہو گئی تو حر بن یزید ریاحی نے عمر بن سعد سے آکر کہا: کیا واقعی اس شخص (حسین) سے جنگ کرنا ہے؟

عمر بن سعد نے یہ سوچ کر کہ کہیں حرامتھان نہ لے رہا ہو اور ابن زیاد کو میرے خلاف گزارش نہ پہنچا دے فوراً کہا: ہاں جنگ کریں گے اور اس جنگ کی انتہا سروں اور بازوؤں کے گرنے پر ہوگی!۔
حر نے کہا: کیا ان کی (حسین کی) پیش کش تم راضی نہ تھے؟

اب عمر بن سعد متوجہ ہوا کہ پہلے سوال کا مفہوم معترضانہ تھا، تو جواب دیا: اگر میرے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو ضرور قبول کرتا مگر تیرے امیر (ابن زیاد) نے قبول نہ کیا۔

حر نے یہ سن کر خود کو لشکر سے علیحدہ کیا اور اپنے قبیلے کے ایک فرد سے جس کا نام قرۃ بن قیس تھا کہا: کیا آج اپنے گھوڑے کو پانی دیا ہے؟ قرہ نے کہا نہیں۔

خرنے کہا: تو کیا پانی نہیں پلاؤ گے؟

قرہ کا بیان ہے:

قسم بخدا حریہ چاہتا تھا کہ جنگ سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے میں اسے نہ دیکھوں، لہذا مجھے اس مقام سے دور کرنا چاہتا تھا، مگر میں اس کے ارادے کو نہ سمجھ سکا اور پانی پلانے کی غرض سے اسے وہاں چھوڑ گیا قسم بخدا اگر حراس نے مدعی کو کھل کر بیان کرتا تو میں اسکے ہمراہ امام حسینؑ کے پاس چلا جاتا۔ پس حرا ہستہ آہستہ امام حسینؑ کی جانب جا رہا تھا کہ مہاجرین اوس نے (جو کہ عمر بن سعد کے لشکر میں تھے) حرا سے کہا:

اے حرا کیا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا ان (حسینیوں) پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟

خرنے کوئی جواب نہ دیا، اس وقت اس کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ مہاجرین میں سے ایک نے کہا: بخدا تیری اس حالت نے مجھے شک و تردید میں ڈال دیا ہے، کیونکہ میں نے کسی بھی جنگ میں ایسا نہیں پایا بلکہ جب بھی مجھ سے پوچھا گیا کہ کونے میں دلیر ترین فرد کون ہے تو میں تیرا نام زبان پر لاتا تھا۔ پس اے حرا! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟

خرنے کہا:

اِنِّی وَاللّٰہُ اَخِیْرَ نَفْسِیْ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَوَاللّٰہِ لَا اخْتَارَ عَلٰی الْجَنَّةِ شَیْئًا، بُولُو قَطْعَتْ وَحَرَقَتْ

”قسم بخدا میں خود کو جنت و دوزخ کے درمیان محسوس کر رہا ہوں اور ہرگز جنت پر کسی شے کو ترجیح

نہیں دوں گا اگر چہ اس کے عوض مجھے ٹکڑے ٹکڑے جلادیا جائے۔“

یہ کہہ کر خرنے اپنی خواتین کو خیمہ حسینی میں پہنچایا اور انتہائی شرمساری کی حالت میں امام حسینؑ کے مقابل کھڑے ہو کر کہا:

”اے فرزند رسول! میں وہی ہوں جس نے آپؐ کا راستہ روکا اور گھیر کر اس سرزمین پر پہنچایا، میرا

گمان تھا کہ آپؐ کی پیشکش قبول ہو جائے گی اور آپؐ کو یہ دن نہ دیکھنا پڑے گا، قسم بخدا اگر مجھے یہ

علم ہوتا کہ قصہ یہاں تمام ہوگا تو ہرگز ایسا نہ کرتا اور اب میں اپنے کیے پر پشیمان خدا کے حضور توبہ

کرتا ہوں (اے حسین!) کیا میری توبہ قبول ہے؟“

شد جو موسیٰ جانب خر گاہ طور

گشت از لشکر جو قدری راہ دور

سخت بود از روی شاہ دین خجیل

لیک بودش پای در رفتن بہ گیل

با کدامین دیدہ شدہ را بنگرد

در تفکر آنکہ چون غدر آورد

ہم بدان پوشید چہر انورش

باز کرد از شرم دستار سرش

بوسہ زد پریای شاہ انس و جان
بر تو قلب نازکت بشکستہ ام
اول آشفتم ز کین قلب تو را
کو دکانت را بدن لرزاندہ ام
تخم امید ی بہ خاطر کشتہ ام
توبہ ام را تاکہ حق سازد قبول

با چنین ہیئت سر آزادگان
گفت من حرم کہ رہ برستہ ام
رنجہ کردم حال اطفال تو را
زینب زارتو را ترساندہ ام
حال از کردہ پشیمان گشتہ ام
کن شفاعت از من ای سبط رسول

بعض خوش سلیقہ شاعروں نے سعدی شیرازی کی زمین پر محسوس کیے ہیں:

سویت ای خسروی خیل و سپاہ آمدہ ایم
مابدین درنہ پی حشمت و جاہ آمدہ ایم
از بد حادثہ اینجایہ پناہ آمدہ ایم

خربگفتا کہ شہاب غم و آہ آمدہ ایم
رستہ ز ابلیس وہ در گاہ اللہ آمدہ ایم

بہ خداوند کہ بیزارم از این فرقہ زشت
تخم مہرت زازل بردل من خالق کشت
زانکہ از حب و لای تو مر ابرو دیر شست
سبزئہ خط تو دیدیم و زبستان بہشت
بہ طلب کاری این مہر گیاہ آمدہ ایم

منم آن کس کہ نمودم بہ تو ظلم اول بار
شرمسارم من از آن کردنہ خود بادل زار
رہ گرفتم بہ تو ای پادشہ بی کس و یار
آبرومی رو دای ابر خطاپوش بیار
کہ بہ دیوان عمل نامہ سیاہ آمدہ ایم

گرچہ سر با قدم غرق بہ تقصیر و خطاست
گر بیخشی تو گناہ من دلخستہ و رواست
لیک چشمم سویت ای خسرو اقلیم صفاست
لنگر حلم تو ای کشتی توفیق کجاست
کہ در این بحر کرم غرق گناہ آمدہ ایم

امام نے حرے فرمایا:

خدا تیری توبہ ضرور قبول کرے گا، اچکھ دیر ہمارے پاس بیٹھ۔
مگر حرے نے کہا:

اگر اجازت ہو تو کچھ دیر ان (الشکر یزید) سے لڑنے کیلئے جاؤں اسکے بعد آپ کے ساتھ بیٹھوں گا۔
امام نے فرمایا:

تم پر خدا کی رحمت ہو جاؤ جیسا چاہو انجام دو

اس وقت حرے نے اپنے سابقہ ساتھیوں کے مقابل کھڑے ہو کر کہا:

یا اهل الکوفہ لا تمکم الہیل و العبر، ادعوتکم هذا العبد الصالح حتی اذا جئکم اسلمتموہ و زعمتم
انکم قاتلو انفسکم دونہ، انتم عدوتکم علی لتقتلوہ و امسکم بنفسہ و اخذتم بکظمہ و احطتم بہ من

كُلَّ جَانِبٍ لِّمَعْوَاهِ التَّوَجُّهَ فِي بِلَادِ اللَّهِ الْعَرِيشَةِ، فَصَارَ كَالَا: سِيرَ فِي أَيْدِيكُمْ، لَا يَمْلِكُ لِنَفْسِهِ نَفْعًا
وَلَا دَفْعَ عَنْهَا ضَرًّا، وَجَلَّ أَسْمُوهُ وَنَسَاءَهُ وَصَبِيَّتَهُ وَأَهْلَهُ عَنِ مَاءِ الْفِرَاتِ الْحَارِّ، يَشْرِبُهُ
الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى وَالْجَوْسُ، وَتَمَرُّغٌ فِيهِ خَنَازِيرُ السَّوَادِ وَكَلَابُهُ، فَهَاهُمْ قَدِ صَرَعَهُمُ الْعَطَشُ، بَشَسَ
مَا كَلَفْتُمْ مُحَمَّدًا فِي ذَرِيَّتِهِ لَا سِقَاكُمْ اللَّهُ يَوْمَ الظُّمَأِ؟

”اے اہل کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں، کیا تم نے اس عظیم شخصیت کو بلا کر نہیں کہا
تھا کہ دشمن کے مقابل اس کی مدد کریں گے اور اب نہ فقط اس کی نصرت سے ہاتھ اٹھالیا ہے، بلکہ اس
کے مقابل کھڑے ہو گئے اور سب اسے مارنا چاہتے ہو؟ اور اس پر عرصہ حیات کو تنگ کر دیا ہے اور
چار جہات سے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے ہو؟ گویا ایسا سیر تمہارے قبضے میں آیا ہے جو نہ خود کو نفع
پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کسی نقصان سے دور رہ سکتا ہے اور وہ آب فرات جسے یہودی، مجوسی اور
نصاری پی رہے ہیں اور جس میں سیاہ سگ اور خوک نہا رہے ہیں تم نے وہ پانی اسکے بچوں، خواتین
اور اہل خاندان پر بند کر دیا ہے یہاں تک کہ تنگی نے انھیں بے حال کر رکھا ہے (مجھے) تعجب ہے تم
لوگ محمدؐ کا کیسا احترام ان کی اولاد کی نسبت کر رہے ہو، خدا تمہیں روز تشنگی (محشر) سیراب نہ کرے۔“
اس وقت دشمن کے تیر اندازوں نے حر پر حملہ کیا مگر حر خود کو بچا کر امام کے نزدیک آ کھڑے ہوئے۔

آغاز جنگ اور پہلا حملہ

باقر شریف قرشی اپنی کتاب حیاۃ الامام الحسینؑ میں تہذیب التہذیب سے روایت کرتے ہیں:
اس وقت تیس افراد عمر بن سعد کے لشکر سے نکل کر امام حسینؑ کے لشکر سے ملحق ہوئے جس پر عمر بن سعد
کو بن خوف لاحق ہوا کہ کہیں تزلزل کی وجہ سے جانے والوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو جائے، لہذا
جنگ کے آغاز کا ارادہ کیا اور اپنے غلام ”درید“ سے جس کے ہاتھ میں پرچم تھا کہا:
اے درید! پرچم نزدیک لا، وہ نزدیک ہو، تو خود عمر بن سعد نے تیر کمان میں چھوڑ کر لشکر سے مخاطب ہوا:
گواہ رہنا میں وہ پہلا شخص ہوں جن نے حسینؑ کی جانب تیرے پھینکا ہے، اس کے بعد پورے لشکر
نے امام حسینؑ کی جانب تیر اندازی شروع کی ادھر امام کے لشکر میں شاید ہی کوئی ہو جسے اس حملے کا تیر
نہ لگا ہو۔

امام حسینؑ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحاب سے فرمایا:

قُومُوا رَحِمَكُمُ اللَّهُ إِلَى الْمَوْتِ الَّذِي لَا يُبْتَلَمُهُ فَإِنَّ هَذِهِ السَّهَامُ رَسَلُ الْقَوْمِ إِلَيْكُمْ
”اے میرے ساتھیو! تمہارا خدا تم پر رحم کرے، قیام کرو، یاد رکھو موت سے کسی کو فرار نہیں یہ تیر ہیں
جو ان لوگوں کی جانب سے تمہارے طرف آرہے ہیں۔“

دشمن کے اس حملے کا نتیجہ گرد و خاک بیٹھ جانے کے بعد یہ سامنے آیا کہ امام حسینؑ کے پچاس ساتھی مقام شہادت پر فائز ہوئے ہیں۔

عبداللہ بن عمیر کلبی کا جہاد

اس کے بعد زیاد بن ابیہ کا غلام یسار اور عبید بن زیاد کا غلام سالم میدان میں آئے اور مبارزہ طلب کرنے لگے جس پر حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضرمی جانا چاہتے تھے، مگر امام نے انھیں اجازت نہ دی تو عبداللہ بن عمیر کلبی جو اپنے قبیلے میں شجاع اور شریف انسان تھے اور قد و بیگم و جیہ ہونے کے علاوہ طاقت ور بازو رکھتے تھے اور یہ اپنے زوجہ اُم و ب کے ہمراہ کوفہ سے امام حسینؑ کی نصرت کیلئے آئے تھے اور حضرت سے اجازت مانگی امام نے اجازت دی تو وہ میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ یسار نے انھیں دیکھ کر کہا: تو کون ہے؟ ابن عمیر نے اپنا تعارف کروایا تو یسار نے کہا: ہم تجھے نہیں جانتے، لہذا ہم سے لڑنے کیلئے حبیب یا بریر کو آنا ہوگا۔

ابن عمیر کلبی نے یہ سن کر کہا:

يا ابن الفاعلة وبك رغبة من مبارزة احلمن الناس، وما يخرج احد الا وهو خير منك

”اے زن بدکارہ کے بیٹے! تیری کیا حیثیت جو اپنی مرضی سے حریف طلب کر رہا ہے جو بھی تجھ سے جنگ کرنے آیا ہے یقیناً وہ تجھ سے بہتر ہے۔“

عبداللہ بن عمیر نے یہ کہہ کر حملہ کیا اور کچھ ہی دیر میں اسے زیر کر دیا مگر ابھی سنبھلے ہی تھے کہ سالم نے حملہ کیا یہ دیکھ کر اصحاب امام نے ابن عمیر کو متوجہ کیا انھوں نے دشمن کے وار کو روکنا چاہا تو بائیں ہاتھ کی انگلیاں کٹ کر گریں مگر اس مجاہد نے ایسا جواب دیا کہ پہلے کی طرح یہ دوسرا بھی واصلی جہنم ہوا اور اس طرح ابن عمیر یہ رجز پڑھتے ہوئے امام کی جانب لوٹ آئے۔

ان تنكروني فانا ابن الكلب انى امرء ذومرّة وغضب

ولست بالخوار عند النكب

”اگر مجھے نہیں جانتے تو سنو! میں خاندان کلب سے ہوں اور میں ناگوار اور سخت حالات میں بھی محکم اور مطمئن رہنے والا ہوں اور ایسے میں کبھی سُست و ناتواں نہیں ہوتا۔“

اہل تاریخ اور باب مقاتل کا بیان ہے، اس وقت ابن عمیر کی زوجہ ہاتھ میں لکڑی اٹھا کر ابن عمیر تک پہنچیں اور کہا:

فداك ابي وامتي، قتلت دون الطليين ذرية محمد ”میرے ماں باپ آپ ہر فردا ہوں (اے ابا عبداللہ!) ان طیب و طاہر اولاد رسولؐ کیلئے جنگ کرو۔“

عبداللہ نے بہت چاہا کہ انھیں خیمے تک پہنچادیں مگر ام وہب نے اپنے شوہر کے کپڑے سختی سے پکڑے ہوئے تھے اور یہ کہہ رہی تھیں، میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک تم اس راہ میں شہید نہ ہو جاؤ۔

امام نے اس خاتون کو آواز دے کر فرمایا:

جزیتم عن اهل بیت نیکم خیراً ارجعی فانہ لیس علی النساء قتال ”تمہیں خاندان پیغمبر کی

جانب سے اجر مبارک ہو مگر اے محترمہ! لوٹ آ کیونکہ خواتین سے جہاد ساقط ہے۔“

تب ام وہب خیمہ گاہ کی طرف لوٹ کر آئیں۔

شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس وقت عمرو بن ججاج نے اپنے لشکر کے ہمراہ لشکر امام کے سینہ پر حملہ کیا مگر جوں ہی یہ لوگ نزدیک ہوئے حضرت کے لشکر نے زانوں پر بیٹھ کر اپنے نیزے ان کی جانب دراز کیے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر عمرو بن ججاج کے گھوڑے ٹھہر گئے، چنانچہ یہ لوگ مجبوراً واپس ہونا چاہتے تھے، مگر لشکر امام نے تیروں سے حملہ کیا جس کے نتیجے میں عمرو بن ججاج بہت سے ساتھی زخمی ہو کر گرنے لگے۔ پس (عمر بن سعد کے لشکر سے) عبداللہ بن خوزہ نامی شخص نکلا اور چاہتا تھا کہ لشکر امام ہراسنے جائے تو اسکے ساتھیوں نے پکار کر کہا: تیری ماں عزاداری کرے کہاں جا رہا ہے؟ وہ بولا: میں اس مہربان و شفیع خدا کے پاس جا رہا ہوں جس کی شفاعت قبول ہے امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے دریافت کیا یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ ابن خوزہ تہمی ہے، حضرت نے فرمایا: پروردگار! اسے آتش (جہنم) عطا کر۔ اسی دوران اچانک اس کا گھوڑا سرکش ہوا اور وہ اسے لے کر ایک ایسے تنگ مقام سے گزرا کہ ابن خوزہ گھوڑے سے گرنے لگا مگر اس کا ایک پیر رکاب میں پھنسا رہ گیا اور دوسرا ہوا میں لہراتا ہوا نظر آ رہا تھا، مسلم بن عوجہ آگے بڑھے اور معلق پیر کو تھوڑے کے ایک وار سے کاٹ دیا مگر گھوڑا اسی سرکشی میں اسکے سر کو پتھروں سے پینٹا ہوا ایک سمت سے دوسری سمت لے جا رہا تھا، یہاں تک کہ دوزخ کے راہی کو خدا نے بیدار بلخ واصل جہنم کیا۔“

البتہ ایک روایت میں ہے جب یہ شخص امام کے نزدیک آیا تو حضرت نے فرمایا: تو کیا چاہتا ہے؟ وہ بے شرم بولا: البشیر بالنار جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔ امام نے فرمایا:

”کلما انتی اقدم علی دہ رحیم و شفیع مطاع“ ”نہیں ایسا نہیں، بلکہ میں تو اپنے مہربان اور شفیع

پروردگار کی جانب جا رہا ہوں جس کی شفاعت قبول ہے۔“ ۱۹

خیال ہے، شیخ مفیدؒ سے نقل شدہ روایت میں کچھ کمی رہ گئی ہے ورنہ شاید مکمل روایت اس طرح ہے

۔ بہر حال شیخ مفیدؒ اور دیگر اہل تاریخ کا بیان ہے اس واقعے کے بعد میدان جنگ گرم ہوا اور دونوں کی طرف کے کئی افراد کام آئے۔

تن و تنہا مقابلے

عبدالرزاق مقرر لکھتے ہیں:

جب امام کے اصحاب نے دیکھا ان کے بہت سے ساتھی شہید ہو چکے ہیں تو دو دو اور چار چار افراد کی صورت میں اجازت طلب کرنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ من جملہ سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع جو آپس میں چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ ایک ماں سے تھے۔ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گریہ کرنے لگے۔

حضرت نے فرمایا:

ما یسککمانی لأرجوان تکونابعدساعة قریوبالعين ”کیورور ہے ہو مجھے یقین ہے کچھ ہی دیر بعد تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گے۔“

انھوں نے عرض کی:

جعلنا اللہ فداک ماعلیٰ انفسنا تکی ولکن نبکی علیک ، نراک قد احیط بک ولا نقدر ان ننفعک ”خدا! ہمیں آپ پر قربان کر دے، ہم اپنے نہیں بلکہ آپ کیلئے رور ہے ہیں کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں دشمن کا آپ پر حلقہ تنگ ہوتا جا رہا ہے مگر ہماری جانب سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

امام نے ان دونوں کیلئے دعا کی اور یہ مجاہد حضرت کے نزدیک جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ من جملہ عبد اللہ اور عبد الرحمن، عروۃ غفاری کے فرزند تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایسے ہی شیر دل عمرو بن خالد صیداوی اور ان کا غلام سعد، جابر بن حارث سلمانی اور مجمع بن عبد اللہ عاندی نے مل کر اہل کوفہ پر حملہ کیا اور لڑتے لڑتے دل لشکر میں اتر گئے، مگر کچھ ہی دیر میں لشکر یزید اور ان اصحاب امام حسینؑ میں سخت کشمکش ہوئی جس پر حضرت نے اپنے بھائی جناب عباسؑ کو نصرت کیلئے میدان روانہ کیا، انھیں دشمن کے زعمے سے نکال کر لائے مگر زخمی حالت میں ابھی لشکر امام کے نزدیک پہنچے تھے کہ دشمن نے دوبارہ حملہ کیا جس کے نتیجے میں وہ مجاہد شہید ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد جو اتان بنی ہاشم اور امام حسینؑ کی شہادت تک کے واقعات حتیٰ بعض باقی ماندہ اصحاب کی شہادت کے بارے میں تاریخ و مقاتل کا بیان مختلف ہے۔ بہر حال خیال ہے، عبدالرزاق مقرر کی کتاب مقاتل مقرر کی ترتیب زیادہ مناسب ہے، البتہ بعض دیگر کتب میں مثلاً شیخ مفیدؒ زیادہ

معتبر ہے فقط بات اتنی ہے کہ انھوں نے مختصر و مجمل تحریر کیا ہے۔ ۲۰ بہر حال ہم واقعات اب نقل کریں گے وہ مقتل مقررہ ہی کے مطابق ہوں گے، جبکہ ضرورت کے مطابق دوسری اور کتابوں و روایات سے تفصیل و اضافات پیش کرنے کیلئے مدد لیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام کا استغاثہ و استحضار

عبدالرزاق مقررہ کا بیان ہے، جب امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے جنازے دیکھے تو ریش مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

اشتد غضب الله على اليهود اذ جعلوا له ولداً، واشتد غضبه على النصارى اذ جعلوه ثالث ثلاثة، واشتد غضبه على المجوس اذ عبدوا الشمس والقمر دون الله، واشتد غضبه على قوم اتفقت كلمتهم على قتل ابن بنت نبيهم، اما والله لا احببهم الى شئ مما يريدون حتى القى الله وانا مخضب بدمي. ثم صاح: اما من مغيث يغثنا! اما من ذاب يذب عن حرم رسول الله

”خشم و غضب الہی یہودیوں پر اس وقت سخت ہوا جب انھوں نے خدا کیلئے فرزند قرار دیا اور نصاریٰ پر غضب پروردگار اس وقت ہوا جب وہ اسے تیرا خدا تصور کرنے لگے اور مجوسیوں پر اس لیے کہ وہ خدا کے بجائے ماہ و خورشید کو خدا ماننے لگے اور ان پر غضب الہی سخت ہے جو دختر پیغمبرؐ کے فرزند کو مارنے پر متحد ہو گئے ہیں قسم بخدا میں انھیں کوئی جواب نہیں دوں گا یہاں تک کہ خون میں رنگیں اسی ریش کے ساتھ خدا سے ملاقات کروں۔“

اس کے بعد بآواز بلند فرمایا:

کیا کوئی فریادرس نہیں جو حرم رسول اللہؐ سے دشمن کو دفع کرے!

جب مستورات نے امام کے ان کلمات کو سنا تو انکے نالہ و شیوے میں اضافہ ہونے لگا، البتہ اس وقت دو مردگار یعنی سعد بن حارث اور اس کا بھائی ابواحتوف امامؑ کے استغاثہ اور بی بیوں کے گریہ پر لشکر یزید سے نکل کر خود لشکر یزید پر حملہ کیا، مگر کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔

امام کے مہینہ پر دشمن کا حملہ

ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے:

امام کے ساتھی ایک ایک کر کے میدان میں جاتے اور مبارزہ طلب کر کے با سانی انھیں واصل جہنم کر دیتے تھے یہاں تک کہ دشمن کی بڑی تعداد کو فی النار کیا اس وقت عمرو بن حجاج نے جو عمر بن سعد کے خاص افراد میں سے تھے اپنے لشکر سے خطاب کیا:

کیا تم لوگ جانتے ہو کن لوگوں سے مقابلہ ہے؟ تقاتلون فرسان المصر والبصرة و قوم مستمیتین

لا یرزالیہم احدثکم الاقتلوہ علی قلتہم ”تم کو مارنے کے ایسے گھوڑسواروں اور اہل علم و دانش سے لڑ رہے ہو جنہوں نے زندگی سے ہاتھ دھو لیا ہے اور موت سے سمجھوتہ کر رکھا ہے، چنانچہ تم میں سے جو بھی ان سے لڑنے جائے گا اس کا انجام یہی ہوگا گویا یہ چند لوگ ہم سب کو مار سکتے ہیں۔“ اور حکم دیا کہ سب ایک ساتھ حملہ کریں۔

دشمن نے حکم پا کر امام کے سینہ پر حملہ کیا، امام کے اعوان نے زانوں پر بیٹھ کر اپنے نیزوں کا رخ ان کی جانب کیا مگر اس کیفیت نے آتے ہوئے گھوڑوں کو خوف زدہ کر دیا اور وہ اپنے سواروں کو لے کر بھاگنے لگے امام کے اصحاب نے تیروں سے ان پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں کچھ فی النار ہوئے اور باقی بھاگنے میں کامیاب ہوئے۔

شہادتِ مسلم بن عوجہ

اس کے بعد عمرو بن حجاج نے فرات کی سمت سے امام کے لشکر پر حملہ کیا جس کا جواب دینے کیلئے مسلم بن عوجہ چند افراد کے ہمراہ میدان میں آئے اور دشمن سے ایسی گھسان کی جنگ کی کہ بقول تاریخ دانوں کے پچاس افراد کو خاک و خون میں ملا کر ہلاک کر دیا مگر خود اتنا زخمی ہو چکے تھے کہ بے حالی سے زمین پر گر گئے اور جب گرد چھٹی تو اصحاب امام نے دیکھا مسلم زخموں سے چور زمین بوس ہیں مگر ابھی ان کی جان میں رت باقی ہے تو امام حسینؑ جناب حبیب بن مظاہر کے ہمراہ ان کی بالین پر تشریف لائے اور فرمایا:

رحمک اللہ یا مسلم، منہم من قضی نحبہ ومنہم من ینظر و ما یدلو اتبدیل ۱ ”یعنی خدا آپ پر حمت نازل کرے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وعدے پر خوش ہیں اور ان میں سے بعض منتظر ہیں جو کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں پارہے۔“

جناب حبیب بن مظاہر نزدیک آئے اور ان سے فرمایا:

عز علی مصرعک یا مسلم ابشر بالجنة ”میرے لیے دشوار ہیں کہ میں تمہیں اس حال میں زمین پر گرا دیکھوں (مگر) اے مسلم تمہیں جنت مبارک ہو!

جناب مسلم بن عوجہ نے نجیف آواز میں کہا: خدا تمہیں بھی خیر کی خبر سنائے۔

جناب حبیب نے فرمایا: اگر مجھے علم نہ ہوتا کہ بہت جلد تم سے ملحق ہونے والا ہو تو ضرور کہتا کہ وصیت کرو تا کہ میں ان پر عمل کروں۔

جناب مسلم نے فرمایا: اے حبیب میں تمہیں اس شخص (حسین بن علی) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ (انہیں تنہا نہ چھوڑنا) اپنی جان قربان کر دینا۔

جناب حبیب نے فرمایا: افعل و رب الکعبہ ”رب کعبہ کی قسم ایسا ہی کروں گا۔“

اور عمر بن سعد کے لشکریوں نے شور مچایا، ہم نے مسلم کو مار ڈالا۔

شبث بن ربعی نے انتہائی ناراضگی سے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا: تمہاری مائیں عزاداری کریں مجھے افسوس ہے مسلم بن عوجہ جیسا آدمی مارا جائے اور تم خوش منارہے ہو؟ اس نے اسلام کی راہ میں فتح آذر بائجان کے موقع پر ایسی تلواریں چلائی ہیں کہ چھ مشرکوں کو یک دم ہلاک کیا۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

السَّلَامُ عَلٰی مُسْلِمِ بْنِ عَوْسَجَةَ الْأَسَدِيِّ الْقَاتِلِ لِلْحُسَيْنِ وَإِذْنَ لَهُ فِي الْأَنْصَرَفِ: أَنْخَنَ نَخْلِي عَنْكَ وَبِمَ نَعْتَذِرُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ آدَاءِ حَقِّكَ لَا وَاللَّهِ، حَتَّى أَكْسَرَفِي صَدْرَهُمْ رُمَحِي هَذَا، وَأَضْرِبُهُمْ بِسَيْفِي مَائِبَتْ قَائِمَهُ فِي يَدِي، وَلَا أَفَارِقُكَ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مَعِيَ سِلَاحٌ أَقَاتِلُهُمْ بِهِ لَقَذَفْتُهُمْ بِالْحِجَارَةِ وَ لَمْ أَفَارِقُكَ حَتَّى أَمُوتَ مَعَكَ، وَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ شَرَى نَفْسَهُ بِوَأَوَّلَ شَهِيدٍ شَهِدَ اللَّهُ وَقَضَى نَحْبَهُ فَفُتِرَتْ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ، شَكَرَ اللَّهُ اسْتِقْدَامَكَ وَمَوَاسَاتِكَ

زیارت ناحیہ سے استفادہ ہوتا ہے، مسلم بن عوجہ اصحاب امام حسینؑ میں سے پہلے شہید ہیں اور ان کیلئے لکھا ہے، عظیم اور شریف النفس شخصیات میں سے تھے، وہ راتوں کو عبادت میں گزارتے اور کثرت سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے، کوفہ کی شجاع افراد میں سے تھے، جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد پر ان کے ساتھی اور مالیات واسلحہ کے وکیل تھے اور جناب حبیب بن مظاہر کے ہم قبیلہ تھے۔

بعض مقاتل سے ظاہر ہوتا ہے جب حبیب بن مظاہر کو معلوم ہوا امام حسینؑ کربلا آچکے ہیں تو وہ نصرت کی غرض سے اپنے گھر سے باہر آئے تو ایک پنساری کی دکان پر مسلم بن عوجہ کو دیکھا تو جناب حبیب نے دریافت کیا:

اے مسلم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کہا: مہندی خرید رہا ہوں تاکہ اس کا خضاب کروں!

حبیب نے کہا: کیا نہیں جانتے ہو امام حسینؑ کربلا میں وارد ہو چکے ہیں جلد کرو تاکہ خود کو ان تک پہنچائیں اور ان کی مدد کریں۔

مسلم نے دیر نہیں کی اور باحبیب کے ساتھ کربلا کی سمت حرکت کیا اور خود کو امام حسینؑ تک پہنچایا۔

شہادتِ عبداللہ بن عمیر کلبی

اس واقعہ کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اپنے لشکر کے ہمراہ امام حسینؑ کے میسرہ پر حملہ کیا، مگر امام کے صحاب نے خوب جواب دیا یہاں تک کہ انھیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا البتہ اس معرکہ میں عبداللہ بن عمیر کلبی کا جو دشمن سے انتہائی جرات کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے اور ان کے انیس سوار اور بارہ پیادہ افراد کو اصل جہنم کر چکے تھے ہانی بن شبث ربعی حضرمی سے مقابلہ ہوا۔ اس نے عبداللہ کلبی کا دائیں بازو قلم

کر دیا اور بکمر بن حی نامی ایک دشمنی نے ان کا پیر کاٹ دیا اور اس طرح اس مجبور انسان کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

ان کی زوجہ ام وہب اس منظر کو دیکھ کر جنازے پر پہنچیں اور اپنے شوہر کا خون صاف کرتے ہوئے فرمایا:
 هَيْبَا لَكَ الْجَنَّةُ اَسْمَلُ اللّٰهُ الَّذِي رَزَقَكَ الْجَنَّةَ اِنْ يَصْحَبْنِي مَعَكَ ”تمہیں بہشت مبارک ہو
 میں اس خدا سے سوال کرتی ہوں جس نے تمہیں جنت عطا کی کہ مجھے بھی تمہارے ساتھ ملحق
 کر دے۔“

شمر بن ذی الجوشن نے جو اس ماجرا کو دیکھ رہا تھا اپنے غلام رستم سے کہا: جا اور اس (عورت) کے سر پر
 گرز ماراؤ اور اس ظالم نے شمر کی اطاعت میں اپنی پوری طاقت سے گرز مارا جس کی تاب نہ لا کر زوجہ
 اپنے شوہر کے نزدیک گری اور شہید ہو گئی۔ اس کے بعد عمر بن سعد کے سپاہیوں نے عبداللہ کلبی کا سر تن
 سے جدا کر کے خیام امام حسین کی جانب پھینکا جہاں ابن عمیر کی والدہ نے خیمے سے نکل کر اپنے بچے کا
 سر زمین سے اٹھایا اور اس کا خون صاف کرنے لگیں پھر کچھ دیر خیمہ کی چوب سے سہارا لیا اور مقتل کی
 جانب روانہ ہوئیں، مگر حضرتؑ نے واپس بلا کر ان سے فرمایا: آپ پر خدا کا رحم و کرم نازل ہو گا آپ سے
 جہاد ساقط ہے۔ یہ سن کر دکھایاں نے واپس اونٹے ہوئے کہا: اللھم لا تقطع رجائی ”خداوند امیری
 امید کو نہ توڑنا۔“

امام نے فرمایا: خدا آپ کی امیدوں کو پورا کرے۔

شمر کی شرم آور حرکت

پھر شمر خیام امام حسین کی جانب روانہ ہوا اور نیزے سے حملہ کرتے ہوئے کہا:

آگ لگائی جائے تاکہ اس گھر کو جلا کر راکھ کر دوں۔ یہ سن کر خواتین کا صدائے گریہ بلند ہوا۔

امام نے شمر سے فرمایا: اے پسر ذی الجوشن! تو میرے گھر و خاندان کو جلائے کیلئے آگ طلب کر رہا ہے؟
 وہاں موجود شبث بن ربعی جو خود شمر کے ساتھیوں میں سے تھا اس بے شرمی پر بولا:

اے شمر! کیا تو اتنا پست فطرت انسان ہے کہ خواتین کو خوف زدہ کر رہا ہے؟ میں نے تو کبھی ایسی
 بات سنی ہے اور نہ ہی تجھ جیسا پست انسان دیکھا ہے!۔ شمر نے مجبوراً واپسی کا راستہ اختیار کیا۔

شہادت ابوالشعثاء

طبری اور دیگر اہل قلم کا بیان ہے:

ابوالشعثاء، جس کا نام یزید بن زیاد تھا، عمر بن سعد کے لشکر میں آیا تھا وہ تیر اندازی میں ایک خاص
 مہارت رکھتا تھا، لیکن ان سے جدا ہو کر لشکر امام میں شامل ہوا اور اپنی مہارت کا استعمال دوزانو بیٹھ کر اس

طرح دکھائی کہ اس ہدایت یافتہ انسان نے سوتیر عمر بن سعد کی جانب پھینکے، چنانچہ اس نے اپنے فن سے پانچ افراد کو واصل جہنم کیا اور امام حسین مسلسل اس کیلئے دعا فرما رہے تھے:

اللّٰهُمَّ سَدِّدْ مِيتَهُ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ "اے خدا تیر پھینکنے میں اسے اور طاقت عطا فرما اور اس کا اجر و ثواب جنت کی صورت میں عطا فرما۔"

اور جب اس مجاہد کے تیر ختم ہو گئے تو تلوار لے کر میدان میں گئے اور نو افراد، بلکہ ایک روایت کے مطابق انیس افراد کو فی النار کیا اور بالآخر جہاد کرتے کرتے جام شہادت نوش کیا۔ صاحب فرسان الہیاء نے ابو فراس کے قصیدے کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے، اس مجاہد نے دشمن کے چالیس افراد قتل کیے تب جا کر خود جام شہادت نوش کیا۔

ابو ثمامہ صیداوی کا نماز زیاد رکھنا

ابن اثیر اور دیگر صاحبان قلم نے لکھا ہے، ابو ثمامہ صیداوی نے جن کا اصلی نام عمرو بن عروتھا جو اصحاب امام حسینؑ میں سے تھے آسمان کو دیکھ کر احساس کیا کہ زوال کا وقت ہو گیا ہے، لہذا وقت نماز ہو چکا ہے چنانچہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

نَفْسِي لَكَ الْفِدَاءُ اَنْتَ اَرَى هَؤُلَاءِ قَدْ اقْتَرَبُوا مِنْكَ ، لَا وَاللّٰهِ لَا تُقْتَلُ حَتَّى أَقْتُلَ دُونَكَ وَأُحِبُّ اَنْ
أَلْقَى اللّٰهَ وَقَدْ صَلَّيْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ الَّتِي دَنَا قَتْلَهَا

"میری جان آپ پر قربان ہو! مولا میں دیکھ رہا ہوں یہ لوگ آپ سے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں، لیکن قسم بخدا جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، لیکن دل چاہتا ہے خدا کی ملاقات سے قبل جس نماز کا وقت آپ پہنچا ہے اسے ادا کروں۔"

امام نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر فرمایا:

ذَكَرْتُ الصَّلَاةَ جَعَلَكَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّينَ الذَّاكِرِينَ ، نَعَمْ هَذَا اَوَّلُ وَقْتِهَا "تم نے نماز کو یاد رکھا، خدا تمہیں نماز گزار (خدا کے) ذاکروں میں شمار کرے، ہاں یہ نماز کا اول وقت ہے۔"

پھر فرمایا: ان سے کہو کہ کچھ دیر جنگ روک دیں تاکہ ہم نماز ادا کریں! دشمن کی جانب سے حصین بن تیمیم کی آواز آئی! تمہاری نماز قبول نہیں۔

اس پر حبیب ابن مظاہر نے جواب دیا:

زَعَمْتَ اَنْهَا لَا تُقْبَلُ مِنْ آلِ الرِّسُولِ وَتَقْبَلُ مِنْكَ يَا حِمَارٌ "تیرے خیال میں خاندان رسول کی نماز قبول نہیں ہوگی مگر تجھ جیسے گدھے کی نماز قبول ہوگی؟"

شہادت حبیب بن مظاہر

حمین بن تیم نے یہ جواب سن کر حبیب بن مظاہر پر حملہ کیا۔ جناب حبیب نے اپنا دفاع کرتے ہوئے اس کے گھوڑے پر اور کیا، گھوڑے نے سوار کو زمین پر گرا دیا مگر حمین کے ساتھیوں نے اسکا ساتھ دیا اور اسے بچا کر لے گئے۔ جناب حبیب امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذن و غا طلب کیا اور وہ میدان میں جاتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

فارس هی جاء و حرب تسعر

اننی حبیب و ابی مظاهر

ونحن اعلیٰ حجة واقهر

وانتم عند العدید اکثر

”میرا نام حبیب اور میرے والد کا نام مظاہر ہے، میں جنگ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں گھوڑ سوار کرتا ہوں تم تعداد میں اگرچہ ہم سے زیادہ ہو مگر ہم برہان و حجت میں تم پر غالب ہیں۔“

مندرجہ روایت کے مطابق انھوں نے بہتر بد بختوں کو سوائے دوزخ روانہ کیا ۲۲ اس وقت بدیل بن مریم نامی ایک دشمن نے جناب حبیب پر حملہ کیا اور ان پر تلوار کا ایک سخت وار کیا اور بنی تیم کے ایک شخص نے پہلے کی مدد کرتے ہوئے جناب حبیب بن مظاہر پر ایک نیزہ مارا جس کے سبب وہ زمین پر گرے مگر ابھی تشنجل کراٹھنا چاہتے تھے کہ حمین بن تیم نے سر مبارک پر پوری طاقت سے تلوار ماری جس پر حبیب دوبارہ گرے ہی تھے کہ ایک تہمی نے سرتن اطہر سے جدا کر دیا۔ امام خبر شہادت سن کر انتہائی غمزدہ ہوئے اور فرمایا:

عند الله اَحْسِبْ نَفْسِي وَحُمَاةَ اصْحَابِي ”اپنا اور اپنے اصحاب کا اجر و ثواب خدا سے مانگتا ہوں۔“

بعض دیگر مقاتل میں ہے امام نے فرمایا:

”لله ذرک یا حبيب لقد كنت فاضلاً تختم القرآن في ليلة واحدة“ اے حبیب! خدا تم پر رحمت

نازل کرے تم کیسے صاحب فضیلت انسان ہو کہ ایک رات میں قرآن پورا کر لیتے تھے۔“ ۲۳

شہادت حر بن یزید ریاحی

جناب حبیب بن مظاہر کے بعد حر بن یزید ریاحی میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

اضرب فی اعناقکم بالسيف

اننی انا الخروماوی الضیف

اضربکم ولا اری من حیف

عن خیر من حل منی والخیف

”میں حر ہوں جو اپنے مہمان کی پناہ گاہ ہے جو اپنی تلوار سے تمہاری گردنوں کو اس کی حمایت میں اپنے حکم

دار سے مارے گا جو خود مجھ سے ہے اور مجھے اس کام میں کوئی خوف و ہراس نہیں۔“

حر بن یزید ریاحی سے یہ رجز بھی نقل ہوا ہے:

آلیت لاقتل اقلاً

اضربہم بالسيف ضرباً معضلاً

ولن اصاب اليوم الامقبلاً

لانا کلاً عنہم ولا معضلاً

لاحاجز اعنہم ولا مبتلاً

احمى الحسين المجاهد المؤمناً

”میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک کسی کو نہ مار لوں خود نہیں مروں گا اور اگر کوئی مجھ سے لڑنا چاہتا ہے تو میں تنہا لڑوں گا میں بے مثال ضربت ماروں گا، کیونکہ ان سے بالکل نہیں ڈرتا“ میں حسین کی حمایت کرتا ہوں جو عظیم المرتبت انسان ہے اور میں حسین کی حمایت میں کسی بھی رکاوٹ کو اہمیت نہیں دیتا۔“

زبیر بن قین پشت پناہی کرتے ہوئے ان کے ساتھ لڑ رہے تھے، چنانچہ اگر ان میں سے کوئی ایک گر جاتا تو دوسرا حملہ کر کے اس کی جان بچاتا۔ گویا یہ سلسلہ جہاد بہت دیر تک جاری رہا، یہاں تک کہ حرکا گھوڑا سردکان اور پیشانی کی جانب سے زخمی ہوا اس کی ٹھوڑھی سے خون بہہ رہا تھا، اس وقت حرنے معروف عرب شاعر عتسرہ کے اشعار پڑھنا شروع کیے:

والبانه حسنی تسربل بالدم

مازلت ارمیہم بغرة نحرہ

”میں ان سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک میرا گھوڑا خون میں تر نہ ہو جائے۔“

حصین بن تمیم اور یزید بن سفیان سے کہا: یہی وہ حربے جس کے قتل کی خواہش تیرے دل میں ہے ۲۲ جاوہر اب اسے مار دے۔ یزید نے گھوڑا دوڑایا، حُر کے سامنے جا کھڑا ہوا اور بولا: اے حُر کیا مجھ سے جنگ کرے گا؟ حُر نے کہا: ہاں اور یہ کہہ کر ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ حصین بن تمیم کہتا ہے گویا یزید بن سفیان کی جان حُر کے ہاتھ میں تھی جب چاہے لے لے مگر اس وقت ایوب بن مسرح نامی ایک شخص نے حُر کی طرف تیر مارا جو حُر کے گھوڑے کو لگا اور اپنے سوار کو زمین پر گرادیا، لیکن حُر نے ہمت نہ ہاری اور تلوار ہاتھ میں لیے شیر کی مانند کبھی اُدھر اور کبھی اُدھر حملہ کرتا رہا یہاں تک کہ ابن شہر آشوب کے مطابق دشمن کے چالیس سے زیادہ افراد زمین پر گرائے تب عمر بن سعد کے پیادہ سپاہیوں نے تل کران پر حملہ کیا اس طرح زخموں سے چوریہ مجاہد زمین پر گرا۔ اصحاب امام حسین حُر کو اٹھا کر اس مخصوص خیمے میں لائے جہاں جنازے لائے جا رہے تھے۔ امام حُر کے زخمی بدن پر جس میں ابھی جان باقی تھی تشریف لائے اور اپنے مبارک اور شفیق ہاتھوں سے پیشانی کا خون صاف کرتے ہوئے فرمایا:

أنت الحر كما ستمتک أمک، وأنت الحر فی الدنیا والآخرة

”تیری ماں نے تیرا نام حُر صحیح رکھا ہے، اے حُر! تو دنیا و آخرت میں حُر و آزاد ہے۔“

بعض دوسری تاریخوں میں مندرجہ ذیل مرثیہ امام سے نقل ہوا ہے:

صبور عند مشتبک الرماح

لنعم الحُرُّ حُرُّ بنی رباح

وجاد بنفسه عند الصباح

ونعم الحُرُّ إذا سوا حسیناً

”کتنا عظیم ہے یہ خُرجِ قبیلہ یعنی ریا ح کار ہننے والا ہے جو نیزے کھا کر بھی خود را اور تحمل کرنے والا ہے اور کتنا عظیم ہے خُرج کہ جب حسینؑ پر جانِ فدا کر رہا تھا تو سخاوتِ مندانہ انداز میں وقتِ صبح جانسپئی۔“ ۲۵ جبکہ بعض اہل قلم نے ان اشعار کی نسبت امام کے بعض اصحاب یا امام سجادؑ کی جانب دی ہے۔ واللہ اعلم بقیہ داستان اور نماز کی ادائیگی

جیسا کہ ذکر ہوا اس ہنگام جنگ میں حضرت کے دو اصحاب جناب حبیب بن مظاہر اور جناب خُرج بن یزید ریا ح دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، لیکن امام نے اپنے باقی اصحاب کے ہمراہ نماز (خوف کی صورت میں نماز) ادا کی چنانچہ اہل تاریخ کا بیان ہے زہیر بن قین اور سعد بن عبد اللہ حنفی دفاع کی خاطر حضرت کے آگے کھڑے ہوئے البتہ بعض اہل تاریخ کا بیان ہے امام نے یہ نماز فراویٰ اور اشاروں سے ادا کی۔ ۲۶ بہر حال اہل قلم اور اصحاب امام کی سپر بنا رکھا تھا تا کہ وہ لوگ نماز ادا کر سکیں، لیکن جب زخموں سے چور اور بدن تیروں سے چھلنی ہو گیا تو تحمل کی انتہا پر مزید کھڑے نہ رہ سکے اور زمین پر یہ کہتے ہوئے گر گئے:

اللھم العنھم لعن عاد و ثمود، و ابلغ نیک منی السلام، و ابلغه مالقیت من الم الجراح، فانی اردت بذلک ثوابک فی نصرۃ ذریۃ نَبیک صلی اللہ علیہ و آلہ

”اے خدا! تو انھیں قوم عاد و ثمود کی طرح اپنی رحمت سے دور کر دے اور اپنے نبی پر میری جانب سے درود بھیج اور یہ درود ختم جو مجھے نصیب ہوئے ہیں انھیں پیغمبرؐ تک پہنچا دے، کیونکہ اس کام سے میرا ہدف فرزند رسولؐ کی نصرت کرنا تھا اور اپنا رخ امام حسینؑ کی جانب موڑ کر کہا:

لو فیت یا بن رسول اللہ؟ کیا میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا؟

امام نے فرمایا: نعم انت امامی فی الجنة ”تم نے وعدہ وفا کر دکھایا اور تم جنت کیلئے مجھ سے آگے ہو۔“

اس کے بعد ان کی روح بدن سے پرواز کر گئی اور وقت ان کے بدن پر تیرہ تیروں کا مشاہدہ کیا گیا، لیکن یہ تیر ان ضربتوں کے علاوہ تھے جو اس واقعے سے پہلے ان کے بدن پر وارد ہو چکے تھے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بر کاتہ و علی من استشهد معہ

تیر اندازوں کو حکم ابن سعد

یہاں پر لکھتے ہیں:

عمر بن سعد نے اپنے تیر اندازوں کو بلا کر حکم دیا، لشکر امام حسینؑ پر حملہ کریں لیکن لشکر یزید کے گھوڑے (لشکر امام کی جانب سے دکھائے جانے والے) نیزوں کو دیکھ کر بے قابو ہو جاتے اور اس طرح لشکر یزید شکست خوردہ واپس لوٹ جاتا تھا مگر فقط ضحاک بن عبد اللہ شرقی اور اس کا گھوڑا تھا جو باقی بچے، چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

جب ہمارے گھوڑے میدان سے بھاگ جاتے تھے تو میں نے بھی اپنا گھوڑا اپنے ایک دوست کے خیمے میں لا کر باندھ دیا۔ ۱۲ اور یہیں سے معرکہ کربلا اپنے سخت و دشوار موڑ پر پہنچا اور اب جو بھی میدان میں جاتا امام سے وداع ہو کر جاتا تھا (گویا وہ موت کو دیکھ رہا ہوتا تھا) اور میدان میں جاتے وقت ہر مجاہد کا یہ جملہ ہوا کرتا تھا:

السلام علیک یا بن رسول اللہ

اور حضرت بھی انھیں رخصت کرتے وقت فرماتے: علیک السلام

اور فرماتے تھے: ونحن خلفک ”ہم بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں“

اور یہ آیت شریفہ تلاوت فرماتے:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا الْبَدِيلَ﴾

شہادت ابو ثمامہ صیداوی

ابو ثمامہ صیداوی جن کا نام و تذکرہ گزشتہ صفحہ پر گزر چکا ہے یہ وہی شخصیت ہے جو جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد پر ان کیلئے اسلحہ اور حربی اوزار و آلات کی خوب شناخت رکھتے تھے ۱۸ اور جب جناب مسلم نے قیام فرمایا تو انکے بڑے لشکر کی سپہ سالاری انکے سپرد تھی اور جس رات جناب مسلم نے خود کو پنہاں کیا تو یہ بھی اسی رات اپنے قبیلے میں پنہاں تھے اور شہادت جناب مسلم کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے بہت تلاش کیا مگر ابو ثمامہ نافع بن ہلال کے ہمراہ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے امام حسینؑ سے جا ملے اور اپنی شہادت تک امام حسینؑ کی خدمت میں وفادار رہے۔

تاریخ نویسان کہتے ہیں:

ابو ثمامہ نماز پوری کرنے کے بعد میدان میں آئے اور کچھ اشعار سے دشمنان خدا اور رسول خدا سے جنگ کا آغاز کیا۔ بہر حال بہت دیر کے بعد ابو ثمامہ کے چچا زاد نے جو عمر بن سعد کے لشکر میں تھا اور ان سے دشمنی رکھتا تھا حملہ کیا جس کے نتیجے میں ابو ثمامہ شہید ہوئے۔

شہادت زبیر بن قین و ابن مضارب

سلمان بن مضارب جو زبیر بن قین کے چچا زاد بھائی تھے، لشکر امام سے باہر آئے اور جنگ کرتے ہوئے

۱۸ شیخ مفید جناب مسلم بن عقیل کی آمد پر کوفہ کے حالات لکھتے ہیں: جب معقل جناب مسلم کے پاس آیا:

وأمر ابی ثمامة الصائدی بقب المال منه ، وهو الذی كان یقتض اموالهم ومایعین به بعضهم بعضاً ، ویشتري لهم السلاح ، وکابصیراً وفارساً من فوسان العرب ووجوه الشیعة ابو ثمامہ کو جناب مسلم نے دستور دیا کہ اس سے مال لے لیں کیونکہ یہ (ابو ثمامہ) اموال کی جمع آوری اور موثقیں میں اس کی تقسیم کی ذمہ داری رکھتے تھے اور اس مال سے اسلحہ خریدتے تھے کیونکہ وہ عربوں اور شیعیہ شخصیات میں ان مسائل میں مہارت رکھتے تھے۔

شہید ہو گئے اور ان کے بعد خود ہیر بن قین بجلی ۲۹ جہاد کیلئے آمادہ ہوئے۔
محدث ثنی اپنی کتاب نفس المہموں میں حظلہ بن اسعد شامی یا کثیر بن عبد اللہ شعی سے جو خود ہیر بن قین کا قاتل تھا نقل کرتے ہیں:

زہیر بن قین روز عاشورام دراز اور گھنے بالوں والے گھوڑے پر سوار اسلحہ سے لیس میدان میں آئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

يا اهل الكوفة نذار لكم من عذاب الله نذار، ان حقا على المسلم نصيحة اخيه المسلم، ونحن الآن اخوة على دين واحلولة واحدة ما لم يقع بيننا وبينكم السيف، وانتم للنصيحة منا اهل، فاذا وقع السيف انقطعت العصمة، وكنانهم امة وانتم امة، ان الله قد ابتلانا وانا اياكم بذرتي بيه صلى الله عليه وآله ولينظر ماتحن وانتم عاملون، انا ندعوكم الى نصرهم وخذلان الطاغية عبيد الله بن زياد فانكم لا تدركون منهم الا سوء ايسملان اعينكم، ويقطعان ايديكم وارجلكم، ويمثلان بكم ويرفعانكم على جنوع النخل ويقتلان امثالكم وقرائكم امثال حنجر بن عدى واصحابه يوهاني بن عروة واشباهه

”اے لوگو! میں تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا ہوں، کیونکہ بے شک ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق نصیحت و خیر خواہی کرنا ہے اور ہم اب تک ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور جب تک تلواریں نہ جلیں ہم ایک دین اور ایک آئین کے ماننے والے ہیں اور (اسی طرح) تم بھی خیر خواہی کی صلاحیت رکھتے، لیکن جوں ہی ہمارے درمیان تلواروں کا استعمال ہوا اس وقت ہم اور تم دو مختلف امتوں سے ہوں گے، تحقیق خدا نے تمہارا اور ہمارا امتحان فرزند رسولؐ کے ذریعے لیا ہے، تاکہ وہ (خدا) دیکھے ہم اور تم اس مسئلے میں کیا کرتے ہیں، ہم تمہیں حضرتؐ کی نصرت اور تجاوز گراں تجاوز گری یعنی عید اللہ بن زیاد کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں، کیونکہ اس کے ساتھ رہنے میں سوائے برائی کے تمہیں اور کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، یہ تمہاری آنکھیں نکال دیں گے اور ہاتھ پیر دکاٹ کر تمہاری مٹیوں کی حرمت پامال کریں گے، درختوں کی شاخوں پر تمہارے جنازے آویزاں کریں گے اور حجر بن عدی کی طرح تمہارے بزرگوں اور قاریان قرآن کو مار دیں گے۔“

شکر یزید نے یہ خطاب سن کر زہیر بن قین کیلئے نامناسب الفاظ استعمال کیے اور ابن زیاد کی تعریف کی اور جواباً کہا:

قسم بخدا ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں یا پھر انھیں ابن زیاد کے حوالے نہ کر دیں۔
زہیر بن قین نے دوبارہ خطاب فرمایا:

یاعباد اللہ انّ ولد فاطمة علیہا السلام اُحقّ بالوذو النرمن ابن سمیة فان لم تنصروہم فاعیدکم باللہ ان تقتلوہم، خلو ابن ہذا الرجل و بین ابن عمہ یزید بن معاویہ فلعمری ان ینزید لیرضی عن طاعتکم بلون قتل الحسین ”اے بندگان خدا! اس میں کوئی شک نہیں فاطمہ زہراء کے بیٹا سمیہ کے بیٹے سے کہیں زیادہ مدد و نصرت کا لائق ہے اور اگر ان کی مدد نہیں کرتے تو انھیں قتل کرنے سے خدا کی پناہ مانگو، یزید اور حسین دونوں قریش میں سے ہیں انھیں ان کے حل پر چھوڑ دو، مجھے اپنی جان کی قسم حسین کے قتل نہ ہونے میں یزید تمہاری فرمانبرداری سے زیادہ خوش ہوگا۔“

اس وقت شمر نے زہیر بن قین کی جانب یہ کہہ کر تیر بھینکا: اپنی آواز بند کر، تیرا زیادہ بولنا ہمیں تھکا رہا ہے۔

زہیر نے فرمایا:

یا بن البوارل علی عقیہ ما یناک اُخطب اُتعلّفت بصیمة عوالہ ما اظنک تعلم من کتاب اللہ آیتین فابشر بالخزی یوم القیامة والعذاب الالیم ”اے ایڑی پر پیشاب کرنے والے کے فرزند! اس میں نے تجھے کب مخاطب کیا تھا تو چار پائے جانوروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا (کیونکہ) خدا کی قسم تو قرآن کی دوا آیات کا بھی علم نہیں رکھتا۔“

جب شمر کو منہ توڑ جواب ملا اور اسکے پاس بولنے کو کچھ نہ رہا تو (غصے کی حالت میں بولا) تجھے اور تیرے آقا کو ابھی مارتے ہیں! زہیر نے فرمایا:

اُف للموت تخوفنی، ہو اللہ للموت معہ احبّ الیّ من الخلد ”کیا مجھے موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم میرے نزدیک اس ہستی کے ساتھ مرنا تمہارے ساتھ زندگی جاوید گزارنے سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔“

پھر دوبارہ اہل کوفہ سے فرمایا:

یاعباد اللہ لا یغرنکم هذا الجلف الجافی واشباہہ، ہو اللہ لاتنال شفاعة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ قوماً اُھرقوا دماء ذریتہ و اھل بیتہ و اُقتلو من نصرہم و ذبّ عن حریمہم ”اے بندگان خدا! یہ اور اس جیسے بد اخلاق اور پست افراد کہیں تمہیں دھوکہ نہ دیں کیونکہ قسم بخدا رسول اللہ کی شفاعت اس شخص کو ہرگز نصیب نہیں ہوگی جو ان کی اولاد اور اولاد کے مددگاروں کو قتل کرے۔“

اس وقت اصحاب امام حسینؑ میں سے کسی نے آواز دی اے زہیر! امام حسینؑ فرماتے ہیں واپس آ جائیں کیونکہ مجھے اپنی جان کی قسم جس طرح مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور دعوت حق انھیں ابلاغ کیا تم نے بھی وہی کام کیا (البتہ) اگر انھیں اس سے کوئی فائدہ پہنچنے والا ہو؟ ۳۲

بلا آخر زہیر نے میدان میں جاتے وقت امام کے دوش مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

فالیوم تلقی جَدَّک النبی
وذا الجناحین الفنی الکمی

اقدم ہدیت ہادیاً مہدیاً
وحسنًا والمرتضی علیاً

واسد اللہ الشہید الحیا

”اے حسین! بدھو آج تم اپنے جد نبی کریم سے ملاقات کرو گے، حسن و علی اور جعفر طیار و حمزہ سے ملاقات کرو گے۔“

امام نے بھی ان سے فرمایا:

وانا القاهم علی اشکر ”میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے ان کے دیدار کو آ رہا ہوں۔“

اس کے بعد زہیر نے حملہ کیا اور جنگ سخت ہونے لگی تو یہ رجز پڑھا:

اذودکم بالسیف عن حسین

انا زہیروانا بن القین

من عترة البرّ النقی الزّین

انی حسیناً احد السبطین

اضربکم ولا یری من شین

ذاک رسول اللہ غیر المین

”میں زہیر بن قین ہوں جو اپنی تلوار سے تمہیں حسینؑ سے دور کرے گا حسینؑ نبیؐ کی اولاد میں سے ہے، وہ

عظیم المرتبت رسولؐ جو بہترین انسان تھے کی اولاد ہے، میں تمہیں ایسے ماروں گا کہ پھر زخم دیکھنے کی مہلت

بھی نہ ملے گی۔“

ابن شہر آشوب کی مناقب کے مطابق، جناب زہیر بن قین نے ایک سو بیس افراد کو واصل جہنم کیا تب

کثیر بن عبد اللہ شعی اور مہاجر بن اوس نے مل کر حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا۔

امام حسینؑ ان کی بالین پر آئے اور فرمایا:

لا یعدنک اللہ یازہیرو لعن قاتلیک لعن الذین مسخو القردة وخنزیر ”خدا تمہیں اپنی رحمت

سے دور نہ رکھے اور تمہارے قاتلوں پر ان کی طرح لعنت کرے جو بندروں اور خنزیروں کی طرح

مسخ ہوئے۔“

شہادت عمرو بن قرظہ انصاری

عمرو بن قرظہ انصاری وہی شخصیت ہے جو امام حسینؑ کی جانب سے عمرو بن سعد تک پیغام رسانی کا کام انجام

دے رہے تھے اور ان کے والد گرامی قرظہ انصاری رسول اللہؐ کے اصحاب میں سے تھے جو جنگ احد اور

دیگر بہت سی جنگوں میں شریک رہے اور رحلت پیغمبرؐ کے بعد جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت علیؑ

کی رکاب میں جنگ کرتے رہے اور نہ فقط یہ بلکہ بقول نصر بن مزاحم جنگ صفین میں پرچم انصار انہی کے

ہاتھوں میں تھا۔ قرظہ انصاری کے دو فرزند تھے ایک عمرو جو امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے اور دوسرا علی جو عمر

بن سعد کے ہمراہ تھا یہ اپنے بھائی عمرو کی شہادت کے بعد لشکر دشمن سے باہر آیا اور امام حسینؑ کی شان

میں جسارت کرنے لگا جس پر نافع بن ہلال نے اسے نیزہ مارا جس کی زد میں آکر وہ زمین پر گر اگرا سکا ساتھ اسے بچا کر لے گیا۔

عمرو بن قرقظہ ان افراد میں سے تھے جو مسلسل امام کی حفاظت کے کام انجام دے رہے تھے، یہ مجاہد امام حسینؑ کی جانب آنے والے ہر تیر کو اپنے بدن پر لے لیتا تھا مگر جب زخم زیادہ ہو گئے تو امام کی جانب رخ کر کے فرمایا: اوفیت ہا میں رسول اللہ ”اے فرزند رسول! کیا میں جا شاری کی شرط پر پورا اترتا ہوں؟“ حضرت نے فرمایا:

نعم انت امامی فی الجنة فاقر رسول اللہ منی السلام واعلمہ انی فی الامر ”ہاں بلکہ تمہاری وفاداری کی علامت یہ ہے کہ جنت کیلئے مجھ سے آگے جا رہے ہو، رسول اللہ کو میرا سلام کہنا اور کہنا حسینؑ بھی آ رہے ہیں۔“

بعض مقاتل میں ہے عمرو زخمی کی تاب نہ لا کر زمین پر گرے اور شہید ہو گئے، جبکہ بعض دیگر مقاتل میں ہے کہ انھوں نے یہ رجز پڑھتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا:

قد علمت کتية الانصار

انتی ساحمی هوزة النمار

ضرب غلام غیر نکس شار

دون حسین مہجتی وداری

”گروہ انصار جانتے ہیں میں ناموس حسینؑ کا محافظ ہوں میرا مارنا اس جون کا سا ہے جو ٹھہر کر لڑتا ہے میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں میں اور میرا گھرانہ حسینؑ پر فدا ہے۔“

اور ایک بڑی تعداد کو ہلاک کیا اور زخمی حالت میں زمین سیر کر کے شہید ہو گئے۔

شہادت نافع بن ہلال جملی

نافع بن ہلال کے بارے میں جیسا کہ ان کی زندگی نامے میں آیا ہے ایک دلاور، شجاع، صاحب عظمت ہونے کے علاوہ اپنے قبیلے کے رئیس تھے۔ آپ مقام عذیب البجانات پر امام حسینؑ سے ملحق ہوئے اور کچھ روایات میں من جملہ روایت طبری میں ہے جب امام اور آپ کے اصحاب پر پانی بند کر دیا گیا تو جناب ابوالفضل العباسؑ کے ہمراہ فرات پر جانے والے میں مجاہدوں میں ایک نافع بن ہلال تھے جنھوں نے اس ماجرا میں انتہائی مشقت کا سامنا کیا۔ ۳۳

اسی طرح کہا جاتا ہے انتہائی خوبصورت جوان اور اچھے بدن کے مالک انسان تھے اور تیر اندازی میں خاص مہارت رکھتے تھے انھوں نے چند تیر مسموم کر رکھے تھے اور ان پر اپنا نام لکھ رکھا تھا اور انھیں دشمن کی جانب پھینکتے وقت یہ اشعار پڑھتے تھے:

مسمومة تجری بها اخفاها

ارمی بها معلما فراقها

والنفس لا یبغھا اشفاقھا

لیملان ارضہا رشا قھا

”میں وہ تیر مارتا ہوں جو ہر آلودہ و جس سے کشتوں کے پتے لگ جاتے ہیں اور ایسے میں میرا نفس رحم نہیں کھاتا۔“

انہی تیروں سے بارہ دشمنانِ خدا کو فی النار کیا اور بہت سے دشمنوں کو زخمی کیا اور جب تیر ختم ہو گئے تو تلوار نکال کر دشمن پر حملہ کیا، چنانچہ بہت سے لوگ ہلاک کیے اس وقت نافع بن ہلال سے چند رجز نقل ہوئے ہیں من جملہ:

دینی علی دین حسین وعلی

انا الغلام الیمینی الجملی

ویختم اللہ بخیر علی

اضربکم ضرب غلام بطل

فذاک رأیہ والاقی عملی

اناقبل الیوم فھذا علی

”میں وہ یمینی جوان ہوں جس کا دین حسین و علی کا دین ہے، میری ضربت شجاع جوانوں کی ہے اور میرے کام کا انجام اچھا ہوتا ہے، چنانچہ آج تمہیں مار ڈالا تو یہی میری تمنا ہے اور اس عمل سے اپنے کردار کی عکاسی کروں گا۔“

لشکر عمر بن سعد نے نافع بن ہلال کا احاطہ کیا اور سب نے مل کر پتھروں اور تیروں سے ان پر حملہ کیا، چنانچہ ان کا ایک بازو شہید ہوا اور انھیں اسیر بنالیا گیا، شمر انھیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عمر بن سعد کی خدمت میں لے گیا۔ عمر بن سعد نے انھیں دیکھ کر کہا: تجھے کس چیز نے اپنی یہ حالت بنانے پر مجبور کیا؟

نافع نے جواب دیا: اِن رَجُلٍ یَعْلَمُ مَا رَدَّتْ ”میرا رب بہتر جانتا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“

اس وقت ایک شخص نے نافع بن ہلال کے سر و صورت سے خون بہتا دیکھ کر کہا: اپنا حال دیکھ رہے ہو؟ نافع نے کہا: میں اپنے آپ کو سرزنش نہیں کروں گا اور اگر میرا ہاتھ نہ توڑا ہوتا تو کسی میں جرأت نہ تھی کہ وہ مجھے اسیر بناتا۔

اس وقت شمر نے عمر بن سعد سے کہا: اسے قتل کر دیا جائے،

ابن سعد نے کہا: اسے تو لایا ہے اگر چاہتا ہے تو مار دے۔

شمر نے مارنے کی غرض سے تلوار اٹھائی تو نافع نے کہا:

یا شمر لو کنت من المسلمین لعظم علیک ان تلقی اللہ بدمعنا فالحمد للہ الذی جعل منایا ناعلی یدی شرار خلقہ ”اے شمر! اگر تو مسلمان ہوتا تو یقیناً تیرے لیے گراں ہوتا کہ ہمارے خون سے رنگیں ہاتھ خدا کے پاس لے کر جاتا۔ خدا کا سپاس گزار ہوں کہ اس نے اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں ہماری موت لکھی ہے۔“

شہادتِ غلامِ ترکی

روایات و مقاتل میں آیا ہے:

ایک ترکی غلام نے روز عاشور ستر افراد کو واصلِ جہنم کیا اور بلا خراشہائی شجاعت دکھاتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اس غلام کا نام اور خصوصیات میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض نے ”واضح“ اور بعض نے ”اسلم“ کے نام سے انھیں یاد کیا ہے، جبکہ مناقب ابنِ شہر آشوب نے کچھ روایات سے استناد کرتے ہوئے انھیں حرب بن یزید ریاچی کا غلام جانا ہے، جبکہ بعض دیگر روایات میں ہے کہ وہ حارث بن مذحج کے غلام تھے، اسی طرح بحار الانوار اور مقتلِ خوارزمی نے انھیں امام حسینؑ کا غلام لکھا ہے اور ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ قاری قرآن تھے اور جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھ رہے تھے:

والجو من سہمی ونلی یمتلی

البحر من طعنی و ضربی یصطلی

ینشق قلب الحاسد المبجل

اذا حسامی فی یمینی یتجلی

”دریا میرے نیزے اور تلوار کی مار سے جریان پاتے ہیں اور میرے تیر سے ہوا چلتی ہے اور اگر میری تلوار میرے سیدھے ہاتھ میں نظر آ جائے تو پھر (دشمن کی) خیر نہیں وہ حاسدوں کا دل جلا کر رکھ کر دیتی ہے۔“

بہر حال ستر افراد کو مار کر زمین پر گرے اور امام کو پکارا، امام ان کے سرھانے تشریف لائے اور اپنا رخساران کے رخسار پر رکھا تو غلام نے آنکھیں کھول کر کہا:

مَنْ مِثْلِي وَابْنِ رَسُولِ اللَّهِ وَاضِعَ خَدَّهِ عَلَى خَدِّي

ہے (میرے) رخسار پر فرزند رسول اللہؐ نے رخسار رکھا ہے۔“

پھر معمولی سی مسکراہٹ دکھا کر اپنی جان بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دی۔

شہادتِ بریر بن خنیر

حضرت بریر بن خنیر ہمدانی امام حسینؑ کے اصحاب خاص، مشایخ تابعین، قاریانِ قرآن اور اصحابِ حضرت علیؑ میں سے تھے حتیٰ انھیں سید القراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور جب حرب بن یزید ریاچی نے امام حسینؑ کا راستہ روکا تو اس وقت امام نے خطاب فرمایا تو یہی بریر تھے جنھوں نے کہا:

وَاللّٰهُ يَا بَنِيَّ رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ بَكَ عَلَيْنَا، اِنْ نَقَاتِلَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَتَقَطَّعَ فِیْكَ اَعْضَاءُ نَاتَمَّ

یکون جَدَّکَ شَفِیعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ”اے فرزند رسول! خدا نے آپؑ پر احسان کیا کہ ہم آپؑ کی

رکاب میں جہاد کریں اور ہمارے اعضاء و جوارح آپؑ کی راہ میں کائے جائیں اور آپؑ کے

جد قیامت میں ہماری شفاعت کریں۔“

طبری ابی مخنف سے اور وہ عبدالرحمن بن عبد ربہ انصاری کے غلام سے ۳۴ھ (جو خود اصحاب و اعموان امام حسین میں سے تھے اور پہلے یاد مرے حملے میں شہید ہوئے۔) نقل کرتے ہیں:

”امام حسینؑ نے دستور دیا کہ ایک جگہ پردہ لگایا جائے جس میں نورہ کا ایک ظرف تظافت کیلئے رکھا جائے اور اس میں مشک کو مخلوط کیا جائے چنانچہ پہلے خود امامؑ اس پردہ میں گئے اور اس وقت عبد الرحمن اور بریر باہر کھڑے تھے، تاکہ امام کے ان دونوں میں سے کوئی پردہ کیا اندر جائے لہذا جوں ہی امام باہر تشریف لائے تو یہ دونوں ایک دوسرے پر مقدم ہونے کیلئے آگے بڑھے تو دونوں کے شانے ٹکرائے یعنی بریر عبدالرحمن سے مزاح کر رہے تھے تو عبدالرحمن نے کہا: دَعَاكَ اللهُ مَا هَذِهِ بِسَاعَةِ بَاطِلٍ اے بریر! چھو رو یہ وقت مزاح کا نہیں۔“

بریر نے جواب دیا:

وَالله لَقَدْ عَلِمْتُ قَوْمِي اَنِّي مَا اخْبَيْتُ الْبَاطِلَ شَيْئًا وَلَا كُفَّهْلًا وَلَكِنَّ وَاللهِ اَنِّي لَمُسْتَشِيرٌ بِمَا نَحْنُ لَا قُوَّةَ وَاللهِ اَنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْحُورِ الْعِينِ اِلَّا اَنْ يَمِيلَ هَؤُلَاءِ وَلَوْ ذُذْتُ اَنَّهُمْ قَدْ مَالُوا عَلَيْنَا بِأَسْيَافِهِمْ

”خدا کی قسم میری قوم کو انہی دے گی کہ میں نہ تو جوانی میں خضولیات کا قائل تھا اور نہ ہی پیری میں لیکن خدا کی قسم مجھے اس وقت جو چیز نظر آرہی ہے اس پر اتنا خوش ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ قسم بخدا ہمارے اور ہورالعین کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ یہ لوگ تلور سے ہم پر حملہ کریں اور بس جبکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اس وقت ہم پر حملہ کر دیں۔“ ۳۵

اگر اس حدیث کو معتبر مانا جائے تو مندرجہ ذیل چند مطلب سمجھ میں آتے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس شب خیموں میں اتنا پانی موجود تھا کہ جس سے تنویر و تعظیف عمل میں آسکے۔

۲۔ اس حدیث میں نظافت بدن کی اہمیت بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔

۳۔ اصحاب امامؑ میں شہادت پر ایمان اور اس کیلئے آمادگی اس حد تک تھی کہ بارگاہِ ایزدی میں جانے کیلئے تطہیر و تعظیف کر رہے تھے۔

هَيْبَةُ لَا رِبَابَ النِّعَمِ نَعِيمِهِمْ وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَنْجُوعُ

”اہل بہشت کو جو مسکین ہوتے ہوئے عشق کرتے ہیں بہشت مبارک ہو۔“

طبری ابی مخنف سے روایت کرتے ہیں:

یوسف بن یزید، عقیف بن زبیر سے جو خود کربلا میں موجود تھا حدیث نقل کرتا ہے:

یزید بن معقل جو لشکر عمر بن سعد میں تھا باہر آیا اور کہا: اے بریر! خدا کو اپنی نسبت کیسا پایا؟ بریر نے فرمایا:

صنع الله بي خيرا وضع بك شرّاً ”خدا نے میرے ساتھ تو خیر و خوبی کا سلوک رکھا مگر تیرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“

یزید بن معقل نے کہا: اگرچہ پہلے جھوٹ نہیں بولتے تھے، مگر اب جھوٹ بول رہے ہو کیا تمہیں یاد ہے، ہم ایک روز محلہ بنی سودان سے گزر رہے تھے، ہم نے کہا تھا کہ معاویہ گمراہی پر ہے اور علیؑ امام ہدایت ہے؟

بریر نے کہا: میری اب بھی یہی رائے ہے اور ابھی گواہی دیتا ہوں کو تو گمراہی پر ہے۔

بریر نے کہا: کیا مبالغے کیلئے تیار ہو، تا کہ خدا جھوٹے کو اپنی رحمت سے دور کر دے اور راہ باطل پر چلنے والوں کو ختم کر دے؟ یزید بن معقل نے قبول کیا۔

چنانچہ دونوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور خدا سے درخواست کی کہ جو جھوٹا ہے اس پر لعنت کرے، اسے مار دے اور اس کے بعد ایک دوسرے پر حملہ کیا دونوں کی ضربتیں رد و بدل ہوئیں، مگر یزید بن معقل کی ضربت خفیف تھی، لہذا بریر کو کوئی نقصان نہ پہنچا، لیکن بریر کی ضربت اتنی شدید تھی کہ یزید کے کلاہ کو کاٹی ہوئی اس کے آدھے سر (یعنی دماغ) تک اتر گئی۔

راوی حدیث (عفیف بن زہیر) کہتا ہے:

گویا اب بھی میری آنکھوں میں وہ منظر گھوم رہا ہے، جب بُریر نے جھکے سے تلوار نکالی اور فضاء میں گھما رہے تھے، رضی بن مُنقذ عبدی آگے بڑھا اور بریر پر حملہ آور دونوں سرنگے ایک دوسرے کے مقابل چکر لگا رہے تھے، بُریر نے اسے زمین پر گرایا اور سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے، رضی بن مُنقذ نے اپنے ساتھیوں کو مدد کیلئے پکارا چنانچہ اس کی مدد کیلئے کعب بن جابر آگے بڑھا تو میں (راوی) نے کہا:

هَذَا بَرِيرٌ يَحْضِرُ الْقَارِي الَّذِي كَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي الْمَسْجِدِ؟ ”یاد ہے یہ بریر بن خضیر ہیں جو ہمیں مسجد میں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔“

مگر کعب نے میری بات پر توجہ نہ دی اور نیزے کے ذریعے ان پر حملہ کیا، بُریر نے جوں ہی نیزے اپنی کمر میں محسوس کی تو فوراً خود کو زمین پر گرا دیا اور پھرتی سے دوبارہ اٹھا کر کعب کی ناک اپنے دانتوں سے پکڑ لی اور رضی بن مُنقذ زمین سے اٹھا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، مگر کعب بن جابر اور حضرت بُریر میں کچھ دیر جنگ کے بعد بلا آخر کعب نے اسی نیزے سے بُریر کو شہید کر دیا۔

یوسف بن یزید نے جب یہ روایت سنی تو عفیف سے کہا:

تُو نے خود یہ ماجرا دیکھا (اور بریر کے حق پر ہونے اور یزید کے جھوٹے ہونے کو خود مشاہدہ کیا؟)

عفیف نے کہا: نعم، رأی عینی و سمع اذنی: ”ہاں میرے آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا۔“ ۳۶

بقیہ داستان یہ ہے کہ کعب بن جابر جب لوٹ کر اپنے گھر گیا تو بیوی یا بہن نے کہا:

”اَعْنَتْ عَلٰی ابْنِ فَاطِمَةَ وَقَتَلْتَ سَيِّدَ الْقُرَاءِ لَقَدْ اَتَيْتَ عَظِيْمًا مِنَ الْاُمَرَاءِ لَا اُكَلِّمُكَ رَأْسِي كَلِمَةً اَبَدًا“
”تو نے فرزند زہراء کے دشمنوں کا ساتھ دیا اور قاری قرآن کو قتل کیا، بے شک تو گناہ عظیم کا مرتکب ہوا ہے، قسم بخدا آج کے بعد میں تجھ سے کلام نہیں کروں گی۔“

مگر کعب نے جواب کے طور پر چند اشعار پڑھنا شروع کیے۔

جو روایات اصحاب امام حسین کی کیفیت شہادت کو بیان کرتی ہیں ان سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مدیر بن خضیر روز عاشورا انہی پہلی ساعتوں میں شہید کر دیئے گئے تھے۔

شہادت و حظلہ شبامی

جناب حظلہ ابن اسعد شبامی کا شمار دلاوروں، شیعہ شخصیات اور قاریان قرآن میں ہوتا ہے یہ امام کی نصرت کیلئے کوفہ سے کربلا آئے اور امام حسین کے ساتھ انتہائی وفاداری کا ثبوت دیا۔ اس مجاہد نے اپنے سر صورت کو تیروں، نیزوں اور تلواروں کیلئے سپر قرار دیا اور اپنی شہادت سے قبل کوفہ کے نابکار لوگوں سے خطاب فرمایا اور ان لوگوں کیلئے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

يَا قَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ مِثْلَ ذَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَقَوْمِ الدِّينِ مِنْ بَعْلِهِمْ
وَمَا لِلّٰهِ يَوْمَئِذٍ ظُلْمًا اِلَّا عِمَادٌ يَّاقَوْمِ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُذْبِرِيْنَ مَالِكُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ غَاصِمٍ
وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ”اے قوم میں تمہارے بارے میں اس دن جیسے عذاب کا خطرہ
محسوس کر رہا ہوں جو دوسری قوموں کے عذاب کا دن تھا، قوم نوح، قوم عاد قوم ثمود اور ان کے بعد
والوں جیسا حال اور اللہ یقیناً اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے قوم میں تمہارے بارے
میں باہمی فریاد اے دن سے ڈرتا ہوں جس دن تم سب پیٹ پھیر کر بھاگو گے اور اللہ کے
مقابلے میں کوئی تمہارا بچانے والا نہیں ہوگا اور جس کو خدا اگر اسی میں چھوڑ دے اس کا کوئی ہدایت
کرنے والا نہیں۔“

اس کے بعد کہا: اے لوگو! حسین کو موت مارو کہیں خدا تمہیں اپنے عذاب میں نہ گھیرے۔
امام حسین نے ان کے بارے میں دعائے خیر کی اور فرمایا:

رَحِمَكَ اللّٰهُ اِنَّهُمْ قَدْ اَسْتَوْجَبُوا الْعَذَابَ حِينَ رَفَعُوا عَلَیْكَ مَا دَعَوْهُمْ اِلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَنَهَضُوا اِلَيْكَ
لِتَسْتَبِيْحُوْكَ وَاَصْحَابِكَ فَكَيْفَ بِهِمْ الْاَنَ وَقَدْ قَتَلُوا اَخَوَانِكَ الصَّالِحِيْنَ ”خدا تم پر رحمت نازل
کرے انھیں انکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ ان پر اس وقت عذاب واجب ہوگا ہے، جب انھوں نے
تمہیں جھٹلایا اور تمہارے ساتھیوں کے خون کو مباح جانا، یہ اب کیا مانیں گے، جبکہ

صالحین کو مار چکے ہیں۔“

حظلم نے کہا: اے فرزند رسول! آپ سچ کہتے ہیں، کیا مجھے اجازت ہے کہ اپنی آخرت کی جانب روانہ ہو جاؤں تاکہ اپنے بھائیوں سے جا ملوں؟

امام نے فرمایا: جاؤ۔ اس شامی کی جانب جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جسے زوال نہیں۔ پس حظلم نے عرض کی:

السَّلامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ بَيْتِكَ وَعَرَفَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ فِي حَقِّهِ
امام نے فرمایا: آمین آمین۔

اسکے بعد جناب حظلم میدان میں گئے، جنگ کی اور شہید ہو گئے۔

شہادت و دو جاہری جوان

طبری کا بیان ہے:

حظلم کی شہادت کے بعد دو جاہری جوان کھڑے باہر آئے اور امام کی جانب دیکھتے ہوئے عرض کی:
السَّلامُ عَلَيْكَ يَا بَنِي رَسُولِ اللَّهِ۔ امام نے ان کا جواب دیا:

وَعَلَيْكُمْ السَّلامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ ”پس وہ دونوں جہاد کیلئے گئے اور شہید ہو گئے۔“
دوسرے مقام پر نقل ہوا ہے:

یہ دونوں جوان امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گریہ کرتے ہوئے عرض کیا:

”آپ پر قربان ہو جائیں ہم اپنے اپنے نہیں، بلکہ آپ کیلئے رور ہے ہیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں ان دشمنانِ خدا نے آپؐ کو حلقہ تنگ کر دیا ہے۔ اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔“

امام نے ان دونوں کیلئے دعا کی اور انھیں جانے کی اجازت دی چنانچہ دونوں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

شہادت و برادرانِ غفاری

ابو مخنف لوط بن یحییٰ دو جاہری جوانوں کی شہادت نقل کرنے سے قبل لکھتے ہیں:

جب اصحابِ امام نے دیکھا، امام کا دفاع کرنے پر قادر نہیں تو ان میں سے ہر ایک حصولِ شہادت کیلئے دوسرے پر مقدم ہونا چاہا من جملہ عبد اللہ و عبد الرحمن پسرانِ عرزہ غفاری، امام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”اے ابا عبد اللہ! آپؐ پر درود و سلام ہو، دشمن ہمارے بجائے آپؐ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، لہذا ہم چاہتے ہیں آپؐ کے حضور جنگ کریں اور ہماری جانوں کو آپؐ پر قربان کر دیں۔“

امام نے انھیں اجازت دی وہ دونوں میدان میں روانہ ہوئے ان میں سے ایک نے دوران جنگ یہ رجز پڑھا:

قَدْ عَمِلْتُ حَقَّابِوَ غِفَارِ

لَنْضُرِبَنَّ مَعْشَرَ الْفُجَّارِ

يَا قَوْمُ ذُوقُوا عَن بَنِي الْاَحْزَارِ

وَخِنْدِفٍ بَعْدَ بَنِي نَوَّارِ

بِغَلِّ غَضَبٍ صَارِمٍ بَنَارِ

بِالْمَشْرِفِ وَالْقَنَا الْخَطَّارِ

”بنی غفار، خندف اور بنی نزار سب جانتے ہیں کہ ہم عالم انسانوں کو مارنے میں کمی نہیں کرتے اور ان پر ہاتھ میں آنے والے ہر ہتھیار سے حملہ کریں گے، اے لوگو! اپنا دفاع کرو، اب آزاد و خروگلوں کا حملہ پر ہے، آؤ اپنے ہتھیاروں سے دفاع کرو۔“

اس کے بعد گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں یہ دونوں شہید ہو گئے۔

شہادتِ شوزب و عابس بن شیب شاکری

جناب عابس بن شیب شاکری قبیلہ بنی شاکر سے تھے، جن کے بارے میں امیر المومنین علیؑ سے روایت ہے:

بَسُو شَاكِرَ لَوْ تَمَتَّ عِلَّتُهُمُ الْاَلْفَا لَعَدَّ اللَّهُ حَقَّ عَادَتِهِ اِذَا رَزَقِيْلُهُ بَنِي شَاكِرٍ كِي تَعْدَادُ هَزَارٍ اِفْرَادٍ بِرِجْسٍ مُّشْتَمِلٍ هَوْتِي

تو خدا کی عبادت کا حق ادا ہو جاتا۔ ۳۸

جناب عابس، حضرت علیؑ کے اصحاب میں عبادت گزار، تہجد گزار، شب زندہ دار اور ایک بہادر فرد تھے، جناب مسلم بن عقیل کی کوفہ آمد اور قصہ بیعت کے موقع پر جناب عابس کا ایک بے مثال خطاب نقل ہوا ہے (جو اپنے مقام پر ذکر کیا گیا ہے)۔ اسی طرح تاریخ طبری کے مطابق انہی کو جناب مسلم نے اپنا قاصد بنا کر امام حسینؑ کی جانب روانہ کیا تھا اور یوں یہ مجاہد کئے سے کربلا تک امام حسینؑ کے ہمراہ رہا۔ روز عاشورا جب امام کے تمام اصحاب یکے بعد دیگر اجازت لے کر میدان میں جا رہے تھے اور جام شہادت نوش کر رہے تھے، جناب عابس نے اپنے بھائی شوزب کی جانب دیکھ کر فرمایا:

يَا شَوْزَبُ ذَبْ مَا فِي نَفْسِكَ اَنْ تَضَعُ؟ ”اے شوزب کیا سوچ رہے ہو اور کیا کرنا چاہتے ہو؟“

شوزب نے بے درنگ جواب دیا:

میں اور کیا چاہوں گا یقیناً تمہارے ساتھ فرزند فاطمہؑ کے حضور جنگ کروں گا یہاں تک کی شہید

ہو جاؤں۔

عباس نے کہا:

مجھے تم سے یہی امید تھی، پس اگر یہی سوچ رکھتے ہو تو پھر امام حسینؑ کی خدمت میں جاؤ، تاکہ وہ

تمہیں اپنے دیگر اعموان و انصار میں شمار کریں اور اس طرح مجھے تمہاری مصیبت میں اجر و ثواب ملے اگر تمہارے علاوہ کوئی اور میرے پاس ہوتا تو اسے بھی اپنے سے پہلے میدان بھیجتا تا کہ اس کی مصیبت برداشت کرنے کے سبب زیادہ اجر و ثواب نصیب ہوتا، کیونکہ آج کا دن حصول ثواب کا بہترین موقع ہے اور پھر عمل وقت تمام اور حساب کا دور شروع ہو جائے۔

چنانچہ شہداء امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذن جہاد پا کر میدان میں گئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (صلوات اللہ علیہ و علیٰ اصحاب)

پھر عابس امام کی خدمت میں آئے اور عرض کی:

يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ مَا وَدَّ اللَّهُ مَا مَسَىٰ عَلَىٰ وَجْهِ الْأَرْضِ قَرِيبٌ وَلَا يَبْعِدُ اعْزَّ عَلَيَّ وَقَلَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ، وَ لَوْ قَدْ رَجَعْتُ عَلَىٰ أَنْ أَدْفَعُ عَنْكَ الضُّيْمَ وَالْقَتْلَ بِيَشَىٰ، أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَدُمِي لَعَمَلْتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللَّهِ، أَشْهَدُ اللَّهُ أَنِّي عَلَىٰ هَذَا هَدَىٰ وَهُدَىٰ أَبِيكَ

”اے ابو عبد اللہ! خدا کی قسم روئے زمین پر (اپنے اور بیگانوں میں) میرے نزدیک آپ کے علاوہ کوئی شخصیت عزیز نہیں اور اگر میرے پاس اپنی جان و خون سے زیادہ حیثیت والی کوئی شے موجود ہوتی تو وہ بھی آپ کے دفاع میں صرف کر دیتا، سلام و درود ہو آپ پر اے حسین! خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں آپ اور آپ کے والد کی راہ ہدایت پر قائم ہوں۔“

پھر ہر ہتھیار لگے میدان میں روانہ ہوئے جبکہ ان کی پیشانی پر ایک زخم بھی لگا تھا۔

ابی خضفہ ربیع بن تمیم ہمدانی سے نقل کرتا ہے، جب میں نے اسے آتے ہوئے دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ وہی دلاور ہے جو کئی اور معرکوں میں شجاعانہ لڑتا رہا ہے، لہذا میں نے آواز دی:

”أَيُّهَا النَّاسُ هَذَا الْأَسَدُ الْأَسْوَدُ هَذَا ابْنُ شَيْبٍ، لَا يَخُوجَنَّ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنْكُمْ“ ۳۹

”اے لوگو! یہ شیروں کا شیر (یا سیاہ شیر) ہے یہ پسر شیب ہے خبردار کوئی اس سے لڑنے جائے۔“

ادھر عابس مسلسل آواز دے، روایات کے مطابق وہ یہ کہہ رہے تھے:

الْأَزْجَلُ الْأَزْجَلُ ”یعنی کوئی مرد ہے کوئی مرد ہے۔“ ۴۰

عمر بن سعد نے انتہائی غیظ و غضب کی حالت میں کہا: اس پر پتھر برسائے جائیں۔

عابس نے ان کی اس بزدلی پر اپنا سامان حرب اتار پھینکا اور بھگم پھرے ہوئے شیر کی مانند حملہ آور ہوئے۔ اس موقع کیلئے یہ اشعار مناسب لکھتے ہیں:

جسم بگذا ردم سراسر جان شوم

وقت آن آمد کہ من عربان شوم

اندر این رہ روی در بیگانگی است

آنچه غیر از شورش و دیوانگی است

چون رهم زین زندگی پابندگی است

آزمو دم مرگ من در زندگی است

اور ایک فارسی زبان شاعر نے اس موقع پر کیا خوب کہا ہے:

مغفر ز سرفکند کہ بازم نیم خروس
در پیش خویش می کشم اینک چہ نوعروس

جوشن زبر فکند کہ ماہم نہ ماہیم
بی خودی زہ بہ درآمد کہ مرگ را
اسی طرح ایک عربی زبان شاعر کہتا ہے:

و یقیمُ هامَته مقام المِغْفَر
در عا سوی سربال طیب المِغْفَر
فہدمت رکن المجدان لم تعفر

یلقی الرِّماح الشَّجَرَات بنحوہ
ما ان برید اذ الرِّماح شجر نہ
ویقول للطر ف اصطر لشب القنا

”اس کے نیزے گردنوں سے جا ملتے ہیں اور اس کا بدن کبھی جھکتا نہیں بلکہ اس کا سینہ اسکی زرہ کا کام انجام دیتا ہے جب اس پر نیزے آتے ہیں تو اس کیلئے گھبرانے کی بات نہیں، بلکہ عطر لگا کر انکے مقابل آ جاتا ہے اور پلکوں سے کہتا ہے اے پلکوں ٹھہرنا اگر تم جھپک پڑیں تو بڑے ستونوں کو گرا دوں گا۔“

وہی (ربیع بن ہیم ہمدانی) راوی مزید کہتا ہے:

قسم بخدا اس شجاع انسان نے دوسو سے زیادہ افراد کو قتل کیا اور میدان سے انھیں بھاگ جانے پر مجبور کیا، مگر دشمن نے انتہائی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے چار سمتوں سے احاطہ کر کے انھیں شہید کر دیا اور میں نے ان کے سر کو کئی ہاتھوں میں دیکھا جن میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ میں نے اسے مارا ہے مگر عمر بن سعد نے آگے بڑھ کر کہا: کسی ایک نے نہیں، بلکہ تم سب نے اسے مارا ہے۔

شہادت جو ن (غلام ابوذر غفاری)

جون بن ابی مالک، ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام ہیں، جن کا شمار رسول اللہ، امیر المومنین علیؑ اور امام حسنؑ کے اصحاب میں ہوتا ہے، جب جناب ابوذر کو شام اور پھر ربذہ شہر بدر کیا گیا تو جون ان کے ہمراہ تھے، لیکن ان کی شہادت کے بعد مدینے آ کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حضرتؑ کی شہادت تک موجود رہے پھر امام حسنؑ اور مرتب امام حسینؑ کی خدمت کا شرف پایا یہ اسلحہ کی ساخت و ساز میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ بنا برائے مقابل کا بیان ہے، شب عاشورا جون ہی امام حسینؑ کے ہتھیاروں کی آپ کے خیمے میں اصلاح کر رہے تھے جس کی تصدیق امام زین العابدینؑ سے نقل شدہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اسی سید ابن طاووس نے اپنی لہوف میں روایت کی ہے:

وہ سیاہ پوست غلام تھے اور جب امام حسینؑ سے اذن جہا طلب کرنے لگے تو حضرتؑ نے فرمایا: اب تم آزاد ہو اور ہمارے پاس زندہ رہنے آئے تھے لہذا ہماری راہ میں گرفتاری مت دو، جون نے عرض کی: یا بنی رسول اللہ انا فی الرِّخاء الخس قصاعکم وفي الشدة اخذکم، واللہ ان ریحی لیتن، و ان حسی لیم و لوئی لآسود، فنفس علی بالجنة، فتطیب ریحی ویشرف حسی، یبئس وجهی

لا والله لا افارقکم حتی تخلط هذا الدم الاسود مع دماءکم

”اے فرزند رسول! سکون و آسانی میں آپؑ کا نمک خوار رہوں مگر سختی و مصیبت میں آپؑ کا ساتھ چھوڑ دوں! قسم بخدا (ٹھیک ہے) میرا بدن بدبودار ہے، حسب مجہول اور میرا رنگ سیاہ ہے لیکن کیا آپؑ مجھے بہشت سے محروم رکھنا چاہتے ہیں جبکہ میری بدبودور، حسب پاک اور چہر کا رنگ سفید ہو جائے نہیں یا بن رسول اللہ! میں ہرگز اس وقت تک آپؑ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا جب تک میرا سیاہ (رنگ) خون آپؑ کے خون سے مخلوط نہ ہو جائے۔“

امام نے یہ سن کر جون اذن جہاد دیا تب وہ میدان میں یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے:

بالمشرقی القاطع المہند

کیف تری الکفار ضرب الاسود

أذب عنهم باللسان والید

احمی الخیار من بنی محمد

من الاله الواحد الموحّد

ارجو بذاک الفوز عند المورّد

اذلا شفیع عنده کا محمد

”اے کافر و سیاہ پوست کو تیرا تلوار کے ساتھ کیسا دیکھ رہے ہو؟ میں اولاد رسولؐ کی حمایت اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کروں گا مجھے واحد تھا خدا سے امید ہے کہ اس کام کی وجہ سے قیامت میں فلاح بخشے گا کیونکہ اس روز محمد مصطفیٰؐ کے علاوہ کوئی شافع نہیں۔“

سید ابن طاووس اور دیگر ارباب مقاتل نے لکھا ہے:

جب جون نے پچیس عینوں کو واصل جہنم کیا تب راہ خدا میں جام شہادت نوش کیا۔ امام حسینؑ اس مجاہد کی بالین پر تشریف لائے اور بارگاہ پروردگار میں دعا کی:

اللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهَهُ وَطَبِّحْ رِيحَهُ وَاحْشِرْهُ مَعَ الْاَبْرَارِ وَعَرِّفْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ

”اے خدا! اس کا چہرہ سفید، بدن خوشبودار اور اسکے نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما اور اسکے اور محمد و آل محمدؐ کے درمیان آشنائی برقرار فرما۔“

شیخ صدوقؒ امام باقر اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں:

دس روز بعد جب بنی اسد باقی ماندہ اجساد شہداء کو دفن کرنے کیلئے آئے تو جون کے جسم سے مشک و عنبر کی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔

تو ازادی ازیں میدان پیکار

شہش فرمود کای عبدو فادار

میفکن خویش را در رنج و زحمت

تو تابع آمدی مارا بہ راحت

بہ شہ گفت این سخن با چشم گریان

غمین شد جان خون سخت پیمان

ز باقی ماندہ آن خوان نعمت

پہروردم بسی بی رنج و زحمت

نمک نشناسی ای شہ از پلیدی است
نسب باشد لثیم و چہرہ ام تار
بہ من منت نہ ای دادار گزدون
نمی خواہی کہ روی تیر نہ من
سیہ خون را چو سر در جنگ بازم
اجازت یافت جَوْن با سعادت
ز ہستی و روسوی ملک بقا کرد
ز تأثیر دعای شاہ شافع
تنش دیدند ہم چون نقر نہ پاک
بشیر عشق دادش این بشارت
شہادت انس بن حارث کاہلی

فدا گشتن جزای کاسہ لیبی است
تم ہی قدر و کون ہم چو مردار
کہ گر در شک مشک نافہ ام خون
شود چون مہر روز حشر و روشن
بہ خونہای شما مخلوط سازم
روان شد سوی میدان شہادت
شہش آمد ببالین و دعا کرد
ز جسمش بود بوی مشک ماطع
چو ماہ افتادہ از افلاک بر خاک
کہ خوش باد آن مقام کامکارت

انس بن حارث کاہلی پیغمبر کے اصحاب میں سے تھے، جیسا کہ ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں اور بزرگی اسد الغابہ میں ان سے روایت کرتے ہیں:

میں نے خود رسول اللہ حضرت محمدؐ کو حسین بن علیؑ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا:
إِنَّ ابْنِي هَذَا (یعنی حسینؑ) يُقْتَلُ بِأَرْضٍ يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَاءُ قَدْ شَهِدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَنْظُرْهُ
میرا یہ بیٹا (حسین) کربلا نامی ایک سرزمین پر قتل کر دیا جائے گا، لہذا تم میں سے جو بھی اس دن
موجود ہو میرے حسینؑ کی مدد کرے۔ ۴۲

یہ دونوں صاحبان قلم لکھتے ہیں:

راوی حدیث انس بن حارث کاہلی امام حسینؑ کے ساتھ کربلا آئے اور ان کی مدد کرتے ہوئے جام
شہادت نوش کیا۔

مرحوم محدث محلاتیؒ اپنی کتاب فرسان الہیجا میں نقل کرتے ہیں:

انس بن حارث امام حسینؑ کی جانب سے پیغام لے کر عمر بن سعد کے پاس گئے، مگر جب اسے سلام
نہ کیا تو ابن سعد نے کہا: کیا تم ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے جو سلام نہیں کیا؟ جب کہ نہ تو ہم نے خدا کا انکار
کیا اور نہ ہی رسالت کا!

انس نے کہا: تو خدا کو کیا جانتا ہے اور کتنا حق رسالت ادا کرتا ہے؟ اور کیا تو ادھر فرزند رسولؐ کا خون
بہانے نہیں آیا ہے!

عمر بن سعد نے ایک لمحہ کیلئے سر جھکا دیا اور کہا: قسم بخدا میں جانتا ہوں اس جماعت کو مارنے والا جہنمی

ہے مگر کیا کروں عبید اللہ بن زیاد کی اطاعت بھی ضروری ہے، البتہ اس طرح کا قصہ بریر بن خضیر کے بارے میں بھی نفس المہموم میں نقل ہوا ہے، چنانچہ ممکن ہے دونوں روایات صحیح ہوں اور یہ واقعہ دونوں حضرات کے ساتھ پیش آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال انس بن حارث نے امام سے اذن جہاد لیا اور مقتل الحسین میں بقول مرحوم مقرر یہ اتنے معمر تھے کہ انھوں نے اپنے ابرو و مال سے اور اپنی کمر عمامہ کھول کر باندھی، تاکہ خمیدہ کمر نظر نہ آئے اور اس تیاری کے بعد میدان روانہ ہوئے حضرت نے انھیں جاتے ہوئے دیکھا اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

”شَكَرَ اللَّهُ لَكَ يَا شَيْخُ“ اے میرے بزرگ! خدا آپ کا سپاس گزا رہے۔“

روایت میں ہے جب حملہ کیا تو یہ رجز پڑھا:

فَدَعَلِمْتُ كَاهِلَهَا وَخُودَانِ
بَانَ قَوْمِي أَقَّةً لِلْأَقْرَانِ
وَالْخَنْدَقِيونَ وَفَيْسَ غِيلَانِ
لَدَى الْوَعْيِ وَسَادَةَ فِي الْفُرْسَانِ

”تم جانتے ہو کاهل، زودان، خندقیون اور فیس غیلان کے تمام قبائل میں میری قوم ان سب پر بھاری ہے اور جنگی میدانوں میں ہم سب کے سردار ہیں۔“

مقرر اور دیگر ان کے کہنے کے مطابق، اس بڑھاپے اور پیری میں بھی اٹھارہ دشمنان خدا کو ہلاک کیا تب زخمی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا۔

معروف شاعر کسیت ان کے بارے میں کہتا ہے:

سَوَى عَصْبَةٍ فِيهِمْ حَبِيبٌ مُؤَمِّلٌ
قَضَى نَحْبَهُ وَالْكَاهِكِي مُعَفَّرٌ
”سوائے اس گروہ کے جس میں حبیب اور کاهل خون میں غلطاں ہوئے۔“

شہادت عمرو بن جنادہ

شہادت جنادہ بن حارث سلمانی انصاری کا تذکرہ گزشتہ صفحات پر گزر چکا کہ وہ ان شیعہ شخصیات میں سے تھے جن کا شمار رسول اللہ اور امیر المومنین کے اصحاب میں ہوتا ہے اور وہ جنگ صفین میں علی کے ہم رکاب رہے انہی جنادہ بن حارث کا نو یا گیارہ سالہ فرزند عمرو بن جنادہ تھا جو اپنے ماں ۴۳ اور باپ کے ہمراہ کربلا میں موجود تھا وہ اپنے والد کی شہادت کے بعد اپنی والدہ کے حکم پر امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ اذن جہاد لے کر میدان میں جائے، مگر امام نے اجازت نہ دیتے ہوئے فرمایا:

اس جوان کے والد پہلے حملے میں شہید ہو چکے ہیں، لہذا شاید اس کی والدہ اس کا جانا پسند نہ کرے۔
عمرو نے عرض کیا!

یا بن رسول اللہ ان اُمّی اُمّو نفعی اے فرزند رسول! میرے ماں نے ہی مجھے جہاد کیلئے بھیجا ہے۔“

امام نے یہ سن کر اجازت دی تب عمرو بن جنازہ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں روانہ ہوئے:

أمیرئ حسین ونعم الامیر
علی وفاطمة والده
سُرور فؤاد البشیر النذیر
فهل تعلمون له من نظیر؟
له طلعة مثل شمس الصّحی
له غرة مثل بلور منیر

”حسین میرے امیر ہیں اور وہ کیا بہترین امیر ہیں جو میرے دل کو سکون پہنچاتے ہیں اور ہمارے لیے بشیر و نذیر ہیں اور کیا جس کے پدر و مادر علی و فاطمہ ہوں اس کا کوئی نظیر ہو سکتا ہے جب ان کی آمد ہو تو نصف النہار کا سورج لگتے ہیں اور ان کی پیشانی چودھویں کا چاند لگتی ہے۔“

دشمن سے بہت دیر لڑنے کے بعد شہید ہوئے، مگر افسوس اس سنگ دل ظالموں نے سرتن سے جدا کر کے خیام امام کی جانب پھینکا اُدھر ماں اس دلخراش منظر کو دیکھ رہی تھی، آگے بڑھی، بیٹے کا سر اٹھایا، چہرے سے خون صاف کیا اور سینے سے لگا کر کہا: أَحَسَّنْتَ يَابْنِي يَا سُرُورَ قَلْبِي وَيَا قَرَّةَ عَيْنِي
”شباباش اے میرے لال، اے میرے دل کی ٹھنڈک، اے میرے نور چشم۔“

اس دوران دشمن کے ایک فرد کو وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا تو اسی سر کو پھینک کر اسکے سینے پر مارا اور نزدیک پڑی ہوئی چوب کو اٹھا کر اسے پر حملہ کیا اور اس وقت یہ رجز پڑھ رہی تھیں:

أنا عجز وسیدی ضعيفة
أضربکم بضربة غنية
خاوية بالية نحيفة
دون بنی فاطمة الشریفة

”اے میرے مولا اگرچہ مجھے ابوڑھی عورت محسوس کیا جاتا ہے اور میں نے اپنی عمر تمام کر لی ہے اور طاقت بھی نہیں رکھتی مگر پھر بھی دشمن کو مزہ چکھا دوں گی اور اولاد فاطمہ کا دفاع کرتی رہوں گی۔“

اور اس بڑھاپے کے باوجود دو دشمنان امام کوئی النار کیا، مگر امام نے عمرو بن جنادہ کی والدہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے دستور دیا کہ اس محترمہ کو میدان سے واپس لایا جائے۔ ۴۴

شہادت حجاج بن مسروق مٹھی

حجاج بن مسروق مٹھی امیر المومنین کے شیعوں میں سے تھے جو کوفہ میں سکونت پذیر تھے اور جب انھوں نے سنا کہ امام حسینؑ مدینے سے مکے ہجرت کر رہے ہیں تو انھوں نے بھی خود کو مکے پہنچایا اور وہاں سے پہنچایا اور وہاں سے کربلا میں اپنی شہادت تک امام حسینؑ کے ساتھ رہے یہ اوقات نماز میں امام حسینؑ کے مؤذن تھے۔

مناقب ابن شہر آشوب کا بیان ہے:

انھوں نے امام حسینؑ سے اذن جہاد پا کر وہ بے مثال جہاد کیا جس کے نتیجے میں پچیس افراد کو واصل جہنم اور بہت سے لوگوں کو سخت زخمی کیا۔

مقتل مقرر کے مطابق، حجاج بن مسروق بھٹی نے میدان کا رزار گرم رکھا، مگر جب ان کا چہرہ خون سے رنگین ہو گیا تو امام کی خدمت میں آ کر یہ اشعار پڑھے:

الیوم القی جُذک النبینا فَمَ اَباک ذالندی علیا

ذاک الذی نعرفه الوصیا

”آج آپ کی سخاوت کے ذریعے آپ کے جد رسول اللہ اور بابا علیؑ کہ جنہیں وہی رسول جانتا ہوں کی زیارت نصیب ہوگی۔“

امام نے فرمایا: **وَإِنَّا لَقَائِمُهُ عَلَى الثُّرُك** ”میں تمہارے بعد ان کی زیارت کا شرف پاؤں گا۔“
حجاج دوبارہ میدان روانہ ہوئے اور جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

شہادت سوار بن ابی حمیر

زیارت ناحیہ کے اواخر میں یہ فقرہ وارد ہوا ہے:

السَّلامُ عَلٰی حَرْفِجِ الْمَأْسُورِ سَوَّارِ بْنِ أَبِي حَمِيرٍ الْقَهْمِيِّ الْهَمْدَانِيِّ

”درود و سلام ہوا اس مجروح اور زخمی اسیر سوار بن ابی حمیر پر۔“

چنانچہ روایات کا بیان ہے:

انھوں نے سخت جنگ کرنے کے سبب انتہائی زخم برداشت کیئے مگر جب زخموں کی شدت سے بے حال ہو کر زمین پر گرے تو دشمن نے انھیں اسیر بنا کر عمر بن سعد کے آگے پیش کر دیا۔ اس نے دستور دیا کہ اسے (سوار کو) مقتل کر دیا جائے، لیکن وہاں موجود ان کی قوم کے افراد نے سفارش کی کہ قتل نہ کیا جائے بلکہ اس ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ عمر بن سعد نے قبول کرتے ہوئے سوار بن ابی حمیر کو انھی کی قوم کے سپرد کر دیا وہ انھیں اپنے ساتھ لے گئے مگر زخموں کی تاب نہ لا کر چھ ماہ بعد شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔

شہادت سدید بن عمرو ابی المطاع

اہل تاریخ کہتے ہیں:

وہ شجاع اور کئی جنگوں میں شرکت کی وجہ سے تجربہ کار ایک معمر انسان تھے جو شریف، عبادت گزار اور کثیر الصلوات مسلمان تھے، روز عاشورا امام کے سامنے جنگ کرتے ہوئے شدید زخمی ہو کر منہ کے بل زمین پر گر گئے دشمن نے گمان کیا کہ وہ مر گئے ہیں، لہذا مقابلہ کرنے والے یوں ہی چھوڑ گئے، لیکن جب انھوں نے یہ آواز سنی کہ حسینؑ مار دیئے گئے تو بے تابانہ زمین سے اٹھے اور جوتوں میں چھپائے ہوئے خنجر کو نکال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے، مگر دشمن نے ان کے گرو حلقہ باندھ کر انھیں شہید کر دیا۔

مقتل مقرر کے مطابق (امام حسین کے بعد) یہ کربلا کے آخر شہید تھے۔

اور اس طرح اصحاب امام حسین کے بترتیب نام و حالات کے سلسلے کو ایک قصیدے کے ساتھ ختم کرتے ہیں اور شہدائے اہل بیت کا سلسلہ شروع کرتے ہیں، البتہ گذشتہ صفحات پر موجود بحثوں میں ذکر کر چکے، تاریخ اسلام کے ان بزرگ شخصیات کا بیان مقتل مقرر کے مطابق ہے، جبکہ ہمارے تو ان عظیم المرتبت شخصیات کا نام ذکر کرنا بھی مشکل تھا چہ جائے کہ ان کے حق کی ادائیگی کا دعویٰ کریں، چنانچہ اس عجز و ناتوانی کے اقرار کو عربی زبان کے شاعر کی زبان میں یوں پیش کرتے ہیں:

والمحاذرون غداً حياض الكوثر

السابقون الى المكارم والعلی

لم يسمع الاذان صوت مکتبر

لولا موارئهم ووقع نبالهم

”یہ (اصحاب امام حسین) خوبیوں اور اچھائیوں میں سب پر سبقت رکھتے ہیں یہ کل ہوض کوثر کے مالک ہوں گے اور انہی کے تیر و تلوار نے آج آذانوں کو باقی رکھا ہے۔“

اور اسی طرح ایک اور شاعر کہتا ہے:

والخیل بین مدعس ومکر دس

قوم اذانود الدفع مڈمہ

یتهافون علی ذهاب الانفس

لبسوا القلوب علی الدروع کاتھم

”اگر کوئی ان سے پناہ مانگے تو یہ لوگ اپنے گھوڑوں اور ہتھیاروں سے مدد کرتے ہیں یہ اتنے شجاع ہے کہ اپنی زرہ کی حفاظت اپنے دلوں سے کرتے ہیں اور جانفشانی میں ایک دوسرے پر سبقت رکھتے ہیں۔“

اور ان سب جملات سے بالاتر خود امام حسین نے جو ان تاریخی سوراؤں کے بارے میں فرمایا کہ جس کے آگے کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی چنانچہ فرمایا:

امابعدقانی لا أعلم اصحاباً اوفی ولا خیراً من اصحابی

”میں اپنے اصحاب کی مانند کسی کو بہتر اور با وفا نہیں جانتا۔“

ہاں اس بارے میں ایک عربی زبان شاعر سے یوں مدد لیتے ہیں:

لهم علی الجیش اللهم زئیر

وذو المروۃ والصفاء انصارہ

فعناصر طابت لهم وحجور

طهرت نفوسهم بطیب اصولها

لولا تمثلت القصور قصور

فتمثلت لهم القصور وما بہم

الرحمان لا ولد انہا والخور

ماشاقہم للہ موت الا دعوة

”اصحاب امام حسین پاک طینت ہیں وہ دشمنوں پر شیروں کی طرح جاتے ہیں، انکے نفس پاک ہیں کیونکہ ان کے اصالت پاک اور یہ پاک آغوشوں میں رہے ہیں، ان پر جنت کے عمل ظاہر کر دیئے گئے اور اگر یہ ان مخلوق کو نہ دیکھتے جب بھی شجاعت میں کمی نہ لاتے وہ خدا کی دعوت پر شوق شہادت رکھتے ہیں وہ بہشت اور حور و غلمان کے شوق سے نہیں لڑتے۔“

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ تاریخ الفخری ص ۱۵۵۔
- ۲۔ امالی صدوق مجلس ۷۰ نمبر ۱۔
- ۳۔ مقتل مرقم ص ۲۲۳۔
- ۴۔ امالی صدوق، مجلس ۲۷۔
- ۵۔ امالی صدوق، مجلس ۲۷، عیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۲۹۹۔
- ۶۔ یعنی اسے خون حسین کا انتقام لینے والو۔
- ۷۔ کامل التواریخ ج ۳ ص ۶۱۔
- ۸۔ ارشاد ج ۲ (مترجم) ص ۱۰۰۔
- ۹۔ کامل التواریخ ج ۳ ص ۶۱۔
- ۱۰۔ ملحقات احقاق الحق ج ۱۱ ص ۴۱۷۔
- ۱۱۔ تحف العقول میں کوئیوں کی جانب لکھے گئے خط کی صورت میں اسے نقل کیا ہے اور جس کا آغاز اس لفظ سے کیا ہے:
اما بعد فتباً لکم ...
- ۱۲۔ بعض نسخوں میں (ذباب) کی جگہ ”دبا“ آیا ہے کہ جس کے معنی مڈیوں کے ہیں۔
- ۱۳۔ امام کا اشارہ زیاد بن ابیہ کی جانب ہے جسے ابی سفیان سے معاویہ نے ”محق“ کیا، البتہ اس کی مفصل شرح آورداستان زندگانی امیر المومنین اور زندگانی امام حسن میں ذکر ہو چکے ہیں۔
- ۱۴۔ سورہ حجر ۹۵ تا ۹۷ کی طرف اشارہ ہے۔
- ۱۵۔ بحار الانوار ج ۲۵ ص ۸-۱۰، حیاۃ الامام الحسین باقر شریف ج ۳ ص ۹۲ نقل از تاریخ ابن عساکر تحف العقول ص ۳۲۰ وغیرہ میں عبارتوں کا مختصر اختلاف پایا جاتا ہے۔
- ۱۶۔ معانی الاخبار، طبع تہران صدوق ص ۲۸۸۔
- ۱۷۔ نفس المہموم ص ۱۳۸۔
- ۱۸۔ فقط مناقب ابن شہر آشوب ہے جس نے ”ثم“ کے لفظ سے مقابل کو ذکر کیا ہے جو ترتیب (شہداء) کو ظاہر کرتا ہے، لیکن مجمل و مخلوط ہونے کی وجہ سے صرف نظر کرتے ہیں۔
- ۱۹۔ البتہ بعض روایات کے مطابق یہ مجاہد اس موقع سے بھی پہلے امام سے جالما تھا (فرسان الصبیح ص ۲۹)۔
- ۲۰۔ حبیب ابن مظاہر رضوان اللہ علیہ کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں، چنانچہ سب سے پہلے یہ کہ وہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے، چنانچہ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں اور اسی طرح کتاب رجال کشی سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ علم منایا دیا گیا کے مالک تھے۔
- ۲۱۔ روایت کشی کا متن کچھ اس طرح ہے کہ فضیل بن زید کا بیان ہے، ایک روز میثم تمنا رہے گھوڑے پر سوار تھے، حبیب ابن

مظاہر ان کے استقبال کی غرض سے نزدیک آئے (اتفاقاً ان کا سامنا) بنی اسد کی بیٹھک کے مطابق ہوا جہاں وہ گفتگو کر رہے تھے، چنانچہ یہ دونوں اتنے نزدیک ہوئے کہ گھوڑوں کی گردنیں ایک دوسرے سے مل رہی تھیں جناب حبیب بن مظاہر نے کہا: میں ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کا سر پیشانی کی جانب سے بال نہیں رکھتا اور وہ خربوزہ اور کھجور بیچتا ہے اور اسے دارالرزق میں، پھانسی دی جائے گی اور اس کے پہلو پر ضربت لگائی جائے گی (جناب حبیب بن مظاہر کی مراد حضرت میثم تمار کی شہادت تھی) میثم تمار نے کہا: میں بھی ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کا رنگ گورا اور گودراڑا ہیں جو دختر پیغمبر کی نصرت کرنے گھر سے نکلے گا مگر شہید کر دیا جائے اور اس کا سر کوفہ میں جا بجا پھرایا جائے گا۔ اور یہ کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

بنی اسد کے جو لوگ بیٹھک میں بیٹھے یہ باتیں سن رہے تھے بولے! ان دونوں سے زیادہ کاذب نہیں دیکھے ساری اثناء میں حضرت رشید ہجری وہاں سے گزرے اور بنی اسد کے ان لوگوں سے حبیب و میثم کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے ساری گفتگو رشید سے نقل کر دی جسے سن کر رشید ہجری نے کہا: خدا پر اور ہم میثم تمار پر رحم و کرم کرے انھوں نے حدیث کا باقی حصہ کیوں نہیں بیان کیا کہ حبیب کا سر لانے والے کو دوسرے ظالموں کی نسبت سو (۱۰۰) درہم زیادہ دیئے جائیں گے۔ انھوں نے رشید کا بیان سن کر کہا: یہ ان دونوں سے زیادہ کاذب نظر آتا ہے۔

راوی کہتا ہے: قسم بخدا کچھ ہی مدت بعد میثم تمار کا سراویزاں کیا گیا اور سر حبیب کو کوفہ میں لایا گیا اور جو کچھ کہا تھا وہ سچ نکلا۔ اعیان الشہید میں روایت ہے کہ: ”کان حبیب من السبعین الرجال الذین نصر و الحسین (ع) یقولوا جبال الحدید و استقبلوا الرماح بصلورهم و السیوف بوجوہهم، و هم یعرض علیہم الامان فیأیون و یقولون: لا عنذر لنا عن رسول اللہ (ص) ان قتل الحسین و مناعین تطرف حتی قتلوا حوالہ، و لقد خرج حبیب بن مظاہر الاسدی و هو یضحک، فقال له بریور بن خضیر الهمدانی و کان یقال له: سید القراء، یا اخی لیس ہذہ ساعة ضحک؟ قال: فإی موضع أحق من ہذا بالسرور؟ و اللہ ما ہوا الا ان تمیل علینا ہذہ الطغاة یسبوا فہم فتماق الحور العین....“

وفی مجالس المؤمنین عن روضة الشہداء انہ قال: حبیب رجل ذو جمال و کمال، و فی یوم وقعتہ کربلاء کان عمرہ ۵۷ سنہ، کان یحفظ القرآن کلمہ، و کان یختتمہ فی کل لیلۃ من بعد صلاة العشاء الی طلوع الفجر۔

وفی أبصار العین قال أهل اسیر: ان حبیباً نزل الکوفہ و صاحب علیاً علیہ السلام فی حرو بہ کلمہا، و کان من خاصتہ و حملة علومہ.....“

حاجی نورئی نے دارالسلام میں حاج شیخ جعفر شوشتری سے ایک جاذب داستان نقل کیا ہے کہ: میں جب نجف اشرف سے شوشتر تبلیغ کی غرض سے گیا تو فن خطابت اور ذکر مصائب میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے آگے تفسیر صانی کو موعظ، روایت اور تفسیر آیات بیان کرنے کیلئے پڑھتا تھا اور اورایام محرم میں ملا حسین کا شفی کی روضۃ الشہد اکو مصائب بیان کرنے کیلئے پڑھتا تھا لیکن اس انداز کی وجہ سے اپنا نامی الضمیر اور مقصود منتقل نہیں کر پاتا تھا یہاں تک کہ کئی سال اسی انداز میں گزر گئے لیکن حسب سابق محرم کی آمد پر میں خرد دل شکستہ حالت میں نیند آگئی تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ

سرزمین کر بلا ہے ایک جانب خیام امام حسینؑ نصب ہیں اور دوسری جانب دشمن کی فوج خیمہ زن ہے۔ پس میں امامؑ کے نزدیک گیا تو حضرتؑ نے محبت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے پہلو میں بیٹھایا اور جناب حبیب بن مظاہر کی جانب دیکھ کر فرمایا: اے حبیب! شیخ عفر ہمارے مہمان ہیں۔

اس وقت ہمارے پاس پانی تو نہیں لیکن ستور ضرور ہے لہذا اسے مہمان کی خدمت میں پیش کرو۔ حبیب وہ ستو ایک چمچے کے ساتھ لائے اور اسے میرے آگے رکھ دیا پھر میں نے اس میں سے چند کھائے اور فوراً میری آنکھ کھل گئی مگر اس کی برکت سے کچھ ایسے مطالب سے واقف ہوا جو روز بروز بڑھ رہے تھے اور (ان مطالب میں) کسی نے مجھ پر سبقت حاصل نہ کی۔

۳۱ اہل تاریخ کا بیان ہے جب ایک تہمی نے سر حبیبؑ کو تن سے جدا کیا تو حصین بن تمیم اسکے نزدیک آیا اور کہا: میں اسے مارنے میں تجھ سے زیادہ نزدیک تھا مگر اس نے کہا: نہیں اسے میرے علاوہ کسی نے نہیں مارا اور اس طرح ایک دوسرے سے نزاع کرنے لگے حصین نے کہا: ٹھیک ہے تو حبیب کا سر مجھے دے تاکہ میں اسے اٹھ گھوڑے کی گردن میں آویزاں کر کے گشت کروں تاکہ یہاں موجود افراد سمجھ لیں کہ میں اسکے قتل میں تیرے ساتھ شریک تھا، البتہ بعد میں تجھے لوٹا دوں گا تاکہ عبید اللہ کے دربار میں تو ہی اسے لے جائے اور انعام حاصل کرے لیکن اس تہمی نے انکار کیا اور کچھ دیر کی گفتگو کے بعد وہ سر حبیب دینے پر تیار ہوا، اس نے سر حبیب اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا اور کچھ دیر تک اپنے لشکر میں گشت کرتا رہا اور پھر اسے اسی تہمی شخص کے حوالے کر دیا۔ اس تہمی نے سر حبیب اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر رکھا اور جب اسیروں کو کوہ لے جایا گیا تو یہ اسی کیفیت یعنی گھوڑے کی گردن میں آویزاں سر کو دارالامارہ میں لے جانا چاہتا تھا۔

قاسم بن حبیب نے جو جوان تھے دیکھا انکے بابا کا سر لئے جا رہا ہے تو وہ بے پیر اسکے پیچھے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ وہ تہمی دارالامارہ میں داخل ہو لیکن اسے اس جوان پر شک ہوا، لہذا اس نے پوچھا: اے جوان! امیر اتعاقب کیوں کر رہا ہے؟ قاسم بن حبیب نے جواب دیا: نہیں میرا کوئی خاص مقصد نہیں۔ اس نے کہا: کوئی بات ضرور ہے! قاسم نے جواب دیا: یہ سر جو تیرے ہاتھ میں ہے وہ میرے باپ کا سر ہے کیا وہ مجھے دے سکتا ہے؟ تاکہ اسے دفنا دوں۔ جواب دیا: نہیں اے جوان! حاکم ہر گز اجازت نہیں دے گا کہ اسے دفنا دیا جائے دوسرے میں اس قتل کا انعام لینا چاہتا ہوں۔ قاسم نے جواب دیا:

”لکن اللہ لا ینبیک علی ذالک الا ائسو الثواب امامو اللہ لقد قتلته خیر منك“۔ لیکن خدا تجھے ہر گز اجر نہیں دے گا بلکہ بدترین سزا تمہارے نصیب ہوگی، کیونکہ تو نے اپنے سے بہتر انسان کو قتل کیا ہے اور یہ کہہ کر رونے لگا۔

قاسم بن حبیب کے خیالوں میں یہ واقعہ زندہ رہا یہاں تک کہ جب مکمل جوان ہوا تو ہمیشہ اپنے باپ کے قاتل کی تلاش میں رہا کہ کہیں ملے تو اسے قتل کر ڈالے اور اس طرح اپنے باپ کا انتقام لے سکے۔ بلا خرہ مصعب بن زبیر کا زمانہ آیا اور مصعب ”جامعیراء“ اپنے دشمن سے جنگ کرتے گیا تو قاسم بن حبیب اسکے لشکر میں شامل ہوا تو انہیں اپنے باپ کے قاتل کو اسکے خیمے میں دیکھا پہنچانے کے بعد مناسب وقت کا نظار کیا اور آخر کار ایک رات اسے آرام حالت میں قتل کر دیا۔

۳۲ کہتے ہیں: جب حرام حسینؑ سے ملحق ہوا تو یزید بن سفیان نے کہا تھا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ یہ حسینؑ سے جا ملے گا

تو ایک ہی تیر سے اس کا کام تمام کر دیتا۔ فرسان الہیاء۔

۲۵ سید نعمت اللہ جزائری اپنی کتاب انوار نعمانیہ، ج ۳، ص ۲۶۵، میں بعض موثق افراد سے نقل کرتے ہیں جب شاہ اسماعیل نے بغداد کو فتح کیا تو کربلا گیا اور اس نے محسوس کیا کہ کچھ لوگ خُر کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے، لہذا حکم دیا کہ خربن یزید ریاحی کی قبر کھودی جائے چنانچہ جب قبر کھودی گئی تو (سب نے) دیکھا کہ خُر ایسے آرام کر رہے ہیں گویا کسی شہید کو ابھی دفنایا گیا ہو اور دیکھا کہ ان کی پیشانی پر رومال باندھا ہوا ہے۔ شاہ اسماعیل نے اہل تاریخ سنا تھا کہ امام حسینؑ نے خُر کی پیشانی پر خون روکنے کیلئے اپنا رومال باندھا تھا اور انھیں اسی رومال کے ساتھ دفن کیا تو شاہ اسماعیل نے حکم دیا کہ اسے کھولا جائے۔ چنانچہ جب رومال کھولا گیا لیکن جوں ہی رومال کھولا گیا سر مبارک سے تازہ خون اگلنے لگا یہاں تک کی قبر میں خون پھیلنے لگا اور جب اسے دوبارہ باندھا تو خون رک گیا اور جب دوبارہ رومال کھولا گیا تو پہلے والی کیفیت دیکھنے میں آئی حتیٰ دوسرا رومال باندھا گیا مگر خون بند نہ ہوا اور اس طرح خُر کا مقام اور ان کی منزلت تمام افراد پر روشن ہو گئی تب شاہ اسماعیل نے دستور دیا کہ مزار بنایا جائے اور مزار کیلئے خادم مہین کیے جو وہاں کی بجادری کریں۔

ضمنی طور پر یہ جانتا بھی، بہتر ہے کہ شیخ خُر عاملی (وسائل الشیعہ اور دیگر بہت سی کتابوں کے مؤلف) کا سلسلہ نسب انہی خربن یزید ریاحی سے ملتا ہے لہذا اسی سبب انھیں اور دیگر اہل خاندان کو آل خُر کہا جاتا ہے البتہ ہم نے شیخ خُر عاملی کی کتاب ”الایقان من الحجۃ بالرحمان علی الرجعت“ کے مقدمے میں مرحوم کے خاندان کے بارے میں تفصیل تحریر کیا ہے۔

۲۶ مشیر الاحزان، ابن نما، ص ۴۴۔

یہ طبری نے ابی جحف سے روایت کی ہے یہی ضحاک بن عبداللہ مشرقی کہتا ہے میں اور مالک بن نضر ارجی امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے ہماری پزیرائی کی اور ہمارے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے اور جب ہم سے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ تو عرض کی! سلام ودعائے عافیت کیلئے حاضر ہوئے ہیں، تاکہ تجدید عہد بھی ہو جائے اور آپؑ کو خبر دیں اہل کوفہ آپؑ سے جنگ کرنے یہاں آئے ہیں۔ امام نے فرمایا: جسی اللہ ونعم الوکیل، اور جب ہم نے جانے کی اجازت طلب کی تو امام نے فرمایا: تم ہماری مدد کرنے میں کس چیز کو حائل سمجھتے ہو؟ تو میرے ساتھی مالک بن نضر نے کہا: ایک تو ہم مقرض ہیں دوسرے اہل وعیال کا خیال ہماری راہ میں مانع ہے اور میں نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا، البتہ اس کے باوجود ہمیں اجازت دیں کہ اس وقت تک آپؑ کا ساتھ دیں جب تک آپؑ تمہارے رہ جائیں، چنانچہ اس وقت ہمیں جانے کی اجازت ہو، لہذا اس وقت تک ہم آپؑ کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ امام نے ہماری اس شرط کو قبول کیا، چنانچہ روز عاشور میں امام کے اس وقت تک ساتھ رہا جب تک سوائے دو افراد وید بن عمرو بن ابی مطاع شعمی اور بشر بن عمرو حضری کے کوئی باقی نہ رہا تو میں نے آکر عرض کی: اے فرزند رسول! کیا آپؑ کو یاد ہے کہ ہمارے اور آپؑ کے درمیان طے ہوا تھا کہ جب آپؑ تنہا رہ جائیں گے تو مجھے جانے کی اجازت ہوگی؟ امام نے فرمایا: مجھے یاد ہے مگر اتنا بتا کہ تو (عمر بن سعد کے) اس لشکر سے کیسے فرار کرے گا اگر جاسکتا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی غرض نہیں۔ ضحاک کہتا ہے جب عمر بن سعد کے لشکر میں گھوڑے ترک کیے جا رہے تھے تو میں نے اپنا گھوڑا کچھ خیموں کے درمیان باندھ دیا تھا اور پیادہ جنگ کر رہا تھا کہ دشمنان امام میں سے دو افراد کو قتل کیا، ایک کا بازو کاٹا اور اس وقت امام نے میرے بارے میں چند بار فرمایا:

لا تشل، لا یقطع اللہ یدک، جزاک اللہ خیراً من اہل بیت نسیک صلی اللہ علیہ وآلہ خدا تیرے ہاتھ سالم رکھے اور تجھے تیرے نبی کے اہل بیت کے سب بہترین اجر عطا کرے“ اس وقت امام نے مجھے جانے کی اجازت دی اور میں وہاں سے نکل کر اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار تیزی سے جا رہا تھا کہ گیارہ سپاہیوں نے میرا تعاقب کیا مگر کثیر بن عبداللہ شعی، ایوب بن مسرح خیوانی اور قیس بن عبداللہ صاندی نے مجھے پہچان لیا اور میں ان کی شفاعت سے جان بچائی میں کامیاب ہوا۔

۲۹ [گزشتہ صفحات پر نقل ہو چکا کہ زہیر بن قین کربلا کی راہ میں امام سے ملحق ہوئے اور شب عاشور انھوں نے امام حسین کی نسبت اظہار محبت کی۔ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ملتا ہے کہ ”السلام علی زہیر بن قین البجلی القاتل للحسین وقد اذن له فی الانصراف، لا واللہ لا یكون ذالک ابداً“ ترک ابن رسول اللہ اسیراً فی ید الاعداء وانجو! الارافی اللہ ذالک الیوم ابداً“۔

۳۰ توجہ رہے کہ زہیر بن قین کا یہ خطاب روز عاشور کے ابتدائی اوقات میں ہوا ہے، اس وقت امام نے کسی صحابی کو بھیج کر انھیں واپس بلایا اور یہی مطلب اگلے اس جملے ”نحن الان اخوة...“ سے بھی سمجھ میں آتا ہے۔

۳۱ مرحوم استاد شعرانی فرماتے ہیں: یہ جملہ اس بات کی جانب کنایہ تھا کہ کیونکہ صحرا نشین افراد کی ایڑیاں پھٹ جاتی تھیں لہذا بطور علاج وہ اس پر پیشاب کرتے تھے۔

۳۲ نفس المہوم ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

۳۳ تاریخ طبری، طبع مصر ج ۳ ص ۳۱۲۔

۳۴ وہ امام اور آپ کے اصحاب کی شہادت کے بعد کربلا سے جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوا اور کربلا میں اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا تھا۔

۳۵ تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۱ اس ماجرا کے بعد اسی غلام سے نقل ہوا ہے کہ: ”ثم ان الحسین ركب دابة ودعا بمضج فوضعه امامه، قال: فاقبل اصحابه بين يديه قتلا شديداً فلما رايت القوم قد صرعوا اقلت وتوكلهم“ اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ماجرا صبح عاشور کا ہے۔

۳۶ طبری ج ۳ ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

۳۷ گزشتہ صفحات پر ان دونوں کے نام ذکر ہو چکے ہیں یہ دونوں ایک ماں سے تھے ایک کا نام سیف بن حارث بن ربيع اور دوسرے کا نام مالک بن عبد بن ربيع تھا۔

۳۸ فرسان السیاح ج ۱ ص ۸۱ منقول از کتاب صفین نصر بن مزاحم۔

۳۹ بعض نے اسود کو اس کی جمع شہادت کے لیے بعض من جملہ استاد شعرانی نے ”فعلن“ کے وزن پر صفت بمعنی سیاہ استعمال کیا ہے لہذا تردید کی وجہ سے دونوں معنی تحریر کیے دیتے ہیں۔

۴۰ بحار الانوار ج ۵ ص ۲۹، نفس المہوم ص ۱۵۰۔

۴۱ مقتل مقرر ص ۲۱۵ ترجمہ نفس المہوم ص ۱۱۶، ۱۱۷۔

۴۲ اصحاب ج ۱ ص ۸۱ (طبع مصر) اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۳، اور اس کتاب میں روایت کے جملے یہ ہیں: ان ابنی هذا يقتل

بَارِضٍ مِنْ أَرْضِ الْعِرَاقِ فَمِنْ أَدْرَكَهُ فَلْيَنْصِرْهُ۔“

۳۳۱ بعض مقاتل میں ان کی والدہ کا نام ”بحریہ“ بنت مسعود خزرجی نقل ہوا ہے۔

۳۳۲ محدث قتی نفس المہوم میں فرماتے ہیں: ممکن ہے یہ واقعہ مسلم بن عوجہ کے فرزند سے متعلق ہو، کیونکہ ان کے بارے میں بھی بالکل اسی طرح کا واقعہ نقل کیا گیا ہے واللہ اعلم۔ جبکہ اسی کتاب کے حاشیے میں لکھتے ہیں، ممکن ہے یہ واقعہ مسعود بن حجاج کے بیٹے سے متعلق ہو، کیونکہ زیارت ناحیہ کا فقرہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے ”السلام علی مسعود بن الحجاج وابنه ...“

شہادتِ اہل بیتؑ

سب سے پہلے یہ مطلب بیان کرنا ضروری ہے کہ اصحاب و اعوان کی مانند اہل بیتِ امام حسینؑ کی وہ تعداد جو روزِ عاشورا کربلا میں شہید ہوئے مؤرخین کے نزدیک اختلافی ہے یعنی امام حسینؑ کے اہل خاندان جو کربلا میں شہید ہوئے ان کی تعداد کتبِ مقاتل میں مختلف نقل ہوئی ہے۔

شہدائے اہل بیتؑ کی تعداد

بعض روایات سے میں آیا ہے، امام حسینؑ کے علاوہ سترہ اہل بیتؑ کے افراد کربلا میں شہید ہوئے، چنانچہ ابنِ نما مختلف راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ جب ہم امام باقرؑ کی خدمت میں شہادتِ امام حسینؑ کا ذکر چھیڑتے تو امام باقرؑ فرماتے:

قُتِلُوا سَبْعَةَ عَشَرَ اِنْسَانًا كُلُّهُمْ اُرْتُكُصُوا اِلَيَّ يَطْنُ فَاِطْمَءَ بِنْتُ اَسَدٍ عَلَيَّ

”سترہ ان پاک و طاہر انسانوں کو شہید کیا گیا جو سب مادرِ علیؑ فاطمہ بنتِ اسد کی نسل سے تھے۔“ ۱
اسی طرح زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں ان سترہ شہداء کے نام ذکر ہوئے ہیں جو انشاء اللہ نقل کیے جائیں گے مالی صدوق میں نقل شدہ روایت کے تحت جنگِ صفین کیلئے جاتے وقت سرزمینِ کربلا سے امیر المومنینؑ کا گزر نقل ہوا ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

وَهَذِهِ اَرْضُ كَرْبٍ وَبَلَاءٍ يَلْقَى فِيهَا الْحُسَيْنُ وَسَبْعَةُ عَشَرَ جَلِيلًا مِنْ وَلَدِي وَوَلَدَاتِي لِلْفَاطِمَةِ ”یہی وہ کربلا

کی سرزمین ہے جس میں حسینؑ کے علاوہ میرے اور فاطمہ کے سترہ فرزند فتن کیے جائیں گے۔“
البتہ شاید فاطمہ سے مراد جیسا کہ گزشتہ روایت میں ذکر ہوا فاطمہ بنتِ اسد ہیں، لیکن کیونکہ ان سترہ شہداء میں بڑی تعداد امام حسنؑ و امام حسینؑ کی اولاد پر مشتمل ہے، از باب ”تعلیل“ ذکر ہوا ہے۔

شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں بھی اسی روایت کے مطابق نقل کرتے ہیں:

امام حسینؑ خاندان کے وہ افراد جو کربلا میں شہید ہوئے سترہ تھے اور ان میں اٹھارویں خود امام حسینؑ تھے، چنانچہ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

عباس، عبد اللہ، جعفر اور عثمان (یہ چاروں بھائی بی بی ام البنین کے بطن سے امیر المومنین کے فرزند تھے) عبد اللہ اور ابو بکر (یہ دونوں بھائی جناب لیلیٰ بنت مسعود داری کے بطن سے امیر المومنین کے فرزند تھے) (سید علی اور عبد اللہ) (یہ دونوں بھائی امام حسین کے فرزند تھے) محمد اور عون (یہ دونوں بھائی جناب عبد اللہ بن جعفر کے فرزند تھے) عبد اللہ، جعفر اور عبد الرحمن (یہ تینوں بھائی جناب عقیل بن ابی طالب کے فرزند تھے) اور محمد بن ابی سعید بن عقیل۔ ۴

جبکہ ایک قول کے مطابق امام حسین کے ہمراہ شہدائے اہل بیت اٹھارہ افراد پر مشتمل تھے جیسا کہ ریان بن شمیم سے نقل شدہ روایت میں امام رضا نے ان سے فرمایا:

يَا شَيْبُ إِنَّ كُنْتَ بَاكِياً لَيْسَ بِفَاتِكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَاتَهُ ذُبَيْحٌ كَمَا يُذْبَحُ الْكَبِشُ وَقِيلَ مَعَهُ مَنْ أَهْلُ بَيْتِهِ ثَمَانِيَةٌ عَشْرٌ رَجُلًا، مَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ شَيْئُونَ
”اے پسر شمیم! اگر گریہ کرنا چاہو تو حسین بن علی پر گریہ کرنا کیونکہ انھیں گوسفند کی مانند ذبح کیا گیا اور ان کے ساتھ اٹھارہ دیگر اہل خاندان کو جڑ کا روئے زمین پر کوئی ہمتا نہیں تھا انھیں بھی شہید کر دیا گیا۔“ ۵

ارشاد شیخ مفیدؒ میں عبد اللہ بن ربیعہ حمیری سے روایت ہے:

میں شام میں یزید بن معاویہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان سے میں زجر بن قیس داخل محفل ہوا تو یزید نے پوچھا اے زجر کیا خبر ہے؟ ابن قیس نے کہا: مبارک ہو ہم حسین بن علیؑ کو ان کے اٹھارہ افراد خاندان اور ساٹھ اصحاب کے ساتھ قتل کر دیا، کیونکہ ہم نے ان سے کہا تھا یا عبید اللہ کے آگے تسلیم ہو جائیں یا پھر ہم سے جنگ کریں.... ۶

ایسی ہی ایک اور روایت شمر بن ذی الجوشن سے بھی نقل ہوئی ہے۔

تیسرا نظریہ: امام حسین کے علاوہ بنی ہاشم کے اکیس افراد کر بلا میں شہید ہوئے، چنانچہ اس قول کو ابو الفرج نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں ان کے اسماء گرامی کے ساتھ نقل کیا ہے جس کے آخری فقرات یہ ہیں:

اولاد ابو طالب میں سے جو کر بلا میں شہید ہوئے ان کی اکیس تعداد کے علاوہ باقی تعداد میں اختلاف ہے۔

البتہ تیسرا قول اکیس غیر مشہور ہے، جبکہ دوسرا قول امام کے علاوہ اٹھارہ افراد پر مشتمل ہے جو انان بنی ہاشم کا وداع اور ان کا پہلا شہید

روایات و مقاتل کے مطابق جب امام حسین کے اعوان و انصار شہید ہو چکے تو بنی ہاشم اور اہل بیت کی

شہادتوں کا دور شروع ہوا، لیکن شہادتیں پیش کرنے سے قبل یہ تمام جوان ایک جگہ جمع ہوئے تاکہ ایک دوسرے سے وداع ہو، چنانچہ ان جان بکف جوانوں کی الوداعی ملاقات کو تصور کیا جائے تو پتھر دل بھی آنسو بہانے لگتے ہیں جسے فارسی زبان شاعر نے یوں نظم کیا:

کز سنگ نالہ خیزد وقت وداع یاران
تا بر شتر نیندد محمل بہ روز باران

آیڈ تا بگریم چون ابر در بہاران
با ساربان بگوید احوال اشک چشمم

اور عرب شاعر کہتا ہے:

وشہدت کیف نکرر التودیعہ

لو کنت ساعة بیننا ما بیننا

وعلمت ان من الحديث دموعاً

ایقنت ان من الدموع محذوفاً

”اگر ہم ہوتے تو ضرور دیکھتے کہ وہ کیسے ایک دوسرے سے رخصت ہو رہے تھے اور یقین ہو جاتا کہ ہمارے آنسو بولتے ہیں۔“

بہر حال بہتر یہ ہوگا کہ اس تاریخی منظر سے ہٹ کر دیگر واقعات کی جانب تحریری سفر جاری رکھیں کیونکہ کسی بھی بیان میں چاہے نشر ہو یا نظم اتنا توانا نہیں کہ اس جاسوز کیفیت کی عکاسی کرے اور اس منظر کا شاہد ہونا ان ہی عشق و ایثار کے مرتعول مرد و عورت کا نام تھا۔ جنہوں نے اپنے دلوں کو ایمان سے سرشار کر رکھا تھا۔

شہادت علی بن الحسینؑ

بہر حال اس جانگداز سماں کے بعد مشہور روایت یہی ہے کہ شہادت و کارزار کیلئے آمادہ ہونے والی پہلی شخصیت حضرت علی بن الحسینؑ تھے جو اذن جہاد یا کر میدان روانہ ہوئے۔ چنانچہ اس روایت کی تصدیق کیلئے زیارت ناحیہ میں حکم ہے، حضرت علی بن الحسینؑ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے یہ فقرہ پڑھیں:

السلام علیک یا اول قتیل من نسل خیر سلیل من سلالة ابرہیم الخلیل، صلی اللہ علیک وعلیٰ
ایک ”سلام ہو آپ پر اے شہید اول! جو ابراہیم خلیل اللہ کی ذریت میں بہترین فرد تھے اور درود و
صلوات ہو آپ پر اور آپ کے والد گرامی پر۔“

محدث قمی نفس الہجوم میں لکھتے ہیں:

شہداء اہل بیتؑ میں حضرت علی بن الحسینؑ کا شہید اول ہونا تاریخ طبری، ابن اثیر، ابوالفرج
اصفہانی ابوجنفیہ وینوری، شیخ مفید اور سید ابن طاووس کے نظریات سے مطابقت رکھتا ہے۔

اور استاد شعرانی بھی اس مطلب کی تائید میں فرماتے ہیں:

پیغمبرؐ غزوات میں دوسروں کی نسبت اس شخص کو دشمن کی سمت زیادہ روانہ کرتے تھے جو حضرتؑ سے

نزدیکی رکھتا تھا، چنانچہ امیر المومنین نجی البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

تمہمت سے بچنے کیلئے اور دوسروں کی (جانثاری میں) تاسی کرنا یہ بادشاہوں اور مملوک کا طریقہ کار نہیں رہا، بلکہ وہ اپنے قرابت داروں کو معرکے سے دور رکھتے ہیں۔

امام حسینؑ نے کربلا میں اپنے اس عزیز ترین فرزند کو راہ خدا میں قربانی کیلئے پہلے روانہ کیا تاکہ دیگر مجاہدین شہادت کو سنگین محسوس نہ کریں۔ لہذا امام حسینؑ اپنے اس عزیز، محبوب اور پیارے بیٹے کو اصحاب و اعموان پر بھی مقدم کرنا چاہتے تھے، مگر اصحاب امام یہ کہہ کر کاوٹ بنتے تھے کہ ہمارے ہوتے ہوئے امام کی اولاد و اہل بیتؑ پر کوئی آغچ نہیں آسکتی۔

مادر جناب علی بن الحسینؑ حضرت لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں، جبکہ جناب لیلیٰ کی والدہ (یعنی جناب علی بن الحسین کی محترمہ نانی) میمونہ بنت ابی سفیان تھیں۔ عروہ بن مسعود کا شمار بزرگان عرب میں ہوتا ہے، لہذا ان کی شخصیت کے بارے میں بہت سی احادیث اور کئی واقعات نقل ہوئے ہیں، لیکن یہاں خاص مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ہم انھیں بیان کرنے سے قاصر ہیں وہ ہجرت کے نویں سال مسلمان ہوئے اور حضرت رسول اللہؐ کی اجازت سے اپنی قوم کو مسلمان کرنے کیلئے طائف روانہ ہوئے، مگر انھیں وہاں شہید کر دیا گیا، چنانچہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ مَثَلَ عُرْوَةَ فِي قَوْمِهِ مَثَلُ صَاحِبِ بَيْسٍ فِي قَوْمِهِ ”بے شک عروہ کی اپنی قوم میں مثال ایسی ہے جیسے صاحب بایسن اپنی قوم میں۔“ ۹

کیا مادر جناب علی بن الحسینؑ کربلا میں موجود تھیں؟

کیا جناب لیلیٰ مادر جناب علی بن الحسینؑ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟ چنانچہ اثبات یا انکار کرنے کیلئے دلیل معتبر اور صحیح السند روایت کا فقدان ہے، البتہ ”ریاحین الشریعہ“ میں ایک تاریخ دان سے اور اغانی سے ابوالفرج نے نقل کیا ہے:

ایک اعرابی شتر سوار مدینے سے گزرتے ہوئے جب محلہ مبنی ہاشم سے گزرا تو اسے ایک گھر سے نالہ و فغاں کی ایسی حزین آواز سنائی دی جسے سن کر اونٹ چلتے چلتے رُک گیا اور وہ جانور اسی مقام پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص پشت شتر سے اتر کر اس گھر کے نزدیک ہوا اور دروازہ پر موجود کنیز کو دیکھ کر کہا: یہ کون رو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ لیلیٰ ہیں جو واقعہ کربلا کے بعد سے اب تک یوں ہی رو رہی ہے۔

البتہ تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ روایت اغانی میں موجود نہیں، لیکن بنا بر فرض اگر یہ روایت صحت بھی رکھتی ہو تو شاید وہ لیلیٰ بنت مسعود داری ہوں جو علی اکبرؑ کی زوجہ محترمہ تھیں، کیونکہ حضرت علیؑ کے دو فرزند عبد اللہ اور

ابوبکر جوان کے بطن سے تھے کہ بلا میں شہید ہوئے (البتہ ان کے بارے میں تفصیل آئندہ صفحات پر پیش کی جائے گی) بہر حال صحت و ستم کے باوجود بھی ایسی داستان کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی اشعار و زبان حال کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا اور جو مرحوم حاجی نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، وہ بھی اصالت نہیں رکھتا اور جیسا کہ خود نام زبان حال سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسے کسی مطلب پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔
کیا کر بلا کے شہید علی بن الحسینؑ، علی اکبرؑ تھے؟

یہ مطلب بھی روایات و احادیث میں اختلاف کی وجہ سے واضح نہیں ہوتا کہ امام حسینؑ کے کر بلا میں شہید ہونے والے فرزند کا نام علی اکبرؑ تھا؟ کیونکہ شیخ مفیدؒ کے مطابق علی بن الحسینؑ علی اصغرؑ تھے اور علی اکبرؑ کر بلا کے بعد بھی زندہ رہے ہیں جن سے امام حسینؑ کی نسل چلی جیسا کہ شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں شہداء کر بلا میں جناب عابس بن شیبہ کی شہادت کے بعد لکھتے ہیں:

اور اس طرح ایک ایک کر کے ناصران حسینؑ نے اپنی شہادت پیش کیں مگر جب امام حسینؑ کے خاندان کے سوا کوئی باقی نہ رہا تو حضرت کے فرزند علی بن الحسینؑ آگے بڑھے کہ جنگی مادر گرامی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں نیز حضرت علی بن حسینؑ اس زمانے میں نہایت حسینؑ و خوبصورت انیس سالہ جوان تھے۔ ۱۲

اسی طرح ایک مقام پر فرزند امام حسینؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام حسینؑ کے چھ فرزند تھے کہ جن میں:

۱۔ علی بن الحسینؑ ”اکبر“ جنگی کنیت ابو محمد اور والدہ کا نام شاہ زبان بنت یزید جرد۔ (ایران کا بادشاہ)

۲۔ علی بن الحسینؑ ”اصغر“ جو اپنے پدر گرامی کے ساتھ کر بلا میں شہید ہوئے جنگی والدہ کا اسم گرامی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن مسعود ثقفی تھا۔ ۱۳

لیکن ابن اوریس نے اپنی کتاب سرائر میں لکھا ہے:

وہ (پہلے شہید) علی اکبرؑ تھے جو خلافت عثمان کے دور میں متولد ہوئے اور انھوں نے حضرت علیؑ سے بہت سی روایات نقل کی ہیں اور بہت سے عرب شاعروں نے ان کی مدح سرائی کی ہے، چنانچہ ابی عبیدہ اور خلف احمر روایت کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اشعار جناب علی اکبرؑ کی شان میں لکھے گئے ہیں:

من محتف یمشی ولا ناعل

لم تر عین نظرت مثله

”کسی بھی آنکھ نے چاہے اس کام صاحب صاحب نعلین ہو یا بابر ہند اس جیسا خوبصورت نہیں دیکھا۔“

انضج لم یغل علی الاکل

یغلی بنی اللحم حتی اذا

”گوشت (غذا) کو پہلے ہی سے آمادہ رکھتا ہے تاکہ مہمانوں کو انتظار نہ کرنا پڑے۔“ (یہ ایک اچھی میزبان کی

صفت ہے کہ وہ غذا ایسی لذیذ پیش کرتا ہے کہ جس میں کچا پن نہیں ہوتا۔

کان اذا شئت له ناره یوقدہا بالشرف الکامل

”اس کا چولہا مہمانوں اور بھوکوں کیلئے خوب جلتا ہے یہ دنیا کو دین پر اور حق پر باطل کو ترجیح نہیں دیتا۔“

کیما یراہا باس مُرمل او فردحی بالآہل

”اُسے در ماندہ فقیر اور بے کس و غریب انسان ہی دیکھتا ہے۔“

اعنی ابن لیلی ذی السدی والندی اعنی ابن بنت الحسب الفاضل

”میری مراد جو دو سٹاک خدا پرست لیلی ہے جو پاک و طاہر اور ایک با عظمت بی بی کا فرزند ہے (یعنی ان کی والدہ شریف زادی اور اعلیٰ و مشہور خاندان سے وابستہ ہیں۔)“

لا یوثر الدنیا علی دینہ ولا یسع الحق بالباطل

”کہ جس کے دین پر دنیا اور حق پر باطل اثر انداز نہیں ہوتا۔“

بعدا ذال ابن اور یس کہتے ہیں:

اس بارے میں علماء نسب اور تاریخ و احادیث کے جاننے والوں مثلاً زبیر بن بکار، ابوالفرج اصفہانی بلا ذریٰ مزنی لباب اخبار الخلفاء کے مصنف عمری نسائی، کتاب زوایر و مواظع کے مصنف ابن قتیبہ معارف میں طبری دینوری میں اور دیگر ایسے ہی صاحبان قلم کی نظر اولیت رکھتی ہے۔

محدث قتی مندبجہ بالا آیات سے جناب علی بن الحسینؑ کا علی اکبرؑ ہونا ظاہر کرتے ہیں جس کی توضیح استاد شعرانی دیتے ہیں:

بعید ہے کہ ایک عرب شاعر (اہل بیت کی شناخت نہ رکھنے) اور ایسے اشعار ایک اٹھارہ سالہ بچے کیلئے کہے اور اسی طرح ابوالفرج اصفہانی، مغیرہ بن شعبہ سے معاویہ بن ابی سفیان کا کلام نقل کرتے ہیں جو خود اس بات پر مؤید اور دلیل ہے۔ (البتہ اس کی تفصیل بیان ہوگی)

مرحوم محدث قتی امام جعفر صادقؑ کی لسان مبارک سے ایک زیارت نامہ بطریق ابو حمزہ ثمالی نقل کرتے ہیں، جس سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت علی بن الحسینؑ صاحب اہل و عیال تھے۔ چنانچہ اس زیارت میں امام فرماتے ہیں: صَلَّی اللہ علیک وعلیٰ عترتک و اہل بیتک و آبائک و ابنائک

اسی طرح معروف تاریخ دان یعقوبی اور مسعودی بھی قائل ہیں کہ علی بن الحسینؑ جناب علی اکبرؑ تھے۔ ان تمام دلائل اور محدثین و مؤرخین کے اقوال ہونے کے باوجود خود امام حسینؑ کا وقت رخصت جناب علی بن الحسینؑ کیلئے ایک ہاتھ سے اپنی ریش مبارک تھا ما اور دوسرے دست مبارک کو بلند کر کے فرمایا:

اللہم اشہد علیٰ ہؤلاء القوم فقد برز الیہم غلام ”اے خدا گواہ رہنا میں اس قوم کی جانب ایسے جوان کو بھیج رہا ہوں۔۔۔“

حتی جیسے محدث قتی کے علاوہ دیگر صاحبانِ نظر نے بھی نقل کیا ہے، چنانچہ واضح سی بات ہے کہ چھبیس یا ستائیس سالہ مرد کو (عربی زبان میں) غلام یعنی جوان سے تعبیر نہیں کیا جاتا وہ بھی کلامِ معصوم میں۔ اور اسی طرح جناب علی بن الحسینؑ سے منسوب رجز میں یہی ہے:

نحن وبیت اللہ اولی بالنبی

اناعلی بن الحسین بن علی

ضرب غلام ہاشمی علوی

اضر بکم بالسیف حتی یشی

”میں علی بن الحسین بن علی ہوں، ہم اور بیت اللہ رسول اللہؐ کے قریب ہیں، اپنی تلوار سے اتنا ماروں گا

یہاں تک کہ وہ ڈوٹ جائے تب تم جانو گے کہ ہاشمی جوان کیسے مارتا ہے۔“

مگر افسوس بزرگانِ حدیث کی کتابوں مثلاً ابنِ شہر آشوب وغیرہ کی عبارتیں اطمینان آور نہیں ہیں (شاید ناخواندوں سے یہ کام ہوا ہو)، لہذا ان کے اقوال پر صدور صداعتقاؤ نہیں کیا جاسکتا مثلاً ایک مقام پر ابنِ شہر آشوب فرزند انِ امام حسینؑ کے بارے میں بطور مسلم لکھتے ہیں:

ابناؤنہ علی اکبر الشہید ائمہ برة بنت عروة بن مسعود ثقفی، وعلی الامام وهو علی الاوسط

وعلی الاصغر وھما من شہزبانویہ ۱۷

جبکہ اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر امام زین العابدینؑ کی حالاتِ زندگی کتابِ بدع اور کتابِ شرح الاخبار سے نقل کرتے ہیں:

... ان عقب الحسین من ابنہ علی الاکبر وآلہ ہوا باقی وبعدا بیہ وان مقتول هو الاصغر منھما وعلیہ نعول

بھائی علی بن الحسین کان یوم کربلا من انباء ثلاثین سنواں محمد الباقی (ع) ابنہ کان یومئذ من انباء

خمس عشر سنواں کان لعلی الاصغر المقتول نحو اثنی عشر سنواں ۱۸

تعب ہے کہ مرحوم علامہ مجلسیؒ نے ان دونوں مختلف اقوال کو بغیر کسی توضیح و تشریح کے نقل کیا ہے۔ محلِ یا علی بن عیسیٰ اربلی کشف الغمہ میں شیخ مفیدؒ کی تحریر نقل کرتے ہیں، جبکہ شیخ مفیدؒ کی کتاب ارشاد طبع شدہ مختلف نسخوں میں کچھ اور عبارت نظر آتی ہے۔ بنا برائیں یہی تحریر میں اختلاف بداعتمادی کو ایجاد کرتی ہیں۔ ۱۸

جناب علی بن الحسینؑ اور ان کے اہل و عیال پر تحقیق

شیعہ اور اہل سنت کے ان دانشوروں کے مطابق جو قائل ہیں کہ شہید کربلا جناب علی بن الحسینؑ علی اکبر تھے اور وہ عثمان کے دورِ خلافت میں متولد ہوئے ماننا پڑے گا کہ روز عاشورا جناب علی اکبر کا سن مبارک پچیس سال سے زیادہ تھا، کیونکہ عثمان بن عفان کا قتل ۳۵ھ میں ہوا، جبکہ واقعہ کربلا ۶۱ھ ہجری میں رونما ہوا، چنانچہ کربلا میں جناب علی اکبرؑ کی عمر چھبیس یا ستائیس سال ماننا پڑگی اور اس طرح وہ صاحبِ اہل و عیال بھی ہوں گے جیسا کہ محدث قتی نے بھی اپنی کتاب نفس المہموم ۱۹ میں اسی نظریہ کو انتخاب کرتے

ہوئے اسے دلائل و شواہد کے ساتھ پیش کیا ہے۔

مؤلف کا خیال ہے:

اگر جناب علی بن الحسین علی اکبرؑ تھے اور وہ عثمان بن عفان کے دور خلافت میں متولد ہوئے تھے تو ناچار چھبیس یا ستائیس سال عمر تسلیم کرنا پڑے گی اور اسی طرح ان کے اہل و عیال کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ روایات و واقعات کے ذریعے ثابت شدہ بات ہے کہ جناب سید السجاد امام زین العابدین کے اہل و عیال کر بلا میں موجود تھے حتیٰ امام محمد باقرؑ کا سن مبارک چار سال تھا جنہوں نے کر بلا پھر کوفہ اور پھر شام کا سفر کیا، لہذا بعید ہے کہ امام حسینؑ اپنے چھوٹے فرزند امام زین العابدینؑ کا عقد کریں مگر بڑے بیٹے علی اکبر کو بغیر شادی (ازدواج) کے ہی رہنے دیں.... واللہ اعلم

جناب علی بن الحسینؑ کے فضائل و کمالات

اس موضوع پر جس روایت کو ہم پہلا مطلب شمار کر رہے ہیں اسے بعض افراد نے گزشتہ بحث (علی اکبر تھے یا نہیں بلکہ علی اصغر یا اوسط تھے) پر دلیل کے طور پر استعمال کیا ہے اور وہ یہ روایت ہے جسے ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں محمد بن سلیمان سے نقل کیا ہے اور جس کا راوی مغیرہ ہے:

ایک روز معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے افراد کی جانب رخ کر کے کہا: تمہارے نزدیک اس زمانے میں خلافت کا مستحق کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے امیر آپ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔ معاویہ نے کہا:

نہیں بلکہ لوگوں میں خلافت کا مستحق علی بن الحسینؑ ہیں جس کے جد رسول اللہ ہیں اور وہ چند صفات یعنی شجاعت، بنی ہاشم، سخاوت، بنی امیہ اور قبیلہ ثقیف کے حسن و جمال کا مالک ہیں۔

الغرض یہ روایت اگر صحیح السند بھی ہو تب بھی معاویہ کی منصفانہ قضاوت پر دلیل نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ اُن میں سے نہیں جو اتنی سادگی سے اہل بیت کی عظمت کا اقرار کرے، بلکہ (دال میں کالا ہے) وہ اس بہانے سے بنی امیہ کی خود ساختہ فضیلت کو ذہنوں میں منتقل کرنا چاہتا تھا اور یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ علی بن الحسینؑ کا داری سلسلہ بنی امیہ سے ملتا ہے اور ان کے فضائل میں خاندان امیہ کا بھی دخل ہے، جبکہ تاریخ کے طالب علموں پر پوشیدہ نہیں کہ بنی امیہ کی جس سخاوت کا ذکر معاویہ کر رہا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ معاویہ کا دادا عبدالشمس بنی ہاشم کی دولت پر پلا اور اس کا باپ ابوسفیان اتنا خیل تھا کہ اپنی زوجہ ہند کو ہاتھ خرچ سے محروم رکھتا تھا، لہذا وہ مجبوراً ابوسفیان کے پیسے چرائی تھی اور معاویہ (کی اس غلط بیانی) کا شاید ایک ہدف یہ بھی ہو کہ وہ منصب امامت خاص طور پر امام حسنؑ و امام حسینؑ کی امامت کو کم رنگ اور بے وقعت شمار کرتا تھا۔ بہر طور معاویہ نے قرینۃ الی اللہ یہ بظاہر منصفانہ الفاظ زبان پر جاری نہیں کیا کہ اولاد رسولؐ کی فضیلت

بیان ہو جائے ورنہ وہ کبھی اپنے نابکار، شرابی اور ناجائز فرزند یزید کی بیعت پر لوگوں کو مجبور اور نہ اس راہ میں ہر طرح کا فعل انجام نہ دیتا۔

بہر حال علی بن الحسین کے فضائل و مناقب میں بہترین اور جامع جملہ امام حسین کا وہ جملہ ہے جو حضرت نے جناب علی بن الحسین کو میدان روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

اللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ الْبِهْمِ غِلَامٌ

اور اس فرزند کی شہادت پر اتنے متاثر ہوئے کہ آپ پر انتہائی غم و اندوہ کا عالم دیکھا گیا اور وہ منع رحمت الہی ہے مثال مبرم و تحمل کے باوجود پسر سعد اور قاتلان علی بن الحسین پر لعنت کر رہے تھے جو خود کمالات انسانی کے مالک جناب علی بن الحسین کی نسبت امام حسین کی محبت اور الفت پر بہترین دلیل ہے نیز اس کی تفصیلات آئندہ صفحات پر آنے والے موضوع میں ملاحظہ فرمائیں۔

شہادت علی بن الحسین

بحار الانوار اور نفوس المہموم میں ہے کہ جب علی بن الحسین نے اذن جہاد طلب کیا، امام نے ان کی جانب حسرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ ۲۰

ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ نَظْرَ آيِسَ وَأَوْخَى (ع) عَيْنِيهِ وَبَكَى وَرَفَعَ شَيْئَةً (سَبَابَةً خَلَّ مِنْهُوَ السَّمَاءُ) وَقَالَ: اللَّهُمَّ اشْهَدْ عَلِيَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَقَدْ بَرَزَ إِلَيْهِمْ غِلَامٌ أَشْبَهَ النَّاسَ خُلُقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُولِكَ، كَمَا إِذَا اشْتَقْنَا إِلَى نَيْبِكَ نَظَرْنَا إِلَى وَجْهِهِ، اللَّهُمَّ امْنَعْنَهُمْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ، وَفَرِّقْهُمْ تَفْرِيقًا وَمَزِّقْهُمْ تَمْزِيقًا، وَاجْعَلْهُمْ طَرَاتِقَ قَدَدًا، وَلَا تَرَضْ أَوْلَاءَهُ عَنْهُمْ أَبَدًا، فَإِنَّهُمْ دَعَوْنَا لِنَنْصُرُ وَنَأْتَمَّ عَدُوًّا أَعْلَيْنَا بِقَاتِلُونَا

”پھر حسرت بھری نگاہوں سے علی کو دیکھ کر گریہ فرمایا اور اپنی ریش مبارک کو انگشت (شہادت) سے آسمان کی جانب بلند کیا اور فرمایا: اے پروردگار! گواہ رہنا اس قوم کی جانب ایسا نوجوان جارہا ہے جو اخلاق، گفتار اور حسن میں تیرے رسول سے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ شباهت رکھتا ہے جب ہم پیغمبر کے دیدار کے مشتاق ہوتے تو اس جوان کی زیارت کرتے تھے، اے خدا! انھیں زمین کی برکتوں سے محروم کر دے انھیں تتر بتر اور پراکندہ کر دے ان کے درمیان اختلاف ڈال تا کہ ہر ایک اپنی راہ اختیار کرے اور حاکموں کو ان سے ناراض کر دے کیونکہ انھوں نے مجھے بلایا، دعوت دی کہ میری مدد کریں مگر مدد دہر کناریہ لوگ مجھ سے جنگ کرنے پر اتر آئے ہیں۔

مؤلف کہتے ہیں:

امام کی بددعائے آج تک کوفہ والوں کو خیر و برکت سے دور رکھا ہوا ہے اور منصور و انقی کے دور میں جب بغداد تعمیر کیا جا رہا تھا اس وقت اہل کوفہ والیاں عراق کے غیظ و غضب کا شکار تھے اور وہ

انھیں سرکش و نافرمان شمار کر رہے تھے اور اس وقت ان کے درمیان اختلاف اور تفرقہ حد سے گزر چکا تھا اور جب بغداد تعمیر ہو گیا تو حکمران وہاں سے بغداد منتقل ہو گئے اور اس طرح کوفہ تاریخ ویرانے میں تبدیل ہو گیا۔

جیسا کہ گزشتہ صفحہ پر بحث تھی، امام حسینؑ کا اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کے بارے میں ”غلام“ یعنی نو جوان کا لفظ استعمال کرنا بتاتا ہے کہ وہ تازہ خیز جوان تھے اور یہ عبارت شیخ مفیدؒ اور ابن شہر آشوب وغیرہ کے اس نظریے پر تائید کا کام انجام دیتی ہے کہ علی بن الحسینؑ اٹھارہ انیس سالہ جوان تھے اور وہ امام سجادؑ کو ”علی اکبر“ مانتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

شاہ شہیدان غریق بحر کرامت
می روی و نیست بر تو جای ملات
گفت بہ اکبر پسر برو سلاط
اینکہ تو داری قیامت است نہ قامت
جامہ مرگ ای پسر ہمی ببرت کرد
سینہ سپر کر دپیش تیر ملامت
بہر حال اس کلام کے بعد امام حسینؑ عمر بن سعد کی جانب متوجہ ہوئے جو بدعت اور بے سعادت لوگوں پر حاکم تھا اور لعنت کرتے ہوئے فرمایا:

فَطَعَّ اللَّهُ رُحْمَكَ وَلَا بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِي أَمْرِكَ ۝ وَسَلَّطَ عَلَيْكَ مَنْ يَذْبُحُكَ بَعْدِي عَلِيٌّ
فَبِأَشْكٍ مَفْطُوعٌ رُحْمِي ۝ وَلَمْ تَحْفَظْ قَوْلَ أَبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ”خدا تیرا رحم (نسل) منقطع
کردے، تیرے کاموں سے برکت اٹھالے اور میرے بعد تجھ پر ایسے فرد کو مسلط کر دے جو تجھے
تیرے بستر پر قتل کر دے جیسے تُو میری اولاد کو قتل کر رہا ہے اور (اے عمر بن سعد) دیکھ تُو نے رسول اللہؐ
سے میری قربت کا کوئی خیال نہیں رکھا ہے۔“

چنانچہ یہ بد دعا بھی پوری ہوئی اور عمر بن سعد کی نسل منقطع ہوئی اور اس طرح واقعہ کر بلا کے بعد کوفہ پر مختار ثقفی حکم فرما ہوئے اور انھوں نے عمر بن سعد کو قتل کرنے کیلئے ایک شخص روانہ کیا جس نے سوئے ہوئے عمر بن سعد کو قتل کیا اور اس کا سر مختار ثقفی کو لا کر دیا۔

امام نے اس گفتار کے بعد با واز بلند یہ آیت قرآنی تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ نُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّتَهُمْ هُمْ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأُمَمٌ مِّنْهُمْ نَبِيُّ اللَّهِ وَمُبَارَكُ اسْمُهُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

بہر حال جناب علی بن الحسینؑ کا میدان میں جانا امام حسینؑ پر ان کی رسول اللہؐ سے شبابہت کی وجہ سے انتہائی دشوار تھا۔ اس مقام پر فارسی زبان شاعر امام حسینؑ کا زبان حال نظم کرتا ہے۔

خدا ز سوز دلم آگهی کہ جانم رفت
خدا ز عزیز تر دم اکبر جوانم رفت
شیہ خاتم پیغمبران ز دستم رفت
ز بوستان ولایت گلی ز دستم رفت

اسی طرح شیخ علی ابن شیخ العراقین سے یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

شہ عشاق خلاّق محاسن بہ کف بگرفت آن نیکو محاسن

بہ آہ و نالہ گفت: ای داور من سوی میدان کیں شد اکبر من

بہ خلُق و خوی و از رفتار و کردار بُداین نورستہ همچون شاہِ مختار

اس کے علاوہ جو دی خراسانی سے زبانِ حال کے طور پر یہ اشعار نقل ہوئے ہیں:

ای قدرت سرو خرامان و رُخت ماہِ تمام مہر بنمودہ فروغِ ازمہ رخسار تو وام

پیش رویم دمی ای سرو خرامان بخرام اور بہ زہ می شدومی گفت حسین در ہر گام

حیف از این سرو خرامان کہ ز یامی افتد آہ کین مرغِ خوش الحان ز نوامی افتد

اس مقام پر عثمان سامانی یوں لکھتے ہیں:

گفت کایِ فرزندِ مقبل آمدی آفت جانِ رهنِ دل آمدی

کردہ ای از حق تجلی ای پسر زین تجلی فتنہ ہاداری بہ سر

راست بھر فتنہ قامت کردہ ای وہ کزین قامت قیامت کردہ ای

گہ دلم پیش تو، گاہی پیش اوست رو کہ در یک دل نمی گنجد و دوست

بیش از این بابا دلم را خون مکن زاد نہ لیلی دلمِ مجنون مکن

پیش پابر ساغرِ عالمِ مزین نیش بردل، سنگِ بر بالِ مزین

ہمچو چشمِ خود بہ قلبِ دلِ متاز ہمچو زلفِ خود پریشانِ مساز

پس برفت آن غیرتِ خورشید و ماہ ہمچو نور از چشم، جان از جسمِ شاہ

بعض روایات کے مطابق امام حسین نے اپنے اس فرزند کو ایک مخصوص گھوڑے ”لاحق“ پر سوار کیا جس پر علی بن الحسین بابا کی عطا کردہ سواری پر بیٹھ کر میدان آئے اور یہ رجز پڑھتے ہوئے حملہ کیا۔

انا علی بن الحسین بن علی نحن و بیت اللہ اولی بالی

من شیت و شہر ذاک الدنئی اضربکم بالسیف حتی یثنی

ضرب غلامِ ہاشمی علوی ولا زال الیوم احمی عن ابی

تا اللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

”میں ہوں علی بن الحسین ابن علی، قسم بخدا ہم شیت بن ربیع اور پست و پلید انسان شمر ۳۳ کی نسبت پیغمبر خدا سے نزدیک ہیں میں اپنی تلوار کو تم پر چلاتا رہوں گا یہاں تک کہ وہ میڑھی ہو جائے وہ ایک ہاشمی اور علوی کی ضربت ہوگی اور آج میں اپنے والد کی حمایت میں رہوں گا، قسم بخدا اس پسر زنا زادے کو ہم پر حکم فرمائی کا کوئی حق نہیں۔“

اور مسلسل اس سوو آں سو حملہ کرتے اور یکے بعد دیگرے مرکب و راکب زمین پر گر رہے تھے یہاں تک

کہ اکثر اہل تاریخ کا بیان ہے:

ایک سوئس سے زیادہ لوگوں کو دوزخ روانہ کیا اور اس وقت جنازوں کی کثرت سے دشمن کے لشکر میں نالہ و فغاں بلند ہوا اور اس جوان پر تشنگی نے غلبہ کیا تو پدھر گرامی کے نزدیک آئے اور فرمایا:

يَا بَابَ الْعَطَشِ قَدْ قَتَلَنِي، وَثَقَلَ الْحَدِيدُ أَجْهَدَنِي، فَهَلْ إِلَى شُرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ سَبِيلٌ أَتَقْوَى بِهَاعِلَى الْأَعْدَاءِ

”اے بابا! تشنگی نے مجھے مار ڈالا ہے اور ہتھیاروں کے وزن نے مجھے تھکا دیا ہے، کیا ایک گھونٹ پانی مل سکتا ہے تاکہ تازہ دم ہو کر دشمن پر حملہ کروں۔“

شاعر کہتا ہے:

بالب خشکیدہ سوی باب شد

شیر بچہ از عطش بیتاب شد

آمدم تک سویت ای دریای جود

گفت شاہات تشنگی تا بم ربود

صبرم از یاد دست گیر ای دست گیر

بُرده ثقل آہن و تاب ہجیر

شاید جناب علی بن الحسین اپنے بابا (امام حسین) سے کہنا چاہتے تھے کہ یہ دشمن تو میرا کچھ نہیں لگاڑ سکتا مگر اسلحہ کی سنگینی نے مجھے خستہ کر دیا ہے، لہذا اگر پانی کی سبیل ہو جاتی تو اپنی تھکن دور کر کے اس قوم کے جو خدا سے بے خبر ہے قدم اکھاڑ دیتا۔ البتہ علی بن الحسین کا سوال آب بے موقع نہیں تھا، کیونکہ اس سے پہلے بھی امام حسین نے شدید لگاؤ کی وجہ سے اپنے اس فرزند کی خواہشات کو معجزہ کے طریقے سے پورا کیا ہے چنانچہ مرحوم سید ہاشم بحرانی اپنی کتاب مدینۃ المعاجز میں عبد اللہ بن محمد سے روایت کرتے ہیں:

ایک مرتبہ علی بن الحسین نے اپنے بابا امام حسین سے ایسے ایام میں انگور طلب کیے جو انکو رکام موسم نہ تھا تو امام نے ستون مسجد پر ہاتھ مارا تو اسی مقام سے انگور اور کیلا ظاہر ہوئے تب آپ نے فرمایا:

مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا وَلِيَّاهُ الْكَبِيرُ ”اللہ کے نزدیک اپنے اولیاء کیلئے کچھ کرنا تعجب کی بات نہیں۔“

بہر حال اس موضوع پر روایات مختلف ہیں لہذا ایک روایت کے مطابق امام نے اپنے اس فرزند کی درخواست پر انتہائی اندوہ کی حالت میں فرمایا:

يَا بَنِي يُعَزُّ عَلِيٌّ مُحَمَّدًا وَعَلِيٌّ عَلِيٌّ بَنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَلِيٌّ أَنْ تَذْتَدَّ غُوْهُمُ فَلَاحِيْجِيْوُكُ، وَتَسْتَفِيْعُ بِهِمْ فَلَاحِيْغِيْوُكُ، يَا بَنِي هَاتِ لِسَانَكَ ... ۲۵ ”اے میرے لال! انا نارسل اللہ، بابا علی ابی طالب اور مجھ پر بہت دشوار ہے کہ تم سوال کرے اور وہ جواب نہ دیں، اے میرے لال! ذرا اپنی زبان نزدیک لاؤ۔“

چنانچہ روایت میں ہے کہ امام نے علی بن الحسین کی زبان اپنے دھان میں لی اور پھر انکشر انھیں دیتے ہوئے فرمایا: اے اپنے منہ میں رکھ کر دشمن سے جنگ کرنے جاؤ۔

اس روایت کے مطابق گویا امام نے علی بن الحسین کے سوال آب کا جواب دیا اور بہر طور ان کی تنگی دور کرنے کا سامان کیا، جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام نے سوال آب سن کر گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَاعْوِثَا اِيَّابَنِي قَاتِلْ قَلِيلًا فَمَا اسْرَعَ مَا تَلْقَى جَدَّكَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللہ علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَيَسْفِيكَ بِكَاسِيہِ الْاَوْفَى شَرْبَةً لَا تَطْمَئِنُّ لَهَا بَدَا "ہائے بے کسی! اے میرے لال، کچھ دیر اور جنگ کرو کیونکہ کتنا نزدیک ہو چکا ہے کہ تم اپنے جد رسول اللہ کے دست مبارک سے شربت نوش کرو کہ جس کے بعد کبھی پیاس محسوس نہیں کرو گے۔"

چنانچہ جناب علی بن الحسین یہ رجز پڑھتے ہوئے دوبارہ میدان روانہ ہوئے۔

و ظہرت من بعدہا صادق

الحرث قد بانث لها الحقائق

جُمُو عَظْمُ اَوْ تَعْمَدُ الْبَوَارِقُ

وَاللہ رَبُّ الْعَرْشِ لَا تَفَارِقُ

"یہ جنگ ہے جو مردوں کے جوہر اور ان کی قلبی کھولتی ہے اور تمہارے تمام دعوے جنگ کے بعد آشکار ہوں گے مجھے رب عرش کی قسم اس وقت تک تمہارے اس کثیر التعداد لشکر سے دور نہیں جاؤں گا جب تک تلواریں نیام میں نہ چلی جائیں۔"

اور اس طرح وہ جوان مصروف کارزار رہا یہاں تک کہ دو دست افراد واصل جہنم کیے۔ مگر اباب مقابل مثلاً شیخ مفید وغیرہ لکھتے ہیں:

"اہل کوفہ علی بن الحسین کے قتل سے گریز کر رہے تھے شاید اس لیے کہ ان کا مادری سلسلہ نسب بنی امیہ سے ملتا تھا ۲۶ کیونکہ علی بن الحسین کی نانی ابوسفیان کی دختر یعنی یزید کی پھوپھی تھیں، لہذا اہل کوفہ شاید یزید کا پاس رکھ رہے تھے۔ ۲۷ مثلاً ایک اور روایت میں ہے:

جب علی بن الحسین میدان میں آئے تو عمر بن سعد یا کسی اور فرد نے آواز دی! اے علی! تم خلیفہ وقت یزید سے رشتہ داری رکھتے ہو، لہذا اگرچہ تو تمہیں امان مل سکتی ہے مگر انھوں نے جواب دیا:

لِقُرَابَةِ رَسُولِ اللہ اَحَقُّ اَنْ تُدْعٰی "میں تمہیں سے رشتہ داری مراعات کی سزاوار ہے!"

یا شاید ان کا خیال اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ رسول اللہ سے شباہت رکھتے تھے اور لوگ رسول اللہ کا آئینہ نہ سمجھتے ہوئے ان کے قتل پر حیا کر رہے تھے۔

بہر حال علی بن الحسین پیوستہ وار حملے کر رہے تھے اور ان بے شرم و بے حیا کافروں کے کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے، یہاں تک کہ مرہ بن منعقد عبدی نامی ایک شخص نے کہا:

"میں گناہ عرب اپنی گردن پر لیتا ہوں، چنانچہ اگر اس جوان کا سامنا مجھ سے ہوا تو اس کے باپ کو اس کا داغ ضرور دوں گا۔ بعد ازاں یہ علی بن الحسین کے سامنے آیا اور لڑتے لڑتے اپنا نیزہ شبیہ

پیغمبر کی پشت پر مارا جس سے وہ زمین پر گرنے لگے۔“

دوسری روایت کے مطابق اس نے حضرت کے سر مبارک پر تلوار ماری جس کے اثر سے سر مقدس شگافتہ ہو گیا، اس پر علی بن الحسین نے جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے گھوڑے کی گردن تھام لی، مگر وہ علی اکبر کو دشمن کی سمت لے گیا ادھر دشمن جو پہلے سے علی بن حسین کی تلواروں سے داغدار ہوئے تھے اس کی تلانی کی اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ۲۸ تمام ارباب مقاتل نے لکھا ہے جب علی بن الحسین گھوڑے سے زمین پر گرے تو آواز دی:

عَلَيْكَ مَنِ السَّلَامُ يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ هَذَا جَدِّي رَسُولُ اللَّهِ فَدَسَّقَانِي بِكَاسِهِ الْأَوْفَى شَرِبَةً لَا أَنْظِمُ
بعدها بدأ و هو يقول: الْعَجْلُ الْعَجْلُ إِنَّ لَكَ كَأْسًا مَذْخُورَةً حَتَّى تَشْرَبَهَا السَّاعَةَ... ۲۹
”یا ابا عبد اللہ آپ پر میرا سلام ہو، یہ میرے جد رسول اللہ ہیں جنہوں نے شربت شیریں سے مجھے ایسا سیراب کیا ہے آئندہ کبھی مجھے پیاس نہیں لگے گی اور وہ فرما رہے ہیں (اے حسین) جلدی کرو تمہارے لیے بھی جام شربت رکھا ہے، آؤ تمہیں سیراب کر دیں۔“ ۳۰
علی بن الحسین کے اس روح افزا پیغام سے پہلا استفادہ یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ اس آیت کی تفسیر میں نقل ہونے والی روایات تصدیق کر رہے ہیں کہ جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَتَغَيَّرُ بِكُمْ لَكُمُ الْبُشْرَىٰ﴾^۱ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے ہیں، ان کیلئے دنیا و آخرت دونوں مقامات پر بشارت اور خوشخبری اور کلمات خدا میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور یہی درحقیقت عظیم کامیابی ہے۔“ (یونس ۶۴)

روایات کا بیان ہے:

جب انسان مومن اس دنیا سے کوچ کر رہا ہوتا ہے تو حضرت رسول اللہ اور حضرت علیؑ اس کی بالین پر آجاتے ہیں اور اسے آخری نعمات کی خوشخبری سناتے ہیں بلکہ مرنے والا اسی لمحے ان نعمات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ ۳۱

اور دوسرا مطلب جو علی بن الحسین کے اس روح افزا پیغام سے استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب علی اکبر نے اپنے بابا حسین سے سوال آب کیا تھا تو وہ اسے پورا نہ کر سکے، لہذا آگریہ کنان قلب سوز کے ساتھ اپنے فرزند سے جو کہا تھا وہ اگرچہ دشمنوں کیلئے نفیرن تھی مگر درحقیقت دعائیہ جملے تھے، چنانچہ اس کے بعد علی بن الحسین میدان روانہ ہوئے مگر اپنے نفس سے مخاطب تھے کہ یہ کیا سوال تھا جو بابا سے کر دیا اور بہت متاثر تھے کہ آخر کیوں انھیں مجبور کا احساس دلایا، جبکہ میرا فرض تو ان کے غموں کو دور کرنا تھا مگر غموں کو تازہ کر کے آیا ہوں کہ انھوں نے شکستہ دل سے یہ جواب دیا ہے۔

بہر حال مسلسل اسی فکر نے علی بن الحسین کو پریشان کر رکھا تھا، لہذا موقع کی تلاش میں تھے کہ کس طرح بابا کو اس دکھ سے نجات دیں۔ پس جوں ہی گھوڑے سے گرے اور منظر کا مشاہدہ کیا تو اپنے تمام زخم و درد بھلا دیئے اور تنہا اسی فکر میں تھے کہ کس طرح سے جلد سے جلد بابا کے دل سے اپنی پیاس کا دکھ درد دور کریں اور اپنی سیرابی کی خبر سنا کر انھیں سکون پہنچائیں حتیٰ اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات یہ کہ رسولؐ نے فرمایا:

حسینؑ بھی جلد سے جلد سیراب ہو جائیں گے اور اس طرح علی بن الحسینؑ رسول اللہؐ کے وعدے کو منتقل کر کے اپنے بابا کی شدت پیاس کو برطرف کرنا چاہتے تھے۔

بنا براس حضرت علی بن الحسینؑ کے یہ جملات پر معنی تھے:

علیک بنی السّلام یا ابا عبد اللہ ہذا جدی رسول اللہ ...

امام حسینؑ اپنے بیٹے کی لاش پر

علی الحسینؑ کی نسبت امام حسینؑ کی غیر معمولی محبت والفت کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس سلام آخر سے امام حسینؑ کی اس پاک و لطیف طینت پر کیا گزرا ہوگا۔ امام کے اس زبان حال کو فارسی زبان شاعروں نظم کرتا ہے:

سوی لشکر گدہ دشمن شدی تفت	ندانستم کراہر دو کج جارت
ہمی دانم کہ جسم و جان جانان	مقطع گشت چون آیات قرآن
چہ رفت از دست شاہ عشق دلبد	روان شد از پی گمگشتہ فرزند
سری بی افسر و فرق دریدہ	بہ جانان بستہ جان و ز خود دہریدہ
فرو دآمد زین آن با صلابت	چو بیغمبر ز معراج رسالت
توانائی شدش از تن، ز سر ہوش	گرفت آن پیکر خونین در آغوش
بگفت با آن چکیدہ جان عشقش	پس از تو خاک بر دنیا و عیشش

سید ابن طاووسؒ فرماتے ہیں:

فشیاء الحسینؑ حتی وقف علیہ و وضع خدہ علی خدہ ”حسینؑ لاشہ پسر کی جانب آئے اور کھڑے ہو کر جنازے کو خوب دیکھا اور پھر اپنا رخسار علی کے رخسار پر رکھ دیا۔“

حمید بن مسلم کہتا ہے:

اس وقت میں نے خود اپنے کانوں سے حسینؑ کو لاشہ پسر پر کھڑے یہ فرماتے ہوئے سنا:

قَتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا قَتَلُواْ كَيِّ اَبْنِيْ مَا اُخْرَاْهُمْ عَلٰى الرَّحْمٰنِ وَعَلٰى اَتَيْتَہَاكَ حُرْمَةَ الرَّسُوْلِ

”خدا تیرے قاتلوں کو نابو کرے، اے میرے فرزند! یہ لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کی حرمت پا مال

کرنے پر کتنی جرات رکھتے ہیں۔
اس کے بعد حمید بن مسلم مزید کہتا ہے:

وَانْهَمَلْتُ عَيْنَاهُ بِالدُّمُوعِ ثُمَّ قَالَ: عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا "اشکوں کا ایک سیلاب امام کی آنکھوں سے جاری ہوا اور فرمایا تیرے بعد اس دنیا پر خاک ہو۔"

زچہ روی خویش نموده ای تو زخون نگار علی علی
ع علی اکبر ای گل احمرم علی اکبر ای مه انورم
علی ای ستاره روشنم علی ای شکوفه گلشنم
ابو الحسن تھامی عرب مرثیہ گو شاعر کہتے ہیں:

حِجْمُ الْمَنِيَّةِ فِي الْبَرِّيَّةِ جَارٍ

وَالْمَرْءُ بَيْنَهُمَا خِيَالٌ سَارٍ

وَكَذَلِكَ كَوْنُ كَوَاكِبِ الْأَسْحَارِ

فَعِشَاهُ قَبْلَ مَظْنَةِ الْإِبْدَارِ

لَتَرَى صَعَارًا وَهِيَ غَيْرُ صَعَارٍ

وَإِذَا سَكُتُ فَأَنْتَ مُضْمَارِي! ۳۲

ارشاد شیخ مفید اور اسی طرح بحار الانوار میں روایت نقل ہوئی ہے کہ اس وقت ایک خاتون کو خورشید تابان کی طرح خیمے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا جوشیون و شین کے ساتھ یہ کہتی آرہی تھیں:

يَا حَبِيبَاهُ، يَا مَمْرَةَ فُؤَادَاهُ، يَا نَوْرَ عَيْنَاهُ "اے میرے پیارے، اے میرے میوہ دل، اے میرے نور

چشم! تو میں نے دریافت کیا کہ یہ خاتون کون ہے؟"

تو کہا گیا یہ زینب بنت علی ہیں۔ پس زینب گریہ کرتی ہوئی ہوئی آئیں اور خود کو علی بن الحسین کے

جنازے پر گرا دیا مگر حسین فوراً آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ تھام کر خیمے واپس پہنچایا۔ پھر اپنے جوانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اَحْمَلُوا اَحْصَاكُم "آؤ اور اپنے بھائی کا جنازہ اٹھا لو۔"

چنانچہ بنی ہاشم کے جوانوں نے لاشہ جوان کو اٹھا کر اس خیمے کے کنارے لا کر رکھ دیا جس کے سامنے جنگ کر رہے تھے۔

رو بہ کیمہ کرد گای سلطان عشق

وقت مرگ است ای پدر بادت سلام

داد جامی از شراب کوثرم

بازبان لایہ آن قربان عشق

دور عیش و کامرانی شد تمام

ای پدر اینک رسول داورم

تا بیدگر دداز آن بیانه مست

شد ز خیمه تاخت آن دم باشتاب

گلشنی نو رسته اندام تنش

پس بیامد شاه اقلیم الست

سرنهادش بر سر زانوی ناز

ای درخشان اختر برج شرف

ای به طرف دیده خالی جای تو

بیش از این بابا دلم را خون مکن

ای نگارین آهوی مشکین من

خیز تا بیرون از این صحرا رویم

رفتی و بُودی ز چشم باب خواب

تو سفر کردی و آسودی زغم

بعض مقاتل کا بیان ہے کہ جب جناب علی بن الحسین پشت سے زمین پر آئے تو زانوں پر بیٹھ کر آواز دی:

يَا أَبْنَاءَ عَلِيكَ مِنِّي السَّلَامُ فَهَذَا جَدِّي رَسُولُ اللَّهِ وَامِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَهَذِهِ جَدَّتِي فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ وَخَدِيجَةُ الْكُبْرَى ، وَهُمْ يَقُولُونَ لَكَ : الْعَجَل ، الْعَجَل ، وَهُمْ مُشْتَاقُونَ إِلَيْكَ ۳۳

”باباجان! آپ پر میرا سلام ہو، یہ میرے جد رسول اکرمؐ اور دادا علیؑ و دادی فاطمہ اور جدہ خدیجہ

الکبریٰ سب یہاں موجود مجھ سے فرما رہے ہیں کہ آپ جلدی کریں، ہم آپ کے مشتاق ہیں۔“

امام لاشے پسر پر آئے مگر بقول روای ایسا گریہ فرما رہے تھے کہ اب تک کسی نے حضرت کو اس طرح روئے نہیں دیکھا ۳۴ ایک اور مقام پر ہے کہ امام نے لاش پسر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

أَمَّا أَنْتَ يَا بُنَيَّ فَقَدْ اسْتَوَحَّتَ مِنْ هِمِّ الدُّنْيَا وَغَمَّهَا وَمَا اسْرَعَ اللَّعُوقُ بِكَ ”اے میرا بیٹا! تو نے دنیا کے

غم و آلام سے نجات پائی اور دیکھ تجھ سے کتنا جلدی ملاقات لکھی ہے۔“ ۳۵

ای بارہ بارہ تن تو علی اکبر منی

کی نک ستارہ چشم بہ راہ تو خواہرت

زینب سر برهنہ در آید ز خیمہ گاہ

ای غوفہ خون تو نور دو چشم ترمی

بر خیز تا برم بہ سوی خیمہ پیکرت

بر خیز کز فراق تو ترسم بہ اشک و آہ

شہادت عبد اللہ بن مسلم بن عقیل

مورخین اور اباب مقاتل کا بیان ہے کہ شہادت علی بن الحسین کے بعد فرزند مسلم بن عقیل جناب عبد اللہ

جو امام حسین کے بھانجے جو رقیہ کبریٰ بنت امیر المؤمنین کے فرزند تھے ۳۶ میدان میں آئے لیکن شہر

آشوب اور بعض دیگر مؤلفین انھیں اہل بیت کا پہلا شہید لکھتے ہیں۔ جب وہ میدان میں یہ رجز پڑھتے

ہوئے آئے:

وفیۃ بادو اعلیٰ دین النبی

الیوم ألقى مسلماً وھو ابی

لکن خیرو کرام النسب

لیسوا بقوم عرفوا بالکذب

من ہاشم السادات اهل الحسب

”آج اپنے بابا مسلم اور ان ہمت والوں سے ملاقات کروں گا جو جھوٹ اور فریب کی وجہ سے پہچانے

نہیں جاتے تھے بلکہ ان کی شناخت ہاشمی خاندان کی عظمت اور اس کا وقار تھا۔“

ابن شہر آشوب اپنی مناقب میں لکھتے ہیں:

تین حملوں میں اس جوان نے اٹھانوے دشمنوں کو واصل جہنم کیا تب کہیں جا کر عمر بن صبیح صیداوی اور اسد بن مالک دونوں نے تل کر انھیں شہید کیا۔

ان کی کیفیت شہادت بیان کرتے ہوئے شیخ مفید اور ابن نما وغیرہ لکھتے ہیں:

عمر بن صبیح نے ان کی جانب تیر پھینکا تیر کو آتا دیکھ کر جناب عبداللہ بن مسلم نے اپنا سر و چہرہ بچانے کیلئے اپنا ایک ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا مگر اس تیر نے ہاتھ کو پیشانی سے اس طرح جوڑ دیا کہ وہ اسے جدا نہ کر سکے اور اسی اثناء میں دوسرے ظالم نے ان کے سینے پر نیزہ مارا جسکے سبب وہ زمین پر گرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

کامل ابن اثیر میں ۶۵۱ھ کے واقعات، مختار ثقفی کا قیام اور ان کے ہاتھوں قاتلا حسینؑ کے انجام کو لکھا ہے:

جب مختار ثقفی نے اپنے کچھ ساتھیوں کو زید بن ورقاء جنبی یا حبابی کی گرفتاری کیلئے روانہ کیا۔

یہ کہتا ہے: میں نے کر بلا میں ایک جوان کو تیر مارا تو اس نے اپنی پیشانی بچانے کیلئے اس پر اپنا ہاتھ رکھ لیا، مگر میں نے اس کا ہاتھ اس کی پیشانی سے جوڑ دیا۔ وہ جوان عبداللہ بن مسلم تھا اور جب وہ تیر اسے لگا تو اس نے کہا:

اللھم انھم استقلونا واستذلونا فاقتلھم ”اے پروردگار انہوں نے ہماری تعداد کو گھٹایا اور ہمیں خوار و

ذلیل کیا پس تو انہیں قتل کر جس طرح انہوں نے ہمیں قتل کیا۔“

اور زید بن ورقہ نے دوسرا تیر عبداللہ بن مسلم کے شکم پر مارا۔ وہ کہتا ہے جب میں اس دوسرے تیر کے بعد نزدیک گیا تو یہ جوان ختم ہو چکا تھا، میں نے شکم میں لگے تیر کو نکالا اور جب پیشانی پر لگے تیر کو کھینچا تو اس کی پیشانی میں ٹوٹ کر رہ گئی۔ اس پر ابن کامل نے (جو اس گروہ کا سرکردہ تھا) کہا:

اسے نیزے اور تلواروں سے نہ مارا جائے، بلکہ اسے تیر و سنگ سے مارنا ہے اور اس طرح اسے

زخموں سے چور حالت میں پکڑ کر زندہ جلا دیا گیا۔ ۳۷

جوانان بنی ہاشم اور شہداء اہل بیت کی شہادتوں کو مختلف انداز میں لکھا گیا ہے، چنانچہ مرحوم مقرر مقرر حسینؑ میں لکھتے ہیں:

عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد فرزندان ابوطالب نے ایک مشترکہ حملہ کیا جس میں عون بن عبداللہ اور ان کے بھائی محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار اور عبداللہ الرحمن اور ان کے بھائی جعفر بن عقیل اور محمد بن مسلم بن عقیل شہید ہوئے، جبکہ حسن بن حسن (ثقی) اس حملے میں شدید زخمی ہوئے اور ان کے بعد ابو بکر بن امیر المؤمنین جن کا نام محمد تھا اذن جہاد پا کر میدان میں آئے اور شہادت کے مقام پر فائز ہوئے، پھر عبداللہ بن عقیل شہید ہوئے اور ان کے بعد قاسم بن حسن اور ان کے چند بھائی شہید ہوئے۔

لیکن شیخ مفیدؒ نے ان کے نام تحریر نہیں کیے مگر ابن شہر آشوب نے ان کے نام، ان کے رجزوں کے ساتھ تحریر کیے ہیں اور ان کے ہاتھوں مارے گئے دشمنوں کی تعداد اور قاتلوں کے نام بھی تحریر کیے ہیں۔ البتہ مرحوم محدث فقی نے اپنی کتاب نفس المہموم میں مرحوم ابن شہر آشوب کی معلومات کے علاوہ کچھ اضافوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لہذا ہم بھی ان شہداء کو بلا کی بزرگی و منزلت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر ایک کا نام، ان کا رجز اور دیگر خصوصیات کو مقابل و تاریخی کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔

شہادت جعفر بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے بعد جعفر بن عقیل میدان میں یہ رجز پڑھتے آئے:

من معشر فی ہاشم من غالب

انا الغلام الابطحی الطالبی

ہذا حسین اطیب الاطایب

ونحن حقاسدۃ النواب

من عترۃ النبی الناقب

”میں ابوطالب کی اولاد میں سے مکہ کا جوان ہوں، میں قوم بنی ہاشم سے ہوں جو فحیات ہونا جانتے ہیں ہم مشکلات کے پروردہ ہیں، یہ حسینؑ عترت رسول اللہؐ ہیں اور بہترین انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔“

انھوں نے دو یا پھر ایک قول کے مطابق پندرہ سواروں کو قتل کیا، لیکن بلا خربشر بن خوط ہمدانی نے انھیں شہید کر دیا۔

شہادت عبدالرحمن بن عقیلؑ

ابن شہر آشوب لکھتے ہیں:

جعفر بن عقیل کے بعد عبدالرحمن بن عقیل یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان مبارزہ میں آئے:

من هاشم وهاشم اخواني

ای عقیل فاعرفوا مکانی

هَذَا حَسَنِ شَامِخِ الْبَنِيَانِ

کھول صدق سادۃ الاقران

”ابن عقیل ہوں میری منزلت کو پہچانو میں ہاشمی ہوں یہ حسین بن علی ہیں جنگی اصالت و مرثیہ علی ہیں۔“

انھوں نے بھی دیگر مجاہدوں کی طرح سترہ سوار دشمنوں کو واصل جہنم کیا، پھر عثمان بن خالد نے انھیں شہید کر دیا اور اس مجاہد کے بارے میں زیارت ناحیہ میں یہ جملات ملتے ہیں:

السلام علی عبد الرحمن بن عقیل بن ابی طالب، لعن الله قابله ورامیه عثمان بن خالد بن اثم

الجهنی

مورخین کا بیان ہے، جب مختار ثقفی نے کوفہ میں قیام کیا تو انھوں نے عبداللہ بن کامل کو ذمہ داری سونپی کہ وہ عثمان بن خالد کو کفر کر دار تک پہنچائے، چنانچہ ابن کامل کے ساتھیوں نے عثمان بن خالد اور بشر بن خود کو جو دونوں عمر بن سعد کے اہم سالاروں میں سے تھے گرفتار کر کے واصل جہنم کیا اور ان کی لاشوں کو نذر آتش کر دیا۔

شہادت محمد بن عبداللہ بن جعفر

محمد حضرت عبداللہ بن جعفر کے فرزند تھے اور مقاتل الطالبین میں ابوالفرج اصفہانی کے بقول ان کی والدہ خواصاء بنت حفص تھی، چنانچہ ابن شہر آشوب کے مطابق عبدالرحمن بن عقیل کے بعد یہ میدان کو روانہ ہوئے، جبکہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

فعال قوم فی الردی عیمان

اشکو الی الله من العدوان

ومحکم التنزیل ولتیان

قد بدلو معالم القرآن

وأظهروا الکفر الطغیان

”میں خدا سے دشمنوں کی شکایت کرتا ہوں کہ ہمارے دشمن جنگی امور میں معلومات نہیں رکھتے، انھوں نے

قرآن کی تعلیمات محکم و تنزیل کو بدل ڈالا اور کفر اختیار کرتے ہوئے سرکشی پر آئے ہیں۔“

دشمن کے دس افراد کو راہی و وزخ کیا اور پھر عامر بن نہشل تمیمی نے انھیں شہید کر دیا۔

شہادت عون بن عبداللہ بن جعفر

محمد بن عبداللہ کے بعد عون بن عبداللہ میدان کو روانہ ہوئے کہ جن کی والدہ زینب بنت علی تھیں وہ جاتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

شہید صدق فی الجنان أضر

ان تنکرونی فانابن جعفر

کفی بهذا شرفاً فی المحشر

یطير فيها جناح اخضر

”اگر تم نہیں جانتے تو سنو میں پسر جعفر ہوں جو جنت میں چمکنے والا وجود ہے وہ جعفر جو جنت میں بزر پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں جو ہمارے لیے بہترین شرف ہے اور یہ شرف ہی ہمارے لیے کافی ہے۔“ انھوں نے تین سوار اور اٹھارہ پیادہ دشمنوں کوئی اٹار کیا اور عبداللہ بن قطنہ طائی نے انھیں شہید کر دیا۔ کچھ حضرت زینب کے فرزند کے بارے میں

زینب کی شرح حال آپ کی مادر گرامی فاطمہ کی زندگی میں تفصیل کے ساتھ اور آپ کی اولاد کا تذکرہ مختصر انداز میں تحریر کر چکے ہیں، چنانچہ آپ کی اولاد کے بارے میں مختصر تحریر کے بعد دوبارہ اصل بحث کی جانب توجہ دیں گے۔

اس بارے میں کوئی شک و تردید نہیں کہ علی اللہ بن جعفر کے دو فرزند محمد و عون کربلا میں شہید ہوئے جیسا کہ ذکر کیا گیا جب جناب عبداللہ بن جعفر نے احساس کیا امام حسین مکہ کی جانب واپس نہیں جانا چاہتے، بلکہ عراق کی جانب اپنے سفر کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے دو بیٹوں کو دستور دیا کہ وہ امام حسین کے ساتھ رہیں اور راہ جہاد میں ان کے کام آئیں۔ لیکن بحث و تحقیق ان دونوں کی والدہ گرامی کے متعلق آیا ہے اور عون بن عبداللہ کی والدہ زینب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اصل اختلاف محمد کی ماں کے بارے میں ہے، چنانچہ جناب ابوالفرج مقاتل الطالین میں لکھتے ہیں:

محمد بن عبداللہ کی والدہ گرامی خواصاء بنت حفص تھیں، لیکن کامل بھائی سے نقل ہوا ہے، محمد و جناب عون دونوں شہیدوں کی والدہ جناب زینب تھیں۔ ۳۸

نفس الہوم میں محدث قتی لکھتے ہیں:

عبداللہ بن جعفر کے دونوں فرزندوں کا نام عون تھا، مگر ایک کو عون اکبر اور دوسرے کو عون اصغر کہا جاتا تھا، جن میں سے ایک عون کی والدہ جناب زینب تھیں اور دوسرے عون کی والدہ جمانہ (یا جماد) بنت مسیب بن حجبہ فزاری تھیں۔ بعد ازاں اتنا مسلم ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے عون کی والدہ مکرمہ زینب ہیں اور عون اصغر کے متعلق ابوالفرج کا بیان ہے، انھیں حرہ و اتم میں مسرف بن عقبہ کے سپاہیوں نے قتل کیا۔ ۳۹

شہادت محمد بن ابی سعید بن عقیل

محمد کے بارے میں بعض اہل قلم کا بیان ہے، وہ فقہاء و مجتہدین میں سے تھے ان کے والدہ ایک کنیز تھیں وہ میدان میں آئے اور امام حسین کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے۔ ۴۰ مقاتل الطالین میں ابوالفرج نے محمد بن علی بن حمزہ سے روایت کی ہے:

ان کا ایک بھائی جعفر بن عقیل کربلا میں شہید ہوئے، جبکہ خود ابوالفرج کہتے ہیں: میری نگاہوں سے کتب انساب میں محمد بن عقیل کا جعفر نامی کوئی فرزند نہیں گزرا۔

شہادت عبداللہ بن عقیل

ابوالفرج لکھتے ہیں:

ان کی والدہ مکرمہ کنیز تھیں اور مدائن کے مطابق انھیں، عثمان بن خالد جہنی نے قبیلہ ہمدان کے ایک فرد کے ساتھ مل کر شہید کیا۔

شہادت محمد بن مسلم بن عقیل

محمد بن مسلم بن عقیل کی والدہ بھی کنیز تھیں اور امام محمد باقرؑ سے روایت ہے ان کے قاتل ابو مریم ازدی اور لقیط بن ایاس جہنی تھا۔

شہادت فرزند ان امام حسنؑ

ہم اس سے پہلے امام حسنؑ کی زندگی نامہ میں ذکر کر چکے کہ امام حسنؑ مجتبیٰ کے پندرہ بیٹے تھے جن میں سے تین قاسم، عبداللہ اور ابوبکر کربلا میں شہید ہوئے اور ایک فرزند حسن بن حسن (ثقی) کربلا میں شدید زخمی ہوئے جن کا بعد میں معالجہ کیا گیا اور اس طرح وہ کربلا کے حادثے کے بعد بھی زندہ رہے، جبکہ بعض کے نزدیک ابوبکر ہی کو حسن ثقی کہا جاتا تھا۔

شہادت ابوبکر بن حسنؑ

مقاتل الطالبین میں ابوالفرج اصفہانی کا بیان ہے:

ان کی اور جناب قاسم کی والدہ محترمہ ایک ہی تھیں جو کربلا میں حضرت قاسم سے پہلے شہید ہوئے لیکن تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر نے جناب قاسم کی شہادت کے بعد ان کی شہادت لکھی ہے۔ ۴۱ اور ان کے قاتل کا نام عبداللہ بن عقبہ غنوی لکھا گیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

سلیمان بن قتہ نامی شاعر کے ان اشعار سے مراد بھی جناب ابوبکر بن حسن ہی ہیں ۴۲

وعند غنی قطرة من دماثا
وفی اسداخوی تعدو تذکر

”قبیلہ غنی میں ابھی ہمارے خون کا ایک قطرہ موجود ہیں جس کا بدلہ لینا ہے اور اسی طرح قبیلہ اسد میں بھی ہمارے خون کا قطرہ موجود ہے جسے بلایا نہیں جاسکتا۔“

زیارت ناحیہ مقدسہ میں بھی آیا ہے:

السلام علی ابی بکر بن حسن الزکی الولی المرمی بالسهم الردی، لعن الله قاتله بن عقبه الغنوی
جب مختار ثقفی نے کوفہ پر حکومت قائم کی تو انھوں نے عبداللہ بن عقبہ غنوی کی تلاش میں ایک شخص کو روانہ

کیا، چنانچہ جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ وہ جزیرہ کی جانب فرار کر گیا ہے تو مختار نے حکم دیا کہ اس کے گھر کو ویران کر دیا جائے۔

شہادتِ قاسم بن حسن

مشہور ہے، جناب قاسم کربلا میں شہید ہوئے تو وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ابھی سن بلوغ تک نہیں پہنچے تھے چنانچہ بعض صاحبانِ قلم کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

وهو غلام صغير لم يبلغ، فلم انظر الحسين اليه قد برز اعتقه وجعل ابيكيان حتى غشي عليهما
”یعنی وہ اتنے کم سن لڑکا تھے کہ ابھی حد بلوغ تک بھی نہ پہنچے تھے، چنانچہ جب امام حسینؑ نے یہ
دیکھا کہ وہ جہاد کیلئے آمادہ ہیں تو اپنے ہاتھ ان کی گردن میں ڈال دیئے اور دونوں نے اتنا گریہ کیا
کہ بے ہوش ہو گئے۔“ ۳۳

مقتل ابی مخنف میں نقل ہے، کربلا میں جناب قاسم کی عمر کے چودہ سال گزر چکے تھے۔ ۳۴ اور ارشادِ شیخ
مفید، تاریخ طبری اور دیگر کتابوں میں حمید بن مسلم سے جناب قاسم کے بارے میں روایت نقل ہوئی ہے:
خرج الساعل غلام كان وجهه شقة قمر ”جو جوان ہماری جانب آیا اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی
مانند چمک رہا تھا۔“

بہر صورت جناب قاسم کی تمنائے شہادت اتنی تھی کہ مدینۃ المعاجز میں مرحوم بحرانی نے الوجزہ ثمالی سے
روایت کی ہے، شب عاشورا جب امام حسینؑ نے اپنے تمام اصحاب کو ایک خیمہ میں کر کے انھیں ان کی خبر
شہادت سنائی اور اس وقت ہر ایک صحابی نے اپنے اپنے پروفا داری کا ثبوت دیا تو حضرت قاسم بھی اپنے
مقام سے کھڑے ہوئے اور فرمایا: چچا جان! کیا میں بھی قتل کیا جاؤں گا؟

امام نے پوچھا: یا بنی! کیف الموت عندک ”اے میرے بیٹے قاسم! موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟“

تو عرض کی: یا عم احلی من العسل ”عمو جان! شہد سے زیادہ شیریں“

یہی وہ مقام تھا جب امام نے ان سے فرمایا:

ای واللہ فداک عمک انک لاحضمن یقتل من الرجال بغدائ تبلیو بلاء عظیم ”ہاں قسم بخدا تم

بھی انہی شہید ہونے والے مردوں میں سے لیکن تم بعد شہادت ایک بڑی مشکل میں مبتلا

ہو گے۔“ ۳۵

روز عاشورا سے متعلق روایات میں آیا ہے امام نے انھیں میدان میں جانے کی اجازت نہ دی مگر جناب
قاسم نے خود کو امام کے قدموں پر گرا دیا اور انتہائی التماس کے بعد اجازت لینے میں کامیاب ہوئے:

عمو فدای تو گردم غلام حلقہ بہ گوشم

زسریہ شوق شہادت پریدہ طایر ہوشم

چگونہ بر سر آتش نشینم و نخر و شم
نمی دهند، مگر من کم از طُور و و هوشم
جمالِ حورِ نینم می طهور و نوشم

نشاندہ بر سر آتش مرا شماتت اعداء
به وحش و طیر دهند آب این گروہ وبہ قاسم
رضامشو کہ رود کاروانِ خلد و بمانم
گر جب میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھ رہے تھے:

سبط النبی المصطفیٰ المؤمن
بین أناسٍ لاسقوا صوتِ المزن
اور اس بچنے میں ایسی گھسان کی جنگ کی کہ پینتیس افراد کو فی النار کیا اور مناقب میں ہے اس دوران یہ
رجز زبان پر جاری تھا:

نحنُ وبيتُ اللهِ اُولیٰ بالنبی
انی انا القاسم من نسل علی

من شمر ذی الجوشن او ابن الدعی

امالیٰ شیخ صدوق میں ہے: جناب علی بن الحسین کی شہادت کے بعد جناب قاسم یہ کہتے ہوئے میدان
روانہ ہوئے:

لا تجزعی نفسی فکلّ فان
اليوم تلقین ذوی الجنان

اس روایت کے مطابق جناب قاسم دشمن کے تین سپاہیوں کو قتل کیا تب دشمن انہیں گھوڑے سے گرانے
میں کامیاب ہوا اور قتال نیشاپوری کے علاوہ ارشاد شیخ مفید اور دیگر کتب میں حمید بن مسلم سے روایت ہے:
ایک جوان ہمارے مقابلے کیلئے میدان میں نکل آیا جس کا چہرہ ماہ انور کی طرح چمک رہا تھا، تلوار
ہاتھ میں تھی کمر پر پکا باندھا ہوا تھا اور اسکے پیروں میں نعلین تھیں مگر ایک نعلین کا تسمہ ڈھیلا تھا حتیٰ مجھے
یہ بھی یاد ہے کہ وہ بائیں پیر کی نعلین تھی۔

پس عمر بن سعد بن نفیل از دی (لعنة الله) نے کہا: قسم بخدا میں ضرور حملہ کروں گا۔

میں نے کہا: ”سبحان اللہ یہ کیا کام ہے کہ تم کرنا چاہتے ہو؟ جو لوگ ان کے ارد گرد ہیں وہی کافی ہے۔“
اس نے کہا: قسم بخدا میں ضرور اس پر حملہ کروں گا۔ پھر حملہ کیا، اسی زود تافت میں اس نے تلوار کا ایک
زبردست وار اس جوان پر مارا، جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر اور آواز دی: یا عمّاه!

حمید بن مسلم کہتا ہے:

پس حسینؑ سر اٹھا کے اسے غور سے دیکھا پھر دوبارہ سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہیں اور غضبناک شیر کی مانند
دشمن پر حملہ کیا اور جب عمرو بن سعد پر وار کیا تو اس نے اپنا ہاتھ سپر کے طور پر استعمال کیا۔ امام نے کہنی
سے اس کا ہاتھ جدا کر دیا۔ عمرو نے ساتھیوں کو مدد کیلئے آواز دی اور امام حسینؑ پیچھے ہٹ گئے، چنانچہ
سپاہ دشمن کا ایک دستہ اسے حسینؑ کے ہاتھوں سے رہائی دینے کیلئے دوڑ پڑا، لیکن جب گھوڑے تیزی

سے دوڑ پڑے تو گھورے عمرو سے ٹکرا گئے جس سے وہ گر گیا اور گھوڑوں نے اسے روندھ ڈالا اور زیادہ دیر نہیں گزری کہ وہ مر گیا۔ لعنة الله وأخزاه۔

راوی کہتا ہے: جب گرد چھٹی تو میں نے دیکھا حسینؑ اس جوان کے سر ہانے بیٹھے ہیں اور وہ جوان ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ (یعنی حسینؑ کھڑے تھے اور قاسم جان دے رہا تھا۔) اور امامؑ فرما رہے تھے:

بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوا مَنْ خَصَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَبِكَ جَذَكَ، ثُمَّ قَالَ: عَزَّوَاللهِ عَلَى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُو فَلَا يَجِيْبُكَ صَوْتُهُ، هَذَا يَوْمٌ وَاللهُ كَفَّرَ وَاتَرَهُ وَقُلَّ نَاصِرُهُ

”یہ قوم جس نے تمہیں مارا ہے خدا کی رحمت سے دور ہے اور تمہارے جد روز قیامت ان لوگوں سے بے زار ہیں پھر فرمایا: قسم بخدا تمہارے چچا پر بہت گراں ہے کہ تم انہیں پکارو اور وہ مدد نہ کر سکیں یا ان کی مدد تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے، آج کینہ و اندوہ زیادہ ہیں اور مددگار کم۔“

پس ان کی لاش اس طرح اٹھائی کہ اس جوان کا سینہ حسینؑ کے سینے سے لگا ہوا تھا گویا ابھی دیکھ رہا ہوں کہ اس جوان کے پیر زمین پر خط دے رہے تھے، جبکہ امام حسینؑ نے اسے اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا۔

حمید کہتا ہے: میں نے اپنے نفس سے کہا: آخر حسینؑ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

پس حسینؑ نے اسی انداز میں جنازہ اٹھا کر اپنے فرزند علی بن الحسینؑ کے پہلو میں رکھ دیا کہ جہاں دیگر شہداء اہل بیتؑ کے جنازے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دریافت کیا یہ جوان کون ہے؟ تو بتایا گیا: یہ قاسم بن حسن بن علی بن ابیطالب ہے۔

روایت میں ہے، امام حسینؑ نے فرمایا:

خدا یا! اس تعداد کو دیکھ لے، انہیں پر اکندہ کر دے اور اس طرح مار ڈال کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ اے خدا! انہیں ہر گز معاف نہ کرے، اے میرے رشتہ دارو! برداشت کرو، اے میری اہل بیتؑ صبر و شکیبائی اختیار کرو، کیونکہ مصیبت کا دن فقط یہی ہے اور اسکے بعد مصائب و آلام ختم ہو جائیں گے۔

محدث قمی نفس المہموم میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے ایک زیارت طویلہ نقل کرتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَى الْقَاسِمِ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بْنَ حَبِيبِ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بْنَ زَيْنَبٍ وَنَحْوَانِ رَسُوْلَ اللّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ حَبِيبٍ لَمْ يَقْضِ مِنَ الدُّنْيَا وَطَرَأَ لَمْ يَشْفِ مِنْ اَعْدَاءِ اللّٰهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجَلُ الْاَجَلِ وَفَاتَهُ الْاَمَلُ فَهَيْهَاتَكَ يَا حَبِيبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَسْعَدَ جَدَّكَ وَافْخَرُ مَنْجَدَكَ وَافْخَرُ مَنْجَدَكَ

جبکہ نفس المہموم کے مترجم مرحوم شعرانی فرماتے ہیں:

ظاہر یہ زیارت نامہ خود سید مرتضیٰ نے تحریر کیا ہے، البتہ وہ زیارت نامے اور دعائیں جو آئمہ معصومین سے نقل نہیں ہوئی ہیں انکا ورد شرعی حیثیت کی نیت سے نہ پڑھنا شرط ہے یعنی پڑھنے والا جانتا ہو کہ یہ زیارت یا دعا آئمہ سے صادر نہیں ہوئی اور اسی نیت سے قرائت کرے جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے من لایحضرہ الفقیہ میں فاطمہ زہرا کی زیارت نقل کرتے ہوئے کہا ہے یہ زیارت ماثور نہیں، بلکہ میرے جملے ہیں، لہذا ہر محدث پر ضروری ہے کہ اگر کوئی دعا یا زیارت نامہ اپنی جانب سے نقل کر رہا ہو تو اس کی صراحت کرے ورنہ اس کام کو تالیس شمار کیا جائے گا جو کہ اضلال کی وجہ سے گناہان کبیرہ میں سے ہے اور اگر اس نے صراحت کر دی تو پھر اضلال شمار نہیں کیا جائے گا۔

حسن بن حسن اور قاسم بن حسن کے عقد کا ماجرا

استاذ شعرانی نفس المہموم کے ترجمے میں شہادت قاسم کے بعد لکھتے ہیں:

(قارئین کو) یہ جاننا ضروری ہے کہ حسن بن حسن (المعروف حسن ثنی) بھی کربلا میں موجود تھے، چنانچہ شیخ مفیدؒ اپنی کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں:

حسن بن حسن اپنے چچا حسینؑ کے ساتھ طفت میں تھے اور امام کی شہادت کے بعد دیگر اہل بیت کی طرح اسیر بنائے گئے، مگر اسماء بن خارجہ فزاری کے ہم قبیلہ تھیں۔ اور شاید اسی وجہ سے بعض اہل قلم نے اسماء بن خارجہ کو حسن ثنی کا ماموں لکھا ہے (جبکہ وہ حقیقی ماموں نہ تھا)۔ عمر بن سعد نے کہا:

ابی حسان کے بھانجے کو اسی کے سپرد کر دیا جائے، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ حسن ثنی شدید زخمی تھے۔

اور روایت کا بیان ہے کہ حسن ثنی نے اپنے چچا امام حسینؑ سے ان کی دو دختریں سلیمانہ و فاطمہ کی خواستگاری کی تو امام نے فرمایا: جسے چاہو انتخاب کر لو۔ اس پر حسن ثنی نے شرم کرتے ہوئے جواب دینے سے پرہیز کیا۔ تو امام نے فرمایا: فاطمہ کو تمہارے لیے انتخاب کرتا ہوں جو میری ماں فاطمہ زہراءؑ سے زیادہ شباہت رکھتی ہے۔

مرحوم شعرانی اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

حسن ثنی اور فاطمہ بنت حسینؑ کا عقد کربلا سے پہلے، لیکن مدینہ سے ہجرت کے بعد انجام پایا اور اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ فاطمہ بنت حسینؑ کربلا میں نوعروس تھیں اور فاطمہ بنت حسینؑ کی اس وقت نوسال کی عمر تھی، کیونکہ مادر فاطمہ بنت حسینؑ ام اسحاق بنت طلحہ زوجہ امام حسن مجتبیٰؑ تھیں جو امام حسنؑ کی شہادت کے بعد عہد گزار کر امام حسینؑ کے عقد میں آئیں، لہذا فاطمہ بنت حسینؑ کی عمر جوان کے لٹن سے امام حسینؑ کی دختر تھیں اس طرح جانی جاسکتی ہیں کہ ان کی ولادت ماہ ربیع الثانی ۵۱ھ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ پس اگر فاطمہ بنت حسینؑ کا کربلا میں نوعروس کی حیثیت

میں ہونا سمجھ میں آتا ہے، اب چاہے وہ حسن شہی کی زوجہ تھیں یا قاسم بن حسن کی اور اگر بنا بر مشہور تسلیم کیا جائے کہ وہ جناب قاسم بن حسن کی زوجہ تھیں تو مندرجہ ذیل دیئے گئے دو احتمالاتوں میں سے کسی ایک کو قبول کرنا ہوگا۔

پہلا احتمال: امام حسین کی فاطمہ زوجہ حسن کے علاوہ ایک اور دختر تھیں، جو قاسم بن حسن کے عقد میں آئی، کیونکہ حضرت کی دختران فاطمہ و سکینہ میں منحصر نہیں، بلکہ کشف الغمہ میں امام حسین کی چار بیٹیاں سکینہ، زینب فاطمہ اور چوتھی دختر کا نام نہیں لکھا، جبکہ شہر بن آشوب امام حسین کی تین دختر لکھتے ہیں۔

دوسرا احتمال: جناب قاسم بن حسن کے عقد میں آنے والی دختر کا نام فاطمہ نہیں تھا اور جن راہوں نے فاطمہ لکھا ہے انھیں غلط ہوا ہے اور اگر حضرت قاسم کا ازدواج ہونا صحیح قرار نہ دیں تو ہمیں یہ کہنا پڑے گا حسن شہی اور قاسم کے ازدواج میں اشتباہ ہوا ہے، مثلاً کسی راوی نے کسی کتاب میں فاطمہ بنت حسین کا عقد امام حسن کے فرزند سے ہونا پڑھا مگر اپنے ذہن میں خیال کیا کہ امام حسن کے بیٹے سے مراد قاسم ہیں اور اسی طرح نقل کیا ہے۔

بہر حال ہماری نگاہ میں عقد قاسم کا انکار کوئی علت نہیں رکھتا، کیونکہ ملا حسین کاشفی نے روضۃ الشہداء میں عقد جناب قاسم کو نقل کیا ہے اور وہ ہمہ گیر شخصیت کا مالک، عالم اور تبحر فرد تھے۔ صاحب روضۃ الشہداء کے ہم عصر امیر علی شیر وزیر تھے جو خود علم دوست انسان تھے اور ملا حسین کاشفی شہر ہرات کے باشندے تھے، جہاں کتب ادب تاریخ اور دیگر علمی وسائل اتنے فراوان تھے کہ کبھی کہیں فراہم نہ ہوئے، چنانچہ ملا حسین کاشفی نے وزیر علی شیر کی علم دوستی اور تاریخ سے شغف کی وجہ سے روضۃ الصفاء تحریر کی اور یہ کہنا کہ اس موقع پر ازدواج بعید نظر آتا ہے صحیح نہیں کیونکہ ہم پر عیاں نہیں کہ ائمہ کے نزدیک کسی فعل کی کیا مصلحت تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ ملا حسین کاشفی سنی عالم تھے تو پہلی بات تو یہ کہ ان کا سنی ہونا قطعی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے تمام علماء کرام اہل سنت سے روایات نقل کرتے ہیں اسی طرح ابن شہر آشوب نے مناقب میں اکثر روایات اہل سنت سے نقل کی ہیں اور اسی طرح ابو مخنف اور ہشام بن محمد کلبی جو ائمہ کے ہم عصر تھے سنی العقیدہ تھے حتیٰ انھوں نے لشکر عبید اللہ کے شریک لوگوں سے روایات نقل کی ہیں، چنانچہ اگر اہل سنت سے روایات لینا درست نہ ہوتا تو احتجاج کے علاوہ ہمارے اتنے علماء دین کا فعل کیسے توجیہ کیا جائے گا۔

یہ تھا استاد شعرانی کی تحریر لیکن بہر حال اکثر اہل تاریخ اور باب مقاتل جناب قاسم کی عروسی کو مجہول جانتے ہوئے اسکا انکار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

یہاں پر پاری زبان کے بعض شعراء کے حضرت قاسم کے بارے میں سراپے گئے مرثی کا ذکر کرتے ہیں:

یکی ڈریتیم از رشتہ عشق

بر آمدتا کہ گردد گشتہ عشق

بہ چرخ دلبری بداولین ماہ

بہ عجز و لاہ و نیکو بیانی

بہ خاک پای آن شہ سودر خسار

غم بی یارت ای داور داد

ز برج خیمہ بر آمد چہ قاسم بن حسن

ز خیمہ گاہ بہ میدان کین روان گردید

گرفت تیغ عدو سوز را بہ کف چہ ہلال

میان معرکہ جا کرد بار خنچہ چون ماہ

چنان بگشت شجاعان نامداران طفل

ندانم آہ در آن دم چہ گو نہ بود حسین

بہ خاک ماریہ آن آفتاب طلعت را

ایک اور شاعر کہتا ہے:

چہ اعدادی قاسم را کہ در گردن کفن دارد

رخشن چون پرتوافکن شد در آن وادی فلک گفتا:

لبش افسردہ همچون گل زسوز تشنگی اما

چہ بلبل شور انگیز در آواز جز خوانی

کشیدہ تیغ کون افشان زابرو در صف ہیجا

چنان آشوب افکندی در آند صحر از خون ریزی

چہ بی انصاف بودی آن جفا جو یان اہن دل

زہر سولشکر عدوان هجوم آورد چون ظلمت

فکندند از سر بر زمین سلیمان واران شہ را

چہ سرو قد او زینت گلستان بلار شد

مرا در باب با عمامہ ز روی مرحمت اکنون

نیر تیریزی کہتا ہے:

قاسم آن نو بانو نہ باغ حسن

گوہر شاداب دریای محن

سیزدہ سالہ جوان نونہال

بر دہ ماہ چہار دہ شب را بہ سال

در حیا فرزانہ فرزند حسن

در شجاعت حیدر لشکر شکن

بازبان لایہ نر دشاہ شد

گفت شہ کسی رشک بستان ارم

ہوی خون می آید از دامن دشت

کسی رو اباشد کہ این رعنائہاں

گفت قاسم کسی خدیو مستطاب

گر چہ خود من کو دک نورستہ ام

من بہ مہد عاشقی پروردہ ام

کردہ در روز ولادت کام من

نگ باشد در طریق بندگی

زندگی رابی تو بر سر خاک باد

خواستار عزم قربانگاہ شد

خون مکن از فرقت خود این دلم

نیست کس رازان امید باز گشت

گرد از سُم ستوران پایمال

ای تو ملک عشق را مالک رقاب

لیک دست از کامرانی شستہ ام

خون بہ جای شیر مادر خورده ام

باز باشد شہادت مام من

بر غلامان بی شہنشہ زندگی

کامرانی را جگر صد چاک باد

رہا عبد اللہ بن حسن کا تذکرہ شہادت تو اسے ہم امام حسین کی ذکر شہادت کے ساتھ نقل کریں گے۔

شہادت فرزند ان امیر المومنین

محدثین و اہل تاریخ کا بیان ہے، کہ بلا میں امام حسین کے علاوہ امیر المومنین کے چچے اور فرزند شہید ہوئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابو الفضل عباسؑ، عبد اللہ، عثمان (جو ام البنین بنت حمزہ ام بن خالد بن ربیعہ کے لڑکے تھے) ۴۶ محمد (جو ابولفرج کے مطابق محمد امیر کے نام سے معروف تھے اور ان کی والدہ کنیز تھی)، ابو بکر (جن کی والدہ لیلیٰ بنت مسعود ثقفی تھیں)۔

البتہ شیخ مفید نے محمد کی بجائے ان کا نام عبد اللہ رکھا ہے اور مزید کہتے ہیں، ابو بکر اور اس کی والدہ وہی لیلیٰ بنت مسعود ثقفی ہی ہیں۔ ۴۷ ابولفرج اصفہانی نے بعض مؤرخین سے امیر المومنین کے دو فرزند ابراہیم اور عبد اللہ کے نام ذکر کیے ہیں جو دونوں بھائی کر بلا میں شہید ہوئے ہیں، لیکن اس قول کو قبول کرنے کی بجائے تنقید کرتے ہیں کہ کتب انساب میں کم از کم ہمیں حضرت علیؑ کے کسی فرزند کا نام ابراہیم نہیں مل سکا اور عبد اللہ بن علیؑ جنگ "مدائن" میں مختار ثقفی کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے۔

بہر حال شیخ مفید اور دیگر صاحبان قلم نے لکھا ہے، حضرت عباس بن علیؑ نے جب یہ دیکھا کہ خاندان اور اہل بیت امام حسینؑ کثرت سے شہید ہو رہے ہیں تو اپنے سکھے بھائیوں یعنی جناب عبد اللہ جناب جعفر اور جناب عثمان سے فرمایا:

اے میرے بھائیوں! اٹھو اور شہادت کی جانب قدم بڑھاؤ کیونکہ میں خدا اور رسول کی نسبت

تمہاری خیر خواہی اسی میں مشاہدہ کر رہا ہوں اور پھر تمہارے کوئی اولاد بھی نہیں (جو ان کا خیال تمہیں

پریشان کرے)

پس وہ جوان میدان کی جانب روانہ ہوئے۔

شہادت عبد اللہ بن علیؑ

ابولفرج سند کے ساتھ عبید اللہ بن عیاش سے روایت کرتے ہیں:
کر بلا میں عبد اللہ بن علیؑ کی پچیس سال عمر تھی اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔
ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب مناقب میں ان کا یہ رجز نقل کرتے ہیں:

انا بن ذی السجدة والافضل ذاک علی الخیر ذو الفضل
سیف رسول اللہ ذو النکال فی کل یوم ظاہر الاہوال

”میں صاحب فضل و کرم کا فرزند ہوں جو علی بن ابیطالب اہل خیر و نیک ہیں جو رسول اکرمؐ کی تیز و براں
تلوار ہے جو ہر روز دشمنوں کیلئے ترس آور ہو ہے۔“

ابولفرج اور ابن شہر آشوب اور شیخ مفید کے بقول انھوں نے گھسان کی جنگ کی مگر ہانی بن شبث حضری
نے انھیں لڑتے ہوئے شہید کر دیا۔

جعفر بن علیؑ کی شہادت

عبد اللہ کے بعد ان کے بھائی جعفر بن علیؑ میدان جہاد میں آئے اور بقول ابن شہر آشوب وہ یہ رجز پڑھ
رہے تھے:

انی انا جعفر ذو المعالی ابن علی الخیر ذوالنوال
ذاک الوصی ذوالسنار والوالی حسبی بعمی شرفاً والخال

احمى حسیناً ذالندی المفضل

ابولفرج اصفہانی کے مطابق وقت شہادت ان کی عمر انیس سال تھی، جبکہ عیاض الشیعہ رجال الشیخ سے نقل
ہے روز عاشورا جعفر بن علیؑ کی انتیس سال عمر تھی۔ بہر حال ابولفرج ضحاک مشرقی سے نقل کرتے ہیں ان
کا قاتل بھی ہانی بن شیبہ حضری تھا جبکہ امام باقرؑ سے روایت ہے خولی بن یزید صہبی نے انھیں
شہید کیا اور مناقب ابن شہر آشوب میں ہے خولی نے ایک تیران کی جانب پھینکا جو ان کی کپٹی یا آنکھ
میں جا کر لگا۔

شہادت عثمان بن علیؑ

جناب عثمان بھی میدان آتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انی عثمان ذو المغاخر شیخی علی ذو الفضل الظاہر
ہذا حسین سید الاحابیر ومید الصفا والاکابر

بعد النبی والوصی الناصر

مقاتل الطالین کے مطابق اس وقت ان کی عمر اکیس سال تھی اور خولی اُحییٰ نے ان پر ایسا تیر مارا جس کی صراحت سے جناب عثمان زمین پر گرے اور اس وقت موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قبیلہ ابان بن دارم کے ایک ظالم نے ان کا سر کاٹ کر شہید کر دیا۔

شہادت محمد بن علی (محمد اصغر)

ان کی شہادت بھی عثمان بن علی کی شہادت کی طرح نقل کی گئی ہے، لہذا البعد نہیں کہ روایات میں مغالطہ سے کام لیا گیا ہو۔ واللہ اعلم
شہادت ابو بکر بن علیؑ
ابوالفرج لکھتے ہیں:

ان کا اصلی نام نقل نہیں ہوا، چنانچہ ممکن ہے وہی ابراہیم یا عبداللہ ہوں جو دوسروں نے نقل کی ہے۔
بہر حال شہر آشوب نے ان سے متعلق یہ رجز نقل کیا ہے:

من هاشم الخیر الکرم المفضل

شیخی علی ذو الفخار الاطوال

عنه نحامی بالحسام المصقل

هذاحسین ابن البی المرسل

تقدیه نفسی من اخ مبجل

”میرے پدر گرامی علیؑ ہیں جو طولانی فضائل و مناقب کے مالک بنی ہاشم کے بہترین نچے اور صاحب فضل ہیں، یہ حسینؑ فرزند نبیؐ ہیں جن کی حمایت میں اپنی ہیقتل دی ہوئی تلوار سے کروں گا اور میں اپنے محترم بھائی کو نفع پہنچاؤں گا۔“

یہ جوان اس طرح شجاعانہ برسرِ پیکار رہے کہ دشمن کیلئے مشکل بنادی مگر زجر بن بدر جھٹی نے انھیں شہید کر دیا۔

ابوالفرج امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں:

انھیں قبیلہ ہمدان کے ایک شخص نے شہید کیا اور مدائن سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کی لاش ایک گڑھے سے تلاش کی گئی، لہذا ان کے قاتل کا نام نہیں معلوم۔

شہادت حضرت ابوالفضل العباسؑ

حضرت امیر المومنینؑ کے زندگی نامے میں حضرت کے بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں ہوئے جناب عباسؑ کا مدگی نامہ پیش کیا جا چکا، اسی تحریر کو جناب عباسؑ کی عظمت اور کربلا میں دیگر شہداء کی نسبت خاص مقام و ولت رکھنے کی وجہ تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

ناب عباسؑ کی ولادت جیسا کہ فرسان الحجباء اور دیگر کتابوں میں ذکر ہوا ہے ۲۶ھ چار شعبان المعظم مدینہ

منورہ میں ہوئی، لہذا وقت شہادت حضرت کا سن مبارک چونتیس سال تھا اور حضرت عباسؓ کی والدہ گرامی کا نام فاطمہ بنت حزام بن خالد تھا جو قبیلہ بنی کلاب سے تعلق رکھتی تھیں اور ام البنین کی کنیت سے معروف تھیں، جبکہ قاموس الرجال کے مطابق مختلف دانشوروں کا قول ہے کہ ام البنین اس محترمہ کی کنیت نہیں بلکہ اسم گرامی تھا۔ واللہ اعلم

عمدۃ الطالب میں روایت ہے:

حضرت علیؓ نے اپنی برادر گرامی جناب عقیل سے جو ماہر نسب شناس تھے فرمایا:

انظر الى امرأة قد ولدتها الفحول لأتزوجها فلذلي غلاماً فارساً

”کوئی ایسی خاتون دیکھو جو شجاع گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تاکہ میں اسے اپنے عقد میں لاؤں اور وہ میرے دلیر اور شجاع بیٹا لا سکے۔“

جناب عقیل نے عرض کی: ام البنین کلابیہ سے عقد کری، کیونکہ میرے نزدیک عرب خاندانوں میں کے خاندان سے بڑھ کر شجاع خاندان نہیں۔

حضرت عباسؓ کے القاب: ابوالفضل، ابوالقریہ اور خوبصورتی و حسن و جمال کی وجہ سے قمر بنی ہاشم زیادہ معروف ہیں، جبکہ عباس بن علیؓ کے شکل و شکل بیان کرتے ہوئے ابوالفرج مقاتل الطالسیٰ میں لکھتے ہیں: وہ خوبصورت اور حسین انسان تھے وہ جب گھوڑے پر سوار ہوئے تو پیر زمین پر لگتے تھے۔ انھیں نے ہاشم کا چاند کہا جاتا تھا وہ روز عاشور لشکر امام حسینؓ کے علمدار تھے۔

حضرت عباسؓ کے فضائل کی جھلک

جس نے بھی کر بلا کا جالگداز واقعہ پڑھا ہو یا طف کی غم انگیز داستان سنی ہو اس پر ہرگز عباسؓ کی عظمت، شہامت شجاعت، بہادری، ان کا ایثار اور دیگر فضائل و کمالات پوشیدہ نہیں ہو سکتے مثلاً نوحرم الحرام وقت عصر عبید اللہ کی جانب حضرت عباسؓ اور ان کے بھائیوں کیلئے امان نامہ لایا گیا تو حضرت عباسؓ نے فرمایا:

لا حاجة لنا في امانكم، امان الله خير من امان ابن سمية ”تمہارے امان نامے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ خدا کا امان نامہ پرسمیہ کے امان نامے سے بہتر ہے۔“

اور شمر سے (جو امان نامہ لانے والا تھا) فرمایا:

لَعَنَكَ اللهُ وَلَعَنَ اَمَانَكَ اَلَتَوْمُنُوْا ابْنُ رَسُوْلِ اللهِ لَا اَمَانَ لَهٗ؟ ”خدا تجھ پر اور تیرے امان نامے پر لعنت کرے کیا ہمارے لیے امان نامہ ہے مگر پر رسول اللہ کیلئے کوئی امان نامہ نہیں!“ ۳۹

اور جب امام حسینؓ نے اپنے اصحاب و اعوان سے فرمایا:

”میں تمہیں رخصت دیتا ہوں لہذا تم سب لوگ آزاد ہو جہاں جانا پسند کرو چلے جاؤ۔“

تو عباسؑ نے آغا رنجن کرتے ہوئے فرمایا:

لَمْ تَفْعَلْ ذَلِكَ لِتُنْفِي لَارِاِنَّ اللَّهَ ذَالِكُ اَبَدًا ”آخر ہم ایسا کیوں کریں کیا ہم آپؑ کے بعد زندگی کی تمنا رکھتے ہیں؟ ہرگز خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!

جب روز عاشورا اپنی نے بے نظیر شجاعت و دلاوری کا اظہار کرتے ہوئے کئی ہزار کے لشکر کو جو نہر فرات پر آہنی دیوار کی طرح کھڑے تھے بھگانے میں کامیاب ہوئے اور جب اپنے گھوڑے کو فرات میں اتارا تو انتہائی تشنگی اور پیاس کے باوجود اپنے بھائی امام حسینؑ اور ان کی پیاسی اولاد سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک گھونٹ بھی پانی نہ پیا اور جو پانی چلو میں لے کر چہرے کے نزدیک لائے تھے اسے دوبارہ فرات میں پھینک دیا اور لب تشنہ فرات سے نکل آئے۔ ۵۰

بہ دوش آن تشنہ لب برداشت مشک و گتھ ای دل بیاد آراز حسین تشنہ لب بامن مدارا کن
علی اکبر لبش خشکیده اصغرا ز عطش در غش حوام است این چنین بی مہریت ترک تمنا کن
بدربابانہاد و خشک لب بیرون شد از دریا مروت بین جوانمردی نگر غیر تماشا کن

اور شاید حضرت عباسؑ کے فضائل و مناقب کا امام حسینؑ کے اس جملے میں خلاصہ کیا جاسکے جسے آپؑ نے جناب عباسؑ سے عصر تا سوا فرمایا، کیونکہ وہ ایک مختصر سا جملہ ان تمام فضائل مناقب کو جنہیں شیخ مفیدؒ اور دیگر صاحبان قلم نے لکھا ہے اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ شیخ مفیدؒ اور دیگران نے نقل کیا ہے، جب عصر تا سوا عبید اللہ کی جانب سے دستور جنگ عمر ابن سعد کو پہنچا تو اس نے فوج کو حملے کیلئے روانہ کیا اس وقت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ سے فرمایا:

اِرْكَبْ بِنَفْسِي اَنْتَ يَا اَخِي حَتَّى تَلْقَاهُمْ وَتَقُولَ لَهُمْ: مَا لَكُمْ وَمَا بَدَا لَكُمْ وَتَسْتَلْهُمْ عَمَّا جَاءَ بِهِمْ ...
”اے میرے بھائی میری جان تم پر قربان! سوار ہو کر ان کی جانب جا کر پوچھو کہ کیا بات ہے؟ اور ان کا ہماری جانب آنے کا کیا سبب ہے؟“

اسکے بعد جناب عباسؑ کا لشکر عمر بن سعد کے نزدیک آنا اور ان سے گفتگو کرنا جو ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں، اسی طرح امام حسینؑ کا وہ جملہ جو آپؑ نے عباسؑ کی لاش پر فرمایا کیونکہ ایسا جملہ کہیں اور نظر نہیں آتا جو خود حضرت عباسؑ کی عظمت پر گواہ ہے فرمایا:

الْآنَ انْكَسَرَ ظَهْرِي وَقَلَّتْ حِيلَتِي ”اب میری کمر ٹوٹ گئی اور بے سہارا ہو گیا۔“

زیشت زین چہ افتادی شکست از بار غم پشتم ز جاحیزای کہ دور هر غم بُدی پشت و پناہ من
بیالین تو گر دیر آمدم اینک مرنج از من کہ سویت کوفیان از جہاد سو بستند راہ من
بہر عضو کہ آرم دست زان عضو جداباشد کرامین سنگدل کشت چنین ای بی پناہ من
من آن طاقت ندارم کز جمالت دیدہ بردارم بہ زیر تیغ خواہد بود بر رویت نگاہ من

اسی طرح ایک عرب زبان شاعر کہتا ہے:

فَتَى أَبْيَكَى الْحُسَيْنِ بِكَرْبَلَاءَ
أَبْوَضِلِ الْمَضْرَجَ بِالْدماءِ
وَجَاذَلَهُ عَلَى عَطَشِ بَمَاءِ ۵

أَحَقُّ النَّاسِ أَنْ يُبْكِيَ عَلَيْهِ
أَخُوهُ وَابْنُ وَالِدِهِ عَلَيَّ
وَمَنْ وَاسَاةً لَا يُبْشِيهِ شَيْءٌ

”وہ جوان گریہ کا حق دار ہے جس کی شہادت نے کربلا میں حسین کو زلادیا تھا یعنی حسین کے بھائی فرزند علی جو خون میں غطاں تھے اور وہ جسے بھائی کی مدد کرنے سے کوئی چیز نہ روک سکی یہاں تک کہ انتہائی تشنگی میں پانی پا کر بھی منہ سے نہ لگایا۔“

اور وہی رجز جب سیدھا ہاتھ کٹ گیا زبان پر جاری کر کے فرمایا:

إِنِّي أَحَامِي أَبْدَاعِنِ دِينِي
نَجِّلِ النَّبِيَّ الطَّاهِرَ الْأَمِينِ

وَاللّٰهُ إِنْ قَطَعْتُمُو أَبْيَمِينِي
وَعَنْ إِمَامٍ صَادِقٍ الْيَقِينِ

”خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دیاں ہاتھ کاٹ دیا تب بھی میں اپنے دین کا اور اپنے امام کا جو صادق یقین ہے اور طاہر و امین کا فرزند ہے، ہمیشہ دفاع کرتا رہوں گا وہ خدا کی طرف سے مصدق اور صاحب دین نبی صادق ہے۔“

اور جب بائیں ہاتھ کو دشمن نے قلم کیا تو زمین پر آتے ہوئے اپنی زندگی کے ان سخت ترین لمحات میں اعلیٰ ذہنیت اور جذبہ ایمانی کو اس رجز کی صورت میں یوں بیان فرمایا:

وَأَبْشُرِي بِرُخْمَةِ الْجَبَّارِ
مَعَ جُمْلَةِ السَّادَاتِ وَالْأَطْهَارِ
فَأَنْصَلِهِمْ يَا رَبِّ حَرَّ النَّارِ

يَا نَفْسُ لَا تَخْشِي مِنَ الْكُفَّارِ
مَعَ النَّبِيِّ السَّيِّدِ الْمُخْتَارِ
فَلَذْقُطْعُو أَبْيَغِيهِمْ يَسَارِي

”اے نفس ہرگز کفار سے خوف زدہ نہ ہونا تجھے خدائے جبار کی رحمتوں کی بشارت دیتا ہوں اور سید مختار پیغمبر اور سادات (ائمہ) کی محبت کا مژدہ دیتا ہوں پروردگار! انھوں نے ظلم کے ساتھ میرا بایاں ہاتھ کاٹ دیا۔ پس ان کو دوزخ کی آگ کا مزہ چکھادے۔“

منتخب التواریخ میں لکھا ہے، عربی زبان کے مشہور مرثیہ گو شاعر حاج محمد رضا ازری نے قبر نبی ہاشم کی شہادت کی مناسبت سے امام حسین کا زبان حال بیان کرتے ہوئے یہ مصرع کہا: یوم ابو الفضل استنجاہ بہ الہدی جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ روز عاشور اوہ روز ہے جس دن امام حسین، حضرت عباس کی پناہ میں تھے مگر یہ مصرع کہہ کر گہری سوچ میں ڈوبتے چلے گئے کہ شاید (مخالفاً ہوا) اس کا مطلب صحیح نہ ہو کہ امام حسین جیسا وجود جناب عباس کی پناہ میں کیسے ہوگا، لہذا مزید اشعار کہنے سے گریز کیا تو اسی رات امام حسین کی خواب میں زیارت کی کہ آپ فرما رہے ہیں: اے شاعر! تو نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے اور مصرع

دوم خود حضرت نے عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے اپنے اس مصرعے میں ضمیمہ کر لو وہ مصرعہ یہ تھا:
والشمس من کبیر العجاج لثامها ”اور اس روز خورشید غبار کی تیرگی سے نقاب پوش تھا۔“
چنانچہ ازری نے اس خواب کے بعد اپنے کلام کو ان اشعار کے ذریعے تمام کیا:

فَمَنْ الْمُعْزِ السَّيْطِ بِمَشْهَدِ	بَقِي لِي الْإِشْرَافُ طَائِفًا لَهَا
وَأَخْ كَرِيمٍ لَمْ يَخْنُ بِمَشْهَدِ	حَيْثُ الشَّرَافُ كِبَابُهَا أَقْدَامُهَا
أَلْيَوْمَ سَارَ عَنِ الْكِتَابِ نَبْ كَبْشِهَا	الْيَوْمَ غَابَ عَنِ الْهُدَاةِ إِمَامُهَا
أَلْيَوْمَ آلَ إِلَى التَّفَرُّقِ جَمْعُهَا	الْيَوْمَ خَلَّ عَنِ الْبُنُودِ نِظَامُهَا
أَلْيَوْمَ خَرَّ عَنِ الْهِدَايَةِ بَدْرُهَا	الْيَوْمَ غَبَّ عَنِ الْبِلَادِ غَمَامُهَا
أَلْيَوْمَ نَامَتْ أَعْيُنُ بَكٍّ لَمْ تَنَمْ	وَتَسَهَّدَتْ أُخْرَى فَعَزَّ مَنَامُهَا

”کون ہے جو پسر رسول کی عزاداری کرتے ہیں جن کی آمد پر اشراف سر جھکا لیتے ہیں، امام حسینؑ کے بھائیوں نے بھی ان کا خوب ساتھ دیا حتیٰ اس وقت میں جب مشکلات سے پیرا کھڑے تھے، آج اس گروہ کا سردار (حسین) ان سے جدا ہو گیا اور آج وہ دن ہے جب امام و ہادی سے دنیا خیالی ہو گئی آج ہمارا گروہ اور اس کا نظام بگڑ گیا، آج وہ قمر جو ہادی تھا وہ چھپ گیا اور آج بادل رحمت غائب ہو گیا، آج کچھ آنکھیں سو رہی ہیں اور کچھ بیدار ہیں۔“

تاتورا سن عنوان به زیر زین بود	کمی مرا خوف به دل زین سپہ بی دین بود
سر اطفال من آسوده روی نالین بود	همه شب ورد من و زینب و کلثوم این بود

خاطر جمع بخوابید برادر داریم

امام زین العابدینؑ کی زبان سے

شیخ صدوقؒ اپنی کتاب خصال میں سلسلہ سند کے ساتھ امام سجادؑ سے نقل کرتے ہیں آپؑ نے فرمایا:
”رَضِمَ الْعَبَّاسُ يَقْنَعِي ابْنُ عَلِيٍّ أَثَرُ وَأَبْلَى وَقَدَى أَخَاهُ بِنَفْسِهِ حَتَّى قَطَعَتْ يَدَاهُ فَأَبْدَلَهُ اللَّهُ بِمَا جَنَّا حِينَ يَطِيرُ بِهِمَا نَفْعُ الْمَلَائِكَةِ فِي الْجَنَّةِ كَمَا جَعَلَ لِجَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَإِنَّ لِلْعَبَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمَنْزِلَةً يَغْفِرُهَا بِهَا جَمِيعُ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ...“ ۵۲

”خدا عباس بن علیؑ پر رحمت نازل کرے جنھوں نے ایشار سے کام لیا اور بلاء و مصیبت میں مبتلا ہوئے اور انھوں نے اپنی جان بھائی کی راہ میں قربان کر دی یہاں تک کہ انکے دونوں ہاتھ قلم ہو گئے خداوند حکیم نے جن کے بدلے حضرت عباسؑ کو حضرت جعفر طیار کی طرح دو پر عطا کیے، تاکہ وہ فرشتوں کے سات بہشت میں پرواز کر سکیں اور بے شک خدا کے نزدیک جناب عباسؑ کا وہ مقام ہے جس پر روز قیامت شہداء رشک کریں گے۔“

باآب دیدگان تن خود شستشو کنند

عشاق چوں بدر گہ معشوق رو کنند

آن زخم رابوسوزن مژگان رفو کنند

از تیغ دوست بر تنشان زخمی ارسد

درو رو ز حشر رتبه اور آرزو کنند

قربان عاشقی کہ شهیدان کوی عشق

عباس بن علیؑ کا زیارت نامہ امام صادقؑ کی زبان مبارک سے

شاید عباسؑ کے بہترین فضائل ابن قنلوہ کے نقل کردہ اس زیارت نامے میں موجود ہیں جو انھوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے جس میں حضرتؑ فرماتے ہیں: جب اس ایثار و شہادت کے مالک کی بارگاہ میں کھڑے ہو تو اس طرح آغاز سخن کرو:

سلام اللہ و سلام ملاحک و انبیائہ المرسلین و عبادہ الصالحین و جمیع الشہداء الصدیقین

و الزاکیات الطیبات فیماتتدئی و تروخ علیک یابن امیر المؤمنین ”اے امیر المؤمنین کے فرزند

صبح و شام خداوند عالم، اسکے فرشتے، انبیاء و مرسلین، نیک بندے، تمام شہدائے صدیقین، صاحب

کردار اور پاک و پاکیزہ لوگ آپؑ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔“

یہاں تک کہ پھر حضرتؑ نے فرمایا:

السّلامُ علیک ایہا العبدُ الصّالحُ المَطیعُ اللہَ لِرِسالِہِ و لا امیر المؤمنینَ و الحسینَ

(ع)..... اَشْہَدُ و اَشْہَدُ اللہَ اَنَّکَ مَصْیّتٌ عَلٰی مَا مَضٰی بِہِ الْبُرُیُونَ و الْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللہِ

، الْمُنَاصِحُونَ لَہُ فِی جِہَادِ اَعْدَائِہِ ، اَلْمُبَالِغُونَ فِی نُصْرَةِ اَوْلِیَائِہِ ، اَلذَّابُّونَ عَنْ اَجَائِہِ ، فَجَزَاکَ اللہُ

اَفْضَلَ الْجَزَاءِ وَاکْثَرَ الْجَزَاءِ وَاَوْفَا فِرَ الْجَزَاءِ وَاَوْفٰی جِزَا اَحِبِّیْمَیْنِ وَفِی بَیْعَتِہِ ، وَاَسْتَخَابَ لَہُ دَعْوَتَہُ

وَاطَاعَ وِلَاۃَ اَمْرِہِ ، اَشْہَدُ اَنَّکَ قَدْ بَالِغْتَ فِی النَّصِیحَةِ وَاَعْطِیْتَ غَایَةَ الْمَجْہُودِ ، فَبَعَثَکَ اللہُ فِی

الشَّہَادَۃِ ، وَجَعَلَ رُوحَکَ مَعَ اَرْوَاحِ السَّعْدَاءِ ، وَاعْظَمَ لَکَ مِنْ جَنَانِہِ

اَفْسَحَہَا مَنَزَلًا ، وَاَفْضَلَہَا غُرْفًا ، وَرَفَعَ ذِکْرَکَ فِی عَلَیِّیْنِ وَخَشَرَکَ مَعَ النَّبِیِّیْنَ و الصّٰدِقِیْنَ

وَالشَّہَدَاءِ و الصّٰلِحِیْنَ ، وَحَسَنَ اَوْلَیَکَ رَفِیقًا ، اَشْہَدُ اَنَّکَ لَمْ تَہِنْ وَلَمْ تَنْکَلْ ، وَاَنَّکَ مَصْیّتٌ عَلٰی

بَصِیرٍ قِمْنَ اَمْرِکَی مُقْتَدِیًا بِالصّٰلِحِیْنَ وَ مُتَّبِعًا لِلنَّبِیِّیْنَ

”سلام ہو آپؑ اے خدا کے صالح بندے! خدا، اس کے رسولؐ، امیر المؤمنینؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے

پیروکار (ان سب پر خدا کا درود و سلام ہو) سلام ہو آپؑ پر نیز آپ کے ابدان اور روح پر خدا کی رحمت و

برکت اور بخشش شادمانی ہو، میں گواہ ہوں اور خدا کو بھی گواہ قرار دیتا ہوں کہ آپؑ انہی راہ پر گامزن

رہے جس پر اہل بدر اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے چلے تھے وہ لوگ خدا کے دشمنوں سے

جنگ کے وقت خدا کی طرف (آنے کی) نصیحت کرتے تھے جو خدا اور اسکے دوستوں کی مدد کیلئے

کوشاں رہتے تھے جو اسکے دوستوں کے حریم کے دفاع میں برسرِ پیکار ہے۔ پس خدا آپؑ کو اجر

عطا کرے سبب اچھا اور سب سے زیادہ فراواں اور اوگھل کا اجر عطا کرے، ایک ایسے شخص کی جزاء جس نے اپنی کی ہوئی بیعت سے وفاداری کی اور اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسکے امر کی پیروی کی، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نصیحت کرنے میں پوری کوشش کی اور حد کمال تک پہنچتے گئے۔ پس خدا آپ کو شہداء کے ساتھ محشور کرے اور آپ کی روح کو اہل سعادت کی ارواح کے ساتھ جگہ عنایت کرے اور آپ کو اپنی بہشت میں اعلیٰ مقام اور وسیع ترین گھر عطا کرے اور آپ کا ذکر علمین میں بلند رہے، آپ کو شہداء صدیقین اور انبیاء و صالحین کے ساتھ محشور کرے جو رفاقت کے لحاظ سے بہت اچھے ساتھی ہیں، میں گواہی ہوں کہ آپ نے دین کی راہ میں سستی اور دشمن کے مقابل کاہلی نہیں کی اور بے شک آپ جس راہ پر چلے پوری بصیرت اور بینش کامل کے ساتھ چلے اور بہترین لوگوں کی اقتداء اور پیغمبروں کی پیروی کی....“

اور زیارت کے اختتام پر نماز ادا کرنے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائیں:

أَشْهَدُ لَقَدْ نَصَحْتُ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَخِيكَ فَنِعْمَ الْأَخُ الْمَوْاسِي... فَنِعْمَ الصَّابِرُ الْمُجَاهِدُ الْمُحَامِلُ
النَّاصِرُ وَالْأَخُ الدَّافِعُ عَنْ أَخِيهِ الْمَجِيئِ إِلَى طَاعَةِ رَبِّهِ، الرَّاعِبُ فِيمَا زَهَّدَ فِيهِ غَيْرُهُ مِنَ الثَّوَابِ
الْجَزِيلِ وَالْغَنَاءِ الْجَمِيلِ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے بلاشبہ خدا، اسکے رسول اور اپنے بھائی
حسینؑ کیلئے نصیحت فرمائی پس کیسے ہمدرد و پارسا بھائی تھے... پس آپ کیسے اچھے صابر و مجاہد
اپنے بھائی کے حامی و مددگار، ان کا دفاع کرنے والے اور خداوند عالم کے حکم پر لبیک کہنے والے
ہیں آپ نے ثواب جزیل اور ثنائے جمیل کا مشتاقانہ استقبال کیا کہ جس سے دوسروں نے منہ
موڑ لیا تھا۔“

نتوان گفت صفاتش بدو صد عمر یک از صد کہ برون است کمالات پسندیده اش از حد
جز حسین هیچ کسش قدر ندانست بدانسان کہ ندانست کسی قدر علی را بجز احمد
قامتش حسرت وبی و قدش رونق جنت تن او روح مجسم کف اوفیض مؤند
بے شک اگر کوئی اسی زیارت نامے کے چند جملوں پر وقت کرے تو بخوبی جناب عباس کے فضائل و
کمالات سے کسی حد تک آگاہ ہو سکتا ہے اور ہمیں مزید بیان سے بے نیاز کر سکتا ہے۔

زیارت ناحیہ مقدس

زیارت ناحیہ مقدسہ میں حضرت عباسؑ کا اپنے بھائی امام حسینؑ کی نسبت مقام و فاسطرح بیان ہوا ہے:

السلام علی ابی الفض العباس بن امیر المومنین: المَواسی أَخَاهُ بِنَفْسِهِ، الْأَخِذَ لِقَرِهِ مِنْ أَمْسِهِ
، الْكَافِدَى لَهُ الْوَأَقَى السَّاعَى إِلَيْهِ... ”سلام ہو آپ پر اے امیر المومنین کے فرزند ابوالفضل العباسؑ

جس نے اپنی جان کے ذریعے اپنے بھائی سے وفاداری کی اور گزشتہ سے آئندہ کا سامان مہیا کیا جس نے خود کو بھائی پر فدا کر دیا، جس نے اپنی جان کو ان کیلئے سُپر قرار دیا اور ان کے تئیں سعی کام انجام دی۔“

عصر حاضر کے ایک دانشور کے الفاظ میں شہادت نامہ

عصر حاضر کے معروف اہل قلم باقر شریف قرشی اپنی کتاب حیاۃ الامام الحسین بن علیؑ میں لکھتے ہیں:

تاریخ انسانیت کے ماضی و حال میں جناب عباسؓ جیسی وہ شخصیت جس نے اپنے بھائی کی نسبت برادری و اخوت کی گچی اور ہمہ گیر مثال قائم کی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، بے شک تمام اخلاقی اقدار اور انسانی خصلتوں کو اپنے اندر جگہ دے رکھی تھی۔ اخوت کے روشن و بے مثال نمونے عباسؓ کے ایثار اور ان کی فداکاری میں نظر آتے ہیں، کیونکہ عباسؓ نے بڑے بھائی امام حسینؑ کی نسبت ایثار کرتے ہوئے اپنی جان تک قربان کر دی اور سخت ترین آلام و مصائب، الہی آزمائشات اور امتحانوں میں مواسات اور ہمدردی کا ثبوت دیا جسے امام مجاہدانے ایک جملے میں یوں فرمایا: رحمہ اللہ عَمَّی العباس منعقد آفروابلی ۵۳ھ اور یہ صادقانہ، شگفت انگیز اور تعجب آور اخوت و برادری ہر زمانے میں بعنوان ضرب المثل استعمال ہوتی رہی ہے، چنانچہ حضرت عباسؓ کے پیروں میں سے ایک پوتے فضل بن محمد ۵۳ھ نے اس بارے میں فرماتا ہے: احق الناس انی یکب علیہ... ۵۵ھ

مذکورہ دانشور معروف شاعر کمیت کے چند اشعار نقل کرنے کے بعد مزید تحریر کرتے ہیں:

بے شک حضرت عباسؓ تقویٰ، پرہیزگاری اور دینداری میں بلند مقام رکھتے تھے اور ان کے خوبصورت چہرے سے نور کی شعاعیں ماور ہوتی تھیں، چنانچہ اسی سبب قمر بنی ہاشم کا لقب پایا۔ اسکے علاوہ وہ اسلام کے مشہور اور نامور پہلوان اور مجاہد تھے، جب وہ قومی جیکل اور چوڑی کمر والے گھوڑے پر سوار ہوتے تو ان کے پیروں پر خط کھینچتے نظر آتے تھے۔

انھوں نے اپنے پدر گرامی سے صفت شجاعت اور پہلوانوں سے روبرو ہونا ارث میں لیا۔ امام حسینؑ نے واقعہ کربلا میں اپنے لشکر کا سالار انھیں منتخب کیا اور پرچم جنگ ان ہی کو سونپا چنانچہ جناب عباسؓ نے اس ذمہ داری کو خوب انجام دیا یعنی امام کا دفاع کیا اور تاریخ کے سخت ترین معرکہ کو سر کیا اور جب اپنے بھائی امام حسینؑ کو تنہا محسوس کیا جب تمام اعدا و انصار شہید ہو چکے تو رخصت لینے کیلئے حاضر ہوئے تاکہ اپنے نورانی مقام تک جا پہنچیں، مگر امام نے رخصت دینے سے انکار کیا اور دردمندی آواز سے فرمایا:

انت صاحب لوائی! ”یعنی تم میرے لشکر کے علمدار ہو!“

ہاں بے شک جب تک، جناب عباسؓ زندہ رہے امام حسینؑ کو ایک خاص ڈھارس اور طاقت

کا احساس رہا کیونکہ وہ تنہا انسان ایک لشکر کی مانند تھا جو امام کے دفاع میں مصروف رہا، لیکن عباسؑ نے اصرار کرتے ہوئے عرض کی:

لَقَدْ مَنَّاقِ صَدْرِي مِنْ هَؤُلَاءِ الْمَنَافِقِينَ وَأَرِنِدَانِي أَخَذَ ثَارِي مِنْهُمْ "میرا سینہ ان منافقوں سے بغض میں تنگ ہو گیا ہے، لہذا اب چاہتا ہوں کہ انتقام لوں!"

ہاں حضرت عباسؑ کا دل بھر چکا تھا اور وہ زندگی سے سیر ہو چکے تھے اور جب اس بہادر انسان نے اپنی آنکھوں کے آگے اُن درخشاں ستارے، بھائیوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا تو علمدارِ کربلا کا دل سوختہ ہو کر رہ گیا، لہذا اب امام حسینؑ سے ان پیاسے بچوں کیلئے جن میں زندگی کی کچھ رہتی تھی تحصیلِ آب کی رخصت چاہی چنانچہ اجازت پا کر انسانیت سے مسخ شدہ ان لوگوں کے سامنے آ کر عمر بن سعد سے خطاب کیا:

يَا بَنِ سَعْدٍ اِهْذَا حَسِينِ ابْنِ بَنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ فَلَقْنٰهُمْ اَصْحَابَهُ وَاَهْلَ بَيْتِهِ ، وَهَؤُلَاءِ عِيَالُهُ وَاَوَّلَادُهُ عَطَّاشِي فَاسْأَلُوْهُمْ مِنَ الْمَاءِ فَاذْخَرَقَ الظَّمَاءُ قُلُوْبَهُمْ "اے پسر سعد! یہ حسینؑ، دختر رسولؐ کا کافر زندہ ہے جس کے اصحاب و اقارب کو تم نے قتل کر دیا اور اب آل و عیال حسینؑ پیاس سے تڑپ رہی ہے، آؤ انھیں پانی پلا دو، کیونکہ بے شک ان کے دل پیاس کی شدت سے جل رہے ہیں!"

عباسؑ کا خطاب انسانیت سے دورانِ لوگوں پر اتنا اثر انداز ہوا کہ بعض لوگوں کے آنسو جاری ہونے لگے اسی وجہ سے وہ پست و خبیث انسان یعنی شمر بن ذی الجوشن نزدیک آیا اور بولا:

يَا بَنِ ابِي تَرَابٍ لَوْ كَانَ وَجْهَ الْاَرْضِ كُلُّهُ مَاءً اَوْ هُوَ تَحْتَ اَيْدِنَا كَمَا سَقَيْنَاكَ مِنْهُ قَطْرَةً اِلَّا اَنْ تَدْخُلُوْا بَيْعَةَ بَزِيدٍ... اس کا ایک قطرہ بھی تمہیں نہیں دیں گے یہاں تک کہ یزید کی بیعت کر لو۔

ابو الفضل العباسؑ اس بداندیش کا جواب سن کر امام حسینؑ کی خدمت میں تشریف لائے، تاکہ امام کو شر کے خیالات سے آگاہ کریں۔ اس ہنگام خیمِ حسینی سے بچوں کی صدائے العطش بلند ہوئی۔ عباسؑ نے موڑ کر خیم کی جانب دیکھا تو وہ دلخراش اور غم انگیز منظر دیکھنے کو ملا کہ خشک شدہ لب، پژمرده ملاہٹ اور پیاس سے بے حال بچوں کو دیکھ کر جناب عباسؑ کا دل آتش ہو گیا اور اعماقِ دل کے شراروں نے انھیں جلا کر کھادیا۔ بنا برائیں مشکیزہ کا ندھے پر رکھا اور اپنے تند رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر شریعہ فرات کو برف قرار دیا اور انتہائی شہامت اور بے نظیر بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے گھات پر قبضہ چھڑایا گو یا دشمن کو اپنے والد گرامی کا فتح خیر یا دلایا اور فرات میں اپنی سواری اتار دی حالانکہ

پاس کی شدت نے جناب عباسؓ کا کلیجہ شگافتہ کر دیا تھا۔ اس وقت آپؓ نے چلو میں پانی لیا اور اپنے چہرے کے نزدیک لائے لیکن اپنے بھائی کی پاس اور بچوں و مستورات کا خیال آتے ہی پانی دوبارہ نہر میں پھینک دیا اور اپنے آپ سے فرمایا:

يَانْفَسْ مِنْ بَعْدِ الْحُسَيْنِ هُوْنِي وَبَعْدَهُ لَا تُكُنْتُ أَنْ تَكُونِي

هَذَا الْحُسَيْنِ وَإِذَا الْمَتُونُ وَتَشْرِبِينَ بَارِذَ الْمَعِينِ

تَا اللّٰهَ مَا هَذَا أِفْعَالٌ دِينِي

”میری جان حسین کے بعد کوئی اہمیت نہیں رکھتی لہذا اب اسے نابود ہو جانا چاہیے وہ حسین اب شہادت کے قریب ہیں، لیکن تو ٹھنڈا پانی پی رہا ہے قسم بخدا یہ کام میرے دین کے منافی ہے۔“

بے شک انسانیت ہر زمانے اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسی عظیم المرتبت فضیلت مآب اور اسلام کے تربیت یافتہ مجاہد پر انتہائی خضوع و فخر و سرفرازی کے ساتھ درود و سلام بھیجتی ہے اور اس بزرگ اور اونچی روح کے مالک جس نے آ انسانیت کے تمام نسلوں کو درس عز و شرف دیا کے حضور چمکتی نظر آتی ہے۔

بے شک اس عظیم الشان ایثار نے کہ جس نے زمان و مکان کی ساری حدود کو توڑ دیا ہے اور ہر جگہ عباسؓ کے کمالات و خصال کا ذکر بول رہا ہے انھوں نے امامؓ سے اس گہرے لگاؤ اور حقیقی محبت کا ثبوت پانی پر قبضہ کے باوجود پیا سارا جانے سے دیا۔ اس سے بڑھ کر وہ کون سا اخلاص و ایثار ہوگا کہ جس میں اپنی روح و جان کو بھائی کی جان کے ساتھ اس طرح آمیضہ کر دیا ہو کہ پھر سے اپنے اور بھائی کے وجود میں دو گانگی محسوس نہ کرتے ہوں۔

ہاں وہ پاشی جوان اس مشک کو بھر کر سوئے خیام روانہ ہوا جو ان کے نزدیک اپنی حیات سے کہیں زیادہ گر افقد تھی پر اسی دوران دشمن سے مقابلہ شروع ہوا کیونکہ انسانی شکل میں موجود ان درندہ صفات لوگوں نے سقائے حرم کے گرد حلقہ باندھنا شروع کیا، تاکہ اہل بیت رسولؐ تک پانی نہ پہنچنے پائے، چنانچہ وہ وقت تھا جب اس شیریشہ نے اپنے بازوؤں کا زور دکھانا شروع کیا، چنانچہ حضرت عباسؓ کی ایک معمولی سی جنبش انھیں ہواؤں میں اڑا دیتی تھی اس وقت آپؓ نے رجز پڑھنا شروع کیا:

لَا رَهْبَ الْمَوْتِ إِذَا الْمَوْتُ رَقَا حَتَّى أُوَارَى فِي الْمَصَالِبِ لَقِي

نَفْسِي لِبَسِطِ الْمَصْطَفَى الطَّهْرُوقَا إِنِّي أَنَا الْعَبَّاسُ أَعْدُو بَالِسَقَا

وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ يَوْمَ الْمُلْتَقَى

”موت کی آہٹ سن کر بھی موت سے بالکل خوف زدہ نہیں ہوں چاہے میرا بدن تلوار کی باڑھیں کھو کیوں نہ جائے میرا نفس فرزند رسولؐ کی پر ہے، میں عباسؓ سقا ہوں مشکیزہ خیمے تک پہنچا کر دم لوں گا اور مجھے روز قیامت شر کا خوف نہیں ہے۔“

اس وقت اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور نہ فقط موت سے خائف نہیں تھے بلکہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کر رہے تھے تاکہ اس طرح اپنے آقا و مولا امام حسینؑ جو کہ سماجی انصاف کے عظیم رہبر تھے کے مسلم حق کا دفاع کر سکیں اور اہل پیغمبرؑ کو سیراب کرنے کیلئے مشکیزہ خیمے میں پہنچائیں۔

ادھر لشکر باطل اس بے مثال شجاعت کا مظاہرہ دیکھ کر مضطرب ہونے لگا لہذا جناب عباسؑ کے رعب سے میدان چھوڑ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے لگا کیونکہ وہاں جو شجاعت جناب عباسؑ نے دکھائی وہ قابل توصیف نہیں اور وہ حد تصور سے مافوق تھی چنانچہ انھیں یقین ہو گیا کہ عباسؑ کے آگے مقاومت سے عاجز ہیں۔

مگر اس وقت پست و ذلیل اور فرومایہ انسان زید بن ورقاء جھنی نے ایک درخت کی اوٹ لے کر بزدلانہ انداز میں اس شیر نر کا دائیں ہاتھ قلم کر دیا اس نے وہ ہاتھ کاٹ دیا جو غریبوں کی مدد اور مظلوموں و درماندہ افراد کی حمایت کرتا تھا، مگر حضرت عباسؑ نے ہاتھ کاٹ جانے پر بے اعتنائی رتتے ہوئے جہادی سفر کو جاری رکھا اور یہ رجز پڑھتے جارہے تھے:

والله ان قطعتمو ايميني
انني اخامي ابداعن ديني ... ۵۶

اور اس رجز کے ذریعے اپنے جہاد اور مقصد کو روشن کر دیا گویا عباسؑ نے بتا دیا کہ وہ دین کے دفاع اور امام مسلمین کی حمایت میں جنگ کر رہے ہیں۔

حضرت ابو الفضلؑ ابھی ان شیطان صفت دشمنوں سے قدرے دور ہوئے تھے کہ اچانک حکیم بن طفیل طائی نے کمین گاہ سے حضرت کا بائیں ہاتھ بھی قلم کر دیا بعض روایات کے مطابق اس وقت حضرت نے مشکیزہ اپنے دہان مبارک سے پکڑا تاکہ کسی بھی طرح یہ پانی پیاس سے بے حال اہل بیت رسول تک پہنچ جائے اور وہ اپنا تمام درد جا بجا جسم سے خون بہنا بھلا کر فقط یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح پانی پہنچ جائے یہ وہ وفاداری، محبت اور پوری تاریخ میں ایک انسان کا ایسا ایثار ہے جسے انسانیت پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اور ہدف تک رسائی کی اس سعی و کوشش کے درمیان ایک سنسناتا ہوا تیر مشکیزہ میں آ کر لگا اور اس طرح پانی کے ساتھ عباسؑ کی تمنا بننے لگی اور وہ شجاعانہ انداز میں بڑھتا ہوا کوہ غم گرنے سے ٹھہرتا چلا گیا! کیونکہ عباسؑ پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے برسنے سے زیادہ پانی کا بہنا دشوار تھا، اس وقت ایک بد بخت ظالم نے جناب کے فرق مقدس پر ایک آہنی گرز مارا جس نے سر کھول کر رکھ دیا اور گھوڑے سے زمین کی طرف آتے ہوئے اپنے بھائی امام حسینؑ کو آخری سلام کیا:

علیک منی السلام! ابا عبد اللہ ”اے ابا عبد اللہ آپ پر میرا سلام ہو۔“

اور جب امام نے اس سلام آخر کو سنا تو حضرت کا دل شکستہ ہو کر رہ گیا اور کمر تھام کر گردن جھکائے میدان کی جانب روانہ ہوئے۔ تندر قنار گھوڑے پر سوار دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھے، تاکہ جلد از جلد بھائی تک پہنچ جائیں مگر جب بھائی کو بھائی نے دیکھا تو آخری لمحات تھے امامؑ نے خود کو جسم شریف پر گرایا اور عباسؑ کے جسم پر اپنا ماتھا ومنہ لگانے لگے، جبکہ ایک ہاتھ سے اپنے بچتے ہوئے اشک صاف کر رہے تھے اور اس انسان کی طرح جو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو الفاظ کی صورت میں نکال رہا ہو فرمایا:

اَلَا اَنْتَ اَنْتَ ظَهْرِيْ وَقُلْتُ جَيْلِيْ!

امام اپنی پُر امان آنکھوں سے اس ٹکڑے ٹکڑے بدن کو دیکھ رہے تھے اور بھائی کی وفاداری اور ان کے اخلاص کو یاد کر رہے تھے ہاں فقط ایک تھی جو امامؑ کے قلب کو سکون بھم پہنچا رہی تھی وہ یہ کہ بہت جلد اپنے بھائی عباسؑ سے جا ملیں گے اور فقط چند لمحوں کا غم باقی رہ گیا ہے، مگر یہ چند لمحات امام کیلئے چند سال کی مانند گراں تھے کہ اسے کاش اس سے پہلے موت آگئی ہوتی!

امام حسینؑ مصیبت زدہ اور خزون حالت میں جنازے سے اٹھے مگر جوں ہی قدم آگے بڑھانے کیلئے اٹھایا تو گویا جسم مبارک میں جان نہیں اور غم و اندوہ اور آثا رضعف چہرہ مبارک سے عیاں تھے اس حالت میں خیام کی جانب روانہ ہوئے اور جوں ہی خیموں کے نزدیک پہنچے تو سیکنہ نے آگے بڑھ کر بابا کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا: ابن عمی؟ ”میرے چچا کہاں ہیں؟“

امام نے گریہ کرتے ہوئے گلوگیر آواز میں چچا کی شہادت کی خبر سنائی اور جب یہ خبر نہنبتؑ نے سنی تو بے ساختہ اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور فرمایا: وَاَحْسَاہُ، وَاَحْسَاہُ، وَاَحْسَاہُ، اور امامؑ بھی اپنی ہمشیرہ کے ساتھ نوحہ خوانی کرتے ہوئے فرما رہے تھے: وَاَحْسَاہُ، وَاَحْسَاہُ، وَاَحْسَاہُ، اے عباسؑ تمہارے بعد ہم برباد ہیں۔

اور امام یہ جملات کیوں نہ فرماتے اس لیے کہ امام جناب عباسؑ کے بعد شدت سے تنہائی کا احساس فرما رہے تھے، کیونکہ ایسا بھائی ساتھ چھوڑ گیا جس نے برادری کے تمام تقاضے پورے کیے اور اس ذمہ داری میں ایک دقیقہ بھی فرو گزشت نہ کیا۔

بے حد درود و سلام تجھ پر اور آپؑ کی پسندیدہ اور آموزندہ سیرت پر، جو اس اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے اور جس عظیم راہ کو اپنایا تھا اسے دلیری کے ساتھ طے کیا اور یقیناً آپؑ خداوند متعال کی درگاہ سب سے عظیم اور تابناک اور فدا کار ترین شہداء میں سے ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَیْکَ یَوْمَ وَلَدْتُ، یَوْمَ اسْتَشْہَدْتُ، یَوْمَ تُبْعَثُ حَیْنَا ۵۷

حضرت عباسؓ کی اولاد

مجموعی طور پر روایات سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو الفضلؓ کے دو فرزند عبید اللہ اور فضل تھے جن کی والدہ گرامی جناب لبابہ بنت عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب تھیں۔ جناب فضل بے اولاد رہے، چنانچہ جناب عباسؓ کی نسل جناب عبد اللہ بن عباس سے چلی جو خود اپنے دور کے معروف دانشور تھے جن کے دو فرزند عبید اللہ اور حسن تھے اور اسی طرح جناب عبد اللہ کے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے عباسؓ کی نسل جناب حسن بن عبید اللہ بن عباس سے چلی جناب حسن کی اولاد میں بہت سے محدثین، دانشوروں اور صاحبان قلم کے نام نقل ہوئے ہیں مثلاً عباس بن حسن بن عبید اللہ بن عباس بن امیر المومنین کے بارے میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

وہ ہارون الرشید کے دور میں بغداد آئے تو ہارون نے ان کا بہت احترام کیا اور اسی طرح ہارون کے بعد مامون ان کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔

خطیب بغدادی مزید لکھتے ہیں: وہ علم و فضل کے مالک اور فصیح شاعر تھے، علویوں کا عقیدہ تھا کہ آپ اولاد ابوطالب میں زبردست اور ماہر ادیب و شاعر ہیں۔

عمدة الطالب میں آیا ہے، عباس بن حسن اپنے والد کے بڑے فرزند تھے اور ان کا جلیل القدر سادات کرام میں شمار ہوتا تھا۔ بخاری کے بقول میں نے بنی ہاشم میں ان جیسا اچھی اور تیز زبان کا مالک انسان نہیں دیکھا۔

صاحب منتخب التواریخ کا بیان ہے، حسن بن عبید اللہ کے فرزندوں میں سے ایک جعفر بن فضل بن حسن ہیں جن کا لقب غریب تھا اور ان کی آرام گاہ شیراز میں ہے اور وہاں حاجی غریب کے نام سے معروف ہے۔

جناب عباسؓ کی نسل میں ایک فرزند جن کا نام عبید اللہ بن علی بن ابراہیم بن حسن بن عبید اللہ بن عباس ہے، ان کے بارے میں زیر بن بکار کہتے ہیں:

وہ ایک دانشور، علم و فضل کے مالک اور سخاوت مند فرد تھے جنہوں نے ساری زندگی سفر میں گزاری اور فقہ اہل بیت پر ”جعفریہ“ نامی ایک کتاب تالیف کی اور بلاخر مصر کے سفر میں ۳۱۲ھ وفات پائی۔

جناب عباسؓ کی اولاد میں ایک نام جناب ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن حسن بن عبید اللہ ہے جو منتخب التواریخ کے مطابق قزوین میں شہید کیے گئے اور شاید دفن بھی وہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور فرزند جناب حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبید اللہ ہیں، جنگی قبر محلہ کے قرب میں واقع ہے۔

جناب عباسؓ کے بعض مرااث

اس مرثیہ کو آپ کی والدہ جناب ام البنینؓ سے نسبت دی جاتی ہے:

تذکرونی بلیوث العرین
والیوم اصبحت ولا من بنین
قدواصلو الموت بقطع الوتین
فکلهم امسوا صریعاً طعین
بأنّ عباساً قطع الیدین

لاتدعونی ویک ام البنین
کانت بنون لی ادعی بهم
اربعة مثل نسور الری
تنازع الخرسان اشلاء هم
یالیت شعری اکما خبروا

”اے میری بہنو! مجھے ام البنین نہ کہو مجھے میرے شیر یاد آتے ہیں، کبھی میرے بیٹے زندہ تھے تو میں ام البنین تھی اب تو ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں (ہائے) میرے چار شیر تھے اور اب سب ہی لگے کٹائے پڑے ہیں یہ اس وقت شہید ہوئے جب بھوک و پیاس نے ان کے جوڑ و بند تک خشک کر دیئے تھے، کاش مجھے علم ہوتا کہ میرے عباس کے بازو قلم کر دیئے تھے۔“

اثر طبع میرزا محمد تبریزی

ساخت ساز جنگ عباس رشید
درو فاداری علم در نشائین
داده بر حکم قضا دست رضا
گفت شاہش کسی علمدار سپاہ
کار لشکر یابد از وی انقطاع
زندگی باشد از این پس مُشکلم
تابکی زنجیر یابد شیرا
این زیا افتادگان را دست گیر
بہر این افسردگان خشک لب
گر چہ باشد قطرہ آبی بہ جان
زد سمند باد پیما را بہ آب
چون بہ خویش آمد دمی، گفت ای شگفت
آب نوشم من زہی شرط وفا
خشک لب از آب بیرون زد رکاب

چونکہ نوبت بر بنی ہاشم رسید
محرّم سر و علمدار حسین
در شجاعت یادگار مرتضی
خواست در جنگ عذوّرِ خصّت ز شاہ
چون علم گرد دنگون در کارزار
گفت تنگ است ای شہ خوبان دلم
زین قفس برہان من دلگیرا
گفت شہ چون نیست زین کارت گریز
جنگ کین بگذار آبی کن طلب
گفت سمعاً ای امیر انس و جان
شد بہ سوی آب تازان با شتاب
بی محابا جرعہ ای در کف گرفت
تشنہ لب در خیمہ سبط مصطفی
زادہ شیر خدا با مشک آب

سج اسرار عمار سامانی

مشگ بر دوش آمد از شط چون برون
تیر باران بلا را شد سپر
مشگ شد بر حالت او اشک ریز
تا کہ چشم مشگ خالی شد ز اشک

روز عاشورا بہ چشم پُر ز خون
شد بہ سوی تشنہ کامان رہسپر
آنقدر بارید بروی تیر تیز
آنقدر بارید بروی چشم مشگ

از شیخ العراقین
تاقیامت جرعه نوشان ثواب

می خورند از چشمه آن مشک آب

صف دشمن دریدی همچو کرباس

بیامد بر سر بالین عباس

فرو دآمد زین آن باجلالت

چه پیغمبر ز معراج رسالت

به دامن برگرفت آنگه سرش را

همی بویید خونین پیکرش را

بر آورد از دل تقدیده آهی

که سوزانید از مه تابه ماهی

بگفتش کسی سپه دار قبیلہ

ز مرگ تو مرا کم گشت حیلہ

شکستی پشت من ای شمشاد قامت

نمی یابد درستی تاقیامت

ایک اور شاعر نے اس انداز سے مرثیہ پڑھا ہے:

چون عمود آہنیں فرقت شکافت

باز بن ملجم سر حیدر شکافت

کشتی اسلام شد بی بادبان

غلغلہ افتاد در ہفت آسمان

گرد غم بر عالم امکان نشست

پشت شاہ کربلا در ہم شکست

قبلہ اہل وفاز صلیب زین

سرنگون افتاد بر روی زمین

نالہ "ادرک انھا" زو شد بلند

بر سرش آمد امام ارجمند

دید آن بدر تماش متخسف

در میان خاک و خون یا لاسف

منفصل اعضای او از ہمدگر

ہمچہ آیات کتاب داد گر

بستہ از خون نقش در اوراق او

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا"

گفت ای پشت و پناہ ویاورم

ای علمدار سپاہ و لشکر م

آہ ازین قامت دلجوی تو

حیف از این دست و این بازوی تو

رفت از بی دستیت کارم زدست

از غم مرگ تو پشت من شکست

ای دریغاشد امیدم ناامید

بی برادر گشتم و قدم خمید

حواشی و حوالہ جات

۱۔ [”ارتکض“ جنبش اور حرکت کرنے کے معنی میں ہے جس کا التزامی معنی کیا ہے۔]

۲۔ [امالی صدوق مجلس ۵ ج ۸۷]

۳۔ [ارشاد مفید میں ”مسعود ثقفی“ نقل ہوا ہے جبکہ دیگر روایات کے مطابق بھی فرزندان امیر المومنین کے بارے میں اختلاف ہے حتیٰ و شیخ مفید کی گفتار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سے بھول چوک ہوئی ہے بنا برائیں ہماری تحریر کو بھی صحیح مانا جائے اور ارشاد کی بھی اصلاح کی جائے۔]

۴۔ [کعب بن مالک ان شہداء کے بارے میں نظم کرتا ہے:

قوم علی بنی انہم من ہاشم

فرع اشم وسودد مایقل

وبجہم نصر النبی المرسل

قوم بہم نظر الالہ لخلقہ

تندی اذا اعتذر الزمان الممحل

بیض الوجہ تری وجوہ اکفہم

”یہ وہ لوگ ہیں جن کی اصل بنیاد اونچی ہے جسکے جد ہاشم ہیں جو پاک و طاہر تھے ان کی طہارت کسی کی نہیں بلکہ عطائی ہے خدا نے انہی (جیسے لوگوں) کی وجہ سے باقی مخلوق پر کرم کیا اور خدا کے ان کے جد نبی اکرم کیلئے نصرت بھیجی، ان کے چہرے بھی نورانی اور اتھ بھی کھلے ہیں حتیٰ خط کے زمانے میں بھی ان کا کرم جاری رہتا ہے۔“

ایک اور عربی زبان شاعر کہتا ہے۔

شمسنا و خلت وجوہہم اقماراً

قوم اذا اقتحموا العجاج راہتہم

عدل الزمان علیہم اوجاراً

من یعدلون بر فلہم عن سائل

ذلو النفوس وفارقوا الاعمارا

واذا الصریخ دعاهم لملئمۃ

”یہ وہ لوگ ہیں جو گرد و خاک اور تاریک فضاء میں بھی ماہ و خورشید کی طرح چمکتے ہیں بہر حال میں مسائل ان کے در سے جھولی کرے جاتا ہے اور اگر کوئی مشکلات کا ستایا انسان انھیں پکارے تو یاس کیلئے جان تک دے دیتے ہیں۔“

۵۔ [امالی صدوق مجلس ۲۷ بیون اخبار الرضا ج ۱ ص ۲۹۹]

۱۔ [ارشاد ج ۲ ص ۱۲۲]

۲۔ [”فجمع من قتل یوم الطف من ولدابی طالب، سوی من یختلفہ فی امرہ اثنان وعشرون رجلاً“ مقاتل الطالیین، چاپ سنگی طہران ص ۳۷]

۳۔ [ترجمہ مقاتل الطالیین ص ۷۷]

۴۔ [اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۰۶]

۵۔ [زبان حال میں من جملہ آیت الکرسی شیخ محمد حسین غروی نے محروم کپانی سے ان کے دیوان میں نقل کیا ہے، چنانچہ چند اشعار ان کے اخلاص و عظمت کی وجہ سے نقل کرتے ہیں:

عقول ماسوا را کردہ معجون

لسان حال لیلائی جگر خون

بیابلیل کہ تاباہم بنالیم
 ز تو گل رفت و از ما گل عذاری
 تور او صل گل دیگر امید است
 و لکن گل عذارم را بہ دل نیست
 گلی از گلشن من رفت برباد
 دریغ از سرو بالای رسایش
 هزاران حیف کان گیسوی مشکین
 هزاران حیف کان خورشید خاور
 بیای عنذلیب گلشن ما
 بیای نو گل گزار مادر
 ز تو گل رفت و از ما گل عذاری
 تور او صل گل دیگر امید است
 و لکن گل عذارم را بہ دل نیست
 گلی از گلشن من رفت برباد
 دریغ از سرو بالای رسایش
 هزاران حیف کان خورشید خاور
 بیای عنذلیب گلشن ما
 بیای نو گل گزار مادر
 تور اباشیر نہ جان پسرور یدم
 ندانستم کہ مرگ ناگہانی
 بہ ہمت می توان از جان گلشن
 جو اناسوی مادر یک نظر کن
 ز سوز ناتہ زارم حلر کن

اسی طرح دیگر مرثیہ نگار شعاعوں مثلاً جدوی، جوہری، عنذلیب کاشانی، میرزا حسین کرمانی خاک، وغیرہ نے جناب لیلی کے انتہائی درود اور اشعار نظم کیے ہیں البتہ ان کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے عرض ہے کہ شائقین حضرات ان کے دیوان اشعار، مرحوم محدث محلاتی کی فرسان السیما عیا حاج ملاہ شام خراسانی کی منتخب التواریخ کی طرف رجوع کریں۔

[بعض نسخوں میں ابی ترۃ قاف نقل ہوا ہے۔]

۱۱ [ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۱۰۹۔ ۱۱۰۔]

۱۲ [ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۱۳۷۔]

۱۳ [تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۸، مروج الذهب ج ۲ ص ۹۱]

۱۵ [مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۷۷ طبع قم]

۱۶ [مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۱۷۴ (ان دونوں عبارتوں کا ترجمہ اسی بحث کے اختتام پر آئے گا)]

۱۷ [بحار الانوار طبع بیروت ج ۲۵ ص ۳۲۹، ۳۳۰]

۱۸ [کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۵۱، ارشاد شیخ مفید ج ۲ ص ۱۳۷]

۱۹ [نفس المحموم ص ۱۶۷]

۲۰ [بعض روایات کا بیان ہے: جب علی بن الحسین نے میدان جانا چاہا تو بیوں نے ان گے کو حلقہ باندھ کر کہا: ارحم غریبتا لا طاقتہ لنا علیٰ فِرَافِک "ہماری غربت و بے کسی پر رحم کرو کیونکہ ہم تمہاری جدائی کی تاب نہیں رکھتے۔" مگر علی بن الحسین نے ان کا جواب دیئے بغیر راہِ جہاد اختیار کیا البتہ یہ مطلب معتبر و معروف مقاتل میں نہیں ملتا، لہذا ممکن ہے یہ روایت خود ساختہ ہو اسی لیے علی بن الحسین نہ تو بیوں کے درمیان گئے اور نہ ہی جناب زینب اور بی بی سیکنداتی بے تاب تھیں کہ ایسا کلام زبان پر جاری کرتیں۔ واللہ اعلم]

۲۱ [ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا: قَطَعَ اللہ رَحِمَکَ کَمَا قَطَعْتَ رَحِمَیْ وَلَمْ تَحْفَظْ قَرَابَتِی مِنْ رَسُولِ اللہ، و سَلَطَ عَلَیْکَ "یعنی اس روایت میں اور ہماری نقل کردہ روایت میں فقط تھم دم و تاخیر پایا جاتا ہے ورہ اصل روایت میں کوئی اختلاف نہیں۔]

۲۲ [یہ اشعار جناب علی بن الحسین کی مادر گرامی جناب علی کا زبان ہے:

ای خدا آرام جاتم می رود ہیجدہ سالہ جوانم می رود

ای خدا شبہا بروز آورده ام تاجین رعنا جوان پرورده ام

ای خدا آگاہی از سوز دلم تیرہ شد شمع شب افروز دلم

۲۳ [مقتل مقرر ص ۲۵۷]

۲۴ [فخر بروزن کف، مرحوم استاد شعرانی نفس المحموم کے حاشیے پر لکھتے ہیں: فخر کف کے وزن پر صحیح تلفظ ہے، لیکن فخر خمیر کے وزن پر زیادہ استعمال ہوتا ہے اور گمان ہے کہ قاموس مستنین نے شعر ہی لکھا ہے۔]

۲۵ [بحار الانوار ج ۵ ص ۴۳۲۔]

۲۶ [مقتل مقرر ص ۲۵، حیات الامام الحسین باقر شریف ج ۳ ص ۲۴۴۔]

۲۷ [ہاں درست ہے جب انسان خدا اور اسکے دین سے دوری اختیار کر کے ہوا ہوس کی اس حد تک پیروی کرنے لگے کہ یہ یذیبہ شراب خوار و پست انسان کا لحاظ رکھے مگر خداوند بزل و لایزال کو بھلا دے۔ نعوذ باللہ من خزی الدنیا و عذاب الآخرة۔]

۲۸ [فَقَطَّوْهُ بِسُؤْفِهِمْ اَرْبَا اَرْبَا]

۲۹ [مقتل مقرر ص ۲۲۰، بحار الانوار ج ۳۵ ص ۴۴۴۔]

۳۰ [جو دی خراسانی اس مناسبت سے اشعار کہتے ہیں:

برگی نجیدہ گشت خزان نوبہار من

بابایا کہ تیغ جفا ساخت کار من

- بابا یافتادم و جانم به لب رسید
دست اجل گرفت ز کف اختیار من
قاتل مرا ز خنجر کین پاره پاره کرد
رحمی نکرد دیر مژنه اشکبار من]
۳۱ [مزید آگئی کیلئے اس آیت کی تفسیر میں موجود روایات پڑھی جاسکتی ہیں مثلاً تفسیر برہان اور تفسیر نور الثقلین پر رجوع فرمائیں۔]
۳۲ [ان اشعار کا مفہوم فارسی اشعار میں یوں نظم کیا گیا ہے:
چہ زود بودای پسر، کہ همچو کوکب سحر
غروب کردی از نظر، اجل بشدد چار تو
اگر کنم تکلمی، کلام اولم توی
سکوت اگر کنم دمی، دلست داغدار تو
چسان به خیمه رونم، چہ ناله و فغان کنم
چہ چشم خون فشان کنم، ز روی گلغذارتو]
۳۳ [فرسان الہیجا ج ۱ ص ۳۰۴]
۳۴ [نفس المہوم میں روضہ الصفاء سے منقول ص ۱۶۵]
۳۵ [فرسان الہیجا ج ۱ ص ۳۰۵]
۳۶ [فرسان الہیجا ج ۱ ص ۳۵۴ کے مؤلف عبداللہ بن مسلم بن عقیل کے ترجمہ میں غلطی سے کہا ہے: امام حسینؑ عبداللہ بن مسلم کو بہت چاہتے تھے اب شاید یہ چاہت اور محبت بھانجے ہونے کے سبب تھی یا پھر داماد ہونے کی وجہ سے، کیونکہ عبداللہ کی زوجہ سکینت بنت الحسین تھیں جبکہ میں نے ریاضین الشریعہ جلد سوم میں اس پر اعتراض کیا ہے اور م صعب بن زبیر ان کے دوسرے شوہر تھے لیکن یہی ریاضین الشریعہ کے مؤلف سکینت بنت الحسین کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن حسن تھے کہ جس کی دیگر مولفین نے بھی تائید کی ہے مثلاً اعلام الاورئی میں طبری ص ۲۱۳، ابوالفرج اپنی کتاب اغانی ج ۱ ص ۱۳۹ پر لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن حسن انکے شوہر تھے۔ بہر حال اس مقالے کا سبب ناموں میں شبہات اور ان دونوں کا کر بلا میں شہید ہونا ہو سکتا ہے۔ بہر حال عبداللہ بن حسن کا بنت الحسین سے فقط عقد ہوا اور وہ زفاف کے مراسم سے پہلے کر بلا میں شہید ہو گئے جس کی تفصیل پیش کی جائے گی۔]
۳۷ [کامل التواریخ، ابن اثیر ج ۲ ص ۳۳۳]
۳۸ [منتخب التواریخ ص ۲۷۵]
۳۹ [نفس المہوم ص ۱۶۸]
۴۰ [البتہ بعض تاریخ نویسوں کے مطابق یہی محمد بن عقیل ہیں۔ واللہ اعلم]
۴۱ [تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۳۲ کامل ج ۳ ص ۷۵، ۷۶]
۴۲ [تاریخ طبری میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ بنی اسد میں عبداللہ بن حسن کا خون ہے یعنی حرمہ بن کامل اسدی نے انھیں شہید کیا ہے۔]
۴۳ [بحار الانوار ج ۳۵ ص ۳۳۲]
۴۴ [منتخب التواریخ ص ۲۶۶]
۴۵ [مدینۃ المعاصر ص ۲۶۱]

۴۶ [خالد بن ربیعہ جناب ام البنین کے واد اتھے جو عرب کے ان معروف شاعروں میں سے تھے جنہوں نے تعلقات سیدہ (سات منظوم کلام کہے اور انھیں خانہ کعبہ پر معلق کیا جاتا تھا) لکھے ہیں۔]

۴۷ [جبکہ دختر جناب عقیل کے اس مرثیے سے جو انھوں نے امام حسین کی شہادت پر لکھا ہے:

عین الجودی بعبرہ وغویل واندی ان ندبت آل الرسول

سنة کلہم لصلب علی قد اصبیوا وخمسة لعقیل

”اے نکھو! اگر کبھی گریہ کرنا چاہو تو آل رسول پر گریہ کرنا اور ان پر رو کر سخاوت دکھانا۔“

استفادہ ہوتا ہے حضرت علی کے بیچھے فرزند (مع الحسین) کر بلا میں شہید ہوئے۔]

۴۸ [استاد شعرانی فرماتے ہیں غولی (ضم خاء) غولی غلط ہے بلکہ خاء اور واو پرز برابر ”یاء“ پر تشدید لگانا صحیح ہے یعنی غولی درست تلفظ ہے غولی کے وزن پر پڑھا جائے۔]

۴۹ [ایک دوسری روایت کے مطابق جانب عباس نے فرمایا: ”هَبْتُ يَذَاكَ وَبُنْسَ مَا جَسْتَابِهِ مِنْ أَمَانِكَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ أَتَأْمُرُنَا أَنْ نَتْرُكَ إِخْوَانًا وَسَيِّدَنَا الْحُسَيْنَ“ وَنَدْخُلَ فِي طَاعَةِ الْلَعْنَاءِ وَأَوْلَا ذَا الْلَعْنَاءِ؟“ ”مرہ باد! اے دشمن خدا کی کسی امان ہے جو تو لایا ہے، کیا ہمیں یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم اپنے بھائی اور آقا حسین کو چھوڑ کر ملعون ابن ملعون کی اطاعت میں آ جائیں؟ منتخب التواریخ ص ۲۵۸]

۵۰ [بحار الانوار میں یوں نقل ہوا ہے: ”فَلَمَّا ارَادَ أَنْ يَشْرَبَ عُوقِفَ مِنَ الْمَاءِ ذَكَرَ عَطَشَ الْحُسَيْنِ“ وَاهْلُ بَيْتِهِ فَرَمَى الْمَاءَ وَمَلَأَ الْقُرْبَةَ“ جس کا ترجمہ ذکر ہو چکا ہے۔

ایک عرب شاعر نے اس بارے میں یوں لکھا ہے:

بَذَلْتُ أَبَاعِبَاسَ نَفْسًا نَفِيسَةً لِنَضْرُ حُسَيْنَ عَزًّا بِالْجَدْعَنِ مِثْلَ

أَبِيتَ التَّدَاذِ الْمَاءِ قَبْلَ التَّنَادِهِ فُحْسَنَ فِعَالِ الْمَرْءِ فَرَعٌ عَلَى الْأَصْلِ

فَأَنْتَ أَخُو السَّيْطَانِ فِي يَوْمٍ مَفْخَرٍ وَفِي يَوْمٍ بَذَلَ الْمَاءَ أَنْتَ أَبُو الْفَضْلِ

اور یہ اشعار فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں:

پُر کر دہ مشک و پس کفی از آب بر گرفت

آمد بیدادش از جگر تشنه حسین

شد بالبان تشنه ز آب روان برون

کردند جملہ حملہ بر آن شیل مرتضیٰ

یک تن کسی ندیدہ و چندین ہزار تیر

۵۱ [مقاتل الطالبین ص ۸۱، ۸۲ سندہ صفحات پر بیان ہوگا کہ یہ اشعار جناب عباس کی نسل سے ایک بزرگ شخصیت کے نظم کردہ ہیں یعنی محمد بن فضل بن عبید اللہ بن عباس۔]

۵۲ [خصال صدوق ج ۱ ص ۶۸]

۵۳ [یہ حدیث چند صفحات قبل اپنے ترجمے کے ساتھ نقل ہو چکی ہے۔]

۵۴ [وہ فضل بن محمد بن حسن بن عبید اللہ بن عباس ہیں۔]

۵۵ [یہ شعر کہ جملہ باقی اشعار کے ساتھ ذکر ہو چکا۔]

۵۶ [یہ اشعار گزشتہ صفحات پر بیان ہو چکے ہیں۔]

۵۷ [حیۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۲۶۳، ۲۶۹]

شہادتِ امام حسینؑ

بقول محدث ثقیؒ یہ باب ایسا غم انگیز ہے کہ اس کا مطالعہ اشک فشانہ کا باعث بنتا ہے اور قلوبِ مؤمنین میں آتشِ فروختہ کر دیتا ہے۔ والی اللہ المشتکی وهو المستعان محتشم کاشانی کہتے ہیں:

گر خوانمش قیامت دنیا بعید نیست این دستخیز عام کہ نامش محرم است
گو یا طلوع می کند از مغرب آفتاب کاشوب در تمامی ذرات عالم است
دربار گاہِ قدس کہ جای ملال نیست سرهای قدسیان ہمہ بر زانو ی غم است

روایاتِ اہل بیتؑ میں اس روز کی مصیبت کو اعظم المصائب نام دیا گیا ہے اور رسول اللہؐ کے یومِ رحلت، امیر المومنینؑ کے روزِ شہادت اور فاطمہ زہراءؑ اور دیگر آئمہؑ کے ایامِ شہادت سے زیادہ اس زیادہ اس روز کو بڑا جانا گیا ہے۔ بقول باقر شریف وہ کمر شکن کثیرِ مصیبتیں جو امام حسینؑ نے روزِ عاشورا مختلف اوقات میں تحمل کیں وہ دنیا کے کسی مُصلح و رہنما نے برداشت نہ کیں من جملہ وہ مصائب جو امام نے برداشت کیے۔ اہل بیت کی خواتین، دختر وں اور رسول اکرمؐ کے معصوم بچوں کا ہر آن اپنے عزیزوں کا خون میں آہستہ دیکھنا اور بار بار چناڑوں کو دیکھ کر نالہ و فغاں، فریاد و ماتم پیا کرنا جسے دیکھ کر پتھر دل بھی آب ہو جائے، چنانچہ سید حیدر حلّی کہتے ہیں:

لہ اللہ مقطورٌ من الصبر قلبہ ولو کان من صم الصفا لفظراً
”اللہ نے اس کا دل صبر سے بنایا ہے اور اگر سخت پتھر سے بنا ہوتا تو ٹوٹ جاتا۔“

سید بحر العلوم فرماتے ہیں:

تلك الرزايا لو ان القلب من حجر اصم كان لادناهن ينقطر

مگر اس غم سے بڑھ کر امام کیلئے یہ غم تھا کہ آئندہ بعد از شہادت ان بچوں اور بیویوں کو اسیر بنایا جائے گا امام جیسی غیور اور غیرت مند شخصیت کو انتہائی اضطراب تھا کہ یہ مسخ شدہ جانوران مستورات کے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں گے، کیونکہ امام اس فکر کے آثار ان بیویوں اور بچوں کے چہروں سے مشاہدہ فرما رہے

تھے، لہذا ناچار تھے کہ انھیں مختلف الفاظ و انداز میں آئندہ سے مطمئن کریں اور تسلی و تشفی کے ذریعے دلداری کریں۔

۲۔ پیاسے بچوں کی صدائے اعطش اور ان میں سے بعض کاشدیت پیاس سے نڈھال ہو کر جا بجا زمین پر گرنا جسے محتشم یوں نظم کرتے ہیں:

فریاد العطش زیبا بان کربلا بودند
خاتم زقحط آب سلیمان کربلا

زان تشنگان هنوز بیوق می رسد
دیوود دھمہ سیراب ومی مکید

ایک اور شاعر ان الفاظ میں کہتا ہے:

کہ از عطش بہ فلک نالہ ییمان بود

مگر بہ کرب و بلا آب قیمت جان بود

کہ تاسہ روز تنش روی خاک عریان بود

کفن دریغ مگر بود بھر شاہ شہید

بہ حلق خشک علی اصغر آب پیکان بود

گلوی جملہ تراز آب خوشگوار فرات

سکینہ تشنہ آب و گرسنہ نان بود

ز آب و نان ہمہ سیروز کربلا شام

حتیٰ خود امام جوہر ایک کی پیاس کی فکر میں تھے خود انتہائی درجہ کے پیاسے تھے، چنانچہ روایت ہے جبریل امینؑ نے آدم ابوالبشرؑ سے روز عاشورا کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لو تراہ یا آدم وهو یقول : واعطشاه و اقلۃ ناصراہ ، حتی یمول العطش بینہ و بین السماء کالدخان . ۲

”اے آدم اگر آپ انھیں اس حال میں دیکھ لیتے کہ جب وہ ہائے پیاس، ہائے مددگار کہہ رہے تھے، یہاں تک کہ پیاس اتنی بڑھ گئی کہ ان کی آنکھوں سے سوائے دھندلاہٹ کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔“

ایسی صورت میں ان ننھے ننھے بچوں کی پیاس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۳۔ امام حسینؑ کا اپنے بھائیوں، بیٹوں، اعوان و انصار اور بھانجوں بھتیجیوں کے ٹکڑے ٹکڑے بدن اور خون آلود اجساد اور قطاروں کی صورت میں جا بجا پھرنے دیکھا۔

۴۔ ان تمام با وفا اصحاب و عزیز و اقارب کی جدائی جن کے ایثار و خلوص کی تطہیر روئے زمین پر نظر نہیں آتی اور اب وہ مخلص و ہمدرد ساتھی امام کو چھوڑ کر جا چکے ہیں اور فقط چند بچے اور مستورات باقی رہ گئی ہیں جبکہ ان سے بھی چند لمحوں بعد دوری ہو جائے گی۔ اس منظر کو عرب شاعر نظم کرتا ہے:

یقولون ان الموت صعب علی الفتی مفارقة الاحباب واللہ اصعب

”کہتے ہیں کہ موت جوان پر سخت و دشوار ہوتی ہے جبکہ قسم بخدا احباب سے مفارقت زیادہ دشوار ہے۔“

ہاں ان تمام مشکلات و مصائب کا برداشت کرنا بغیر ایمان اور خدا پر توکل کے ناممکن ہے بے شک ایسے موقع پر سکون و اطمینان قلب پانے کیلئے یا خدا واہ واحد سہارا ہے جسے خود ذات احدیت نے تعلیم دیا:

الابد کر اللہ و تظمنین القلوب

اس مقام پر فارسی زبان شاعر نے تمس لکھی ہے:

جلو نہ خور شیداز جمال حسین است چشم فلک مات در جلال حسین است

علم و حکم حرفی از کمال حسین است معنی خلق حسن خصال حسین است

گوہر انسان حسین و جوہر احسان

تنگ میان راہ عزم کشتہ شدن بست پای فشر دو کشیداز سرو جان دست

راحت مردم بہ جست و پیکر خود خست زخم دل خلق بست و دست خوداشکست

اللہ کہ اینسان بود فتوت انسان

آنکہ دلش بالقای حق شدہ مانوس کسی کند اندیشہ از اسارت ناموس

فکرت مابیش او است فکرت معکوس بر خود و ناموس کی خورد غم و افسوس

آنکہ خدایش مکلف است و نگہبان

عبداللہ بن عمار نامی ایک شخص سے روایت نقل ہوئی ہے:

فواللہ مار ایٹ مکشوراً قلدقتل اولادہ واصحابہ اربطُ جُناشاً منہ ، ولا امضی جُناناً منہ ، وواللہ

مارایت قبلہ ولا بعدہ مثله ”قسم بخدا میں نے ایسے شخص کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کبھی

دیکھا جسے دشمن کی کثیر تعداد نے گھیر رکھا ہو اور اسکے یار و مدار گار بھی مارے جا چکے ہوں مگر وہ

مطمئن اور شجاعت کے بھرپور انداز میں کھڑا ہو۔“

شہادت شیر خوار

بحار الانوار، نفس المہموم اور دیگر مقاتل میں آیا ہے، جب امام حسینؑ کے تمام انصار و اقارب شہید ہو چکے

اور آپؑ تنہا رہ گئے تو میدان میں آ کر فرمایا:

هل من ذاب عن حرم رسول الله؟ هل من مؤخديخاف الله فينا؟ هل من مغيب ير جو الله في

اغنائنا؟ ”کہا کوئی ہے جو حرم رسول اللہ کو دشمنوں سے بچائے کیا کوئی خدا پرست ہے جو ہماری راہ

میں خدا سے ڈرتے ہوئے ہماری مدد کرے؟ کیا کوئی فریادرس ہے جو ثواب کی خاطر ہماری کمک

کرے؟“

جب امام کا استیغاثہ خیموں میں بیسیوں نے سنا تو نالہ و فغاں کی صدائیں بلند ہونے لگیں، امام درخیمہ پر

تشریف لائے اور جناب زینبؑ سے فرمایا:

ناولینی ولدی الصغیر حتی اودعۃ میرے ننھے بچے کو لاؤ تاکہ میں اسے وداع کروں۔

مگر جوں ہی اس نے بچے کو گود میں لیا تاکہ پیار کریں حرمۃ بن کابل اسدی کا تیر بچے کو زنج کرتا ہوا گزر گیا۔

اس مقام پر عرب شاعریوں لکھتا ہے:

ومعطفاً موی لثقیل طفلہ
فقتل منه قبله السهم منحراً

”بوسہ دینے کیلئے جھکے تھے مگر تیرے ان سے پہلے بوسہ لے لیا۔“

اس وقت امام حسینؑ نے زینبؑ سے فرمایا: اسے گود میں لو پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں اس بچے کا بہتا ہوا خون لیا اور اسے آسمان کی جانب کرتے ہوئے فرمایا:

هَوْنٌ عَلَى مَنْزِلٍ بِيْ اِنَّهٗ بَعِيْنُ اللّٰهٖ ”جو چیز اس مصیبت کو میرے لئے آسان کر رہی وہ یہ کہ خدا دیکھ رہا ہے۔

ابوالفرج اور دیگر اہل قلم لکھتے ہیں:

اس شیر خوار بچے کی والدہ گرامی امری القیس بن عدی کلبی تھیں (البتہ وہ معروف شاعر اور ادیب امری القیس بن حجر کنذی ان سے ہٹ کر ہیں) جو حضرت سکینہ کی بھی والدہ تھیں اور یہ وہی حضرت رباب ہیں جن کے اور سکینہ کے بارے میں امام حسینؑ نے فرمایا:

لعمرك اننى لاحب داراً
تكن فيها السكينة والرباب

اجہما وابدل جلّ مالی
ولیس لعاتب عندی عتاب

”مجھے تیری جان کی قسم اس گھر کو دوست رکھتا ہوں جس گھر میں رباب اور سکینہ نامی (خواتین) ہوں میں ان دونوں کو عزیز رکھتا ہوں اور ان کیلئے اپنا مال خرچ کرنے میں مجھے کوئی باک نہیں اور اس بارے میں کسی کو میری مذمت کا بھی حق حاصل نہیں۔“

یہ وہی رباب ہیں جو اسارت کے بعد مدینہ واپس آئیں، مگر ایک سال سے زیادہ زندہ نہ رہیں اور جب بھی کوئی مدینہ کی شخصیات میں سے ان کی خواستگاری کیلئے آیا تو رباب نے یہی فرمایا:

ما كنت لاتُخذِمْوْا بعد رسول الله ”رسول اللہ کے بعد کسی کو اپنا خسر نہیں بنا سکتی۔“

جبکہ بعض اہل تاریخ کا قول ہے، آپؐ کو بلا کے بعد دوبارہ مدینہ نہ آئیں بلکہ کربلا ہی میں قبر امام کی مجاوری کرتی رہیں اور تاحیات سائے میں نہ بیٹھیں اور اس طرح غم و اندوہ اور فراق شوہر و اولاد کا غم انھیں ایک سال کے اندر کھا گیا۔ ابوالفرج لکھتے ہیں:

وہ اپنے زمانے کی فاضل ترین خاتون تھیں اور یہ اشعار جو امام حسینؑ کا مرثیہ ہے انہی سے نقل ہوا ہے:

ان الذی کان نوراً یستضاء به
بکربلا فتعلی غیر مدفون

سبط النبی جزاک اللہ صالحہ
عنا وحنّیت خسران الموازین

قد کنت لی جبلاً صعباً کاذبہ
وکنت تصحنا بالرحم والدین

من الیتامی ومن للستالین ومن
یعنی ویاوی الیہ کلّ مسکین

واللہ لا ینعی صہر أبصر کم حتی أخیب بین الرم والظین ۳
 ”وہ جو نور تھا اور لوگ اس سے ضیاء پاتے تھے اسے کربلا میں قتل کر دیا گیا اور اسے دفن تک نہ کیا، اے رسول اللہ کے نواسے خدا تمہیں جزائے عظیم عطا کرے اور تمہارا تر از و زنی رہے، بے شک تم ایک ایسا پہاڑ تھے جس سے میں سہارا لیا کرتی تھی اور تم تھے کہ جو دین اور رم کی وجہ سے ہمارا ساتھ دیتے تھے اب کون ہے جو قیاموں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بنے؟ اب کون ہے جس کی جانب مسکن و پریشان حال لوگ رجوع کریں؟ قسم بخدا میں تمہارے بعد کسی سے عقد نہیں کروں گی یہاں تک کہ خاک و گل میں پنہاں ہو جاؤں!“ ۵

شیخ مفید لکھتے ہیں:

امام حسینؑ اپنے خیموں کے آگے تشریف فرما تھے کہ کسی نے آپ کے چھوٹے فرزند عبداللہ کو گود میں دیا امام نے بھی اسے اپنی آغوش میں لیا کہ اچانک بنی اسد کے ایک فرد نے اس بچے کو ایسا تیر مارا جو اسے ذبح کرتا چلا گیا:

هل راحم یرحم الطفل الصغیر فقد جف الرضاع و مال للطفل مصطبر
 هل من نصیر محام أو اخی حسب یرعی فمأحوا و ما نصروا
 ”کوئی ہے جو اس تجھے بچے پر رحم کھائے کیونکہ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے اور قرار نہیں پارہا، کوئی ہے جو ہماری حمایت کرے۔“

هل راحم یرحم الطفل الصغیر فقد جف الرضاع و مال للطفل مُصطبر
 هل من نصیر محام أو اخی حسب یرعی فمأحوا و ما نصروا
 شاه در گفتار و کودک گرم خواب کہ زنوک ناو کش دادند آب
 در کمان تیری نہادہ حرملہ اوفتاد اندر مائک غلغلہ
 جست چون تیر از کمان شوم او پر زنان بنشست بر حلقوم او
 شد کشید آن تیرو گفت ای داووم داوری خواه از گروہ کاظم
 نیست این نو باو نہ پیغمبرت از فصل ناقہ کمتر در برت

ہشام بن محمد کلبی سے روایت کرتے ہیں:

امام حسینؑ نے جب اپنے چھوٹے بچے کو دیکھا کہ وہ شدت پیاس سے گریہ کر رہا ہے تو اسے لے کر چلے اور قوم اشقیاء سے فرمایا:

یا قوم ان لم تر حمونی فارحموا هذا الطفل ”اے لوگو! اگر مجھ پر رحم نہیں کھاتے تو اس بچے پر رحم کھاؤ؟“
 پرفانسوں اس وقت دشمن کی جانب سے پانی کی جگہ ایک تیر آیا جس نے اسے ذبح کر کے رکھ دیا۔

امام حسینؑ نے اس منظر کو دیکھ کر گریہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اللّٰهُمَّ احْكُم بَيْنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ دَعَوْنَا لِنُعْزِلَهُمْ عَنْ دِينِنَا وَنَقُتِلُوهُمْ "اے خدا ہمارے اور ان کے درمیان تو فیصلہ کر جنھوں نے مجھے دعوت دی کہ میری مدد کریں گے اور اب مجھے قتل کر رہے ہیں۔"

اس وقت آسمان سے ہاتھ نہیں کی آواز آئی:

دَعَا يٰ اَحْسِنُ فَاِنَّ لَهُ مُرْضَعًا فِي الْجَنَّةِ "اے حسین! بچے کو رکھ دو ہم نے بہشت میں اس کیلئے ایک دودھ پلانے والی مقرر کر دی ہے۔"

ابن نما کے مطابق امام نے اس بچے کا جنازہ بھی دیگر شہداء کے ساتھ رکھ دیا، جبکہ محمد بن طلحہ مطالب السؤل میں کتاب الفتوح سے نقل کرتے ہیں، امام حسینؑ کا ایک چھوٹا بچہ تھا جسے ایک ظالم نے تیر سے شہید کیا تو امام نے اپنی تلوار سے قبر کھودی، اس پر نماز پڑھی اور وفادیا:

عیان شد در کنار من ستارہ	شہ آمد بر کفش طفل صغیری
ندارد جرم طفل شیر خوارہ	بگفتا با سپہ گرو مجرم من
بہ تیر انداز ختن کردی اشارہ	چو این سعد بشنید این سخن را
ز گوخش تابگوشت گشت پارہ	ز شصت حرمہ تیری رہا شد

زیارت ناحیہ میں آیا ہے:

السلام علی عبد اللہ بن الحسین الطفل الرضيع، المرمی الصریع، المتشخط دماً المصعد مہ

فی السماء الملبوح بالسهم فی حُجْرَیہ، لعن اللہ راحیہ حرمۃ بن کاهل الاسدی وذویہ

کیا طفل رضيع علی اصغر تھے؟

اب تک جو کچھ پڑھایا گیا اسکے مطابق کسی روایت یا منقول میں علی اصغر کے نام سے اس شیر خوار کا نام نہیں ملتا، چنانچہ روایات و تاریخی کتب میں یا فقط عبد اللہ بن الحسین ذکر ہوا ہے یا پھر طفل (بچہ) اور طفل الرضيع (شیر خوار بچہ) کا لفظ استعمال ہوا ہے یا پھر دونوں لفظ (عبد اللہ طفل الرضيع) استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ زیارت ناحیہ کی عبارت بھی اسی کے مطابق ہے، البتہ علماء قدیم کی کتابوں میں فقط ابن شہر آشوب کی مناقب میں (جبکہ وہ بھی غیرواضح ہے) شہادت جناب علی بن الحسین اکبر کے بعد لکھتے ہیں:

فبقی الحسین وحیداً وفی حُجْرَہ علی الاصغر فأصاب حلقہ، فجعل الحسین يأخذ الدم من نحرہ

فیرمیہ الی السماء فمات رجلاً منہ شیء ... ۶

یعنی فقط اسی کتاب میں اس شیر خوار کا نام عبد اللہ بن الحسین نقل نہیں ہوا ہے بعض نے (مثلاً منتخب التواریخ) احتمال دیا ہے وہ شیر خوار علی اصغر تھے اور عبد اللہ ان کا دوسرا نام یا پھر لقب تھا، کیونکہ کربلا میں عبد اللہ کے علاوہ کوئی شیر خوار بچہ نہ تھا۔ فرسان الحجاز کے مؤلف نے حدائق الودیعہ سے نقل کیا ہے:

امام حسینؑ کا یہ بچہ آپؑ کی زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ کے بطن سے روز عاشورا متولد ہوا تو امامؑ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور گود میں لے کر اپنی زبان چسارہے تھے کہ اچانک عبداللہ بن عقبہ غنوی یا حانی بن ثبیت نے تیر مار کر اس بچے کو شہید کر دیا۔ واللہ اعلم
بہر حال چند مرثیوں کے ساتھ اس تحقیق کا اختتام کرتے ہیں:

عشق بازی کار ہر شیاد نیست	این شکار دام ہر صیاد نیست
عاشقی را قابلیت لازم است	طالب حق را حقیقت لازم است
عشق از معشوقہ اول سرزند	تابہ عاشق جو نہ دیگر کند
تاب حدی کہ بردہستی از او	سرزند صد شور و مستی از او
شاہدین مدعی خواہی اگر	بر حسین و حالت او کن نظر
روز عاشورادر آن میدان عشق	کرد و رواجانب سلطان عشق
باز الہائیں سَرَمِ این پیکرم	این علمدار رشید این اکبرم
این سکنہ این رقیہ این رباب	این عروس دست و پا در خون خضاب
این من و این ذکر یارب یاربم	این من و این نالہ ہای زینم
این من و این ساریان این شمر فون	این تن عریان میان خاک و خون
پس خطاب آمد ز حق کی شاہ عشق	ای حسین ای یگہ تازِ راہ عشق
گر تو بر من عاشق ای محترم	پردہ برجین من بتو عاشق ترم
غم مخور کہ من خریدار تو ام	مشتری بر جنس بازار تو ام
ہر چہ بودت دادہ ای در راہ ما	مرحبا صلدمر کجا خود ہم بیا
خود دبا کہ می کشم من ناز تو	عرش و فرش جملہ پائند از تو
لیک خود تنہا یاد رزم یار	خود دبا و اصغر ت راہم بیار
خوش بود در رزم شاہان بلبل	خاصہ در منقار او برگ گلی
خود تو بلبل گل علی اصغر ت	زودتر بشتاب سوی داور ت

جووی خراسان نے علی اصغرؑ کی مرثیہ میں کہا ہے:

اصغر اگر ز عطش تشنہ وبی تاب شدی	بروی دست پدر خوب تو سیراب شدی
شمر رحمی نہ اگر بردل بی تابت کرد	نوک تیرستم حرم لہ سیرابت کرد
گفت پیکان چہ بگوش تو کہ مدہوش شدی	چہ شنیدی کہ بہ یک مرتبہ خاموش شدی
ہو سم بود ہم آواز بمار باشی	نقل مجلس شب دامادی اکبر باشی
بُدامیدم کہ تو ام یار بہر حال شوی	بزبان آی وہم صحبت اطفال شوی
سینہ بگداخت از این غم کہ تو باین دل ریش	دست و پای نزدی دردم جان دادن خویش

امام حسینؑ کی اہل حرم سے آخر رخصت
نفس المہمو م نے مقابل سے نقل کیا ہے:

جب امام حسینؑ نے اپنے بہتر اصحاب و اقارب کے جنازے اٹھالے تو خیمہ گاہ کا رخ کیا اور آواز دی:
یا سکیئہ، یا فاطمہ، یا زینبؑ، یا م کلثوم علیکن منی السلام
جب امام کا سلام آ کر، آپؑ کی بیٹی سکیئہ نے سنا تو پکار کر کہا:
یا ابہ استلمت للموت بابا جان کیا مارنے کیلئے تیار ہو رہے ہو؟

امام نے جواب دیا: کیف لا یستلم للموت من لانا صرلہ ولا معین ”وہ کیسے موت کو گلے نہ لگائے
جس کا کوئی یار و مددگار باقی نہ رہا ہو۔“

حضرت سکیئہؑ نے فرمایا: رُدنا الی حرم جدنا ”ہمیں (مدینہ) حرم جد میں پہنچادیں۔“
امام نے فرمایا: ہیہات لو ترک القطان! ”اگر یہ مرغ قطا کو اسکے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ سو جاتا۔“
چنانچہ بچوں اور خواتین کی رونے کی شور و شرابہ بلند ہوا، پھر امامؑ نے انھیں خاموش کیا۔ اسی مقتل میں
ہے، امام اس وقت ام کلثومؑ کے نزدیک آئے اور ان سے فرمایا:

اوصیک یا اخیہ بنفسک خیراً و انی بارز الی هؤلاء القوم ”اے بہن! اب خود کو سنبھالنا کیونکہ اب
میں اس قوم سے جہاد کرنے جا رہا ہوں۔“

اسکے بعد حضرت سکیئہؑ نالہ و فریاد کرتی ہوئیں اپنے بابا کی جانب بڑھیں، امامؑ نے آگے بڑھ کر انھیں
سینہ سے لگایا، کیونکہ امامؑ انھیں بہت چاہتے تھے اور ان کے آنسو اپنے دست مبارک سے پونچھتے
ہوئے فرمایا: ے

منک البکاء اذا الحمام دهانی

مادم منی الروح فی جثمانی

تاتیہ یا خیرۃ النساء

سیطون بعدی یا سکیئہ فاعلمی

لا تحرقی قلبی بدمعک حسرة

فاذا قللت فانت اولی بالذی

”اے سکیئہ جان لو کہ تمہیں میرے بعد بہت گریہ کرنا ہے، لہذا ابھی اس وقت گریہ نہ کرو کیونکہ تمہارا رونا
مجھے پریشان کر دیتا ہے اور جب میں قتل کر دیا جاؤں تو بیٹی سکیئہؑ ضرور میرے جنازے پر آنا، کیونکہ عورتوں
میں تم اس کام کیلئے زیادہ حق رکھتی ہو اے خواتین میں منتخب روزگار۔“
اس غم انگیز منظر کی تصویر کشی کیلئے آئندہ صفحات پر اشعار و مرثیٰ موجود ہیں۔

امام کا پرانا لباس طلب کرنا
اہل تاریخ نے لکھا ہے:

امام حسینؑ اپنی عمر کے آخری لمحات میں درخیمہ پر تشریف لائے اوروں سے پرانا لباس زیرِ قبا پہننے کیلئے طلب کیا تاکہ بعدِ شہادت دشمن پرانا لباس دیکھ کر بدن کی بے حرمتی نہ کرے۔ پس ایک گرتا امام کو پیش کیا گیا مگر حضرتؑ نے اسے زیب تن کرنے سے انکار کیا اور فرمایا یہ اہل ذلت کا گرتا ہے، پھر دوسرا گرتا لایا گیا تو آپؑ نے اسے چند جگہ سے پارہ کیا اور اسے زیرِ قبا پہن کر چلے، مگر ان تمام اہتمام کے باوجود ان پست فطرت لوگوں نے تنِ اطہر سے وہ بھی اتار لیا۔

وصال شیرازی کہتے ہیں:

لباس کھنہ بیوشید زیرِ پیرہنش
لباس کھنہ چہ حاجت کہ زیرِ ستم ستور
کہ گفت از تن او خصم بر کشید لباس
ایک اور شاعر کا کلام ہے:

از ہمہ عالم گزشت و کرد قناعت
گفت بہ زینب بیارتا کہ بیوشم
گر چہ برون آورد از تنم آنرا
روایت ہے، جب امام ان بے دینوں سے جنگ کیلئے روانہ ہوئے تو حضرتؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

کفر القوم و قلما رغبوا
قلو القوم علیاً و ابنہ
جنتقامہم و قالوا اجمعوا
یا القوم من اناس ردل
ثم صاروا و اوصوا کلہم
لم یخافوا اللہ فی سفک دمی
وابن سعد قد رماى عنوة
لالشی کان منی قبل ذا
بعلی الخیر من بعد النبی
خیرۃ اللہ من الخلق ابی
فضة قد خلصت من ذهب
من له جلد کجندی فی الوری
فاطم الزہراء امی و ابی
عبد اللہ غلاماً و العزى معاً

عن ثواب اللہ ربُّ الثقلین
حسن الخیر کریم الابیون
احشرو الناس الی حرب الحسین
جمعوا الجمع لاهل الحرمین
باجتیاحی لرضاء الملحدین
لعیب اللہ نسل الکافرین
بجنود کو کوف الہاطلین
غیر فخری بضیاء الفرقدین
والنبی القرشی الوالدین
ثم امی فانابن الخیر تین
فانا الفضہ وابن الذہین
او کشیخی فانابن العلمین
فاصم الکفر بیدر و حنین
وعلی کان صلی القلبین

وَعَلَىٰ كَانَ صَلَّي الْقَبْلَتَيْنِ
فَانَا الْكَوْكَبِ وَابْنِ الْقَمَرَيْنِ
شَقَّتْ الْغُلَّ بِقَصِّ الْعَسْكَرَيْنِ
كَانَ فِيهَا حَتَفَ أَهْلَ الْفِيلَيْنِ
أَمَّهُ السَّوَاءُ مَعًا بِالْعَتَرَيْنِ
وَعَلَى الْوَرْدِ يَوْمَ الْجَحْفَلَيْنِ

يَعْبُدُونَ اللَّاتَ وَالْعَزَىٰ مَعًا
فَأَبْنَى شَمْسٍ وَأَمَى قَمَرٍ
وَلَهُ فِي يَوْمٍ أَحَدٍ وَقْعَةٌ
ثُمَّ فِي الْأَحْزَابِ وَالْفَتْحِ مَعًا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَاذَا صَنَعْتَ
عَتَرَةُ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَىٰ

”اس قوم نے کفر کیا اور دو جہاں کے پروردگار کے اجر و ثواب سے دور ہوئے، انھوں نے میرے بابا علی اور ان کے فرزند حسن کو جو ماں باپ دونوں کی طرف سے کریم تھے قتل کر دیا، انھوں نے حسین سے کینہ کی وجہ سے اس تمام قوم کو جنگ کیلئے جمع کیا ہے، یہ اہل بیت رسولؐ سے جنگ کرنے وہ لوگ جمع ہوئے ہیں جو ذلیل و پست لوگ ہیں، یہ ایک دوسرے کی مدد و اسلیئے کر رہے ہیں تاکہ یزید اور اسکے افراد رضایت حاصل کریں، یہ میرا خون بہانے سے خوف خدا نہیں رکھتے، ابن سعد جیسے بارش برس رہی ہو مجھ سے لڑنے کیلئے فوج لایا ہے، ان کی یہ جنگ مجھ سے فقط اس لیے ہے کہ میں علیؑ و رسولؐ دونوں سے ہوں، کیونکہ میرے والد علیؑ اور جذر رسولؐ قریشی ہیں، میرے ماں باپ بہترین خلائق ہیں اور میں ان بہترین خلائق کا فرزند ہوں، میں دو طلاؤں سے دو طلاؤں سے مادر چاندی ہوں، کون ہے جو میرے جد جیسا جد رکھتا ہو اور میرے والد جیسا باپ رکھتا ہو، فاطمہ میری ماں ہیں اور میرے بابا نے بدر و جنین میں کفر کی کمر توڑ ڈالی تھی اور میرے والد اس وقت عبادت الہی کرتے تھے جب قریش بت پرست تھے اور لات و عزریٰ کی عبادت کرتے تھے میرے والد نے دونوں قبیلوں کی جانب نماز پڑھی ہے میری ماں قمر اور بابا خورشید ہیں اور میں ان دونوں کا ستارہ ہوں، روزِ احد میرے والد کا یہ مقام تھا کہ انھوں نے کفار سے مقابلہ کیا اور مومنین کو سرور پہنچایا اور جنگِ احزاب اور فتح مکہ کے وقت اپنے (مسلمان) اور دشمن کے لشکر میں بہادری کے اعتبار سے حریف نہیں رکھتے تھے، اب ان تمام فضائل کے بعد سوچو میں کیا ہوں اور اس امت نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ کون سی عترت عترتِ رسولؐ علیؑ جو ساقی کوثر ہیں سے بڑھ کر ہو سکتی ہے۔“

پھر جب برہنہ شمشیر دستِ مبارک میں تھی اور شہادت کیلئے آمادہ ہوئے تو دشمن کے مقابل کھڑے ہو کر فرمایا:

كَفَانَا بِهَذَا مُفَخَّرُ أَحِبِّينِ افْخَرِ
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللَّهِ فِي الْخَلْقِ يَزْهَرِ
وَعَمَى يُدْعَى ذَوَا الْجَنَاحَيْنِ جَعْفَرِ
وَفِينَا الْهَدَى وَالْوَحَى بِالْخَيْرِ يَذْكَرِ
نُسِرُ بِهَذَا فِي الْأَنَامِ وَنُجْهِرُ

اَنَا بَيْنَ عَلِيِّ الطَّهْرِ مِنْ آلِ هَاشِمِ
وَجَدَى رَسُولِ اللَّهِ أَكْرَمِ مِنْ مَشَى
وَفَاطِمِ أُمِّي مِنْ سَلَالَةِ أَحْمَدِ
وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ أَنْزَلَ صَادِقًا
وَنَحْنُ أَمَانُ اللَّهِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ

ونحن ولادة الحوض تسقى ولاتنا
وشيعتنا في الناس اكرم شيعة

بکاس رسول الله ماليس ينكر
ومبغضايو القيامة يخسر

”میں علی مطہر جو آل ہاشم میں سے ہیں کا بیٹا ہوں اور فخر کرنے کے وقت ہمارے لئے یہی افتخار کافی ہے، میری جد دنیا کے بہترین فرد ہیں اور ہم ہدایت کے روشن چراغ ہیں، میری مادر فاطمہ آل احمد ہیں اور میرے چچا جعفر صاحب دو پر ہیں، ہم پر کتاب خدا نازل ہوئی اور ہدایت و رہنمائی ہمارے پاس ہے اور جبریل ہمارے نازل ہوتے تھے، ہم خلق پر خدا کی امان ہیں جنہیں سب مخفی و ظاہر مانتے ہیں، ہم حوض کوثر کے متولی ہیں تاکہ خلق خدا کو سیراب کریں، ہمارے شیعہ بہترین افراد ہیں اور ہمارا دشمن قیامت میں شرمسار ہیں۔“

علامہ مجلسی بحار الانوار میں محمد بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں:
ابوعلی سلامی اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل ان آیات کو امام حسین کی جانب نسبت دیتے ہیں کہ یہ کلام خود امام حسین کا ہے:

فان تكن الدنيا تعلق نفسيمة

فان ثواب الله اعلى وانيل

وان يكن الابدان للموت انشأت

فقتل امرء بالسيف في الله افضل

وان يكن الارزاق قسما مقدرأ

فقلة سعي المرء في الكسب اجمل

وان تكن الاموال للترك جمعها

فما بال متروك به المرء يخل

”اگر دنیا کی کوئی اہمیت ہے تو جان لو خدا کا ثواب اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اگر بدن مرنے کیلئے ہیں تو پھر ہر خدا میں تلوار کے ساتھ مرنا افضل ہے، اگر رزق معین ہو چکا ہے تو اس کیلئے معمولی سی کوشش ہی کافی ہے، اگر مال دنیا میں ہی راہ جائے گا تو پھر جو چیز رہ جانے والی ہے اس سے بخل کیوں کرتا ہے۔“

البتہ مرحوم شعرانی ان اشعار کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں مندرجہ بالا عبارات میں احتمال ہے یہ تمام اشعار دوسرے شاعروں نے امام حسین کے زبان حال کے طور پر کہے ہوں، کیونکہ ایسے واقعات کا زبان حال لکھنا رسم ہے۔

جنگ اور دشمن پر حملہ

امام حسینؑ میدان جہاد میں تشریف لائے اور مبارز طلب کیا، مگر جو بھی حضرتؑ کے سامنے آیا فوراً حضرتؑ کی شمشیر سے روانہ دوزخ ہوا، یہاں تک کہ بڑے پیمانے پر قتل ہوئے پھر آپؑ نے دشمن کے میمنہ (دائیں جانب) پر یہ جرز پڑھتے ہوئے حملہ کیا:

الموت خير من ركوب النار

والعار اولي من وخول النار

پھر میسرہ (بائیں جانب) پر اس جز کے ساتھ حملہ کیا:

اناالحسین بن علی

آلیت ان لانتی

أحمی عیالات أبی

امضی علی دین النبی

علامہ مجلسی بحار الانوار میں چند راویوں سے نقل کرتے ہیں:

فواللہ عارایت مکسوراً قَدْ قُتِلَ وَلَدُهُ وَاهِلُ بَيْتِهِ وَصُخْبُهُ أُرِيطَ جَاشُمُنُهُ، وَانْكَشَفَ انْكَشَافُ الْمَعْرَى إِذَا شَتَفِيهَا الذَّنْبُ وَلَقَدْ كَانَ يَحْمِلُ فِيهِمْ وَفَدَتْ كَمَلُوا أَلْفَ أَفْنِيهِزُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَأَنَّهُمُ الْجَرَادُ الْمُنْتَشِرُ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى مَوْكُزِهِ وَهُوَ يَقُولُ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ”قسم بخدا ایسا شخص جس کے تمام اصحاب و اقارب شہید ہو چکے ہوں اور دشمن کی کثیر تعداد نے اسے گھیر رکھا ہو مگر وہ مطمئن و پرسکون کیفیت میں کھڑا ہو نہیں دیکھا لوگ اس پر حملہ کرتے تھے اور جب وہ اپنی شمیر سے حملہ کا جواب دیتا تو دشمن بکریوں کی مانند دائیں بائیں فرار ہوتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور جب وہ حملہ کرتا تو اس کا دشمن ہزاروں کے باوجود کھری ہوئی ٹڈیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا اور وہ پلٹ پلٹ کر اپنے مقام پر آتا اور یہ جملہ تکرار کرتا تھا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔“ ۹

سروش اصفہانی متوفی ۱۱۲۸ھ اس بارے میں کہتے ہیں:

از دشت کارزار برانگیخت رستخیز
درہم شکستہ خصم و گرفتہ رہ گریز
گفتی کہ حیدر است بہ کف ذوالفقار
چون نوح، شاہ درد دل دریای موج خیز
باتو کر ابو دجھان طاقت ستیز
از تیغ تو کنملک الموت احتیز
سوی عراق بار سفر بستی بی حجیز
بی پردہ بر فراز شترهای بی جھیز
ریز دسکینہ بر سر گیسوی مشکبیز
بر عہد خود وفا کن و خون بیش از این مریز
شمشیر خویش کر دینس آنگاہ در غلاف
مسعودی کی اثبات الوصیہ میں روایت نقل ہے، امام حسینؑ نے دشمن کے ایک ہزار آٹھ سو افراد کو واصل جہنم کیا، جبکہ شہر آشوب کے مطابق امامؑ مسلسل لڑتے رہے، یہاں تک دشمنوں کے ایک ہزار نو سو پچاس افراد واصل جہنم کیے اور یہ تعداد زخمیوں کے علاوہ ہے۔ یہی وہ وقت تھا جب عمر بن سعد نے اپنی فوج سے کہا:

الوئیل لکم تسلرون لمن تقاتلون؟ هذا ابن الانزع البطین، هذا ابن قتال العرب، فاحملوا اعلیہ من کل جانب ”تم پر لعنت ہو! کیا جانتے ہو تمہارا مقابلہ کس انسان سے ہے؟ یہ ”انزع البطین“، علی بن

ابیطالب کا بیٹا ہے۔“

یہ عربوں کے قاتل کا بیٹا ہے، لہذا اس پر ہر جانب سے حملہ کرو۔
اس وقت چار ہزار دشمن نے اپنی کمائوں میں تیروں کو جوڑا اور ایسے رخ سے تیروں کی بارش ہونے لگی کہ وہ امام حسینؑ اور اہل حرم کے درمیان حائل تھے۔ امام حسینؑ نے اس حملہ کو دیکھ کر فرمایا:

يا شيعة آل ابي سفيان ان لم يكن لكم دين وكنتم لا تخافون المعاد فكونوا احراراً في دنياكم و
ارجعوا الى احسابكم اذ كنتم اعراباً "اے آل ابوسفیان کی پیروی جماعت اگر تم دین نہیں رکھتے اور
تمہیں روز جزا کا خوف نہیں ہے تو کم از کم اس دنیا میں آزاد مرد بن کر رہو اور اگر عرب ہو تو اپنی
اصالت کا مظاہرہ کرو۔"

شمر نے کہا: اے پسر فاطمہ! کیا کہہ رہے ہو؟
امام نے فرمایا:

اقول: انا الذي اقاتلكم وتقاتلونى، والنساء ليس عليهن جناح، فامنعوا اعتناكم عن التعرض لحرمى
مادمت حياً "میں یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے لڑ رہا ہوں تم مجھ سے لڑ رہے ہو اور ان خواتین کا کوئی
قصور نہیں۔ پس جب تک میں زندہ ہوں اپنے سرکشوں کو اہل حرم پر تعرض سے روک رکھوں۔ اے
شمر نے کہا: اے حسین! یہ تمہارا حق ہے، پھر اپنے لشکریوں کو آواز دی، حسین کے حرم سے دور ہو جاؤ اور
فی الحال خود حسین کو نظر میں رکھو، مجھے اپنی جان کی قسم وہ ہر جہت سے عظیم ہے۔
فارسی زبان شاعر نے اس روز کے ان تمام واقعات کو جو ان کی زلفتوں اور زبوں حالی کا ثبوت دیتے ہیں
یوں نظم کیا ہے:

می ساخت پایہ های گرو دی نوین، زمان
باعشق و باحقیقت و ایثار تو امان

می سوخت در لہیب تہی آتشین، عزمین
خورشید ہمچو کشتی آتش گوفتہ ای

۱۰ (انزاع) اسے کہتے ہیں جسکے سر پر آگے کی جانب سے بال نہ ہوں (یعنی خالی ہو) اور "بطین" اسے کہتے ہیں جس کا
شکم (غیر ہوا ہونے کی نظر حضرت علیؑ کے اوصاف میں شمار کیے جاتے ہیں، لہذا بعض اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ وہ شرک و
بت پرستی سے انزاع یعنی پاک تھے اور ان کا دل وسیع علم و ایمان سے "بطین" یعنی پُر تھا البتہ عمر بن سعد کا یہ جملہ تعریف
میں نہیں، بلکہ تنقیص و مذمت میں تھا، چنانچہ قتال العرب کہہ کر بدو احد حنین میں ان کے مارے جانے والے اجداد کو
یاد دل کر کے نہ ابھارنا چاہتا تھا (خدا، ملائکہ اور تمام لوگ اس پر لعنت کریں) کیونکہ ہر منصف مزاج اور اسلام شناس انسان
جانتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کسی عرب کو بے سبب قتل نہیں کیا۔ مارے جانے والے لوگ وہ تھے جو کسی صورت بت پرستی اور
شرک و کفر سے ہاتھ نہیں اٹھا رہے تھے درنہ علی بن ابیطالب کی ذات اتنی کریم و رؤف تھی کہ وہ خواہ مخواہ کسی کے سر کا بال
توڑنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

می ساخت خون و تیغ و شہامت حماسہ ای
آزادی و فضیلت، یک سربہ ہم قرین
یکسوی، اوج رایت مردان جان بہ کف
در عرصہ نبرد تنی چند جان بہ کف
مردی بہ پای خواست کہ اقتضای ظلم
در نیمروز گرم کہ ہر لحظہ می گذاخت
یک مردماندہ بود و کران تا کران علو
در این چنین دمی بسوی خیمہ گاہ او
لشکر بہ پیش تاخت کہ یابد غنیمتی
آن شاہباز اوج فضیلت چو باز دید
بر پای خاست از دل دریای پرز خون
فریاد زد: بہوش ارنیست دین تو را
این خرین کلام خداوند عشق بود

با عشق و با حقیقت و ایثار تو امان
خود را ی و رذالت، آنسویہ ہم قرآن
یکسوی موج لشکر خونخوار و جانستان
چون کوہ در برابر دریای بیکران
جانی زد دست رفت کہ ماندہ بہ جاجہان
در زیر آفتاب گدازندہ جسم و جان
یک تیر ماندہ بود و جہان تاجہان نشان
آنجا کہ دادہ بود بہ نوابو گان امان
جز این نبود مقصد آن لشکر گران
این گونہ موج آتش و خون را در آشیان
افراشت قامتی کہ قیامت کند عیان
آزادہ باش و توسن آزادگی ہوان
آن دم کہ می گذشت از ای تیرہ خاکدان

یہ وقت تھا جب ان بے حیا اور انسانیت سے بے بہرہ لوگوں نے اس عظیم انسان کے گرد حلقہ تنگ کر دیا
اس وقت امام پر پیاس کا غلبہ ہوا اور ان ظالموں سے سوال کر رہے تھے اور جب بھی سمت فرات اپنے گھوڑے
کو لے کر جاتے تو دشمن مشترک حملے کے ذریعے امام کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا۔

نہر فرات میں

ابو مخنف، جلوسی سے نقل کرتے ہیں:

اس وقت امام نے اعرسلی اور جاج بن زبید پر جو چار ہزار سپاہیوں کے ہمراہ گھاٹ پر قابض تھے حملہ
کیا اور معمولی سی محنت کے بعد انھیں وہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کیا اور جب اپنے گھوڑے کو
فرات میں اتار تو گھوڑے نے اپنا منہ پانی کی جانب جھکایا تو امام نے اپنی سواری سے فرمایا:
انت عطشان و انت اعطشان، واللہ لا ذقت الماء حتی تشرب ”تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا
ہوں مگر دیکھ میں اس وقت تک پانی لیوں کو نہیں لگاؤں گا جب تک تو پانی نہ پی لے؟“
گھوڑے نے امام کا کلام سمجھتے ہوئے پانی نہ پیا اور سر اٹھالیا، گویا امام کا کلام کو سمجھ لیا۔
امام نے فرمایا: میں بھی پیوں گا پی لے! یہ فرما کر پانی اٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا کہ اچانک کسی سوار نے
آواز لگائی:

یا ابا عبد اللہ تلتذ بشرب الماء وقد هتك حرمتک ”تم پانی پی رہے ہو اور ہر تمہارے حرمت کو لوٹ

لیا گیا۔“

امام نے یہ سن کر بے تابئی کے ساتھ گھوڑا دوڑایا، دشمنوں کی صفوں کو چیزتے ہوئے خیام کا رخ کیا اور دیکھا کہ اہل حرم صحیح و سالم ہیں۔

اسی طرح یہ روایت بحار الانوار اور مناقب شہر بن آشوب نے بھی ابی مخنف سے نقل کیا ہے اور ابن حجر عسقلانی سے یوں نقل ہوا ہے:

اگر دشمن نے حضرت کو فریب دھوکہ نہ دیا ہوتا اور وہ بزرگوار پانی پی لیتے تھے پھر کسی میں اتنی طاقت نہ تھی کہ حسینؑ سے مقابلہ کرتا، کیونکہ یہ وہ شجاع انسان تھے جو اگر ڈٹ جائے تو پہاڑ ہٹ سکتا ہے، مگر اسکے قدم نہیں اکھڑ سکتے اور کسی میں اتنی توانائی نہیں پائی جاتی تھی کہ ان کی راہ میں رکاوٹ ڈال سکے۔ ۱۲

جبکہ بعض دانشوروں نے اس روایت کی صحت و درایت میں تردید کرتے ہوئے کہا: مقام امام اس سے کہیں بالاتر ہے کہ دشمن انھیں فریب دے سکے اگرچہ جلودی اخباریوں کے درمیان مشہور شخصیت ہیں اور امیر المومنین کا قول ہے:

لا استغفل عن مکیۃ“ اگر مقام امامت سے قطع نظر دکھا جائے تب بھی امام کی فطانت و ہوشیاری قابل انکار نہیں۔“

پھر تجرید میں خواجہ کا قول اور اس کی شرح میں علامہ حلی کا قول نقل کرتے ہیں اور بلا خراس روایت پر اعتراض کرتے ہیں۔ ۱۳

سید مقرر مقلل الحسینؑ کے حاشیہ پر اس روایت کی ضمانت لینے سے خود کو مبرا ظاہر کرتے ہیں، مگر پھر بھی انھوں نے اس کی توجیہ میں پوری کوشش انجام دی ہے۔ ۱۴ واللہ اعلم۔

بہر حال علامہ مجلسی جلاء العین میں نقل کرتے ہیں:

امام حسینؑ ایک بار پھر اہل حرم سے رخصت لینے کیلئے خیمہ گاہ تشریف لائے اور انھیں صبر و استقامت کی نصیحت کے ساتھ ان سے اجر و ثواب کا وعدہ کیا اور فرمایا:

استعدوا للبلاء واعلموا ان الله حافظکم و حامیکم و سنبجیکم من شر الاعداء و يجعل عاقبة امرکم الی خیر، و یعذب اعدایکم بأنواع البلاء، و یعودکم عن هذه البلیۃ بأنواع النعم الکرامۃ، فلا تشکروا لا تنفوا لو بأنفسکم ما نفسکم ما یقصر من قلوبکم

”بلاء و مصیبت کیلئے آمادہ ہو جاؤ پر یقین رکھو کہ خدا تمہارا نگہبان اور پشت پناہ ہیں اور وہ تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات عطا کرے گا اور آخر کار تمہارے حق میں خیر و خوبی ہوگی اور تمہارے

دشمنوں پر مختلف طریقوں سے عذاب نازل کرے گا اور تمہیں ان مصائب کے تحمل پر نعمتیں اور کرامتیں عطا کرے گا۔ پس ہرگز اپنی زبان پر شکوہ نہ لانا کہیں وہ تمہارے مقام کو کم نہ کر دے۔“

مقتل کی معتبر کتابوں میں آیا ہے:

ان کلمات کے بعد امام دوبارہ میدان کی جانب بڑھے اور اس وقت زینبؓ بھائی کے پیچھے پیچھے چلیں، تاکہ انھیں تنہائی کا احساس نہ ہو اور لجامِ فرس و رکاب تھام کر بھائی کو سوار کیا، ان کے گلوئے مبارک پر بوسہ لینے کیلئے رکنے کی درخواست کی یا امام کی بیٹی سیکہ کا آنا اور گھوڑے سے اترنے کی درخواست کرنا اور کہنا کہ مجھے قیموں کی طرح پیار کریں، البتہ اور بہت سے وہ مطالب جنھیں خطیب و ذاکرین اس وقت کی مناسبت سے پڑھتے ہیں روایات میں ذکر نہیں لیکن مرثیہ گو شاعروں نے ان بعض مصائب کو نظم کیا ہے۔

شمش تبریزی کہتے ہیں:

عزم میدان چون شہِ عشاق کرد	شورشِ درجملہ آفاق کرد
خواست تا آید سوی میدان کین	کو دکان و بانوانِ دل غمین
جملگی بر گردِ ذاتش گشتہ جمع	همچنان پروانہ اندرِ گرِ دُشمن
بایکایک زانِ زنان و کو دکان	کرد تو دیع و پسِ آنگہ شلِروان
ناگہان آن دختر شیرین زبان	آمد و گرفت بر باباعنان
گفت کسی بابِ یتیمان از وفا	بر سرمِ دستی بکش بھر خدا
شہ بشدد دلخستہ زان رفتار او	داد پاسخِ این چنین گفتار او
ز اشک حسرت بر دلم آتش مزین	شعلہ بر جانم از این خواہش مزین
تاکہ باشد در تنم روح و روان	بھر من منما تو زاری و فغان
چون کہ رفتم زینِ جہان سوی جنان	شلِ سرمِ از کینہ بر نوکِ سنان
جسمِ پاکم را چو اندرِ قتلگاہ	سرِ جلدِ دیدی بر آرزِ سینہ آہ

مرحوم عثمان سامانی کہتے ہیں:

خواہش بر سینہ و بر سر زنان	رفت تا گیرِ دہرِ ادرِ اعنان
سیلِ اشکِ بست بر شہِ راہِ را	دودِ آہش کرد حیرانِ شاہِ را
درفایِ شاہِ رفتی ہر زمان	بانگِ مہلا مہلا آتشِ بر آسمان
کشتیِ سوارِ سرگرانِ کم کن شتاب	جانِ من لختی سبکتر زنِ رکاب
تابو شمعِ آن رخِ دلجوئی تو	تابویمِ آن شکرِ موی تو
شہِ سراپا گرمِ شوق و مسِ ناز	گوشہِ چشمی بدان سو کر دہاز

دیلدمشکن موی از جنس زنان

زن گو مرد آفرین روزگار

زن مگو خاک درش نقش جبین

پس زجان بر خواہر استقبال کرد

ہمچون جان خود را در آغوش کشید

کسی عنان گیر من آبا زبنی

جان خواہر در غم زاری مکن

پیش پای شوق زنجیری مکن

باتو ہستم جان خواہر ہم ہمسفر

خانہ سوزان را تو صاحب خانہ باش

معجز از سر بردہ از رخ وامکن

ہست بر من ناگوار و ناپسند

ہر چہ باشد تو علی را دختر ی

بازبان زبنی شاہ آنچہ گفت

باحسینی لب ہر آنچہ او گفت راز

کوی عشق آری زبان خواہد ز عشق

بازبان دیگر این آواز نیست

بر فلک دستی و دستی بر عنان

زن مگو بیت الجلال اُخت الوقار

زن مگو دست خداداد آستین

تا رخس بوسد آلف را دال کرد

این سخن آہستہ در گوشش دمید

یا کہ آہ در دندان درشی

با صدا بہرم عزاداری مکن

راہ عشق است این عنان گیری مکن

توبہ پایین راہ کوبی من بہ سر

بازنان در ہمرہی رانہ باش

آفتاب و ماہ را رسوا مکن

از تو زینب ، گرو صدا گر دہلند

مادہ شیرا ، کی کم از شیر نری

باحسینی گوش زینب ، می شفت

شہ بہ گوش زبنی بشنید باز

فہم عشق آری بیان خواہد ز عشق

گوش دیگر محرم این راز نیست

حضرت کے مرثیہ خوان اور ذاکرین کرام سے گزارش

جیسا کہ عرض کیا گیا، بعض اوقات ذاکرین عظام اور مرثیہ خوان اور شاعران اہل بیت اس خاندان سے محبت اور گہرے لگاؤ کی وجہ سے اہل بیت پر ڈھائے گئے مصائب سے دل سوختہ ہو کر ایسے اشعار بیان کرتے ہیں جو درحقیقت ان کے تہہ دل سے تراش کرتے ہیں جبکہ قلم و زبان فقط وسیلہ ہوتا ہے، لیکن شاید بے توجہی سے ان کی نسبت آئمہ یا ان کے اقارب کی جانب دے دیتے ہیں درحالیکہ وہ زبان حال ہوتا ہے ماقال (جو کہا ہے) نہیں ہوتا، کیونکہ احادیث و روایات میں اسکا کوئی اثر نہیں۔ اس طرح مرثیہ خوان یا سامعین یہ سمجھتے ہیں کہ ضرور کوئی روایت یا حدیث ہوگی جو شاعر نے اسے نظم کیا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ بنا برائیں تمام ذاکرین کرام، مرثیہ خوان اور مداحوں سے نہایت مؤدبانہ عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں جس کلام پر روایت موجود نہ ہو اسے زبان حال سے تعبیر کرنے سے گریز کریں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ثواب کی بجائے گناہ کے مرتکب ہوں۔

کثرت جراحات

صاحب مناقب روایت کرتے ہیں:

جب عمر بن سعد نے مشترکہ حملہ کا دستور دیا تو ایک سوا سی نیزہ بردار اور چار ہزار تیر انداز ایک دم امام پر حملہ آور ہوئے، لہذا طبری امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں:

امام حسینؑ کے بدن مبارک پر تینیس اور چونتیس تلواروں کے زخم موجود تھے۔

ایک اور روایت میں امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

جب امام حسینؑ شہید ہوئے، حضرت کے جسم اطہر پر مجموعی طور پر تین سو بیس نیزوں، تلواروں اور تیروں کے زخم دیکھے گئے۔ ایک اور قول کے مطابق تین سو ساٹھ زخم تھے، ایک روایت سے مستفاد ہے تینیس ضربتوں کے علاوہ تیروں اور نیزوں کے زخم بھی تھے اور حضرتؑ کی زرہ میں کانٹوں کی مانند تیر پیوستہ تھا البتہ روایت میں ہے: وہ سب تیر بدن کے اگلے حصے اور چہرہ اقدس پر تھے۔ ۱۵

دشمن کی انتہائی جسارت

مجلسیؒ بحار الانوار میں ارباب مقاتل سے روایت کرتے ہیں:

اس وقت امام استراحت کیلئے کچھ دیر ٹھہر گئے، کیونکہ جنگ نے آپؑ کے جسم مبارک کو چور چور کر دیا تھا مگر اس ایستادہ حالت میں ایک پتھر امامؑ کی پیشانی پر آ کر لگا۔ ۱۶ جس کے لگتے ہی خون ابلنے لگا تو امام نے چاہا کہ دامن سے چہرہ صاف کریں، بلکہ کہ ناگاہ زہر آلود سرے شعبہ تیر امام حسینؑ کے سینے یا روایت کے مطابق قلب مبارک پر آ کر لگا تو امام کی زبان سے فوراً یہ جملات صادر ہوئے:

بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله

پھر اپنا چہرہ آسمان کی جانب بلند کر کے فرمایا:

الہی انک تعلم انہم یقتلون رجلاً لیس علی وجه الارض ابن نبی غیرہ

”اے خدا تو جانتا ہے یہ اس شخص کو قتل کر رہے ہیں کہ جس کے علاوہ روئے زمین پر فرزند رسول کوئی اور نہیں۔“

اور یہ فرما کر اپنی کمر سے تیر کا پھل کھینچ کر نکالا جس کے ٹکٹے ہی خون ابل ابل کر نکلتے لگا، امام نے اس خون سے چلو بھرا اور اسے آسمان کی جانب پھینکا مگر اس فون کا ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ پھر دوبارہ اس زخم پر ہاتھ رکھا اور اپنے اس خون سے سر و صورت کو رنگین کیا اور فرمایا:

میں ایسے حال میں رہوں گا یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی زیارت اسی خونی خضاب میں کروں گا اور

ان سے کہوں گا کہ یا رسول اللہ مجھے فلاں اور فلاں نے قتل کیا۔
فارسی زبان شاعر ان لمحات کو یوں بیان کرتا ہے:

کہ آساید می از رزم پیکار	بہ مرکز باز شد سلطان ابرار
بہ پیشانی آن وَجہ اللہ احسن	فلک سنگی فکند از دست دشمن
شکست آیینہ ایزد نمارا	چو ز دا ز کینہ آن سنگ جفارا
چو در روز احد روی محمد	کہ گلگون گشت روی عشق سرمد
کہ خون از چہرہ بز دا بدنا گاہ	بہ دامان کرامت خواست آن شاہ
نمایان شلرز زیر ابر جوشن	دل روشن تر از خورشید روشن
گرفت اندر دل شہ جای تابر	ہکی الماس وش تیری ز لشکر
عیان گردید زہر آلودہ پیکان	لج از پشت پناہ اہل ایمان
ز زہر آلودہ پیکان گشت پر خون	مقام خالق یکنای بی چون
کہ جنب اللہ بدید از سنانش	سنان ز دنیہ بر پہلو چنانش
سمند عشق بار عشق بگذاشت	بدیدار دل را رایت افراشت
برو افتاد می گفت انتر آن دم	بہ شکر وصل فخر نسل آدم
و آیتمٹ العیال لکی اراکا	ترکت الخلق طُرُافی ہواکا
لما حسن الفؤاد الی سواکا	فلو قطعنی فی الحب اربا

شہادت عبد اللہ بن حسن

شیخ اور سید ابن طاووس لکھتے ہیں:

اس وقت دشمن کا لشکر کچھ دیر کیلئے ٹھہر گیا اور امام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا لیکن کچھ ہی دیر بعد دوبارہ حملہ کیا اور امام کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہو گئے، اس وقت عبد اللہ بن حسن ایک خرو سال بچہ خیمہ گاہ سے دوڑتا ہوا آیا اور امام حسینؑ کے نزدیک آ کر کھڑے ہو گیا جبکہ نہ نبؑ نے بہت چاہا کہ اسے بلائیں اور امام نے بھی سے فرمایا:

”بہن اسے کسی طرح یہاں سے لے جاؤ، مگر وہ بچہ رکار ہا اور کہنے لگا:

”لا واللہ لا افارق عمی“ قسم بخدا ہر گز اپنے چچا کو تنہا نہیں چھوڑوں گا۔“

اس وقت ابجر بن کعب (ایک اور روایت کے مطابق حرمہ بن کاہل) نے اپنی تلوار بلند کی اور پورے زور سے امام حسینؑ کے بدن مبارک پر مارنے لگا تو عبد اللہ بن حسن نے کہا:

”ویلک یا بن الخبیثہ اتقتل عمی“ تجھ پر وائے ہوائے زن خبیثہ کے پسر، کیا تو میرے چچا کو مار

رہا ہے؟“

لیکن اس خبیث نے بے اعتنائی برتتے ہوئے تلوار مارنا ہی چاہا تھا کہ عبداللہ بن حسن نے آگے بڑھ کر اپنے ننھے ہاتھ بڑھادیئے، تاکہ تلوار کا دارامام کے بدن پر پڑنے سے روک سکے، مگر اس برندہ تلوار نے بچے کے دونوں ہاتھ اس طرح کاٹ دیئے کہ وہ کھال میں آویزاں ہو گئے، وہ وقت تھا جب بچے نے ماں کو پکارا امام نے بچے کو اپنی آغوش میں لیا اور فرمایا:

اے میرے بھتیجے! صبر کر اور اسے اپنے لئے خیر و بھلائی شمار کر، تاکہ خدا تجھے تیرے صالح، نیک اور عظیم المرتبت اجداد سے ملحق کر دے۔

سید ابن طاووس فرماتے ہیں: اس وقت حملہ نے عبداللہ بن حسن کو ایک تیر مارا جس کی تاب نہ لا کر شہید ہو گیا۔

ظاہری طور پر عبداللہ بن حسن کی شہادت کا یہ واقعہ اس وقت پیش آیا، جب امام ابھی اپنے گھوڑے پر سوار تھے، جبکہ بعض روایات حتیٰ خود اس مذکورہ روایت سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت امام حسین زمین پر تھے جیسا کہ مقتل مقرر نے بھی یہی نقل کیا ہے، یہ جانسوز منظر اس اوقت رونما ہوا جب امام زین سے زمین پر آچکے تھے۔ واللہ اعلم

امام گھوڑے پر نہ رہ سکیں

سید ابن طاووس کہتے ہیں:

جب امام حسین پر آنے والے زخم سنگین ہو گئے تو صالح بن وہب مزنی نے آپ کی پشت مبارک پر ایسا نیزہ مارا کہ جس کے بعد آپ کا گھوڑے کی زین پر ٹھہرنا ناممکن ہو گیا اور اپنے دائیں جانب سے زمین کی طرف آئے اور فوراً کھڑے ہو گئے۔ مقبیل نامی فارسی زبان شاعر لکھتا ہے:

ذریگانہ دریای مجمع البحرين بہ خون طہیدہ کرب و بلا امام حسین

نہ ذو الجناح دگر تاب استقامت داشت نہ سید الشهداء بر جدال طاقت داشت

ہوا ز جور مخالف جو قیرگون گردید عزیز فاطمہ از اسب سرنگون گردید

بلندمرتبہ شاہی ز صدر زین افتاد اگر غلط نکم عرش بر زمین افتاد

سید فرماتے ہیں: اس وقت حضرت زینبؓ خیمہ گاہ سے باہر تشریف لائیں اور پکار کر فرمایا:

وا اخاء، و اسیداء، و اهل بیتا، لیت السماء اطق علی الارض و لیت العیال تدکدک علی

السهل ”کاش آسمان زمین پر گر جاتا، کاش پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اس جنگل پر گر جاتے۔“

شمر نے لشکر کو آواز لگائی: کس کا انتظار کر رہے ہو؟

چنانچہ اس وقت جو جس کے ہاتھ میں آیا امام حسینؑ پر مار رہا تھا۔ زرعہ بن شریک نے امام کے شانہ پر وار کیا، ایک دوسرے ظالم نے امام کے دوسرے سارے پر وار کیا جس کے سبب امام منہ کے بل زمین پر گرے، مگر اس وقت زخموں نے امام کو اتنا بے حال کر دیا تھا کہ کبھی اٹھتے اور کبھی گر جاتے تھے، کبھی دائیں اور کبھی بائیں پہلو بدلتے، اسی عالم میں سنان بن انس نے امام کے (سینے اور گردن کے درمیان) تر قوہ پر نیزہ مارا اور پھر اسے کھینچ کر حضرتؑ کے سینے پر مارا، ایک تیر امام کے گلوئے مبارک پر مارا جس کے سبب امام زمین پر نشستہ حالت میں بے تاب ہونے لگے اور اس تیر کو اپنی انگلیوں میں دبا کر نکالا اور گلے سے بہتے ہوئے خون کو چلو میں بھر کر اسے اپنی ریش و صورت پر یہ کہتے ہوئے ملنا شروع کیا:

هكذالقى الله مخصباً بلمى، مفسوياً على حقى "میں خدا سے اسی خون کی خضاب کی حالت میں حالانکہ انھوں نے میرا حق غصب کیا ہے، ملاقات کروں گا۔"

مصیبت عظمیٰ اور فاجعہ کبریٰ

ایسے بے رحمانہ حملوں کے بعد، جب امام اپنے آخری لحاحات گزار رہے تھے، عمر بن سعد نے اپنے دائیں جانب کھڑے ہوئے ایک شخص سے کہا: تجھ پر لعنت ہو! گھوڑے سے اترے اور اس کا کام تمام کر دیا۔ خوبی بن یزید اسی سر امام کو جدا کرنے کیلئے آگے بڑھا، مگر اس کا بدن کاٹنے لگا اور لٹے پاؤں واپس آ گیا۔ سنان بن انس گھوڑے سے اتر اور حضرتؑ کی گردن پر تلوار رکھتے ہوئے کہا: میں یہ جانتے ہوئے کہ تو فرزند رسولؐ ہے اور ماں باپ کے حوالے سے بہترین خلائق ہے، تیرا سر کاٹ رہا ہوں اور یہ کہتے ہوئے امام کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ۱۸

ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں:

جب امام حسینؑ پر کثرت جراحت کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی تو شمر نے آواز دی:

کیوں کھڑے ہو تمہیں کس کا انتظار ہے؟ زخموں اور تیروں نے اس کو حال سے بے حال کر دیا ہے، لہذا جلدی کرو اور ایک مشترکہ حملہ میں اس کا کام تمام کرو۔

۱۸ [اسی سنان بن انس کے بارے میں لکھا ہے: جب مختار ثقفی نے کوفہ میں خروج کیا تو انھوں نے سپاہیوں کا ایک گروہ اس کی تلاش میں روانہ کیا۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بصرہ فرار کر گیا ہے مختار نے حکم دیا کہ اس کا گھڑ تاجا ویر باد کر دیا جائے اور بصرہ کی جانب جا کر اسے تلاش کریں مگر وہ جب بصرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ قادسیہ کی جانب گیا ہے اور بلا خرقہ قادسیہ سے گرفتار کر کے کوفہ لایا گیا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹی جائیں اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ حیر کاٹ دیئے جائیں اس کے بعد حکم دیا کہ ایک تیل سے بھری دیگ کو آگ پر رکھ کر اسے کھولا جائے اور اس ظالم کو اس میں پھینک دیا جائے چنانچہ یہ ظالم اس طرح واصل جہنم ہوا۔ (بجاء الانوار، ج ۴۵، ص ۳۷۵)۔

تو حصین بن نمیر نے ایک تیر امام کے لب مبارک پر مارا اور ابویوب غنوی نے حضرت کے حلق پر تیر مارا اور زید بن شریک نے امام کے شانے پر تلوار کا وار کیا اور سنان بن انس نے حضرت کے سینے پر نیزہ مارا اور صالح بن وہب نے حضرت کے نشین گاہ پر نیزہ مارا جس کے سبب امام اپنے دائیں جانب زمین پر گرے اس وقت عمر بن سعد حضرت کے نزدیک ہوا، ادھر زینبؓ خیمہ گاہ سے باہر آئیں اور پکار کر کہا:

لیت السماء انطبقت علی الارض ”کاش آسمان زمین پر آ جاتا۔“

اور عمر بن سعد کو مخاطب قرار دے کر فرمایا:

یا عمر بن سعد ابوعبد اللہ وانت تنظر الیہ ”اے عمر ابن سعد! ابو عبد اللہ الحسین کو مار رہے ہیں اور تو کھڑا دیکھ رہا ہے؟“

اس جملہ پر عمر بن سعد کے بے ساختہ آنسو نکلے، مگر اس نے بغیر جواب دیئے اپنا منہ زینبؓ کی جانب سے موڑ لیا۔

شیخ مفید روایت نقل کرتے ہیں:

جب زینبؓ نے دیکھا عمر بن سعد جواب نہیں دے رہا تو دیگر افراد کو مخاطب قرار دیا اور فرمایا:

امافیکم مسلم؟ ”کیا تمہارے درمیان کوئی مسلمان نہیں؟“

مگر میان شما یک نفر مسلمان نیست خدا پرست مگر اندر این بیابان نیست اس وقت امام مظلوم نشستہ خیال میں تھے اور جسم مبارک پر قیمتی لباس تھا، لیکن دشمن کے لوگوں میں آپؑ کے جانب بڑھنے کی جرأت نہ تھی تو شیر نے پکار کر کہا:

تم لوگوں پر وائے ہو! اب کس کا انتظار ہے اسے مار ڈالو!

روایت کے آخری جملات میں ہے خولی بن یزید آگے بڑھا تا کہ حضرت کا تن سر سے جدا کرے، لیکن اس کا پورا بدن کا پھنسنے لگا اور اٹنے پاؤں واپس آ گیا، اس طرح شان بھی اس کام پر اس کام پر حاضر نہ ہوا تب شمر آگے بڑھا اور امام حسینؑ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ایک اور روایت کے مطابق یہ ظالم حجاج بن یوسف کے زمانے تک زندہ رہا چنانچہ ایک روز حجاج بن یوسف نے اپنے دربار میں موجود لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: جس نے بنی امیہ کی کوئی خدمت کی ہو وہ بیان کرے تو مختلف لوگوں نے اپنی اپنی خدمات بیان کیں تو اس وقت سنان بن انس اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا: میں حسین کا قاتل ہوں۔ حجاج نے کہا: واقعاً بڑی خدمت ہے اور یہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر جا رہا تھا کہ راستے میں اسکی زبان بند ہو گئی اور عقل زائل ہوتی چلی گئی اور باقی زندگی اس طرح گزری کہ یہ جہاں بیٹھا ہوتا تھا وہیں کھاتا اور اسی جگہ کو خراب کرتا تھا یہاں تک کہ اسی کثافت میں واصل جہنم ہوا (حاشیہ ترجمہ نفس المحموم، ص ۱۹۵) [

بعض روایات میں ہلال بن نافع سے نقل ہوا ہے کہ وہ کہتا ہے:

كنت واقفاً نهو الحسين وهو يجود بنفسه، فوالله ما رأيت قتيلاً قطّ مضمحاً بدمه احسن منه وجهاً ولا انور، ولقد شغلني نورو وجهه عن الفكرة في قتله، فاستقي في هذه الحال ماءً قابوا ان يسقوه ”میں حسینؑ کے نزدیک کھڑا تھا لیکن انکے چہرہ کا نور مجھے قتل کرنے سے روک رہا تھا، اس وقت انھوں نے پانی مانگا مگر کسی نے پانی نہ دیا، قسم بخدا میں نے کسی قتل ہونے والے کو جس کا چہرہ خون میں آغشتہ اتنا خوبصورت نہیں دیکھا۔“ ۱۹

روایت میں ہے، جب امام حسینؑ پر وقت تنگ ہونے لگا تو آپؑ خدا سے راز و نیاز میں مشغول ہو گئے حضرت انتہائی مشکل وقت میں یہ مناجات فرما رہے تھے:

صبراً على قضائك يا رب لاله سواك يا غياث المستغيثين، معالي رب سواك، ولا معبود غيرك، صبراً على حكمك يا غياث من لا غياث له، يادائماً لانفادله، معي الموتى، يا قائماً على كل نفس بما كسبت، احكم بيني وبينهم وانت خير الحاكمين ”اے ہارا لہا! تیری قضا و قدر پر صابر ہوں، اے معبود تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، اے اس کی فریاد سننے والے جس کی کوئی فریاد نہ سنے، اے دائم و ہمیشہ رہنے والے جس کا کوئی متمنی نہیں۔

اے مردوں کو زندہ کرنے والے! اے ہر اس پر قائم جس نے زندگی کو اپنے کاموں میں صرف کیا میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر کیونکہ تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

مناقب میں ہے، عمر بن سعد نے امام کو اس حال میں دیکھ کر اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے جو کہ اس کی دائیں جانب کھڑا تھا غصہ کی حالت میں کہا: گھوڑے سے اتر اور حسین کا کام آسان کر دے۔

پس خولی بن یزید اصبحی آگے بڑھا اور امام کا سرتن سے جدا کر دیا، بعض اہل قلم کا کہنا ہے، شروشان امام کے نزدیک آئے، اس وقت امام کے بدن میں آخری رقی باقی تھیں اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنی زبان کو دہان مبارک میں گردش دے رہے تھے اور پانی طلب کر رہے تھے۔ شمر نے اس نقل شدہ جسارت کے بعد شنان سے کہا: اسکے سر کو قفا (پشت گردن) سے جدا کر دے۔ مگر شنان نے جواب دیا: میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ جواب سن کر شمر نے جسمگین حالت میں زمین پر بیٹھے ہوئے امام کا سر جدا کر دیا۔

ان روایات کے مطابق جو مختلف انداز میں نقل ہوئی ہیں کسی معین فرد کو امام حسینؑ کا قاتل نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ جس کا ذکر ہوا ہے امام حسینؑ کے قاتل کے بارے میں تین قول نقل ہوئے:

۱۔ خولی بن یزید اصبحی ۲۔ شنان بن انس نخعی ۳۔ شمر بن ذی الجوشن

جبکہ باقر شریف کچھ اور اقوال نقل کرتے ہیں جن کے مطابق بعض قاتل ہیں خود عمر بن سعد قاتل امام

حسینؑ ہے۔ دوسرے ایک قول کے مطابق حسین بن نمیر یا مہاجر بن اوس امام حسینؑ کا قاتل تھا۔ ۲۰ البتہ یہ اقوال ضعیف ہیں جبکہ مشہور ہی تین مذکورہ اقوال ہیں۔ بہر حال خدا ان سب پر لعنت کرے اور مسلسل ان پر اپنا عذاب نازل کرتا رہے اور انھیں ہرگز معاف نہ کرے:

ای اشک ماتمت به رخ ملت آبرو
وی از طفیل خون تو اسلام سرخ رو
دین را تار و زنده کردی و خود گشته گشته ای
وی یافته ز فیض تو دین نبی غلو
گر آب را به روی تو بستند کوفیان
آوردی آب رفته اسلام را به جو
بی پرده اهل بیت تو گشته شتر سوار
لکن نمودی پرده اسلام را رفو
شد گردن تمام جهان بستره پیش تو
آن دم کہ گشت عابد زنجیر بر گلو
در رتبه امامت تو گفتگو نمائد
زینب چہ بایزید لعین کرد گفتگو
جانم ہمیشہ جانب صحرائی کہ بلای است
یارب بر آرانچہ به دل دارم آرزو
گھوڑے نے کیا کیا؟

زیارت ناحیہ مقدسہ میں آیا ہے:

واسرع فرسک شاردالی خیامک قاصداً محمداً کیا، فلما راین النساء جوادک مخزیاً برزن
من الخلدور، ناشرات الشعور، علی الخدود لاطلمات، الوجوه مسافرات، وبالعویل واعبات
وبعد العزم لملات، والی مصر عک مبادرات، والشمر جالس علی صدرک ”آپؑ کا گھوڑا
شتاب خیمہ گاہ کی جانب خبر رسائی کیلئے گریہ کنان رواں ہوا اور جب وہ نے آپؑ کی سواری اس حال
میں دیکھی کہ زین و ہلی ہوئی ہے اور گھوڑا غم سے بے حال ہے تو پروے سے اس طرح جاہر نکل آئیں کہ
ان کے بال پریشان تھے، رخساروں پر ٹھانچے مار رہی تھیں، چہروں کا رنگ پھیکا ہو چکا تھا اور گریہ فغاں
کر رہی تھیں اور عزت و احترام پانے والیاں خوار و پریشان آپؑ کے مقتل کی جانب بڑھیں تو انھوں
نے دیکھا شر آپؑ کے سینے پر بیٹھا ہے۔“

ابن شہر آشوب اور محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں:

امام جوں ہی اس بے کسی کے عالم میں زین سے زمین پر آئے تو اس گھوڑے نے فریاد و فغاں کی
اور اس طرح بے چینی کا اظہار کیا کہ بار بار اپنا سر زمین پر پٹختا تھا یہاں تک کہ کچھ دیر بعد یہ گھوڑا خیمہ
گاہ کے نزدیک اپنی جان دے بیٹھا۔

جلودی سے نقل ہوا ہے، جب امام زین سے زمین پر آئے تو امام کے گھوڑے نے اس قدر چیخ و پکار کیا اور
نہنہ نایا اور اپنا سر زمین پر مارا یہاں تک کہ خیمہ کے قریب مر گیا۔ جلودی سے نقل ہوا ہے جب امام زین پر
آئے گھوڑا امام سے دفاع کرتا رہا، کئی سواروں کو گرایا، کئی پیادوں کو زخمی کیا چنانچہ لکھا ہے چالیس دشمنان

دین کو اس گھوڑے نے قتل کیا اور بالآخر خون امام سے اپنا سر و چہرہ رنگین کیا اور اسی حالت میں اونچی آواز سے نہناتا ہوا، اپنے پیر زمین پر مارتا ہوا خیمہ گاہ کی طرف چل پڑا۔
ابی مخنف سے نقل ہوا ہے، گھوڑا، ہمہ کنال اور نہناتا ہوا خیمہ گاہ کی جانب جارہا تھا اور یہ کہ رہا تھا:
الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابن بنت نبيها "ہائے ستم، ہائے ظلم اس امت نے بنی کے نواسے کو مار دیا۔"

وہاں موجود لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر انتہائی تعجب کا اظہار کیا، انھوں نے دیکھا جب گھوڑا خیمہ گاہ کی جانب روانہ ہوا تو کر بلا کی سرزمین اس کی چیخ و پکار سے گونج رہی تھی جیسے ہی خیموں کے قریب پہنچا حضرت زینبؓ نے حضرت سکینہؓ سے فرمایا: سکینہ اٹھو اپنے بابا کا راستہ قبال کرو۔
حضرت سکینہ خیمہ سے باہر آئیں تو کیا دیکھا کہ زمین کھلا ہوا ہے، گھوڑے کے بال و خون سے رنگین ہیں، لجام بے صاحب ہے اور کھڑا رہا ہے تو تڑپ کر کہا:

واقتيلاه، واحسيناه، واحمده، واعلياه، وافاطمته، واغريته، وابعدسفره، واكرياه ... ۲۱
دوسری روایت میں ہے، جب حضرت ام کلثومؓ نے گھوڑے کو دیکھا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پکاریں:
وامحمداه، واجداه، وانبياه، وابالقاسماه، واعلياه، واجعفره، واحمزه، واحسنه
هذه احسين بالعراء، صريع بكر بلاء، مجزور الرأس من القفاء، مسلوب العمامة والرداء
اور یہ کہتے ہوئے زمین پر گر گئیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ ۲۲

عشق حق از برج زین شد سرنگون
ماء وطن سیماب سان شد بی سکون
ذو الجناح شاہ دین از دود آہ
این سپہر نیلون کردی سیاہ
الظلیمة الظلیمة وردا
برخیام شاہ دین بنهادرو
دختران از یک سو، از یک سوزنان
بر رکاب و بر سش بوسه زنان
پیکرش در زیر بوسه گشت گم
زینب محزون رہ میدان گرفت
بر بلندی شد کہ بیند شاہ را
بوسر نی دید خونین ماه را

منتخب طرحی سے نقل ہوا ہے، جب امام حسینؓ سرزمین کر بلا پر شہید ہو گئے تو امام کی یہ سواری بلند اونچی آواز میں گریہ کر رہی تھی اور وہاں پڑے ہوئے دشمنوں کے لاشوں سے گزر رہی تھی کہ اچانک عمر بن سعد نے اپنے لشکریوں کو آواز دی: اس گھوڑے کو کسی طرح رام کرو اور میرے پاس لے کر آؤ، کیونکہ یہ رسول خداؐ کی سواری ہے۔ ۲۳

چنانچہ اس کے ساتھیوں نے کند ڈالی مگر جوں ہی کوئی نزدیک ہوتا تو گھوڑا اس پر اپنے سمول اور دانتوں سے

حملہ کرتا تا کہ دشمن اس سے دور ہو جائے، یہاں تک کہ اس نے ایک بڑی تعداد کو زمین پر گرگرایا، بہت سے گھوڑ سواروں کو ان کی سواری سمیت واڑ گون کیا بلا آخر مجبور ہو کر عمر بن سعد نے آواز دی: اسے اسکے حال پر چھوڑ دو، تا کہ دیکھیں یہ کیا کرتا ہے؟ اور اس طرح دشمن کی فوج نے اسے چھوڑ دیا۔

بعد ازاں جب امام کے گھوڑے نے خود کو آزاد پایا تو مقتل کا رخ کیا اور وہاں ایک لاشہ پر آہستہ آہستہ گیا جیسا کہ گویا اپنی کھوئی ہوئی کوئی شے تلاش کر رہا ہے کہ اچانک اسے امام حسینؑ کا لاشہ نظر پڑا تو اپنے آقا کو اس حال میں دیکھ کر جسم مبارک کی خوشبو سو گئی پھر اپنے دھان سے جگہ جگہ بدن مبارک پر بوسے دیئے اور اپنی پیشانی کو امام کے بدن اطہر سے مس کرتے ہوئے عجب انداز میں گریہ کیا اور شیشہ کر رہا تھا جو وہاں موجود افراد کیلئے تعجب اور تھا۔ عبد اللہ بن قیس کہتے ہیں:

میں نے اس گھوڑے کو خیمہ گاہ کی جانب اس طرح جاتے ہوئے دیکھا کہ لوگ اسے راستہ دے رہے تھے اور کسی میں جرأت نہیں تھی کہ اس کے نزدیک ہو جاتا، وہ وہاں سے فرات کی جانب گیا اور تیزی سے فرات کی گہرائی میں اترتا چلا گیا، لہذا آج تک کوئی نہ جان سکا کہ وہ کہاں گیا اور اس کا کیا بنا؟ ۲۴

مرحوم استاد شعرانی نفس المہموم کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

اس گھوڑے کا نام ذوالجناح معروف ہے البتہ روضۃ الشہداء کے علاوہ دیگر وہ کتابیں جو آج ہماری دست رسی میں ہیں ان میں یہ نام نہیں ملتا، لیکن یہ بات پہلے بھی عرض کی گئی ہے کہ قدیمی بہت سے کتب ہم تک نہیں پہنچ سکی ہے، لہذا کسی صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کتابوں کے تمام موضوع و مطلب موجودہ کتب میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ ابن ندیم نے اپنی تالیف ”کتاب فہرست“ میں ۱۳۷ھ میں چار ہزار تاریخی کتابوں کے نام قلم بند کئے ہیں جن کے مصنفین معتبر افراد تھے، لیکن آج شاید ان میں سے تیس کتابیں بھی ہماری دسترس میں نہ ہوں، بنا برائیں کسی بات کے عصر حاضر میں نہ ملنے کو کسی طرح انکار کیا جاسکتا ہے، جبکہ ملا حسین کا شفی ایک متبحر عالم دین تھے۔ ابواسحاق اسفرائینی سے منسوب مقتل میں جس کوئی اور معتبر مقتل نہیں اس گھوڑے کا نام میمون لکھا ہے اور کہتا ہے: یہ رسول اللہ کے گھوڑوں میں سے تھا۔ ۲۵

مقتل مقرر میں آیا ہے:

جب یہ گھوڑ اور خیمہ پر آیا تو عقیلہ بنی ہاشم حضرت زینبؑ امام حسینؑ کی قتل گاہ کی جانب بڑھیں، جہاں آپؑ نے عمر بن سعد کو اپنے لشکر کے ہمراہ اس حال میں کھڑا دیکھا کہ امام حسینؑ جان دے رہے تھے تو اسے پکار کر کہا:

ای عمر بن سعد ایقتل ابو عبد اللہ وانت تنظروا لہ عمر بن سعد کے لشک جاری ہوئے، مگر اس نے رخ موڑ لیا۔ جب جواب نہ پایا لشکر سے خطاب فرمایا: و یحکم امافیکم مسلم... (تا آخر)
چنانچہ ان قرآن سے معلوم ہوتا ہے امام حسینؑ کے گھوڑے کا خیمہ گاہ پر آنا شہادت امام کے بعد نہیں بلکہ پہلے تھا... واللہ اعلم

امام کے لباس کو بھی لوٹ لیا
لشکر یزید کی پستی و رزالت کا یہ عالم تھا کہ امام حسینؑ کے سر اقدس کو جدا کرنے کے فوراً بعد، آپؑ کے ہتھیار اور لباس تن کو جدا کرنے کے درپے ہوئے، چنانچہ اہل تاریخ کا بیان ہے امام حسینؑ کے پیرا بن کو اسحاق بن حیوہ حضرمی نامی نامی ایک شخص نے لوٹا مگر جوں ہی اس بے شرم نے اسے پہنا تو بلافاصلہ اسے کوڑھ کا مرض لاحق ہوا اور سر کے بال گرنے لگے، حدیث میں ہے اس گرتے پر ایک سو دس نیزوں تلواروں اور تیروں کے نشان موجود تھے۔

اور امام کا پا جامہ ابجر بن کعب تمیمی نے لوٹا، چنانچہ اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ زمین گیر ہوا اور اس کے پیرا اس طرح خشک ہوئے کہ وہ بل بھی نہیں سکتا تھا۔ حضرت کا عمامہ انھن بن مرثد یا ایک روایت کے مطابق جابر بن یزید نے لوٹا مگر جوں ہی اس نے اپنے سر پر باندھا دیوانہ ہو گیا۔ حضرتؑ کی نعلین پاک اسود بن خالد نے لوٹیں اور انگٹھی بجدل بن سلیم نے اس بے رحمی سے اتاری کہ نہ اترنے پر حضرتؑ کی انگشت مبارک کاٹ ڈالی۔ تاریخ کا بیان ہے، جب مختار ثقفی کے حکم سے اسے گرفتار کیا گیا تو اسکے ہاتھ پیر کاٹ کر یوں ہی چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہو۔ حضرتؑ کی زرہ عمر بن سعد نے قبضائی، مگر مختار ثقفی کے حکم سے جس نے عمر بن سعد کو قتل کیا وہ زرہ اسے بخشی گئی۔ اور حضرتؑ کی تلوار جمع بن خلیق یا اسود بن حنظلہ نے لوٹی (البتہ یہ تلوار زوال فقار نہیں تھی اور نہ ہی وہ انگشت جیسے بجدل نے اتارا رسول اللہؐ کی مخصوص انگشت تھی جو انبیاء کرام کی میراث کے طور پر آنے کے اختیار میں رہی کیونکہ اس مطلب پر امام صادقؑ کی ایک حدیث میں صراحت پائی جاتی ہے۔) حتی بعض روایات اور زیارت ناموں کے مطابق بدن اطہر پر جو تھا اسے تار لیا گیا من جملہ زیارت مقدسہ ناحیہ میں یہ جملات پائے جاتے ہیں:

... السلام علی المقطوع الوتین، السلام علی المحامی بلامعین، السلام علی الشیب الخضیب

، السلام علی الخد الثریب، السلام علی البدن السلیب، السلام علی الثغر المقروع بالقضیب ...

اس جاناگدا تحریری حصے کو نیز تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار (کہ جن کے بارے میں ایک دانشور کا قول ہے کہ باری و عربی میں لکھے گئے امام حسینؑ کے مراثی میں ان اشعار سے زیادہ وقت آمیز اور منظم شاعر کم دیکھنے میں آئے ہیں) پر ختم کرتے ہیں:

بی تو عالم همه ماتمکده تالفخه صور
ای سرت سرتا الله و سنان نخله طور
کہ پس از قتل جو تو منسوخ شد آیین سرور
وای اگر طعنه به قرآن زند، انجیل و زیور
میزبان خفته به کاخ اندرو مهمان به تنور
یا کہ دیدہ است به مشکاة تنور آیه نور
در صف مایہ از یاد بشد شیون و شور
حوریان دست به گیسو پریشان ز قصور
دست حسرت به دل از صبر تو آیوب صبور
آہوان حرم از و اہمہ در شیون و شور
شمر سرشار تمنّا و تو سر گرم حضور

ای ز داغ توروان خون دل از دیدنہ حور
به تماشا ی تجلای تو مدهوش کلیم
دیدہ ہما گوہہ دریا شو و دریا ہمہ خون
دیو ترسا و سر سبط رسول مدنی
تاجہان باشد و بودہ است کہ دادہ است نشان
سربی تن کہ شنیدہ است بہ لب آیہ کہف
جان فدای تو کہ اس حالت جانبازی تو
قدسیان سر بہ گریبان بہ حجاب ملکوت
غرق دریای تحیر ز لب خشک تو نوح
کوفیان دست بہ تاراج حرم کردہ دراز
انیامحو تماشا و ملائک مہوت

تاراجی خیام اور جو کچھ عورتوں اور بچوں کے پاس تھا غارت کر لیا
ابوریحان بیردنی سے نقل ہوا ہے کہ کتاب آثار الباقیہ میں آیا ہے:

ان لوگوں نے حسینؑ کے ساتھ وہ کیا جو کسی قوم نے اپنے بُرے لوگوں کے ساتھ بھی نہ کیا ہوگا حسینؑ کو
قتل کرنا، تلواروں، نیزوں اور پتھروں کا استعمال، گھوڑوں کے سوں سے اجساد کی پامالی اور تاراج کرنا و
غیرہ۔ ۲۶

بے شک انسان جب تاریخ کر بلا کو پڑھتا ہے تو ابوریحان بیردنی کی گفتار اس پر بخوبی روشن ہو جاتی
ہے، چنانچہ ارباب مقاتل لکھتے ہیں:

امام حسینؑ کے سر اقدس کو جدا کرنے کے بعد خیموں کو آگ لگا دی، جو کچھ خیموں میں نظر آیا اسے
تاراج کرنے لگے، لباسوں، چادریں، مخدرات کے زیورات، بچوں کے لباس حتیٰ گوشوارے اور
بچوں کے خلیخال زبردستی اتار رہے تھے۔

حمید بن مسلم راوی ہے:

میں دیکھ رہا تھا ان مکرمہ خواتین میں سے ایک طاہرہ خاتون کو ان بے شرموں کو چادروں پر کشمکش کر
رہی تھی اور بلا آخر وہ ظالم چادریں اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ ۲۷

مقتل مقرر میں ملتا ہے:

ایک ظالم نے ام کلثومؑ کا گوشوارہ ایسے کھینچا کہ کان کی لو پھٹ گئی ایک اور بے رحم نے جب فاطمہ
بنت الحسینؑ کے خلیخال چھنے تو رونے لگا۔

فاطمہؑ نے پوچھا کیوں رورہے ہو؟ تو کہا اس لئے رورہا ہوں کہ میں رسول خداؐ کی بیٹیوں کو لوٹ رہا ہوں۔ فاطمہؑ نے فرمایا: پھر لوٹ کیوں رہا ہے؟

تو کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی اور نہ لے جائے!

میں نے یہ بھی دیکھا کہ ایک شخص عورتوں کو نیزوں ان پر مار رہا تھا اور وہ عورتیں ایک دوسرے کا سہارا لے رہی تھیں اس نے ان سے چادر نقاب اور دیگر جو کچھ تھا چھین لیا۔ اسی لوٹ مار میں ایک شخص نے فاطمہ بنت الحسینؑ کو دیکھا اور ان کی طرف لوٹنے کی غرض سے بڑھا تو وہ گریز اس ہوئیں مگر اس ظالم نے نیزے سے حملہ کیا، فاطمہؑ بے ہوش ہو کر زمین پر گریں اور جب ہوش آیا تو ام کلثومؑ کو اپنے سرہا نے پایا جو گریہ کر رہی تھی۔ ۲۸

اس حد تک ظلم روارکھا گیا کہ ایک عورت نے جو اپنے شوہر کے ہمراہ لشکر عمر بن سعدؓ میں موجود تھی جب یہ منظر دیکھا تو میدان میں نکل آئی اور پکار کر اپنے لشکر سے کہا:

یا آل بکر بن وائل اتسلب بنات رسول اللہ الاحکم الا اللہ بالظارات رسول اللہ

”اے خاندان بکر بن وائل! کیا رسول اللہ کی بیٹیوں کو بھی لوٹا روا ہے؟ (مگر) اے خون رسول اللہ کے حق دارو خدا کے حکم پر کوئی حکم نہیں!“

یہ سن کر اس کا شوہر نزدیک آیا اور اسے خیمہ میں لے گیا۔

فقط خدا ہی جانتا ہے کہ ان عقیفہ اور معصومہ خواتین اور بچوں پر کیا گزری اور ان اسیروں کی قافلہ سالار زینبؑ نے کیا کیا دیکھا اور کیا کیا برداشت تحمل کیا؟ کیونکہ کسی قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس خونبار منظر کی عکاسی تحریری صورت میں پیش کر سکے۔

بہر حال اس دل سوختہ شاعر نے اس حال کو یوں نظم کیا ہے:

سوی خرگہ سپہ غارتگر آمد	جو کار شاہ و لشکر بر سر آمد
بہ یغمافرت میراث نبوت	بہ دست آن گروہ بی مروت
فتاد اندر کف آن قوم گمراہ	ہر آن چیزی کہ بددر خرگہ شاہ
کہ سوزانید و دوش مہر و مہ را	زدند آتش همه آن خیمہ گہ را
ہمی شد تباہ خیمہ شایمار	بہ خرگہ شد محیط آن شعلہ نار
نمودی دست و پای خویش گم	بستول دو بین شد در تلاطم
دل از آن غصہ اش در پای خون شد	گہی در خیمہ و گاہی برون شد
کہ تصویرش زدہ آتش بہ جانم	من از تحریر این گم ناتوانم
در این معنی بگفت ان شعر نیکو	مگر آن عارف پاکیزہ نیرو

وگر غم اندکی بودی چه بودی

اگر دردم یکی بودی چه بودی

حمید بن مسلم اور دوسرے راویوں سے نقل ہوا ہے:

وہ پست فطرت اور بے شرم لوگ خيام امام حسين کی لوٹ مار کے بعد ان خيام کو آگ لگاتے ہوئے امام زین العابدینؑ جو اس وقت مریض تھے کہ خیمے پر پہنچے تو اس وقت شریابہ روایت ایک دوسرے ظالم نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔

حمید بن مسلم کہتا ہے میں نے کہا: سبحان الله کیا بیمار کو بھی مارو گے؟ ورنہ لمباہ اس کی بیماری ہی اس کیلئے بہت ہے اور اس طرح میں ان کے قتل میں مانع بنا۔

اخبار الدول قرمانی سے نقل کرتے ہیں:

شمر نے امام سجادؑ کے قتل کا ارادہ کیا تو زینب سائے آگئیں اور فرمایا:

اے شمر اگر اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر۔

شمر نے یہ سن کر قتل کرنے سے گریز کیا۔

ارشاد شیخ مفید میں آیا ہے:

عمر بن سعد خيام کے نزدیک آیا خواتین نے اسے دیکھ کر گریہ شروع کیا اس پر عمر بن سعد نے حکم دیا کہ اب کوئی ان کے خیموں میں داخل نہ ہو اور نہ ہی کوئی اس بیمار سے معترض ہو، خواتین نے یہ دیکھا تو عمر بن سعد سے کہا:

اے ابن سعد! ہماری چادریں بھی لوٹا دی جائیں، ابن سعد نے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہا: جس نے جو لوٹا ہے واپس کرو۔

حمید بن مسلم کہتا ہے: قسم بخدا کسی ایک شخص نے بھی جو لوٹا تھا واپس نہ کیا۔ (اور اس کی بات پر اعتنا نہ کیا)

پس عمر بن سعد نے انہی میں سے چند نفری دستے کو سر خيام کھڑا کیا، تاکہ دوبارہ کوئی بے حرمتی نہ کرے۔

بہر حال اس جانگداز موضوع کو ان اشعار کے ساتھ ختم کرتے ہیں:

گیرم کہ نور دیدنہ خیر الناس نبود

گیرم حسین سبط رسول خدا نبود

آخر ز مہر بوسہ گہ مصطفیٰ نبود

گیرم نبو ذسیئہ او مخزن علوم

بر ہیج کافر این ہمہ علوان روان بود

گیرم بہ زعم نسل زنا، بود کافری

گیرم حریم کبریا نبود

گیرم نبو دعترب او عترت رسول

گیرم کہ خیمہ خیمہ آل عیا نبود

آتش بر آشیانہ مرغی ز ند

بدن مطہر کو سم اسپاں سے پامال کیا گیا

طبری اور دوسرے ہر باب تاریخ نے لکھا ہے:

جب عمر بن سعدوں کے خیمہ گاہ ہو کر اپنے لشکر میں آیا تو انھیں مخاطب کر کے کہنا:

مَنْ يَسْتَدْبِرُ لِلْحُسَيْنِ فَيُطِىءُ الْخَيْلَ صَدْرَهُ وَظَهْرَهُ؟ كَوْنُ هُوَ جَوْسِيسٍ كَے بارے میں میرے

دستور پر عمل کرے اور اپنے گھوڑے سے اس کے بدن کو پامال کر کے آئے؟

یہ سن کر دس ایسے پست فطرت افراد باہر آئے جو اس انتہائی ظالمانہ دستور پر عمل کرنے کیلئے آمادہ تھے،

چنانچہ تاریخ نے ان کے یہ نقل کئے ہیں: اسحاق بن حیوۃ (یہ وہی ظالم ہے جس نے امام کا پیراہن لوٹا تھا)

انص بن مرشد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، صیداوی رجا، بن منقذ عبدی، سالم بن خیشمہ جعفی، واخط

بن ناغم، صالح بن وہب جعفی، ہانی بن ثبیت حضرمی، اسید بن مالک، (لعنہم اللہ فی الدارین) اور اس

طرح یہ لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور امام حسین کے لاشے کو پامال کرنا شروع کیا۔

راوی کہتا ہے، یہ دس افراد جب کوفہ پہنچے تو ان میں سے اسید بن مالک نے عبید اللہ بن زیاد سے کہا:

نحن رضنا الصدر بعد الظهر بکل یعوب شدید الامر

”ہم ہیں جنھوں نے اپنے بھاری بھر کم گھوڑوں کے سخت سمنوں سے حسین کا لاشہ پامال کیا۔“

عبید اللہ نے یہ سن کر بہت ہی معمولی سا انعام دیا اور ابو عمر زاہد سے نقل ہوا ہے، ہم نے ان دس افراد کے

نسب تلاش کئے تو معلوم ہوا کہ یہ سب حرام زادے اور ولد الزنا تھے۔ جب مختار ثقفی نے قیام کیا تو ان دس

افراد کو کر کے ان کے ہاتھ پیر باندھنے کا حکم دیا اور دستور دیا کہ ان کے بدن پر گھوڑے دوڑائے جائیں اور

ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ وہ اصل جہنم ہوئے۔

وصال شیرازی کہتے ہیں:

کہ تابرون نکند خصم بدمش ز تنش

لباس کھنہ بیو شیلزیر پیر ہنش

تنی نماند کہ پوشد جامہ یا کفنش

لباس کھنہ چہ حاجت کہ زیر سم سور

کز ان توان بہ پلر بر دیوی پیر ہنش

نہ جسم یوسف زہر اچنان لگد کوب است

مگو کہ روح قدس ساخت حرفی از دہنش

دھا کجا کہ نماید تلاوت قرآن

لباس کسی بود اورا کہ پارہ شد بدنش

کہ گفت از تن او خصم بر کشید لباس

عرب شاعریوں کہتے ہیں:

ومشہلہامن اصلہ تسولد

وائی شہید اصلت الشمس جسمہ

وفرسا نہامن ذکرہ تنجد

وائی ذبیح داست الکیل صدرہ

کفر آنہ فی سبطہ متجد

الم تک تدری ان روح محمد

لثارت علی فرسانہا و تمرّدت

ماتہم ثار و ابہا و تمرّدوا

”وہ شہید کون ہے جس کا بدن اس سورج نے گم کر دیا جو خود اس شہید کے جد کی وجہ سے خلق ہوا، وہ شہید کون ہے جس کے بدن کو گھوڑوں نے پامال کیا، جبکہ ان کے سوار اس کے نام سے ڈرتے تھے، کیا جانتے ہو روح رسول اللہ اور روح قرآن ان فرزند حسین میں موجود ہے، اگر گھوڑے جان لیتے کہ ان کے کم رسول خدا پر پڑ رہے ہیں تو وہ اپنے سواروں کو گرا کر ان پر یہ پیر مارتے۔“

مصباح کفعمی میں روایت ہے، سیکندہ بنت الحسین فرماتی ہیں:

جب میرے بابا شہید ہو گئے تو میں ان سے پلٹ کر رو رہی تھی کہ اسی حالت میں مجھے غش آ گیا تو اس وقت میں نے بابا کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

اوسمعت بغریب اوشہید فاندبونى

شیعی ما ان شریتم رى عذب فاذا کرونى

”اے میرے شیعوں جب ٹھنڈا پانی پیو تو مجھے یاد رکھنا، اور اگر کبھی غریب یا شہید کا ذکر ہو تو مجھ پر گریہ کرنا۔“

پس میں فوراً روتی ہوئی لاشہ پدر سے جدا ہوئی اور اپنے سرو صورت پر طمانچے مار رہی کہ اچانک حاتف کی آواز آئی:

بلموع غزيرة ودماء

بکت الارض والسماء علیہ

بین غوغاء امة ادعیاء

یہکیان المقتول فی کربلاء

عین ابکی الممنوع شرب الماء

منع الماء وهو منع قریب

”زمین و آسمان نے اس پر آنسو اور خون بہایا ہے، یہ دونوں اس پر رو رہے ہیں جسے کربلا میں ان پست فطرت اور مجہول المنہ انسانوں نے قتل کر دیا اور اسے پانی سے محروم رکھا درحالیکہ وہ فرات کے نزدیک تھا، اے میری آنکھ اس پر گریہ کر جسے پیسا سا مار دیا گیا۔“

وقت شہادت امام کا سین مبارک

شیخ مفید اور دیگر شیعہ و سنی علماء کا بیان ہے، وقت شہادت امام حسین کی عمر بنابر مشہور اٹھارہ سال تھی البتہ اور اقوال بھی پائے جاتے ہیں مگر مشہور یہی مذکورہ قول ہے۔ ۲۹ اور جیسا کہ ذکر ہو چکا سال شہادت ۶۱ھ تھا۔

امام حسین کے ساتھیوں میں کچھ زندہ رہے

یہ جاننا بھی بہتر ہے، اہل تاریخ کے مطابق کربلا میں امام حسین کے ساتھ آنے والے چند اعوان و انصار ایسے تھے جو واقعہ کے بعد تک زندہ رہے، وہ یہ تھے:

۱۔ عقبہ بن سمعان جو جناب رباب بنت امری القیس یعنی امام حسین کی زوجہ محترمہ کے غلام تھے جنہیں

اسیر بنا کر عمر بن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ان سے پوچھا تو کون ہے؟ انھوں نے

جواب دیا: میں ایک غلام ہے اس نے یہ سن کر انھیں آزاد کر دیا۔

۲۔ مرقع بن قلمہ، انھیں بھی اسیر بنالیا گیا تھا پھر جب ان کے قبیلے والوں نے عمر بن سعد سے ان کیلئے امان مانگی تو ابن سعد نے انھیں پسر زیادہ تک پہنچا دیا اور سارا ماجرا انکے بارے میں بیان کیا تو عبید اللہ ابن زیاد نے انھیں بحرین ملک بدر کر دیا چنانچہ یہ اسی جگہ سکونت پذیر ہوئے۔

۳۔ مسلم بن ریح، یہ امام کے ساتھ آیا اور کربلا میں امام کی خدمت و دیکھ بال کا فریضہ انجام دیتا تھا مگر حضرت کی شہادت کے بعد وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوا، چنانچہ اس نے کربلا کی کچھ واقعات کو نقل کیا ہے۔

۴۔ حسن بن الحسن، اس سے قبل بھی روز عاشورا کے واقعات اور فرزند ان امام حسن کے واقعات میں ذکر ہو چکا انھیں زخمی حالت میں اسیر کیا گیا مگر اسماء بن خارجہ فزاری کے وساطت سے جن کی ان سے رشتہ داری تھی ابن سعد کے لشکر میں قتل نہ ہوئے اور انھیں معالجہ کیلئے کوفہ لایا گیا اور بعد میں مدینہ پہنچے۔

۵، ۶، ۷، ۸۔ عمر بن الحسن، قاسم بن عبد اللہ، محمد بن عقیل اور زید بن الحسن کے بارے میں بھی بعض اہل تاریخ کا کہنا ہے کہ یہ کربلا میں موجود تھے مگر شہید نہ ہوئے۔

اس حصے کا تتمہ

امام حسین کی اولاد اور ازواج

واقعہ کربلا کی عظمت، اس تاریخی قیام کی آفاقیت اور شہادت امام حسین کے وسیع تر فلسفہ نے تمام تاریخ نویسوں اور روایان حدیث کو اتنا معروف رکھا کہ انھوں نے حضرت کی اولاد و ازواج کے بارے میں بہت کم تحقیق پیش کی حتیٰ بعض بزرگ و معتبر محدثین من جملہ ابن شہر آشوب اور علی بن عیسیٰ اربلی جیسے بزرگوں کا بیان (جسے گزشتہ صفحات پر جناب علی بن الحسین کے ذکر شہادت میں عرض کیا گیا) بھی ابہام آور ہے، لہذا وہ پوری طرح قابل استنادہ نہیں۔ بہر حال اس مقام پر بھی ان بزرگوں کے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی بضاعت و فہم کے مطابق تحقیق پیش کریں گے۔

الف۔ شیخ مفید متوفی ۴۱۳ھ اپنی کتاب ارشاد میں فرماتے ہیں:

امام حسین کی بیچھے اولاد تھی:

۱۔ علی بن الحسین اکبر کہ جن کی کنیت ابو محمد اور والدہ کا اسم گرامی شاہ زنان یزدجرد تھا جو شاہ ایران کی دختر تھیں۔

۲۔ علی بن الحسین اصغر جو کربلا میں اپنے والد کے ساتھ شہید ہوئے اور ان کی والدہ گرامی لیلیٰ بنت ابی مرزہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔

۳۔ جعفر بن الحسین جبکہ کوئی اولاد نہ تھی، ان کی والدہ قبیلہ قضاۃ کی ایک خاتون تھیں اور جعفر اپنے والد گرامی امام حسین کی ظاہری حیات ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

۴۔ عبداللہ بن الحسین شیر خوار جو کہ کربلا میں شہید ہوئے شہید ہوئے۔

۵۔ سکیکہ بنت الحسین جن کی اور عبداللہ بن الحسین کی والدہ حضرت رباب بنت امری القیس بن عدی کلابی تھیں۔

۶۔ فاطمہ بنت الحسین جن کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تھیں۔ ۲۰

شیخ طبری (متوفی ۵۲۸ھ) بھی اپنی کتاب اعلام الوری میں تقریباً اسی قول کو انتخاب کرتے ہیں۔ ۲۱
ب۔ ابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ) اپنی مناقب میں امام حسین کا شرح حال تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام حسین کے بیٹوں کے نام یہ تھے:

علی اکبر شہید جن کی والدہ بڑہ ۳۲ بنت عروہ بن مسعود ثقفی ہیں، علی امام (علی اوسط) اور علی اصغر کہ جن دونوں کی والدہ شہر بانو ہیں، محمد اور عبداللہ شہید کہ ان دونوں کی والدہ رباب بنت امری القیس ہیں اور جناب جعفر جن کی والدہ قبیلہ قضاۃ کی ہے۔ اسی طرح امام حسین کی بیٹیوں میں سکیکہ جن کی والدہ رباب بنت امری القیس ہیں اور فاطمہ کہ جن کی والدہ ام اسحاق بنت طلحہ اور زینب بنت الحسین کے نام نقل ہوئے ہیں۔ ۳۳

ابن شہر آشوب ایک اور مقام پر امام سجاد کے حالات نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کتاب بدع و کتاب شرح اخبار کے مؤلفین کا بیان ہے، امام حسین کی اولاد جناب علی اکبر سے چلی جو اپنے بابا کے بعد قید حیات میں رہے اور وہ علی جو کہ کربلا میں شہید ہوئے علی اصغر تھے اور یہی نظریہ قابل اعتماد بھی ہے، کیونکہ علی اکبر بن الحسین زین العابدین کربلا میں تیس سال کی عمر رکھتے تھے، جبکہ آپ کے فرزند امام باقرؑ وہاں پندرہ سال کی عمر رکھتے تھے اور علی اصغر جو کہ کربلا میں شہید ہوئے وہ بارہ سال کا سن رکھتے تھے۔ اسی طرح زید یہ بھی قائل ہیں امام حسین کی نسل جناب علی اصغر سے چلی جو کہ کربلا میں سات سال کے تھے، جبکہ بعض محققین کا بیان ہے وہ کربلا میں چار سال کے تھے اور اہل نسب نے بھی اسی نظریہ کو قبول کیا ہے۔ ۳۴

ج۔ علی بن الحسین اربلی متوفی ۶۲۳ھ اپنی کتاب کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کمال الدین کا بیان ہے:

امام حسین کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ علی اکبر، علی اوسط (امام زین العابدین)، علی اصغر، محمد، عبداللہ اور جعفر جو کہ جن میں سے علی اکبر، علی اصغر اور عبداللہ کربلا میں اپنے بابا کے ساتھ شہید ہوئے اور بیٹیوں

میں حضرت زینب، جناب سکینہ، جناب فاطمہ وغیرہ کے نام نقل ہوئے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے: چوتھی بیٹی کا نام نقل نہیں کیا، جس کی جانب خود علی بن عیسیٰ اربلی متوجہ تھے اور عبد العزیز حافظ جہانزی سے روایت کرتے ہیں، امام حسینؑ کی چھ اولاد تھی جن میں چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں اور بیٹوں کے ذکر میں فقط لکھتے ہیں: وہ علی اکبر علی اصغر تھے اور اسی طرح بیٹیوں میں فقط حضرت سکینہ اور حضرت فاطمہ کا نقل کرتے ہیں۔ پھر مؤلف مذکور شیخ مفیدؒ کا کلام نقل کرتے ہیں: (جو شیخ مفید کی کتاب ارشاد سے کھلا اختلاف رکھتا ہے) اور آخر میں لکھتے ہیں:

شیخ مفیدؒ اور حافظ جہانزی کے اقوال کے مطابق امام حسینؑ کے دو فرزند تھے کہ جن دونوں کا نام علی تھے، جبکہ مشہور یہ ہے اس نام سے امام کے تین بیٹے تھے اور حضرتؑ کی تمام نسل امام زین العابدینؑ سے چلی۔ ۳۵ یا قوت حموی اپنی کتاب معجم البلدان میں شام کے ایک شہر ”حلب“ کی توصیف کرتے ہوئے کہتے ہیں اس شہر کے مغرب میں کوہ جوشن کے دامن میں محسن بن الحسینؑ کی قبر ہے جو عراق سے شام جاتے ہوئے اسیروں کی گزر گاہ تھی اور یہ بچہ شاید وہاں شہید ہوا ہے۔ (یا پھر سقط شدہ بچہ ہے جسے دفن کر دیا گیا ہے)۔ ۳۶ جیسا کہ ان محدثین اور بزرگان دین کے کلمات سے یہی روشن ہوتا ہے امام حسینؑ کے بعد سلسلہ امامت آپؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ سے چلا (البتہ حضرت کی زندگانی پر مشتمل ایک کتاب پیش کریں گے) اور دوسرے بیٹے یا اپنے بابا کے ساتھ کر بلا میں شہید ہوئے یا پھر (جعفر بن الحسین) حیات پدری میں انتقال کر گئے اور مشہور قول کی بناء پر حضرت کی دو بیٹیاں جناب فاطمہ اور جناب سکینہ تھیں۔

حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ

فاطمہ بنت الحسینؑ اسلام کی ایک با عظمت اور صاحب فضیلت خاتون ہیں۔ شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں حسن کی وجہ سے انھیں حور العین کہا جاتا تھا۔ ۳۷ یہ وہی محترمہ خاتون ہیں جن سے ایک روایت کے مطابق امام حسینؑ نے روز عاشورہ اپنی آخر وصیتیں فرمائیں اور انھیں ہی سے فرمایا: امام زین العابدینؑ تک امامت کے ودائع اور وصیتیں منتقل کریں، چنانچہ اصول کافی اور بصائر الدرجات میں سلسلہ سند کے ساتھ ابی الجارود امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں:

جب امام کا وقت شہادت آیا تو آپؑ نے بڑی بیٹی جناب فاطمہ کو بلا کر ایک تہ (لپٹا) شدہ خط دیا اور اپنے ظاہری و باطنی امور کی وصیت فرمائی، کیونکہ اس وقت امام زین العابدینؑ ایسے سخت مریض تھے کہ افاقہ کی امید نہ تھی۔ پس فاطمہ بنت الحسینؑ نے وہ نامہ امام زین العابدینؑ کے سپرد کیا جو ہم تک پہنچا ہے۔

ابی الجارود کہتے ہیں: میں نے عرض کی اس نامے میں کیا تحریر تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: قسم بخدا اس میں اولاد آدم کی ضروریات جو قیامت تک پیش آئیں گی درج ہیں۔ ۳۸

البتہ امام حسینؑ کی وصیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، آپؑ نے کس سے وصیت فرمائی، چنانچہ ایک قول مندرجہ بالا ہے اور ایک قول کے مطابق ام سلمہ سے وصیت فرمائی اور تیسرے قول کے مطابق حضرت زینبؑ سے اپنی وصیت فرمائی۔ ۳۹

علماء اہل سنت نے بھی فاطمہ بنت الحسینؑ کے باب میں فضائل و مناقب پر مشتمل بہت کچھ لکھ ہے مثلاً ابن حجر، تہذیب التہذیب میں ۴۰ اور سنن ترمذی، ابی داؤد و نسائی اور ابن ماجہ ان سے کئی روایات نقل کرتے ہیں۔ یافعی مرآت الجنان میں حضرت فاطمہ کی وفات ۱۱۰ھ ق میں لکھی ہے، ۴۱ جبکہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں فاطمہ کی عمر تقریباً نوے سال ذکر کی ہے۔ ۴۲ اسی طرح ابن سعد اپنی کتاب طبقات اور ابن عساکر نے شذرات میں، طبری نے اپنی کتاب تاریخ میں اور دیگر بہت سے علماء اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں فاطمہ بنت الحسینؑ کے بہت زیادہ فضائل و کمالات نقل کئے ہیں۔ ۴۳

عقد فاطمہ بنت الحسینؑ کے بارے میں ابوالفرج اپنی کتاب اغانی میں مستند روایت نقل کرتے ہیں: جس میں حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (حسن ثانی) اپنے چچا امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے فاطمہ بنت الحسینؑ کی خواستگاری کریں۔ حضرتؑ نے فرمایا: مجھے تم سے یہی انتظار تھا اور ہاتھ پکڑ کر انھیں اندرون خانہ لے گئے اور فرمایا: میری ان دو بیٹیوں یعنی فاطمہ اور سکینہ میں سے جسے چاہو انتخاب کر لو تو حسن ثانی نے فاطمہ کو انتخاب کیا، جبکہ ایک روایت کے مطابق شرم مانع ہوئی، لہذا گردن جھکا دی اور چچا کو جواب نہ دیا تب حضرتؑ نے خود اپنی بیٹی فاطمہ کو ان کیلئے انتخاب کیا اور فرمایا: میری یہ بیٹی میری مادر گرامی فاطمہ زہراءؑ سے زیادہ شباہت رکھتی ہے اور اس طرح امام حسینؑ فاطمہ کو حسن ثانی کے عقد میں لائے۔ ۴۴

ارشاد شیخ مفیدؒ میں بھی اسی قول کو انتخاب کرتے ہوئے مزید لکھا ہے:

حسن ثانی پچیس سالہ عمر میں اس دار فانی کو وداع کہا اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت الحسینؑ نے اپنے شوہر کی قبر پر خیمہ نصب کروایا اور ایک سال تک اس میں معتکف رہیں وہ دن میں روزہ رکھتی تھیں اور راتوں کو عبادت میں مشغول رہتیں اور ایک سال تمام ہونے کے بعد انھوں نے وہاں سے خیمہ ہٹوایا۔ ۴۵

منتخب التواریخ میں آیا ہے:

فاطمہ بنت الحسینؑ کے وطن مبارک حسن ثانی کے تین بیٹے دنیا میں آئے، چنانچہ ان میں سے ایک بیٹے کا نام عبداللہ بن محض دوسرے ابراہیم الغموز اور تیسرے بیٹے کا نام حسن مثلث تھا، جبکہ ابی نصر بخاری سے نقل ہوا ہے حسن ثانی کے ان تین بیٹوں کے علاوہ فاطمہ کے وطن سے دو بیٹیاں بنام زینب و ام کلثوم بھی تھیں۔ ۴۶

جیسا کہ چند صفحات قبل ذکر ہوا حسن شہی اپنی زوجہ فاطمہ بنت الحسین کے ہمراہ واقعہ کربلا میں تھے اور زخموں سے چور بے ہوش ہونے کے سبب دشمنوں کے ہاتھوں اٹھالیے گئے وہ کوفہ لے گئے وہاں ان کا مداوا ہوا اور اس طرح صحت یاب ہو کر واپس مدینہ چلے گئے۔ انہی فاطمہ بنت الحسین سے روز عاشورا کے واقعات میں روایت ہے:

میں درخیمہ پر کھڑی اپنے بابا، بھائی عزیز و اقارب اور بابا کے انصار کے لاشے دیکھ رہی تھی کہ ان پر گھوڑے دوڑائے جا رہے ہیں اور کھڑے سوچ رہی تھی کہ یہ ظالم ہمارے ساتھ اب کیا کریں گے، کیا یہ لوگ ہمیں بھی مار ڈالیں گے یا اسیر بنائیں گے۔ اسی عالم میں ایک سوار کو دیکھا جو اپنے نیزے کی آئی سے خواتین کی چادریں اتار رہا ہے، ان کے دست بند، غنچال اور گوشوارے حتیٰ جو تھا وہ لوٹ رہا ہے اور وہ خواتین ایک دوسرے کی پناہ لے رہی ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں:

واجده! وابسه، واعلیٰہ واقفلہ! نصراہ عوا حسناہ ...! کیا یہاں کوئی نہیں جو ہمیں پناہ دے، کیا یہاں کوئی نہیں جو ہمارے دشمن کو ہم سے دور کرے یہ وہ وقت تھا جب میرا دم سینے میں اٹکا ہوا تھا اور لرز اور اندام تھی اس خوف سے کہ دشمن کہیں میری سمت نہ آ جائے پھوپھی اماں جناب ام کلثوم کو تلاش کر رہی تھی، مگر اسی عالم میں وہ سوار میری جانب پڑھا تو میں نے خود کو محفوظ رکھنے کیلئے وہاں سے گریز اختیار کیا، لیکن وہ سوار تھا اور میں پیادہ اس نے میرے شانوں کے درمیان نیزہ مارا تو میں بے ہوش ہو کر زمین پر گری، اس نے پہلے میرے سر سے چادر اتاری پھر گوشوارے اتارے اور مجھے اس حال میں سر سے خون بہہ رہا تھا زمین پر گرا کر فرار ہو گیا اور جب میں ہوش میں آئی تو پھوپھی جان ام کلثوم کو دیکھا جو میرے سر ہانے کھڑی گریہ کر رہی تھی مجھے ہوش میں آتا دیکھ کر فرمایا: اٹھو فاطمہ چل کر دیکھیں ان خواتین اور تیرے بیمار بھائی پر کیا گزری؟ میں نے زمین سے اٹھ کر کہا: پھوپھی جان کیا کوئی کپڑا ہے جس سے اپنا سر چھپاؤں۔ پھوپھی نے فرمایا:

یا بنسائہ وعنک مظلک! میری بیٹی تیری پھوپھی کا حال بھی تجھ جیسا ہے میں نے تب دیکھا کہ ان کا سر بھی برہنہ ہے اور بدن نازین دشمن کے تازیانوں سے نیل گون اور سیاہ ہو رہا ہے اور ابھی ہم خیموں تک نہ پہنچے تھے کہ جو کچھ ان میں تھا وہ سب لٹ چکا تھا اور میرا بیمار بھائی منہ کے بل زمین پر نڈھال پڑا تھا اور اس میں شدت پیاس اور بیماری کی وجہ سے ہلنے تک کی سکت نہ تھی وہ ہمیں دیکھ کر رہے تھے اور ہم انھیں دیکھ کر۔

کوفہ میں حضرت فاطمہ کا خطبہ

احتجاج طبری اور سید ابن طاووس کی کتاب لہوف میں امام موسیٰ بن جعفر سے اور امام اپنے آباء و اجداد سے

نقل کرتے ہیں جب اسیرانِ کربلا شہرِ کوفہ میں داخل ہوئے تو فاطمہ بنتِ الحسینؑ نے فصاحت و بلاغت سے بھرپور خطبہ ارشاد فرمایا جس کا متن یہ ہے:

الحق محمد الله عقد الدرمل والجصى، ووزنة العرش الى الثرى، احمده واؤمن به واتوكل عليه، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله. وان اولاده ذبوا ايشط الفرات، من غير دحل ولا ترات. اللهم انى اعوذ بك ان افترى عليك، وان اقول عليك خلاف ما انزلت من اخذ العهود والوصية لعلنى بن ابى طالب المغلوب حقه المقتول من غير ذنب كما قيل ولده بالامس "فى بيت من بيوت الله تعالى فيه معشر مسلمة بالسيهيم، تعسا لبرئوسهم ما دفعته عنه ضيمافى حياهه ولا عند مماته حتى قبضه الله تعالى اليه محمود النقية طيب العريكة، معروف المناب، مشهور المذهب، لم يأخذه فى الله سبحانه لومة لائم، ولا غل غافل، هديه اللهم للإسلام صغيراً، أو حدث منابه كبيراً، ولم يزننا صحالك ولو رسولك، زاهدافى الدنيا غير حريص عليها، راغبافى الآخرة، مجاهدالك فى سبيلك، رضىته فاخترته وهديه الى صراط مستقيم.

امابعد يا اهل الكوفة، يا اهل المكور والغدر والخلاء، فاننا اهل بيت ائتنا الله بكم، وابتلاك مننا، ففجعل بلاءنا حسناً، وجعل علمه عندنا وفهمه لدينا، ففحن غيبة علمه، ووعاء فيه وحكمته، ووحجته على الارض فى بلاده ليعادوه، اكرمنا الله بكرامته، وفضلنا بنبيه محمد صلى الله عليه وآله على كثير ممن خلق الله تفضيلاً.

فكذبونا وكفرت مومننا، ورايتهم قتالنا خلاً، وامرو الناهب، كائنا ولا تترك او كابل، كما قتلتهم جدنا بالامس، وسيفوكم تقر من دمانا اهل البيت ليحقد متقدم، فرت لذلك غيوناكم، وفرحج قلوبكم افراء على الله موكر امكرتم، والله خير الماكرين، فلا تدغونكم انفسكم الى الجدل بما اصبتم من دماننا، ونالت ايد بكم من اموالنا، فان ما اصابنا من المصائب الجليلة، والرزايا العظيمة "فى كتاب من قبل ان تبراها، ان ذلك على الله يسير، لكيلا تأسوا على ما فاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم، والله لا يوجب كل مختار فخور.

تسالكم فانبر واللغة والعذاب، فكانج قدخل بكم وتواترت من السماء نعمات، فبسجحتكم بعذاب ويذيق بعضكم بأس بعض ثم تخلدون فى العذاب الاليم يوم القيامة بما ظلمتونا، الالغة الالغة الله على الظالمين.

ويلقىكم اندرون آية يد طاعتنا منكم؟ وآية نفس نزعنا الى قتالنا؟ ام باية رجل مشيتم النيا؟ كيون مختاربتنا قسمت قلوبكم وغلظت اكبادكم، وطبع الله على افئدتكم، ووحتم على سمعكم وبركم وسؤل لكم الشيطان واملى لكم، وجعل على بصركم غشاوة فانتم لاتفتنون. تالكم يا اهل الكوفة انى ترات لرسول الله قيلكم، ودخول لة لديكم، بما عندتم باخيه على بن ابى طالب جدى

وَبَنِيهِ وَعَشْرَتِهِ الطَّيِّبِينَ الْأَنْخِيَارَ، وَافْتَحَرُ بِذَلِكَ مُفْتَحِرُكُمْ.

نَحْنُ قَتَلْنَا عَلِيًّا وَبَنِيَّ عَلِيٍّ
وَسَيِّدَاتِنَا هُم سَبَى تَرْكِ
بِسُيُوفِ هِنْدِيَّةٍ وَرِمَاحِ
وَنَطَخْنَاهُمْ فَأَيُّ نَطَاحِ

بِفَيْحِكَ أَيُّهَا الْقَائِلُ الْكَشَكُ وَالْأَثَلُ الْفَتَحَرْتُ بِقَتْلِ قَوْمِ زَكَاهُمْ اللَّهُ وَطَهَّرَهُمْ وَأَذْهَبَ عَنْهُمْ
الرَّجْسَ فَأَكْظِمُ وَأَقَعُ كَمَا أَقَعَى أَبُوكَ فَإِنَّمَا لِكُلِّ أَمْرٍ مَا كَسَبَ. وَمَا قَدَّمَ يَدَاهُ حَسَدُ
تَسُونَاوِيَالِكُمْ عَلَى مَا فَضَّلَنَا اللَّهُ تَعَالَى، ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ، وَمَنْ
لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا أَمِنَ نُورَ.

فَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ بِالْبُكَاءِ وَالنَّحِيبِ وَقَالُوا: حَسْبُكَ يَا أَبْنَةَ الطَّاهِرِينَ فَقَدْ حَرَقَتْ
قُلُوبُنَاوَأَنْضَبَحَتْ نَحْوَرُنَاوَأَضْرَمَتْ أَجْوَافُنَا فَسَكَّتْ ۴۸

خدا کا شکر کنکر یوں، سنگریزوں اور عرش سے فرش تک فضا میں اڑنے والے ذرات کے برابر ادا کرتی
ہوں اور میں اس خدا پر ایمان اور توکل رکھتی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں
اور وہ اپنا ہر گز شریک نہیں رکھتا اور گواہی دیتی ہوں حضرت محمد مصطفیٰؐ اس کے خاص بندے اور رسول
ہیں وہ پیغمبرؐ کہ جن کی اولاد کا سرفرات کے کنارے بے جرم و خطا قلم کر دیا گیا۔

اے خدا! تیری جانب جھوٹ و افتراء کی نسبت دیتے سے تیری پناہ مانگتی ہوں اور تیرا نازل کردہ
(قرآن) اور وہ عہد و وصیت جو تو نے علی بن ابیطالب کیلئے تھا کہ خلاف بولنے سے تیری پناہ مانگتی
ہوں کہ جس کا حق چھین کر اسے بھی اسی طرح بے گناہ قتل کر دیا گیا جسے روز گذشتہ اس کے فرزند کو خدا
کے گھروں میں سے ایک گھر میں مار دیا گیا جہاں ظاہری مسلمان تھے، ان کے سروں پر ننگ و عار
ہو کہ جنہوں نے نہ اس کی زندگی میں اور نہ ہی شہادت کے وقت اس سے ظلم و ستم کو رد کیا یہاں تک کہ
خداوند متعال نے اس کی مقدس روح کو اپنی جانب بلا لیا، اس کا اخلاق نیک، کردار پسندیدہ تھا اور وہ
صاحب مناقب و فضائل تھا جبکہ اس کی راہ و روش سب پر واضح تھی اور وہ تیری راہ میں کسی کی ملامت
و سرزنش سے خوف کھانے والا نہیں تھا تو نے (اے خدا) اسے بچپن میں اسلام کی جانب ہدایت کی
اور بزرگی و فضائل و مناقب سے نوازا اور اس نے تیری اور تیرے رسول کی راہ میں خیر خواہی سے
کام لیا یہاں تک کہ تو نے زہد دنیا اور آخرت کی جانب عاشق و راغب اپنی راہ کے مجاہد کو اپنے
پاس بلا لیا اور اسے اپنی خوشنودی کے ساتھ پسندیدہ قرار دیا اور اسے راہ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔

اور تم اے اہل کوفہ! اے فریب کار لوگو، غل باز اور دھوکہ دینے والے لوگو! ہم وہ خاندان ہے جسے خدا نے
تمہارے ساتھ آزمایا اور ہمارا امتحان کو کامیاب قرار دیا اور اس خدا نے اپنے علم و فہم کو ہمارے درمیان
قرار دیا، کیونکہ ہم اس کا علمی خزانہ اور اس کے فہم و حکم کا مقام ہیں اور ہم روئے زمین پر موجود تمام شہروں

میں موجود اس کے بندوں پر اس کی جانب سے حجت ہیں، خدا نے ہماری کرامت سے ہمارا اکرام کیا اور پیغمبرؐ کی وجہ سے اپنے تمام بندوں پر ہماری برتری کو آشکار کیا مگر تم لوگوں نے ہمیں جھٹلا کر ہماری تکفیر کی اور ہمارے قتل کو حلال جانا اور ہمارے اموال کو اس طرح لوٹا گویا ہم فرزند ان ترک و افغان ہیں ہم نے کچھ مدت قبل ہمارے جد (علیؑ) کو شہید کیا اور تمہاری تلواروں سے ماضی کا کینہ ہمارے خون کی صورت میں ٹپک رہا ہے تمہاری آنکھیں ان اعمال پر ٹھنڈک پائیں اور دل خوش ہوں کہ خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو اور اس ذات اقدس کے ساتھ مکر و فریب کر رہے ہو جبکہ خدا خیر الما کرین ہے۔ خبردار ہمیں مار کر اور ہمارا مال لوٹ کر خوش نہ ہونا کیونکہ یہ مصائب اور سنگین آلام جو ہم تک پہنچے ہیں وہ خدا کی جانب سے ہماری آزمائش تھی۔

﴿فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر لکیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تفرھو بما

اتاکم واللہ لایحب کل مختال فخور﴾

مردہ بادالے اہل کوفہ! خدا کی لعنت اور اسکے عذاب کا انتظار کرو گویا وہ (لعنت و عذاب) تم تک آپہنچا ہے اور عقوبت و قہمت ابھی پے در پے آسمان سے نازل ہو کر تمہیں اپنے اندر پلیٹ رہی ہے اور (بہت جلد) تم آپس کے اختلافات اور باہمی جنگ و جدال میں گھرتے چلے جاؤ گے اس وقت ہم پر کیے ہوئے مظالم کا بدلہ قیامت کے روز دردناک عذاب کی شکل میں تمہارے شامل حال ہوگا خدا کا عذاب ظالموں پر ہو۔

وائے ہو تم پر! کیا جانتے ہو ہم پر کس ہاتھ نے نیزہ اٹھایا، کون ہمارے ساتھ جنگ کرنے آیا اور ہمارے خلاف کی انداز اختیار کیا تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں، ان پر مہر لگ چکی ہے تمہارے کاوا آنکھیں بند ہو چکی ہیں اور شیطان نے خوب تمہیں دھوکہ دے کر تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، تاکہ تم راہ ہدایت نہ پاسکو۔

اے اہل کوفہ! وہ تم پر لعنت ہو! آخر رسول اللہؐ تمہارا کون سا خون بہایا تھا جسکے جرم میں تم نے ان سے انتقام لیا ہے (اتنے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے ہو) وہ دشمنی جو انکے بھائی اور میرے جد علی بن ابیطالب اور ان کے فرزند سے تھی جو پیغمبرؐ کی پاک و طاہر عترت تھے تمہارے دلوں میں بغض و عناد کی صورت میں پروان چڑھ رہی تھی اور نفوس اپنے اس کئے پر فخر بھی کر رہے ہو کہ ہم نے ہندی تلواروں اور نیزوں سے علی اور اولاد کو قتل کر دیا اور ان کی خواتین کو ترک اسیروں کی طرح اسیر بنالیا اور جنگ تھی جو ہم نے ان سے کی!

خاک و خاشاک اور پتھر ہو اس منہ پر جو یہ کہہ رہا ہے، کیا تو ان لوگوں کے قتل پر فخر و مباہات کرتا ہے

جنہیں خدا نے پاک و پاکیزہ قرار دیا اور ہر طرح کی نجاست و پلیدی کو ان سے دور رکھا، لعنت ہو تجھ پر اور تیرے خاندان پر اور بے شک ہر انسان کی قیمت وہی شے ہے جو اس نے حاصل کی ہے تمہیں ہم سے خدا کی دی ہوئی فضیلتوں پر حسد تھا، وائے ہو تم پر یہ خدا کی دی ہوئی برتری تھی جسے دینے میں اسے اختیار حاصل تھا اور ہر فضیلت و کمال خدا کیلئے ہے چنانچہ جس کیلئے وہ نور ہدایت قرار دے وہ کوئی نور نہیں رکھتا۔“

اس وقت گریہ و فغاں بلند ہوا اور وہ کہنے لگے:

اے بنتِ طاہرین بہت ہے بس اب ٹھہر جاؤ تم سے ہمارے دل کباب کر دیئے، ہمارے سینوں کو جلا کر رکھ دیا اور ہمارے پورے وجود میں آگ لگ رہی ہے۔“ تب فاطمہ بنتِ الحسینؑ نے سکوت اختیار کیا۔

بہر حال اہل تاریخ نے لکھا ہے:

فاطمہ بنتِ الحسینؑ جنابِ حسینؑ ثنی کی وفات کے بعد عبد اللہ بن عمر بن عثمان بن عفان سے عقد کیا اور اسکے بعد آپ کے لکھن سے محمد و یاج متولد ہوئے، لیکن بعض محققین مثلاً مرحوم مقرر نے اس عقد کو قبول نہ کرتے ہوئے اسے آلِ زبور کی جعلیات میں سے قرار دیا۔ ۳۹

یہ جاننا بھی بہتر ہے جناب ابوالفرج نے اپنی کتاب اغانی میں محمد بن عبد اللہ بن عمر بن عثمان بن عفان کے حالات زندگی نقل کئے ہیں جو خود مرحوم ابوالفرج کے نقل کردہ فضائل و مناقب اور فاطمہ بنتِ الحسینؑ کی شان و منزلت کے ساتھ سازگار نہیں ہیں، لہذا شاید مرحوم مقرر کا تردد بے جا نہیں کہا جاسکتا۔ واللہ اعلم ۵۰

ابن ابی بکر بن حسین بن عمر صراغی (متوفی ۸۱۶ھ) کی تالیف کردہ کتاب تحقیق النضرۃ الی معالم دار الهجرة میں فاطمہ بنتِ الحسینؑ کے کرامات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: جب ولید بن عبد الملک نے حکم دیا کہ ازواجِ رسولؐ کے حجرے گرا کر انھیں مسجد کا حصہ کر دیا جائے تو فاطمہ بنتِ الحسینؑ حرہ مدینہ تشریف لے گئیں اور وہاں گھر تعمیر کروانے کا حکم دیا اور فرمایا: یہاں ایک کنواں کھودا جائے مگر کنواں کھودنے پر اس جگہ ایک سخت پتھر ظاہر ہوا جو زمین کھودنے میں مانع تھا، چنانچہ تمام ماجرا سے بیان کیا گیا۔ وہاں تشریف لائیں، وضو انجام دیا اور وضو کا باقی ماندہ پانی اس پتھر پر ڈالا جو سبب بنا کہ پتھر آسانی سے شکستہ ہو جائے اور اس طرح کنواں کھودنے میں حائل مشکل برطرف ہوئی اور اس کنویں سے پانی نکلا جسے لوگ تبرک کے طور پر لیتے تھے اور لوگوں نے اس کنویں کا نام زمرہ رکھا۔ ۵۱

حضرت سکیئہ بنتِ الحسینؑ

سکیئہ امام حسینؑ کی دختر تھیں جو فاطمہ بنتِ الحسینؑ سے چھوٹی تھیں اور اس حضرت سکیئہ کے بہت سے

فضائل و کمالات نقل کیے گئے ہیں خاص طور پر فصاحت و بلاغت میں عدم المثل تھیں۔ ابوالفرج کی افغانی میں اور دیگر کتابوں میں اس معظّمہ کا نام امینہ یا آمنہ نقل ہوا ہے، لہذا سیکندران کا نام نہیں بلکہ لقب تھا۔ امام حسینؑ کے نزدیک جناب سیکندہ اور آپ کی والدہ رباب بنت امری القیس کا خاص مقام تھا، چنانچہ امام حسینؑ سے منسوب یہ اشعار ان دونوں خاتون کیلئے نقل ہوئے ہیں:

تكون بهاسكينة والزباب
وليس لعائب عندی عتاب ۵۲

لعمرك اننى لا حب داراً
أحبهما وأبذل خلّ مالي

کتاب افغانی میں روایت ہے:

امری القیس بن عدی یعنی جناب رباب کے پدر بزرگوار عمر بن خطاب کے زمانے میں مسلمان ہوئے اور حضرت عمرؓ نے شام میں موجود قضا کے لوگوں پر انھیں امیر بنایا، چنانچہ جب وہ راہی شام ہونے لگے تو امیر المؤمنینؑ نے کی بیٹیوں کی خواستگاری کی اور امری القیس کے حمیاء، سلمیٰ اور رباب تین بیٹیاں تھیں، چنانچہ انھوں نے حمیاء امیر المؤمنینؑ کو، سلمیٰ امام حسنؑ اور رباب امام حسینؑ کو دی گئیں۔ ۵۳

لیکن اس روایت کا وجود بعید نظر آتا ہے، کیونکہ اسکے علاوہ یہ نام ہمیں کسی اور مقام پر بھی نہیں ملے اور نہ ہی امام علیؑ اور آپ کے بیٹوں کی ازواج میں یہ نام شامل ہیں۔

حضرت سیکندہ ظاہر حسن و جمال کے علاوہ معنوی کمالات سے بھی آراستہ تھیں، چنانچہ ابوالفرج کہتے ہیں: وہ اہل مزاج اور خوش طبیعت تھیں اور کہا جاتا ہے ان کا گھر شاعروں، قمریش کے بزرگوں اور ادیبوں کا مرکز تھا۔ ۵۴ اور گاہے بگاہے اس زمانے کے مشہور شاعر فرزدق، کثیر، جمیل، نصیب، ابوہریرہ اور دیگر کی کے پاس آ کر اپنے اپنے اشعار سناتے اور فیصلہ کرتی تھیں کہ کس نے اچھا لکھا ہے حتیٰ اپنے قصیدوں کی اصلاح ان سے لیا کرتے تھے۔ ۵۵

اور حضرت سیکندہ کے پہلے شوہر عبداللہ بن حسن بن علیؑ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے (جس کی تفصیل گذشتہ صفحات پر ذکر ہو چکی) پھر چند سال بعد مصعب بن زبیر کے عقد میں آئیں اور ان کے قتل کے بعد عبداللہ بن عثمان خزّامی کے عقد میں اور ان کے بعد آخر میں زید بن عمرو بن عثمان کے عقد میں آئیں۔ ۵۶ چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں نقل ہوا ہے ۷۱ھ میں آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ۵۷

امام حسینؑ کی ازواج

اہل تاریخ نے امام حسینؑ کی پانچ ازواج ذکر کی ہیں۔

۱۔ شہر انوینت یزید گرد جو امام زین العابدینؑ کی مادر گرامی تھیں البتہ شہر بانو کے حالات زندگی انشاء

اللہ امام زین العابدین کے حالات زندگی میں تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔

۲۔ لیلیٰ بنت مرہ بن عمرو بن مسعود ثقفی جو جناب علی بن الحسینؑ شہید کربلا کی مادر گرامی تھیں، چنانچہ حضرت لیلیٰ کے حالات زندگی ہم نے علی بن الحسینؑ کے داستانِ شہادت ذکر کرتے ہوئے نقل کیے ہیں اور نیز اس بحث کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ آیا حضرت لیلیٰ واقعہ کربلا میں موجود تھیں یا نہیں؟ اور اسی طرح ابوالفرج اصفہانی اور دیگر دانشوروں کے اقوال نقل ہوئی کہ جس میں جناب لیلیٰ کی والدہ (یعنی جناب علی بن الحسین کی نانی) میمونہ ابوسفیان کی بیٹی تھی، لہذا علی بن الحسینؑ کا مادری نسب ابوسفیان سے ملتا ہے اور شاید اسی سبب معاویہ نے ان کے بارے میں وہ جملہ کہا تھا۔ ۵۸

۳۔ حضرت رباب بنت امری القیس جو حضرت سیکندہ اور عبداللہ کی مادر گرامی تھیں اور جیسا کہ ذکر ہو چکا یہ خاتون اور ان کی دختر سیکندہ امام حسینؑ کی نگاہ میں خاص مقام رکھتی تھیں حتیٰ امام حسینؑ نے ان دونوں کے بارے میں اشعار کہے جو نقل ہو چکے ہیں اور اغانی میں ابوالفرج نقل کرتے ہیں: شہادت امام حسینؑ کے بعد حضرت رباب نے حضرت امام حسینؑ کے بارے میں یہ اشعار کہے:

إِنَّ الَّذِي كَانَ نَوْرًا يَسْتَضَاءُ بِهِ بِكَرْلَاءٍ قَتِيلٍ لَّ غَيْرٍ مَدْفُونٍ

سبطُ النَّبِيِّ جِزَاكَ اللَّهُ صَالِحَةً عَنَّا وَجَنِّتْ خُسْرَانَ الْمَوَازِينِ

قَدْ كُنْتُ لِي جِلَا صُعْبًا أَلُوذُ بِهِ وَكُنْتُ تَصْبَحُنَا بِالرَّحْمِ وَالذِّينِ

مَنْ لِّلنَّامِيِّ وَمَنْ لِّلسَّائِلِينَ وَمَنْ يُغْنِي وَيَأْوِي إِلَيْهِ كُلَّ مَسْكِينٍ

وَاللَّهُ لَا يَبْغِي صَهْرًا يَصْهَرُكُمْ حَتَّى أَغْيِبَ بَيْنَ الرَّمْلِ وَالطِّينِ

”بے شک وہ ایسا نور تھا جس کی ضیاء سے لوگ بہرہ مند ہوتے تھے اسے کربلا میں قتل کر دیا گیا اور فتنہ تک نہ کیا تو پھر رسول تھا خدا تجھے جزائے خیر عطا کرے اور ضروریات سے محفوظ رکھے۔ بے شک (اے حسین) تم میرے لئے ایک کوہ (پہاڑ کی مانند تھے) جس کا میں سہارا لیا کرتی تھی اور آپ اپنے دین پر عمل پیرا تھے اور ہم سے انتہائی محبت اور حسن سلوک رکھتے تھے آپ کے بعد اب کون ہے جو تینوں مسکینوں اور فقیروں کی دنگیری کرے اور انھیں پناہ دے کر ماؤں و اقربا پرانے۔ خدا کی قسم ان کے بعد میں ہرگز عقد نہیں کروں گی یہاں تک کہ ریت و خاک میں دفن کر دی جاؤں۔“

جیسا کہ ان اشعار میں ذکر ہوا ہے، آپ تا آخر حیات یوں ہی سو گوار ہیں اور کسی کی بھی خواستگاری قبول نہ کی، چنانچہ ابن اثیر کامل میں لکھتے ہیں کہ جناب رباب بھی دیگر اسیروں کے ساتھ کربلا سے شام لائی گئیں اور پھر وہاں سے مدینہ تشریف لائیں جہاں اشراف قریش میں سے بہت سے شخصیات نے آپ کی خواستگاری انجام دی مگر آپ نے جواب دیا:

مَا كُنْتُ لِأَتَّخِذَ حَمُولًا أَعْدَدَ رَسُولُ اللَّهِ ”میں رسول اللہ کے بعد کوئی خستہ انتخاب نہیں کروں گی۔“

حضرت رباب (واقعہ کربلا کے بعد) ایک سال سے زیادہ زندہ نہ رہیں اور اس مدت میں کبھی زیر سایہ نہ بیٹھیں جس نے آپ کو حال سے بے حال کر دیا اور بالآخر انتہائی دکھ و آلام کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئیں، البتہ بعض نے نقل کیا ہے کہ جناب رباب ایک سال تک قبر امام حسینؑ ہی پر رہیں اور جب مدینہ لوٹ کر آئیں تو وہاں غم کی تاب نہ لا کر وفات پائی۔ ۵۹

تقدیم فرما دے اسے نقل ہوا ہے، ابن زیاد کے دربار میں جب رباب کی نگاہیں امام حسینؑ کے سر پر پڑیں تو فوراً اسے گود میں اٹھا کر بوسہ دیا اور عجیب انداز میں آتش بار آہوں کے ساتھ زار و قطار گریہ کرتے ہوئے فرمایا:

و احسیناً فلسٹ انسیٰ حسیناً

افصلتہ آسنة الاعداء

غادر وہ بکربلاء صریحاً

لاستقی اللہ جانبی کربلاء ۶۰

”ہائے حسین! میں آپ کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتی کہ جسے دشمنوں کے نیزوں نے اپنا ہدف قرار دیا اور خاک کر بلا کر گرا دیا خدا اس سر زمین کو سیراب نہ کرے۔“

مرحوم کلینی اپنی کتاب کافی میں (باب مولد الحسین بن علیؑ) مصقلہ طحان سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا: شہادت امام حسینؑ پر ان کی زوجہ محترمہ رباب مجلس عزاکا اہتمام کیا جس میں خواتین کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور اس میں آپ کی کنیزوں نے بہت گریہ کیا یہاں تک کہ ان کے آنسو خشک ہو گئے مگر ایک کنیز ایسی تھی جو مسلسل گریہ کر رہی تھی، چنانچہ یہ دیکھ کر حضرت رباب نے اسے بلایا اور دریافت کیا کہ تو کیسے اب تک گریہ کنی ہے؟ تو اس نے جواب دیا:

میں جب روتے روتے بے حال ہو گئی تو قادیوت (پچنے اور شکر کا شربت جو بچا اس عزائم میں بلایا جاتا ہے) کا بنا ہوا شربت پی کر آئی تھی تو حضرت رباب نے دستور دیا وہ شربت تیار کیا جائے، تاکہ ہم دوبارہ گریہ کر سکیں۔ ۶۱

۴۔ جناب ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ جو فاطمہ بنت الحسینؑ کی ماور گرامی تھیں یہ امام حسینؑ سے قبل امام حسنؑ کے عقد میں تھے جن سے حسین بن حسن اور طلحہ بن حسن متولد ہوئے تھے اور بعض روایات کے مطابق آپ کا یہ کام امام مجتبیٰ کی وصیت کے تحت تھا جو انہوں نے اپنے بھائی سے فرمایا:

اے حسین! میں اس خاتون سے راضی ہوں لہذا اسے میرے بعد اس گھر سے نہ جانے دینا۔ ۶۲

۵۔ امام حسینؑ کی ایک زوجہ قبیلہ قضاعہ سے متعلق تھیں جو جعفر بن الحسینؑ کی والدہ گرامی تھیں، چنانچہ ان کا ذکر گزشتہ صفحات پر نقل ہو چکا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ [بحار الانوار ج ۲۳ ص ۲۳۵]
- ۲۔ [بحار الانوار ج ۲۳ ص ۲۶۹]
- ۳۔ [مقاتل الطالین (ترجمہ) ص ۸۷]
- ۴۔ [غانی]
- ۵۔ [ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے جناب رباب کی محبت طرفینی تھی یعنی امام بھی انھیں چاہتے تھے۔]
- ۶۔ [مناقب ابن شہر آشوب طبع قم ج ۳ ص ۱۰۹]
- ۷۔ [مقتل کے عبارت کا متن اس طرح ہے: "فما قبلت سكينه وهي صارخة و كان يحنيها حينا شديداً فضمتها إلى صدره ومسح دموعها وقال ..."]
- ۸۔ [مرحوم استاد شعرانی فرماتے ہیں یہ اشعار امام کے ہوں یا کسی اور نے امام کا زبان حال نظم کیا ہو دونوں صورتوں میں مناسبت رکھتے ہیں کیونکہ سیکڑہ طولانی عمر پاتی ہیں اور معاشرہ میں عظیم خاتون کی حیثیت میں روشناس ہوئیں کہ خواتین میں ان جیسا کوئی صاحب شرف و کمال اور ادیب و شاعر نہیں گزری جن کا گھر اہل فضل و شعر کا مرکز تھی حتیٰ لوگ ان سے انعام و اکرام کی توقع رکھتے تھے اور ان کی ملاقات کیلئے دور دراز کا سفر طے کرتے تھے۔]
- ۹۔ [بحار الانوار ج ۲۵ ص ۵۰ اور اس طرح کی ایک اور روایت شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد ج ۲ ص ۱۱۶ پر حمید بن مسلم سے نقل کی ہے۔]
- ۱۰۔ [ایک عرب شاعر نے امام کے اس کلام کو نظم کیا ہے:
- قال اقص دوني بنفسي واتر كوا حرمي
قد حان حسيني وقد لاحت لوانحه]
- ۱۱۔ [حیۃ الامام حسین ج ۳ ص ۲۸۰ پر صواعق الحق لمرقدہ ص ۱۱۸ سے نقل ہوا ہے۔]
- ۱۲۔ [ترجمہ نفس المہموم ص ۱۹۰]
- ۱۳۔ [مقتل مرقم ص ۲۷۵]
- ۱۴۔ [مناقب ج ۳ ص ۱۱۰]
- ۱۵۔ [ایک روایت میں ہے وہ تیر تھا جسے ابو الجحوب نے امام حسین کی پیشانی پر مارا۔]
- ۱۶۔ [متن روایت کچھ اس طرح کہ: "فيسينما هو واقف اذ اتاه حجر فوقع في جهة فاخذ الثوب ليمسح الدم عن وجهه، فأتاه سهم محدّد مسموم له ثلاث شعب، فوقع السهم في صدره. وفي بعض الروايات على قلبه ..."]
- ۱۷۔ [جسکا بعض مترجمین نے یوں ترجمہ کیا ہے: پس امام نے اپنی قمیص کا دامن زرہ اٹھا کر باہر نکالا تا کہ جو خون آپ کے چہرہ اور آنکھوں میں جا رہا تھا اسے صاف کریں کہ ناگہ مسموم سر شہید تیر حضرت کے سینے پر یا قلب مبارک پر آ کر لگا اور جس کا پھل پشت مبارک پر نکل آیا (ناخ التوارخ) ایک اور مترجم نے لکھا: امام نے بند زرہ کھوئے تاکہ نیچے سے قبا کا دامن اٹھا کر آنکھوں میں جاتا ہوا خون صاف کریں۔ (چہارہ معصوم، جواد فاضل)

مرحوم استاد شعرانی لکھتے ہیں: عربی میں ”ثواب“ فارسی میں جامہ (کپڑا) اسے کہتے ہیں جسے بنا گیا ہو اگرچہ نہ اسے سیا گیا ہو اور نہ چھنا گیا ہو یعنی فقط کپڑا جو ابھی جامہ تن نہیں بنایا ہے لہذا شاید امام نے رد مال مانند کپڑا خون صاف کرنے کیلئے نکالا اور قبا کا دامن کہنا درست نہیں ہو سکتا کیونکہ دامن اٹھانے سے جسم عریان نظر آتا ہے جس کا تصور امام کیلئے معقول نہیں جبکہ اس پر کوئی قانع کنندہ دلیل بھی موجود نہیں (کہ امام نے زرہ کھول کر قبا کا دامن باہر نکالا ہو) اور نہ ہی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برہنہ بدن پر وہ سہ شعبہ تیرا کرگا بلکہ وہ ایسا تیر تھا جس نے تیر کو پھاڑ کر بدن مبارک پر اثر کیا البتہ یہ کام اس لیے ممکن ہوا کہ امام کا دست مبارک خون صاف کرنے میں مصروف تھا اور آتے ہوئے تیر کو سپرد دکھا سکے ورنہ یہ کام ہر ایک کی توان میں نہ تھا چنانچہ تیر آیا..... (مترجم نفس المھوم کا حاشیہ)

لیکن اگر روایت میں ”قاخڑ ثواب“ ہوتا تو شاید استاد کا ترجمہ و تشریح بغیر کسی شک و شبہ کے قابل قبول ہوتی مگر ”ثواب“ پر ”الف لام“ کا آنا جو الف لام عہد کہلاتا ہے استاد کے کہنے ہوئے معنی کو مشکل بنا دیتا ہے جو بہر حال اہل فن پر پوشیدہ نہیں واللہ اعلم۔

۱۹۔ [مقتل مقرر ص ۲۸۲]

۲۰۔ [حیۃ الامام الحسین، باقر شریف ج ۳ ص ۲۹۳]

۲۱۔ [اسرار الشہادۃ ص ۲۳۶]

۲۲۔ [نفس المھوم ص ۱۹۸]

۲۳۔ [اس روایت کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے: کتنے پست لوگ تھے جو رسول خدا کی سوار کے قدردان تھے اور انھیں رسول خدا کی سواری کی حفاظت کا خیال تھا لیکن رسول اکرم کا پارہ تن، سیوہ دل اور گل نبوی کو اس بے دردی کے ساتھ قتل کیا کہ وہ پانی مانگ رہے تھے اور یہ ایک گھونٹ دینے پر تیار نہ ہوئے۔]

۲۴۔ [اسرار الشہادۃ ص ۲۳۶]

۲۵۔ [ترجمہ نفس المھوم ص ۲۰۱ اور لغت نامہ دھکدہ کے علاوہ فرہنگ معین میں بھی امام کے اس گھوڑے کا نام جس

پر آپ کربلا میں سوار تھے ذوالجناح تھا۔]

۲۶۔ [نقل از آراء الباقیہ ص ۶۳۲۹ لیدن]

۲۷۔ [نفس المھوم ص ۱۹۹]

۲۸۔ [مقتل مقرر ص ۳۰۱، ۳۰۰]

۲۹۔ [ارشاد شیخ مفید ج ۳ ص ۱۳۶، حیۃ الامام الحسین ج ۳ ص ۲۹۶]

۳۰۔ [ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۲ ص ۱۳۷]

۳۱۔ [اعلام الوری طبع صدوق تبران ص ۲۵۰، ۲۵۱]

۳۲۔ [بزة شاید جناب علی کا لقب تھا۔]

۳۳۔ [مناقب طبع قم ج ۵ ص ۷۷]

۳۴۔ [مناقب ج ۲ ص ۱۷۴]

- ۳۵ [کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۵۰ تا ۲۵۲]
- ۳۶ [معجم البلدان (طبع بیروت) ج ۲ ص ۲۸۴]
- ۳۷ [ارشاد شیخ مفید (مترجم) ج ۲ ص ۲۲]
- ۳۸ [بصائر الدرجات باب ۱۳ جزء ۱۳ اصول کافی (مترجم) ج ۲ ص ۸۵]
- ۳۹ [قاموس الرجال ج ۱ ص ۸]
- ۴۰ [تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۴۲]
- ۴۱ [مرآة البیان ج ۱ ص ۲۳۲]
- ۴۲ [تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۴۲]
- ۴۳ [طبقات ج ۸ ص ۴۷، شذرات ج ۱ ص ۱۳۹، تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۷]
- ۴۴ [اغانی ج ۱۶ ص ۱۴۲]
- ۴۵ [ارشاد (مترجم) ج ۲ ص ۲۲]
- ۴۶ [ریاضین الشریع ج ۳ ص ۲۸۳]
- ۴۷ [بحار الانوار، طبع بیروت ج ۲۵ ص ۶۰]
- ۴۸ [احتجاج طبری ص ۱۶۴، بحوف ص ۱۱۷]
- ۴۹ [حاشیہ مقتل متر ص ۳۱۴]
- ۵۰ [ترجمہ مقاتل الطالبین ص ۱۹۵، ۱۹۶ پر رجوع کریں۔]
- ۵۱ [حاشیہ مقتل متر ص ۳۱۴]
- ۵۲ [اغانی، ابوالفرج ج ۱۶ ص ۱۳۶]
- ۵۳ [اغانی، ابوالفرج ج ۱۶ ص ۱۴۵]
- ۵۴ [الینا]
- ۵۵ [اغانی ج ۱۶ ص ۱۶۱ کے بعد]
- ۵۶ [اغانی ج ۱۶ ص ۱۴۹]
- ۵۷ [مختب التواریخ ص ۲۴۴]
- ۵۸ [اسی کتاب کا پانچواں باب ملاحظہ فرمائیں۔]
- ۵۹ [کامل ج ۴ ص ۸۸]
- ۶۰ [ریاضین الشریع ج ۳ ص ۳۱۵]
- ۶۱ [اصول کافی طبع تہران اسلامیہ ج ۲ ص ۴۹۰]
- ۶۲ [مختب التواریخ ص ۲۴۱]

امام حسینؑ کے مختصر فضائل اور آپؑ کے اخلاق کی جھلک

یہاں ضروری سمجھتے ہیں بعد از شہادت رونما ہونے والے واقعات و حادثات اور اسارت اہل بیتؑ کی غم انگیز داستان سے قبل امام حسینؑ کے ذکر شدہ فضائل و مناقب کے علاوہ چند فضائل ذکر کر کے باقی باندہ واقعات کی جانب رخ کریں۔

امام حسینؑ کی امامت

زندگانی امیر المومنین علیؑ اور آپؑ کے فرزند بزرگ امام حسن مجتبیٰ کی زندگی پر مشتمل تاریخ میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے کہ ہم شیعوں کے نزدیک نبوت کی طرح مسئلہ امامت بھی عقل و نقل دلائل کی روشنی میں بہت اہمیت کی حامل ہے اس کیلئے ضروری ہے کہ وحی الہی اور نص پیغمبر خدا کے ذریعے حضرتؑ کے بعد اور پھر ہر امام کے بعد دوسرا امام جو خود چند یا ایک واسطے کے بعد وحی الہی تک پہنچا ہے تعین ہوا اور اس بارے میں عوام کوئی حق نہیں کہ وہ اپنا نظریہ دیں اور نہ ہی اہل حل و عقد کا اجماع کارگر رہے اور اسی طرح شوریٰ یا پہلے والے خلیفہ کا اپنے بعد کسی کو دینی رہنما کے طور پر روشناس کروانا درست نہیں۔ (مزید آگاہی کیلئے بہتر ہوگا کہ زندگانی امیر المومنین میں رہبر ولایت کی بحث حصہ پنجم پر رجوع کیا جائے۔)

بارہ اماموں کی امامت، انکے نام اور خصوصیات کے بارے میں رسول اللہؐ کی احادیث موجود ہیں جنہیں الانصاف نامی کتاب جو مرحوم شعرانی کی تالیف ہے اس میں دیکھا جاسکتا ہے۔ (اور جس کا فارسی ترجمہ مؤلف ہذا نے پیش کیا ہے) یا مرحوم شیخ حر عاملی کی تالیف کردہ کتاب ”اثبات الہدایۃ فی النص علی الامۃ الاثنی عشرین الاشراف“ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، فقط مرحوم شعرانی الانصاف میں تین سو ساٹھ احادیث جنہیں علماء اہل سنت اور علماء شیعہ نے اس بارے میں جمع کیا نقل کی ہے اور پھر اسی کتاب میں مخالفین کے شبہات کا جواب دیا ہے بارہ اماموں پر عامہ (اہل سنت) سے نقل شدہ روایات کے علاوہ امام حسینؑ کو تمام دیگر احادیث میں بھی امام ہوم کے طور پر یاد کیا گیا ہے اور اس بارے میں حضرت رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ سے روایات نقل ہوئی ہے اور وہ روایات جن میں امام حسنؑ نے اپنے بعد بعنوان امام وقت امام حسینؑ کا تعارف کروایا اور

انھیں امامت کے مخصوص موارثت پر دیکھ

حضرت رسول اسلامؐ کی کثیر روایات میں سے اس موضوع پر من جملہ روایت جو آپؐ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کے بارے میں فرمایا: ابنای ہذان امامان قاما وقعدا ۱

”میرے یہ دونوں بیٹے امام ہیں چاہے قیام کریں یا سکوت کر کے بیٹھ جائیں۔“

اس بارے میں دیگر بہت سی روایات زندگی امام حسنؑ میں نقل کی گئی ہیں جن کا تکرار مقصود نہیں، لیکن من جملہ وہ روایت جو مرحوم کلینی نے اپنی کتاب کافی اور مرحوم طبرسی نے اپنی کتاب اعلام الوریٰ میں سلسلہ سند کے ساتھ امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

جب امام حسنؑ کی شہادت نزدیک ہوئی تو جناب قنبر کو بلا کر فرمایا: محمد حنفیہ کو میرے پاس لے آؤ، چنانچہ جب محمد حنفیہ تشریف لائے تو امام حسنؑ نے ان سے ارشاد فرمایا:

يا محمد بن علي اما علمت ان الحسين بن علي بعد وفاع نفسي ومفارقة روحی جسمی امام من بورى وعند الله فى الكتاب الماضى ورائة النبی اضافها الله لى فى ورائة ابیه واهله ۲

”اے محمد حنفیہ! کیا جانتے ہو میری وفات کے بعد جب میری روح و بدن میں مفارقت ہو جائے گی تو میری بعد خدا کے نزدیک موجود گذشتہ کتاب اور وراثت پیغمبری میں حسین ابن علی امام وقت ہیں، خداوند متعال نے ان کیلئے اس مقام کو پدر و مادر کے ارث کے علاوہ قرار دیا ہے۔“

انہی کتابوں میں دیگر بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں، لیکن ہم اسی روایت پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام حسینؑ کے چند معجزات

یہ مطلب بھی اپنے مقام یعنی کلامی کتب اور اصول اعتقادات میں ثابت ہو چکا ہے امام معصوم اور نبی پیشوا معجزوں اور خارق العادہ کاموں پر قدرت رکھتا ہو چنانچہ ائمہ معصومین میں سے ہر ایک امام کے معجزات، کرامات اور ان کے خارق العادہ کام روایات اور تاریخی کتابوں میں ذکر ہو چکے ہیں۔ امام حسینؑ کے بارے میں بھی بحار الانوار، اثبات الہدایۃ اور مدینۃ المعاجز، سید ہاشم بحرانیؒ بہت سے معجزات نقل ہوئے ہیں، جبکہ فقط مدینۃ المعاجز میں ایک سو نوے معجزات بیان ہوئے ہیں، چنانچہ ہم تبرک کے طور پر چند معجزات مرحوم شیخ حر عاملیؒ کی کتاب اثبات الہدایۃ (جس کا ترجمہ آیت اللہ جنتی نے پیش کیا ہے) جلد پنجم سے نقل کرتے ہیں:

۱۔ شیخ طوسی تہذیب میں ایوب ابن اعین سے اور وہ امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک

خاتون نے طواف کرتے ہوئے اپنا ہاتھ چادر سے نکالا تو اس کے نزدیک موجود ایک شخص نے اپنا

ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو خداوند متعال ان کے دونوں ہاتھوں کو چسپاں کر دیا اور اس طرح طواف

رک گیا، لوگ جمع ہونے لگے، حکومتی کارندوں کو علم ہوا تو انھوں نے فقہاء کو بلا کر مسئلہ کا حل طلب کیا تو جواب دیا گیا کہ مرد کا ہاتھ کاٹنا جائے، کیونکہ جرم کا ارتکاب مرد نے کیا ہے، حاکم وقت نے کہا کہ کیا یہاں اولاد رسولؐ میں سے کوئی موجود ہے؟ بتایا گیا کہ ہاں شب گزشتہ حسینؑ ابن علیؑ تشریف لائے ہیں، حاکم نے قاصد روانہ کیا اور امام کو دعوت دی، آپ تشریف لائے تو حاکم نے عرض کی دیکھیں ان دونوں پر کیا گزر رہی ہے؟

امامؑ نے رو بہ قبلہ ہو کر دست بہ دعا بلند کیا اور کچھ دیر دعا کرنے کے بعد ان دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے جدا کر دیئے۔ حاکم نے کہا: کیا اس مرد کو اس جرم پر سزا دی جائے؟ حضرتؑ نے فرمایا: نہیں۔

اس روایت کو ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب میں تہذیب سے نقل کیا ہے۔ ۳
۲۔ شیخ صدوقؒ اپنی کتاب کمال الدین اور اتمام النعمہ میں محمد بن علی بن الحسین سے روایت نقل کرتے ہیں، ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

امیر المؤمنینؑ نے مجھے کربلا کی کچھ مقدار ہرن کی پشم دیتے ہوئے فرمایا:
اے ابن عباس! اس سے اگر خون تازہ اٹلتے دیکھو تو جان لینا کہ حسینؑ کو کربلا میں شہید کر دیا گیا ہے۔
ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک روز میں جب نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا اس پشم سے خون بہہ رہا ہے اور میری آستین رنگین ہو گئی ہے یہ دیکھ کر میں بے ساختہ گریہ کرنے لگا اور کہا کہ قسم بخدا حسینؑ شہید ہو گئے، قسم بخدا علیؑ کی کوئی حدیث غلط ثابت نہیں ہوئی ہے انھوں نے مجھ سے جو کچھ کہا وہ سب پورا ہے۔

مزید کہتے ہیں:

میں نے مدینہ منورہ کو حبابؑ آب کی مانند دیکھا کہ جس میں کچھ موجود نہ ہو، اسکے بعد سورج طلوع ہوا تو وہ کسوف کی حالت میں تھا اور میں مدینہ کی دیواروں کو خون میں رنگین دیکھ رہا تھا، چنانچہ سر پکڑ کر گریہ کرتے ہوئے بیٹھ گیا اور کہہ رہا تھا قسم بخدا حسینؑ کو مار دیا گیا تو اس عالم میں ایک گوشہ سے آواز آئی: اے آل پیغمبر صبر کرو رسول اکرمؐ کا چھوٹا سا بچہ شہید کر دیا گیا ہے اور روح الامین گریہ کننا زمین پر آچکے ہیں اور جب خبر شہادت آئی تو معلوم ہوا کہ یہ وہی روز تھا۔ ۴

۳۔ نیز شیخ صدوقؒ کتاب المالی میں عبداللہ بن منصور (جوزید بن علی کے فرزندوں کے برادر رضاعی تھے) سے روایت کرتے ہیں امام جعفر صادقؑ نے امام حسینؑ کی خبر شہادت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب امام حسینؑ عراق کی جانب سفر کر رہے تھے تو درمیان سفر ایک شخص نے امامؑ سے پوچھا: مدینہ

چھوڑنے کا سبب کیا تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر بنی امیہ نے ہتک حرمت کی، میں نے اس پر صبر کیا، انھوں نے میرا مال ضبط کیا میں نے اس پر بھی صبر کیا اور اب وہ میرا خون بہانا چاہتے تھے، مگر میں نے برداشت کیا۔ قسم بخدا وہ مجھے قتل کریں گے جسکے عوض خداوند تعالیٰ انھیں ذلیل و خوار کرے گا، ان پر برندہ تلوار لٹکائے گا اور ایسے لوگوں کو ان پر مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و خوار کر کے چھوڑیں گے۔

وہ مزید روایت کرتے ہیں:

امام حسینؑ نے کر بلا پہنچ کر ارشاد فرمایا: قسم بخدا یہ دن غم و آلام کے ہیں اور یہ سرزمین وہی ہے جہاں ہمارا خون بہے گا اور ہمارے خیمے لوٹے جائیں گے۔ اس وقت آپؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اٹھو اور اس پانی سے سیراب ہو جاؤ، کیونکہ یہ تمہارا آخری توشہ ہے، وضو کرو، غسل کر کے نئے جامے تن کرو، کیونکہ وہی تمہارا کفن قرار پائیں گے۔ پھر خیموں کے گرد خندق کھدوائی اور اس میں آگ روشن کروائی تاکہ دشمن کے حملے کی سمت معین ہو جائے۔ عمر بن سعد کے ایک فرد نے آ کر دیکھا کہ خندق میں آگ جلائی گئی تو حضرتؑ سے گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگا:

اے حسین! آتش مبارک ہو کہ جسکی جانب بہت جلد جانے والے ہو۔

امامؑ نے فرمایا: خدا یا اسکی قسمت میں دنیا و آخرت کی آگ لکھ دے۔ ابھی امامؑ نے دعا ہی کی تھی کہ اس کا گھوڑا سرکش ہوا اور اسے آگ میں گرا دیا گیا جو وہیں جل کر راکھ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک اور سوار آیا اور امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کو مخاطب کر کے بولا: آپ فرات دیکھ رہے ہو اس کی موجیں شکم ماہی کی طرح کیسے نظر آ رہی ہے، قسم بخدا! تمہیں اس کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوگا یہاں تک کہ شربت مرگ پیو۔

امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا:

خدا یا انہی ایام میں اسے پیاس کے سبب مار دے۔ راوی کہتا ہے وہ پیاس کی شدت سے بے حال ہو کر گھوڑے سے زمین پر اس طرح گرا کہ خود کو پیچھے آنے والے گھوڑوں کے سمنوں سے نہ بچا۔ اس کا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اسکے بعد لشکر یزید سے ایک اور محمد ابن اشعث نامی دشمن آیا اور بولا: اے حسین! تجھے رسول خداؐ سے وہ لوہی نسبت ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔

امامؑ نے فرمایا: خدا یا آج ہی محمد ابن اشعث کو ایسا ذلیل و خوار کر دے کہ پھر عزت نصیب نہ ہو چنانچہ کچھ ہی دیر بعد اسے ضرورت (حاجت) پیش آئی، لہذا وہ لشکر سے دور قضاے حاجت کیلئے گیا جہاں اس کی شرم گاہ پر بچھونے ڈنگ مارا اور اس طرح وہ برہنہ حالت میں اس دنیا سے رخصت

ہو کر واصل جہنم ہوا۔

۳۔ قتل امام حسینؑ پر وارد ہونے والی ایک حدیث میں آیا ہے: اس روز بیت المقدس کا جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون ابلتا تھا اور وہاں لوگوں نے دیکھا کہ سورج کی روشنی درود یوار پر سرخ پر دلوں کی مانند محسوس ہو رہی ہے۔

۵۔ شیخ طوسی اپنی کتاب مجالس و اخبار میں ابو عبد اللہ صاحب کی کنیز قریبہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ہمارے آشنا افراد سے ایک شخص کربلا میں دشمن حسینؑ میں شامل تھا وہ جب وہاں سے لوٹ کر آیا تو اپنے ہمراہ ایک شتر اور کچھ مقدار زعفران لے کر آیا مگر اس نے جوں ہی زعفران کو پینا شروع کیا وہ جل کر راکھ ہو گئی اور زعفران میں سے جو بھی عورت اسے اپنے ہاتھ پر ملتی فوراً کوڑھ کی مریض ہو جاتی، پھر جب اونٹ کو خر کیا گیا تو جس جگہ بھی چا تو لگاتے وہ جگہ خراب ہونے لگتی اور جب اسکی کھال اتارنے لگتے تو وہ جگہ جلنے لگتی اور جب اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگتے تو وہاں سے آگ نکلتی اور جب دیگ کے نیچے آگ جلاتے تو وہ دیگ میں آ جاتی۔ بہر حال اس گوشت کو جب کاسہ میں ڈالتے تو گوشت جلنے لگتا، میں نے اس اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر کاشنا شروع کیا تو جوں ہی ضرب لگاتی تو وہاں سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے تھے۔

۶۔ شیخ ابوعلی حسن ابن محمد بن حسن طوسی اپنی کتاب امالی میں یوحنا نصرانی سے نقل کرتے ہیں: میں موسیٰ ابن عیسائی ہاشمی سے ملاقات کیلئے گیا تو میں نے دیکھا وہ دیوانہ ہو چکا ہے اور نکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہے اور اسکے نزدیک طشت رکھا ہے جس میں اسکے اندرونی اعضاء نظر آ رہے ہیں میں نے وہاں موجود لوگوں سے ماجرا دریافت کیا تو انھوں نے کہا یہ ایک ساعت قبل بالکل صحیح و سالم بیٹھا تھا کہ اچانک حسینؑ کا تذکرہ شروع ہوا تو موسیٰ نے کہا: رافضی انکے بارے میں غلو کرتے ہیں اور ان کی تربت (خاک کربلا) کو دوا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اس وقت بنی ہاشم کا ایک فرد یہاں موجود تھا اس نے دفاع کرتے ہوئے کہا: میں خود سخت مریض تھا اور کسی دوا دارو سے افاقہ نہیں ہو رہا تھا تو میرے ماموں نے خاک کربلا چاٹنے کی نصیحت کی، لہذا میں نے جب اسے کھایا تب شفا یاب ہوا ہوں یہ سن کر موسیٰ نے کہا اس خاک میں سے کچھ باقی ہے تو مجھے لا کر دے وہ فوراً گیا اور تربت حسینؑ لے کر آیا اور اسکے حوالے کر دی مگر اس نے شفا چاہنے والوں کی تحقیر اور توہین کی غرض سے اس خاک کو اپنے مقعد پر لگایا جوں ہی وہ خاک وہاں لگائی تریپ کر آگ آگ اور طشت طشت پکارنے لگا اور جب ہم طشت لائے تو یہ سب چیزیں اسہال کی صورت میں باہر نکلی ہیں میں نے طشت میں بغور دیکھا تو جگر، دل، تلی اور پیمپھروں کے ٹکڑے موجود تھے اور اس طرح

وہ صبح گاہ سے پہلے سر گیا اور اس واقعہ کے بعد یوحنا جو کہ نصرانی تھا ہمیشہ امام حسین کی زیارت کیلئے جاتا رہا اور آخری عمر میں مسلمان بھی ہو گیا۔

۷۔ عمر بن فرج سے نقل ہوا ہے: متوکل نے مجھے قبر حسین خراب کرنے کیلئے روانہ کیا میں نے وہاں پہنچ کر حکم دیا کہ گائے، بھینس قبر حسین پر باندھی جائیں مگر جب گائے لائی گئیں میں نے انکے آگے بڑھ جانے کے بہت جتن کئے، مار مار کر لکڑی توڑ دیں مگر قسم بخدا وہ جانور قبر حسین پر نہ گئیں۔

۸۔ ابراہیم بن دیزج سے نقل ہوا ہے متوکل نے مجھے قبر حسین کی تخریب و تغیر کیلئے کر بلا روانہ کیا، میں اپنے چند خاص غلاموں کے ہمراہ وہاں پہنچا اور ہم نے قبر کھودی تو کیا دیکھا کہ تازہ قبر ہے جس پر حسین کا بدن رکھا ہے میں نے اس بدن سے مشک کی خوشبو پھونٹے ہوئے محسوس کی تو میں نے حکم دیا اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے اور خاک قبر پر ڈال دی جائے اور دستور دیا کہ پانی چھوڑ کر اس پر پل چلایا جائے لیکن ہلوں میں جتے ہوئے نیل جب مقام قبر پر پہنچے تو خود بخود رک جاتے اور وہاں سے واپس ہونے لگتے تھے۔

۹۔ نیز ابراہیم دیزج سے روایت ہے: متوکل نے مجھے کر بلا جانے کا حکم دیا تا کہ قبر حسین پر پل چلایا جائے اور میں اسے منہدم کر کے قبر کے آثار مٹا دوں، چنانچہ میں اپنے افراد کے ہمراہ میل و کلنگ لے کر وقت عصر کر بلا میں وارد ہوا، لیکن خشکی کی وجہ سے میں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ قبر حسین پر پل چلائیں خود سو گیا، ناگہا شور شرابے کی آوازیں سنائی دیں، مجھے غلاموں نے بیدار کیا جس پر میں گھبرا کر اٹھا اور ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگے کہ تعجب آور ہے۔ میں نے کہا کیا چیز ہے؟ وہ بولے مقام قبر پر کچھ لوگ ہیں جو ہمیں نزدیک ہونے نہیں دیتے اور ہم پر تیر اندازی کر رہے ہیں، چنانچہ میں نے تحقیق کی خاطر نزدیک جا کر دیکھا تو ایسا ہی تھا۔

کہتے ہیں یہ واقعہ مبینہ کی تیرہویں رات کو رونما ہوا، میں نے حکم دیا ان پر تیر اندازی کرو مگر جو تیر ان کی جانب جاتا وہی پھینکنے والے کو آ کر لگتا اور اسے مار ڈالتا، اس منظر نے ہمیں بہت وحشت زدہ کر دیا تھا اور جب ہم وہاں سے لوٹ کر آئے، تو ہمیں قتل متوکل کی خبر سننے کو ملی۔

۱۰۔ محمد بن حسن صفار اپنی کتاب بصائر الدرجات میں صالح بن مہشم سے روایت کرتے ہیں:

حبابہ والبیہ کہتا ہے: امام حسین کی زیارت کیلئے جایا کرتا تھا کہ اچانک میری آنکھوں میں برص کے داغ نکلنے لگے لہذا کئی روز تک امام حسین کی زیارت سے محروم رہا تو امام حسین نے اپنے اصحاب سے میرے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے آگاہ کیا کہ حبابہ والبیہ کی آنکھوں میں فلاں مرض ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا پھر چلیں اس کی عیادت کی جائے، میں مسجد میں

بیٹھا تھا کہ امام حسینؑ اپنے اصحاب کے ہمراہ داخل مسجد ہوئے اور مجھ سے فرمایا: اے حباب! ہمارے پاس کیوں نہیں آ رہے؟ میں نے اپنی آنکھوں سے کپڑا اٹھایا اور عرض کی: یہ علت میرے آنے میں مانع تھی۔ حضرت نے اپنا لعاب دہن میری آنکھوں میں ملا اور فرمایا خدا کا شکر بجالا اس نے تیری علت دور کر دی ہے میں فوراً سجدہ میں گر گیا، حضرت نے فرمایا: سر اٹھا کر آئینہ میں دیکھ تو میں نے آئینے میں دیکھا تو اس بیماری کا کوئی اثر باقی نہ تھا۔ بس خدا کا شکر ادا کیا۔

۱۱۔ ایک روایت میں نقل ہوا ہے: جب امام حسینؑ نے اپنی غربت کو ملاحظہ کیا تو گرتا طلب کیا جسے پھن کر جگہ جگہ سے چاک کیا کہ کہیں دشمن اسے اتار کر نہ لے اور جب شہید ہوئے تو احرار بن کعب نے وہ چاک چاک شدہ کرتا بھی نہ چھوڑا اور حضرت کا بدن بغیر لباس کے چھوڑ گیا، لیکن وہ اس حرکت کے بعد ساری زندگی اس عذاب میں مبتلا رہا کہ اسے ہاتھ گرمیوں میں خشک ہو جاتے اور سردیوں میں ان سے پیپ اور خون دستا تھا اور وہ یوں ہی واصل جہنم ہوا۔ سید ابن طاووس نے اس روایت کو اسی طرح دلوئی کے بغیر نقل کیا ہے۔

۱۲۔ طبریؒ فرماتے ہیں: ابن زیاد نے امام حسینؑ کے سر مقدس کو کوچوں اور قبیلوں میں پھرائے جانے کیلئے روانہ کیا۔ زید ابن ارقم سے نقل ہے میں ایک گھر کی چھت پر تھا چنانچہ جب نیزہ پر سوار امام کا وہ سر میرے قریب سے گزرنے لگا تو میں نے سنا کہ سر امام حسینؑ یہ آیت تلاوت کر رہا ہے: ”کیا گمان کرتے ہو کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری آیات میں سے عجیب ہیں؟“ میں نے کہا: اے فرزند رسولؐ اقسام بخدا آپ کا سر عجیب تر ہے۔ اس حدیث کو شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب ارشاد میں بغیر راوی کے ذکر کیا ہے۔

۱۳۔ ابن شہر آشوب صفوان میں مہر ان سے نقل کرتے ہیں: میں نے سنا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا: امام حسینؑ کے حیات ظاہری میں دو عورتیں ایک بچے پر اختلاف کر رہی تھیں کہ یہ میرا ہے۔ امام حسینؑ نے مدعی اول سے فرمایا: بیٹھ جا، جب وہ بیٹھ گئی تو فرمایا اس سے قل کہ خدا تیرے راز کو قاضی کر دے حقیقت بتا دے، اس عورت نے امام حسینؑ سے کہا: یہ مرد میرا شوہر ہے اور یہ بچہ اس کا فرزند ہے اور میں اس دوسرے مرد کو نہیں جانتی، حضرت نے اس بچے کی جانب رخ کر کے فرمایا: اے بچے باؤن اللہ بول اور بتا یہ عورت کیا کہہ رہی ہے، بچہ گویا ہوا: میں نہ اس مرد سے ہوں اور نہ ہی اس مرد سے، بلکہ میرا باپ فلاں قبیلہ کا چرواہا ہے۔ امام حسینؑ نے دستور دیا اس عورت کو سنگسار کیا جائے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اس کی ماں کے بعد پھر کسی نے اس بچے سے سخن نہیں سنا۔ اس حدیث کو سید ولی بن نعمۃ اللہ نے

اپنی کتاب مجمع البحرین میں مناقب ابن شہر آشوب سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

۱۳۔ شیخ مفیدؒ سالم ابن ابی حفصہ سے روایت نقل کرتے ہیں: عمر بن سعد نے واقعہ کربلا سے قبل امام سے کہا: ہمارے گرد ایسے بھی کم عقل افراد موجود ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ میں آپؐ کو قتل کروں گا۔ امام نے فرمایا: وہ کم عقل و بے خرد نہیں، بلکہ سمجھدار لوگ ہیں اور میرے لیے خوشی کا سبب ہے کہ تجھے میرے اور عراق کا کچھ ہی گندم کھانے کو ملے گا۔ ۵

امام کی عبادت گزاری

۱۔ تاریخ نویسوں کا بیان ہے: امام حسینؑ اپنا اکثر وقت نماز پڑھنے میں صرف کرتے تھے چنانچہ امام زین العابدینؑ سے اس سوال کے جواب میں روایت نقل ہوئی ہے: آپؑ کے والد کی اولاد کم کیوں ہے؟ تو امام نے فرمایا: میرے بابا ہر شب ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے ہیں، لہذا ان امور کیلئے فراغت نہیں پاتے تھے۔ ۶

طبری عبد اللہ ابن زبیر سے نقل کرتے ہیں: جب انھوں نے امام حسینؑ کی خبر شہادت سنی تو کہا:

اسوال اللہ لقد فقلوہ طوبیاً لہا لیل قلیعہ ، کثیر افی النہار صومہ ”قسم بخدا اس کو مار دیا گیا جس کا راتوں میں قیام طولانی تھا اور دنوں میں روزے زیادہ تھے۔“ ۷

۲۔ پندرہ سے زیادہ روایات اہل سنت کی مختلف کتابوں میں نقل ہوئے ہیں، امام حسینؑ نے پچیس حج زیادہ انجام دیئے اور آپؑ کی سواریاں پیچھے پیچھے چلتی تھیں اور جب رکن حجر الاسود پر پہنچے تو اس کو پکڑ کر فرماتے:

الہی ا نعمتنی فلم تجلنی شاکراً ، و ابتلنی فلم تجلنی صابراً ، فلاننت سلبت النعمۃ بترک الشکر و لا ادمت الشدۃ بترک الصبر ”الہی مایکون من الکرم الا الکرم“ خداوند! تو نے مجھے نعمتیں عطا کیں مگر تو نے مجھے سپاس گزار نہیں پایا اور مجھے باؤں میں مبتلا کیا مگر بردباد نہیں پایا لیکن اے خدا تو نے میری سپاس گزاری نہ کرنے پر نہ تو نعمتوں کا سلسلہ بند کیا اور نہ میری بے صبری پر بلاؤں میں اضافہ کیا، اے خدا کریم تم سے سوائے کرم کے کوئی اور موقع نہیں...“ ۸

زحشری کی بیچ الابراہ سے نقل ہوا ہے، امام حسینؑ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے نزدیک نماز ادا کرتے پھر اپنا رخسار مقام ابراہیم پر رکھ کر گریہ فرماتے اور بار بار اسی دعا کو پڑھتے:

عیدک بیباک ، خوبصورتک بیباک ، سائلک بیباک ، مسکینک بیباک ۹ ”تیرا حقیر بندہ تیرے دروازے پر حاضر ہوا ہے، تیرا چھوٹا خدمت گزار تیرے در پر ہے، تیرا سائل تیرے در پر ہے اور تیرا مسکین تیرے در پر کھڑا ہے۔“

۳۔ ابن صباغ مالکی اپنی کتاب فصول الحکمہ میں روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ جب بھی نماز کیلئے قیام کرتے تو آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا اور جب سبب دریافت کیا جاتا تو فرماتے: متلدرون بین یدی من اردیان اقوم ”کیا جانتے بھی ہو میں کس کے حضور کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔“ ۱۰

۴۔ مناقب شہر ابن آشوب میں نقل ہوا ہے کہ حضرت امام حسینؑ سے عرض کی گئی: ما اعظم خوفک من ربک ”آپ کے دل میں خوف خدا کتنا ہے؟“ تو آپؑ نے فرمایا: لایأسن یوم القیامۃ الا من خاف اللہ فی الدنیا ”روز قیامت اس شخص کے علاوہ کوئی امان میں نہیں ہوگا جو دنیا میں خوف خدا رکھتا ہو۔“

۵۔ مذکورہ کتاب میں عیون المجالس سے روایت ہوئی ہے: انس ابن مالک امام حسینؑ کے ہمراہ مکہ جا رہے تھے تو جب جناب خدیجہ کی قبر پر پہنچے تو امامؑ گریہ کرنے لگے اور انس سے فرمایا مجھے تنہا چھوڑ دو... میں پنہان ہو کر دیکھ رہا تھا امامؑ نے وہاں بہت زیادہ نمازیں پڑھیں اور خدا سے یہ کہہ رہے تھے:

فارحم عیبد اللہ الیک ملجاء

یارب یارب الت مولاه

یشکو الی ذی الجلال بلواه

طوبی لمن کان خادماً أرقاً

اکثر من حبہ لمولاه

ومابہ علۃ ولاستمع

اجابہ اللہ ثم لباه

اذا اشتکی بنہ وغصته

اکرمہ اللہ ثم ادناہ

اذا ابتلی بالظلام مبہلاً

”اے پروردگار اے پروردگار تو ہی میرا مولا ہے لہذا اپنے حقیر بندے پر رحم کیونکہ اس کی پناہ گاہ تو ہے خوشحال ہے وہ انسان جو خدمت گزار اور بیدار ہے اور خداوند والجلال سے اپنی بلاؤں کا تذکرہ کرنے پر بغیر کسی رنج و درد کے فقط اپنے پروردگار کی شدت محبت کے ساتھ اور جب بھی وہ اپنے رنج و درد کا ذکر اپنے رب سے کرے تو وہ اس کا جواب دے اور اس کی درخواست پر لبیک کہے اور جب بھی تاریکی سے دوچار ہو اور تضرع و انکساری کے ساتھ درخدا پڑ جائے تو خدا اس کا اکرام کرتے ہوئے اپنے نزدیک کر لے گا۔“

اس وقت ان اشعار کا جواب میں نے ایک آواز کی صورت میں سنا جو کہہ رہی تھی:

وکلما قلت قد علمناہ

لیک عبدی وأنت فی کفی

فحسبک الستر قد سفرنناہ

دعاک عندی یجول فی حجب

خو صریعاً لماتغشاه

لوہبت الريح من جوانبہ

ولا حساب انی انا اللہ

سملنی بلا رغبۃ ولا رهب

”ہاں میرے بندے میری حمایت تیرے ساتھ ہے اور جو کچھ تو نے کہا وہ سب جانتا ہوں، میرے

فرشتے تیری آواز کے مشتاق رہتے ہیں اور یہ تیری جوہمیں سے سنی وہ کافی ہے، تیری دعا مجھ تک آنے کیلئے پروں سے گزرتی تھی لیکن اب وہ پروے میں نے ہٹا دیئے ہیں لہذا تیرے لیے کوئی پردہ نہیں گویا اگر اسکی جانب ہوا چلے تو وہ زیر پر گر جائے کیونکہ وہ خود سے بے خود ہو چکا ہے، بغیر کسی خوف و ہراس اور بغیر کسی حساب و کتاب کے جو مانگنا چاہتا ہے مانگ میں وہی تیرا خدا ہوں۔“

۶۔ اخطب خوارزمی کی مقتل الحسین میں لکھا ہے: مراسل میں تشریح سے روایت ہے ایک روز مسجد رسول اللہ (مدینہ) میں داخل ہوا تو میں نے وہاں حسین ابن علیؑ کو دیکھا جو گریہ کرتے ہوئے خدا سے یہ مناجات کر رہے ہیں:

سَيِّدِي وَمَوْلَايَ الْمَقَامِيعَ الْحَدِيدَ خَلَقْتَ أَعْضَايَ، أَمْ لِشَرِّبِ الْحَمِيمِ خَلَقْتَ أَمْعَانِي، إِلَهِي أَلَيْسَ طَابَ لِي بِذُنُوبِي لِأَطْلَيْتَكَ بِكَرَمِكَ، وَلَنْ خَسْتَنِي مَعَ الْخَاطِئِينَ لِأَخْبَرْتَنِي بِخِيَلِكِ، سَيِّدِي إِنَّ طَاعَتِي لَتَنْفَعُكَ، وَمَعْصِيَتِي لَتَنْصُرُكَ، فَهَبْنِي مَا لَا يَنْفَعُكَ، وَاعْفُرْ لِي مَا لَا يَنْصُرُكَ فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ”اے میرے مولا و آقا کیا میرے ان اعضاء کو آہنیں گرزوں کے لیے بنایا تھا اور کیا شرابِ حمیم (جنم) کیلئے میرے معدلے اور آنتوں کو خلاق کیا تھا؟ اے خدا اگر تو نے مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے گرفتار کیا تو میں تیرے لطف و کرم کا مطالبہ کروں گا، اے میرے آقا و مولا اے شک میری اطاعت و فرمانبرداری تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ میری نافرمانی و معصیت تجھے کوئی نقصان پہنچاتی ہے پس جو چیز تجھے فائدہ نہیں دیتی مجھے بخش دے اور جو چیز تجھے نقصان نہیں پہنچاتی اس سے مجھے معاف کر دے بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔“

مقام اخلاق پر چند روایات

الف۔ تواضع

عیاشی اپنی تفسیر میں مسعد بن صدقة سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کا گزرا ایک ایسی جگہ سے ہوا جہاں فقیر روٹی کے ٹکڑے ایک کپڑے پر رکھ کر کھا رہے تھے جوں ہی ان کی نگاہ امام حسینؑ پر پڑی تو کہنے لگے: هَلُمَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ ”اے فرزند رسول تشریف لائے“ امام ان کے ساتھ خاک پر بیٹھ گئے اور اس روٹی میں سے چند لقمے تناول کیے۔ ۱۱

اور اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾ ”بے شک خدا مفرور افراد کو پسند نہیں کرتا۔“

اور ان فقیروں سے فرمایا: آیا جس طرح میں نے تمہاری دعوت قبول کی تم بھی میری دعوت قبول کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی فرزند رسول اللہ ہم ضرور قبول کریں گے اور حضرتؑ کے ساتھ بیت امام حسینؑ کی

جانب روانہ ہوئے۔ امامؑ نے دستور دیا کہ جو غذا آمادہ کی گئی تھی وہ ان کو پیش کی جائے۔ ۱۲

ب۔ سخاوت

ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب میں نقل کرتے ہیں ایک عربی شخص شہر مدینہ میں داخل ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ اس شہر میں کریم ترین شخص کون ہے؟ اسے امام حسینؑ کا پتہ بتایا گیا وہ حضرتؑ کی تلاش میں مسجد آیا تو اس نے دیکھا کہ امامؑ نماز میں مصروف ہیں۔

پس یہ امامؑ کے برابر میں کھڑا ہوا گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

لَمْ يَخِبِ الْآقَى مَنْ جَاكَ وَمَنْ حَوْكٍ مِنْ دُونَ بَابِكَ الْحَلَقَةِ

اَنْتَ جَوَادُ اَنْتَ جَوَادُ اَنْتَ مَعْتَمِدٌ ابُوكَ قَدْ كَانَتْ قَاتِلُ الْفَسَقَةِ

لَوْلَا الَّذِي كَانَ مِنْ اَوْلِيَّكُمْ كَانَتْ عَلَيْنَا الْجَحِيمُ مِنْطَقَةِ

”جس نے بھی تجھ سے امید لگائی اور تیرے دروازے کی زنجیر ہلائی وہ ناامید نہ ہوا، آپ ہی بخئی اور پناہ گاہ ہیں آپ ہی کے والد تھے جنھوں نے فاسقوں کو قتل کیا، بے شک اگر آپ کے بزرگ نہ ہوتے تو جہنم نے ہمیں گھیر رکھا تھا۔“

امامؑ نے سلام نماز کے بعد جناب قمبر سے فرمایا: حجاز کی رقم میں سے کچھ باقی ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں چار ہزار درہم باقی ہیں، فرمایا جاؤ اور انھیں لے کر آؤ کیونکہ ہم سے زیادہ اس مال کا مستحق اس وقت میرے نزدیک ہے۔ امامؑ نے اس رقم کو کپڑے میں لپیٹ کر دروازے کی اوٹ سے اس عربی کے ہاتھوں میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے رکھ دی تاکہ وہ تحمل نہ ہو۔

خَلَّاهَا فَنَاقَى إِلَيْكَ مِعْتَذِرُ وَعَلِمَ بَاتِي عَلَيْكَ ذَوْ شُعْقَةٍ

لَوْ كَانَ فِي سِيرِنَا الْغَدَاةُ عَصَا أَمْسَتْ سَمَانًا عَلَيْكَ مُنْذَقَةٌ

لَكِنَّ رَبَّ الزَّمَانِ ذُو غَيْرٍ وَالْكَفِّ مَنَى قَلِيلَةُ النِّفْقَةِ ۱۳

”میرے عذر کے ساتھ مجھ سے قبول کر کہ میں تجھے چاہتا ہوں، اگر آج ہمارے ہاتھ میں حکومت و قدرت ہوتی تو میں جو درگرم کا آسمان تجھ پر گرادیتا لیکن کیا کروں کہ حالات کے بدلنے سے ہمارے ہاتھوں کی بخشش کم ہو گئی ہے۔“

راوی کہتا ہے اس عربی نے رقم لے کر گریہ شروع کیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا:

لَعَلَّكَ اسْتَقْلَلْتَ مَا نَعْطِيكَ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنْ كَيْفَ تَأْكُلُ التَّرَابَ جُودَكَ

”شاید ہماری عطا کو قلیل جانا ہے؟ اس نے عرض کی: نہیں بلکہ اس پر رور ہا ہوں کہ یہ خاک آپ کے جو دو سخا کو کھاجائے گی۔“ ۱۴

اسی کتاب میں شعیب ابن عبد الرحمن خزازی سے روایت ہے روز عاشورا امام حسینؑ کی پشت مبارک پر

مخصوص نشان (زخم) دیکھے گئے تو امام زین العابدینؑ نے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

هَذَا مِمَّا كَانَ يُنْقَلُ الْجِرَابُ عَلَى ظَهْرِهِ إِلَى مَنَازِلِ الْأَزْمَلِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ "یہ ان پوریوں کے نشان ہیں جو راہوں کو اٹھا کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھروں پر لے جاتے تھے۔"

اسی طرح امام (حسینؑ) سے روایت ہے کہ فرمایا:

صَحَّ عِنْدِي قَوْلُ النَّبِيِّ "أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ بَعْدَ الصَّلَاةِ ادْخَالُ السُّرُورِ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ بِمَا لَا اِثْمَ فِيهِ"

"حضرت رسول اللہؐ کی یہ گفتار میرے نزدیک بالکل دسرست ہے کہ آپؐ نے فرمایا: نماز کے بعد بہترین کام دلِ مومن کو اس چیز سے خوشحال کرنا ہے کہ جس میں گناہ نہ ہو۔"

پھر حضرتؑ نے مزید فرمایا: میں نے ایک غلام کو دیکھا جو ایک کتے کو غذا دے رہا تھا، سبب دریافت کیا۔ تو اس نے جواب دیا: اے فرزند رسولؐ! میں اپنا غم و اندوہ دور کرنے کیلئے اس جانور کو خوشحال کر رہا ہوں، کیونکہ میرا مالک یہودی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس سے جدا ہو جاؤں۔

امام نے دوسورہم اس یہودی مالک کے پاس لے کر گئے تاکہ اس غلام کو خرید سکیں۔

یہودی مالک نے امام سے کہا:

یہ غلام آپؑ کے قدموں پر نثار اور یہ باغ بھی اسی کو بخشا ہوں اور یہ رقم آپؑ کو لوٹا رہا ہوں۔

امام نے فرمایا:

میں یہ مال تجھے بخشا ہوں اس پر یہودی نے کہا: اور یہ (آپؑ کا بخشا ہوا مال) میں اس غلام کو بخشا ہوں۔

امام نے فرمایا: میں اس کو آزاد کرتا ہوں اور یہ سب اسی کو بخشا ہوں۔

زن یہودی نے جب یہ ماجرا دیکھا تو گویا ہوا:

میں مسلمان ہوتی ہوں اور اپنا مہر اپنے شوہر کو بخشتی ہوں، یہودی بولا! میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اور یہ اپنا گھر اپنی زوجہ کو بخشا ہوں۔ ۱۵

علی بن عیسیٰ ارلی اپنی کتاب کشف الغمہ میں انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں:

میں امام حسینؑ کی خدمت میں تھا کہ ایک کنیر نے بطور ہدیہ آپؑ کو ایک پھول پیش کیا اور آپؑ نے اس سے فرمایا: اَنْتَ حَرَّةٌ لَوْ جِهَ اللَّهُ "تجھے راہِ خدا میں آزاد کرتا ہوں۔"

میں نے عرض کیا: اس نے ایک بے قیمت پھول پیش کیا اور آپؑ نے اسے آزاد کر دیا؟

امام نے فرمایا: ہمارے پروردگار نے ہماری تربیت کیلئے وقت یہی فرمایا:

﴿وَاذْكُرْهُمْ يَحْيَا فَيَحْيُوا بِأَخْسَنَ مِنْهَا أَوْ ذُكُّوا﴾ "جب بھی تمہیں کوئی ہدیہ پیش کرے

تو تمہیں چاہیے کہ اس سے بہتر ہدیہ دو یا پھر اسے لوٹا دو۔" ۱۶

بحار انوار میں اخطب خوارزم (عالم اہل سنت) کی جامع الاخبار میں حدیث نقل ہوئی ہے:

ایک عربی شخص نے امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی! میں نے ایک کامل دیت اور خوبھا اپنی گردن پر لیا ہے لیکن اسکی ادائیگی پر عاجز ہوں اور خود سے کہہ رہا تھا کہ اسکا سوال کسی کریم نخی شخص سے کروں گا اور خاندان رسول اللہ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں دیکھا۔

امام نے فرمایا: اے عرب بھائی! میں تجھ سے تین سوال کروں گا اگر ایک کا جواب درست دیا تو مال کا ایک سوم حصہ تجھے دوں گا اور اگر دو کے جواب صحیح دیئے تو مال کا دو سوم حصہ دوں گا اور اگر تمام جو اب درست دیئے تو دیت کی ساری رقم تجھے دے دوں گا۔

عربی نے عرض کی: یا بن رسول اللہ امثلك یسئل عن مثلی، واثنت من اهل العلم والشرف؟

اے فرزند رسول اللہ! کیا آپ جیسا مجھ جیسے سے سوال کرے گا جبکہ آپ تو اہل علم و شرف ہیں؟

حضرت نے فرمایا: ہاں میں نے اپنے جد رسول اللہ سے سنا ہے:

المعروف یَقْدِرُ الْمُعْرِفَةُ ہر کار خیر کی اہمیت (وقیت) اس کے انجام دینے والے کی معرفت کے مطابق ہے۔

عربی نے عرض کیا:

پوچھئے اگر جواب کی توانائی ہوئی تو ضرور دوں گا ورنہ آپ سے سیکھوں گا۔ لا فَوَاقَا بِاللّٰہِ

امام نے فرمایا: اُنّی الاعمال افضل؟ "کونسا عمل دوسرے عمل پر فضیلت رکھتا ہے؟"

عربی نے جواب دیا: الايمان بالله "خدا پر ایمان۔"

امام نے دوسرا سوال کیا: فما النجاة من الهلكة؟ ہلاکت و نابوری سے نجات کا راستہ کیا ہے؟

عربی نے جواب دیا: الثقة بالله خدا پر اعتماد

امام نے تیسرا سوال کیا: فما یزین الرجل؟ مرد کی زینت کیا ہے؟

عربی نے جواب دیا: علم معہ حلم و دانش جسکے ساتھ حلم و بردباری ہو۔

امام نے فرمایا: اگر ایسا نہ ہو تو؟

عربی نے عرض کی: مال معہ مروت و مال و ثروت جسکے ساتھ انصاف و مروت پائی جائے۔

امام نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو؟

عربی نے عرض کی: فقر معہ صبر و فقر و تنگدستی کہ جسکے ہمرا صبر و شکیبائی ہو۔

امام نے فرمایا: اگر یہ بھی نہ ہو تو؟

عربی نے عرض کی: فصاعة تنزل من السماء فتجرّفه فاتّاه اهل لذلك

اگر یہ سب نہ ہو تو پھر آسمان سے بجلی گرے اور شخص کو جلا کر خاکستر بنادے کیونکہ وہ اسکا مستحق ہے۔
جواب سن کر امام مسکرائے اور پیسوں کی تھیلی کہ جس میں ہزار دینار تھے اسے دی اور اپنی انگشتر بھی
جس کے نگینے کی قیمت دوسو درہم تھی عطا کر دی اور فرمایا:

یا اعرابی اعطی الی غرمالک واصرف الخاتم فی نفقتک ”اے عرب! یہ طلائی دینار طلب
کا رافرا کو دے دے اور یہ انگشتر اپنے اخراجات کیلئے رکھ لے۔“

عربی نے امام کے عطایا لیتے ہوئے کہا: اللہ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ
یہ حدیث احقاق الحق میں اہل سنت سے چند مختلف سندوں کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ محلہ
ابن شہر آشوب اپنی کتاب مناقب میں روایت کرتے ہیں:

عبدالرحمن سلمی نے امام حسینؑ کی اولاد میں سے کسی کو سورہ محمدؑ کی تعلیم دی اور جب اس بچے نے امام کو
سورہ محمد سنائی تو آپؑ نے سکھانے والے کو ایک ہزار دینار، ایک ہزار لباس اور اسکا منہ دروں سے پُر
کر دیا اور جب اعتراض ہوا تو فرمایا: کیا یہ دینار وغیرہ اس (تعلیم سورہ محمدؑ) کی برابری کر سکتے ہیں اور اس
کے بعد یہ اشعار پڑھے:

اِذَا جَادَتِ الدُّنْيَا عَلَيْكَ فَجُلِّبِهَا عَلَي النَّاسِ طَرًّا قَلِيلَ اَنْ تَفْلَتَ
فَلَا الْجَوْدُ يُغْنِيهَا اِذَا هِيَ اَقْبَلَتْ وَلَا الْخَلُّ يَقِيهَا اِذَا مَاتَتْ

”جب تجھے دنیا عطا کی جائے تو اس سے پہلے کہ وہ تیرے ہاتھوں سے چلی جائے اسے بخش دے
کیونکہ اگر وہ دنیا تیری جانب متوجہ ہے تو تیرے بخش دینے سے کم نہیں ہوگی اور اگر لوٹ رہی ہے تو تیرے
بخش سے کبھی نہیں رکے گی۔“ ۱۸

استقلال، استقامت، شجاعت اور امامؑ کی اعلیٰ ظرفی

ہم گذشتہ صفحات پر مختلف مناسبتوں سے امام حسینؑ کی گفتار و اقوال نقل کیے ہیں جو حضرتؑ کی روحانی
شخصیت، اعلیٰ ظرفی اور بے مثال شجاعت پر حکایت کرتی ہیں یہاں ان میں سے چند بغیر کسی شرح و توضیح
دیئے قارئین محترم کیلئے نقل کرتے ہیں۔

جب حاکم مدی نہ ولید نے حضرتؑ کو بلایا، تا کہ یزید کیلئے آپؑ سے بیعت حاصل کرے تو
حضرتؑ نے فرمایا:

یا امیرنا اهل البيت النبوة ومعدن الرساله ومختلف الملاحكه وبنافح الله وبنافخ الله ويزيد رجل
فاسق شارب الخمر قاتل النفس المثرمة ”معلن بالفسق ومثلّی لا یباع مثله ... ۱۹

اور جب لشکرِ کربلا سے ملاقات ہوئی تو خطاب فرمایا:

الائترون انّ الحق لا يعمل به والى الباطل لا يتناهى عنه؟ ليرغب المؤمن في لقاء ربه حقاً فاني لا اراي
الْمَوْتَ إِلَّا مَعَادَةً وَالحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِينَ الْاَبْرَمًا ... ۲۰
اور روز عاشورا دشمن کے اس بے ضمیر لشکر سے فرمایا:

الْاِنَّ الدَّاعِيَ بِنِ الدَّارِعَى قَدْ كَوَّنَ الشُّنَيْنَ: بَيْنَ السَّلَةِ وَالِدَلَّةِ، يَا بِي اللّٰه ذَالِكَ وَرَسُولُهُ
وَالْمُسْؤِمُونَ، وَحُجُورٌ طَابَتْ وَطُهِرَتْ، وَأَنْوَقَ حَمِيَّةٌ، وَنَفُوسٌ أَبْيَهَ مِنْ أَنْ تَوْثِرَ طَاعَةَ النَّتَامِ عَلَى
مِصَارِعِ الْكِبْرَامِ ۲۱
اور اسی طرح فرمایا:

مَوْتُ فِي عَزٍّ خَيْرٌ مِنْ حَيَاةٍ فِي ذُلٍّ.

نخست فلسفہ قتل شاہ دین این است کہ مرگ سرخ بہ از زندگی ننگین است
اور یہ شعر امام حسین سے منسوب ہے کہ آپ نے روز عاشورا فرمایا:

الموت خير من ركوب العار والعار اولى من دخول النار

”ذلت کی زندگی سے (عزت کی) موت بہتر ہے اور روزخ کی زندگی سے ننگ عار بہتر ہے۔“

اسی طرح آپ نے روز عاشورا کے خطاب میں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰه لَا اعْطِيْكُمْ بِلَدِيْ اِعْطَاءَ الدَّلِيلِ وَلَا فِرْفِرَ الْعِيْدِ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تُرْجَمُوْنَ ... ۲۲

اور امام کی شجاعت و بہادری کے بارے میں اس قول کو بھی ملاحظہ کرے جو کہہ رہا تھا:

فوالله ماريث مكثوراً قذقيل ولده واخوته واهل بيته ... تاباً آخر ۲۳

اس مقام پر بہتر سمجھتا ہوں کہ اہل سنت کے کسی ایک دانشور کی گفتار سے استفادہ کرتے ہوئے اس بحث کو تمام کریں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: تاریخ کی با عظمت شخصیت جس نے دنیا کو درس دیا کہ ذلت و پستی کی زندگی پر غیرت، عزت اور تلوار کی موت کو ترجیح دیں وہ ابی عبد الحسین تھے کہ جنہیں آپ کے اصحاب کے ہمراہ عمر بن سعد کی جانب سے امان نامہ پیش کیا مگر اس عظیم انسان نے شرافت مندانہ موت کو پھر سعد کے اہانت امیز امان پر ترجیح دی ... ۲۴
ابن نباتہ کہتے ہیں:

الحسين الذي رأى القتل في العز حياة والعيش في الذل قتلاء

”حسین وہ ہے جس نے عزت کی موت کو زندگی جانا اور ذلت کی حیات کو قتل جانا ہے۔“

اور سید حیدر علی شاعر اہل بیت امام حسین کی ہمت و غیرت کو اپنے اشعار میں یوں نظم کرتے ہیں:

وَأَبَى اللّٰهَ وَالْحَسَامَ الصَّيْعَ

لَسَوْى اللّٰهَ مَالُوهُ خُضُوعَ

طَمَعَتْ اَنْ تَسْوِمَهُ الْقَوْمُ ضَيْمًا

كَيْفَ يَلُوْى عَلَى الدِّيْنَةِ جَيْدًا

لضمای القناوہن شروع

ولدیہ جاش ارڈ من اللرع

ضافت الارض وہی فیہ تضيع

وبہ يرجع الحفاظ لصلر

او تجلی الکفاح وهو صریع

فأبی أن یعیش الاعزیزاً

”لوگ حسینؑ کو حقیر دکھانا چاہتے تھے مگر خدا اور تلووار نے ایسا نہیں ہونے دیا، حسینؑ کس طرح بُرے لوگوں کے آگے گردن ختم کرتا جبکہ انکی گردن خدا کے حضور ختم ہونے والی ہے، حسینؑ کا صبر و استقامت زرہ سے زیادہ مضبوط ہے، حسینؑ نے عزت کے بغیر زندگی کو قبول نہ کیا اور آخری وقت تک صاحب عزت رہے۔“

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

لہم عرفت تحت القنا المتقصد

لقدمات لکن میتة هاشمیتة

فاشمہ شوک الوشیع المسدد

کریم ابی شَم الدنیة افہ

حیاض الردی لا وقفة المتردد

وقال بقی یانفس وقفة وارء

من الموت حیث الموت منه بمرصد

رای ان ظہر اللد اخشن مرکباً

برجل ولا یعطى المقادة عن ید

قائران یسعی علی جمرة الوغی

”حسینؑ مر گئے مگر بنی ہاشم کی موت کو شیر و نیزہ جانتے ہیں کہ وہ کیسی ہوتی ہے، یہ حسینؑ کون ہے؟ یہ وہ ہیں جنہوں نے ذات کی بوثک نہ نگھٹی یہاں تک کہ موت کو گلے لگا لیا اور حسینؑ نے فرمایا: اے میرے نفس! ایسے فرد کی طرح استقامت دکھا جو مرنے کی غرض سے جاتا ہے زندہ رہنے کیلئے نہیں، حسینؑ نے دیکھا کہ آگ پر چلنا آسان ہے لیکن یزید کی بیعت کرنا ممکن ہے۔“

اسی طرح فارسی زبان شاعر جناب صادق سرور امام حسینؑ کی وصف میں لکھتے ہیں:

نازم آن ماہی کہ خورشید فلک تابید از او

ماہ من تابید و شد تابان رخ خورشید از او

در تجلی ماہ از او، خورشید از او، تاہید از او

نازم آن روزی کہ در تاریخ ایام بزرگ

ورنہ حق گوید کہ بایلد روی حق پوشید از او

دیدنہ حق بین بیاید تا بیند روی حق

تا توہم نادیدہ بگشای لب تمجید از او

دیدنہ حق بین گشا و طلعت حق باز بین

آنکہ جان داہو جہان شلند زندہ و جاوید از او

آنکہ زاد و مرد آیین ستم از زادنش

بی خیال از آنکہ باطل حرف حق نشید از او

آنکہ باطل از کسی نشید و خود جز حق نگفت

و آنکہ بنیان ستم بی شاخ و بین گردید از او

آنکہ باخو دبوستان معدلت را آب داد

تا بہ پا گشت و علم شد پرچم تو حید از او

آنکہ پرچم داری اسلام را با خون خرید

گرچہ قدا فرشت در آغاز و سر پیچید از او

عاقبت دیدی کہ ظالم پیش سر نہاد

دولتی کتر مکرمت دولت بسی زاید از او

دولت حق دولت خاص حسین بن علی است

اور دوسرا شاعر کہتا ہے:

خلق در ظلّ خودی محو تو در نور خدا
عاشقان در تو مقیمند مقام تو کجاست
دشمنت کشت ولی نور تو خاموش نشد
آری آن جلوہ کہ فانی نشود نور خداست
ببرق سلطنت افتاد کیان راز کیان
سلطنت سلطنت تو ست کہ پابندہ لو است
نہ بقا کر دستمگر، نہ بہ جاماندستم
ظالم از دست شدو پایہ مظلوم بجاست
دولت آن یافت کہ در کوی شما گشت مقیم
آن بقار است نہ بر قامت ہر بی سرو پاست
زندہ رازندہ نگونند کہ مرگش ز قفاست
بلکہ زندہ است شہیدی کہ حیانش ز قفاست

امام حسین کے حکیمانہ کلمات

گذشتہ ابحاث میں بالخصوص کربلا کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کے خطاب اور آپؑ کے انسان ساز اور آموزندہ کلمات نقل کیے گئے، لہذا یہاں اُن سے ہٹ کر چند حکمت آمیز اقوال کے ذریعے اس حصے کو تمام کرتے ہیں۔

شیخ صدوق اپنی کتاب امالی میں امام سجادؑ سے نقل کرتے ہیں امام حسینؑ سے کہا گیا کہ آپ نے کیسے صبح کی؟ فرمایا:

اصبحت ولی ربّ فوقی، والنار امامی والموت یطلبنی والحساب مُحَدَقاً بی، وَاَنَا مُرْتَهَنٌ بِعَمَلی لَا اَجْلَما اَحْبُ، وَلَا اَدْفَعُ مَکْرَهُ، وَالْاُمُورُ بِلَدَغیری فَاِنْ شَاءَ عَذَبْنی وَاِنْ شَاءَ عَفِی عَنی، فَاَنْیَ فَقِیرٌ قِصْرَ مَنّی "اس حال میں صبح کا آغاز کیا کہ میرا پروردگار میرے سر پر ہے، آتش جہنم میرے مقابل ہے، موت میری تلاش میں ہے، حساب نے مجھے جکڑ رکھا ہے اور میں اپنے اعمال کی گرفت میں ہوں اور میں جسے چاہتا ہوں اسے نہیں پار ہا اور جسے نہیں چاہتا اس سے دوری نصیب نہیں ہو رہی اور میرے امور دوسرے کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ اگر چاہے تو عذاب کرے اور چاہے تو معاف کر دے، لہذا کون ہے جو مجھ سے زیادہ نیاز مند ہے۔"

کیسی عبادت بہتر ہے؟

علی ابن شعبہ اپنی کتاب تحف العقول میں امام حسینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

اِنَّ قَوْمًا عِبَدُوا اللّٰهَ رَغْبَةً فَتَلَکَ عِبَادَةُ التَّجَارَ، وَاَنَّ قَوْمًا عِبَدُوا اللّٰهَ رَهْبَةً فَتَلَکَ عِبَادَةُ الْعَبید، وَاَنَّ قَوْمًا عِبَدُوا اللّٰهَ شُکْرًا فَتَلَکَ عِبَادَةُ الْاَحْوَارِ وَهِيَ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ

"بے شک بہت سے لوگ اللہ کی عبادت کسی حاجت و رغبت کی وجہ سے کرتے ہیں جبکہ یہ عبادت تاجروں اور سودا گروں کی عبادت ہے اور بہت سے لوگ اللہ کی عبادت خوف و ہراس کی وجہ سے کرتے ہیں، جبکہ یہ غلاموں کی طرز عبادت ہے، لیکن کچھ لوگ از روئے شکر گزاری عبادت کرتے

ہیں اور یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے، جو بہترین عبادت ہے۔“
کسے حاجتوں سے آگاہ کریں؟

علی بن شعبہ اپنی کتاب تحف العقول میں روایت کرتے ہیں ایک شخص امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اپنی حاجت بیان کرے۔

امام نے فرمایا: اے انصاری بھائی! سوال کے ذریعے اپنی آبروریزی نہ کر، بلکہ مجھے خط کی صورت میں لکھ کر دے انشاء اللہ تعالیٰ تیری خوشی کا سامان فراہم کروں گا۔
اس انصاری نے اپنی ضرورت کو اس طرح لکھا:

”اے ابا عبد اللہ! حسینؑ میں نے فلاں شخص سے پانچ سو دینار بعنوان قرض لئے تھے اور اب وہ تقاضا کر رہا ہے، لیکن میرے پاس رقم نہ ہونے کی وجہ سے التماس ہے کہ مجھے اس شخص سے مزید مہلت لے کروں۔“

امام حسینؑ خط پڑھ کر گھر تشریف لے گئے اور واپس آ کر ایک ہزار دینار کی تھیلی اسے عطا کرتے ہوئے فرمایا: پانچ سو دینار سے قرض ادا کرنا اور باقی پانچ سو دینار اپنی زندگی کے اخراجات کیلئے رکھ لینا اور آخر میں فرمایا:

لا تسرف حاجتک الا الی أحد ثلاثۃ: الی ذی دین، او مروءة او حسب، فاما ذو الذین فیصون دینہ، واما ذو المروءة فانه يستحی لمروءتہ واما ذو الحسب فیعلم انک لم تکرّم وجہک ان تبدلہ لہ فی حاجتک فہو یصون وجہک ان یؤذک بغیر قضاء حاجتک ”اپنی حاجتوں کو ان تین افراد کے علاوہ کسی کے آگے بیان نہ کرنا: دیندار، صاحب مروت اور صاحب حسب و نسب، کیونکہ دیندار اپنے دین کی حفاظت کرے گا (اور تمہیں حرم نہیں کرے گا) اور صاحب مروت کیلئے شرم آور ہوگا کہ وہ تمہاری حاجت پوری نہ کرے اور صاحب حسب و نسب جانتا ہے کہ تم یوں ہی اپنی حاجت اس کے پاس لے کر نہیں گئے ہو، لہذا وہ اپنی آبروریزی کیلئے تمہیں خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔

غیبت، ظلم اور گناہ کی مذمت

امام حسینؑ نے اس شخص سے جو آپ کے حضور کسی دوسرے شخص کی غیبت کر رہا تھا فرمایا:

یاهذا کف عن الغیبت فانہا ادم کلاب النار ”اے شخص غیبت کرنے سے پرہیز، کیونکہ یہ جہنمی کتوں کی غذا ہے۔“

اور اپنے فرزند حضرت علی بن الحسینؑ سے فرمایا:

ای بنی اباک وظلم من لایجد علیک ناصر الا اللہ جلّ وعز ”اے میرے فرزند! اس پر ظلم کرنے

سے بچو جو خدا کے علاوہ تمہارے مقابل کوئی مددگار نہیں رکھتا۔“
اور گناہ و معصیت کی مذمت میں فرمایا:

من حاول أمر أبغضه الله كان الموت لمأبرج، واسرع لمأبرج، "جو کسی شے کے حصول کیلئے
نیزنگی سے کام لے اور خدا کی نافرمانی کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہے تو اس طرح حاصل شدہ
شے جلد ہاتھ سے دھو بیٹھے گا اور جس چیز سے ڈرتے ہوئے فرار اختیار کرے گا وہ ضرور اسے آن
لے گی۔"

سلام کی تاکید
ایک شخص امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کئے بغیر آپؑ کی خیریت دریافت کرنے لگا کہ
اے فرزند رسولؐ! آپؑ کے کیا حال ہیں، اللہ آپؑ کو صحت و سلامتی سے ہمکنار رکھے؟
امامؑ نے فرمایا:
السلام قبل الكلام "گفتگو سے قبل سلام کرنا چاہیے۔"
اور فرمایا:

لا تأذنوا لأحد حتى يسلم "کسی کو بھی سلام سے پہلے گفتگو کی اجازت نہ دو۔"
اور اسے بارے میں مزید ارشاد فرمایا:

للسلام سبعون حسنة، تسع وستون للمبتدئ، وواحدة للوارد "سلام کیلئے ستر نیکیاں اور جزائے خیر
لکھی گئی ہیں، چنانچہ انہتر پہل کرنے والے کو اور ایک جواب دینے والے کو نصیب ہوگی۔"
نیز ارشاد فرمایا:

البخيل بالسلام ۲۵ "بخیل وہ ہے جو سلام کرنے سے بخل کام لے۔"

کس چیز میں خیر دنیا و آخرت پائی جاتی ہے؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے وہ اپنے پدر گرامی امام زین العابدینؑ سے روایت
نقل کرتے ہیں، اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے امام حسینؑ کے نام خط لکھا: اے میرے مولا و آقا! مجھے دنیا
و آخرت کی خیر سے آگاہ فرمائیں؟ امامؑ نے جواباً تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم أنا بعد فان من طلب رضى الله بسخط الناس كفاه الله امور الناس، ومن
طلب رضى الناس بسخط الله وكله الله الى الناس والسلام ۲۶ "بسم الله الرحمن الرحيم جو خدا
کی خوشنودی کو لوگوں کی نافرمانی کے عوض حاصل کرے خدا تمام لوگوں کو اس کا محتاج بنا دے گا اور جو
شخص لوگوں کی خوشنودی غضب الہی کے عوض حاصل کرے خدا اسے لوگوں پر چھوڑ دے گا۔ سلام"

کیونکہ نامہ نویس اہل کوفہ میں سے تھا تو شاید امامؑ نے اس جواب کے ذریعے اپنے خوئیچوں کا قیام کی جانب بھی اشارہ فرمایا:

اے اہل کوفہ! بن زیاد اور یزید ابن معاویہ جیسوں کی رضایت کی خاطر خود کو جہنمی اور بد بخت مت بناؤ۔

ترکِ گناہ پر حضرت کا موعظہ

روایت میں ہے ایک شخص امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں گناہگار انسان ہوں اور خود کو گناہ و معصیت الہی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا، لہذا مجھے وعظ فرمائیں۔ امامؑ نے فرمایا:

افعل خمسة اشیاء واذنب ما شئت، فأول ذلك: لا تأكل رز الله واذنب ما شئت، والثاني: اخرج من ولاية الله واذنب ما شئت، والثالث: اطلب موضعاً لا يراك الله واذنب ما شئت، والرابع: اذا جاء ملك الموت ليقبض روحك فادفعه عن نفسك واذنب ما شئت، وال خامس: اذا دخلك مالک فی النار فلا تدخل فی النار واذنب ما شئت ”پانچ کام انجام دے پھر اس کے بعد جتنا دل کرے گناہ کرے، پہلا یہ کہ اللہ کا رزق کھانا چھوڑ دے پھر جو چاہے کرے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کی ولایت و حکومت سے خارج ہو جا پھر جو چاہے انجام دے، تیسرا یہ کہ ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا تجھے نہ دیکھ رہا ہو پھر جو چاہے گناہ انجام دے، چوتھا یہ کہ جب ملکوت الموت تیری روح قبض کرنے آئے تو اسے خود سے دور کر دینا پھر جو چاہے انجام دے، پانچواں یہ کہ جب فرشتہ تجھے دوزخ میں ڈالنے لگے تو دوزخ میں مت جانا پھر جو چاہے گناہ انجام دے۔“

کار خیر کی سفارش

علی بن یحییٰ اربلی اپنی کتاب کشف الغمہ میں امام حسینؑ کا یہ خطبہ نقل کرتے ہیں:

ایہا الناس نافسو فی المکارم۔

وسار عوافی المقام۔

ولا تحسبوا بمعروف لم تعجلوا۔

واکسبوا الحمد بالفتح، ولا تکنسوا بالمطل ذمّاً۔

فمہم ما یکن لأحد عند أحد ضیعة له رأی انه لا یقوم بشکرها فالله له بمکافاته فانه أجزل عطاء أو اعظم اجرا۔

واعلموا ان حوائج الناس الیکم من نعم الله علیکم فلا تملوا النعم فتحدوا نقماً۔

واعلموا ان المعروف مکسب حمداً ومُعقب اجرا، فالورأیتم المعروف رجلاً رأیتموه حسناً جمیلاً

تُسِرُ النَّاطِرِينَ، وَلَوْ رَأَيْتُمُ الْمَوْتَ رَأَيْتُمُوهُ سَمِعَ جَمَشُوا هَاتِفَهُ مِنْهُ الْقُلُوبُ وَتَفَضَّ دُونَهُ الْإِبْصَارُ.

ایہا الناس من جاد ساد، ومن بخل رذل.

وان اجود الناس من اعطى من لا يرجوه.

وان اعفى الناس من عفا عن قدره.

وان اوصل الناس من وصل من قطعته.

والاصول على مغار سها بفر و عها تسموا، فمن تعجل لأخيه خيرا أو جده اذا قدم عليه غدا، ومن

أراد الله تبارك وتعالى بالصنعة الى أخيه كافأه بها في وقت حاجته، و صرف عنه من بلاء

الدنيا ما هو أكثر منه.

ومن نفس كربة مؤمن فرج الله عنه كرب الدنيا والآخرة، ومن أحسن أحسن الله اليه، والله يحب

المحسنين.

”اے لوگو! ایک دوسرے پر نیکیاں کرنے میں سبقت اختیار کرو اور زندگی کی غمیوں میں سرعت سے کام لو اور ان کا دھائے خیر کو شمار نہ کرو جو تمہارے حساب میں نہیں لکھے گئے اور اپنی ستائش کامیابی کے ذریعے حاصل کرو اور اپنے لئے امر و زور و فرا کرنے سے سرزنش و مذمت کو تہیہ نہ کرو۔ پس جب بھی کسی کو کسی سے نیک کام برآوردہ کروانا مقصود ہو مگر حاجت مند سپاس گزار نظر نہ آئے تو (جان لو کہ) خدا اس سے کہیں زیادہ اجر و ثواب عطا کرے گا اور جان لو کہ تمہاری جانب لوگوں کے مسائل و مشکلات کا آنا اللہ کی نعمتوں میں سے ہے، پس نعمتوں کے حصول میں سستی سے کام نہ لینا ورنہ نعمت عذاب میں تبدیل ہو جائے گی اور جان کہ کار خیر کا نتیجہ تعریف و ستائش اور بہتر اجر ہے اور اگر کار خیر کو مجسم دیکھنا چاہو تو ایسے خوب صورت شخص کو دیکھو گے کہ جس کا دیدار سرور آ و رہے اور اگر بُری و بدی کو مجسم دیکھنا چاہو تو ایسے بد شکل شخص کو دیکھو گے جس سے دل متنفر اور آنکھیں روگردان ہیں۔ اے لوگو! صاحب بخشش اور صاحب کرم ہی سید و سردار ہے اور جو بخل اختیار کرتا ہے وہ پستی و ذلت میں اتر جاتا ہے، بہترین سخی وہ ہے جو قدرت کے باوجود غنوغذشت سے کام لے، تعلقات و دوستی قائم کرنے والوں میں بہترین شخص وہ ہے جو ان سے تعلقات اپنائے جنہوں نے تعلقات توڑے ہیں، جزیں شاخوں کے ذریعے بلند ہوتی ہیں، پس جو شخص اپنے دینی برادر کی نسبت کار خیر میں جلدی کرے وہ کل بروز قیامت دیکھے گا کہ خداوند متعال نے مشکل وقت کیلئے اس کار خیر کی بہترین پاداش قرار دی ہے اور جتنی بھی دنیاوی بلائیں ہوں انہیں دور کر دے گا اور جو کسی مومن کے غم و اندوہ کو برطرف کرے خدا اسکے غموں کو دنیا و آخرت میں برطرف کرے گا اور جو نیکی اور بھلائی انجام دے خدا اس کے ساتھ نیکی کرے گا اور خدا تو نیکی و بھلائی کرنے والوں

کو پسند کرتا ہے۔

حضرت کا ایک اور خطاب

نیز اسی کتاب میں امام حسینؑ سے روایت ہے آپؑ نے ارشاد فرمایا:

ان الحكم زينة، والوفاء مروية، والصلة نعمة، والاستكبار صلف، والعجلة سفه، والسفه ضعف، والغلو ورطة، ومجالسة اهل الدناء شر، ومجالسة اهل الفسق رية "بے شک بر و باری و علم زینت، وفامردانگی، تعلقات نعمت ہے اور خود کو بزرگ بنانا زیادہ روی و تجاوز ہے، اسی طرح جلد بازی سفاہت (نادانی) اور سفاہت ناتوانی ہے اور غلو گڑھا ہے، پست لوگوں کی محبت شر اور فاسقوں کی محبت تہمت آور ہے۔"

تقوئے الہی کی سفارش

تحف العقول میں امام حسینؑ سے روایت ہے آپؑ نے تقوئے الہی کی سفارش کے بارے میں فرمایا:

او صيكم بقوى الله فان الله قد ضمن لمن اتقاه ان يحولہ عما يكره الى ما يحب، ويرزقه من حيث لا يحتسب، فإياك ان تكون ممن يخاف على العباد من ذنوبهم ويأمن لاعتقوبه من ذنبه، فان الله

تبارک و تعالیٰ یخدع عن جنتہ ولا ینال ما عنده الا بطاعته ان شاء الله

"تمہیں تقویٰ الہی کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ خدا نے متقی و پرہیزگار شخص کی ضمانت لی ہے کہ اسے بد حالی سے خوشحال میں منتقل کر دے اور ایسے مقام سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں تھا۔ پس اس بات سے بچو کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو دوسروں کے گناہوں سے ڈرتا ہے مگر اپنے کیفر گناہ سے بے خیال اور آسودہ ہے اور بے شک خدا اسکی جنت کے بارے میں فریب کھانے والوں میں سے نہیں اور کوئی شخص سوائے اطاعت و فرمانبرداری کے قرب الہی حاصل نہیں کر سکتا۔"

خداوند کا سپاس گزاری ہوں کہ اس نے سید و سالار شہداء امام حسینؑ کی زندگی پر مشتمل کتاب تالیف کرنے اور اس تمام کرنے کی توفیق مجھ جیسے بے بضاعت کو عطا فرمائی اور امید ہے دیگر اوقات کی طرح آئندہ بھی اس عظیم توفیق سے سرفراز رکھے تاکہ یہ تالیفات قیامت میں مجھ گنہگار کے کام آسکیں اور خداوند کریم مجھ فقیر و نیازمند سے ایسی توفیقات سلب نہ کرے۔

والحمد لله اولاً و آخراً۔

۱۳ محرم الحرام ۱۴۱۲ ہجری قمری

سید ہاشم رسولی محلاتی

حواشی و حوالہ جات

۱۰ اور [اصول کافی کتاب الحج باب الاشارة والخص علی الحسین بن علی، بحار الانوار ج ۳۳ ص ۱۷۵، اثبات الہدایۃ ج ۵ ص ۱۶۹، ۱۷۰]

۱۱ [الخص ب ج ۵ طبع نجف ص ۴۷۰]

۱۲ [اثبات الہدایۃ ج ۵ ص ۱۷۸]

۱۳ [امانہ تفکر عینی انک لا تاکل من بر العراق بعدی الاقلیاء]

۱۴ [عقد الفرید ابن عبد رباندی ج ۲ ص ۲۲۰، احقاق الحق ج ۱۱ ص ۴۱۸، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۹]

۱۵ [تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۷۳]

۱۶ [حیۃ الامام الحسین، باقر شریف ج ۱ ص ۱۳۲]

۱۷ [احقاق الحق ج ۱ ص ۳۲۳]

۱۸ [فصول الہمہ ص ۱۸۳]

۱۹ [مناقب ابن شہر آشوب اور زمخشری کی ربیع الارباب میں یہ روایت کچھ مختلف طور پر نقل ہوئی ہے کہ امام ان کے ساتھ یہ فرما کر نہ بیٹھے: لولا انہ صدقہ لاکلث معکم اگر یہ صدقہ نہ ہوتا تو ضرور کھانا پھر فرمایا اثم قال: قوموا لی منزلی، فاضعہم وکساہم وامرہم بدمہم تم سب لوگ میرے گھر چلو یہاں انھیں پس انھیں کھانا کھلایا، لباس دیا اور دستور دیا کہ انھیں درہموں کی تھیلی دی جائے۔]

۲۰ [تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۲۵۷]

۲۱ [علامہ شیخ محمد تقی شوشتری اپنی کتاب الاخبار الذخیلہ میں کہتے ہیں کہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع تحریف شدہ ہے چنانچہ صحیح یوں ہوگا: لو کان فی عصانا الغدا قسیر کیونکہ امثال عرب میں ملتا ہے: لو کان فی العساسیر "سیرا" کمال کو کہتے ہیں کہ جو مسافر کی عصا کے ساتھ باندھی جاتی ہے تاکہ خواب خفی کے وقت مسافر زمین پر گر نہ جائے پھر کہتے ہیں کہ اس طرح ہمیں اس تکلف کی جو بحار الانوار میں اسکے معنی کیلئے بیان کیا گیا ہے ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم]

۲۲ [میں اس لئے رد ہا ہوں کہ آپ جیسے سخاوت مند افراد کیوں اس دنیا سے چلے جائیں اور مٹی میں دفن ہو جائیں اور کیوں یہ جو دو خزانہ زمین سے رخت سفر باندھ لے۔]

۲۳ [مناقب آل ابی طالب ج ۳ ص ۷۵]

۲۴ [کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۰۶، سی طرح کی ایک اور روایت ابن مبارک مالکی نے جو معروف سنن عالم ہیں اپنی کتاب فصول الہمہ (ص ۱۵۹ طبع نجف) میں نقل کی ہے۔]

۲۵ [ملکحات احقاق الحق ج ۱۱ ص ۴۲۲، ۴۲۳]

۲۶ [مناقب ج ۳ ص ۶۶]

۱۹ [آٹھواں باب میں اسکا ترجمہ بیان ہو چکا ہے۔]

۲۰ [آٹھویں باب میں ترجمہ ملاحظہ کریں۔]

۲۱ [تیسرا باب ملاحظہ ہو]

۲۲ [تیسرا باب ملاحظہ ہو]

۲۳ [چھٹا باب ملاحظہ ہو]

۲۴ [حیاء الامام حسینؑ، باقر شریف، ج ۱ ص ۱۱۳]

۲۵ [تحف العقول ص ۲۳۵]

۲۶ [بحار الانوار ج ۵ ص ۱۲۶]

فہرست

تیسرا باب	مؤلف کے مختصر حالات زندگی ۵
رحلت رسول خدا سے شہادت امیر المومنین تک ۳۳	پہلا باب
وقت رحلت حسین کی سفارش ۳۳	ولادت ۹
فراق مادر ۳۳	ام فضل نے خواب دیکھا ۱۰
ماں کا جنازہ ۳۵	قصہ ولادت اور انتخاب اسم ۱۰
آخری رسومات ۳۶	ولادت کے بعد ۱۰
ماں کی شہادت کے بعد ۳۷	لسان پیغمبر سے ذکر شہادت ۱۱
میرے بابا کے منبر سے اتر آئے ۳۸	فرشتے کی شفا یابی ۱۲
عثمان کا دور حکومت ۳۹	حواشی اور حوالہ جات ۱۲
فتح ایران، افریقا و دیگر واقعات میں حسین کی شرکت	دوسرا باب
پراہل تاریخ میں سے چند ایک کا اظہار خیال ۴۰	ایام نونہالی میں ماں، باپ اور نانا کا سایہ ۱۷
حضرت ابوذر کی جلاوطنی کا غم انگیز واقعہ ۴۲	۱۔ حسین منی و انا من حسین ۱۷
قتل عثمان کی داستان ۴۳	۲۔ امام حسین کی محبت پر ایک بہترین حدیث ۱۸
والد کی حکومت کے دوران ۴۴	۳۔ حضرت یوسف سے امام حسین کی شہادت ۱۹
امیر المومنین سے لوگوں کی بیعت کا دن ۴۴	۴۔ حضرت جابر سے ایک روایت ۲۱
رکاب پدر میں ناکشیں، قاضین اور مار قین	۵۔ ابو ہریرہ سے ایک روایت ۲۱
سے جنگ ۴۵	۶۔ رسول خدا اپنی زبان اور انگشت مبارک ۲۲
جنگ صفین و نہروان میں ۴۶	۷۔ امام حسین کی نسبت پیغمبر اسلام کا
امام حسین سے امیر المومنین کی وصیت ۴۸	اظہار محبت ۲۳
جامع اور درس آموز وصیت ۵۰	۸۔ امام حسین اور ان کے محبت جنتی ہیں ۲۷
پدر بزرگوار کے آخری مراسم ۵۲	۹۔ ایک قابل توجہ حدیث ۲۸
حواشی اور حوالہ جات ۵۵	۱۰۔ یہ بھی ایک اور دلچسپ روایت ۲۸
چوتھا باب، شہادت پدر کے بعد ۵۹	حواشی اور حوالہ جات ۳۰
صلح امام حسن پر امام حسین کا موقف ۵۹	

- ۶۳..... صلح امام حسین کا موقف ۶۳..... حواشی اور حوالہ جات ۹۳.....
- ۶۴..... جمعہ بن ہبیرہ کا امام حسین کے نام خط ۶۴..... چھٹا باب ۹۴.....
- ۶۵..... دونکات کے ذریعے اختلاف روایات کا حل ۶۵..... یزید کی ولی عہدی ۹۵.....
- ۶۶..... صلح کے بعد، اور مدینہ واپسی ۶۶..... معاویہ کو مشورہ دینے والا پہلا شخص ۹۶.....
- ۶۸..... شہادت امام حسن کا غم انگیز ماجرا ۶۸..... زیاد بن ابیہ سے معاویہ کا اس معاملہ میں رائے ۱۰۰.....
- ۷۰..... حواشی و حوالہ جات ۷۰..... طلب کرنا ۱۰۰.....
- پانچواں باب کیوں معاویہ نے اس ہولناک جنایت اور فساد ۱۰۱.....
- ۷۳..... بھائی کی شہادت کے بعد ۷۳..... کی جڑ کو مسلمانوں پر تحمیل کیا؟ ۱۰۱.....
- ۷۴..... کتب اہل سنت میں معاویہ کا کردار ۷۴..... اس شیطانی ہدف تک پہنچنے کیلئے معاویہ نے ۱۰۲.....
- ۷۵..... حدیث کا مافی ۷۵..... کوئی کسر نہیں چھوڑی ۱۰۲.....
- ۷۵..... معاویہ کے دیگر جرائم بطور اختصار شراب نوشی ۷۵..... خطیبوں اور شاعروں کو خریدنا ۱۰۲.....
- ۷۷..... معاویہ کی سود خواری ۷۷..... خوف و ہراس و دہشت اور مخالفین کا قتل ۱۰۴.....
- حکم رسول کے خلاف اپنے باپ کے زنا زادہ کو مخالفین کی جلا وطنی، خوف و رعب اور طاقت ۱۰۵.....
- خود سے نسبت دینا ۷۷..... کا استعمال ۱۰۵.....
- حدود الہی کا تعطل ۸۱..... مختلف شہروں میں نامہ رسائی اور مفصل سمینار کا ۱۰۵.....
- ۸۱..... بروز بدھ نماز جمعہ کا انعقاد ۸۱..... انعقاد ۱۰۶.....
- ۸۳..... یزید کی ولی عہدی ۸۳..... ایک نکتہ پر توجہ ۱۰۹.....
- ۸۳..... شکار کا عاشق ۸۳..... معاویہ کے بیعت یزید لینے کے بعد کیا ہوا ۱۱۰.....
- ۸۵..... یزید کو بندروں سے بہت پیار و محبت ۸۵..... امام حسین کے نام معاویہ کا خط ۱۱۲.....
- ۸۶..... یزید ہمیشہ شراب میں مست رہتا تھا ۸۶..... امام حسین کا دندان شکن جواب ۱۱۲.....
- ۸۹..... کفر کا اظہار یزید اپنی زبانی ۸۹..... امام نے اس خط کے ذریعے اپنے موقف کا ۱۱۶.....
- تین سالہ خلافت میں تین بے مثال ہولناک اعلان کر دیا ۱۱۶.....
- ۸۹..... حادثات ۸۹..... امام اموال حکومت ضبط کر کے معاویہ کو خط لکھا ۱۱۷.....
- یزید کی بے دینی اور حرمت شکنیوں کے اسباب منی میں عظیم اجتماع سے خطاب ۱۱۸.....
- کیا تھے؟ ۹۰..... مرگ معاویہ ۱۲۳.....
- ان گناہوں کا بڑا ذمہ دار معاویہ تھا ۹۱..... مرتے وقت یزید کو معاویہ کی وصیت ۱۲۵.....

۱۶۷..... نظریہ کا تحلیل و تجزیہ	۱۲۸..... حاشیہ وحوالہ جات
۱۷۲..... ایک نکتہ دلچسپ اہم	ساتواں باب
۱۷۳..... حضرت کے زیارت نامہ سے تائید دعا	یزید کی سنگین حکومت کے دوران سے قیام
۱۷۴..... امام کا اپنی اور یاران کی شہادت سے باخبر ہونا	امام حسین تک
۱۷۴..... شہادت امام حسین پر تاویل آیات	حاکم مدینہ ولید کے نام یزید کا خط
۱۷۶..... بغیر اسلام سے نقل شدہ روایات	ولید کا مروان سے مشورہ
۱۷۶..... امیر المؤمنین علی سے منقول روایات	امام حسین مجلس ولید میں
۱۷۸..... ام سلمہ سے منقول روایات	مروان بن حکم کو بہتر پہچانیں
۱۸۱..... ابن عباس سے منقول روایات	بقیہ داستان
۱۸۲..... عائشہ سے روایات	امام کا جواب قیام کی تحریک کو بھی واضح درویش
۱۸۲..... ام الفضل کی روایات	کرتا ہے
۱۸۳..... امیر المؤمنین علی منقول روایات	یزید کے فتنہ و کفر پر علماء اہلسنت کا بیان
۱۸۶..... خود امام حسین سے منقول روایات	دوسرے روز امام کی مروان بن حکم سے گفتگو
اب تک جو کچھ قیام امام حسین کی پہلی علت	شب دوم امام حسین کا مدینہ سے خروج
۱۸۷..... کے بارے میں ذکر ہوا کا خلاصہ	شب خروج جو خواب امام نے دیکھا اور اس کی
۱۸۸..... خن محمد عبیدہ	صحت و سقم
۱۸۸..... خن استاد محمد عبدالباقی	امام حسین کا وصیت نامہ
۱۸۹..... خن علائکی	سوئے مکہ امام کی روانگی
۱۹۲..... حواشی وحوالہ جات	حواشی وحوالہ جات
نواں باب	آٹھواں باب
مکہ مکرمہ کی جانب روانگی اور اسکے بعد رونما	امام حسین کے مقدس قیام کے علل و اسباب پر بحث
۱۹۷..... ہونے والے واقعات	و گفتگو اور اس سے مربوط روایات پر تحقیق
۲۰۲..... عبداللہ بن مطیع عدوی سے امام کی ملاقات	شرعی ذمہ داری حکم الہی اور احساس جوابدہی
۲۰۳..... مکہ میں امام کی آمد	نتیجہ بحث
۲۰۳..... امام کی مکہ آمد پر متعدد رد عمل	ایک اور اہم سوال کا جواب
۲۰۴..... یزید نے کیا کیا؟	کیا امام کا ہدف حکومت تشکیل دینا تھا؟

الف۔ حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کی معزولی..... ۲۰۴	اہل کوفہ کا بیعت اور حضرت مسلم کا امام حسین
ب۔ ابن عباس کے نام یزید کا خط..... ۲۰۵	کوفہ لکھنا..... ۲۳۰
ابن عباس کا جواب..... ۲۰۶	حاکم کوفہ کا رد عمل..... ۲۳۱
عبداللہ بن زبیر کی امام حسین اور بنی ہاشم کی	بنی امیہ کے طرفدار تک و دو میں پڑ گئے..... ۲۳۲
نسبت دشمنی..... ۲۰۶	یزید کا اضطراب اور سر جوں سے مشورہ..... ۲۳۳
عبداللہ بن زبیر کے بارے میں ایک ضروری	عبداللہ بن زیاد کی بصرہ سے کوفہ روانگی..... ۲۳۳
تذکرہ اور توضیح..... ۲۰۸	عبداللہ بن زیاد کا کوفہ میں داخلہ..... ۲۳۳
بحث کا بقیہ حصہ..... ۲۱۰	عبداللہ بن زیاد کا اہل کوفہ سے خطاب..... ۲۳۵
اہل کوفہ کے دعوت نامے..... ۲۱۱	ہانی بن عروہ کے گھر حضرت مسلم کا پہنچنا..... ۲۳۶
کوفہ میں سلیمان بن صرہ کے گھر میں شیعہوں کا	شریک بن اعور کی بیماری اور مسلم بن عقیل کی
اجتماع..... ۲۱۲	مردانگی کی ایک داستان..... ۲۳۷
اُس وقت عراق کے حالات..... ۲۱۵	ابن زیاد حضرت مسلم کی خفیہ ٹھکانے کی
بصرہ کے حالات..... ۲۱۶	تلاش میں..... ۲۳۹
امام حسین کا بصرہ کے بزرگوں اور سرداروں کے	ابن زیاد کا ہانی بن عروہ کو گرفتار کرنا..... ۲۴۱
نام خط..... ۲۱۷	قیام مسلم بن عقیل..... ۲۴۷
احنف بن قیس کا جواب..... ۲۱۸	طلوع کے دروازے پر..... ۲۵۹
یزید بن مسعود ہنظلی کا جواب..... ۲۱۹	اس شب کوفہ میں کیا گزری؟..... ۲۵۱
حواشی و حوالہ جات..... ۲۲۲	مشہور شیعہ شخصیات کی گرفتاری اور عوام کیلئے
سوال باب	پرچم امان..... ۲۵۳
سفیر امام حسین مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور	ایک یاد دہانی اور ایک سوال..... ۲۵۳
وہاں سے روٹنا ہونے والے واقعات امام کا	بحث کا بقیہ حصہ..... ۲۵۴
اہل کوفہ کے خطوط کا جواب..... ۲۲۵	جناب مسلم کے ساتھ ابن زیاد کا مکالمہ اور
مسلم بن عقیل کی شخصیت..... ۲۲۶	شہادت..... ۲۵۹
مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی..... ۲۲۷	ہانی بن عروہ کی شہادت..... ۲۶۱
کوفہ میں حضرت مسلم کا داخلہ..... ۲۲۹	حاشیہ و حوالہ جات..... ۲۶۵
عابس بن شعیب شاکری کی گفتگو..... ۲۲۹	

۲۹۷..... حواشی و حوالہ جات	گیارہواں باب
بارہواں باب	کوفہ اور اس شہر کے لوگوں کے حالات مسلم اور
۲۹۹..... عراق کی جانب امام حسین کا سفر	بانی کی شہادت کے بعد..... ۲۶۷
۲۹۹..... عراق کا انتخاب کیوں؟	کوفہ میں شدید ہشت خوف و ہراس کا عالم..... ۲۶۸
۳۰۲..... کوفہ کی جانب سفر پر ممانعت	بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اور شیعہوں سے
۳۰۲..... عبداللہ بن زبیر	زندانیوں کا پُر ہونا..... ۲۶۹
۳۰۳..... عمرو بن سعید اشدرق	ابن زیاد کو کوفہ والوں پر کیسے مسلط ہوا؟..... ۲۶۹
۳۰۴..... عبداللہ بن عمر بن خطاب	الف و شمن کی دھوکہ دہی اور فریب کاری..... ۲۷۰
۳۰۶..... عبداللہ بن عباس	اہل کوفہ کی سستی نفسیات و دروئی، دنیا پرستی اور ان
۳۰۷..... محمد بن حنفیہ	میں سے اکثر کی بے وفائی..... ۲۷۱
۳۰۸..... عبداللہ بن جعفر	امام حسن کے ساتھ کیا کیا؟..... ۲۸۲
۳۱۱..... عراق کی جانب سفر میں حضرت کے روایات	حضرت زید بن علی کے ساتھ کیا کیا؟..... ۲۸۳
۳۱۱..... مکے میں امام حسین کا خطبہ	عبداللہ بن عمر کا جملہ..... ۲۸۴
۳۱۲..... تاریخ سفر اور عمرہ کی ادائیگی	خود عمر بن خطاب کا جملہ..... ۲۸۵
۳۱۳..... مکے سے امام حسین کی روانگی	اہل کوفہ کی بے وفائی پر ایک مثال..... ۲۸۵
۳۱۴..... معروف شاعر فرزدق سے ملاقات	ثانی زہراءؑ کے اہل کوفہ سے خطاب..... ۲۸۶
۳۱۵..... مقام معصیم	کوفی سماج میں عدم وحدت اور سیاسی ناچنگی..... ۲۸۶
۳۱۶..... عبید اللہ ابن زیاد کے نام یزید کا خط	کوفہ مختلف قبائل کی ہجرت گاہ..... ۲۸۷
۳۱۶..... ابن زیاد کے نام ولید بن عتبہ کا خط	کوفہ کی قومیں..... ۲۸۷
۳۱۶..... مقام حجاز سے اہل کوفہ کے نام امام حسین	کوفہ کے ادیان و مذاہب..... ۲۸۸
۳۱۶..... کا خط	خوارج کا اجتہاد اور ان کے جرائم..... ۲۸۹
۳۱۹..... عبداللہ ابن مطیع عدوی	بنی امیہ کے طرفدار..... ۲۹۱
۳۲۰..... زہیر بن قین بجلی کا ملحق ہونا	کوفہ میں دیگر ادیان کے پیروکار..... ۲۹۲
۳۲۲..... مقام شرمیہ	دین یہود..... ۲۹۲
۳۲۳..... مقام زروہ جہاں جناب مسلم کی خبر شہادت	اشکر کوفہ میں مختلف قبائل..... ۲۹۳
۳۲۳..... پٹنہ	ایک سوال کا جواب..... ۲۹۴

۳۷۰.....	امام حسینؑ سے چند افراد کا ملحق ہونا.....	۳۲۲.....	مقام زبالہ.....
۳۷۱.....	حواشی وحوالہ جات.....	۳۲۵.....	مقام بطن عقبہ.....
۳۷۲.....	چودھواں باب.....	۳۲۶.....	مقام شراف.....
۳۷۳.....	امام کے اصحاب و انصار کی شہادت.....	۳۳۰.....	مقام بیضہ.....
۳۷۶.....	الشکر کی صف آرائی.....	۳۳۱.....	مقام ربیعہ.....
۳۸۳.....	موت کی حقیقت پر کلام امام.....	۳۳۲.....	مقام عذیب البجانات.....
۳۸۴.....	حربین یزید ریاحی کی توبہ اور اس کا امام سے ملحق ہونا.....	۳۳۳.....	داستان طرمح پر تحقیقی نگاہ.....
۳۸۷.....	آغاز جنگ اور پہلا حملہ.....	۳۳۶.....	مقام قصر بنی مقاتل.....
۳۸۸.....	عبداللہ بن عمیر کلبی کا جہاد.....	۳۳۹.....	حضرت علی بن الحسین کی فضیلت.....
۳۹۰.....	تن و تنہا مقابلے.....	۳۳۹.....	آخری قیام کر بلا میں.....
۳۹۱.....	امام کا استغاثہ اور استعمار.....	۳۴۱.....	کر بلا میں امام کا پہلا خطاب.....
۳۹۱.....	امام کے مہینہ پر دشمن کا حملہ.....	۳۴۳.....	حواشی وحوالہ جات.....
۳۹۲.....	شہادت مسلم بن عوجہ.....	۳۴۷.....	تیرھواں باب.....
۳۹۳.....	شہادت عبداللہ بن عمیر کلبی.....	۳۵۰.....	کر بلا میں کیا گزری؟.....
۳۹۴.....	شمر کی شرم آور حرکت.....	۳۵۰.....	عمر سعد کا کر بلا میں وارد ہونا اور باقی ماجرا.....
۳۹۴.....	شہادت ابو اشعث.....	۳۵۳.....	سپاہیوں کا فرار کرنا.....
۳۹۵.....	ابو ثمامہ صیداوی کا نماز یاد رکھنا.....	۳۵۵.....	لشکر امام کی تعداد.....
۳۹۶.....	شہادت حبیب بن مظاہر.....	۳۵۶.....	حبیب ابن مظاہر کا بنی اسد سے مدد طلب کرنا.....
۳۹۶.....	شہادت حربین یزید ریاحی.....	۳۵۶.....	شدت پیاس.....
۳۹۸.....	بقیہ داستان اور نماز کی ادائیگی.....	۳۵۸.....	حضرت عباسؑ اور نافع بن ہلالؑ کا پانی لانا.....
۳۹۸.....	تیر اندازوں کو حکم ابن سعد.....	۳۵۹.....	امام کا عمر بن سعد سے مذاکرہ.....
۳۹۹.....	شہادت ابو ثمامہ صیداوی.....	۳۶۳.....	غروب تاسوعا.....
۳۹۹.....	شہادت زہیر بن قین و ابن مضارب.....	۳۶۳.....	شب عاشورہ امام اور اصحاب امام کی آخری رات.....
۴۰۲.....	شہادت عمرو بن قرظہ انصاری.....	۳۶۶.....	امام نے خواب دیکھا.....
۴۰۳.....	شہادت نافع بن ہلال جملی.....	۳۶۹.....	

۴۴۱.....	شہادت غلام ترکی.....	۴۰۵.....	شہادت غلام ترکی.....
۴۴۲.....	شہادت جعفر بن عقیل.....	۴۰۵.....	شہادت بریر بن خضیر.....
۴۴۳.....	شہادت عبدالرحمن بن عقیل.....	۴۰۸.....	شہادت حنظلہ شہابی.....
۴۴۴.....	شہادت محمد بن عبداللہ بن جعفر.....	۴۰۹.....	شہادت دو جابری جوان.....
۴۴۴.....	شہادت عون بن عبداللہ بن جعفر.....	۴۰۹.....	شہادت برداران غفاری.....
۴۴۵.....	کچھ حضرت زینبؓ کے فرزند کے بارے میں.....	۴۱۰.....	شہادت شوزب و عابس بن شعیب شاکری.....
۴۴۵.....	شہادت محمد بن ابی سعید بن عقیل.....	۴۱۲.....	شہادت انس بن حارث کابلی.....
۴۴۶.....	شہادت عبداللہ بن عقیل.....	۴۱۵.....	شہادت عمرو بن جنادہ.....
۴۴۶.....	شہادت محمد بن مسلم بن عقیل.....	۴۱۶.....	شہادت حجاج بن مسروق جعفی.....
۴۴۶.....	شہادت فرزندان امام حسن.....	۴۱۷.....	شہادت سوار بن ابی حمیر.....
۴۴۶.....	شہادت ابوبکر بن حسن.....	۴۱۷.....	شہادت سوید بن عمرو ابی الطاع.....
۴۴۷.....	شہادت قاسم بن حسن.....	۴۱۹.....	حواشی و حوالہ جات.....
۴۵۰.....	شہادت حسن بن حسن اور قاسم بن حسن کے عقد کا ماجرا.....		پندرہواں باب.....
۴۵۳.....	شہادت فرزندان امیر المومنین.....	۴۲۵.....	شہادت اہل بیت.....
۴۵۴.....	شہادت عبداللہ بن علی.....	۴۲۵.....	شہدائے اہل بیت کی تعداد.....
۴۵۴.....	جعفر بن علی کی شہادت.....	۴۲۶.....	جوانان بنی ہاشم کا وداع اور ان کا پہلا شہید.....
۴۵۴.....	شہادت عثمان بن علی.....	۴۲۷.....	شہادت علی بن حسین.....
۴۵۵.....	شہادت محمد بن علی.....		کیا مادر جناب علی بن الحسینؑ کر بلا میں موجود تھیں؟.....
۴۵۵.....	شہادت ابوبکر بن علی.....	۴۲۸.....	کیا کر بلا کے شہید علی بن الحسینؑ.....
۴۵۵.....	شہادت حضرت ابوالفضل العباسؑ.....		علی اکبرؑ تھے؟.....
۴۵۶.....	حضرت عباسؑ کے فضائل کی جھلک.....	۴۲۹.....	جناب علی بن الحسینؑ اور ان کے اہل و عیال پر تحقیق.....
۴۵۹.....	امام زین العابدینؑ کی زبان سے.....	۴۳۱.....	جناب علی بن الحسینؑ کے فضائل و کمالات.....
	عباس بن علیؑ کا زیارت نامہ امام صادقؑ کی زبان مبارک سے.....	۴۳۳.....	شہادت علی بن الحسینؑ.....
۴۶۰.....	زیارت ناحیہ مقدسہ.....	۴۳۹.....	امام حسینؑ اپنے بیٹے کے لاش پر.....

عصر حاضر کے ایک دانشور کے الفاظ میں	امام حسینؑ کے ساتھیوں میں کچھ زندہ رہے..... ۵۰۸
شہادت نامہ..... ۴۶۲	امام حسینؑ کی اولاد اور ازواج..... ۵۰۹
حضرت عباسؑ کی اولاد..... ۴۶۷	حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ..... ۵۱۱
جناب عباسؑ کے بعض سرانی..... ۴۶۷	کوفہ میں حضرت فاطمہ کا خطاب..... ۵۱۳
حواشی و حوالہ جات..... ۴۷۰	حضرت سکینہ بنت الحسینؑ..... ۵۱۷
سواہواں باب	امام حسینؑ کی ازواج..... ۵۱۸
شہادت امام حسینؑ..... ۴۷۷	حواشی و حوالہ جات..... ۵۲۱
شہادت شیر خوار..... ۴۷۹	سڑھواں باب
کیا طفل رضیع علیٰ اصغر تھے؟..... ۴۸۲	امام حسینؑ کے مختصر فضائل اور آپؑ کے
امام حسینؑ کی اہل حرم سے آخر رخصت..... ۴۸۴	اخلاق کی جھلک..... ۵۲۵
امام کا پرانا لباس طلب کرنا..... ۴۸۴	امام حسینؑ کی امامت..... ۵۲۵
جنگ اور دشمن پر حملہ..... ۴۸۷	امام حسینؑ کے چند معجزات..... ۵۲۶
نہر فرات میں..... ۴۹۰	امام کی عبادت گزاری..... ۵۳۲
حضرت کے مرثیہ خوان اور ذاکرین کرام	مقام اخلاق پر چند روایات..... ۵۳۲
سے گزارش..... ۴۹۳	استقلال، استقامت، شجاعت اور امام
کثرتِ جراحات..... ۴۹۳	کی اعلیٰ نظر فی..... ۵۳۸
دشمن کی انتہائی جسارت..... ۴۹۴	امام حسینؑ کے حکیمانہ کلمات..... ۵۴۱
شہادت عبد اللہ بن حسن..... ۴۹۵	کیسی عبادت بہتر ہے؟..... ۵۴۱
امام گھوڑے پر سوارہ سکیں..... ۴۹۶	کسے حاجتوں سے آگاہ کریں؟..... ۵۴۲
مسیبیت عظمیٰ اور فلاحہ کبریٰ..... ۴۹۷	غیبت، ظلم اور گناہ کی مذمت..... ۵۴۲
گھوڑے نے کیا کیا؟..... ۵۰۰	سلام کی تاکید..... ۵۴۳
امام کے لباس کو بھی لوٹ لیا..... ۵۰۳	کس چیز میں خیر و نیا و آخرت پائی جاتی ہے؟..... ۵۴۳
تاریخی خیام اور جو کچھ عورتوں اور بچوں کے	ترک گناہ پر حضرت کا موعظہ..... ۵۴۳
پاس تھا عمارت کر لیا..... ۵۰۴	کار خیر کی سفارش..... ۵۴۴
جن مہاجر کو کم اسپاں سے پامال کیا گیا..... ۵۰۷	تقوایٰ الہی کی سفارش..... ۵۴۶
وقت شہادت امام کا سن مبارک..... ۵۰۸	حواشی اور حوالہ جات..... ۵۴۷